سسپنس ڈائجسٹ کا مشہور سلسلہ
دیوتا

میں نے ان کی گفتگو کے درمیان کہا: "میں تم دونوں کی باتیں ڈرائنگ روم کے ٹیلی فون سے سن رہا ہوں۔ شہناز! تم اس آدمی کی خوشامد نہ کرو۔ یہ میرا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ اگر یہ اس شہر کا سب سے بڑا بدمعاش ہے تو میں اپنے ملک کا بہت بڑا شریف شہری ہوں۔ میں پندرہ منٹ کے بعد اپنی کوٹھی سے باہر نکلوں گا وہ جہاں بھی میرا سامنا کرنا چاہتا ہے، کرلے۔ میں تیار ہوں اور جب میں باہر جاؤں تو تم اندر سے دروازہ بند کر لینا اور اس وقت تک نہ کھولنا جب تک کہ میں تمہیں دروازہ کھولنے کے لئے نہ کہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے ریسیور رکھ دیا اور مراد کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ وہ ہماری کوٹھی کے قریب ہی ایک اور کوٹھی میں بیٹھا ہوا فون پر باتیں کر رہا تھا۔ میرا جواب سن کر اس نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ پھر اپنے ماتحتوں سے کہنے لگا: "وہ شخص ابھی پندرہ منٹ کے بعد شہناز کی کوٹھی سے باہر نکلنے والا ہے۔ تم لوگ اس کوٹھی کے آس پاس دور تک پھیل جاؤ اور دیکھتے رہو کہ وہ کس طرف جاتا ہے۔ جدھر بھی جائے اس کا تعاقب کرتے رہو کہ وہ کسی ایسی جگہ گھیر لو جہاں زیادہ بھیڑ نہ ہو۔ ہم وہاں اس کی اچھی طرح حجامت کریں گے اور اسے پکڑ کر ناصر پاشا کے پاس پہنچا دیں گے۔"

میں خود ناصر پاشا کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن ان بدمعاشوں سے مار کھانے یا ان سے مغلوب ہونے کے بعد نہیں بلکہ ان پر غالب آنے کے بعد میں ایک فاتح کی شان سے ناصر پاشا تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اب اس کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا۔ یہ بات میرے دماغ میں نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ ٹھیک پندرہ منٹ بعد مجھے اس کوٹھی سے نکلنا چاہئے اور اس وقت تک سوچ لینا چاہئے کہ مجھے کس طرح باہر نکل کر کس طرف جانا چاہئے اور ان لوگوں سے کیسے نمٹنا چاہئے؟

میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر یہ معلوم کیا کہ وہ سب لوگ نہتے ہیں یا مسلح ہیں۔ پتہ چلا کہ جو چار ماتحت میری کوٹھی کے پاس مجھے گھیرنے کے لئے آئے ہیں ان میں سے ایک کے پاس چاقو ہے۔ باقی تین نہتے ہیں اور دوسری کوٹھی میں جہاں مراد بیٹھا ہوا ہے۔ وہاں اس کے پاس دو ماتحت ہیں اور وہ بھی خالی ہاتھ ہیں۔ البتہ مراد کے پاس ایک ریوالور ہے اور وہ ریوالور پورا بھرا ہوا ہے۔

خیال خوانی کے دوران خوشبو کا ایک جھونکا آیا۔ میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو وہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے داخل ہو رہی تھی۔ اس نے وہی صبح کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ابھی وہ غسل سے فارغ نہیں ہوئی تھی۔ صرف مجھے روکنے کے لئے آئی تھی۔ اس نے کہا: "تمہیں تنہا باہر نہیں جانا چاہئے۔ تم مراد کو نہیں جانتے ہو۔ وہ قاتل ہے۔ اسمگلر ہے اور جانے کیا کچھ ہے۔ پولیس والے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں۔ بلکہ اس کے دوست بن کر رہتے ہیں۔ تم اس کے خلاف قانون کی حمایت بھی حاصل نہیں کر سکو گے۔"

میں نے کہا: "تمام پولیس والے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ان میں کچھ ایماندار اور فرض شناس بھی ہوتے ہیں۔ میں ایسے فرض شناس پولیس والوں کو ضرور ڈھونڈ نکالوں گا۔ باقی رہی میری بات تو تم میری فکر نہ کرو۔ یوں سمجھ لو کہ اگر میں باہر جا کر مر گیا تو مجھ سے تمہارا پیچھا چھوٹ جائے گا۔ یوں بھی تم مجھے بھگانا چاہتی تھیں اور اگر زندہ لوٹ آیا تو تمہیں اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ میں بہت جیدار ہوں اور میری عمر لمبی ہے اور میں تمہاری حفاظت بھی اتنی ہی جی داری سے کر سکتا ہوں۔"

اس نے جواب دیا "بنکاک میں کچھ ایسا ہی سوچ کر میں تمہیں مُردہ حالت میں چھوڑ کر چلی آئی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ تمہارے نصیب میں زندگی ہو گی تو تم میرے پاس چلے آؤ گے اور یہی ہوا کہ تم میرے پاس آ گئے۔ اس بار بھی یہی سوچتی ہوں کہ تمہیں باہر جانے دوں۔ لیکن جانے کیوں میرا دل کہتا ہے کہ تمہیں روک لوں۔ اگر رُک جاؤ تو بہتر ہے۔ ان بدمعاشوں سے نمٹنے کے بجائے یہیں سے ہم پولیس والوں کو فون کریں گے اور ان سے رابطہ قائم کر کے قانون کی مدد حاصل کریں گے۔"

میں نے کہا "یہاں بیٹھ کر ہم قانون کی حمایت حاصل نہیں کر سکتے میرا جانا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ میں قانون کی حمایت حاصل کئے بغیر ایسے اسمگلر کے پاس پہنچنا چاہتا ہوں جو میرے ملک کی بہو بیٹیوں کو ملک کے باہر بھیجتا ہے، حرام کی آمدنی کماتا ہے . . . اور ہمارے ملک کی بدنامی کرتا ہے۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ بالوں میں کنگھی کی۔ پھر ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے ہوئے بولا "تم دروازے کو اندر سے اچھی طرح بند کر لو جب تک میں تمہیں آواز نہ دوں۔ اس وقت تک دروازہ نہ کھولنا۔"

شہناز عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ وہ تذبذب میں تھی۔ وہ مجھے روکنا بھی چاہتی تھی اور نہیں بھی چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ میں اس کا پیچھا چھوڑ دوں اور یہ بھی چاہتی تھی کہ میں اس سے دُور نہ ہو جاؤں۔ کیونکہ اب میں ہی اس کا ایک محافظ تھا۔ بہرحال میں دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔

میں نے دُور تک اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ ہماری کوٹھی کے احاطے کے باہر ایک کشادہ سڑک تھی۔ سڑک کے دوسری طرف پلازہ نما فلیٹس بنے ہوئے تھے۔ پھر اس کے بعد کوٹھیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان فلیٹس کے نچلے حصے میں کچھ دکانیں کھلی ہوئی تھیں اور وہاں لوگوں کا آنا جانا تھا وہیں میرا تعاقب کرنے والے بھی موجود تھے۔ ہمارے ہاں بہت بڑے بدمعاش کو دادا کہتے ہیں۔ میں نے مراد دادا کے دماغ میں جھانک کر معلوم کیا کہ وہ فلیٹ کے بعد تیسرے نمبر کی کوٹھی میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں وہاں سے آگے بڑھ گیا اور اطمینان سے چلتا ہوا اپنی کوٹھی کے احاطے سے باہر نکل گیا۔ اب میں اسی تیسرے نمبر کی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ان ماتحتوں سے الجھنا اور وقت ضائع کرنا بیکار ہے۔ مجھے ناصر پاشا تک پہنچنا تھا اور اس کے لئے مراد دادا ہی ایک ذریعہ تھا۔

میں نے راستے کے کنارے چلتے ہوئے ــــ یونہی کن انکھیوں سے ادھر کبھی پلٹ کر دیکھا تو صاف پتہ چل گیا کہ بدمعاش قسم کے تین آدمی میرے پیچھے ذرا فاصلے پر چلے آ رہے تھے انہوں نے مجھے چھیڑا نہیں۔ کیونکہ لوگ آ جا رہے تھے۔ دوسری بات یہ کہ میں اسی طرف جا رہا تھا۔ جدھر وہ مجھے لے جانا چاہتے تھے۔ یعنی اپنے مراد دادا کے پاس مجھے پہنچانا چاہتے تھے اور میں خود ہی ادھر کھنچا چلا جا رہا تھا۔

میں اس کوٹھی کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ کچھ فاصلے پر وہ تینوں پیچھا کرنے والے بھی رُک گئے۔ اب چوتھا آدمی بھی پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ میں نے انہیں للکار کر کہا "ارے بے وقوفو! کب تک پیچھا کرتے رہو گے۔ سامنے آ جاؤ اور مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا وہ مراد دادا کہاں رہتا ہے؟ میں خود اس سے جا کر ملاقات کروں گا۔"

ایک بدمعاش نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے آگے بڑھ کر کہا۔ "ہمارا ارادہ تھا کہ تمہارے ہاتھ پاؤں توڑ کے ہم اپنے دادا کے پاس پہنچاتے مگر تم خود ہی یہاں تک چلے آئے ہو تو اب تمہیں کیا چھیڑنا۔ اگر اب سیدھی طرح اس کوٹھی کے اندر چلنے کے لئے تیار ہو تو آگے بڑھتے چلو۔ ہم تمہارے پیچھے ہی آ رہے ہیں۔"

میں وہاں سے پلٹ کر کوٹھی کے احاطے کا بڑا سا پھاٹک کھول کر اندر جانے لگا۔ اندر پہنچ کر ایک آدمی نے کہا "کوٹھی کے اندر جانے کا راستہ پیچھے سے ہے۔" میں پیچھے کی طرف جانے لگا۔

میں کوٹھی کے پیچھے پائیں باغ میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر ان لوگوں کی نیت خراب ہو گئی۔ ایک نے کہا "اسے صحیح سالم اپنے دادا کے پاس پہنچانا مناسب نہیں ہے۔ ہمیں اپنا کارنامہ بھی دکھانا چاہئے۔ اسے ذرا توڑ پھوڑ کر پہنچائیں گے تو دادا ہماری قدر کرے گا۔"

میں نے پوچھا "کیا تم لوگ مردوں کی طرح ایک ایک کر کے مجھ پر حملہ کرو گے یا سب ایک ساتھ حملہ آور ہو جاؤ گے؟"

ان میں سے ایک نے بڑھ کر کہا "ہم مردہیں مردوں کی طرح مقابلہ کریں گے۔" یہ کہتے ہی اس نے مجھ پر چھلانگ لگائی تو میں ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ اپنی ہی چھلانگ کے زور میں آگے بڑھتے ہوئے دُور جا کر اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔

دوسرا آیا تو میں نے اس کا ہاتھ روک کر ایک گھونسہ اس کے منہ پر جڑ دیا۔ تیسرا بڑھنے لگا۔ میں نے کہا "یہ مردوں کے جیسا تو مقابلہ نہیں ہے کہ یکے بعد دیگرے سبھی چلے آ رہے ہیں۔ ایک ایک کر کے آؤ اور ہار جیت کا فیصلہ کر کے الگ ہو جاؤ۔"

مگر وہ میرے لڑنے کے انداز سے سمجھ گئے تھے کہ میں ایک دو کے بس کا نہیں ہوں۔ اس لئے وہ ایک ایک، دو، دو، تین تین کی تعداد میں آ کر حملہ کر رہے تھے۔ میں ان کے حملوں کا جواب دے رہا تھا۔ مار کھا رہا تھا اور انہیں مارتا بھی جا رہا تھا۔ میں کوئی فلمی ہیرو نہیں تھا کہ لڑتے وقت میرے کپڑوں کی استری خراب نہ ہوتی۔ شکنیں نہ پڑتیں۔ میرے بال نہ بکھرتے اور میں ہیرو کے انداز میں لڑتا ہوا سب کو شکست دے کر بھگا دیتا۔ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ ٹیلی پیتھی جاننے کے باوجود، اپنے آپ کو بچانے کے باوجود میں مار کھا رہا تھا اور ان لوگوں کو مار رہا تھا۔

آخر ایک نے چاقو نکال کر للکارتے ہوئے کہا "تم سب ایک

طرف ہٹ جاؤ۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ جب تک ہم اسے اچھی طرح زخمی نہیں کر دیں گے۔ اس وقت تک دادا کے سامنے نہیں لے جائیں گے کچھ تو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم نے کس طرح اس کا آپریشن کیا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا اور پھر میری طرف بڑھنے لگا۔ میں پینترا بدل کر اس کے چاقو سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا اور بیک وقت اس کے دماغ میں بھی پہنچ رہا تھا اور اس کے حملہ کرنے کے انداز کو بھی سمجھ رہا تھا کہ وہ کتنی دیر بعد پینترا بدلنے کے بعد مجھ پر حملہ کرے گا پھر جیسے ہی اس نے پینترا بدل کر مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے جھکائی دے کر ایک ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اور دوسرا ہاتھ اس کے چاقو پر رکھ دیا۔ پھر اس کے ذہن کو ہلکا سا جھٹکا دیا تو چاقو پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ چاقو میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں نے اسے ایک لات مار کر دُور پھینکا۔ پھر اس کے بعد چاقو کو اپنے ہاتھ میں تولتے ہوئے کہا "اب آؤ۔ کون میرے سامنے آنا چاہتا ہے؟"

وہ سب سہم کر پیچھے ہٹنے لگے۔ اسی وقت مراد دادا کی للکار سنائی دی۔ میں نے ایک طرف دیکھا تو کوٹھی کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ کھلے ہوئے دروازے پر ریوالور لئے ہوئے کھڑا تھا اور للکارتے ہوئے کہہ رہا تھا "خبردار! چاقو پھینک دو اور سیدھی طرح ادھر آ جاؤ۔"

میں نے کہا "مسٹر مرلو! تم اپنے ان پوتوں کے لئے دادا ہو گے میرے لئے ایک بزدل سے کچھ کم نہیں ہو کہ ریوالور پر اتنا اعتماد رکھتے ہو اور اپنی طاقت پر ذرا سا بھی بھروسہ نہیں ہے اگر تم اتنے ہی دلیر ہو تو آؤ مجھ سے دو دو ہاتھ کر لو۔ میں چاقو پھینک دیتا ہوں۔ تم ریوالور پھینک دو۔"

مراد نے کہا "میں مرد ہوں اور دلیر ہوں۔ میں نے ابھی تمہیں مردانگی سے مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم سے مقابلہ کروں۔ میں تمہاری یہ حسرت ضرور پوری کروں گا۔ یہ دیکھو میں اپنے ریوالور سے ساری گولیاں نکالے دے رہا ہوں اور ان گولیوں کو میں اپنی جیب میں رکھوں گا۔ ریوالور میرے کسی آدمی کے پاس رہے گا جو کہ خالی ہو گا۔ تم چاقو پھینک دینا۔ ہم خالی ہاتھ مقابلہ کریں گے۔ جو جیت جائے گا وہ اپنی بات منوائے گا۔ بولو منظور ہے؟"

میں نے کہا "منظور ہے۔"

وہ ریوالور سے گولیاں نکالنے لگا۔ پھر اس نے خالی ریوالور اپنے ایک ساتھی کو دیا اور ریوالور کی گولیوں کو اپنی پتلون کی جیب میں رکھ کر آگے بڑھتا ہوا پائیں باغ میں پہنچ گیا۔ اپنے ساتھیوں کو اس نے حکم دیا کہ کوئی اس مقابلے کے دوران ہمارے درمیان میں نہ آئے۔ اگر دادا شکست کھاتا رہے تب بھی کوئی مداخلت نہ کرے اگر دادا کو شکست تسلیم کرنا ہو گا تو وہ خود ہی اس کا اعلان کرے گا اور اگر جیتتا رہے گا تو پھر جیت کر اپنی بات مجھ سے منوائے گا۔

سب لوگ دُور چلے گئے۔ میں اور مراد دادا گھاس کے ہرے ہرے فرش پر آ کر کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کے مقابل جم گئے۔ پھر مراد دادا نے کشتی لڑنے کے انداز میں دونوں ہاتھ آگے بڑھائے۔ میں نے بھی دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر پنجہ لڑایا۔ پہلے ہی مقابلے میں پتہ چل گیا کہ مراد دادا... بے انتہا طاقت کا مالک ہے اور اس کی انگلیاں فولاد کی طرح سخت ہیں۔ ویسے میں بھی کوئی بچہ تو تھا نہیں اس کے مقابلے میں جما رہا اور دونوں زور آزمائی کرتے رہے۔ پھر مراد دادا نے پوچھا "تم ملک نواز کی کوٹھی میں کیوں گئے تھے؟"

میں نے بدستور زور آزماتے ہوئے کہا "میں اپنی بیوی کی مطلوبہ رقم لینے گیا تھا لیکن وہاں جا کر پتہ چلا کہ وہ کسی معصوم لڑکی کی عزت سے کھیلنا چاہتا ہے۔ تب میں نے ان کے معاملات میں مداخلت کی۔"

یہ سنتے ہی مراد دادا کی زور آزمائی میں ذرا سی کمی واقع ہوئی۔ میں نے اسی وقت جھٹکا دے کر نیچے گرتے ہوئے مراد دادا کو اپنے اوپر ٹانگوں پر سے اچھالا اور... دوسری طرف پھینک دیا۔ پھر فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسری طرف مراد دادا بھی ایک چھلانگ لگا کر الٹی قلابازی کھا کر کھڑا ہو گیا تھا اور یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ مقابلے میں کمتر نہیں ہے۔

ہم دونوں پھر ایک دوسرے کے سامنے جم گئے۔ میں پینترے بدلنے لگا۔ اس بار میں نے پنجہ لڑانے کی حماقت نہیں کی۔ کیونکہ مجھے دیسی کشتی کا فن اچھی طرح نہیں آتا تھا۔ میں جوڈو کراٹے کے داؤں سے لڑ سکتا تھا! اسی انداز میں میں نے پینترا بدلتے ہوئے، اسے دھوکہ دے کر ایک لات اس کی کمر پر رسید کی۔ وہ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ میں نے دوسری لات گھوم کر اس کے سینے پر ماری۔۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے چلا گیا۔ پھر اس نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا "تم کہہ رہے تھے کہ۔۔ ملک نواز کسی معصوم لڑکی کی عزت سے کھیلنا چاہتا تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟"

میں نے کہا "بالکل سچ ہے۔ میں نے صرف اسی لئے اس کے معاملے میں مداخلت کی تھی۔ میری سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے اس کی تجوری سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ صرف وہ تصویریں لیں جو اُس لڑکی کو بدنام کر سکتی تھیں پھر میں نے وہ تصویریں بھی اس لڑکی کے حوالے کر دیں تاکہ وہ انہیں جلا کر راکھ کر دے۔ اور اس لڑکی نے ایسا ہی کیا تھا۔"

میری بات ختم ہوتے ہی اچانک اس کا گھونسہ میرے منہ پر پڑا اور میں لڑکھڑاتا ہوا پیچھے چلا گیا۔ پھر اس نے کہا "اگر یہ بات ہے تو میں ان کا ساتھ نہیں دوں گا۔ میں بدمعاش ضرور ہوں۔ بدمعاشیاں کرتا ہوں۔ میں نے قتل بھی کئے ہیں۔ میں نے مال اِدھر سے اُدھر اسمگل بھی کیا ہے۔ لیکن میں اپنے ملک کی بہو بیٹیوں کی عزت کرتا ہوں۔ میں نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی جس سے میں بے غیرت کہلاؤں۔ مجھے بدمعاش کہلانا منظور ہے 'بے غیرت' کہلوانا منظور نہیں ہے۔"

میں نے پوچھا "تو پھر کیا ارادہ ہے۔ دوستی کرو گے یا دشمنی جاری رہے گی؟"

اس نے کہا "کیا تمہارے پاس اپنی سچائی کا کوئی ثبوت ہے؟"

"فی الحال تو میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جو تصویریں تھیں وہ اس لڑکی نے جلا ڈالی ہیں۔ وہ دنیا جہان کی لڑکیوں کو بلیک میل کرتے ہیں اور ان کا دھندا کرتے ہیں۔ انہیں ملک سے باہر بھیجتے ہیں۔ میں اس معاملے کی تہہ تک پہنچنا چاہتا ہوں اور میری معلومات کے مطابق ان کا سرغنہ ناصر پاشا ہے۔ وہ کسی جزیرے میں رہتا ہے اور وہاں سے یہ کاروبار کرتا ہے۔"

"میں تم سے دشمنی نہیں کروں گا۔ تم جن لوگوں کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہو۔ میں انہیں تباہ و برباد کرنے کے سلسلے میں تمہاری مدد کروں گا۔ بولو، میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟"

"میرے لئے یہی کرو کہ کسی طرح مجھے ناصر پاشا تک پہنچا دو۔ اس کے بعد میں اس سے سمجھ لوں گا۔"

"جب وہ اتنے بڑے پیمانے پر یہ کاروبار کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنی حفاظت کے بہت سے طریقے اختیار کر رکھے ہوں گے۔ تم تنہا وہاں جا کر کیا کر سکو گے؟"

"میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ میں تنہا ہوں۔ اس لئے کہ جب بھی کہیں جاتا ہوں تو میرا خدا میرے ساتھ ہوتا ہے۔"

"اگر تمہارا ایمان اور تمہارا جذبہ ایسا ہی مضبوط اور مستحکم ہے تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا اور ناصر پاشا کو برباد کرنے اور اس کاروبار کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے میں قدم قدم پر تمہارا ساتھ دوں گا۔"

میں نے کہا "مکاروں کے ساتھ مکاری کرنا پڑتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ مجھے پکڑ کر وہاں لے چلو اور ان پر یہی ظاہر کرو کہ میں بڑی مشکل سے قابو میں آیا ہوں اور یہ کہ تم مجھے قابو میں رکھنے کے لئے ہمیشہ میرے سر پر مسلط رہنا چاہتے ہو۔ اس طرح میرا تمہارا ساتھ رہے گا اور ہم یہ دیکھیں گے کہ وہاں کیا کر سکتے ہیں؟"

دوسرے ماتحت قریب آنے لگے۔ وہ سب کرائے کے غنڈے تھے اور مراد دادا کے اشارے پر اچھا خاصا معاوضہ لے کر کام کرتے تھے۔ ناصر پاشا نے بھی مراد دادا کو معقول معاوضہ دے کر میری سرکوبی کے لئے بھیجا تھا تاکہ میں بُری حالت میں ناصر پاشا کے سامنے پہنچایا جاؤں اور مجھ سے وہاں حساب کیا جائے کہ میں نے ان کا کتنا بڑا نقصان کیا ہے۔

میں نے اور مراد دادا نے دوستانہ انداز میں ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ دوسرے بدمعاشوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ پھر ہم وہاں سے چل پڑے۔ میں نے چلتے ہوئے کہا کہ "پہلے میں اپنی کوٹھی میں جاؤں گا اور اپنی بیوی کو تسلی دوں گا اور میری ایک چہیتی بلی ہے۔ اسے اپنے ساتھ لے کر چلوں گا۔"

ہم چار آدمی مراد دادا کی گاڑی میں بیٹھ کر شہناز کی کوٹھی کے سامنے آئے۔ وہاں میں گاڑی سے اُتر کر کوٹھی کے دروازے پر پہنچا اور دروازے پر دستک دیتے ہوئے شہناز کو آواز دی۔ شہناز نے میری آواز پہچان کر دروازہ کھول دیا۔ پھر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا "فکر نہ کرو، سب خیریت ہے۔ ان بدمعاشوں سے میری دوستی ہو گئی ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے جا رہا ہوں۔ اس کے بعد واپس آؤں گا۔"

یہ کہہ کر میں اندر گیا۔ وہاں سے میں نے اپنا وہ بریف کیس اٹھایا جس میں قیمتی ہیرے رکھے ہوئے تھے۔ پھر میں نے سامی کو اپنے ایک بازو پر لیا اور شہناز کو الوداعی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "میں جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میرے آنے میں دیر ہو۔ اگر میں آج رات نہ آ سکا تو تم پریشان نہ ہونا۔ کوئی تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ میں نے اس کا انتظام کر لیا ہے۔"

میں وہاں سے چلا آیا۔ مراد دادا کی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے میں نے مراد سے کہا "میری چند ضروری باتیں ہیں انہیں یاد رکھو اور اگر میرے کسی کام آ سکتے ہو تو بتا دو۔ پہلی بات تو یہ کہ میری بیوی یہاں اکیلی رہے گی۔ اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنا چاہئے۔ اس کی ذمہ داری تم پر ہے۔"

مراد دادا نے کہا "گھبراؤ نہیں۔ تمہاری بیوی کی عزت کو میں اپنی عزت سمجھتا ہوں اور میں اس کی پوری طرح حفاظت کا انتظام کروں گا اور دوسری بات بتاؤ۔"

میں نے کہا "اپنا یہ بریف کیس میں امانت کے طور پر تمہارے پاس رکھوانا چاہتا ہوں۔ اسے کھول کر نہ دیکھنا۔ کسی کی امانت ہے میں کسی وقت بھی تم سے واپس لے لوں گا۔"

ہماری گاڑی وہاں سے آگے بڑھ کر لالو کھیت میں آئی۔ وہاں مراد دادا اپنے مکان میں اس بریف کیس کو لے گیا۔ پھر وہاں حفاظت سے رکھنے کے بعد باہر آ گیا۔ پھر اس نے چند آدمیوں کو بتایا کہ انہیں ہمیشہ فلاں کوٹھی کی نگرانی کرنا ہے۔ اس نے اس کوٹھی کی نشاندہی کی جہاں شہناز رہتی تھی۔ میں مطمئن ہو گیا کہ اب شہناز کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہے اور میرا بریف کیس بھی محفوظ رہے گا۔ بریف کیس میں نے شہناز کے پاس نہیں رکھا کہ مجھے شہناز کی نیت پر شبہ تھا۔ وہ لالچی عورت تھی۔ میری غیر موجودگی میں بریف کیس کا تالا کھول کر ہیرے جواہرات دیکھتی تو ان پر قبضہ کر لیتی اور انہیں کہیں چھپا دیتی۔ یا کہیں اونے پونے فروخت کر کے سارے ہیرے ضائع کر دیتی۔

مراد دادا نے وہاں اپنی بیوی اور اپنے جوان لڑکوں سے میرا تعارف کرایا اور ان سے کہہ دیا کہ اگر میں کبھی مراد دادا کی غیر موجودگی میں بریف کیس یا کچھ بھی مانگنے آؤں تو مجھے بلا چُون و چرا دے دیا جائے۔ سب احتیاطی تدابیر اس لئے کی جا رہی تھیں کہ ہم ایک ایسی مہم پر روانہ ہو رہے تھے کہ جس کا صرف اندازہ کر سکتے تھے۔ ہم میں سے کون واپس آئے گا اور کون نہیں آئے گا۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ اسی لیے احتیاطاً میں نے سامی کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ تاکہ میں زیادہ عرصے تک دُور رہوں تو سامی کہیں بھٹک نہ جائے۔ اس کی عادت تھی کہ وہ مجھے تلاش کرنے کے لئے اِدھر اُدھر نکل جاتی تھی۔

وہاں سے ہم ہاکس بے کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں مراد دادا نے بتایا کہ ہاکس بے سے بھی بہت آگے سمندر کے ساحل پر ایک پختہ عمارت ہے جہاں ناصر پاشا اور اس کے کارکن کام کرتے ہیں اور قیام کرتے ہیں۔ جب ہم تقریباً دو گھنٹے کے بعد ہاکس بے سے بھی آگے نکل گئے اور اس عمارت کے قریب پہنچنے لگے تو مراد دادا نے کہا "اب میں تمہارے ہاتھ پیچھے سے باندھ دوں گا تاکہ انہیں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔"

"اگر تم میرے ہاتھ باندھ دو گے تو میں بے دست و پا ہو جاؤں گا۔ اگر کبھی اچانک مقابلہ کرنا پڑے تو پھر میں کیا کر سکوں گا؟"

مراد دادا نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی اتار کر دکھاتے ہوئے کہا "یہ دیکھو! یہ صرف انگوٹھی نہیں بلکہ اس کے اندر ایک چاقو بھی چھپا ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر مراد دادا نے انگوٹھی کے ایک سرے پر نتھے سے بٹن کو دبایا تو ایک چھوٹا سا چاقو انگوٹھی کے اندر سے نکل آیا۔ وہ چاقو بہت تیز تھا۔ مراد دادا نے کہا "اس چاقو کی مدد سے تم ہاتھ کلائی کی طرف سے موڑ کر رسی کو کاٹ سکو گے۔"

یہ سمجھانے کے بعد مراد دادا نے چاقو کو پھر انگوٹھی کے اندر کیا۔ پھر اس انگوٹھی کو میری انگلی میں پہنا دیا۔ اس کے بعد اس نے میرے دونوں ہاتھوں کو پشت پر رکھ کر ایک رسی سے باندھ دیا۔ اور اس طرح باندھ دیا کہ میں جب چاہتا اس انگوٹھی نما چاقو سے اس بندش کو کھول سکتا تھا۔ ہم ہاکس بے سے بھی بہت آگے تقریباً دو تین میل دُور ایک ویران ساحل پر پہنچ گئے تھے۔ وہاں ایک پختہ عمارت نظر آ رہی تھی۔ مراد دادا نے کہا "یہی وہ جگہ ہے جہاں میں نے ایک بار ناصر پاشا کو دیکھا تھا۔"

میں نے پوچھا "آج تم سے کس کے ساتھ یہ سودا ہوا تھا کہ تم مجھے گھیر کر وہاں ان کے پاس لے جاؤ گے۔"

اس نے جواب دیا "ناصر پاشا کا ایک اسسٹنٹ امیر حسن ہے۔ وہ ناصر پاشا کی غیر موجودگی میں سارے کاروبار کو سنبھالتا ہے۔ اسی نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے معقول معاوضہ دے گا۔ اگر میں تمہیں زندہ یا مُردہ اس اڈے تک پہنچا دوں۔"

ہماری گاڑی اس عمارت کے قریب پہنچتی جا رہی تھی۔ میں نے دیکھا۔ عمارت سے کچھ لوگ باہر نکل آئے تھے۔ اور ہمیں دیکھ رہے تھے۔ میں نے مراد دادا سے کہا "یہ لوگ بالکل نہتے ہیں۔"

مراد دادا نے جواب دیا "اُدھر نہ دیکھو۔ عمارت کے اوپر دیکھو وہاں کچھ لوگ اسٹین گن لئے کھڑے ہوئے ہیں اگر انہیں کوئی خطرہ محسوس ہوا تو وہ اوپر سے فائر کریں گے۔"

ہماری گاڑی عمارت سے کچھ دُور رُک گئی۔ کیونکہ آگے ریتیلا میدان تھا۔ ہم گاڑی سے اتر کر ریت پر چلنے لگے میرے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور میں ان کے درمیان ایک قیدی کی حیثیت سے چل رہا تھا۔

مراد دادا نے آہستگی سے کہا "تم کوئی خیال نہ کرنا۔ اب میرے تیور بدل جائیں گے اور میں تمہارے خلاف بولتا رہوں گا۔"

میں نے آہستگی سے کہا "میں سمجھتا ہوں۔ تم جیسا چاہو ویسا میرے ساتھ سلوک کرو۔ میں بُرا نہیں مانوں گا۔"

ہم زیرِ لب باتیں کرتے ہوئے عمارت کے بالکل سامنے پہنچ گئے۔ وہاں چار آدمی ہمیں دیکھ رہے تھے۔ پھر ایک نے دروازے کی طرف اشارہ کیا تو مراد دادا میرا بازو تھام کر مجھے کھینچتا ہوا دروازے کے پاس لے گیا۔ پھر اس نے دروازے کو کھولا اور ہم عمارت کے اندر پہنچ گئے۔

اندر ایک بڑا سا ہال تھا۔ ہال کی دیواروں میں چاروں طرف مختلف دروازے بنے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہر دروازے کے پیچھے الگ الگ کمرہ ہوگا۔ ایک زینہ بل کھاتا ہوا اوپر کی جانب چلا گیا تھا۔ ایک شخص نے ہماری رہنمائی کی اور وہ اوپر زینے پر چڑھنے لگا۔ ہم اس کے پیچھے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر پہنچے۔ تو وہاں بہت سی لڑکیاں نظر آئیں — میں قیدی بنا ان کے درمیان سے گزرتا ہوا ایک بڑے سے ہال میں ... پہنچا۔ ایک نوجوان ہال کے وسط میں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھ کر مراد دادا سے کہا "آؤ دادا! تم ہمارا شکار پکڑ کر لے ہی آئے۔ یہ ملک نواز کہہ رہا تھا کہ یہ شخص بہت ہی تیز طرار اور خطرناک قسم کا فائٹر ہے۔ دو چار لوگوں کے قابو میں نہیں آ سکے گا۔"

میں نے دیکھا۔ ملک نواز اس نوجوان کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس نوجوان کا نام امیر حسن ہے اور وہی ناصر پاشا کا خاص نائب ہے اور ناصر پاشا کی غیر موجودگی میں وہاں کا کاروبار سنبھالتا ہے۔

ملک نواز مجھے دیکھتے ہی غصے سے مٹھیاں بھینچ کر آگے بڑھتے ہوئے بولا "میں اس شخص کو اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔ اتنا ماروں گا کہ یہ سانس لینا بھول جائے گا۔"

وہ غصے میں آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اتنے میں مراد دادا ہمارے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے ملک نواز کو روکتے ہوئے کہا "میں اس شخص کو مارنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اس لئے کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور بندھے ہوئے دشمن کو مارنا بہادری نہیں بُزدلی ہے۔"

امیر حسن نے کہا "ملک نواز، تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں تمہیں موقع دوں گا کہ تم مار پیٹ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال سکو۔ لیکن ابھی نہیں، ابھی اِدھر آ جاؤ۔"

ملک نواز بے بسی سے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے پیچھے ہٹ کر مجھے گھورتا رہا۔ پھر امیر حسن نے مجھ سے پوچھا "ہاں! تو تم نے ملک نواز کے

گھر میں گھس کر اس لڑکی کی مدد کیوں کی تھی؟ کیا وہ تمہاری رشتے دار تھی؟"

"میرے ملک کی وہ تمام لڑکیاں جو اپنی عزت و آبرو کی سلامتی چاہتی ہیں۔ ان سے میرا مقدس رشتہ ہے۔ میں انہیں تباہ و برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا اس لئے میں نے اس کی مدد کی تھی۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولا: "اچھا، تو تم عزت و آبرو کے ٹھیکیدار ہو بے وقوف اس دنیا میں روزانہ ہر لمحے اور ہر گھڑی کتنی ہی عورتیں اپنی عزت لٹاتی ہیں اور کتنے ہی مرد اُن کی عزت لوٹتے ہیں۔ تم کہاں کہاں تک، کس کس کی حفاظت کرو گے؟ کتنی عورتوں سے مقدس رشتے قائم کرو گے۔ تم کوئی بے وقوف اور پاگل معلوم ہوتے ہو۔ تم نے ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑا کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ہم کیا کاروبار کرتے ہیں اور اس لئے بتا رہا ہوں کہ تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جاؤ گے۔ تم نے ہمیں جو نقصان پہنچایا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ تمہیں گولی مار دی جائے اور تمہاری لاش کو سمندر کے کھارے پانی میں پھینک دیا جائے۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک اسٹین گن والے کو حکم دیا کہ یہاں لڑکیوں کو حاضر کیا جائے۔ اسٹین گن والا دروازے پر کھڑا تھا۔ اس نے باہر پلٹ کر کسی سے یہی بات کہی کہ لڑکیوں کو حاضر کیا جائے۔ وہ اپنی پوزیشن چھوڑ کر ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ مراد دادا سوچ رہا تھا کہ ہم وہاں جا کر بُرے پھنسے ہیں۔ اب وہاں سے زندہ سلامت واپس نکلنا ممکن نہیں ہے۔ کیا ایسے میں وہ میرا ساتھ چھوڑ دے یا دوستی نبھائے۔ وہ ایک کشمکش میں تھا۔ لیکن واقعی بدمعاش ہوتے ہوتے بھی ایماندار اور زبان کا پکا تھا۔ ہر لمحہ اسی خیال کو غالب آنے دے رہا تھا کہ وہ جان پر کھیل کر بھی دوستی نبھائے گا۔

میں اس دوران رفتہ رفتہ معلومات حاصل کرتا جا رہا تھا امیر حسن کی جیب میں ایک ریوالور رکھا ہوا تھا اور وہ اسٹین گن والے اس ہال میں موجود تھے جہاں ہم کھڑے ہوئے تھے۔ باقی وہ اسٹین گن والے اس عمارت کی چھت پر پہرہ دے رہے تھے۔ ان کے علاوہ اور کوئی مسلح نہ تھا۔ ملک نواز بھی خالی ہاتھ تھا۔ ایک اسٹین گن والے نے تھوڑی دیر پہلے بات کی تھی۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ چکا تھا۔ دوسرا اسٹین گن والا دور تھا۔ میں اس کی آنکھوں میں بھی نہیں جھانک سکتا تھا۔ اس لئے میں اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا تھا اور اس کی صورت بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

اتنے میں وہ مجبور لڑکیاں ہال کے اندر آنے لگیں۔ وہ ایک قطار میں داخل ہو رہی تھیں۔ پھر امیر حسن کے سامنے ایک قطار میں سر جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔ ان میں سے کچھ رو رہی تھیں، کچھ آنسو پونچھ رہی تھیں اور کچھ اداسی سے سر جھکائے ہوئے تھیں۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ انہیں ان کی مرضی کے خلاف وہاں لایا گیا ہے۔ امیر حسن نے کہا: "یہ لڑکیاں اپنا ملک چھوڑ کر جا رہی ہیں۔ اس لئے کچھ اداس نظر آ رہی ہیں۔ کچھ رو رہی ہیں۔ یوں بھی لڑکیاں اپنا میکہ چھوڑتے وقت زیادہ ہی روتی ہیں۔"

وہ تمام لڑکیاں اس قدر حسین تھیں کہ ان کی تعریف میں لفظوں کے خزانے خرچ کئے جا سکتے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ ہیرے جواہرات کے ڈھیر میں سے نایاب ہیرے چُن لئے گئے ہوں۔ انہیں ملک سے باہر بھیجا جا رہا تھا بلکہ اسمگل کیا جا رہا تھا۔ امیر حسن نے کہا: "یہ نایاب ہیرے ہیں۔ حسین ترین لڑکیاں ہیں۔ ہم ہر دوسرے تیسرے مہینے اپنے ملک سے ایسی ہی حسین لڑکیوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ انہیں بلیک میل کرتے ہیں۔ ان کی کسی نہ کسی کمزوری سے کھیلتے ہیں اور انہیں مجبور کرتے ہیں کہ یہ ہماری بات مان لیں اور اپنے گھر کو، اپنے خاندان کو، اپنے والدین اور اپنے ملک کو چھوڑ کر وہ ......

اپنے ... ملک سے باہر چلی جائیں اور ہم انہیں باہر اسمگل کرتے ہیں۔ ہمارے اپنے ملک سے جنس، اناج اور سونا بلکہ ہمارے ملک کی عزت بھی اسمگل ہوتی ہے۔ جب یہ لڑکیاں بیرونی ممالک کے امراء و رؤسا کے عیش کدوں میں جاتی ہوں گی اور وہاں انہیں ٹٹول کر پوچھا جاتا ہوگا کہ یہ کہاں سے آئی ہیں تو بیان کیا جاتا ہوگا کہ یہ پاکستان کا حُسن ہے۔ اس کی دھجیاں اڑا دو۔ پھر عیاش لوگ قہقہے لگاتے ہوئے ان کی دھجیاں اڑا دیتے ہوں گے اور ہم ان باتوں سے بے خبر اپنی غیرت کو سینے سے لگائے اس فخر سے بیٹھے رہتے ہوں گے کہ ہماری عزت محفوظ ہے۔ ہماری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ہے جبکہ ہمارے ہی ملک کے دلال یہ ذلیل حرکتیں کرتے ہیں۔"

امیر حسن نے مجھ سے پوچھا: "تم کتنے غیرت مند ہو؟ کیا تم ان میں سے کسی کی عزت کو بھی باہر کی منڈی میں بکنے سے روک سکتے ہو؟ تم نے بہت ہی غیرت مند ہونے کا ثبوت دینے کے لئے ملک نواز کو نقصان پہنچایا۔ ہمیں نقصان پہنچانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے یہاں آ کر اب تم اپنی آخری سانسیں گن رہے ہو۔ تھوڑی دیر کے مہمان ہو۔ اچھی طرح حسن و شباب کو دیکھ لو۔ اس دنیا کو آخری بار حسرت سے دیکھ لو۔ پھر یہ دنیا تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔"

میں لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا اور لڑکیاں مجھے یوں دیکھ رہی تھیں جیسے چند گھڑی کے مہمان کو دیکھا جاتا ہے جو کسی دم میں رخصت ہونے والا ہو۔ میں نے کہا: "تم درست کہتے ہو۔ یہاں اسٹین گنیں ہیں۔ تمہارے آدمی ہیں تمہاری ایک فوج ہے اور میں تنہا کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن میں چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے ان لڑکیوں کو یہاں سے باہر بھیج دو۔"

"میں کسی کا حکم سننے کا عادی نہیں ہوں۔" اس نے کہا: "میں ان لڑکیوں کی موجودگی میں سننا چاہوں گا کہ تم مجھ سے کیا کہتے ہو۔"

میں نے کہا: "میں غیرت مند ہوں اور کچھ ایسی باتیں کرنا چاہتا ہوں جو صرف مردوں کے درمیان ہوتی ہیں۔ اگر سننا پسند کرو تو میں تنہائی میں کہوں گا ورنہ ان کی موجودگی میں کبھی میری زبان نہیں کھلے گی۔"

امیر حسن نے مجھے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر حکم دیا کہ لڑکیاں وہاں سے باہر چلی جائیں۔ وہ لڑکیاں اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک ایک کر کے اس ہال نما کمرے سے جانے لگیں۔ جیسے ہی وہ باہر گئیں۔ میں اس اسٹین گن والے کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ سب سے پہلے اس اسٹین گن والے نے اپنی اسٹین گن کو سنبھالتے ہوئے دوسرے اسٹین گن والے پر اچانک ہی فائرنگ کی۔ اس اچانک واردات کے لئے کوئی تیار نہیں تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس مسلح گارڈ پر بھروسہ کیا جا رہا ہے وہی اپنے ایک آدمی کو مار ڈالے گا۔ امیر حسن اپنی جیب سے ریوالور نکالنا چاہتا تھا۔ اسٹین گن والے نے اسے بھی اپنی اسٹین گن کی گولیوں سے بھون کر رکھ دیا۔ اس کی زد میں ملک نواز بھی آ گیا۔ اس کی بھی چیخیں سنائی دیں۔ پھر میں نے مراد دادا سے کہا: "دیکھتے کیا ہو؟ جلدی میرے ہاتھ کھول دو۔"

مراد دادا نے فوراً ہی میرے ہاتھوں کو کھول دیا۔ اس وقت تک میں اسٹین گن والے کے دماغ پر قابض رہا تھا۔ مراد دادا نے بھی دوستی کا مظاہرہ کیا جو اسٹین گن والا مُردہ پڑا تھا۔ اس طرف دوڑتا ہوا گیا تاکہ اس کی اسٹین گن پر قبضہ جما لے۔ میں دوسرے اسٹین گن والے کے دماغ پر قبضہ جمائے ہوئے تھا اس لئے مراد دادا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ پھر مراد دادا نے وہ اسٹین گن ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے اسٹین گن والے کو گولی کا نشانہ بنایا جو کہ میرے قبضہ میں تھا۔ وہ آخری چیخیں مارتا ہوا فرش پر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ میں دوڑتا ہوا اس کے پاس گیا اور اسٹین گن پر قبضہ جما لیا۔

ہم دونوں گن سنبھالتے ہوئے ہال سے باہر نکلے تو اوپر کے زینے سے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ لڑکیاں چیخ رہی تھیں اور اوپر سے کچھ لوگ اترتے ہوئے نیچے آ رہے تھے۔ ہم نے اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لی۔ زینے کی آڑ میں چھپ گئے۔ جب ہم نے دیکھا کہ دو اسٹین گن بردار تیزی سے اترتے ہوئے چلے آ رہے ہیں تو ہم نے اچانک ہی فائر کھول دیا۔ وہ دونوں ہی چیختے ہوئے زینے پر گرے اور لڑھکتے ہوئے نیچے آنے لگے۔

مراد دادا کے دو آدمیوں نے اُن کی اسٹین گنوں پر قبضہ جما لیا میں نے مراد دادا کے ایک آدمی سے کہا کہ امیر حسن اور ملک نواز کی تلاشی لی جائے۔ ہو سکتا ہے ان کے پاس بھی کوئی اسلحہ موجود ہو۔ باقی دو آدمی دوڑتے ہوئے اس کمرے میں واپس گئے اور ان کی تلاشی لینے لگے۔ میں جانتا تھا کہ امیر حسن کی جیب سے ریوالور نکلے گا۔ سو ایک آدمی نے اس ریوالور پر قبضہ جما لیا۔ تمام لڑکیاں سہم کر چیختی ہوئی ایک کمرے میں گھس گئی تھیں۔ اب وہاں اس عمارت میں تقریباً ہمارا قبضہ ہو چکا تھا۔ جو نہتے لوگ تھے وہ سہمے ہوئے ایک طرف دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے تھے اور ہمیں التجا آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

مراد دادا کے آدمیوں نے ان سب لوگوں کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ دیے۔ ان میں سے صرف ایک آدمی کو آزاد رکھا۔ وہ ہمیں وہاں کے متعلق معلومات فراہم کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ آج آدھی رات کو ایک لانچ یہاں سمندر کے کنارے آنے والی ہے۔ اس لانچ میں یہ بارہ لڑکیاں بھیجی جانے والی تھیں اور ان کے تمام ریکارڈ بھی یہاں سے جانے والے تھے۔

میں نے پوچھا کہ اُن کے ریکارڈ کہاں رکھے ہوئے ہیں۔ تب اس آدمی نے ہماری وہاں تک رہنمائی کی۔ ایک لوہے کی الماری میں وہ تمام سامان رکھا ہوا تھا۔ امیر حسن کی تلاشی لی گئی تو اس کی ایک جیب سے چابیاں نکلیں۔ ان چابیوں کی مدد سے اس آہنی الماری کو کھولا گیا۔ اُس میں ان بارہ لڑکیوں میں سے ہر لڑکی کا ایک ایک لفافہ موجود تھا۔ اس لفافے میں ان کی قابلِ اعتراض تصویریں اور کچھ ایسا مواد شامل تھا جس کے ذریعے ان لڑکیوں کو بلیک میل کر کے انہیں ان کا گھر چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا اور وہ اپنے خاندان کی عزت کو بچانے کی خاطر اور خود کو سوسائٹی میں بدنامی سے محفوظ رکھنے کی خاطر یہاں ان کے اشاروں پر چلی آئی تھیں۔

اصولاً مجھے یہ چاہئے تھا کہ میں وہ کیس پولیس والوں کے حوالے کر دیتا۔ وہاں لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں اور لڑکیوں کو اسمگل کرنے کا بھیانک جرم بھی سامنے آ گیا تھا۔ اس طرح پولیس والے اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے لیکن ان لڑکیوں کی عزت کا سوال تھا۔ یہ معاملہ پولیس کے ہاتھ میں جانے کے بعد عدالت تک پہنچتا۔ پھر ان لڑکیوں میں سے ہر ایک کے خاندان کی عزت عدالت میں جا کر اچھلتی اس لئے میں نے اس معاملے کو وہیں دبا دینے کے متعلق فیصلہ کر لیا۔

میں نے مراد دادا سے مشورہ لیا تو اس نے بھی یہی مشورہ دیا کہ اس معاملے کو پولیس والوں تک نہیں پہنچانا چاہئے۔ بلکہ چپ چاپ لڑکیوں کو یہاں سے لے کر نکل جانا چاہئے۔ لڑکیوں نے سنا... تو وہ سب یک بیک دوڑتی ہوئی آئیں اور میرے اور مراد دادا کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگیں۔ عجیب منظر تھا کہ ہم دو آدمی تھے اور بارہ لڑکیاں ہمارے چاروں طرف رو رہی تھیں اور ہمارا شکریہ ادا کر رہی تھیں کہ ہم نے ان کی عزت رکھ لی ہے۔ اور اب وہ عزت و آبرو سے اپنے گھر لوٹ کر جا سکیں گی۔ ان میں سے ایک لڑکی ایسی تھی جو کہہ رہی تھی۔ "میں اپنے گھر واپس جانا نہیں چاہتی۔ میں وہاں سے بھاگ کر آئی ہوں اور اب اپنے ماں باپ اور اپنے خاندان والوں کو منہ نہیں دکھا سکتی... میرے جوان بھائی بڑے ہی غیرت مند ہیں وہ مجھے قتل کر دیں گے۔"

دوسری لڑکیوں نے بھی یہ بات کہی کہ ایسے تو وہ گھر سے بغیر کسی کو اطلاع دیئے ہوئے آئی ہیں لیکن جب وہ واپس جائیں گی تو گھر والے اپنی عزت کی خاطر انہیں قبول کر لیں گے۔ صرف ایک لڑکی کا معاملہ تھا وہ لاہور سے آئی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی دوسری لڑکیاں تھیں جو ملک کے دوسرے شہروں سے لائی گئی تھیں۔ میں نے مراد دادا سے کہا کہ وہ انہیں اُن کے گھروں تک پہنچانے کی ذمہ داری قبول کرے۔ مراد دادا راضی ہو گیا۔ اس نے کہا۔ "وہ اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے جن پر اُسے بھروسہ ہے، ان لڑکیوں کو ان کے گھروں تک پہنچائے گا۔ خاص طور پر

اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے جائے گا جسے اس بات کا ڈر تھا کہ اس کے غیرتمند بھائی اسے قتل کر دیں گے۔

وہاں ناصر پاشا کے سات آدمی زندہ رہ گئے تھے۔ ہم نے انہیں رسیوں سے باندھ دیا تھا۔ پھر ایک کمرے میں انہیں بند کرتے ہوئے میں نے کہا: "آج آدھی رات کو جب ناصر پاشا کے آدمی ان بارہ لڑکیوں کو لینے آئیں گے تو وہ تم لوگوں کو یہاں سے آزاد کرا دیں گے۔ اس وقت تک تم لوگ اس کمرے میں قیدی بن کر رہو۔"

یہ کہہ کر میں نے اس کمرے کے دروازے کو بند کر دیا۔ پھر ہم ان لڑکیوں کو لے کر نیچے والی منزل میں آ گئے۔ وہاں گیراج میں دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک گاڑی مراد دادا کی تھی۔ کُل تین گاڑیاں تھیں تینوں گاڑیوں میں لڑکیوں کو الگ الگ بٹھا دیا گیا۔ ایک گاڑی کو مراد دادا نے ڈرائیو کیا۔ دوسری کو میں نے اور تیسری کو مراد دادا کے ایک آدمی نے ڈرائیو کرنا شروع کیا۔ پھر وہاں سے ہم شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

ان میں سے سات لڑکیاں اسی شہر کی رہنے والی تھیں۔ ہم نے تقریباً تین گھنٹے کی مسلسل ڈرائیونگ کے بعد ان لڑکیوں کو ان کے گھروں تک پہنچا دیا۔ باقی پانچ لڑکیاں دوسرے علاقوں سے تعلق رکھتی تھیں انہیں مراد دادا اپنے گھر لے گیا تاکہ انہیں ٹرین کے ذریعے یا طیاروں کے ذریعے ان کے گھروں تک پہنچایا جا سکے۔ مراد دادا کو راستے میں مجھ سے باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا مگر پہنچ کر اس نے کہا: "مجھے بڑی حیرانی ہے کہ اس اسٹین گن والے کو کیا ہو گیا تھا کہ اس نے اچانک ہی اپنے آدمیوں پر فائرنگ کی۔ اگر وہ ایسی دیوانگی کی حرکت نہ کرتا تو ہم کبھی وہاں سے اتنی آسانی سے نکل کر نہ آ سکتے تھے۔"

میں نے بھی حیرانی کا اظہار کیا: "میں خود بھی حیران ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اسٹین گن والے کو ان لڑکیوں سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ شاید غیرت جاگ گئی ہوگی۔ اس لئے اس نے فائرنگ کی ہوگی لیکن تم نے اسے بھی ہلاک کر دیا۔"

"ہاں! اسٹین گن میرے ہاتھ میں آتے ہی یہی بات میرے دماغ میں آئی کہ پتہ نہیں یہ بھی آگے چل کر ہمارے خلاف ہتھیار اٹھا سکے گا یا ہمارا ساتھ دے گا؟ میں نے بہت زیادہ سوچنے کا وقت نہیں لیا۔ میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ اسے شوٹ کر دینا چاہئے لہٰذا میں نے اسے گولی مار دی۔"

میں نے پوچھا: "اب ان لڑکیوں کو کس طرح لاہور اور دوسری جگہ پہنچایا جائے گا؟ اس کام میں اخراجات کافی ہوں گے۔ وہ پیسے میں دوں گا۔ اس وقت میرے پاس گھر میں دو ہزار ڈالر ہیں۔ تم ان ڈالروں کے روپے کیش کرا لو اور انہیں اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے جن پر تمہیں بہت زیادہ بھروسہ ہو، ان کے گھروں تک روانہ کر دو۔"

مراد دادا نے کہا: "کیوں نہ خود ہم ان کو اپنی ذمہ داری پر چھوڑ کر آ جائیں۔"

میں نے کہا: "نہیں۔ ابھی میرا مشن ادھورا رہ گیا ہے۔ میں ناصر پاشا تک پہنچنا چاہتا ہوں اور اس جزیرے میں بھی جانا چاہتا ہوں جو پرفیوم آئی لینڈ یا خوشبو کا جزیرہ کہلاتا ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس جزیرے میں کون سی غیرقانونی کارروائیاں کی جا رہی ہیں اور میرے ملک کو کتنا بدنام کیا جا رہا ہے۔ کتنا نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔"

مراد دادا نے پوچھا: "کیا تم پھر وہاں جاؤ گے؟"

"ہاں! آدھی رات کو جاؤں گا۔ ان لوگوں نے بتلایا ہے کہ آدھی رات کو ایک لانچ آئے گی جس میں ان لڑکیوں کو لے جانے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ میں اس لانچ کے پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچوں گا اور دیکھوں گا کہ میں ناصر پاشا تک پہنچ سکتا ہوں یا نہیں۔"

"یہ تو جان بوجھ کر موت کو دعوت دینے والی بات ہے۔ تم نے دیکھا تھا کہ وہاں چار اسٹین گن والے تھے۔ لانچ میں تو اور زیادہ مسلح افراد موجود ہوں گے۔ تم وہاں کیسے پہنچو گے؟ اگر پہنچ بھی گئے تو زندہ واپس آنا بہت مشکل ہے۔"

میں نے کہا: "اسی لئے میں وہاں تنہا جاؤں گا۔ تم بیوی بچّے والے ہو۔ تمہارا یہاں رہنا بہت ضروری اس لئے بھی ہے کہ ان لڑکیوں کو ان کے گھروں تک پہنچانا ہے۔ میں اکیلا ہوں۔ مجھے کسی کی فکر نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی کو خطرات میں ڈال سکتا ہوں۔ اس لئے آج رات میں وہاں ضرور جاؤں گا۔"

مراد دادا نے کہا: "میں بیوی بچوں کی پروا نہیں کرتا۔ میں نے تمہیں جب دوست بنا لیا ہے تو تمہارے ساتھ جانے کے لئے بالکل تیار رہوں۔"

"مگر میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ کیونکہ مجھے تمہارے بیوی بچوں کا خیال بھی ہے اور یہاں ان لڑکیوں کو ان کے گھروں تک پہنچانے کی بہت بڑی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔ یہ ذمہ داری تم پوری کر دو گے تو میں سمجھوں گا کہ تم دوستی کا فرض نبھا رہے ہو۔ اس کے علاوہ میرے ساتھ جانے کی ضد کرو گے تو میں جانے کا پروگرام بدل دوں گا پھر کسی دن چپکے سے اس طرف کا رُخ کروں گا اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔"

ہمارے درمیان تھوڑی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ پھر میں نے اسے قائل کر دیا کہ مجھے تنہا ہی جانا چاہئے اور اسے ان لڑکیوں کی ذمہ داری کو نبھانا چاہیئے۔ پھر میں اس سے رخصت ہو کر شہناز کے پاس آ گیا۔ اس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔ شہناز کہیں باہر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ میں نے جب اسے دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ دن بھر اُبٹن لگاتے رہنے کے بعد اس نے غسل کیا تھا اور ایسے نکھر گئی تھی جیسے صبح سویرے تازہ گلاب پر شبنم کی بوندیں لرز رہی ہوں۔ اسی طرح اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے جھلک رہے تھے۔ اسے دیکھ کر دل میں بے اختیار ایک ہوک سی اٹھی اس کے سامنے وہی پرانی بیماری عود کر آئی تھی۔ یعنی میں سحرزدہ ہو جاتا تھا۔

اس نے حکم دیا کہ میں اس سے ذرا دُور رہوں۔ میں اس کے حکم کی تعمیل میں ذرا دُور ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے پوچھا: "تم مجھے تنہا چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟"

میں نے پوچھا: "تمہیں تنہائی کا اتنا ہی خیال تھا تو اب کہاں جانے کی تیاری کر رہی ہو؟"

"میں کلب جاؤں گی۔"

"کیا تمہیں دشمنوں کا خوف نہیں ہے؟"

"مجھے کبھی دشمنوں کا خوف نہیں ہوتا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ تم ہزار چاہت کے باوجود، ہزار خواہشیں بیدار ہونے کے باوجود مجھے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ مجھ میں ایسی بات ہے کہ کوئی مجھے میری مرضی کے خلاف ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ خواہ وہ دوست ہو یا دشمن۔"

"ویسے تم بڑی بے مروّت ہو۔ تم یہ اچھی طرح جانتی ہو کہ میں دشمنوں سے نمٹنے گیا تھا۔ پتہ نہیں زندہ واپس آتا یا مُردہ۔ مگر تمہیں اس کی پروا نہیں تھی۔ تمہیں سیر و تفریح کی سوجھتی ہے اور تم اس طرح بن سنور کر اپنا دل بہلانے کے لئے باہر جا رہی تھیں۔"

"ہاں یہی بات ہے۔ میں کوئی خدمت گزار بیوی نہیں ہوں۔ ذرا اتنی فرمانبردار نہیں ہوں کہ میں تمہاری لاش کے واپس آنے کا انتظار کرتی۔ اب تم آ ہی گئے ہو تو میرے ساتھ چلنے کے لئے فوراً تیار ہو جاؤ۔ بس ایک گھنٹے بعد یہاں سے نکلوں گی۔"

میں اس کے حکم کو کیسے ٹال سکتا تھا۔ وہاں سے اٹھ کر اپنے بیڈروم میں آیا۔ پھر غسل خانے میں چلا گیا۔ تاکہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کرنے کے بعد شہناز کے ساتھ باہر جا سکوں۔

غسل کرنے کے دوران مجھے موقع ملا تو میں نے سونیا کی خبر لی سونیا کا قصّہ کچھ یوں تھا کہ ایک گھنٹے بعد وہ رسیدیں لے کر پوسٹ آفس کی طرف گئی تھی۔ پھر رسیدیں کاؤنٹر پر دکھلانے کے بعد اس نے کہا تھا کہ وہ خود گودام میں جا کر وہ تصویریں نکالنا چاہتی ہے۔ اس کے لئے پوسٹ آفس کا کارکن تیار نہیں تھا ۔۔۔ لیکن سونیا نے اپنی لچھے دار باتوں سے اس کو راضی کر لیا کہ وہ آدھ گھنٹہ اس گودام میں گزارے گی اور اس کے بعد واپس چلی آئے گی۔ سونیا نے یہی کیا۔ آدھ گھنٹہ گزارنے کے بعد وہ وہاں سے ایفل ٹاور کی بڑی سی تصویر لے کر باہر آ گئی۔

پوسٹ آفس کے دروازے پر ایک بوڑھا سونیا کے انتظار میں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا: "یہ تصویر مجھے دے دو۔ یہ میں لے جا رہا ہوں ورنہ لوگ تمہارا پیچھا کریں گے۔"

سونیا نے کہا: "میں نے فریڈرک سے وعدہ کیا ہے کہ میں ہی اسے یہ تصویر لے جا کر دوں گی۔ اس لئے اسے میں ہی لے جاؤں گی۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھتی ہوئی اپنی کار کے پاس آئی۔

فٹ پاتھ کے کنارے کار کے قریب پہنچتے ہی اسے پتہ چلا کہ وہ خطرات میں گھر گئی ہے۔ اس کی کار کی پچھلی سیٹ پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ٹھٹھک گئی۔ وہ واپس جانا چاہتی تھی کہ پیچھے سے ایک آدمی نے کہا: "میری جیب میں ریوالور ہے اگر تم شور مچاؤ گی تو میں بے دریغ فائر کر دوں گا۔ تم اگر اپنی خیریت چاہتی ہو تو سیدھی طرح ... کار میں بیٹھ جاؤ۔"

سونیا نے اپنے آس پاس دیکھا تو ذرا دُور پر دو شخص دائیں بائیں کھڑے ہوئے تھے۔ اُن کے ہاتھ بھی اپنی جیبوں میں تھے اور صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنی جیبوں کے اندر ریوالور تھامے ہوتے ہیں سونیا چپ چاپ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

کار میں بیٹھتے ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے ریوالور کی نال اس کی گردن سے لگا دی۔ پھر اس سے کہا: "اب چپ چاپ ڈرائیو کرتی جاؤ جہاں ہم کہیں وہاں چلتی رہو، کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا، اگر تم نے پولیس والوں کو اشارہ کیا یا شور مچایا تو ہم بلا کسی مروت گولی چلا دیں گے۔"

سونیا نے چپ چاپ گاڑی کو اسٹارٹ کیا پھر ان کے حکم کے مطابق اسے ڈرائیو کرتے ہوئے آگے بڑھانے لگی۔ وہ لوگ اسے ہدایت دے رہے تھے کہ گاڑی کو نارمل رفتار میں آگے بڑھاتی رہے جب گاڑی کچھ دور نکل گئی تو پھر ایک آدمی نے اگلی سیٹ کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس ایفل ٹاور کی تصویر کو اٹھا لیا اور اپنی سیٹ پر آ کر اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی سے کہا: "کیا خیال ہے اسے یہیں کھول کر دیکھ لیا جائے؟"

اس کے ساتھی نے کہا: "ٹھیک ہے۔ تم چاقو سے اس کا پچھلا حصہ چاک کر کے دیکھو۔ شاید وہ وصیت نامہ ان لوگوں نے اس کے پچھلے حصے میں چھپا کر رکھا ہو۔"

سونیا چپ چاپ ڈرائیو کرتی ہوئی پچھلی سیٹ سے آنے والی آوازوں کو سن رہی تھی۔ ان کی باتیں کرنے کی آواز اب ختم ہو گئی تھی پھر کچھ ایسی آواز سنائی دے رہی تھی جیسے چاقو سے کسی گتّے کو کاٹا جا رہا ہو۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی تصویر کے پچھلے حصے پر لگے ہوئے گتّے کو کاٹ کر نکال رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان کی آواز سنائی دی۔

"ہاں ایک کاغذ ہے۔ دیکھو یہ مل گیا ہے اور یہ تہہ کیا ہوا ہے لیکن اتنا سا کاغذ وصیت نامہ نہیں ہو سکتا۔ یہ تو کچھ اور ہے۔"

دوسرے شخص نے کہا: "تم اسے کھول کر دیکھو کہ یہ ہے کیا؟"

اس آدمی نے کھول کر دیکھا۔ اس میں ٹائپ کیا ہوا ایک خط رکھا ہوا تھا۔ وہ خط میریا کو مخاطب کر کے لکھا گیا تھا۔

"ڈیئر میریا! کچھ ایسی مشکل آن پڑی ہے کہ میں ابھی تمہارا وصیت نامہ تمہاری خواہش کے مطابق نہیں بھیج سکتا۔ میں اگلے ماہ پیرس آنے والا ہوں تو اپنے ساتھ وہ وصیت نامہ لے آؤں گا۔ اس وقت تک انتظار کرو۔ سنا ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ اپنی صحت کا

خیال رکھو اور باقاعدہ علاج کراتی رہو۔ ایک ماہ بعد میں خود وصیت نامے کر آجاؤں گا۔ پھر قانونی کارروائی کے ذریعہ تمہیں تمہارے حصے کی دولت اور جائیداد مل جائے گی۔ باقی ملاقات ہونے پر باتیں ہوں گی۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ فقط تمہارا قانونی مشیر۔"

اسے پڑھتے ہی اس نے مٹھی میں خط کو بھینچ کر جھنجلاتے ہوئے کہا۔ "نان سنس، اس کو کہتے ہیں کہ کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔ ہم اتنے دنوں سے اس کا انتظار کر رہے تھے اور اس کے لیے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے لیکن ہمیں کیا ملا۔ یہی خط کا ایک ٹکڑا۔ لعنت ہے اس خط پر۔"

یہ کہہ کر انہوں نے تصویر کو اپنے قدموں تلے ڈال کر اپنے پیروں سے روند ڈالا پھر سونیا کو حکم دیا کہ وہ گاڑی کو سڑک کے کنارے کھڑی کر دے۔ سونیا نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ گاڑی سڑک کے کنارے رک گئی اور وہ دونوں پچھلی سیٹ سے اتر کر زوردار آواز میں دروازے کو بند کرتے ہوئے فٹ پاتھ پر چلے گئے۔ سونیا نے فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کی پھر وہاں سے تیز رفتاری سے بڑھاتی ہوئی ہسپتال کی طرف جانے لگی۔ اب وہ مکاری سے مسکرا رہی تھی۔

سونیا کے ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ اسے دشمنوں نے گھیر لیا ہے اور شاید اسے دھمکیاں دیتے ہوئے اپنے کسی ٹھکانے کی طرف لے جا رہے ہیں۔ جب وہ ہسپتال پہنچی تو ڈاکٹر فریڈرک خوشی سے کھل گیا۔ میریا بھی خوش ہو کر مسکرانے لگی۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کیا ہوا۔ کیا دشمنوں نے گھیر لیا تھا؟"

"ہاں گھیر لیا تھا اور انہوں نے اس تصویر کو پھاڑ ڈالا ہے اس کو پیچھے سے کاٹ کر وہی کاغذ نکالا ہے جو میں یہاں سے ٹائپ کر کے رکھ گئی تھی۔"

میریا نے پوچھا۔ "تم نے وہ ٹائپ کیا ہوا کاغذ تصویر کے پیچھے کیسے رکھا تھا؟"

سونیا نے جواب دیا۔ "میں یہاں سے اپنے پرس میں ایک چھوٹی سی ہتھوڑی لے گئی تھی۔ اصل مسئلہ گودام میں کچھ وقت گزارنا تھا۔ گودام کا انچارج اس بات کے لیے راضی نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے بڑی مشکلوں سے اسے راضی کیا اور گودام میں جا کر سب سے پہلے میں نے ہتھوڑی کے ذریعے تصویر کے پچھلے حصے کو کھولا۔ وہاں وصیت نامہ رکھا ہوا تھا۔ وہ وصیت نامہ نکال کر ٹائپ کیا ہوا کاغذ وہاں رکھ دیا۔ پھر تصویر کو جوں کا توں کیلیں ٹھونکنے کے بعد اسے پہلے جیسا تیار کر دیا اس کے بعد میں نے اپنے سینڈل کی کیلیں نکالیں اور پھر وصیت نامے کو تہہ کر کے دونوں سینڈلوں کے تلے میں رکھ دیا اور پھر دوبارہ کیلیں ٹھونک دیں۔ اب دونوں سینڈلوں کے تلوں میں وہ وصیت نامے چھپے ہوئے ہیں۔"

بونے ڈاکٹر فریڈرک نے اس سے کہا۔ "سونیا تم نے واقعی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تم ایسی چال چلو گی۔"

سونیا نے کہا۔ "اسی لیے میں نے محتاط ہو کر پہلے سے ہر طرح کی پلاننگ کر لی تھی۔ میں نے سوچا اگر انہیں شبہ ہو گا وہ ٹائپ کیا ہوا کاغذ میں نے رکھا ہے تو وہ لوگ میری تلاشی لیں گے۔ گاڑی کی بھی تلاشی لیں گے۔ پھر وہ وصیت نامہ کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالیں گے لیکن ان کا دھیان سینڈل کے تلے کی طرف نہیں جا سکتا اسی لیے میں نے اس کے سول میں وصیت نامے کو چھپا دیا تھا۔"

میریا نے کہا۔ "اس وصیت نامے کو اب نکالو۔ میں اسے دیکھنے کے لیے بہت بے چین ہوں۔"

"پہلے میرے لیے ایک جوڑا سینڈل منگواؤ اور میرے پچاس ہزار مجھے واپس کر دو۔ میں یہ سینڈل تمہیں دے کر چلی جاؤں گی پھر تم اسے کھول کر وصیت نامے کو دیکھتی رہنا۔"

ڈاکٹر فریڈرک نے کہا۔ "تمہارے پچاس ہزار ڈالر یہاں رکھے ہوئے ہیں تم ابھی یہاں سے لے جا سکتی ہو۔ رہی تمہارے نئے سینڈل کی بات تو میں ابھی بازار سے منگوائے دے رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر جانا چاہتا تھا اسی وقت اچانک ہی ایک شخص دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

سونیا نے پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "ڈاکٹر فریڈرک مجھے اچھی طرح جانتے ہیں میں ہسپتال کا کمپاؤنڈر ہوں۔ جب سے میریا اس ہسپتال میں آئی ہے مجھے یہ ڈیوٹی سونپ دی گئی تھی کہ میں یہاں کی ہر بات سننے کی کوشش کروں اور میریا کے کزن تک وہ باتیں پہنچاؤں۔ ابھی میں سن رہا تھا پتہ چلا کہ اس عورت نے کتنا بڑا فراڈ کیا ہے۔ وصیت نامے کو اپنے سینڈل کے تلے میں چھپا کر لائی ہے۔ اگر تم سب اپنی زندگی چاہتے ہو تو وہ سینڈل میرے حوالے کر دو۔"

سونیا نے کہا۔ "اگر میں تمہیں سینڈل اتار کر دوں گی تو ننگے پاؤں ہو جاؤں گی اور میں ننگے پاؤں رہنا نہیں چاہتی۔"

"بکواس مت کرو، فوراً ہی سینڈل اتار کر دو ورنہ میں گولی مار دوں گا اور تمہاری لاش کے پاؤں سے وہ سینڈلز کھول کر لے جاؤں گا۔"

سونیا ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی، وہاں سے جھک کر اپنے سینڈل اتارنے لگی۔ ریوالور والے نے دھمکی دی۔ "خبردار کوئی چالاکی نہ دکھانا۔ میں بہت محتاط ہوں۔ اگر تم نے کوئی بھی حرکت میری مرضی کے خلاف کی تو میرے ریوالور سے بے دریغ گولی چل پڑے گی۔ پھر میں تمہاری موت کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکوں گا اس لیے کہ یہ موت تمہاری بلائی ہوئی ہو گی۔"

سونیا سمجھ رہی تھی کہ وہ سچ مچ بہت زیادہ محتاط ہو کر کھڑا ہوا ہے اور اس کی کوئی چالاکی کام نہیں آئے گی۔ پھر یہ کہ ریوالور والے سے وہ فاصلے پر تھی۔ ہاتھ پاؤں چلا کر اس پر حملہ کر کے اس سے ریوالور چھین نہیں سکتی تھی۔ جتنی دیر میں وہ اس کے قریب پہنچتی اتنی دیر میں گولی چل جاتی۔ اسے مجبور ہو کر دونوں سینڈلوں کو اتار کر اس کے آگے پھینک دینا پڑا۔

دونوں سینڈل اس ریوالور والے کے قدموں کے پاس پہنچ گئے اب وہ انہیں جھک کر اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ محتاط ہو کر آہستہ آہستہ جھکنے لگا۔ بس اسی وقت اسے یوں لگا جیسے زلزلہ آگیا ہے پیچھے سے ایک بونا اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان گھس گیا وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ پیچھے کی طرف الٹ کر فرش پر چت ہو گیا۔ اسی لمحے دوسرے بونے نے چھلانگ ماری اور اس کے ریوالور والے ہاتھ پر آ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اتنی زور سے اس کی کلائی کو دانتوں سے کاٹا کہ اس کی چیخ نکل گئی اور ریوالور اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گر پڑا۔ بونے نے اس ریوالور کو اٹھا کر سونیا کی طرف اچھال دیا۔ اتنی دیر میں گرنے والا ایک دم سے تڑپ کر اٹھ گیا تھا۔ جتنی دیر میں سونیا ریوالور اٹھاتی اتنی دیر میں وہ شخص وہاں سے اٹھا اور دونوں سینڈلوں کو اٹھا کر بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن جلد بازی میں اس کے ہاتھ صرف ایک سینڈل لگا اور وہ ایک سینڈل کو لے کر بھاگتا چلا گیا۔

سونیا ریوالور اٹھاتے ہی اس کا تعاقب کرنے لگی۔ بونے بھی اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے لیکن وہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے اس کی طرح دوڑ نہیں سکتے تھے اور نہ ہی اسے پکڑ سکتے تھے۔ سونیا اس کے قریب پہنچ رہی تھی۔ اسی وقت وہ سینڈل اٹھائے بالکونی میں پہنچ گیا۔ تیسری منزل سے وہ چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا لیکن اس نے بالکونی سے جھک کر سینڈل کو نیچے پھینکتے ہوئے چیخ کر کہا۔ "اس سینڈل کو محفوظ کر لو اس میں وہ وصیت نامہ چھپا ہوا ہے۔"

دشمنوں کو میریا کی دولت کا لالچ تھا اور بونوں کو میریا کی ضرورت تھی تاکہ وہ ڈاکٹر فریڈرک سے شادی کر کے بونوں کی برادری میں اونچے قد کے بچے پیدا کر سکے۔ وہ ہر حال میں میریا کو ڈاکٹر فریڈرک کے لیے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے میریا کے مفاد کی خاطر جدوجہد کر رہے تھے۔ بونوں کی برادری کے نہ جانے کتنے ہی لوگ اس ہسپتال کا محاصرہ کیے رہتے تھے اور وہاں ادھر ادھر اس کی نگرانی کے لیے چھپے رہتے تھے۔ سونیا نے جب نیچے جھانک کر دیکھا تو وہ سینڈل نیچے جا کر گرا تھا اور ایک شخص اسے اٹھا رہا تھا اسی وقت ایک بونے نے چھلانگ لگا کر سینڈل اٹھانے والے کے منہ پر ٹھوکر ماری تو وہ دوسری طرف الٹ گیا پھر وہ بونا سینڈل اٹھا کر بھاگنے لگا۔

سونیا ننگے پاؤں کھڑی ہوئی تھی اور اس کا ایک سینڈل ہاتھوں ہاتھ ادھر سے ادھر ہو رہا تھا۔ وہ بونا سینڈل کو لے کر بھاگ رہا تھا۔ اچانک ہی کسی نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ بونا الٹ کر پیچھے کی طرف گر پڑا۔ پھر ایک جھٹکے سے کسی نے اس کے ہاتھ سے سینڈل چھینا۔ اب ایک اونچے قد والا وہ سینڈل لے کر ایک کار کی طرف بھاگتا جا رہا تھا۔

پاؤں کی ایک جوتی زندگی اور موت کا مسئلہ بن گئی تھی۔ وہ لمبے قد والا دوڑتا ہوا ہسپتال کے احاطے کے پار کھڑی ہوئی ایک کار کی طرف جا رہا تھا۔ اچانک ہی ایک طرف سے چار بونے جھپٹ پڑے چاروں نے بیک وقت اس پر چھلانگ لگائی اور اس کے قدموں سے لپٹ گئے۔ وہ دوڑنے والا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور لڑکھڑا کر اوندھے منہ گر پڑا۔

اوندھے منہ گرتے ہی اس نے دیکھا کہ وہ سینڈل اس سے چھین لیا جائے گا تو اس نے ہاتھ کو زور سے گھما کر سینڈل کو بلندی پر اچھال دیا وہ سینڈل بلندی سے اچھلتا ہوا ہسپتال کے احاطے سے باہر فضا میں اڑتا ہوا گیا۔ اسی وقت ایک ٹرک اس سڑک پر سے گزر رہا تھا وہ سینڈل اس ٹرک کے اندر پہنچ گیا۔

کسی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک سینڈل کے ساتھ یہ تماشہ ہو جائے گا۔ اس سینڈل کو ایک ٹرک کے اندر جاتے ہوئے سبھی نے دیکھا تھا۔ اب وہ لوگ ایک دوسرے سے لڑنا بھول گئے اور سب اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف دوڑنے لگے تاکہ اس ٹرک کا پیچھا کیا جا سکے بونے بے چارے اس قابل نہیں ہوتے کہ گاڑی ڈرائیو کر سکیں کیونکہ ان کے پاؤں سیٹ پر بیٹھنے کے بعد پیڈلز تک نہیں پہنچ سکتے تھے لہٰذا انہوں نے بڑے قد کے ڈرائیوروں کو معاوضے پر رکھا ہوا تھا وہ لوگ بھی اپنی اپنی کاروں میں آ کر جلدی سے بیٹھ گئے۔ پھر سونیا نے اوپر بالکونی سے دیکھا ایک ساتھ چار کاریں آگے پیچھے دوڑتی ہوئی ہسپتال کے احاطے سے باہر نکل رہی تھیں۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئیں تو سونیا نے اپنے پاس کھڑے ہوئے اس شخص کو ایک الٹا ہاتھ رسید کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم نے اس سینڈل کو کیوں اٹھایا تھا۔ میں ننگے پاؤں ہو گئی ہوں۔ اب میں تمہارے کاندھے پر سوار ہو کر ادھر سے ادھر جاؤں گی۔"

وہ شخص جواباً حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن سونیا نے اسے مسلسل لاتوں اور کراٹوں پر رکھ لیا۔ اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ پھر اس کو بالوں سے پکڑ کر ایک طرف جھٹکا دیا تو وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ اس کے بعد اس نے ایک ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "میریا کے کمرے میں چلو ورنہ میں تمہیں مار مار کر تیسری منزل سے نیچے پھینک دوں گی۔"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے اٹھنے لگا۔ دو بونے اسے دھکا دیتے ہوئے میریا کے کمرے تک لے آئے۔ وہاں ڈاکٹر فریڈرک سونیا کے دوسرے سینڈل کو کھول کر اس کے تلے سے وصیت نامہ نکال چکا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس سینڈل میں وصیت نامے کے آخری دو حصے رکھے ہوئے تھے۔ وصیت کے آخر میں میریا کے باپ کے دستخط تھے اس کے علاوہ میریا کے وکیل اور ڈاکٹر کے بھی تصدیقی دستخط موجود تھے سونیا نے انہیں دیکھنے کے بعد کہا کہ وہ وصیت چار صفحات پر مشتمل تھی۔ میں نے دو صفحات کو تہہ کر کے ایک سینڈل میں اور باقی دو صفحات کو تہہ کر کے دوسرے سینڈل کے تلے میں چھپا دیا تھا۔ جو شخص یہ سینڈل لے کر بھاگا تھا اس میں وصیت کے پہلے دو حصے یعنی پہلے دو صفحات رکھے ہوئے تھے۔ جب تک وہ نہیں ملیں گے اس وقت تک یہ وصیت مکمل نہیں ہوگی اور جو لوگ اس وصیت کے اگلے دو صفحات لے جائیں گے ان کو بھی اس وصیت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ فائدہ اٹھانے کیلئے وصیت مکمل ہونی چاہیے۔"

ڈاکٹر فریڈرک نے کہا "اس آدمی کو اب مارنا فضول ہے۔ وہ سینڈل ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس کے ہاتھ لگتا ہے۔ ہمارے بونے برادری کے لوگ بہت چاق و چوبند رہنے کے عادی ہیں۔ وہ ان لوگوں کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ یا تو اپنی جان دے دیں گے یا وہ سینڈل واپس لے کر آئیں گے۔"

سونیا نے کہا "جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ ساری شرارتیں میریا کے اس کزن ہارڈی کی طرف سے ہو رہی ہیں۔ بہتر اب یہی ہوگا کہ مجھے ہارڈی کا پتہ بتایا جائے۔ میں اس سے دو دو ہاتھ کروں گی۔ اگر سینڈل اس کے پاس پہنچے گا تو میں اپنا سینڈل وہاں سے ضرور واپس لاؤں گی۔"

ڈاکٹر فریڈرک نے کہا "ابھی ذرا آرام سے بیٹھو اور دیکھتی جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔ ہمارے پاس ابھی اطلاع پہنچے گی کہ وہ سینڈل حاصل ہو چکا ہے یا نہیں۔"

یہ سونیا اور اس کے سینڈل کا قصہ تھا جو میں نے معلوم کیا تھا۔ میں اس وقت اس کے دماغ میں پہنچا تھا جب وہ ڈاکٹر فریڈرک اور میریا کے پاس کمرے میں بیٹھی ہوئی انتظار کر رہی تھی کہ اس سینڈل کے متعلق کوئی اطلاع اسے ملے گی۔ میں نے فی الحال اسے وہیں انتظار کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔

میں غسل خانے سے باہر آ کر لباس بدل چکا تھا۔ چونکہ آدھی رات کو سمندر کے ساحل پر پہنچنا تھا اور ناصر پاشا کا محاسبہ کرنا تھا اس مناسبت سے میں نے سیاہ پتلون اور سیاہ بنیان پہن لی تھی اور چونکہ ابھی شہناز کے ساتھ کسی کلب میں جانا تھا اس لیے میں نے اوپر سے سفید کوٹ پہن لیا تھا۔ وہ کوٹ بھی ایسا تھا جس کو الٹ کر پہننے سے سیاہ ہو جاتا تھا۔ میں پوری طرح تیار ہو کر جب ڈرائنگ روم میں آیا تو شہناز نے میرے لباس کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے پوچھا "یہ تم نے سیاہ لباس کیوں پہنا ہے؟"

میں نے کہا "لباس سیاہ بھی ہے اور سفید بھی ہے تمہیں اعتراض نہ ہو اس لیے میں نے سفید کوٹ پہن لیا ہے کیا کلبوں میں ایسا نہیں چلتا؟"

"چلتا ہوگا۔ مگر مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کوئی بہترین سوٹ پہن کر چل سکتے ہو تو چلو ورنہ میں جا رہی ہوں۔"

اس لمحے خیال آیا کہ میں شہناز کے ساتھ کسی کلب میں نہ جاؤں تو اچھا ہے۔ پتہ نہیں وہاں کتنا وقت گزر جائے گا۔ پھر میں ساحل کی طرف نہیں جا سکوں گا۔ یہ سوچ کر میں نے کہا "ٹھیک ہے میرا کوئی خاص موڈ نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتا۔"

یہ سن کر وہ غصے سے بولی "یہ کہنے سے تمہارا کیا مطلب ہے تم میرے ساتھ نہیں جانا چاہتے۔ کیا میں اس قابل نہیں ہوں۔ کیا تم میری توہین کر رہے ہو؟"

"تم بہت مغرور اور بدمزاج بھی ہو۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں تمہارے ساتھ جانا نہیں چاہتا۔ میں نے اپنے موڈ کی بات کی ہے اب تم جو سمجھنا چاہو، سمجھ کر چلی جاؤ۔ مسکرا کر رخصت ہو جاؤ یا غصے سے نکل جاؤ۔ میرے لیے اب کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

میری باتوں پر اسے اور بھی غصہ آیا۔ وہ نفرت سے مجھے دیکھتی ہوئی، پاؤں پٹختی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں اطمینان سے ایک صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا مجھے ابھی تھوڑا وقت وہاں گزار کر اپنی اس مہم کے لیے روانہ ہونا تھا۔ جس کا تعلق کسی پرفیوم آئی لینڈ یعنی خوشبو کے جزیرے سے تھا نہیں وہ جزیرہ کیسا ہوگا اور وہاں کیا کچھ ہوتا ہوگا۔ اور اسے راز میں رکھنے کے لیے مجرموں نے کیسے کیسے طریقے اختیار کیے ہوں گے یقیناً مسلح محافظ اتنے ہوں گے جیسے کوئی چھوٹی سی فوج ہوتی ہے اس فوج کے درمیان سے گزر کر میں خوشبو کے جزیرے میں پہنچنا چاہتا تھا۔ یہ یقیناً ایک خطرناک قدم تھا جو میں ... اٹھا رہا تھا اور اگر یہ قدم نہ اٹھاتا تو میرے ملک کی وہ بہنیں اور بیٹیاں جو آئے دن اسمگل ہو رہی تھیں میں ان کو روک نہیں سکتا تھا۔ اگر دو چار یا دس بارہ کو جیسے کہ آج میں نے روک دیا تھا تو اس سے بات کچھ نہیں بنتی۔ اس خوشبو کے جزیرے میں جو خطرناک گروہ کام کر رہا تھا جو تنظیم تھی اسے جڑ سے اکھاڑ نا بے حد ضروری تھا۔

سگریٹ کے چند کش لگانے کے بعد میں ممی کے پاس پہنچا وہ رات کا کھانا کھا رہی تھیں، میں نے کہا "ہیلو ممی! کھانا کیسا ہے؟" وہ مسکرا کر بولیں "تمہاری آواز سن کر کھانا لذیذ ہو گیا۔

کہو کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟"

میں نے کہا "میں اس وقت ایک اہم مہم پر روانہ ہونے والا ہوں۔ یہاں چند ایسے بردہ فروش ہیں جو میرے ملک کی معصوم لڑکیوں کو ورغلا کر یا بلیک میل کر کے ... سمندر پار بھیجتے ہیں۔ میں ایسے لوگوں کو نیست و نابود کر دینے کا عہد کر چکا ہوں اس کے لیے میں ابھی ان کے ایک اڈے کی طرف جانے والا ہوں۔"

انہوں نے ممتا بھرے لہجے میں کہا "بیٹا! تم کیوں خواہ مخواہ دوسروں کے معاملات میں اتنی دلچسپی لیتے ہو۔ مانا کہ تمہارے اندر حب الوطنی کا جذبہ ہے۔ اپنے ملک کی بہو بیٹیوں کو تباہ و برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتے لیکن تم کیا کیا نہیں دیکھ سکو گے۔ اس دنیا میں بہت سے جرائم ہوتے ہیں۔ تمہارے ملک میں بھی جرائم کی بے شمار مثالیں ملیں گی تم کہاں کہاں تک خود کو الجھاؤ گے۔ میرا مشورہ ہے کہ خود کو خطرات سے دور رکھو۔"

میں نے کہا "میں آپ کے مشورے پر غور کروں گا لیکن فی الحال میں جو عہد کر چکا ہوں اسے پورا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی صرف دعائیں چاہئیں۔"

"میری دلی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ میں تو یونہی سمجھ لو کہ رسمی طور پر تمہیں سمجھانے کا فرض ادا کر رہی ہوں ورنہ میں نے تمہارا زائچہ بنا کر دیکھا ہے۔ تمہارے پاؤں میں چکر ہے۔ تم کہیں ایک جگہ ٹک کر نہیں رہ سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کراچی سے بھی کہیں دور جانے والے ہو۔ اب میں نہیں سمجھ سکتی کہ کتنی دور جاؤ گے۔ مگر جاؤ گے اور آؤ گے پھر جاؤ گے اور پھر آؤ گے۔ ستارے یہی کہتے ہیں۔"

"ممی آپ نے اب تک جتنی بھی پیش گوئیاں کی تھیں وہ سب درست ثابت ہوتی رہی ہیں ـــ آپ نے اس علم میں کمال حاصل کیا ہے۔ اب اگر آپ کا علم یہ کہہ رہا ہے کہ میں لمبے سفر پر جانے والا ہوں تو میرا اندازہ یہی ہو رہا ہے کہ میری آج کی مہم بہت دور تک جائے گی اور میں یقیناً اس خوشبو کے جزیرے میں پہنچوں گا اور جب آپ کا علم یہ کہتا ہے کہ میں واپس آؤں گا تو یقیناً وہاں کتنے ہی خطرات کیوں نہ ہوں میں واپس آؤں گا۔"

"مگر ایک بات ہے بیٹے! اسے اچھی طرح یاد رکھنا۔ پیشگوئیوں کے باوجود ستارے اپنی چالیں بدلتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ماہر نجومیوں کی پیش گوئیوں کے باوجود ان کی باتیں جھوٹ ہو جاتی ہیں اور حالات کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ تم اگر کسی خطرناک مہم کے لیے روانہ ہو رہے ہو تو مکمل طور پر میری پیش گوئیوں پر بھروسہ نہ کرنا ہو سکتا ہے کہ دوسرے چند لمحوں کے بعد ستارے اپنی چال بدل دیں اور میں نے جو کہا ہے اس کے برعکس کوئی بات ہو جائے تو تم اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ ممی کی پیش گوئیاں درست ہوتی ہیں اور تم خطرات سے نمٹ کر صحیح سلامت واپس آ سکتے ہو۔ ویسے میری دعا ہے کہ تمہیں ذرا سا بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔ تمہارے دشمن برباد ہوں۔ یہ دعا میرے لب پر ہمیشہ رہے گی۔"

میں نے کہا "اب آپ روما نہ کے سلسلے میں پیش گوئی کریں۔"

"روما نہ؟" انہوں نے حیرانی سے پوچھا۔ تب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ رومانہ میرے ذہن پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ میرے لب پر، میری سوچ میں اور میرے دماغ میں صرف رومانہ کا ہی نام آتا تھا پومی کا نام میں بھول جاتا تھا حالانکہ مجھے پومی کہنا چاہیے تھا پھر میں نے جلدی سے کہا "میرا مطلب ہے آپ پومی کا زائچہ بنا چکی ہونگی۔ کچھ اس کے بارے میں بتائیں؟"

انھوں نے جواب دیا "وہ لڑکی مغرور ہے مگر بہت ذہین ہے۔ وہ انتہا پسند ہے مگر بہت ہی چالاک اور حاضر دماغ ہے۔ جس چیز کے پیچھے پڑ جائے گی اس کی انتہا تک پہنچ کر دم لے گی۔ تم نے بتایا تھا کہ وہ جوڈو کراٹے اور فائٹنگ کے دوسرے داؤ پیچ سیکھ رہی ہے تو میں ابھی سے پیشگوئی کر دوں کہ اس میں مستقل مزاجی بہت زیادہ ہے۔ وہ سیکھتی رہی اور اپنی مستقل مزاجی سے کام لیتی رہی تو وہ انتہائی خطرناک فائٹر بن کر ابھرے گی۔"

"مجھ سے کب ملاقات ہوگی؟"

"تم سے شاید ملاقات نہ ہو سکے۔"

"کیا مطلب؟ آپ تو دل توڑنے والی پیش گوئی کر رہی ہیں۔"

"میں جو کچھ کہتی ہوں، میں نہیں کہتی۔ ستارے کہتے ہیں۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تمہارے اور پومی کے ستارے آپس میں خوب ملتے ہیں لیکن ان ستاروں کی چالیں بدلتی رہتی ہیں۔ ابھی تم دونوں کے ستاروں کے درمیان اتنی بڑی رکاوٹ حائل ہے کہ میں صحیح طور پر پیش گوئی نہیں کر سکتی کہ تم دونوں کب ایک دوسرے سے ملو گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں کی ملاقات کے لیے ابھی ایک طویل عرصہ گزرے گا تب کہیں جا کر اس کے اور تمہارے ستارے آپس میں ٹکرائیں گے۔"

"ممی مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ میں جب چاہوں برما جا کر پومی سے مل سکتا ہوں۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ میرے ذرائع محدود نہیں ہیں۔ مجھے کوئی روک نہیں سکتا۔"

"ہاں، تم درست کہہ رہے ہو۔ تمہیں دنیا میں شاید کوئی نہ روک سکے مگر تقدیر روکے گی۔"

"سنا ہے کہ تقدیر انسان کی اپنی مٹھی میں ہوتی ہے۔ تو پھر کیا میری تقدیر میری مٹھی میں نہیں ہوگی؟"

"یقیناً ہو سکتی ہے لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ وہی عمل کرو جو تمہیں اس عمل کے مخصوص نتیجے تک پہنچا سکے۔ مثلاً تم پومی تک جانا چاہتے ہو تو پومی تک جانے کے لیے تمہیں دوسری مصروفیات کو ترک کرنا

ہوگا۔ تمہیں کسی کے معاملات میں دلچسپی نہیں لینی ہوگی۔ اگر تم برما آنا چاہتے ہو تو تمہیں ابھی اپنے لیے کسی طیارے کی سیٹ بک کرانا ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں اس طیارے میں سیٹ نہ ملے۔ دو چار روز کے بعد ملے۔ پھر دو چار روز تک تمہیں خاموش بیٹھے رہنا ہوگا۔ کسی کے معاملے میں دلچسپی لو گے تو الجھتے جاؤ گے اور پومی تک نہیں پہنچ سکو گے۔ اس وقت بھی تم دوسرے معاملات میں دلچسپی لیتے ہوئے ایک خطرناک مہم پر روانہ ہو رہے ہو۔ کیا پومی کے پاس جانے کے لیے اس خطرناک مہم پر جانے سے باز آ سکتے ہو؟"

ممی کے اس سوال کا جواب میرے پاس یہی تھا کہ میں اس خطرناک مہم پر جانے سے باز نہیں آ سکتا اس لیے کہ جو کام میں نے شروع کیا ہے اسے ادھورا نہیں چھوڑ سکتا تھا اور اپنے عہد سے پھر نہیں سکتا تھا۔ ممی درست کہہ رہی تھیں کہ ہم اپنی حرکتوں سے اپنی تقدیر بناتے ہیں۔ میں جو حرکت کرنے جا رہا تھا اس سے جو میری تقدیر بننے والی تھی پتہ نہیں وہ مجھے کہاں سے کہاں لے جاتی جبکہ میں پومی کی طرف پرواز کرنا چاہتا تھا۔ سچ ہے کہ کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اپنی حرکتوں پر قابو پانا پڑے گا۔ اور میں جو کچھ کرنے جا رہا تھا اس پر قابو نہیں پا سکتا تھا اس سے باز نہیں آ سکتا تھا۔

میں نے ممی سے کہا۔ "آپ درست کہتی ہیں۔ میں فی الحال پومی کی طرف نہیں جا سکتا۔"

ممی نے کہا۔ "فی الحال نہ کہو، ایک عرصہ لگے گا بلکہ سالہا سال تک تم اس سے نہیں مل سکو گے، یہ میری پیشگوئی ہے۔ اگر ستارے اپنی چال نہ بدل سکے تو میری پیشن گوئی اپنی جگہ قائم رہے گی اور تم ہزار کوشش کے باوجود پومی کو دیکھ بھی نہیں سکو گے۔"

کاش کہ میں نے اس مہم پر جانے کا منصوبہ نہ بنایا ہوتا۔ پھر تو میں بہ آسانی اسی وقت یا دوسرے دن رنگون کے لیے روانہ ہو جاتا۔ وہاں پومی کو بھی دیکھ لیتا اور رسوتی کی بیماری میں بھی کام آ جاتا۔ لیکن میں ارادہ کر چکا تھا۔ مجھے ناصر پاشا کا محاسبہ کرنے کے لیے وہاں جانا تھا اس لیے تسلیم کرنا پڑا کہ ستارے اپنی چال چلتے ہیں اور جب وہ چال چلتے ہیں تو انسان کی تقدیر بنتی جاتی ہے۔

میں نے ممی کو رنگون کے اس ہسپتال کا پتہ بتایا جہاں رسوتی زیر علاج تھی۔ پھر میں نے ان سے پوچھا۔ "کیا آپ رسوتی کی تیمارداری کر سکتی ہیں؟ اگر اس کا خیال رکھ سکتی ہیں تو پھر روزانہ ہسپتال میں اس سے ملاقات کرتی رہیں یا پھر اپنے پاس لا کر اس کا علاج کرائیں۔"

ممی نے کہا۔ "جس ہسپتال کا نام تم لے رہے ہو وہ رنگون کا بہت بڑا ہسپتال ہے اور وہاں بڑی توجہ سے علاج ہوتا ہے۔ وہاں یقیناً وہ بہت جلدی صحت یاب ہو جائے گی۔ میں اسے گھر بلا کر رکھوں گی تو یہاں ڈاکٹر وقت پر نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"میں چاہتا ہوں کہ رسوتی خود کو تنہا اور لاوارث نہ سمجھے۔"

"تم اطمینان رکھو۔ میں اسے ایسا محسوس نہیں ہونے دوں گی۔ میں یہاں اس کی ماں بن کر رہوں گی اور پوری طرح اس کی دیکھ بھال کروں گی۔"

میں نے رسٹ واچ میں وقت دیکھا۔ پھر تھوڑی دیر ممی سے باتیں کرنے کے بعد ان سے رخصت ہو گیا۔ رات کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا لیکن میں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ ہلکا سا ناشتہ کیا اور ایک کپ کافی پی۔ اس کے بعد سامی کو اپنی گود میں اٹھا کر نکل گیا۔ وہاں سے میں سیدھا مراد داد کے پاس پہنچا وہ میرا منتظر تھا۔ اس نے کہا۔ "میں نے تمہارے لیے ایک ٹیکسی کا بندوبست کیا ہے۔ وہ ٹیکسی تمہیں ساحل کے اس عمارت تک پہنچا دے گی۔ اس کے علاوہ اور کوئی میرے لائق خدمت ہے تو مجھے بتا دو۔"

میں نے کہا۔ "بس میں اسی لیے آیا تھا کہ مجھے وہاں تک پہنچانے کا انتظام ہو جائے۔"

مراد داد نے کہا۔ "میرا دل نہیں مانتا کہ میں تمہیں اکیلے جانے دوں۔ کیا ہرج ہے اگر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟"

"میں بالکل تنہا جانا چاہتا ہوں اور تمہیں تو کبھی میں اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا اس لیے کہ تم پر بیوی بچوں کی ذمہ داریاں ہیں۔ دوسری بات یہ کہ جو لڑکیاں آج ہم رہا کرا رہے ہیں انہیں ان کے گھروں تک پہنچانا بہت بڑی نیکی ہے اور یہ نیکی تم کرو گے۔"

پھر میں نے سامی کو پیار سے سہلاتے ہوئے کہا۔ "میری جان! اب تم مراد داد کے پاس رہو گی۔ میں واپس آ کر تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ ابھی جہاں جا رہا ہوں وہاں تمہارا کوئی کام نہیں ہے اور تمہیں وہاں تنہا میرے ساتھ جانا بھی نہیں چاہیے۔ میں ادھر سے ادھر بھٹکتا رہوں گا۔ تم ساتھ رہو گی تو تمہاری فکر بھی مجھے رہے گی، لہٰذا تم یہیں رہو۔"

سامی میاؤں میاؤں کر رہی تھی۔ مجھ سے لپٹ رہی تھی۔ مجھے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن میں نے اسے اچھی طرح سمجھا کر، سہلا کر، بہلا کر اسے مراد داد کے حوالے کر دیا۔ پھر وہاں سے ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ ٹیکسی کے ذریعے دو گھنٹے کا سفر تھا۔ یہ دو گھنٹے گزارنے کے لیے میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

سونیا کے پاؤں میں نئی سینڈل آ گئی تھی۔ پرانی سینڈل اسی ٹرک میں پتہ نہیں کہاں چلی گئی تھی۔ پرانی سینڈل کا قصہ یوں تھا کہ جب وہ ایک ٹرک میں پہنچی تو سبھی اس ٹرک کا تعاقب کرنے کے لیے اپنی گاڑیوں پر روانہ ہو گئے تھے۔ آگے جا کر وہ ٹرک نظر آیا تھا۔ سب نے اس کا تعاقب شروع کیا۔ گاڑیاں تیز رفتاری سے چلائی۔ لیکن آگے ایک چوراہا تھا۔ جیسے ہی ٹرک نے چوراہے کو پار کیا ویسے ہی سرخ بتی جل گئی۔ تعاقب میں آنے والوں کو اس سگنل کے سامنے رک جانا پڑا۔ جب سگنل آن ہوا تب ان لوگوں کو آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ آگے بڑھنے

کے بعد ٹرک کہیں نظر نہیں آیا۔ پتہ نہیں اتنی دیر میں وہ کتنی دور نکل گیا تھا۔ گاڑی والوں نے دور دور تک اسے تلاش کیا۔ مختلف راستوں پہ گئے لیکن وہ ٹرک کہیں نظر نہیں آیا۔ آخر تھک ہار کر ایک لوٹنا واپس آ گیا تھا اور اس نے ڈاکٹر فریڈرک کو یہ رپورٹ دی تھی کہ وہ ٹرک کہیں گم ہو گیا ہے اور تلاش بڑی شدومد سے جاری ہے۔

میں نے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا اور اس کے گہرے گہرے کش لے کر سوچنے لگا۔ سونیا کو ابھی میری ضرورت نہیں تھی۔ یوں تو اسے میری ضرورت محسوس ہی نہیں ہوتی۔ ہوتی بھی ہے تو اس کا وہ اظہار نہیں کرتی۔ بہرحال اس کی طرف سے مطمئن تھا کہ ابھی وہ کسی الجھن میں گرفتار نہیں ہے۔ جب ہماری گاڑی بائی پاس سے بہت آگے نکل گئی تو میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا کہ وہ ہیڈ لائٹس کو بجھا دے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ عمارت سے دیکھنے والے یہ سمجھ لیں کہ کوئی گاڑی ان کی طرف آ رہی ہے اور وہ محتاط ہو جائیں۔

ٹیکسی ڈرائیور بہت تجربہ کار تھا۔ اس نے ہیڈ لائٹس بجھا دیں اور چاندنی رات میں راستے کو دیکھتے ہوئے ڈرائیو کرنے لگا۔ راستہ کچا اور ناہموار تھا۔ اونچا نیچا تھا اس کے باوجود وہ بڑے مزے میں ڈرائیو کرتا ہوا مجھے لے جا رہا تھا۔ تقریباً اس عمارت سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر میں نے گاڑی رکوا دی۔ ٹیکسی کو وہاں سے واپس رخصت کر دیا۔

جب وہ ٹیکسی ڈرائیور اپنی گاڑی لے کر چلا گیا تو میں نے اپنے سفید کوٹ کو اتارا۔ پھر اسے الٹ کر سیاہ بناتے ہوئے دوبارہ پہن لیا۔ اب اندھیرے میں میرا لباس بالکل نظر نہیں آ رہا تھا۔ چاند بادلوں میں چھپتا جا رہا تھا۔ کبھی اندھیرا ہو رہا تھا اور کبھی اجالا۔ میں دبے قدموں اس عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے ان لوگوں کے دماغ میں جھانکنے لگا جنہیں ہم دن کے وقت قیدی بنا کر آئے تھے۔

ان کے دماغوں سے پتہ چلا کہ وہ لوگ ابھی تک اسی کمرے میں قیدی کی حیثیت سے پڑے ہوئے ہیں۔ کسی نے وہاں آ کر انہیں آزاد نہیں کرایا ہے اور بھوک سے ان کا برا حال ہو رہا ہے۔

ان کی سوچ سے پتہ چل گیا کہ آدھی رات کو جو لانچ ساحل پر آنے والی تھی وہ ابھی تک نہیں پہنچی ہے۔ یوں بھی ابھی میری گھڑی میں پورے بارہ نہیں بجے تھے۔ ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ میں صحیح وقت پر وہاں پہنچ رہا تھا۔

عمارت کے قریب پہنچ کر میں ایک دیوار سے ٹیک لگا کر سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ عمارت کے اندر جانا فضول تھا۔ وہاں ویرانی، سناٹے، اندھیرے اور ان قیدیوں کے علاوہ کچھ نہ ملتا۔ مجھے باہر اس لانچ کا انتظار کرنا تھا۔ مجھے سگریٹ کی طلب ہوئی۔ پھر میں نے سوچا کہ رات کو ماچس جلاؤں گا اور سگریٹ پھونکوں گا تو سگریٹ کی آگ دور سے آنے والے دشمنوں کو خبردار کر دے گی۔

انتظار بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے خواہ وہ انتظار دشمن کا ہو یا دشمنِ جاں محبوب کا ہو۔ میں دیوار کی آڑ میں کھڑا ہوا بار بار دور دور تک سمندر کی طرف دیکھتا تھا۔ پھر مایوس ہو جاتا تھا۔ بہت دیر بعد میں نے تنگ آ کر ایک سگریٹ بہت آہستگی سے سلگا ہی لیا۔ پھر اس کی آگ کو اپنی ہتھیلی کی آڑ میں لے کر سگریٹ پھونکتا رہا۔ دو چار کش لگاتے ہی مجھے یہ یاد آیا کہ سمندری راستوں پر چلنے والے سگنل کے بغیر ساحل پر نہیں آتے ہیں اور پھر یہ لوگ تو مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے ہیں۔ جب تک انہیں ساحل کی طرف سے اس عمارت کے اندر سے اپنے آدمیوں کا سگنل موصول نہیں ہوگا اس وقت تک وہاں سے کوئی لانچ کنارے تک نہیں آئے گی۔

یہ سوچتے ہی میں نے ایک قیدی کے دماغ میں جھانک کر سگنل کے متعلق معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ واقعی بارہ بج کر دس منٹ کے بعد ایک لانچ ادھر آئے گی تو وہ بار بار بتیاں جلائے گی اور بجھائے گی۔ پانچ بار بتیاں جلیں گی اور بجھیں گی۔ جواب میں یہاں سے پانچ بار بتیاں جلیں گی اور بجھیں گی تو سمجھا جائے گا کہ سب ٹھیک ہے۔ وہ لوگ کنارے تک آ سکتے ہیں۔

میں دوڑتا ہوا عمارت کے اندر گیا۔ میں نے جو معلومات حاصل کی تھیں اس کے مطابق دوسری منزل پر سمندر کے رخ پر ایک کمرہ تھا جہاں پر بہت سے آلات لگے ہوئے تھے جن کے ذریعے اکثر ٹرانسمیٹر کے ذریعے باتیں ہوا کرتی تھیں اور یہ باتیں ناصر پاشا کیا کرتا تھا اور اس کی عدم موجودگی میں انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ وہاں ایک تیز روشنی والی ٹارچ بھی رکھی ہوئی تھی۔ اس ٹارچ کے ذریعے وہاں اس کمرے کی بالکونی میں کھڑے ہو کر سمندر کی طرف سگنل کا جواب دیا جاتا تھا۔ میں تیزی سے چلتا ہوا اس کمرے تک پہنچ گیا۔

میں عین وقت پر اس کمرے کی بالکونی تک پہنچا تھا کیونکہ وہاں پہنچتے ہی میں نے دیکھا کہ دور بہت دور سمندر میں ایک روشنی لپ لپ کر رہی تھی جیسے سمندر کی سطح پر کوئی چراغ جل رہا ہو۔ وہ روشنی بتدریج قریب آتی جا رہی تھی۔ میں ہاتھ میں ٹارچ پکڑے انتظار کرنے لگا۔ جیسے جیسے وہ قریب آ رہی تھی ویسے ہی لانچ کے انجن کی آواز بھی ہلکی ہلکی سی سنائی دینے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ ساحل کے قریب آنے لگی تب وہاں سے سگنل شروع ہوا۔ میری معلومات کے مطابق ٹھیک پانچ بار ایک لائٹ جلائی گئی تھی اور بجھائی گئی تھی۔ میں نے بھی جواباً ٹارچ کو پانچ بار روشن کیا اور بجھایا۔ اس کے بعد انہیں اطمینان ہو گیا ہوگا کہ کوئی خطرہ نہیں ہے اور وہ ساحل پر آ سکتے ہیں۔

سگنل دینے کے بعد میں ہاتھ میں ٹارچ لے کر نیچے اتر آیا۔ اب اس کے بعد میں ان کے آدمیوں کی طرف سے کوئی سگنل نہیں دے

سکتا تھا کیونکہ اس کے بعد جب لانچ ساحل سے چند میل کے فاصلے پر رکتی تھی اور کشتیاں ساحل کی طرف آتی تھیں تو عمارت سے آدمی نکل کر ان کا استقبال کرتے تھے۔ آج ان کا استقبال کرنے والا کوئی نہ ہوگا میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ عمارت کے اندر آتے ہیں یا کشتیاں وہیں سے واپس لے جاتے ہیں۔

میں وہاں سے چلتا ہوا عمارت کو ذرا دور چھوڑ کر ایک طرف ریت کے ٹیلے کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ وہ لانچ آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی۔ اب اس کی روشنی کا دائرہ کچھ بڑا سا لگ رہا تھا۔ وہ ایک چھوٹی سی ہیڈ لائٹ تھی جو ساحل کی طرف روشنی پھینک رہی تھی۔ اس روشنی میں میں نے دیکھا کہ تین یا چار کشتیاں لانچ سے نکل کر ساحل کی طرف آرہی ہیں۔ میں ریت پر اوندھے منہ لیٹ کر ادھر سمندر کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کشتیاں ساحل کے پاس آکر ٹھہر گئیں۔ وہ لوگ کشتیوں سے اتر کر عمارت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ کچھ سہمے ہوئے بھی تھے کیونکہ ان کا استقبال کرنے کوئی نہیں آیا تھا اب وہ واپس بھاگنے کے متعلق سوچتے بھی ہوں گے تو یہ خیال بھی آتا ہوگا کہ اگر دشمن چھپے ہوئے ہیں تو واپس بھاگتے دیکھ کر فائرنگ شروع کر دیں گے۔ ان کی سمجھ میں تھوڑی دیر تک نہیں آیا کہ وہ کیا کریں۔ پھر کسی نے امیر حسن کو آواز دی "امیر حسن تم کہاں ہو؟ تم باہر کیوں نہیں آتے ہو؟ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

میں اس بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ فوراً ہی پتہ چلا کہ اس بولنے والے کا نام ناصر پاشا ہے اور وہ دوسری بار پھر امیر حسن کو آوازیں دے رہا تھا۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو کر بولنے لگا "کیوں نہ ہم عمارت کے اندر جا کر دیکھیں۔"

ناصر پاشا کی سوچ نے کہا "نہیں یہ مناسب نہیں ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ پولیس والے چھپ کر بیٹھے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ ہم یہاں کے پولیس والوں کے دوست ہیں۔ وہ ہمارے خلاف محاذ نہیں بنا سکتے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "جب وہ محاذ نہیں بنا سکتے تو پھر ڈر کس بات کا ہے؟"

"اس بات کا ڈر ہے کہ آج صبح کے وقت جس نے ملک نواز کو نقصان پہنچایا تھا وہ یہاں گرفتار کر کے لایا جانے والا تھا وہ یہاں پہنچا ہے یا نہیں۔ اگر پہنچا ہوتا تو ہمارے آدمی یہاں چلتے پھرتے نظر آتے۔ یا تو وہ ان کی گرفت سے نکل کر بھاگ گیا ہے یا پھر اسی نے یہاں ویرانی پھیلائی ہوئی ہے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "اگر اس نے ویرانی پھیلائی ہے تو اسے چیلنج کیا جائے یا اسے اپنے مقابل بلایا جائے۔ اگر وہ تنہا ہوگا یا اس کے کچھ ساتھی ہوں گے تو ہمارے مقابلے میں زیادہ ٹھہر نہیں سکیں گے۔"

میرے اکسانے پر وہ آوازیں دینے لگا "اس عمارت کے اندر جو کوئی بھی ہے وہ ہمیں مخاطب کرے یا ہم سے رابطہ قائم کرے۔ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں کون ہے۔ دوست ہے یا دشمن ہے؟"

انہیں عمارت کے اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ ناصر پاشا نے تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد اپنے ایک ماتحت سے کہا کہ وہ دور سے عمارت کے اندر ٹارچ سے روشنی پھینکے اور کچھ دیکھنے کی کوشش کرے۔ اس کے حکم کے مطابق وہ شخص آگے بڑھتا ہوا گیا اور ٹارچ کی روشنی عمارت کے اندر پھینکنے لگا۔ عمارت کا دروازہ کھلا ہوا نظر آرہا تھا اندر ویرانی تھی سناٹا تھا۔ پھر ناصر پاشا نے اپنے دو ماتحتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ریوالور ہاتھ میں لے کر اور دوسرے ہاتھ میں ٹارچ لے کر عمارت کے اندر جائیں اور وہاں جا کر اپنے آدمیوں کی خیریت معلوم کریں۔

دو آدمی اس کے حکم کے مطابق عمارت کے اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص نے اوپر بالکونی سے کہا "اندر کوئی نہیں ہے یہاں ایک کمرے میں ہمارے چند آدمیوں کو قید کیا گیا تھا ان آدمیوں نے بتایا ہے کہ دوپہر کو جو شخص گرفتار کر کے لایا گیا تھا اس نے ان لوگوں کو قیدی بنا دیا تھا اور ان کے کوئی پانچ چھ آدمی ہلاک کر دیے ہیں اور تمام لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔"

ناصر پاشا کو یہ سب سن کر بھی یقین نہیں آرہا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ طارق محمود نامی ایک آدمی پہلے ملک نواز کو معمولی نقصان پہنچانے کے بعد اسے اتنا زبردست نقصان پہنچائے گا۔ بارہ لڑکیوں کے چلے جانے کا مطلب یہ تھا کہ اسے پندرہ [illegible] لاکھ روپے کا نقصان ہونے والا تھا بلکہ یہ نقصان ہو چکا تھا۔ وہ اس عمارت کے اندر آیا۔ پھر اوپر اسی بالکونی والے کمرے میں بیٹھ کر وائرلیس کے ذریعے کسی سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ میں اس کے دماغ میں برابر موجود رہا۔ وہ کسی کو کوڈ ورڈ میں مخاطب کرتے ہوئے سارے نقصانات کی تفصیل بتا رہا تھا۔ جواب میں کسی نے کہا "اگر وہ نقصان ہو ہی چکا ہے تو وہاں ماتم کرنے کے لیے بیٹھے نہ رہو۔ جسے نقصان پہنچانا تھا وہ نقصان پہنچا کر جا چکا ہے۔ جو لوگ مر چکے ہیں ان کی لاشیں سمندر میں بہا دو اور وہاں سے قتل و غارت گری کے تمام نشان مٹا کر واپس چلے آؤ۔ باقی باتیں یہاں ہوں گی۔"

ناصر پاشا نے کہا "میں اتنی بڑی ناکامی برداشت نہیں کر سکتا جس نے بھی مجھے نقصان پہنچایا ہے میں اس کا دشمن تو ہوں لیکن اس کی دلیری اور صلاحیتوں کی قدر بھی کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسے ہی

لوگ ہمارے گروہ میں شامل ہو سکیں۔ اگر وہ شخص مجھے کہیں سے مل جائے تو میں اسے بہت بڑی آفر دوں گا۔ دوسری بات یہ کہ میں واپس آنے کے بجائے مراد دادا کے پاس جا کر معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ بارہ لڑکیاں کہاں ہیں۔ ہم پھر انہیں دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔"

اس کے جواب میں دوسری طرف سے کہا گیا "اگر تمہارا اسسٹنٹ امیر حسن مارا گیا ہے تو کوئی دوسرا اسسٹنٹ وہاں مقرر کرو اور اس کو یہ ڈیوٹی سونپ دو کہ وہ مراد دادا سے مل کر ان بارہ لڑکیوں کی واپسی کا مطالبہ کرے اور انہیں دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ پھر یہ کہ طارق محمود سے ہماری ملاقات کرائے۔ ہم اپنے معاملات کے مطابق اس سے سودے بازی کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ایسا آدمی پسند ہے جو دشمنوں کو اتنا زبردست نقصان پہنچاتا ہو۔ تم وہاں تمام معاملات سیٹ اپ کرنے کے بعد واپس آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ اوور اینڈ آل۔"

وائرلیس ریڈیو پر بات چیت ختم ہو گئی۔ ناصر پاشا کا ایک اسسٹنٹ ان قیدیوں سے سوال جواب کر رہا تھا۔ ناصر پاشا نے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ عمارت کی چاروں طرف سے تلاشی لے کر دیکھیں۔ کوئی چھپا ہوا نہ ہو۔ یہ کہہ کر وہ خود بھی عمارت سے باہر ٹہلنے کے لیے آگیا۔

ناصر پاشا کے حکم کے مطابق سب لوگ عمارت کے آس پاس گویا مجھے تلاش کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ دو شخص اس ریت کے ٹیلے کی طرف آرہے تھے جس کے پیچھے میں چھپا ہوا تھا۔ میں چپ چاپ وہاں اوندھے منہ لیٹا رہا اور انہیں آتا دیکھتا رہا جب وہ بالکل ہی قریب آگئے تو میں نے للکارنے کے انداز میں کہا "ہالٹ۔ اگر کسی نے ذرا بھی حرکت کی تو گولی مار دوں گا۔"

وہ ایک دم سے ٹھٹھک گئے۔ فوراً ہی دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر ریت کے ٹیلے کی دوسری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑے ہو جائیں۔ انہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ پھر میں نے پوچھا "تمہارا لیڈر کون ہے؟"

وہ خاموش رہے۔ میں نے کہا "اگر خاموش رہو گے تو گولی مار دوں گا۔ اپنی زندگی عزیز ہے تو اپنے لیڈر کا نام بتاؤ۔"

ان میں سے ایک نے سہمے ہوئے انداز میں کہا "ہمارے لیڈر کا نام ناصر پاشا ہے۔ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"خبردار مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔ صرف میرے سوالوں کا جواب دینا۔ اگر تم دونوں زندگی چاہتے ہو تو یہاں سے چپ چاپ چلتے رہو اور سیدھے اپنے لیڈر ناصر پاشا کے پاس جا کر کہو کہ یہاں میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ تنہا آئے اور مجھ سے دو باتیں کرے میں بھی یہاں تنہا ہوں اور اس سے دلیرانہ انداز میں مردوں کے طور طریقے پر تنہا بات کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اس میں مردانگی ہے تو وہ یہاں آجائے۔"

وہ میری بات سن کر ہاتھ اٹھائے ہوئے سیدھے چلتے چلے گئے۔ پھر میں ان کے دماغوں میں جھانکتا رہا۔ وہ ناصر پاشا کے پاس پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اسے بتایا کہ ادھر ریت کے ٹیلے کے پیچھے ایک شخص چھپا ہوا ہے۔ شاید اس کے ہاتھ میں ریوالور ہے کیونکہ اس نے ہمیں شوٹ کرنے کی دھمکی دی تھی۔

یہ سنتے ہی ناصر پاشا نے اپنے آدمیوں کو اپنی طرف بلایا لیکن ان میں سے ایک شخص نے کہا "جناب وہ آپ سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اگر تمہارا لیڈر مرد ہے اور مردوں کے انداز میں تنہائی میں ملاقات کر سکتا ہے تو اسے یہاں بھیج دو۔ کیا آپ وہاں تنہا جانا پسند کریں گے؟"

اب میں ناصر پاشا کے دماغ میں تھا۔ وہ دور اس ٹیلے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں اسے بتایا گیا کہ میں چھپا ہوا ہوں۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے ان سے پوچھا "وہ شخص باتوں سے کیسا لگ رہا تھا؟"

بتانے والے نے کہا "وہ اپنی زبان کا دھنی معلوم ہوتا ہے اس نے ہم پر فائرنگ نہیں کی۔ وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا تھا۔ ہمیں مار سکتا تھا لیکن وہ صرف آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔"

وہ سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "وہ شخص مردانہ انداز میں ملاقات کرنے کی دعوت دے رہا ہے تو مجھے بھی مردانہ وار وہاں جا کر اس سے ملاقات کرنا چاہیے۔"

اس کی سوچ نے کہا "لیکن وہ مجھے نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "جو شخص تنہا وہاں آیا ہو وہ اپنے اندر سچائی اور دلیری ضرور رکھتا ہوگا اور وہ تنہا ہو کر مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا۔ کیونکہ اسے اس بات کا خوف ہوگا کہ مجھے مارے گا تو میرے آدمی اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

یہ سوچنے کے بعد اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "تم لوگ دور سے جا کر اس ریت کے ٹیلے تک پہنچنے کی کوشش کرو اور اس طرح کوشش کرو کہ اس آدمی کو خبر نہ ہو۔ میں اس سے ملاقات کرنے کے لیے تنہا جا رہا ہوں۔"

یہ کہنے کے بعد وہ تھوڑی دیر تک وہاں کھڑا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ اس کے آدمی میرے چاروں طرف پھیل جائیں اور مجھے فرار ہونے کا موقع نہ ملے۔ میں اپنی جگہ چپ چاپ لیٹا رہا۔ مجھے پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ ناصر پاشا مجھ سے سودے بازی کرنا چاہتا ہے اس لیے مجھے اپنی جان کا خطرہ نہیں تھا۔ میں مطمئن تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ میری طرف آنے لگا۔ میں ریت پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جب وہ قریب پہنچنے لگا تو میں نے کھڑے ہوتے ہوئے

اور ذرا آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "ہیلو مسٹر ناصر پاشا! مجھے طارق محمود کہتے ہیں۔ یہ نام آج صبح سے تمہارے کانوں میں بج رہا ہوگا؟"

پہلے وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہوا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر پوچھا "کیا تم بالکل اکیلے ہو؟"

"میں اکیلا بھی ہوں اور نہتا بھی۔ اور ابھی میں نے چاندنی میں یہ دیکھا ہے کہ تمہارے آدمی مجھے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ تمہاری مردانگی نہ ہوئی۔"

اس نے کہا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم واقعی تنہا بھی ہو اور نہتے بھی ہو۔ میں ابھی اپنے آدمیوں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ واپس چلے جائیں۔"

یہ کہہ کر اس نے بلند آواز میں چیخ چیخ کر اپنے آدمیوں کو واپس جانے کے لیے کہا۔ وہ لوگ جو جھکے ہوئے چل رہے تھے اور چھپ چھپ کر مجھے گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اب چاندنی میں دور دور تک پھیلے ہوئے اس کے آدمی نظر آ رہے تھے اور اس کے حکم کے مطابق واپس جا رہے تھے۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ "تمہارا یہاں اکیلے آنے کا مقصد کیا ہے، کیا تمہیں اپنی جان کا خطرہ نہیں تھا؟"

"بڑے سے بڑا داؤ کھیلنے کے لیے بڑی سے بڑی بازی جیتنے کے لیے جان کو خطرے میں ڈالنا ہی پڑتا ہے۔ میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ یا تو بہت بڑا بزنس مین بنوں گا یا پھر بہت بڑا مجرم۔ مجھے کم از کم ماہانہ پچاس ہزار روپے کی آمدنی چاہیے۔ یہی سوچ کر میں نے صبح ملک نواز کو چھیڑا تھا لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ ملک نواز اور تمہارا وہ آدمی امیر حسن میری جان کے دشمن بن جائیں گے۔ وہ لوگ مجھے گولی مار کر سمندر میں پھینک دینا چاہتے تھے۔ مجبوراً مجھے اپنی جان بچانے کے لیے تمہارے بہت سے آدمیوں کو ہلاک کرنا پڑا۔ اس کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو جان بچا کر فرار نہیں ہو سکتا تھا۔"

اس نے پوچھا۔ "تم ہماری لڑکیوں کو کیوں لے گئے ہو؟"

"یہ میرا دھندا ہے کہ میں تمہارے جیسے دھندا کرنے والوں کے راستے کا روڑا بنتا ہوں اور ان سے ان کا شکار چھین لیتا ہوں۔ میں ان لڑکیوں کو کیوں وہاں سے لایا اور کہاں لے گیا اور اب وہ کہاں ہیں یہ سوال نہ تو مجھ سے کرو اور نہ ہی مراد دادا سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہے میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تمہارے ہاں اتنی گنجائش ہے کہ مجھے میرے مطالبے کے مطابق اپنے ہاں کوئی کام دے سکو۔ میں بخوشی کرنے کو تیار ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "سچ پوچھو تو تم نے ہمارے منہ کی بات چھین لی ہے۔ ہم خود تمہارے جیسے دلیر آدمی کی قدر کرتے ہیں۔ اگر تم اپنے آپ کو پچاس ہزار روپے ماہانہ کا اہل ثابت کرتے رہو تو تمہیں یہ رقم ملتی رہے گی، لیکن اس کا فیصلہ پرفیوم آئی لینڈ یعنی خوشبو کے جزیرے میں چل کر ہوگا۔ میں بظاہر یہاں... مجرموں کا باس ہوں لیکن میں خوشبو کے جزیرے کا پاکستان میں نمائندہ ہوں۔ میں یہاں کی لڑکیوں کا ٹھیکیدار ہوں اور یہاں کی لڑکیوں کو خوشبو کے جزیرے میں بھیجتا ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو۔ تمہارے ساتھ وہاں بہت اچھا معاہدہ ہو جائے گا۔"

سڑکیں بنانے اور عمارتیں تعمیر کروانے والوں کو ٹھیکیدار کہتے ہیں۔ میں نے پہلی بار یہ سنا کہ بردہ فروشی کرنے والے بھی ٹھیکیدار کہلاتے ہیں جبکہ ہماری زبان میں انہیں دلال کہا جاتا ہے لیکن ناصر پاشا اپنے آپ کو اچھے الفاظ میں یاد کر رہا تھا۔ میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا تم اپنے ساتھ مجھے ابھی خوشبو کے جزیرے میں لے جاؤ گے؟"

"ابھی اور اسی وقت تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آج سے ہماری تمہاری دوستی پکی۔"

میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس سے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں آج سے ہماری دوستی پکی ہے لیکن یاد رکھنا کہ مجھے دھوکا نہ دیا جائے۔ اگر یہاں سے لے جا کر کسی قسم کا دھوکا ہوا تو میں اکیلے نہیں مروں گا۔ اپنے ساتھ کم از کم تمہارے اچھے اچھے دس پانچ کو لے کر مروں گا اس لیے دوستی کے پیچھے دشمنی نہ کرنا۔"

ہم دوست بن کر باتیں کرتے ہوئے عمارت کی طرف جانے لگے۔ وہاں بہت سے لوگ ہمارے منتظر تھے۔ ہمیں ایک ساتھ آتے دیکھ کر انہوں نے اپنے اپنے ریوالور اور بندوقوں کی نالیں نیچی کر لیں۔ وہاں ایک شخص نے مجھے دیکھتے ہی چیخ کر کہا۔ "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے آج میرے دوست کی جان لی ہے اسے میرے حوالے کیا جائے۔"

آج دن کے وقت ایک اسٹین گن والا جو میرے ہاتھوں سے مارا گیا تھا وہ اس شخص کا دوست تھا اور وہ دوستی کے جذبات میں آ کر چیخ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "اگر تم بھی میرے ہاتھوں مرنا چاہتے ہو تو آؤ میرے سامنے آ کر مجھ پر حملہ کرو۔"

ناصر پاشا نے اس آدمی سے کہا۔ "بے وقوفی کی باتیں نہ کرو اس نے ہمیں یا ہمارے آدمیوں کو یہاں نقصان پہنچایا ہے۔ ہم نے بھی اسے غنڈوں کے ذریعے گرفتار کرا کر نقصان پہنچایا ہے۔ حساب برابر ہو گیا۔ اب یہ ہمارے دوستوں اور ساتھیوں میں سے ہے اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔"

اس شخص نے کہا۔ "باس! میں نے اور میرے دوست نے قسم کھائی تھی کہ ہم ایک ساتھ جئیں گے اور ایک ساتھ مریں گے۔ ہم بہت اچھے دوست تھے۔"

ناصر پاشا نے کہا۔ "پھر تو تمہیں اس دوست کے ساتھ ہی مر جانا چاہیے تھا۔ مگر تم تو اس کے قیدی بن گئے تھے۔ اس وقت

تمہیں شرم نہیں آئی تھی۔ اس وقت تم نے اسے للکارا نہیں۔ اس وقت اپنی دوستی کا حق ادا نہیں کیا۔ اب اپنے ساتھیوں کے درمیان اسے تنہا دیکھ کر للکار رہے ہو۔ یہ نہ سوچو کہ یہ اکیلا ہے۔ اب یہ اپنے ساتھیوں میں ہے۔"

اس شخص نے کہا۔ "باس اسے آپ کی حمایت حاصل ہے تو یہ اور بات ہے، ویسے ہماری وفاداری کا تقاضہ تو یہ ہے کہ آپ ہمیں ہمارے جذبات کو پورا کرنے کا موقع دیں۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا یا تو یہ مجھے مار ڈالے یا میں اسے مار ڈالوں گا۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو آپ پائیں گے اور دوسرے کو کھو دیں گے۔ آپ ہمیں فیصلہ کریں۔"

ناصر پاشا نے مجھ سے پوچھا۔ "کیا ارادے ہیں۔ کیا تم اس آدمی سے مقابلہ کرو گے؟ یہ تمہیں بار بار چیلنج کر رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تم اسے برداشت نہیں کرو گے۔"

میں نے اسے جواب دینے کے بجائے ایک چھلانگ لگا کر اس کے سینے پر لات ماری تو وہ لڑکھڑا کر پیچھے چلا گیا۔ دوسرے لوگ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ مقابلہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ شخص فوراً ہی اٹھ کر میری طرف لپکا۔ ریت میں اس کے پاؤں دھنس رہے تھے۔ میں نے پیچھے ہٹ کر پھر ایک چھلانگ لگائی اور اسے فلائنگ کک مارتا ہوا دور ریت پر جا گرا۔ دوسری طرف وہ بھی ریت پر اُلٹا پڑا تھا۔

ہم دونوں ایک ساتھ ریت پر سے اٹھے۔ پھر ایک دوسرے کے سامنے تن گئے۔ وہ دوڑتا ہوا مجھے گھونسہ مارنے کے لیے آیا۔ میں نے اس کے گھونسے کو روک لیا اس نے دوسرے ہاتھ سے حملہ کرنا چاہا میں نے اس کے دوسرے وار کو بھی روک لیا۔ پھر اسے جھکائی دے کر پیٹ میں گھونسہ مارا۔ پھر منہ پر، پھر ناک پر، پھر منہ پر، پھر سینے پر، پھر ٹھوڑی پر لگاتار گھونسے مارتا چلا گیا۔ آخر وہ بیدم سا ہو کر گر پڑا۔

اب اس میں پہلی جیسی پھرتی نہیں رہی تھی۔ وہ ریت پر سے ہانپتا کانپتا اٹھ رہا تھا اور حملہ کرنے کے بجائے ادھر سے ادھر ڈگمگا رہا تھا۔ اچانک ہی ناصر پاشا نے اپنا ریوالور نکالا۔ اس میں سائلنسر فٹ کیا۔ پھر اس نے اس شخص کو گولی مار دی۔ وہ ریت پر گرا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر ناصر پاشا کی گمبھیر آواز سناٹے میں گونجنے لگی وہ کہہ رہا تھا۔ "ہم میں سے کوئی کسی کا دوست نہیں ہے۔ کوئی کسی کا بھائی نہیں ہے۔ تم سب اپنے باس کے وفادار ہو۔ اگر میں اسے گولی نہ مارتا تو یہ اس وجہ سے ہمارا غدار بن جاتا کہ ہم نے اس کے دوست کا انتقام طارق محمود سے نہیں لیا تھا اور ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ایک لمحہ پہلے جو ہمارا دشمن ہوتا ہے وہ کسی مصلحت کی بنا پر ہمارا بہترین دوست بن جاتا ہے۔ طارق محمود کے ساتھ بھی یہی بات ہے اور یہ ہمارا بہترین دوست بن چکا ہے۔ اگر کسی کو طارق محمود کے خلاف کچھ کہنا ہو تو اس وقت کہہ دے ورنہ ہمیشہ کے لیے میری پالیسی کے مطابق اپنا دوست تسلیم کر لے۔"

اس کی باتیں سبھی لوگ خاموشی سے سن رہے تھے کسی نے بھی میری دوستی پر اعتراض نہیں کیا۔ اگر کسی کو کرنا بھی ہوتا تو اس میں جرأت نہ ہوتی کیونکہ وہ اپنے سامنے ایک شخص کو گولی کھا کر مرتے دیکھ چکے تھے۔ ناصر پاشا نے وہاں امیر حسن کی جگہ اپنا نائب مقرر کیا۔ اسے وہاں کے ضروری فرائض سمجھائے۔ پھر اس کے بعد ہم سب روانہ ہو گئے اس عمارت میں چھ آدمی چھوڑ دیے گئے۔ باقی میں، ناصر پاشا اور چار آدمی کشتیوں میں بیٹھ کر لانچ کی طرف جانے لگے۔

آسمان پر نصف چاند تھا اور وہ بھی بدلیوں میں چھپ رہا تھا۔ پورے چاند کی کشش کے باعث سمندر میں جوار بھاٹا پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ چاند آدھا تھا اور بدلیوں میں چھپ رہا تھا اس لیے سمندر کی لہریں بہت زیادہ جوشیلی نہیں تھیں۔ ہم کسی طرح جدوجہد کرتے ہوئے کشتی میں بیٹھ کر لانچ تک پہنچ گئے۔ لانچ پر رسیوں کی سیڑھیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ان سیڑھیوں کے ذریعے ہم لانچ کے عرشے تک پہنچ گئے۔

اس لانچ میں اندھیرا تھا حالانکہ وہاں روشنی کی جا سکتی تھی چونکہ وہ ایک غیر قانونی سفر تھا اور راستے میں کہیں بھی کوسٹ گارڈ یا کسٹم وجیلنس... سے سامنا ہو سکتا تھا اس لیے انہوں نے ساری بتیاں بجھا دی تھیں۔ صرف لانچ کے نچلے حصے میں جہاں انجن روم تھا وہاں ایک ہلکی سی روشنی کا بلب روشن تھا۔ ویسے نصف چاند کی روشنی میں بہت کچھ نظر آ رہا تھا۔ عرشے پر مسلح نوجوان کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں اور وہ سب کسی بھی آنے والی مصیبت کا سامنا کرنے کے لیے بالکل چاق و چوبند نظر آ رہے تھے۔

لانچ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی اور وہ منزل خوشبو کا جزیرہ تھی۔ میں اور ناصر پاشا بہت دیر تک لانچ کے عرشے پر کھڑے رہے۔ ناصر پاشا اپنے آدمیوں کو کچھ ہدایات دیتا رہا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔ "کون سی پیتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "میں شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔"

"تعجب ہے۔ تمہارے جیسا جواں مرد اور شراب نہیں پیتا تو پھر تمہیں کس چیز سے دلچسپی ہے؟"

میں نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔ "مجھے حسن اور خوشبو سے دلچسپی ہے۔ میں شراب نہیں پیتا۔"

"خوشبو کے جزیرے میں تمہیں بے شمار حسین دوشیزائیں نظر آئیں گی لیکن ہم انہیں ہاتھ نہیں لگاتے ہیں۔ وہ جیسی ..... ہوتی ہیں ویسی ہی رہنے دیتے ہیں کیونکہ ایسی لڑکیوں کی قیمت بہت

زیادہ ہے۔ ہمیں ایک لڑکی کے تقریبًا پانچ لاکھ ملتے ہیں اور اگر ان پڑھ نہ ہو مگر حسین ہو تو وہ زیادہ سے زیادہ دو لاکھ روپے میں فروخت ہوتی ہے۔"

میں نے پوچھا "اچھا تو خوشبو کے جزیرے میں تم تمام مرد کنوارے رہتے ہو؟"

اس نے زور دار قہقہہ لگایا۔ پھر کہا "نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ وہاں اور بھی بے شمار حسین عورتیں ہیں۔ تمہارا دل خوب بہلے گا۔ بس وہاں پہنچنے کی دیر ہے۔"

میں نے اپنے دل میں کہا۔ ہاں بیٹے! بس وہاں پہنچنے کی دیر ہے پھر میں دیکھوں گا کہ وہ خوشبو کا جزیرہ کیا چیز ہے اور وہاں کس قسم کا دھندا کیا جاتا ہے۔ باہر سے خریدار آتے ہیں یا صرف ایجنٹوں کے ذریعے سودا طے ہوتا ہے اور لڑکیاں بھیج دی جاتی ہیں۔ یہ دھندا صرف ایک آدمی کر رہا ہے یا باقاعدہ ان کی ایک تنظیم ہے جس کے تحت یہ کام ہوتا ہے۔ میرا اندازہ یہی تھا کہ یہ ایک منظم گروہ ہے جو اتنا بڑا دھندا پھیلائے ہوئے ہے۔ آنے والے لمحات ہی بتا سکتے تھے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے اور کیسے ہو رہا ہے؟

ہم ایک کیبن میں آ کر بیٹھ گئے۔ اس نے وھسکی کی ایک بوتل اور دو گلاس نکال لیے۔ پھر میرے سامنے ایک گلاس رکھتے ہوئے بولا "میں وھسکی پیوں گا۔ تم کوک پیتے رہنا۔ اس طرح پینے میں میرا ساتھ دیتے رہو گے اور ہمارا وقت گزر جائیگا۔"

میں نے پوچھا "ہم کتنی دیر میں اس جزیرے تک پہنچیں گے؟"

اس نے اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا "ٹھیک دو گھنٹے کے بعد ہم اس جزیرے پر پہنچ جائیں گے۔"

اس نے آئس باکس میں سے ایک کوکا کولا کی بوتل نکال کر میرے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا "اور بتاؤ کہ اب تک تم کراچی میں کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے۔ ہماری نظروں میں کیوں نہیں آئے؟"

"میں بنکاک میں تھا۔ میری بیوی شہناز بہت مہنگی عورت ہے۔ اس کے لیے مجھے بیس پچیس ہزار روپے ہر ماہ کمانا پڑتے ہیں۔"

وہ بولا "تمہاری بیوی بہت حسین عورت ہے۔ میں نے ایکبار اسے کلب میں دیکھا تھا۔ اس کے بدن میں عجیب سی خوشبو اٹھتی ہے ایک دم سے متوالا بنا دیتی ہے۔ تم بہت خوش نصیب ہو۔"

میں نے کہا "جب شراب رکھی ہو اور کوئی بھی شراب سے شغل کر رہا ہو تو وہاں میں اپنی بیوی کا ذکر پسند نہیں کرتا۔ ہم دوسری بات کریں گے۔ ویسے یہ بتاؤ تم لوگوں کا لیڈر کون ہے؟"

اس نے جواب دیا "میں یہ باتیں ابھی نہیں بتا سکتا۔ جب تم ہمارے گروہ میں شامل کر لیے جاؤ گے اور باقاعدہ تم پر اعتبار کر لیا جائے گا، تب تمہیں تمام باتیں معلوم ہو جائیں گی۔"

"میں نے صبح تمہیں ایک لڑکی کا اور دوپہر کو ۔ ۔ ۔ بارہ لڑکیوں کا نقصان پہنچایا ہے۔ کیا تم اس کا انتقام نہیں لو گے۔ میں کیسے اعتماد کر لوں کہ میں یہاں سے دوست بن کر جا رہا ہوں اور وہاں جا کر تم دوستی نبھاؤ گے؟"

اس نے جواب دیا "اعتبار کر لینا چاہیے کیونکہ اس وقت تم ہماری لانچ میں ہو اور دوست کی حیثیت سے میرے پاس بیٹھے ہو۔ ورنہ میرے مسلح آدمی تمہیں رسیوں سے جکڑ کر ایک طرف بٹھا دیتے اُس وقت تمہاری حیثیت ایک قیدی کی ہوتی۔ اس وقت تم یہاں بیٹھ کر میرے ساتھ کوک پیتے ہوئے نظر نہ آتے۔"

"پھر بھی میری وجہ سے تمہیں بارہ لڑکیوں کے چلے جانے سے پچاس ساٹھ لاکھ روپے کا نقصان ہوا ہے۔ یہ نقصان تم کیسے برداشت کر رہے ہو؟"

وہ شراب کا گھونٹ لیتا رہا۔ پھر اس نے کہا "میں بہت نقصان اٹھاتا ہوں۔ میرا کوئی دستِ راست ایسا نہیں ہے جو صحیح معنوں میں میرا نائب بن کر میرے کام آ سکے۔ کبھی پولیس والے نقصان پہنچاتے ہیں تو کبھی لڑکیاں بھاگ جاتی ہیں۔ کبھی کوئی دوسرا گروہ آ کے ٹکرا جاتا ہے۔ میں اگر تمہیں پسند کر رہا ہوں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ تم بڑے جی دار اور اپنی ضد کے پکے نظر آتے ہو۔ جس مہم پہ نکلتے ہو اسے پورا کر کے ہی لوٹتے ہو۔ تم تنہا ہمارے سامنے مقابلہ کے لیے آتے یہ بات میرے دل کو لگ گئی ہے۔ میں تمہیں اپنے برابر عہدہ دوں گا اور اپنے برابر منافع دوں گا۔ اس طرح تم مجھے نقصان سے بچایا کرو گے، کیوں ٹھیک ہے نا؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ وہ ذرا جھوم رہا تھا اور میز کی طرف جھکتے ہوئے گلاس کو رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "پتہ نہیں کیا بات ہے۔ ابھی میں نے پورا گلاس ختم نہیں کیا ہے اور مجھ پر نشہ چھا رہا ہے۔ ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ گلاس کو گھورنے لگا۔ میں نے کہا "کیا تمہیں شبہ ہے کہ شراب خالص نہیں ہے؟"

"ہاں، میں سمجھ رہا ہوں کہ اس میں کچھ ملاوٹ ہے میرا سر گھوم رہا ہے اور ۔ ۔ ایک پیگ میں کبھی ایسا ہوتا نہیں ہے۔ میں بہت زیادہ پینے کا عادی ہوں۔ ایک پیگ میرے لیے پانی کا ایک گھونٹ ہوتا ہے۔"

"کیا تمہیں کسی پر شبہ ہے۔ کیا تمہیں کوئی ملاوٹ والی شراب پلانا چاہتا ہے؟"

وہ آگے پیچھے جھوم رہا تھا اور کہہ رہا تھا "یہاں سب میرے اپنے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس پر شبہ کروں۔ ہاں یاد آیا۔ اس لانچ کا ڈرائیور ایک انگریز ہے۔ اس سے میرا ایک بار

...ڑا ہوگیا تھا لیکن یہ جھگڑا ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ میرا جانی دشمن ...جاتا اور ایسی مہم کے دوران وہ مجھ سے دشمنی کرے گا یہ میں نہیں سمجھ ...تا۔"

یہ کہتے کہتے ناصر پاشا سامنے والی میز پر اوندھے منہ جھک گیا۔ ...پر نیم بے ہوشی طاری ہوگئی تھی۔ میں نے کوکا کولا کی بوتل اٹھا ...سے گھور کر دیکھا۔ اس کا ڈھکن آئنی مضبوطی سے لگا ہوا تھا کہ ...نے اسے فراوقت سے کھولا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس ...میں کوئی دوا نہیں ملائی گئی تھی۔ اگر ملائی گئی ہوتی تو میرا حال ...ناصر پاشا جیسا ہوتا اور اس وقت میں میز پر اوندھا نظر آتا۔

میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کیا ...بن سے باہر نکل کر کسی کو اطلاع دینا چاہیے کہ ناصر پاشا پر کیا ...زر رہی ہے۔ اتنے میں کیبن کے دروازے کے پاس آہٹ سنائی دی۔ ...دبے قدموں چلتا ہوا دروازے کے پاس پہنچا۔ پہلے ارادہ تھا کہ ...ہستگی سے دروازہ کھول کر دیکھوں گا۔ پھر میں نے یہ ارادہ بدل دیا۔ ...ونکہ دروازے کے باہر دھیمے لہجے میں باتیں کرنے کی آوازیں سنائی ...ے رہی تھیں۔ کسی نے کسی کو کہا "معلوم ہوتا ہے دونوں شراب پینے ...ے بعد بے ہوش ہوگئے ہیں۔ کیبن میں سے آواز سنائی نہیں دے ...ہی ہے۔"

دوسرے نے کہا "میں دروازے پر دستک دیتا ہوں اگر وہ ...وش میں ہوں گے تو ضرور جواب دیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ میں وہاں چپ چاپ کھڑا رہا۔ وہ لوگ جواب کا انتظار کرتے رہے۔ پھر ایک شخص نے کہا "نہیں، وہ دونوں شراب پینے کے بعد بیہوش ہو گئے ہیں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔ آؤ ہم باقی دوسروں سے نمٹ لیں۔"

میں دبے قدموں چلتا ہوا واپس اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔ ان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ مجھے بھی شرابی سمجھتے ہیں اور انہوں نے یہی سوچا تھا کہ میں اور ناصر پاشا شراب پینے کے بعد بے ہوش ہو گئے ہیں۔ آج میرے شراب نہ پینے کی عادت بڑے کام آگئی تھی۔ واقعی اگر میں بھی پینے میں ناصر پاشا کا ساتھ دیتا تو اس وقت میں بھی غافل پڑا ہوتا۔

میں باری باری ان دونوں کے دماغوں میں جھانکنے لگا۔ جو دروازے کے باہر گفتگو کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک شخص تھرماس میں سے چائے نکال نکال کر مسلح نوجوانوں کو پیش کر رہا تھا اور نوجوان اس چائے کو پیتے جا رہے تھے۔ تب میری سمجھ میں آ گیا کہ اس چائے میں بھی بے ہوشی کی دوا ملائی گئی ہے اور مسلح نوجوانوں کو بھی غافل بنایا جا رہا ہے۔

مجھے وہاں پہنچنے میں ذرا دیر ہوگئی تھی کیونکہ کچھ مسلح جوان چائے کی پیالیاں ختم کر چکے تھے یعنی پوری پیالی پی چکے تھے اور کچھ پی رہے تھے۔ جو پی رہے تھے ان میں سے دو کو میں نے ٹھسکا لگایا تو وہ پینے کے دوران کھانسنے لگے۔ کھانستے کھانستے ان کے ہاتھوں سے پیالیاں چھوٹ گئیں۔ پھر انہوں نے دوبارہ چائے کی فرمائش نہیں کی حالانکہ چائے پلانے والا انہیں پُرزور انداز میں دوبارہ چائے پینے کے لیے کہہ رہا تھا لیکن وہ پینے سے انکار کر چکے تھے۔

جو لوگ پوری پیالیاں پی چکے تھے۔ وہ اپنی اسٹین گن کے ساتھ فرش پر لیٹ گئے تھے اور بیہوش ہو گئے تھے۔ جو پوری پیالیاں نہیں پی سکے تھے ان کا سر چکرا رہا تھا اور ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہو رہے تھے۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ ان کے ذریعے کوئی کام لوں گا اور ان سازش کرنے والوں کے خلاف کارروائی کروں گا لیکن ان کے ہاتھ پاؤں اس قدر سُست ہو گئے تھے اور ان کا سر یوں چکرا رہا تھا کہ وہ میرے کام نہیں آ سکتے تھے۔

اب وہ چائے پلانے والا کچن کی طرف جا رہا تھا اس کی سوچ نے بتایا کہ وہ کل چار ساتھی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا لیڈر جو ہے وہ لانچ کا ڈرائیور ہے جسے اسکیپر کہنا چاہیے۔ دوسرا وہ خود تھا اور ...تی دو اور ساتھی تھے۔ جب وہ کچن میں پہنچ گیا تو میں نے اس کے دماغ پر قابض ہو کر تین پیالیوں میں چائے ڈلوائی۔ تھوڑی دیر میں اس نے اپنے دو ساتھیوں کو بُلا کر کہا "آؤ ہم چائے پئیں۔"

ایک ساتھی نے کہا "کہیں یہ نشے والی چائے تو نہیں ہے؟"

چائے پلانے والے نے کہا "میرا دماغ خراب نہیں ہوگیا ہے کہ میں خود بھی نشے والی چائے پیوں گا اور تم لوگوں کو بھی پلاؤں گا۔ یہ بہترین چائے میں نے اپنے لوگوں کے لیے اسپیشل بنائی ہے لو پیو۔"

وہ تینوں چائے اٹھا کر پینے لگے۔ دو چار گھونٹ کے بعد اس کے دوسرے ساتھی نے کہا "یہ چائے کچھ عجیب مزہ دے رہی ہے۔ کہیں تمہیں دھوکا نہ ہوا ہو۔"

میں جس کے دماغ پر قابض تھا اس نے ناراض ہو کر کہا۔ "تم مجھے احمق سمجھ رہے ہو۔ کیا میں چائے نہیں پی رہا ہوں مجھے تو بدمزہ نہیں لگ رہی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ چائے پیتا رہا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس چائے کو زہر مار کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تینوں تھوڑی دیر بعد ہی اونگھنے لگے اور فرش پر بیٹھنے لگے۔ کچھ دیر بعد جب میں نے ان کے ذہن میں جھانک کر محسوس کیا کہ وہ لوگ بیہوش ہو گئے ہیں، تب میں ان کے دماغ سے نکل آیا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کیبن سے باہر آ گیا۔ اس وقت

لانچ کا بڑا ہی عجیب منظر تھا۔ وہاں جتنے بھی لوگ تھے سب بےہوش پڑے ہوئے تھے۔ یا کچھ ایسے تھے جو نہ تو ہوش میں تھے اور نہ ہی بےہوش تھے بلکہ ان کا سر چکرا رہا تھا اور وہ اپنی اسٹین گنوں کے پاس سُست پڑے ہوئے تھے۔ ان میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ وہ اٹھ کر بیٹھ سکتے اور اپنی اسٹین گنوں کو پکڑ کر رکھ سکتے۔

اتنی بڑی لانچ میں صرف ایک لانچ ڈرائیور ہی ہوش میں تھا اور وہ اپنے کیبن میں بیٹھا ہوا راستے کا تعین کر رہا تھا کہ لانچ کو کس طرف جانا چاہیے اور وہ صحیح سمت جا رہی ہے یا نہیں۔ اسی وقت میں کیبن کے دروازے پر پہنچ گیا۔ میری آہٹ سنتے ہی لانچ ڈرائیور نے پلٹ کر دیکھا۔ پھر ایک دم سے بوکھلا گیا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نشہ آور نہ ہریلی قسم کی شراب پینے کے بعد میں ہوش میں رہوں گا اور اس کے سر پر پہنچ جاؤں گا۔

اس لانچ ڈرائیور کا نام مارک گریڈی تھا ـــ میں نے مسکرا کر اُسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ”ہیلو مسٹر مارک، کیا بات ہے۔ میں جہاں بھی دیکھ رہا ہوں وہیں لوگ لمبے لمبے لیٹے ہوئے ہیں۔ میرا ساتھی ناصر پاشا بھی بےہوش ہو چکا ہے اور میں نے دوسروں کے متعلق بھی یہی اندازہ لگایا ہے کہ سب کے سب بےہوش پڑے ہوئے ہیں۔“

میری بات سن کر وہ کسی کال بیل پر بار بار انگلی رکھنے لگا۔ میں نے اس سے کہا۔ ”شاید تم کال بیل کے ذریعے اپنے کسی ساتھی کو بلا رہے ہو۔ اگر ایسا ہے تو حماقت کر رہے ہو کیونکہ میں نے یہاں لانچ میں اُوپر سے نیچے تک جا کر دیکھ لیا ہے۔ سب کے سب بےہوش پڑے ہیں۔ انجن میں بھی تین آدمی ہیں جنھیں اپنا ہوش نہیں ہے۔ کیا وہ انجن والے تمھارے ساتھی تھے۔ جو بےہوش پڑے ہوئے ہیں ؟“

وہ بےیقینی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اُسے یقین نہیں آ سکتا تھا کہ اس کے تینوں ساتھی بھی بےہوشی والی چائے پی کر غافل ہو جائیں گے۔ اُس نے کہا۔ ”تم جھوٹ بولتے ہو۔ انجن میں میرے آدمی بےہوش نہیں ہو سکتے۔ تم نے کچھ اُن کے ساتھ ضرور کیا ہے۔“

”مسٹر مارک میں تنہا ہوں اور تم چار آدمی تھے۔ ان تین آدمیوں سے میں اکیلا نمٹ نہیں سکتا تھا اور مجھ میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ میں ان تینوں کو باری باری بےہوش کر کے سُلا دوں۔ جب وہ ہوش میں آئیں گے تو اُن سے پوچھ لینا کہ ان پر کیا بیتی تھی۔ ابھی تو ہم اپنی اپنی باتیں کریں۔“

مارک نے پوچھا۔ ”کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ بےہوش کرنے والی حرکتیں میری طرف سے ہوئی ہیں ؟“

میں نے جواب دیا۔ ”اتنی بڑی لانچ میں صرف ہم دو ہوش مند ہیں۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک نے یہ سازش کی ہے اور کسی خاص مقصد کے تحت سب کو بےہوش کیا ہے۔ دو میں سے ایک میں ہوں اور میں جانتا ہوں کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ لہٰذا تم نے ہی ایسا کیا ہے۔ اب تم مجھے بتا دو کہ تمھارا مقصد کیا ہے ؟“

”تمھارا کیا خیال ہے۔ کیا میں ناصر پاشا اور اس کے محافظوں کا دشمن ہوں ؟“

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ”میرا کچھ ایسا ہی خیال ہے کیونکہ ناصر پاشا نے بےہوش ہونے سے پہلے کہا تھا کہ ایک بار تمھارا اس سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ کیا یہ درست نہیں ہے ؟“

”ہاں ایک بار معمولی سا جھگڑا ہوا تھا۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ کیا میں ناصر پاشا کو اغوا کر کے کسی دوسرے جزیرے میں لے جا رہا ہوں ؟“

”میں جو بھی سمجھتا ہوں اُسے میری ذات تک محدود رہنے دو۔ تم بتاؤ کہ تم نے ایسا کیوں کیا ؟“

وہ کہنے لگا۔ ”ہمارے ہاں خوشبو کے جزیرے میں ہر ٹھیکیدار کے ساتھ ایک معتمدِ خاص ہوتا ہے۔ پاکستان سے آنے والی لڑکیوں کی نگرانی اور اُن کے بارے میں کاروباری معاملات طے کرنے کی ذمہ داری ناصر پاشا پر ہے۔ یعنی ناصر پاشا پاکستانی دلّال ہے۔ اچھے لفظوں میں یہ سمجھ لو کہ پاکستان کی حسین لڑکیوں کا ٹھیکیدار ہے۔ ہر ٹھیکیدار کے ساتھ ایک معتمدِ خاص ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں دوسرے ممالک کے بھی ٹھیکیدار ہیں اور اُن ممالک سے بھی لڑکیاں آتی ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک انھیں ایکسپورٹ کیا جاتا ہے۔ اس جزیرے میں تقریباً بارہ ممالک کی لڑکیاں ہر وقت آتی جاتی رہتی ہیں۔ انھیں کسی نہ کسی ملک میں ایکسپورٹ کیا جاتا ہے اور اس جزیرے میں دوسرے ملکوں سے لڑکیوں کو امپورٹ کیا جاتا ہے۔“

میں نے سر ہلا کر کہا۔ ”اتنا میں سمجھ رہا ہوں کہ وہاں بڑے پیمانے پر کاروبار ہوتا ہو گا۔ تم یہ بتاؤ کہ ناصر پاشا سے کیا دشمنی ہے اور تم نے ایسا کیوں کیا ؟“

”میں نے اِس لیے ایسا کیا ہے کہ ہر ایک ٹھیکیدار کے ساتھ ایک معتمدِ خاص ہوتا ہے۔ ناصر پاشا اپنا معتمدِ خاص امیر حسن کو بنانا چاہتا تھا۔ جو کہ نااہل تھا اور خوشبو کے جزیرے میں کسی نے اسے معتمدِ خاص کے طور پر تسلیم نہیں کیا تھا۔ میں حشمت بیگ کا دوست ہوں اور میں چاہتا تھا کہ حشمت بیگ معتمدِ خاص بن جائے۔ اس سلسلے میں میرا اور ناصر پاشا کا جھگڑا ہو گیا۔“

میں نے پوچھا۔ ”وہ حشمت بیگ کہاں ہے ؟“

اُس نے جواب دیا۔ ”ابھی تم نے کہا ہے کہ انجن میں تین آدمی بےہوش پڑے ہیں تو اُن میں سے ایک یقیناً حشمت بیگ ہو گا۔ وہ یہاں میرا ساتھ دینے کے لیے آیا تھا۔“

وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہوا۔ مجھے گہری نظروں سے دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا۔ ”خوشبو کے جزیرے میں جس طرح ناصر پاشا ایک ملک کا ٹھیکیدار ہے۔ اسی طرح باقی گیارہ ممالک کے ٹھیکیدار ہوتے ہیں یعنی بارہ ممالک کے ٹھیکیداروں کا ایک بورڈ ہوتا ہے۔ بورڈ کے بڑے ٹھیکیدار ممبران کی میٹنگ ہوتی ہے اور وہاں بڑے بڑے فیصلے کیے جاتے ہیں۔“

اتنا کہہ کر وہ پھر چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا۔ پھر آپ ہی آپ سر ہلا کر بولا۔ ”بورڈ کی اس میٹنگ میں میں نے ناصر پاشا کو چیلنج کیا تھا کہ وہ زیادہ ذہین اور چالاک نہیں ہے۔ ساحل سے لڑکیوں کو جزیرے تک لاتے ہوئے کبھی وہ دھوکہ بھی کھا سکتا ہے۔ اس پر ناصر پاشا نے چیلنج کیا تھا کہ کوئی کبھی اُسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ اُسے ساحل پر رہنے والے امیر حسن پر ناز ہے۔ تب میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں اس کے غرور کو خاک میں ملاؤں گا اور بورڈ کے سامنے یہ ثابت کروں گا کہ امیر حسن اور ناصر پاشا دونوں ہی نااہل ہیں۔ یہ ثابت کرنے کے لیے آج میں نے یہ چال چلی ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ بارہ لڑکیاں لے کر یہاں آئے گا تو میں ان لڑکیوں کو اپنے طور پر جزیرے میں پیش کروں گا اور یہ ثابت کروں گا کہ میں نے ناصر پاشا اور اس کے مسلح نوجوانوں کو دھوکا دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ لوگ سچ مچ نااہل ہیں۔“

میں نے پوچھا۔ ”کیا بورڈ کے ممبران اس دھوکا دہی پر۔ اس فریب دہی پر تم سے ناراض نہیں ہوں گے ؟“

”نہیں۔ ہمارے ہاں ہر وقت ایک دوسرے کو چیلنج کیا جاتا ہے کہ ہم ہر وقت ایک دوسرے سے ہوشیار رہیں اور اپنے سائے پر بھی بھروسہ نہ کریں۔ جو ہوشیار نہیں رہتا وہ دھوکا کھاتا ہے۔“

میں نے پوچھا۔ ”جب تم نے چیلنج کیا تھا تو ناصر پاشا کو یہ معلوم ہو گا کہ تم کسی وقت بھی دھوکا دے سکتے ہو۔ پھر وہ تمھیں اس سفر میں ساتھ کیوں لایا ؟“

اس نے جواب دیا۔ ”جزیرے میں ہم صرف چار لانچ چلانے والے اسکیپر ہیں۔ ہمارے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ باقی جو تین اسکیپر تھے وہ دوسرے تین ممالک کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ میں اکیلا رہ گیا تھا۔ اِس لیے ناصر پاشا کو مجھ پر بھروسہ کرنا پڑا۔ پھر یہ کہ ناصر پاشا کے پاس اسٹین گن والے مسلح جوان تھے جو اُس کے خاص معتمد تھے اور جن پر وہ آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر سکتا تھا اور واقعی یہ مسلح نوجوان بھروسے کے قابل تھے لیکن اُن سب کو میں نے دھوکا دیا ہے اور اب میں کامیابی کے ساتھ لانچ کو ان بےہوش افراد کے ساتھ لے جا کر یہ ثابت کرنے والا ہوں کہ میں جیت گیا ہوں اور ناصر پاشا ہار گیا ہے۔ لہٰذا معتمدِ خاص حشمت بیگ کو بننا چاہیے۔“

”ابھی ہار جیت کا فیصلہ کہاں ہوا ہے۔ ابھی تو لانچ کو جزیرے تک پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگے گا۔ شاید کچھ اور دیر لگے۔ اس وقت تک ناصر پاشا ہوش میں آ جائے گا۔ کیونکہ اُس نے شراب کی بوتل سے صرف چند گھونٹ پیے تھے اور اس کا سر چکرا گیا تھا۔ اُس نے سمجھ لیا تھا کہ شراب میں ضرور کوئی چیز ملائی گئی ہے وہ محتاط ہو گیا تھا اِس لیے اُس نے زیادہ نہیں پی تھی۔“

میری بات سن کر وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے کہا۔ ”میں ابھی جا کر ناصر پاشا کو رسیوں سے جکڑ دوں گا اور اس کے مسلح محافظوں کو بھی رسیوں سے باندھ دوں گا۔ میں ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ میرے ساتھی ان لوگوں کو رسیوں سے جکڑ رہے ہوں گے مگر میں یہ جیتی ہوئی بازی ہار جاؤں گا۔ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔“

”میں ایک بہت مضبوط دیوار ہوں۔ مجھے راستے سے ہٹانا بہت مشکل ہے۔“

میری بات ختم ہوتے ہی اُس نے اچانک میری طرف چھلانگ لگائی۔ وہ مجھے ایک فلائنگ کک مار کر اس کیبن سے باہر جانا چاہتا تھا لیکن میں اُس کے ارادے سے غافل نہیں تھا میں ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اچھل کر فرش پر گر پڑا۔ کمر میں بہت زور کی چوٹ آئی اور وہ کراہنے لگا۔ میں نے کہا۔ ”میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ میں ایک بہت مضبوط دیوار ہوں۔ ٹکرا کر پچھتاؤ گے۔“

یہ کہہ کر میں نے اُس کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ وہ جسمانی طور پر مجھ سے کمزور تھا۔ اِس لیے میں نے زیادہ اپنی قوت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ تھوڑی سی اس طرح اس کی پٹائی کی کہ وہ دہشت زدہ ہو گیا پھر میں نے اُسے پکڑ کر اُٹھایا اور اُس کی گردن پکڑ کر اُسے دھکا دیتا ہوا انجن روم میں لے گیا۔ وہاں اُنھوں نے پہلے ہی بہت ساری رسّیوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ اُن کے منصوبے میں یہ بات تھی کہ بعد میں وہ سب کے ہاتھ پاؤں باندھ دیں گے۔ میں نے اس رسّی سے اُس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے پھر اُس کی دونوں ٹانگوں کو

باندھ دیا۔ اس کے بعد اُسے چھوڑ کر میں نے اُس کے تینوں ساتھیوں
کے بھی ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد
جب میں واپس ناصر پاشا کے کیبن میں آیا تو وہ کسمسا رہا تھا ہوش
میں آنے والا تھا واقعی اُس نے زیادہ نہیں پی تھی ـــــ یہ
اُس نے دانش مندی کا ثبوت دیا تھا اور اب اس بے ہوشی کی
دوا کا اثر زائل ہو رہا تھا۔ اُس کے سر کا چکرانا کم ہو گیا تھا اور وہ آہستہ
آہستہ آنکھیں کھول کر مجھے دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے اپنی تھوڑی کے نیچے گلے پر ہاتھ
پھیرا جو ظاہر کر رہا تھا کہ اُس کا حلق خشک ہو گیا ہے اُسے پیاس
لگ رہی ہے۔ میں نے فوراً ہی آئس بکس سے کوکا کولا کی بوتل نکال
کر اُسے کھولا اور اُسے ایک ہاتھ کا سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے بوتل
کو اُس کے منہ سے لگا دی۔ وہ کسی پیاسے کی طرح اُسے جلدی جلدی
پینے لگا۔ تقریباً آدھی بوتل پینے کے بعد وہ ٹھیر گیا اور گہری گہری
سانس لینے لگا۔ میں نے بوتل کو میز پر رکھ کر اُسے تسلی دی کہ وہ حوصلہ
رکھے اُس پر بے ہوشی کی دوا نے زیادہ اثر نہیں دکھایا ہے۔

اتنے میں اچانک کیبن کا دروازہ کھلا۔ ایک اسٹین گن والا
لڑکھڑاتا ہوا آ کر دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا پھر اُس
نے نقاہت سے پوچھا: "باس آپ خیریت سے تو ہیں؟"

ناصر پاشا نے جواب دیا: "ہاں ابھی تک تو خیریت ہے کیا
تم نے بھی بے ہوشی کی دوا پی لی تھی؟"

اُس نے جواب دیا: "نہیں ہم لوگوں کو چائے پلائی گئی تھی۔
میں نے صرف دو ہی گھونٹ پیے تھے کہ کھٹکا لگ گیا تھا۔ میں
اُس سے آگے نہ پی سکا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اور میرا ایک ساتھی ہوش
میں آگئے ہیں۔ میرا وہ دوسرا ساتھی اپنے ساتھیوں کو ہوش میں لانے
کی کوشش کر رہا ہے اور میں آپ کی خیریت معلوم کرنے یہاں
تک آ گیا ہوں۔"

میں نے اُس سے کہا: "اپنے ساتھی سے جا کر کہہ دو کہ میں
نے مارک گریڈی اور اُس کے تین ساتھیوں کو کچن میں باندھ کر ڈال دیا
ہے۔ انھیں کھولا نہ جائے۔ یہ ساری سازشیں انہی چاروں کی ہیں۔
ہم ابھی اُن سے حساب کر لیں گے۔"

وہ شخص ناصر پاشا کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ ناصر پاشا
نے کہا: "ہاں طارق محمود جو کچھ بھی کہے اس پر بلا چون و چرا عمل کیا
جائے۔ جاؤ اپنے ساتھیوں کو ہوش میں لانے کی کوشش کرو
اور ان چاروں کو اپنی نگرانی میں رکھو۔"

وہ اسٹین گن والا وہاں سے چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد
ناصر پاشا نے کہا: "مارک گریڈی کو ریوالور کی زد میں رکھ کر لانچ کو
آگے بڑھانا ہو گا۔ کیونکہ یہ سمندری راستے ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔
چاروں طرف پانی ہی پانی ہے اور ہمارے لیے راستے کا تعین
بہت مشکل ہو جائے گا۔ میں اتنے عرصے تک سفر کرنے کے
بعد بھی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ جزیرہ کس سمت میں ہے۔"

اُس کی بات سن کر مجھے بے اختیار رسمانہ یاد آگئی
جو سمندر کی بیٹی تھی اور منہ زور لہروں سے کھیلنا جانتی تھی۔
بڑے سے بڑے بحری جہاز کو کنٹرول کر لیتی تھی اور بیچ سمندر میں
راستوں کا تعین کر لیتی تھی کہ اُسے کس سمت جانا ہے۔ اُس
کے ساتھ رہ کر کچھ میں نے بھی سیکھا ہوا تھا۔ میں نے ناصر پاشا سے کہا۔
"فکر نہ کرو میں قطب نما کے ذریعے راستے کا تعین کر لوں گا۔
وہ نقشہ دکھا دو جو جزیرے کی سمت متعین کرتا ہے۔"

ناصر پاشا نے کہا: "یہ سمندری نقشہ بھی اسی اسکیپر کے کیبن
میں ہو گا۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہم مارک گریڈی سے ہی کام لیں۔
وہی ہمیں منزل تک پہنچائے۔ ہو سکتا ہے کہ تم راستے سے بھٹک
جاؤ تو بڑی مشکل ہو گی۔ ہماری لانچ میں حساب سے ایندھن رکھا
جاتا ہے۔ اگر سفر بے جا طویل ہو گیا تو ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

میں نے کہا: "ایسی بات ہے تو اپنا ریوالور مجھے دو۔ میں
مارک گریڈی کو ریوالور کی زد میں رکھ کر لانچ چلانے پر مجبور کروں
گا۔ تم اپنے آدمیوں کو جا کر سنبھالو۔"

اُس نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر مجھے دے دیا۔ میں
وہاں سے چلتا ہوا پھر کچن میں آیا۔ وہاں میں نے مارک گریڈی
کے ہاتھ پاؤں کھول کر اُسے ریوالور دکھاتے ہوئے کہا: "چپ چاپ
اسکیپر کیبن میں چل کر لانچ کو جزیرے کی طرف لے جاؤ۔ دھوکا
دینے کی کوشش کی تو میں بے دریغ گولی مار دوں گا۔"

اس نے اسکیپر کیبن میں آ کر لانچ کو جزیرے تک پہنچانے
کی ذمہ داری سنبھال لی۔ تھوڑی دیر بعد ناصر پاشا بھی اُسی کیبن
میں آگیا۔ اُس نے کہا: "میرے اور مارک گریڈی کے درمیان کوئی
جانی دشمنی نہیں ہے۔ ہم ایک دوسرے کو شکست دینے اور نیچا
دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مارک نے یہی کوشش کی تھی۔ جزیرے
میں پہنچ کر اسے مجرم نہیں سمجھا جائے گا بلکہ یہ اُس کی ایک ہی کوشش
جانی جائے گی جو ناکام بنا دی گئی ہے۔"

میں نے کہا: "اگر اس دوران کسٹم وجیلنس آجاتی اور ہمارے
لوگوں کو بے ہوش دیکھ کر قانونی کارروائیاں شروع کر دیتی تو کیا
ہم قانون کی گرفت میں نہیں آجاتے؟"

ناصر پاشا نے سر ہلا کر کہا: "ہاں مارک کی اس حماقت سے
سب قانون کی گرفت میں آسکتے تھے۔ یہ غور کرنے کا مقام ہے۔
مارک نے بہت بڑی حماقت کی تھی۔ میں اُس کی اس حماقت کو
بورڈ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں لیکن ایک قباحت ہے:"

میں نے پوچھا: "وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ وہاں بورڈ کے سامنے میری یہ کمزوری بھی ظاہر ہو
گی کہ میں مارک گریڈی کے فریب میں آگیا تھا اور تھوڑی دیر
کے لیے ہی سہی شراب پی کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ بلکہ مارک اس
حد تک کامیاب ہو گیا تھا کہ وہ۔۔۔ میرے مسلح معتمد محافظوں کو
بھی بے ہوش کر چکا تھا اور مجھے تقریباً نا اہل ثابت کر چکا تھا۔
میں اپنی یہ کمزوری بورڈ کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہتا۔"

میں نے پوچھا: "پھر کیا کرنا چاہتے ہو؟"

اُس نے جواب دیا: "میں نے بے ہوش کر دینے والی اس
شراب کی بوتل کو سمندر میں پھینک دیا ہے اور وہ تمام چائے بھی
ضائع کر دی ہے۔ مارک اب بورڈ کے سامنے یہ نہیں کہہ سکے گا
کہ اُس نے ہمیں ٹریپ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہم سیدھی طرح
ساحل تک گئے تھے اور سیدھی طرح ساحل سے واپس آگئے۔ اس
دوران ہمارے درمیان کوئی کشمکش نہیں ہوئی تھی۔"

میں نے پوچھا: "یہ کیا بات ہوئی۔ اس طرح تو مارک بھی
محفوظ ہو جائے گا۔ اس پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔"

ناصر پاشا نے کہا: "ہاں مجبوری ہے اُس پر الزام نہ آئے
تو میں بھی نا اہل ہونے کے الزام سے بچ جاؤں گا۔ بہتری اسی
میں ہے کہ ہم اس معاملے کو جزیرے تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم
کر دیں اور ان تین آدمیوں کو بھی میں نے کھول دیا ہے۔ اب
وہ آزاد ہیں لیکن ہمارے آدمیوں کی نگرانی میں ہیں۔ جزیرے پر
پہنچنے تک ہم اُن کی نگرانی کرتے رہیں گے۔ ہم سب ایک دوسرے
کے پہلے جیسے شناسا اور دوست تھے ویسے ہی دوستانہ انداز میں
وہاں جزیرے میں پہنچیں گے۔"

میں نے اُس کے حالات پر غور کیا تو ناصر پاشا یہ فیصلہ
کرنے میں حق بجانب نظر آیا کہ معاملے کو جزیرے میں پہنچنے سے
پہلے ہی ختم کر دینا چاہیے کیونکہ اس طرح ناصر پاشا کی اپنی کمزوری
چھپ جاتی تھی اور مارک گریڈی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُس نے
ناصر پاشا اور اُس کے محافظوں کو تقریباً پھانس لیا تھا اور۔۔۔
انہیں نا اہل ثابت کر چکا تھا۔ تقدیر سے وہ بچ گئے تھے ورنہ
اُن کے بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ قیدی کی صورت میں
جزیرے تک لائے جاتے۔ ناصر پاشا یہ توہین برداشت نہیں
کر سکتا تھا۔ اس لیے اُس نے اس بات کو ختم کر دینے کا فیصلہ
کر لیا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ہم اس جزیرے کے ساحل پر
پہنچ گئے۔ اس جزیرے کو دیکھنے کا بڑا شوق تھا لیکن رات کے
وقت دور دور تک صرف قمقمے نظر آ رہے تھے۔ قریب ہی کہیں
بہت بڑے جنریٹر کی آواز آ رہی تھی جس سے پتہ چلا کہ جنریٹر
کے ذریعے وہاں بجلی پیدا کی جاتی ہے اور دور دور تک مکانوں
یا کسی قسم کے ٹھکانوں میں بتیاں جلتی رہتی ہیں۔ ناصر پاشا مجھے
اپنے ساتھ اپنے ایک بنگلے میں لے آیا۔ بنگلے تک پہنچنے کے لیے
ہمیں کسی گاڑی کی ضرورت نہیں پڑی۔ ہم پیدل ہی چلتے ہوئے
اُس کی رہائش گاہ میں پہنچ گئے تھے۔ اس وقت ساڑھے تین بج
رہے تھے۔ صبح ہونے میں کچھ دیر تھی ـــــ ناصر پاشا نے کہا۔
"اب تم آرام کرو۔ صبح اٹھ کر باتیں ہوں گی۔ ویسے تم نے جس طرح
میرا ساتھ دیا ہے اس سے تم پر میرا اعتماد اب پہلے سے۔۔۔
زیادہ مستحکم ہو گیا ہے۔ میں تمہیں اب عمر بھر نہیں چھوڑوں گا
اور اپنے ساتھ رکھوں گا اور تمہارے تمام مطالبات پورے کروں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے مجھے ایک بیڈ روم میں پہنچایا جو بہت
ہی پُرتکلف انداز میں سجا ہوا تھا اور نہایت ہی آرام دہ تھا۔
اُس کے جانے کے بعد میں نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔

سونے سے پہلے میری عادت تھی کہ خیال خوانی کے عمل سے گزرتا
تھا اس لیے ابھی مجھے سونیا وغیرہ کی خبر لینی تھی۔ لہٰذا میں دروازے
کو بند کر کے ایک سگریٹ سلگا کر ایک صوفے پر آرام سے بیٹھ گیا۔

چند لمحوں کے بعد میں سونیا کے پاس تھا۔ اُس کی سوچ نے
مجھے بتایا کہ وہ سینڈل ابھی تک اُسے واپس نہیں ملا ہے۔ بونوں
کی گاڑیوں نے اور دشمنوں کی گاڑیوں نے اس ٹرک کا تعاقب
کیا تھا لیکن ایک چوراہے پر وہ ٹرک آگے نکل گیا تھا اور سگنل
نہ ملنے کے باعث تعاقب کرنے والی گاڑیاں رک گئی تھیں جب
انھیں سگنل ملا اور وہ آگے بڑھیں تو اس وقت تک وہ ٹرک
کہیں کا کہیں جا چکا تھا۔ اُس کی تلاش میں وہ لوگ بہت دور
دور تک بھٹکتے رہے تھے۔

یہ رپورٹ سونیا کو بہت پہلے مل چکی تھی۔ شام کو دوسری
رپورٹ یہ ملی کہ وہ ٹرک ایک جگہ کھڑا ہوا پایا گیا تھا۔ بونوں نے
دریافت کیا تھا کہ اس ٹرک میں ایک سینڈل پڑا ہوا تھا۔ وہ
کہاں گیا۔ ٹرک ڈرائیور نے بتایا کہ جب ٹرک سے مال اتارا جا رہا
تھا تو ایک استعمال شدہ سینڈل نظر آیا تھا۔ اُسے اٹھا کر ان لوگوں
نے ایک طرف پھینک دیا تھا۔

پیرس شہر کو بہت صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔ راستے یا کنارے
پر کہیں تھوڑا سا بھی کچرا نظر نہیں آتا۔ اگر کوئی چیز پڑی ہو تو
راستے کی صفائی کرنے والے بھنگی فوراً ہی اُسے اٹھا کر لے جاتے
ہیں۔ اس لحاظ سے بونوں نے اندازہ لگایا کہ اس سینڈل کو کوئی
بھنگی کچرے کے ڈرم میں لے گیا ہے۔ قریب ہی ایک بڑا کچرا گھر
تھا۔ جہاں تمام جگہ کا کوڑا کرکٹ لا کر ڈالا جاتا تھا۔ وہ سب کے

سب بونے کچرا گھر گئے تھے اور کچرا گھر کے پورے کچرے کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا لیکن وہ سینڈل نہیں ملا تھا۔

وہ دیکھنے کا منظر تھا کہ اونچے قد کے دشمن اور ننھے قد کے بونے سب کے سب کچرا گھر کے کچرے کو اُلٹ پلٹ رہے تھے اور وہاں سے گزرنے والے راہگیر انھیں حیرانی سے دیکھ رہے تھے کہ یہ اونچے لوگ اور چھوٹے۔۔۔۔ لوگ اس کچرا گھر کو کیوں اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہیں۔ بعد میں ان لوگوں نے سوالات کیے تو انھیں بتایا گیا کہ ان سب کو صرف ایک سینڈل کی تلاش ہے اور وہ سینڈل انھیں نہیں مل رہا ہے۔ تب وہاں کھڑے ہوئے ایک نوعمر لڑکے نے کہا۔" میں نے ایک بدحال بوڑھے شخص کو دیکھا ہے۔ اُس کی عادت ہے کہ وہ کچرا اپنی جھولی میں سمیٹ کر لے جاتا ہے اُس نے ایک سینڈل کو یہاں سے اٹھایا تھا اور اپنی جھولی میں ڈال کر لے گیا تھا۔"

ایک بونے نے اس نوعمر لڑکے سے پوچھا تھا کہ وہ بوڑھا کہاں رہتا ہے ؟

لڑکے نے جواب دیا تھا۔" میں نہیں جانتا۔ وہ کبھی کبھی اِدھر سے گزرتا ہے اور کچرا گھر سے کچھ نہ کچھ اٹھا کر اپنی جھولی میں ڈال کر لے جاتا ہے۔"

پھر اُس سے سوال کیا گیا کہ اُس نے سینڈل کو اٹھا کر کیا کیا تھا۔ وہ اُسے لے کر کس سمت گیا تھا۔

لڑکے نے جواب دیا کہ اُس نے سینڈل کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا اور سینے سے لگانے کے بعد کہہ رہا تھا۔" میری بچی تم کہاں ہو ؟ اتنی تلاش کے بعد آج تمھارا سینڈل ملا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کل تم بھی مجھے مل جاؤ گی۔ میں تمھیں تلاش کرتا رہوں گا۔ میری بچی تم کہاں ہو ؟"

اس کے بعد وہ بوڑھا بدحال شخص روتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

نوعمر لڑکے کی زبان سے یہ ساری باتیں سننے کے بعد اس کچرا گھر کی تلاشی لینے کا کام تو ختم ہو گیا لیکن دوسری ڈیوٹی شروع ہو گئی۔ وہاں ایک بونے کو کچرا گھر کے پاس ڈیوٹی پر لگا دیا گیا کہ جب بھی وہ بوڑھا نظر آئے تو فوراً اُس کا تعاقب کرے یا اُس سے سینڈل کا مطالبہ کرے۔ دوسری طرف قدآور دشمنوں میں سے بھی ایک شخص وہاں نگرانی کے لیے رہ گیا اب وہاں یوں ڈیوٹی بدلی جانے والی تھی کہ چھ چھ گھنٹے کے بعد ایک۔۔۔ ایک بونا وہاں ڈیوٹی پر رہتا۔ اسی طرح وہاں چھ چھ گھنٹے کے بعد ایک قدآور دشمن بھی ڈیوٹی بدلتا رہتا تھا۔ وہ سینڈل اچھے خاصے تماشے دکھا رہا تھا۔ اب تک اس بوڑھے کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں چلا تھا۔ اب تک دوسرے بونے اور قدآور دشمن سب کے سب شہر کے دوسرے حصوں میں ایک بدحال بوڑھے شخص کو تلاش کر رہے تھے۔ جو بھی بوڑھا شخص داڑھی بڑھی ہوئی، کپڑے پھٹے ہوئے اور بدحال قسم کا نظر آتا تھا تو وہ لوگ اس کا محاسبہ کرنے لگتے تھے اور اس سے ایک سینڈل کا مطالبہ کرنے لگتے تھے پھر پتہ چلتا تھا کہ یہ وہ بوڑھا نہیں ہے جس کی انھیں تلاش ہے۔

سونیا نے جب سے سنا تھا تب سے اُس کے تصور میں اس بوڑھے کا خیال سرابا ابھرتا تھا اور وہ اُسے روتا ہوا نظر آتا تھا۔ سونیا کو یوں لگتا تھا جیسے وہ بوڑھا اُسے پکار پکار کر کہہ رہا ہو۔" میری بچی تم کہاں ہو؟ آج تمھارا سینڈل مجھے ملا ہے کل تم بھی مجھے مل جاؤ گی۔ میری بچی میں تمھیں تلاش کرتا رہوں گا اور ایک دن تمھیں ضرور پا لوں گا۔"

سونیا بڑی سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔ میں نے اُسے اُس کے حال پہ چھوڑ دیا۔ کیونکہ اِدھر میری طرف رات تقریباً گزر چکی تھی اور اب مجھے نیند آ رہی تھی۔ میں نے سونیا کے پاس سے واپس آ کر چپ چاپ رسونتی کی خبر لی۔ ممی کو دیکھا تو وہ گہری نیند سو رہی تھیں۔ پھر میں واپس اپنی جگہ آ کر بستر پہ لیٹ گیا۔ اپنے آپ کو سلانے سے پہلے میں نے ناصر پاشا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا وہ سو چکا تھا۔ میں نے اُس کے خوابیدہ دماغ میں جھانک کر اُس کے دماغ کو یہ ہدایت دی کہ وہ صبح نو بجے سے پہلے بیدار نہ ہو۔ میں نے اُسے اس طرح نو بجے تک محدود کرنے کے بعد اپنے آپ کو سلانا شروع کیا۔ اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ میں صبح آٹھ بجے تک سوتا رہوں۔ اگر کوئی میری خواب گاہ میں داخل ہو، کوئی بھی کسی راستے سے بھی یہاں آنے کی کوشش کرے تو میری آنکھ کھل جائے۔ یہ تمام ہدایات دینے کے بعد میں اطمینان سے سو گیا۔

میری بھاگتی ہوئی دوڑتی ہوئی زندگی چار گھنٹے کے لیے تھم گئی۔ چار گھنٹے تک میں آرام اور سکون سے سوتا رہا۔ ٹھیک آٹھ بجے میری آنکھ کھل گئی۔ میں غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر سگریٹ سلگا کر صوفے پہ بیٹھ گیا اور ناصر پاشا کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ ویسے میں چاہتا تو اُسے سونے سے جگا سکتا تھا لیکن میں نے دانستہ ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ مجھے ممی سے باتیں کرنی تھیں۔

ممی نے پچھلے دن ہی اسپتال جا کر رسونتی سے شناسائی پیدا کر لی تھی اور اُس سے اس قدر بے تکلف ہو گئی تھیں کہ اسے بیٹی بنا لیا تھا۔ شام کو اُس کی عیادت کے لیے گئی تھیں۔ پھر اس وقت بھی صبح اسپتال میں اُس کے پاس موجود تھیں اور اُس کی

دلجوئی کر رہی تھیں۔ میں نے اُن سے کہا۔" ہیلو ممی! آپ بہت ہی اچھی ممی ہیں اور آپ نے میری بات پر عمل کرتے ہوئے اتنی جلدی رسونتی سے دوستی کر لی ہے۔ آپ اُسے یہ بتا دیں کہ آپ نے فرہاد کو بیٹا بنایا ہے کیونکہ اب یہ بات تقریباً چھپی ہوئی نہیں ہے کہ فرہاد کی شیلی بھتیجی ابھی اس دنیا میں زندہ ہے اور فرہاد کہیں روپوش ہے۔"

ممی نے کہا۔" میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ میں تمھارے حوالے سے دوستی کروں تو رسونتی سچ مچ میری بیٹی بن کر میرے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرتی رہے گی اور اس طرح ہمارا آپس کا رشتہ مستحکم ہوتا چلا جائے گا۔ ٹھیک ہے میں ابھی اُس سے ذکر کرتی ہوں۔"

میں نے کہا۔" ممی، آپ رسونتی سے باتیں کریں۔ میں جا رہا ہوں۔ اس وقت بہت مصروف ہوں۔ بعد میں آپ کو بتاؤں گا کہ میں کہاں ہوں اور کیا کر رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں اُن کے دماغ سے واپس آ گیا۔ اس وقت دروازے پہ دستک ہو رہی تھی۔ میں سمجھ گیا۔ ناصر پاشا آیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے کو کھول دیا۔ وہ بستر سے اٹھتے ہی چلا آیا تھا۔ مجھے بالکل تیار دیکھ کر شرمندگی سے بولا۔" بھئی معاف کرنا، میں دیر تک سوتا رہ گیا۔ بس ابھی آدھ گھنٹے کے اندر تیار ہو کر آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں پھر اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا اور سگریٹ سلگا کر اُس کے کش لگانے لگا۔ تقریباً پون گھنٹے بعد ایک بوڑھی ملازمہ نے مجھے بلایا اور۔۔۔ ایک ڈائننگ روم میں پہنچا دیا۔ وہاں ناصر پاشا بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ میز پر پُرتکلف ناشتہ چُنا ہوا تھا۔ ہم دونوں ناشتہ کرتے ہوئے باتیں۔۔۔۔ کرنے لگے۔ ناصر پاشا نے بتایا۔" روزانہ لنچ کے وقت بورڈ کے ممبران وہاں ایک بڑے سے ہال میں جمع ہوتے ہیں اور پیش آنے والے مسائل پہ گفتگو کی جاتی ہے۔ کل رات جو کچھ ہوا اُسے تو ہم نے چھپا دیا ہے لیکن بارہ لڑکیاں جو تم نے غائب کر دی ہیں۔ اُس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ تم سوچ لو کہ کیا جواب دو گے۔ ویسے میں تم سے اس معاملے میں کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔"

میں نے کہا۔" میں نے ان تمام لڑکیوں کے ریکارڈ ضائع کر دیے ہیں اب اُن کو کسی صورت سے بلیک میل نہیں کیا جا سکتا۔ جو لڑکیاں کراچی شہر کی رہنے والی تھیں وہ اپنے گھروں کو پہنچ گئی تھیں اور جو باہر سے آئی تھیں انھیں مراد دادا اب تک پہنچانے چلا گیا ہو گا۔ لہٰذا اب ان لڑکیوں کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

ناصر پاشا نے پوچھا۔" تم نے ایسا کیوں کیا؟ تمھیں ان لڑکیوں کو واپس اُن کے گھروں تک پہنچا کر کیا ملا؟"

میں اُسے جواب دینا چاہتا تھا کہ مجھے روحانی سکون ملا ہے۔ غیرت سلامت رہی ہے لیکن میں فی الحال اُسے یہ جواب نہیں دے سکتا تھا۔ مجھے اس خوشبو کے جزیرے کو اچھی طرح دیکھنا تھا اور اچھی طرح چھان پھٹک کے بعد اپنے طور پر کوئی مثبت انداز میں قدم اٹھانا تھا۔ میں نے اُسے جواب دیا۔" میں جو کچھ بھی کرتا ہوں یا تمھارے ساتھ جو کچھ بھی کیا تھا۔ وہ ایک انتقامی کارروائی تھی۔ ملک نواز نے مجھ سے انتقام لینے کے لیے مراد دادا جیسے غنڈوں بدمعاشوں کو میرے پیچھے لگایا تھا۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ میں نے تم سے کیسے دوستی کی۔ اسی طرح میں نے مراد دادا کو بھی دوست بنا لیا ہے اور تمھاری ساحلی عمارت میں جا کر ان بارہ لڑکیوں کو نجات دلائی اور انتقاماً انھیں آزاد کر دیا کہ تمھیں یا ملک نواز یا امیر حسن کو اچھا خاصا نقصان پہنچے تو تم لوگوں کو میری اہمیت کا اندازہ ہو جائے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس طرح میری اہمیت کا اندازہ تمھیں ہو گیا ہے۔"

اُس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔" ہاں میں سمجھ رہا ہوں کہ تم میرے لیے کتنے اہم ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ تم میرے بہت کام آؤ گے اور جو نقصان مجھے پہنچا ہے۔ اُس سے زیادہ فائدہ میں تمھارے ذریعے حاصل کر سکوں گا۔ بہرحال آج دوپہر کو جب بورڈ کی میٹنگ ہو گی تو میں تمھیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور وہاں تمام لوگوں سے تمھارا تعارف کراؤں گا۔"

ناشتہ کرنے کے بعد ہم باہر آ گئے۔ اب جزیرے کی سیر کرنے کا ارادہ تھا۔ ناصر پاشا نے بتایا کہ وہ جزیرہ تیس میل کے رقبے پر پھیلا ہوا ہے اور وہاں ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانے کے لیے ٹیکسیاں اور رکشے ہیں جو کہ کرایہ نہیں لیتے ہیں۔ یہ سب جزیرے کے باشندوں کے لیے مفت سروس ہے بلکہ یہاں دکانوں میں جو مال رکھا ہوا ہوتا ہے جزیرے میں رہنے والے تمام لوگ وہاں جا کر اپنی ضرورت کا سامان لے سکتے ہیں کیونکہ یہاں اجنبی لوگ نہیں آتے ہیں۔ یہاں بارہ ممالک کے ٹھیکیدار اور ان کے خاص مسلح محافظ ہوتے ہیں یا پھر وہ عورتیں ہوتی ہیں جو ایک جگہ سے امپورٹ ہوتی ہیں۔ دوسری جگہ ایکسپورٹ کی جاتی ہیں ان سب عورتوں کے لیے مفت شاپنگ کا انتظام کیا گیا ہے۔

ناصر پاشا کے لیے ایک مخصوص کار تھی جس میں بیٹھ کر ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ جزیرہ بہت ہی خوب صورت تھا۔ دن بھی بڑا خوشنما اور چمکیلا تھا۔ دور دور تک لکڑی یا پھونس کے بنے ہوئے کاٹیج نظر آ رہے تھے جو کہ بڑی ہی خوبصورتی

سے بنائے گئے تھے جو بڑے بڑے کاٹیج تھے اُن کے متعلق ناصر پاشا نے بتایا کہ وہ سب دکانیں ہیں اور ان میں مختلف ضروریات کا سامان دستیاب ہو جاتا ہے۔

کار میں بیٹھ کر مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ چوراہوں پر نیلی وردی میں ملبوس نوجوان نظر آتے تھے۔ جن کے ہولسٹروں میں ریوالور ہوا کرتے تھے اور عورتیں اور لڑکیاں اِدھر اُدھر آزادی سے گھومتی پھرتی نظر آتی تھیں۔ کسی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ دُور دُور تک کھجور کے گھنے درخت نظر آتے تھے۔ وہاں کا ماحول بڑا ہی خوب صورت اور رومانٹک لگتا تھا۔ ایک جگہ پہنچ کر ناصر پاشا نے گاڑی روک دی۔

وہ علاقہ جہاں گاڑی روک دی گئی تھی۔ وہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر خوب صورت سے بڑے بڑے کاٹیج بنے ہوئے تھے۔ ناصر پاشا نے کہا "یہ کاٹیج تربیت گاہ کہلاتے ہیں۔ یہاں مختلف ممالک سے آنے والی لڑکیوں کو تربیت دی جاتی ہے۔"

میں نے پوچھا: "انھیں کس قسم کی تربیت دی جاتی ہے؟"

اس نے جواب دیا "پہلے ان لڑکیوں کی تصویریں مختلف ممالک کے دولت مند ضرورت مندوں کے پاس بھیجی جاتی ہیں جب اُن کا سودا طے ہو جاتا ہے تو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دولت مند کس ملک سے تعلق رکھتا ہے اور اُس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کی زبان کیا ہے اُس کی پسندیدہ لڑکی کو اُس کے ملک کی زبان سکھائی جاتی ہے اُس کے مزاج کے مطابق بیٹھنے اُٹھنے اور ہنسنے بولنے کے آداب سکھائے جاتے ہیں۔ اُن کی تہذیب کے مطابق اس لڑکی کو ڈھالا جاتا ہے۔ اُس کے بعد ہم اس کو یہاں سے ایکسپورٹ کرتے ہیں۔"

ہم کار سے اتر کر ایک کاٹیج میں گئے۔ وہاں کلاس لگی ہوئی تھی اور ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی وہاں بیٹھی ہوئی کسی مخصوص ملک کی زبان سیکھ رہی تھی۔ ان میں چند پاکستانی لڑکیاں بھی تھیں۔ یہ دیکھ کر میرا خون اندر ہی اندر کھولنے لگا لیکن میں نے بہت برداشت سے کام لیا۔ کوئی دوسرا وقت ہوتا تو میں اسی جگہ ناصر پاشا کی ایسی درگت بناتا۔ اُسے ایسی عبرت ناک موت سے ہمکنار کرتا کہ دوسرے دیکھنے والے تھرتھرا کر رہ جاتے اور کان پکڑ کر توبہ کر لیتے کہ آیندہ کبھی میرے ملک کی عزت کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھیں گے۔

وہاں سے ہم دوسری کلاس میں گئے۔ اس کلاس میں لڑکیوں کو چال سکھائی جا رہی تھی کہ کس طرح ناز و انداز سے چلنا چاہیے۔ دبلی پتلی لڑکیوں کو کس طرح شاخِ گل کی طرح لچکنا چاہیے اور ذرا صحت مند جسم رکھنے والی لڑکیوں کو کس طرح قدم اٹھانا چاہیے گویا انھیں محبوبانہ انداز سکھائے جا رہے تھے۔

ایک اور کلاس میں موسیقی سنائی دے رہی تھی ہم وہاں گئے تو وہاں بھی ایک سے ایک طرح دار حسین لڑکیاں نظر آ رہی تھیں اور وہ سب ڈسکو میوزک پر رقص کرنا سیکھ رہی تھیں۔ میں نے ناصر پاشا سے کہا "یہاں سے چلو مجھے ناچ گانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

ہم کار میں بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں پاشا نے پوچھا "کیا فلم اسٹوڈیو دیکھنا پسند کرو گے؟"

میں نے پوچھا "کیا یہاں فلم اسٹوڈیو بھی ہے جہاں فلمیں بنائی جاتی ہیں؟"

"ہاں مگر ہمارے ملک میں جیسی سیدھی سادی شریفانہ فلمیں بنتی ہیں ویسی نہیں یہاں بلیو فلمیں تیار کی جاتی ہیں تم وہاں شوٹنگ دیکھو گے تو تمھاری رات کی نیند حرام ہو جائے گی۔"

"میں اپنی راتوں کی نیند اور دن کا سکون برباد کرنا نہیں چاہتا۔ لہٰذا میں ایسی جگہ نہیں جاؤں گا۔ ویسے اب پتہ چلا کہ ساری دنیا میں جو بلیو فلمیں اور برہنہ تصویروں کے البم فروخت ہوتے ہیں وہ ایسے ہی جزیروں اور ایسے ہی اسٹوڈیوز میں تیار کیے جاتے ہیں۔"

وہ فاتحانہ انداز میں مسکراتا رہا اور مجھے اس جزیرے کی سیر کراتا رہا۔ میں نے اس چھوٹے سے جزیرے میں پوری دنیا آباد دیکھی۔ وہاں انسانی ضروریات اور انسانوں کی تفریحات کا ہر سامان موجود تھا۔ کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ جزیرے کو ہر اعتبار سے مکمل بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کا نام پرفیوم آئی لینڈ کے بجائے ڈریم آئی لینڈ یعنی خوابوں کا جزیرہ ہونا چاہیے تھا۔

میں نے وہاں کی سیر کرتے ہوئے دیکھا۔ جگہ جگہ ٹیلیفون بوتھ بنے ہوئے تھے۔ ہر ٹیلیفون بوتھ کے پاس ایک بڑا سا بجلی کا سیاہ نیون سائن نصب کیا گیا تھا۔ اس وقت ہر سیاہ بورڈ پر سُرخ حروف میں لکھا ہوا تھا "ناصر پاشا رابطہ قائم کریں"۔

بورڈ پہ یہ فقرہ پڑھنے کے بعد ناصر پاشا نے ایک ٹیلیفون بوتھ کے پاس گاڑی روک دی۔ میں نے پوچھا "کیا معاملہ ہے؟"

ناصر پاشا نے کہا "اس جزیرے میں جتنی جگہ ٹیلیفون بوتھ ہیں وہاں کے نیون سائن پر یہی جملہ لکھا ہوا ہوگا۔ ناصر پاشا رابطہ قائم کریں۔ یعنی مجھے یہاں کے آفس سے رابطہ قائم کرنا ہے۔ جب میں رابطہ قائم کر لوں گا۔ باتیں ہو جائیں گی تو بلیک نیون سائن سے یہ تحریر خود بخود صاف ہو جائے گی۔"

ناصر پاشا یہ کہہ کر بوتھ کے اندر چلا گیا اور میں ناصر پاشا کے دماغی بوتھ کے اندر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ ریسیور اُٹھانے کے بعد ایک نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ اس کے بعد فوراً ہی رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے کہا "ہیلو میں ناصر پاشا بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی "میں جنرل سیکریٹری پال مین بول رہا ہوں۔ اب تک تم نے پچھلی رات کے بارے میں رپورٹ نہیں بھیجی۔ اس کے برعکس مارک گریڈی نے رپورٹ دی ہے کہ کل رات کو لانچ میں تمھارے اور اس کے درمیان رہائشی سازش ہوئی تھی جس میں وہ کامیاب ہو چکا تھا۔ صرف تمھارے ایک آدمی کی مداخلت نے تمھیں بچا لیا ورنہ تم دھوکہ کھا چکے تھے۔"

ناصر پاشا نے کہا "وہ بکواس کرتا ہے۔ مجھے دھوکہ دینے کے لیے اسے پھر ایک بار جنم لینا پڑے گا۔ میں اپنے ساتھ صرف اسٹین گن والے محافظ ہی نہیں بلکہ اچھی ذہانت رکھنے والے ساتھی بھی رکھتا ہوں جو ایسے آڑے وقت پہ کام آتے ہیں اور دوسروں کی سازشوں کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ میں ابھی آ کر اپنی مکمل رپورٹ دوں گا۔ بس میں پہنچنے ہی والا ہوں۔"

"ٹھیک ایک بجے بورڈ کے تمام ممبران اپنی اپنی سیٹ پر موجود ہوں گے اور آپ کے منتظر رہیں گے۔ آپ وقت پر پہنچ جائیں۔"

ناصر پاشا نے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا۔ ایک بجنے میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔ وہ ریسیور رکھ کر ٹیلیفون بوتھ سے باہر آ گیا۔ پھر کار میں آ کر بیٹھتے ہوئے بولا "اس مارک گریڈی نے رپورٹ دے دی ہے۔"

اُس نے کار اسٹارٹ کی۔ میں نے پوچھا "کیسی رپورٹ؟"

"میں سمجھتا تھا کہ وہ سازش میں ناکام ہوا ہے تو پچھلی رات والی باتیں نہیں دہرائے گا لیکن اُس نے بورڈ کے ممبران کے پاس وہ سب کچھ لکھ بھیجا ہے جو کل رات ہمیں پیش آیا تھا۔ اب مجھے بھی جواباً رپورٹ دینا ہوگی۔"

میں نے پوچھا "کیا تم رپورٹ دینے کے لیے یہاں کسی سربراہ کے پابند ہو؟"

اُس نے جواب دیا "یہاں کوئی کسی سے بڑا نہیں ہے مگر ہاں رُتبے بانٹ دیے گئے ہیں۔ مثلاً ہمارے بورڈ کا ایک چیئرمین ہے اور ایک جنرل سیکریٹری ہے۔ ہم انھیں بڑا تسلیم کر لیتے ہیں لیکن حکمراں تسلیم نہیں کرتے۔ چونکہ اصولاً بہت سے کام اپنی مرضی کے خلاف بھی کرنا پڑتے ہیں۔ اس لیے اصول کے مطابق میں رپورٹ پیش کروں گا۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے ایک پختہ عمارت کے سامنے پہنچ گئے۔ میرے خیال سے پورے جزیرے میں وہی ایک پختہ عمارت تھی۔ ورنہ ہر طرف لکڑیوں کے یا بانس کے کاٹیج بنے ہوئے تھے۔ کار سے اُترنے کے بعد ہم عمارت میں داخل ہوئے اور زینے پر چڑھتے ہوئے دوسری منزل پر پہنچے وہاں ایک بڑے ہال میں ایک لانبی سی میز بچھی ہوئی تھی۔ جس کے چاروں طرف گیارہ آدمی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بارہواں ناصر پاشا تھا جو اب وہاں پہنچا تھا۔

ناصر پاشا نے وہاں پہنچتے ہی کہا "معزز حاضرین آج میں اپنے ساتھ ایک خصوصی مہمان کو لے کر آیا ہوں۔ یہ میرے ساتھ بیٹھے گا۔ امید ہے کہ آپ لوگوں کو اعتراض نہیں ہوگا۔"

وہاں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا "کوئی بات نہیں۔ اصولاً ہم میں سے ہر ممبر اپنا ایک خصوصی مہمان کسی وقت بھی لا سکتا ہے۔ اِس لیے آپ کے مہمان پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

بولنے والا وہی جنرل سیکریٹری پال مین تھا۔ میں نے اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔ پھر ناصر پاشا کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ جنرل سیکریٹری نے پوچھا "مسٹر ناصر پاشا کیا آپ کے خصوصی مہمان کا نام طارق محمود ہے؟"

ناصر پاشا نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "جی ہاں۔"

"کیا یہ وہی شخص ہے جس نے کل آپ کو بارہ یا تیرہ لڑکیوں کا نقصان پہنچایا ہے؟"

ناصر پاشا نے اس بار بھی اثبات میں سر ہلا کر کہا "جی ہاں یہ وہی شخص ہے لیکن میرا دشمن نہیں ہے۔"

"مسٹر ناصر پاشا آپ عجیب بات کہہ رہے ہیں جس شخص نے آپ کو لاکھوں روپے کا نقصان پہنچایا ہو۔ وہ آپ کا دشمن نہیں تو دوست کیسے ہو گیا؟"

"اس نے مجھے دشمن بن کر نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ دراصل یہ اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا میرے پاس اپنے لیے ایک طرح سے جگہ بنانا چاہتا تھا۔ اسے ماہانہ پچاس ہزار روپے کی ضرورت ہے اور یہ اتنی رقم کمانے کے لیے بڑے سے بڑے خطرات کو بھی خاطر میں نہیں لاتا ہے۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ یہ بڑا ہی جی دار، بے باک اور دلیر ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہے۔ میں آپ کو شروع سے اس کی داستان سناتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ناصر پاشا اس وقت سے میری کہانی سنانے لگا جب میں ملک نواز کے گھر پانچ ہزار روپے لینے کے لیے گیا تھا۔ پھر میں نے ملک نواز کو کس طرح ہینڈل کیا۔ پھر اس

کے کرائے کے غنڈے مراد دادا کو کس طرح اپنی صلاحیتوں سے دوست بنا لیا۔ اس کے بعد کس طرح میں نے اُن کی ساحلی عمارت میں پہنچ کر اُن کے تمام آدمیوں کو زیر کیا۔ جبکہ اُن کے چار آدمی اسٹین گن رکھتے تھے۔ میں نے اُن میں سے پانچ چھ کو ہلاک کیا تھا۔ باقی کو ایک کمرے میں قید کر دیا تھا اور بارہ لڑکیوں کو اُن کے ریکارڈ کے ساتھ لے گیا تھا۔ پھر رات کے اندھیرے میں جبکہ وہاں ہر کوئی تنہا آتے ہوئے ڈرتا تھا۔ میں تنہا آیا تھا اور اتنے سارے دشمنوں کے درمیان میں نے ناصر پاشا کو تنہائی میں دو باتیں کرنے کی دعوت دی تھی پھر ہم دونوں ہی مل کر اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ہم دوست بن سکتے ہیں اور ناصر پاشا مجھ کو اپنے ہاں کوئی اعلیٰ عہدہ دے سکتا ہے اور ماہانہ پچاس ہزار روپے کی آمدنی کا انتظام کر سکتا ہے۔

ناصر پاشا یہاں تک کہنے کے بعد چند لمحے رُکا پھر اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "اب آپ لوگ سوچیں گے یا سوال کریں گے کہ میں نے بغیر کسی آزمائش کے اسے اپنے ساتھ کیوں رکھ لیا اور اسے جزیرے میں کیوں لے آیا۔ جیسا کہ مجھے چیلنج کیا گیا تھا کہ میرے پاس کوئی قابلِ ذکر دلیر، ذہین اور حاضر دماغ نائب نہیں ہے۔ میں کسی وقت بھی دھوکا کھا سکتا ہوں۔ تو میں نے اس چیلنج کو اس طرح قبول کیا ہے کہ طارق محمود کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں اگر میں اسے ساتھ نہ لاتا تو پچھلی رات لانچ میں مارک گریڈی اپنی سازش میں کامیاب ہو چکا ہوتا۔ صرف میرے اس ساتھی کی وجہ سے وہ ناکام ہو گیا اور یہی میری کامیابی ہے۔ میں نے طارق محمود کو اپنے خاص نائب کی حیثیت سے منتخب کر کے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔"

اس بار بورڈ کے چیئرمین نے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مسٹر ناصر پاشا! پچھلی رات تم نے لانچ میں طارق محمود کو آزما لیا اور اس نے بہترین ساتھی ہونے کا ثبوت بھی دیا ہے اس لحاظ سے تمھارا انتخاب غلط نہیں ہے لیکن دوست بننے کیلیے دوست کے نقصان کی تلافی کرنا پڑتی ہے۔ اس نے بارہ لڑکیوں کو یا میرا خیال ہے تیرہ لڑکیوں کو تم سے چھین کر اور کہیں لے جا کر جو انتقامی کارروائی کی تھی یا اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا چاہا تھا۔ اُس کے بعد اب یہ دوستی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ انتقام یا نمائش جو کچھ بھی تھا یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہے لہٰذا اب طارق محمود ان لڑکیوں کو واپس لے آئے۔"

ناصر پاشا نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے ذرا بلند آواز میں کہا۔ "مسٹر چیئرمین! میں نے ان تیرہ لڑکیوں کو ان کے گھروں میں واپس پہنچا دیا ہے۔ اب میں انھیں نہیں لا سکتا۔"

چیئرمین نے پوچھا۔ "تمھیں ان لڑکیوں کو ان کے گھروں میں واپس پہنچا کر کیا ملا؟ یہ تو کوئی انتقامی یا آزمائشی کارروائی نہ ہوئی۔ تمھاری ان حرکتوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ تم ان کی بھلائی چاہتے ہو۔ انھیں کاروبار کا ذریعہ بنانا نہیں چاہتے اسی لیے تم نے انھیں واپس بھیج دیا ہے۔ اگر تم انھیں کاروبار کا ذریعہ نہیں بنانا چاہتے تھے تو پھر یہ جزیرہ تو پورا کاروباری نوعیت کا ہے اور یہاں وہی کاروبار ہوتا ہے جو تمھیں پسند نہیں ہے۔"

ناصر پاشا نے میری حمایت میں کہا۔ "طارق محمود کو پسند ہے۔ بلکہ کوئی سا بھی کاروبار ہو۔ جائز یا ناجائز کے چکر میں پڑے بغیر اسے صرف روپیہ کمانے سے مطلب ہے جیسا کہ اس نے کہا ہے کہ یہ پچاس ہزار روپے ماہانہ کمانا چاہتا ہے اور ہر بری بات کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہے۔"

چیئرمین نے جواباً کہا۔ "اگر یہ ہمارا کاروبار پسند کرتا ہے تو ان تیرہ لڑکیوں کو دوبارہ واپس لائے اور اگر ناپسند کرتا ہے تو انھیں ان کے گھروں میں رہنے دے یہ اس کا امتحان ہے۔"

میں نے کہا۔ "میں نے انتقاماً ان تیرہ لڑکیوں کو ان کے گھروں تک پہنچایا تھا اور انتقام ایسا جذبہ ہوتا ہے کہ اس وقت جو بات سجھائی دیتی ہے آدمی وہی کر گزرتا ہے۔ میں نے اُن کے تمام ریکارڈ جلا دیے تھے۔ اب انھیں بلیک میل کرنے کا کوئی ذریعہ میرے یا ناصر پاشا کے پاس نہیں ہے۔ وہ تیرہ لڑکیاں چلی گئیں کوئی بات نہیں۔ اب تیرہ لڑکیاں بلکہ تیرہ سو لڑکیاں آ جائیں گی۔ اگر میں ناصر پاشا کے ساتھ لگا رہا۔"

ناصر پاشا نے کہا۔ "میرے ملک میں لڑکیوں کی کمی نہیں اور میرے بہت سے شکاری بڑے بڑے شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ میں طارق محمود سے اس قسم کا کوئی کام نہیں لوں گا۔ یہ میرے ساتھ رہے گا اور میرا خاص نائب بن کر میرے کام آتا رہے گا۔ رہ گئی تیرہ لڑکیوں کے نقصان کی بات۔ تو یہ نقصان میرا ہوا ہے۔ میں اس جزیرے میں تیرہ لڑکیوں کو نہیں لا سکا۔ کوئی بات نہیں کاروبار میں نفع نقصان تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ میں جلد ہی اس نقصان کو پورا کر لوں گا۔"

وہاں بیٹھے ہوئے ایک دوسرے ممبر نے کہا۔ "مسٹر چیئرمین اور معزز حاضرین! بےشک کسی کو اپنے لیے منتخب کرنا ناصر پاشا کا ذاتی معاملہ ہے۔ انھوں نے اپنے لیے ایک شخص کا انتخاب کر لیا یہ ٹھیک ہے لیکن جزیرے میں جو بھی نیا شخص آئے گا پہلے اُس کی اچھی طرح چھان بین ہونا چاہیے۔ اُس کا ماضی سامنے آنا چاہیے کہ وہ کیا تھا اور اب کیا ہے اور وہ ہمارے جزیرے میں کس نیت سے آیا ہے؟"

جنرل سیکرٹری پال مین نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں اس بات کی تائید کرتا ہوں کہ اس جزیرے میں خود ناصر پاشا کا منتخب کیا ہوا یا میرا منتخب کیا ہوا کوئی بھی نیا شخص آئے گا تو اُسے شک و شبہے کی نظروں سے ہی دیکھا جائے گا۔ اُس کے متعلق جب تک مکمل معلومات فراہم نہ ہو جائیں اس وقت تک اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

وہاں بارہ ممالک کے ممبران بیٹھے ہوئے تھے۔ ان ممبروں کو اگر ٹھیکیدار کہا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔ وہ سب اپنے اپنے ملک کے تجارتی نمائندے تھے بلکہ اور بھی مذموم الفاظ میں دلال تھے۔ ان میں سے ایک نے ناصر پاشا کی حمایت میں بات کی تھی۔ باقی سب نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ میرا ماضی ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے اور میرے بارے میں پہلے اعتماد حاصل ہونا چاہیے کہ میں یہاں آ کر کسی کی ذات کو نقصان تو نہیں پہنچاؤں گا۔

میں نے جنرل سیکرٹری کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ کے جزیرے میں کسی نے کسی کو نقصان پہنچایا ہے؟"

جنرل سیکرٹری نے جواب دیا۔ "اس جزیرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سارے لوگ ہمارے جانے پہچانے ہیں۔ صرف وہ لڑکیاں ہی اجنبی ہوتی ہیں جو کچھ عرصے کے لیے یہاں ٹریننگ حاصل کرنے آتی ہیں۔ پھر دوسرے ممالک کی طرف چلی جاتی ہیں۔ یہاں سارے اعتماد کے لوگ ہیں اور کسی کو کسی کی ذات سے کبھی نقصان نہیں پہنچ......"

اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ اچانک وہ ساکت ہو گیا۔ اُس کی آواز بند ہو گئی۔ دیدے پھیل گئے۔ منہ کھل گیا اور وہ بیٹھے بیٹھے میز پر اوندھا ہو گیا۔ سارے لوگ یک بیک کھڑے ہو گئے اور اس کی حالت دیکھ کر حقیقت جاننے کے لیے لپکے جو شخص اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا اُس نے اُس کی گردن کی طرف دیکھتے ہی چیخ کر کہا۔ "اسے ابھی ہاتھ مت لگاؤ۔ اس کی گردن میں ایک سوئی چبھی ہوئی ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ کسی نے اس کی طرف زہریلی سوئی پھینکی ہے۔ یہ دیکھو، یہ بالکل ساکت ہو گیا ہے۔ یہ مر گیا ہے۔"

سب کے سب مجھے یوں دیکھنے لگے جیسے میں نے ہی اُسے بیٹھے بیٹھے قتل کر دیا ہو۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ابھی یہ جنرل سیکرٹری اس بات کا دعویٰ کر رہا تھا کہ اس جزیرے میں کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے۔ یعنی کوئی کسی کا دشمن نہیں ہے اور اب یہ خود اپنی بات پوری کرنے سے پہلے کسی کی دشمنی کا شکار ہو گیا ہے۔"

چیئرمین نے چیخ کر کہا۔ "یہاں کھڑے کھڑے وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں فوراً باہر نکل کر دیکھنا چاہیے کہ یہ زہریلی سوئی کس نے پھینکی ہے۔"

اس کی بات سنتے ہی کچھ لوگ دوڑتے ہوئے ہال سے باہر نکل گئے تاکہ نامعلوم قاتل کا پتہ چلا سکیں۔ میں اطمینان سے بیٹھا رہا۔ اِس لیے کہ جب وہ جنرل سیکرٹری اس زہریلی سوئی کا نشانہ بنا تھا اس وقت سے اب تک اتنا وقت ضائع ہو چکا تھا کہ قاتل کو فرار ہونے کا بآسانی موقع مل گیا ہو گا۔ اب وہ ان کے ہاتھ نہیں آ سکے گا۔

ہال میں صرف میں، ناصر پاشا اور چیئرمین رہ گئے تھے۔ چیئرمین بہت موٹا آدمی تھا۔ دوڑ نہیں سکتا تھا۔ اس لیے بیٹھا رہ گیا وہ فون کا ریسیور اُٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کرنے کے بعد کہہ رہا تھا کہ فوراً ہی ڈاکٹر کو یہاں بھیج دیا جائے۔

جب اُس نے ریسیور رکھ دیا تو ناصر پاشا نے اُس سے پوچھا۔ "مسٹر چیئرمین! کیا ہمارے جزیرے میں دشمن بھی بستے ہیں؟ ابھی ابھی اس بات کا دعویٰ کیا جا رہا تھا کہ یہاں ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ اب یہ کہنا پڑتا ہے کہ دنیا کا کوئی علاقہ کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں دوست اور دشمن نہ رہتے ہوں۔"

چیئرمین اپنی جیب سے رومال نکال کر چہرے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں حیران ہوں کہ یہ قتل کیسے ہوا؟ کیوں ہوا؟ اور کس نے کیا؟ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمارے جزیرے میں ایسے سوالات ہمارے دماغ میں پیدا ہوں گے اور ہم اُن کا جواب تلاش کرنے کے لیے کسی قاتل کو تلاش کرتے پھریں گے۔ ویسے مسٹر ناصر پاشا آپ یہاں کیوں بیٹھے رہ گئے۔ آپ کا بھی فرض ہے کہ قاتل کی تلاش میں جائیں۔"

ناصر پاشا کے کچھ کہنے سے پہلے میں نے کہا۔ "جناب بہت دیر ہو چکی ہے۔ جتنی دیر میں یہاں سے لوگ باہر گئے ہیں اتنی دیر میں وہ قاتل فرار ہو چکا ہو گا۔ اس وقت وہ گرفت میں نہیں آ سکے گا۔ اُس کا پیچھا کرنا ہوا کا پیچھا کرنے کے برابر ہے۔"

جنرل سیکرٹری پال مین کی لاش اوندھے منہ میز پر

پڑی تھی۔ کسی نے اُسے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ڈاکٹر جلد ہی وہاں پہنچ گیا اور اُس نے ہم لوگوں سے درخواست کی کہ لاش کو میز پر لٹا دیا جائے۔ میں نے اور ناصر پاشا نے مل کر لاش کو سنبھالا اور اُسے اوندھے منہ میز پر لٹا دیا تاکہ ڈاکٹر گردن پر لگی سوئی کا معائنہ کر سکے۔ اس نے سوئی اس کی گردن سے نکال کر اُسے دیکھا۔ میں نے کہا: "اس سوئی میں یقیناً کوئی زود اثر زہر ہے۔ کیونکہ سوئی لگتے ہی اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔"

ڈاکٹر نے تائید میں سر ہلایا۔ اُس نے کہا: "میں اس سوئی کا طبی معائنہ کراؤں گا۔ ویسے میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ پال مین اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ اُس کی موت واقع ہو چکی ہے مسٹر چیئرمین! اگر ضروری سمجھیں تو میں اُن کی موت کا سرٹیفکیٹ دے سکتا ہوں۔"

چیئرمین نے کہا: "لاش کا پوسٹ مارٹم ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ زہر سے قتل ہوا ہے۔ لیکن یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ زہر کس قسم کا ہے۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہونے میں آسانی ہو گی کہ ہمارے جزیرے میں یہ زہر کہاں سے آیا اور کس کے پاس ہے۔ ہم پوری طرح اس جزیرے کو کھنگال ڈالیں گے۔ ایک ایک کی تلاشی لیں گے۔"

اُس کی باتوں کے دوران جو ممبران باہر گئے ہوئے تھے واپس آنے لگے۔ اُن کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ اُن میں دو چار عورتیں تھیں اور باقی مسلح سپاہی تھے جو وہاں گارڈ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

ایک ممبر نے ایک عورت اور ایک مسلح گارڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "مسٹر چیئرمین! یہ دونوں ہال کے باہر پچھلے حصے کی طرف کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ ہال کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ ہم نے ان سے دریافت کیا تو یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے کسی کو اس کھڑکی کے پاس سے گزرتے نہیں دیکھا جو جنرل سیکریٹری پال مین کے پیچھے تھی۔ اس کھڑکی کی طرف نہ کوئی آیا تھا اور نہ ہی اس کے آس پاس کسی کو دیکھا گیا ہے۔"

چیئرمین نے اوپر ایک روشن دان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "کوئی شخص وہاں سے بھی اس سوئی کو پھینک سکتا ہے۔ تم لوگوں نے چھت کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔"

ایک اور ممبر نے کہا: "ہم عمارت کی چھت پر بھی گئے تھے لیکن وہاں جتنے بھی لوگ ہیں وہ سب اس بات سے بے خبر ہیں کہ یہاں ایک قتل ہو چکا ہے۔ ہمارے بتلانے پر اُنھوں نے شدید حیرانی کا اظہار کیا اور یہ حیرانی کی بات ہے کہ اس پُرامن جزیرے پر ایک انسان کی جان لی گئی ہے۔"

اس عمارت میں اور عمارت کے آس پاس جتنے پائے گئے تھے ان سب کو پکڑ کر لایا گیا تھا اور باری ہر ایک سے سوال جواب کا سلسلہ جاری تھا لیکن سبھی تھے کیونکہ اس جزیرے میں کوئی کسی سے کسی قسم کی کی توقع نہیں کرتا تھا۔ اِس لیے انھیں کوئی بھی مشکوک نظر نہیں آیا تھا جس کی وہ نشاندہی کر سکتے۔ چنانچہ بھی تحقیقات کی گئیں سب ناکام ہو گئیں۔

چیئرمین ٹیلیفون پر کسی سے کہہ رہا تھا کہ افریقی جو اس جزیرے میں رہتا ہے۔ اُس کی رہائش گاہ پر مارا جائے اور دیکھا جائے کہ بلوئنگ پائپ (وہ پائپ کے ذریعے زہریلی سوئیاں پھینکی جاتی ہیں) اور مزید زہر سوئیاں یا زہر وہاں پر موجود ہے یا نہیں۔ اُس کی سخت لی جائے۔

فون پر یہ حکم دینے کے بعد اس نے ریسیور رکھ آتنی دیر میں لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی گئی سب لوگ اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ نے کہا: "ہمیں سب سے پہلے ایسے آدمی کو تلاش کر جس کے پاس ایسی زہریلی سوئیاں اور بلوئنگ پائپ ہو۔ میرا ذہن اس افریقی باشندے کی طرف گیا ہے مسلح باڈی گارڈ ہے۔ اس وقت وہ ڈیوٹی پر نہیں ہے افریقی باشندے ہی ایسی زہریلی سوئیوں کو پائپ پھونکنے کا فن جانتے ہیں۔ میں نے اسکی تلاشی کے لیے اپنے کو حکم دے دیا ہے۔ ابھی اس کا نتیجہ بھی سامنے آ جائے

ناصر پاشا نے سرگوشی کے انداز میں مجھ سے پوچھا: "کیوں طارق تمھارا کیا خیال ہے۔ اسے قتل کیوں کیا گیا

میں نے بھی دھیمی آواز میں کہا: "مرنے والے کا تھا کہ کوئی کسی کا دشمن نہیں ہے اور یہاں اس مرنے والے کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ اب یہ سوچنا پڑے گا کہ کسی کو سیکریٹری کی موت سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کیا کچھ لوگ بھی جنرل سیکریٹری بننے کے خواہش مند ہیں؟"

ناصر پاشا نے کہا: "میں نہیں سمجھتا کہ جنرل سیکریٹری عہدے کے لیے پال مین کو کسی نے قتل کیا ہو گا۔ اس کے تو ہم نے زبردستی پال مین کو مجبور کیا تھا کہ وہ جنرل کا عہدہ سنبھالے۔ ورنہ کوئی یہ دردِ سری مول لینا نہیں

چاہتا تھا۔"

ہماری باتوں کے دوران چیئرمین نے اونچی آواز میں کہا: "میں آپ لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ لوگ ایسے سوالات کریں جو ہمیں اس قتل کی تحقیقات میں مدد دے سکیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر ایک ملک کے ٹھیکیدار نے سوال کیا: "مسٹر چیئرمین! مسلح فوج اس لیے رکھی جاتی ہے کہ وہ دشمن کا مقابلہ کرے۔ جب ہمارے جزیرے میں کوئی دشمن نہیں تھا تو ہمارے ہاں مسلح گارڈز کیوں نظر آتے تھے؟"

چیئرمین نے سنجیدگی سے مسکراتے ہوئے کہا: "یہ بھی کوئی سوال ہے۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ یہاں ہمیشہ نئی نئی لڑکیاں آتی ہیں بہت سی لڑکیاں ایسی سرپھری اور ضدی ہوتی ہیں کہ قابو میں نہیں رہتیں بار بار بھاگنا چاہتی ہیں۔ اُن کو قابو میں رکھنے کے لیے ہم نے مسلح گارڈز کا انتظام کیا ہے لیکن تمھارے اِس سوال سے قتل کا کیا تعلق ہے؟"

سوال کرنے والے نے کہا: "تعلق یہ ہے کہ جن کے لیے تمہ مسلح انتظامات کیے جائیں اُن سے دشمنی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ میرا مطلب ان لڑکیوں سے ہے جو یہاں زیرِ تربیت ہیں ان میں سے بیشتر ایسی ہیں جو اس کاروبار کو پسند نہیں کرتیں یا اپنا ملک چھوڑ کر جانا نہیں چاہتیں۔ ایسی لڑکیاں دشمنی کر سکتی ہیں۔ اِس لیے یہ کہنا کہ جزیرے میں کوئی کسی کا دشمن نہیں غلط ہے۔ دشمن ہیں اور دشمنی کی ابتدا ہو چکی ہے اور یہ بڑی بھیانک ابتدا ہے کہ ہمیں اپنے جنرل سیکریٹری سے ہاتھ دھونا پڑا ہے۔"

یہ بات سن کر میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ یہ بات میرے ذہن میں بھی بار بار آ رہی تھی کہ ان لڑکیوں میں سے کوئی اُن کی دشمن ہو سکتی ہے۔ اُن میں سے بہت سی لڑکیاں ضدی اور سرپھری تھیں اور اپنی عزت کے لیے جان پر بھی تیار ہو سکتی تھیں۔ ایسی ہی کسی لڑکی نے یہ قدم اٹھایا ہو گا۔

اس سوال نے مجھے بے چین کر دیا کہ وہ کون ہو سکتی ہے؟ وہ کہاں ہو سکتی ہے؟ تقریباً ڈیڑھ دو سو لڑکیاں ان دِنوں اس جزیرے میں تربیت حاصل کر رہی تھیں۔ میں اتنی ساری لڑکیوں کے دماغ کو باری باری نہیں پڑھ سکتا تھا کیونکہ اُن میں سے سبھی اُردو یا انگریزی جاننے والی نہیں تھیں۔ مختلف ملکوں کی رہنے والی تھیں اور مختلف زبانیں بولتی تھیں۔ پتہ نہیں اس لڑکی نے ایسا خطرناک قدم اٹھایا تھا۔ بہرحال میں نے سوچ لیا کہ اگر کوئی لڑکی ایسی خطرناک مہم شروع کر چکی ہے تو میں اسے ضرور تلاش کروں گا۔

میرے سوچنے کے دوران فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ چیئرمین نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا اور دوسری طرف سے ہونے والی گفتگو سننے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے دیکھا کہ چیئرمین کا چہرہ لٹک گیا تھا۔ وہ حیران اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ ذرا دیر بعد اس نے ریسیور کو کریڈل پر رکھتے ہوئے کہا: "معزز حاضرین! ایک اور بُری خبر ہے۔ ہمارے جنرل سیکریٹری کی موت سے پہلے ایک اور موت واقع ہو گئی ہے اور وہ بھی قتل ہوا ہے۔ یہاں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک جھاڑی کے پیچھے سے ایک مسلح گارڈ کی لاش ملی ہے اُس کے پاس سے اُس کا ریوالور غائب ہے۔"

اُس کی بات سُن کر سب لوگ چونک گئے اور اُسے ایسے دیکھنے لگے جیسے انھیں چیئرمین کی باتوں کا یقین نہ ہو یا اپنے کانوں پر اعتماد نہ ہو۔ جن لوگوں کا یہ دعویٰ تھا کہ اِس جزیرے میں کوئی کسی کا دشمن نہیں ہے۔ اسی جزیرے کے اندر ایک ہی دن میں دوسری لاش نے اُن کے دعووں کو جھوٹ ثابت کر دیا تھا۔

ایک ممبر نے سوال کیا: "اسے قتل کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اور اس کا ریوالور کیوں غائب کیا گیا؟ اگر ہم جنرل سیکریٹری کے قتل سے اس کا کوئی تعلق جوڑیں تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ جنرل سیکریٹری کی موت زہریلی سوئی سے ہوئی ہے ریوالور استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ نہ ہی ریوالور غائب کرنے کی وجہ کسی کو معلوم ہو سکی ہے۔"

چیئرمین نے کہا: "ہمارے جزیرے کی پولیس اس معاملے کی چھان بین کر رہی ہے۔ جلد ہی کوئی نتیجہ سامنے آنے والا ہے۔"

ایک اور ملک کے نمائندے نے کہا: "یہ بڑی پریشان کُن بات ہے کہ ہم ایک ہی دن میں دو لاشیں دیکھ رہے ہیں جبکہ اس جزیرے میں پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اب ہمیں سنجیدگی سے سوچنا ہو گا کہ ان دونوں قتل کے پیچھے کون سا مقصد ہے اور نامعلوم قاتل ہمارے خلاف کیا کرنا چاہ رہا ہے؟"

ناصر پاشا نے دھیمی آواز میں مجھ سے کہا: "مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کیا خیال ہے۔ باہر کہیں چل کر کچھ کھا پی لیا جائے گا؟"

میں خود وہاں سے باہر نکلنا چاہتا تھا لیکن ابھی اس افریقی باشندے کے متعلق کوئی اطلاع آنا باقی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ اُس کے بارے میں بھی کچھ معلوم ہو جائے تاکہ میں کسی نتیجے پر پہنچ سکوں۔

ناصر پاشا نے کہا: "ہم جہاں بھی ہوں گے۔ ہمیں ساری اطلاعات ملتی رہیں گی۔ آؤ باہر چلیں۔"

یہ کہہ کر اس نے چیئرمین سے باہر جانے کی رسمی طور پر اجازت لی اور کہا کہ آدھ گھنٹے بعد ہم واپس آجائیں گے۔ ہم وہاں سے اُٹھے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ چیئرمین نے ریسیور اُٹھایا اور ہیلو کہہ کر دوسری طرف کی آواز سننے لگا۔ میں اور ناصر پاشا اس ہال سے باہر نکل رہے تھے کہ اسی وقت چیئرمین کی حیرت بھری چیخ سنائی دی "کیا وہ بھی قتل کر دیا گیا ؟"

یہ سنتے ہی ہمارے قدم رُک گئے ہم نے دیکھا۔ ہال میں سب پر سکتہ سا طاری ہو گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے جزیرے میں قیامت آگئی ہے۔ کیونکہ یہ بات ان لوگوں کے لیے قیامت سے کم نہیں تھی کہ ایک ہی دن میں تین قتل ہو گئے تھے۔ دوسرے ہی لمحے سب لوگوں کو جیسے ہوش آگیا۔ سبھی چیخ چیخ کر پوچھنے لگے "کون قتل کر دیا گیا۔ کس کا قتل ہوا ہے"

چیئرمین نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "وہ افریقی باشندہ قتل کر دیا گیا ہے جو بلوئنگ پائپ سے سوئی پھونکنا جانتا تھا۔"

یہ کہہ کر وہ پھر ٹیلیفون پر باتیں کرنے لگا اور سب لوگ خاموشی سے اس کی باتیں سننے لگے۔ میں اور ناصر پاشا باہر جاتے جاتے رُک گئے۔ صورتِ حال انتہائی دلچسپ اور پُراسرار ہوتی جارہی تھی۔ میں ان تینوں قتل کی پوری تفصیلات جاننا چاہتا تھا مگر بھوک بھی شدید تھی جس کا علاج باہر جائے بغیر ممکن نہیں تھا۔ ناصر پاشا بتا چکا تھا کہ ہم لوگ جزیرے کے جس حصے میں بھی ہوں گے۔ ہر لمحے کی تازہ ترین اطلاعات ہم تک پہنچتی رہیں گی لہٰذا میں نے ناصر پاشا سے کہا "جب ہمیں ہر جگہ تمام اطلاعات ملتی رہیں گی تو یہاں رُک کر بھوکا مرنے سے بہتر ہے کہ باہر چل کر کچھ کھا پی لیا جائے آؤ چلیں۔"

ہم وہاں سے باہر نکلے تو میں نے محسوس کیا باہر بھی لوگوں میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ تین قتل کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ایسی جگہ جہاں کبھی کوئی کسی کو تھپڑ بھی نہیں مارتا تھا وہاں تین زندگیاں ختم کر دی گئی تھیں۔ یہ بات ایسی تھی کہ چاروں طرف سنسنی پھیل جانا ایک لازمی بات تھی۔

میں نے ناصر پاشا سے پوچھا "کھانا کہاں ملے گا۔ کیا ہمیں تمھاری رہائش گاہ تک جانا ہوگا ؟"

"نہیں میں اپنی رہائش گاہ میں صرف صبح کا ناشتہ کرتا ہوں۔ یہاں کوئی اپنے گھر میں کھانا نہیں پکاتا۔ یہاں جگہ جگہ ہوٹلز وغیرہ موجود ہیں۔ تم کہیں بھی جا کر پیسہ ادا کیے بغیر جو چاہو طلب کر سکتے ہو۔ یہاں قریب ہی ایک ہوٹل ہے۔ ہم وہیں چل رہے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد ہم ایک ہوٹل میں پہنچ گئے۔ میں نے دیکھا۔ واقعی وہاں کوئی ایسا کاؤنٹر نہیں تھا جہاں کھانے پینے والوں سے اس کی قیمت وصول کی جاتی ہو۔ ہوٹل کے علاوہ اور بھی جتنی دکانیں تھیں وہاں ضرورت کی ہر چیز بلا معاوضہ ملتی تھی۔ کیونکہ اس جزیرے میں کسی کی کوئی [illegible] مقرر نہیں تھی۔ ضرورت کی چیزیں ضرورت مندوں تک [illegible] جاتی تھیں۔ بارہ ملک کے بڑے بڑے ٹھیکیدار جو وہاں [illegible] کر لاکھوں روپے کا منافع حاصل کرتے تھے، روپے یا ڈالر صرف اُن ..... کے لیے ہوتے تھے۔ باقی لوگ اُن کے غلام تھے اور غلاموں کے لیے ضرورت کی چیزیں فراہم کر دینا بھی اس لیے ضروری سمجھا جاتا تھا کہ وہ زندہ رہ کر اُن کے احکامات کی تعمیل کرتے رہیں۔

ہم نے وہاں بڑا ہی لذیذ کھانا کھایا میرے لیے سگریٹ کا پیکٹ اور ماچس بھی آگئی۔ میں نے کھانے کے بعد ایک سگریٹ سلگایا۔ پھر ہم وہاں سے واپس اسی عمارت میں آئے جس کے ایک بڑے ہال میں ابھی تک چیئرمین اور دوسرے بیٹھے ہوئے تھے۔ اب وہاں ایک پولیس آفیسر بھی آگیا تھا اور وہ سب کے بیانات لے رہا تھا۔ تمام لوگ بیانات دے چکے تو آفیسر نے کہا "میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قاتل صرف ایک آدمی ہے . . . ."

"تم کس بنا پر یہ خیال ظاہر کر رہے ہو ؟" چیئرمین نے اُس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

پولیس آفیسر نے جواب دیا "آپ میری پوری بات سن لیں پھر آپ بھی قائل ہو جائیں گے۔ مسلح گارڈ کے سر کے پچھلے حصے میں گہرا زخم ہے۔ اس زخم کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قاتل نہتا تھا یعنی اُس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اس نے پیچھے سے مسلح گارڈ پر کسی چیز سے بھرپور ضرب لگا کر اُسے گرا دیا اور اُس پر اُس وقت تک پے در پے حملے کرتا رہا جب تک وہ بالکل ختم نہیں ہو گیا۔ اُس کے مرنے کے بعد قاتل نے اس کا ریوالور اپنے قبضے میں لے لیا اور اُسے جھاڑی کے پیچھے چھپا کر وہاں سے چلا گیا۔"

اتنا کہہ کر پولیس آفیسر نے تمام ممبران پر ایک سرسری سی نظر ڈالی۔ پھر سلسلۂ کلام دوبارہ شروع کیا "قاتل کا دوسرا شکار افریقی باشندہ تھا۔ اُس کی رہائش گاہ پر پہنچ کر قاتل نے اس ریوالور سے جو وہ مقتول گارڈ کے پاس سے لے آیا تھا۔ افریقی باشندے کو قتل کر دیا۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ قتل محض اس لیے کیا گیا کہ اس افریقی باشندے کے پاس بلوئنگ پائپ اور زہریلی سوئیاں تھیں۔ انھیں حاصل کرنے کے لیے ہی اُس نے اس شخص کو قتل کیا جبکہ مسلح گارڈ کو قتل کرنے کا مقصد صرف ریوالور حاصل کرنا تھا۔ جب یہ دونوں چیزیں حاصل ہو گئیں تو وہ اس عمارت کی طرف آیا۔ یہاں وہ ریوالور استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اُس کے پاس سائلنسر نہیں تھا اور ریوالور سے گولی چلانے کے بعد خود کو پوشیدہ رکھنا ناممکن ہو جاتا۔ ریوالور چھپا کر لایا تو جا سکتا تھا مگر فائر کرنے کے بعد وہ چھپا نہیں رہ سکتا تھا جبکہ بلوئنگ پائپ سے نہ تو فائر کی آواز ہوتی ہے جو قرب و جوار کو لوگوں کو چوکنا کرے اور نہ ہی اُسے چھپانے میں زیادہ دشواری ہوتی ہے۔ اسی لیے اُس نے یہ پائپ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اسی پائپ اور سوئی کے ذریعے اُس نے جنرل سیکریٹری کو ہلاک کیا ہے۔"

میں نے سوال کیا "آفیسر آپ کا کیا خیال ہے قاتل مرد ہے یا عورت ؟"

آفیسر نے جواب دیا "مجھے یقین ہے کہ قاتل مرد ہے کیونکہ مسلح گارڈ کے سر کے پچھلے حصے میں جتنی زوردار ضرب لگائی گئی ہے اور جتنا گہرا زخم آیا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے اتنا بھاری ہاتھ کسی مرد کا ہی ہو سکتا ہے کوئی عورت اتنے زبردست طریقے سے حملہ نہیں کر سکتی۔"

آفیسر کی بات سن کر مجھے سونیا اور رومانہ یاد آگئیں جن کے ہاتھ بڑے مذاقی تھے اور جو بڑی زبردست ضربیں لگاتی تھیں۔ اس آفیسر کا واسطہ کبھی ایسی کسی عورت سے نہیں پڑا تھا۔ اسی لیے وہ اپنے طور پر یہ رائے قائم کر رہا تھا۔ میرا اپنا خیال یہ تھا کہ وہاں اگر کوئی دشمن ہو سکتا ہے تو وہ یہاں آنے والی کوئی غیرت مند لڑکی ہی ہو سکتی ہے۔ کوئی ایسی لڑکی جس میں سونیا اور رومانہ جیسی دلیری بھی موجود ہو۔

میں نے اپنے اس خیال کا اظہار نہیں کیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ لوگ یہاں رہنے والی کسی لڑکی پر شبہ کریں لیکن شبہ ہونے لگا تھا۔ اسی وقت چیئرمین نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "معاملہ بہت سنگین ہو گیا ہے۔ اب ہم اس خوش فہمی میں نہیں رہ سکتے کہ یہاں کوئی کسی کا دشمن نہیں ہے۔ آج ثابت ہو گیا ہے کہ ہمارے دشمن بھی یہاں موجود ہیں جو ہمارے درمیان رہ کر آہستہ آہستہ ہمارا اعتماد حاصل کر چکے ہیں اور اب چھپ کر ہمیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ انسپکٹر کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ مسلح گارڈ کو اس لیے مارا گیا کہ اس کا ریوالور حاصل کرنا تھا اور افریقی باشندے کو صرف بلوئنگ پائپ اور زہریلی سوئی کے حصول کے لیے مارا گیا ہے۔ ورنہ اصل شکار جنرل سیکریٹری پال مین تھا۔ اگر آج پال مین مارا گیا ہے تو کل ہم میں سے کسی کی بھی باری آسکتی ہے۔ لہٰذا ہمیں سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کرنا ہوگا اور سختی سے اقدامات کرنا ہوں گے۔ پہلے ہم اپنے آس پاس مسلح گارڈ کا تکلف نہیں کرتے تھے لیکن اب ہمارے ساتھ مسلح گارڈ ہوں گے تاکہ وہ ہماری حفاظت کر سکیں۔"

ایک ملک کے نمایندے نے کہا "پھر بھی یہ بات ظاہر نہ ہو سکی یا ہمیں معلوم نہ ہو سکی کہ قاتل کون ہو سکتا ہے۔ کچھ تو اس سلسلے میں خیال قائم کرنا چاہیے۔"

ایک اور ملک کے ٹھیکیدار نے کہا "میں یہ بات یقین سے کہتا ہوں کہ ہماری دشمن صرف وہی لڑکیاں ہو سکتی ہیں جنھیں ہم اُن کی مرضی کے بغیر اغوا کرتے ہیں اور اُن کے ملک سے اُن کے والدین سے اُن کے رشتے داروں سے چھڑا کر کسی دوسرے ملک ایکسپورٹ کر دیتے ہیں۔ یہ کام انھی میں سے کسی ضدی اور سرکش لڑکی کا ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایک سے زیادہ ہوں۔"

ایک اور ملک کے ٹھیکیدار نے کہا "پولیس آفیسر کا خیال ہے کہ یہ قتل کسی مرد نے کیے ہیں۔ ہم کیسے مان لیں کہ یہ نازک اندام لڑکیاں ایسی خطرناک بھی ہو سکتی ہیں۔ اس کے لیے ذہن، دل اور جسم کی مضبوطی ضروری ہے اور یہ بڑے دل گردے کی بات ہے کہ کوئی ایک یا دو لڑکیاں اس طرح کا خطرناک قدم اٹھائیں اور ایک ہی دن میں تین قتل کر کے کہیں آرام سے چھپ کر بیٹھ جائیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

وہ لوگ آپس میں بحث کر رہے تھے اور اپنے اپنے طور پر دلائل پیش کر رہے تھے کہ لڑکیاں قاتل نہیں ہو سکتیں۔ کچھ لوگ اس بات پر متفق تھے کہ لڑکیوں پر اب زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ انھیں اس جزیرے میں جتنی آزادی دی گئی ہے۔ وہ ختم کر دی جائے اور وہ صرف اپنے ہوسٹلوں بازاروں اور تربیت گاہوں تک گھوم پھر سکیں۔ وہ سیر و تفریح کر سکتی ہیں لیکن کسی ملک کے ٹھیکیدار کی رہائش گاہ کے قریب سے نہیں گزر سکتیں کسی ضرورت سے نکلنا ہو تو انھیں اجازت نامہ حاصل کرنا ہوگا۔ ایسے طریقوں سے ہم کسی قدر محفوظ رہ سکیں گے۔ یہ بات چیئرمین تمام لوگوں کو سمجھا رہا تھا۔ میں خاموش بیٹھا سن رہا تھا۔

میں نے ناصر پاشا سے پوچھا "ہم کب تک یہاں

بیٹھے رہیں گے؟ میں بہت تھک گیا ہوں۔ آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

ناصر پاشا نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں چلو، ہم اپنی رہائش گاہ میں جا کر آرام کریں اور تنہائی میں سوچیں کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

ہم وہاں سے باہر آ گئے۔ پھر ناصر پاشا کی کار میں بیٹھ کر رہائش گاہ کی طرف جانے لگے۔ بعد میں پتہ چلا کہ فوری طور پر اقدامات شروع ہو گئے تھے۔ تربیت گاہوں کو بند کر دیا گیا تھا اور لڑکیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے اپنے ہوسٹل تک محدود رہیں اور جب تک ہر ایک کی تلاشی مکمل نہ ہو اس وقت تک وہ ہوسٹل سے باہر نہ نکلیں۔

میں نے دیکھا۔ راستے ویران ہو رہے تھے۔ تمام ٹریفک بند ہو رہی تھی۔ دوسرے لفظوں میں کرفیو نافذ ہو رہا تھا۔ تمام لوگ اپنی اپنی رہائش گاہوں میں بند ہو رہے تھے کیونکہ بڑے پیمانے پر تلاشیاں شروع ہو چکی تھیں اور ایک ایک گھر کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ وہ کہیں نہ کہیں سے ریوالور اور بلوئنگ پائپ تلاش کر کے حاصل کر لینا چاہتے تھے۔

ہم بھی اپنی رہائش گاہ پہنچ کر محدود ہو گئے۔ ہمارے لیے بھی یہ حکم تھا کہ ہم شام کے چھ بجے سے پہلے باہر نہ نکلیں۔ یہ بات ناصر پاشا کو رہائش گاہ کے ٹیلیفون پر بتائی گئی تھی۔ میں اپنے کمرے میں آ کر آرام سے جوتے اُتار کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش پڑا رہا۔ بہت دیر ہو گئی تھی میں نے سونیا کی خبر نہیں لی تھی۔ اس لیے جزیرے کی تمام صورتِ حال کو بھلا کر میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ ایک طرح سے وہاں کوئی فکر کی بات نہیں تھی کیونکہ سونیا کا سینڈل ابھی تک نہیں ملا تھا اور اس کی تلاش جاری تھی۔ . . .

اس کے بعد ممی کے پاس پہنچا۔ میں نے ممی کو یہاں کے سارے حالات بتائے۔ بہت دیر تک اُن سے باتیں کرتا رہا۔ پھر میں نے غلام کی خبر لی۔ اُس نے گشتی گاڑی فروخت کر دی تھی اور اب کراچی آنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں ایک جزیرے میں ہوں۔ جب وہ کراچی پہنچے گا تو شاید مجھ سے ملاقات نہ ہو لیکن جب تک ملاقات نہ ہو وہ کراچی میں رہ کر میرا انتظار کرے۔ میں واپس وہیں آؤں گا۔

میں غلام کے پاس سے واپس آ گیا۔ ممی کے ذریعے رسوبتی کی خیریت معلوم ہو گئی تھی۔ رضانہ کی ہم شکل لوبی کے متعلق باتیں کرنے یا سوچنے کا موقع نہیں تھا۔ ابھی یہاں کے حالات اُلجھے ہوئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تین آدمیوں کا قاتل کون ہو سکتا یا ہو سکتی ہے؟

قاتل جو کوئی بھی تھا میرے مقاصد کی تکمیل ہی کر رہا تھا کیونکہ میں بھی ان لوگوں کو بالکل نیست و نابود کر دینا چاہتا تھا۔ اگر وہ قتل کیے جا رہے تھے تو یہ میرے منصوبے کا ایک حصہ تھا اس لحاظ سے وہ قاتل میرا معاون اور رفیق تھا۔ میں اسے تلاش کرنا چاہتا تھا لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں سے ڈھونڈ نکالوں۔ میری خواہش تھی کہ اتنی سخت اتنی مکمل تلاشی کے بعد بھی وہ گرفت میں نہ آ سکے۔

سوچتے سوچتے مجھے اس ہال کا خیال آیا۔ جہاں میز کے ساتھ ہم سب بیٹھے ہوئے تھے۔ بیٹھنے کی پوزیشن یہ تھی کہ چیئرمین کے برابر والی کرسی پر جنرل سیکریٹری پال میسن بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بعد دوسرے ملک کے ٹھیکیدار تھے۔ میز کی دوسری طرف یعنی ٹھیک جنرل سیکریٹری کے سامنے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے بعد ناصر پاشا تھا اور پھر دوسرے ٹھیکیدار۔ اب یہ بھی سوچا جا سکتا تھا کہ وہ زہریلی سوئی جنرل سیکریٹری پال میسن کی طرف نہیں پھینکی گئی ہو۔ بلکہ چیئرمین کی طرف، میری طرف یا کسی اور کی طرف پھینکی گئی ہو۔ چونکہ بلوئنگ پائپ کے ذریعے سوئی کو پھونکنا اور صحیح نشانے پر پھینکنا کوئی آسان بات نہیں ہے ممکن ہے جس نے وہ بلوئنگ پائپ استعمال کیا تھا۔ وہ اس کے استعمال میں مہارت نہ رکھتا ہو۔ پھونکتے وقت سوئی اپنے نشانے سے بھٹک کر جنرل سیکریٹری کی گردن پر پہنچ گئی ہو۔

یہ بات بار بار میرے دماغ میں ہی آتی تھی کہ زہریلی سوئی کو چیئرمین کی طرف پھونکا گیا تھا لیکن وہ بھٹک کر دوسری طرف چلی گئی تھی۔ قاتل کا نشانہ چیئرمین تھا لیکن اناڑی پن کی وجہ سے چیئرمین کے بجائے جنرل سیکریٹری ہلاک ہو گیا۔ اگر میرا خیال درست تھا تو اس کا مطلب تھا کہ قاتل ایک بار پھر چیئرمین کو نشانہ بنانے کی کوشش کرے گا۔ وہ محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ اپنے ساتھ مسلح محافظ رکھنے کے باوجود اس کی زندگی کو خطرہ تھا اور قاتل کسی وقت بھی اس تک پہنچ سکتا تھا۔

یہ خیال میرے دماغ میں آیا تو میں نے سوچا کہ وقتاً فوقتاً چیئرمین کے دماغ میں جھانکتے رہنا چاہیے نہیں وہ کس وقت اُس کے پاس پہنچ جائے۔ جب قاتل چیئرمین کے پاس پہنچے گا میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔

میں نے گھڑی دیکھی۔ چار بجنے والے تھے۔ چھ بجے سے

پہلے ہمیں رہائش گاہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ دو گھنٹے ذرا سو کر گزار لینا چاہیے۔ پتہ نہیں آج کی رات کیسی گزرے۔ سوتے ہوئے یا جاگتے ہوئے؟

○

میں نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا اور واپس آ کر پلنگ پر لیٹنے کے بعد اپنے دماغ کو حسبِ معمول ہدایت دی کہ سونے کے دوران اگر اس کمرے کی چار دیواری کے اندر کوئی مداخلت ہو یا کوئی اندر آنا چاہے تو میری آنکھ کھل جائے ورنہ میں دو گھنٹے تک آرام سے سوتا رہوں گا۔ ٹھیک دو گھنٹے کے بعد میری آنکھ کھل جائے گی۔

یہ ہدایات دینے کے بعد میں آرام سے سو گیا۔ میں جانتا تھا کہ جب تک اس جزیرے میں کرفیو نافذ رہے گا اور مسلح گارڈ سختی سے پہرہ دیتے رہیں گے اس وقت تک قاتل اپنی پناہ گاہ سے باہر نہیں نکلے گا اور نہ ہی کسی پر حملہ کرنے کی جرأت کرے گا۔

اگر یہ سوچ لیا جائے کہ قاتل چیئرمین کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس لحاظ سے یہ خیال قائم کیا جا سکتا تھا کہ وہ آج رات کو کسی وقت چھپ کر نکلے گا اور چیئرمین کی رہائش گاہ تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ اُس جزیرے میں جتنے ممالک کے ٹھیکیدار تھے اُن کی رہائش گاہیں ایک دوسرے سے قریب تھیں پھر ان رہائش گاہوں کے پیچھے بڑے بڑے ہوسٹل کالج کی صورت میں تعمیر کیے گئے تھے۔ وہاں ہر کمرے میں ایک ایک لڑکی رہتی تھی۔ اُن دنوں ڈیڑھ یا دو سو لڑکیاں ہوسٹلوں میں رہ رہی تھیں اور تربیت حاصل کر رہی تھیں اس طرح دیکھا جائے تو ہوسٹل سے ان ممالک کے ٹھیکیداروں کی رہائش گاہوں کا فاصلہ زیادہ دُور نہیں تھا۔ اگر قاتل کوئی لڑکی تھی تو وہ ہوسٹل سے چیئرمین کی رہائش گاہ کا فاصلہ بآسانی چھپ کر طے کر سکتی تھی۔

چھ بجے سے کچھ پہلے میری آنکھ کھل گئی۔ دو گھنٹے پورے ہو چکے تھے۔ دماغ کے اندر غیر شعوری طور پر ایک مدت قائم ہوتی ہے وہ مدت جب گزرتی ہے تو دماغ سونے والے کی آنکھیں کھول دیتا ہے اور اس طرح مجھ جیسا سونے والا مقررہ وقت پر بیدار ہو جاتا ہے۔ میں بیدار ہونے کے بعد تھوڑی دیر تک بستر پر چاروں شانے چت پڑا رہا اور دُور کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ ابھی شام کا آخری اُجالا باقی تھا۔

سو کر اُٹھنے سے تھکن دور ہو گئی تھی۔ ذہن پھر سے سوچنے کے لیے تازہ دم ہو گیا تھا۔ ایسے ہی وقت میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ اگر کوئی لڑکی قاتل ہے تو جزیرے والوں کا دھیان اس لڑکی کی طرف سے ہٹانا ہو گا۔ یہ ثابت کرنا ہو گا کہ قاتل کوئی لڑکی نہیں بلکہ مرد ہے جس نے آج تین قتل کیے ہیں اور آئندہ بھی اُس کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے۔

میں نے لیٹے ہی لیٹے ایک سگریٹ سلگایا پھر اُس کے کش لگاتے ہوئے سوچنے لگا۔ کوئی ایسی تدبیر جس کے ذریعے میں کسی نامعلوم لڑکی پر سے قتل کا الزام اٹھا سکوں اور کسی مرد پر یہی الزام عائد کر سکوں۔ دو چار کش لگانے کے بعد دماغ میں یہ بات آئی کہ گھر کی چار دیواری کے اندر بیٹھے بیٹھے میں کسی پر یہ الزام عائد نہیں کر سکوں گا۔ مجھے کسی سے رابطہ قائم کرنا ہو گا اور کوئی ایسا آدمی تلاش کرنا ہو گا جس کو میں اپنی ٹیلی پیتھی کا نشانہ بنا سکوں۔

دماغ میں یہ بات بھی آئی کہ کسی شخص کو بے قصور نہیں پھانسنا چاہیے۔ یہ خلافِ انسانیت بات تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ یہاں جتنے لوگ ہیں سب مجرم ہیں۔ یہ معصوم لڑکیوں کو تجارت کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ کسی کو یہاں آنے والی نوجوان اور حسین لڑکیوں سے ہمدردی نہیں ہے۔ یہ سب دولت کے غلام ہیں اور دولت کی خاطر یہاں اس جزیرے میں مجرمانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ میں جس شخص کو بھی ٹریپ کروں گا۔ وہ واقعی اس سزا کا مستحق ہو گا کہ اس پر قتل کا الزام عائد کر کے اپنے انجام کو پہنچا دیا جائے۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور میں نے ناصر پاشا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو اُس کی سوچ نے بتایا کہ جزیرے میں اور خصوصاً لڑکیوں کے ہوسٹل میں تلاشی کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ اس لیے کرفیو بدستور نافذ ہے کوئی اپنی رہائش گاہ سے باہر نہیں نکلے گا۔

میں اُٹھ کر غسل خانے میں چلا گیا۔ وہاں بھی مصروفیت کے دوران حساب کرتا رہا کہ میں جزیرے میں کتنے لوگوں سے مل چکا ہوں اور اُن میں سے کتنے ایسے ہیں جن کے دماغوں تک گھر بیٹھے پہنچ سکتا ہوں۔ ان لوگوں میں ناصر پاشا کے علاوہ چیئرمین اور لانچ کا اسکیپر مارک گریڈی حشمت بیگ اور ایسے ہی دو چار مسلح جوان تھے۔ ان کے علاوہ بورڈ کے وہ ممبران تھے جو اپنے اپنے ملک کے ٹھیکیدار تھے۔ ان میں سے بھی کئی ایسے تھے جن کے دماغوں تک میں پہنچ سکتا تھا۔

میں نے سوچا کہ لانچ کے اسکیپر مارک گریڈی کو اپنا آلۂ کار بنایا جائے۔ اس جزیرے میں وہ میرا مخالف بھی

تھا لیکن ایک قباحت تھی اور وہ یہ کہ مارک گرنڈی پر بہت سے ممالک کے ٹھیکیدار بھروسہ کرتے تھے۔ اسے قابلِ اعتماد سمجھتے تھے اور وہ اس وجہ سے اہمیت رکھتا تھا کہ اس جزیرے میں صرف چار ہی لانچ اسکیپر تھے۔ لٰہذا گرنڈی کو کوئی شبے کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس پر پوری طرح بھروسہ کرنے کے بعد اُسے جزیرے میں رکھا گیا تھا۔

پھر بھی میں نے مارک گرنڈی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ اپنے ملک کے ایک ٹھیکیدار کی رہائش گاہ میں اُس کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا اور باتیں کر رہا تھا۔ اُن کی باتیں انھی تین قتل کے متعلق تھیں اور وہ اس موضوع پر بات کر رہے تھے کہ اب حفاظتی اقدامات کس طرح کیے گئے ہیں اور کتنا سخت پہرہ لگایا گیا ہے — رہائش گاہوں کے پیچھے جہاں لڑکیوں کا ہوسٹل ہے وہاں مسلح گارڈز ڈیوٹی پر لگا دیے گئے ہیں۔ اب انھیں ہوسٹل کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اگر کوئی لڑکی دشمن ہو گی بھی تو وہ اُدھر سے کسی کو قتل کرنے کے لیے نہیں آئے گی۔ وہ مطمئن تھے۔

ٹھیکیدار نے ایک پیگ ختم کرنے کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا: ”میں ذرا کاٹج کے پیچھے دیکھ کر آتا ہوں کہ مسلح گارڈز صحیح طور پر اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں یا نہیں۔ انھیں وقتاً فوقتاً چیک کرتے رہنا چاہیے۔ ان کی ذرا سی غفلت ہماری زندگی کے لیے خطرات پیدا کر سکتی ہے۔“

وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں بھی اُس کے دماغ میں بیٹھ کر اُس کے ساتھ کاٹج کے پیچھے چلنے لگا۔ پیچھے ایک باغیچہ تھا۔ باغیچے کے پیچھے ایک اونچی دیوار تھی۔ دیوار کی دوسری طرف لڑکیوں کے ہوسٹل بنے ہوئے تھے اور دیوار کے پاس دو مسلح گارڈ کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ ٹھیکیدار کو دیکھ کر وہ اٹینشن ہو گئے۔ ٹھیکیدار نے انھیں دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا پھر اُن میں سے ایک سے سوال کیا: ”کیا دیوار کے اس طرف لڑکیاں اپنے ہوسٹل سے باہر نظر آ رہی ہیں ؟“

ایک گارڈ نے جواب دیا: ”کبھی کبھی کوئی لڑکی ہوسٹل سے باہر نکلتی ہے لیکن پھر اندر چلی جاتی ہے۔ انھیں زیادہ دُور جانے کی اجازت نہیں ہے اور یہ چاروں طرف چار دیواری ہے۔ اس چار دیواری کے باہر تو وہ جا ہی نہیں سکتیں۔ اندر بڑا سخت پہرہ ہے۔“

ٹھیکیدار مطمئن ہو کر پھر اپنے کاٹج میں واپس چلا گیا۔ میں اس گارڈ کے دماغ میں پہنچ کر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں اُن کی باتیں سنتا رہا اور اُن دونوں کے دماغ میں باری باری پہنچتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے ایک گارڈ کی زبان سے کہا: ”مجھے پیاس لگ رہی ہے تم یہاں ڈیوٹی پر مختاط رہو۔ میں اندر سے پانی پی کر ابھی آتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھی کو تنہا چھوڑ کر کاٹج کے اندر آیا پھر اس کمرے میں پہنچا جہاں ٹھیکیدار اور مارک گرنڈی بیٹھے شراب سے شغل کر رہے تھے۔ دونوں نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا اور ٹھیکیدار نے اُس کا نام لے کر پوچھا: ”کیوں ریفر، کیا بات ہے ؟“

اس گارڈ کا نام ریفر اور اُس کے ساتھی کا نام ولیفر تھا۔ وہ دونوں گارڈ گہرے دوست بھی تھے۔ ریفر نے ٹھیکیدار سے مسکرا کر کہا: ”بات یہ ہے جناب کہ ہر انسان کی موت کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور آج کا دن آپ کی موت کے لیے مقرر ہو چکا ہے۔ اس لیے میں یہ ریوالور لے کر آیا ہوں۔“

یہ کہتے ہی اس نے اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ مارک گرنڈی ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ریفر نے کہا: ”خبردار مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ میں تمھیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اپنی خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔“

یہ کہہ کر اُس نے ریوالور کا رُخ ٹھیکیدار کی طرف کیا۔ ٹھیکیدار کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا۔ وہ موت کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے کہا: ”یہ کیا حرکت ہے۔ کیا، کیا تم نے ہی وہ تینوں قتل کیے ہیں ؟“

ریفر کے دماغ میں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اِس لیے وہ میری مرضی کے مطابق بول رہا تھا: ”ہاں وہ تینوں قتل میں نے کیے ہیں اور چوتھا بھی میں ہی کر رہا ہوں۔“

اس کی بات پوری ہوتے ہی مارک گرنڈی نے اُس پر چھلانگ لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی گولی چل پڑی اور مارک گرنڈی چیخ مار کر صوفے پر گر پڑا۔ گولی اُس کی ٹانگ پر لگی تھی۔ وہ صوفے پر سے ہو کر دوسری طرف اُلٹ گیا تھا۔ ریفر نے پھر پستول کا رُخ ٹھیکیدار کی طرف کیا اور گولی چلا دی۔ دو بار گولیاں چلنے کی آواز جزیرے کے سناٹے میں گونج اٹھی تھی باہر سے ریفر کا دوست اور ساتھی گارڈ ولیفر بھاگتا ہوا اندر آیا تھا۔ اندر آتے ہی وہ ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے دیکھا ٹھیکیدار کی لاش ایک طرف پڑی ہوئی تھی اور مارک گرنڈی ایک پاؤں سے لنگڑاتا ہوا کمرے سے باہر بھاگ رہا تھا۔

ولیفر نے ریوالور نکالتے ہوئے ریفر کو مخاطب کیا: ”یہ کیا حرکت ہے۔ یہ تم نے کیا کیا ہے ؟“

میں ریفر کے دماغ کو چھوڑ کر ولیفر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اب ریفر چونک کر اپنے آس پاس دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اپنے سامنے پڑی ٹھیکیدار کی لاش کو دیکھا تو اپنے دوست ولیفر سے پوچھا: ”یہ کیا ہو گیا ہے ؟ کیا میں نے ہی اُسے قتل کیا ہے ؟“

ولیفر نے کہا: ”ہاں تم نے ہی قتل کیا ہے۔ اب تم حراست میں لے لیے جاؤ گے۔ بہتر ہے کہ یہاں سے بھاگ چلو۔“

ریفر نے کہا: ”دوست ہم بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں۔ جزیرے میں کہیں نہ کہیں گرفتار تو کر ہی لیے جائیں گے۔“

میں ولیفر کے دماغ میں تھا اس لیے ولیفر نے اپنے دوست سے یہ سوال نہیں کیا کہ اُس نے ٹھیکیدار کو کیوں قتل کر دیا اور مارک گرنڈی کو زخمی کر کے کیوں بھگا دیا۔ ریفر نے کہا: ”ایک صورت ہے کہ ہم اس قتل کا الزام کسی دوسرے پر عائد کر دیں۔“

ولیفر نے میری مرضی کے مطابق کہا: ”پاگل ہوئے ہو؟ ایک تو تم نے قتل کر دیا۔ دوسرے عینی شاہد مارک گرنڈی کو یہاں سے بھگا دیا۔ اب وہ باہر جا کر رپورٹ دے رہا ہو گا کہ تم نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اب تم اس کا الزام کسی دوسرے پہ عائد نہیں کر سکتے۔ بہتر ہے کہ پہلے مارک گرنڈی کو ٹھکانے لگایا جائے۔ آؤ، ہم اُس کا تعاقب کر کے پہلے اس سے نمٹ لیں۔“

وہ دونوں تعاقب کرنے کے لیے کمرے سے نکلنا ہی چاہتے تھے کہ باہر ایک گاڑی کے اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھنے کی آواز سنائی دی۔ وہ سمجھ گئے کہ مارک گرنڈی کار میں بیٹھ کر فرار ہو گیا ہے اور اب اُن کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ پھر بھی وہ دونوں دوڑتے ہوئے کاٹج کے باہر برآمدے کی طرف آئے۔ کار دُور نکل گئی تھی۔ انھوں نے اس خیال سے کار پر فائرنگ شروع کر دی کہ شاید کوئی گولی کار کے پہیے کو برسٹ کرنے میں کامیاب ہو جائے لیکن اُن کا نشانہ خطا گیا۔

گولیوں کی آواز دُور دُور تک گونجتی چلی گئی تھی۔ تمام رہائش گاہوں سے لوگ باہر نکل آئے تھے اور ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ آواز کیسی ہے اور کہاں سے آئی ہے اتنے میں ریفر اور ولیفر دوڑتے ہوئے دوسرے ٹھیکیدار کے کاٹج میں پہنچ گئے۔ وہاں دوسرے مسلح گارڈ کھڑے ہوئے تھے۔ ریفر تو پہلے ہی قاتل بن چکا تھا اور بوکھلایا ہوا تھا۔ اس نے بے سوچے سمجھے وہاں کھڑے ہوئے محافظوں پہ فائرنگ شروع کر دی۔ میں نے ولیفر کے دماغ میں بیٹھ کر اسے مجبور کیا کہ وہ بھی فائرنگ کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے ٹھیکیدار کے کاٹج میں پہرہ دینے والے دونوں محافظ ہلاک کر دیے گئے۔ اس کاٹج کے ٹھیکیدار نے یہ منظر دیکھا تو وہ اندر کی طرف بھاگنے لگا لیکن ولیفر نے اُسے بھی گولی مار دی۔

اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ دُور دُور تک بجلی کے بلب روشن تھے۔ اس روشنی میں دوسرے کاٹج کے لوگوں نے یہ تماشا دیکھا اور سمجھ لیا کہ محافظ ریفر اور ولیفر لوگوں کو ہلاک کرتے پھر رہے ہیں۔ وہ پاگلوں کی طرح گولیاں چلا رہے ہیں۔ اُن پر جنون سوار ہے۔ یہ دیکھتے ہی سب اپنے اپنے کاٹج میں بند ہو گئے اور اُن کی حفاظت کرنے والے گارڈز کاٹج کے سامنے محاذ بنا کر دونوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ڈٹ گئے۔

ذرا سی دیر میں فائرنگ شروع ہو گئی۔ میں چونکہ ولیفر کے دماغ میں تھا اِس لیے یہ معلوم نہ کر سکا کہ صرف محاذ بنانے والے ہی فائرنگ نہیں کر رہے ہیں بلکہ دوسرے مسلح گارڈز بھی اندھیرے کا سہارا لے کر دُور دُور تک پھیلے ہوئے اُن دونوں کو گھیرے میں لے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد جب ولیفر کو گولی لگی تب یہ بات سمجھ میں آئی۔ وہ زمین پر گر کر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ میں اُس کے دماغ سے نکل کر ریفر کے دماغ تک پہنچنا چاہتا تھا لیکن اسی وقت ریفر کو بھی کہیں سے ایک گولی آ کر لگی اور وہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ میں دماغی طور پر اپنے کمرے میں حاضر ہو گیا۔

دروازے پر دستک ہو رہی تھی اور ناصر پاشا کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: ”طارق کیا تم کمرے میں موجود ہو اور محفوظ ہو ؟“

میں نے جواب دیا: ”ہاں میں یہاں محفوظ ہوں اور باہر نکلنے کی حماقت نہیں کرنا چاہتا۔ تمھیں بھی یہی مشورہ ہے کہ باہر نہ نکلنا۔ بلکہ فون کے ذریعے معلومات حاصل کرو کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے ؟“

وہ میرے مشورے پر عمل کرنے کے لیے وہاں سے چلا گیا۔ ریفر اور ولیفر کی جوڑی ختم ہو چکی تھی۔ اُن سے مجھے جو کام لینا تھا وہ لے چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جزیرے کے تمام لوگ یہ رائے قائم کرنے والے تھے کہ آج جو قتل ہوئے ہیں۔ اُن سب کے قاتل یہی ریفر اور ولیفر تھے اور جو لوگ ہوسٹل کی لڑکیوں پر شبہ کر رہے تھے۔ وہ غلطی پر تھے۔ قاتل گرفتار تو نہ ہو سکے لیکن ہلاک کر دیے گئے تھے۔

میں نے مارک گرنڈی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو

وہ پولیس اسٹیشن پہنچ گیا تھا۔ وہاں اُس کی زخمی ٹانگ کی مرہم پٹی ہو چکی تھی اور اب وہ ٹیلیفون پر چیئرمین سے کہہ رہا تھا کہ ریلفر اور ولیفر کو کسی طرح زندہ حراست میں لیا جائے اور اُن سے معلوم کیا جائے کہ وہ اس جزیرے میں دوسروں کو کیوں قتل کرتے پھر رہے ہیں۔ اُن کا مقصد کیا ہے؟

چیئرمین نے جواب دیا: "وہ دونوں تو ہلاک کر دیے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ انھیں واقعی زندہ گرفتار کرنا چاہیے تھا تاکہ اُن کے مقاصد کا پتہ چلتا لیکن وہ دونوں اس قدر خون خرابے پر اُتر آئے تھے کہ اگر انھیں ہلاک نہ کیا جاتا تو وہ باقاعدہ مقابلہ کرتے ہوئے پتہ نہیں اور کتنے ٹھیکیداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ اب تک دو ٹھیکیدار اور کئی مسلح گارڈز مارے جا چکے ہیں۔ تیسرا ٹھیکیدار جنرل سیکریٹری تھا جو دن کے وقت مارا گیا تھا۔ اس طرح ہمارے بارہ ٹھیکیداروں میں سے تین کم ہو گئے اور اب صرف نو رہ گئے ہیں۔"

واقعی ایک ہی دن میں کئی آدمی مارے گئے تھے۔ کوئی ایسی صورتِ حال کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کسی کی سازش بھی خلافِ توقع تھی اور اُن کا دھیان کبھی اس طرف نہیں گیا تھا کہ اُن کے مسلح محافظوں میں سے ریلفر اور ولیفر قاتل ثابت ہوں گے۔ میں نے ناصر پاشا کے دماغ سے معلوم کیا کہ کتنے افراد ہلاک ہو چکے ہیں اور اس جزیرے میں اب کتنے مرد باقی رہ گئے ہیں۔

ناصر پاشا کی سوچ نے حساب لگا کر بتایا کہ بارہ ٹھیکیدار تھے اور بارہ اُن ٹھیکیداروں کے نائب تھے۔ اس کے علاوہ دو سو مسلح محافظ تھے۔ جن میں پولیس آفیسر وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد جو دکانیں اور ہوٹل وغیرہ جزیرے میں تھے انھیں سنبھالنے والے اور جو کشتے اور ٹیکسیاں چل رہی تھیں انھیں چلانے والے اور کاٹج وغیرہ تعمیر کرنے والے اُن سب کی تعداد کُل ایک سو تھی۔ اندازاً حساب لگایا گیا کہ اس جزیرے میں ساڑھے تین سو مرد ہیں۔ باقی یا تو عورتیں ہوتی ہیں یا وہ مجبور لڑکیاں جو ہوسٹل میں رہتی ہیں جن کی تعداد ڈیڑھ سو سے لے کر دو سو تک ہوتی ہے۔ اُن مردوں میں سے آج تین ٹھیکیدار مارے گئے تھے اور تقریباً دس مسلح محافظ ہلاک ہو گئے تھے جن میں ریلفر اور ولیفر بھی شامل تھے۔

تھوڑی دیر بعد ناصر پاشا نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ اس نے کہا: "چیئرمین کے کاٹج میں بورڈ کے ممبران کا ایک تعزیتی اجلاس ہو رہا ہے۔ جس میں مرنے والوں کو خراجِ تحسین ادا کیا جائے گا۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گے؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "میرا وہاں جانا ضروری نہیں ہے اور تعزیتی جلسے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم واپس آکر مجھے بتا دینا کہ وہاں کیا باتیں ہوئی تھیں۔ میں ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

اُس نے کہا: "بے شک میں تمھارے آرام میں خلل نہیں ڈالوں گا۔ میں صرف اِس لیے تمھیں ساتھ چلنے کے لیے کہہ رہا ہوں کہ میرے دل میں ڈر بیٹھ گیا ہے کہیں اور کوئی قاتل چھپا ہوا نہ ہو۔ تم رہو گے تو مجھے حوصلہ رہے گا۔ حالانکہ دونوں قاتل ہلاک کر دیے گئے ہیں۔"

میں نے کہا: "جب وہ دونوں ہلاک کر دیے گئے ہیں تو پھر ڈر کس بات کا ہے۔ تم جاؤ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اب یہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں رہا ہے اور چیئرمین کا کاٹج تو یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔ تم کہو تو میں تمھیں وہاں تک پہنچا دوں پھر میں واپس آجاؤں گا۔"

اُس نے مسکراتے ہوئے کہا: "نہیں اب میں ایسا بھی ڈرپوک نہیں ہوں کہ تمھیں اتنی دور کے لیے ساتھ لے چلوں۔ بہرحال میں جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد واپس آجاؤں گا۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اس کے بعد ایک سگریٹ سلگا کر آرام سے اُس کے کش لگاتے ہوئے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں چیئرمین کے دماغ میں جا پہنچا۔ اُس کے کاٹج میں دوسرے ممبران یعنی دوسرے ممالک کے ٹھیکیدار آئے ہوئے تھے اور مرنے والوں کے متعلق افسوس کا اظہار کر رہے تھے۔ ناصر پاشا بھی جلد ہی وہاں پہنچ گیا۔

پھر میٹنگ میں یہ بحث شروع ہو گئی کہ قاتل وہی دو تھے یا کسی تیسرے کی توقع بھی کی جا سکتی ہے؟ اس بحث کے دوران اس بات پر بھی اعتراض کیا گیا کہ قاتلوں کو ہلاک کیوں کیا گیا۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ مجبوری تھی۔ اگر انھیں گرا نہ ماری جاتی تو وہ اندھادھند فائرنگ کرتے ہوئے نہ جانے کتنے لوگوں کو ہلاک کر دیتے۔ چیئرمین نے کہا: "آپ لوگوں کی سلامتی کے لیے اُن دونوں کو مجبوراً ہلاک کرنا پڑا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ جو قاتل تھے وہ انجام کو پہنچ گئے ہیں۔ اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی تیسرا قاتل بھی کہیں چھپا ہوگا اور وہ ہمیں نقصان پہنچائے گا۔"

اس میٹنگ میں ایک گھنٹے تک بحث ہوتی رہی۔ آخر سب اس نتیجے پر پہنچے کہ اب کوئی قاتل باقی نہیں رہا ہے اور نہ کوئی خطرہ ہے لہٰذا اب کرفیو ہٹا دیا جائے اور پہلے کی طرح جزیرے میں آمد و رفت شروع ہو جائے۔ اس فیصلے کے مطابق فوراً ہی چیئرمین نے ٹیلیفون کے ذریعے پولیس آفیسر کو اطلاع دی کہ کرفیو ہٹا دیا جائے اور لوگوں کو اطلاع پہنچا دی جائے کہ خطرہ ٹل گیا ہے اور اب وہ آزادی سے گھوم پھر سکتے ہیں۔ لڑکیوں کے ہوسٹل سے بھی پہرہ اٹھا دیا جائے۔

ساڑھے آٹھ بجے ناصر پاشا نے میرے پاس آکر کہا۔ "آؤ باہر چلیں مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ اب کرفیو ہٹا دیا گیا ہے۔ لڑکیوں کے ہوسٹل سے بھی پہرہ اٹھا لیا گیا ہے۔ اب لڑکیاں بھی اپنی حدود میں آزاد ہیں۔"

میں تیار ہی بیٹھا تھا۔ اُس کے ساتھ فوراً باہر آگیا۔ باہر اب چہل پہل نظر آرہی تھی۔ ہوٹل اور دکانیں کھل گئی تھیں۔ ہم نے قریب ہی ایک ہوٹل میں بیٹھ کر کھانے کا آرڈر دیا اور باتیں کرتے ہوئے آرڈر سرو ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

ناصر پاشا نے کہا: "ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ریلفر اور ولیفر آخر ہمارے مخالف کیوں ہو گئے تھے؟"

میں نے کہا: "شاید وہ یہاں ہونے والے کاروبار کے خلاف ہو گئے تھے اور اس دھندے کو بُرا سمجھ کر آہستہ آہستہ یہاں کے لوگوں کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔"

"نہیں، ہم اچھی طرح چھان بین کے بعد لوگوں کو اِس جزیرے میں لاتے اور انھیں ذمہ داریاں سونپتے ہیں۔ ان دونوں مسلح محافظوں کو بھی بہت اچھی طرح جانچنے اور پرکھنے کے بعد اس ڈیوٹی پر لگایا گیا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ اچانک ہماری مخالفت پر کیوں کمربستہ ہو گئے۔"

"آخر وہ دونوں انسان تھے۔ ہو سکتا ہے خود نہ بہکے ہوں کسی نے بہکا دیا ہو اور وہ یہاں رہنے والوں کے دشمن بن گئے ہوں۔"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر وہ بہکائے گئے تھے تو انھیں کس نے بہکایا تھا۔ یہاں سب ہمارے بھروسے کے آدمی ہیں ہم کسی پر شبہ بھی نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے، شبہ نہ کیا جائے لیکن آنے والا وقت بتائے گا کہ کوئی بہکانے والا یہاں موجود ہے یا وہ دونوں خود ہی مخالف ہو کر ایسی حرکت کر بیٹھے اور اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچ گئے۔"

میز پر ہماری پسند کا کھانا آگیا۔ ناصر پاشا نے کھانا شروع کرتے ہوئے کہا: "اگرچہ کرفیو ہٹا دیا گیا ہے تاہم باقی دوسرے ٹھیکیدار اب بھی بُری طرح خوف زدہ اور سہمے ہوئے ہیں اور کوئی اپنی رہائش گاہ سے باہر نہیں نکل رہا ہے میں اُن کا واحد ساتھی ہوں جو تمھارے ساتھ یہاں تک چلا آیا ہوں۔"

میں نے پوچھا: "کیا اَب بھی ہوسٹل میں رہنے والی ان لڑکیوں پر شبہ ہے؟"

اس نے جواب دیا: "اب کسی خاص لڑکی پر شبہ نہیں ہے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہمارے ہی مسلح گارڈز میں سے کوئی ہمارا دشمن بھی ہو سکتا ہے لیکن اب ہم اپنے سائے پر بھی بھروسہ نہیں کر سکتے۔ ویسے چیئرمین نے خفیہ طور پر جاسوس چھوڑ دیے ہیں۔ وہ دیکھتے رہیں گے اور اس کھوج میں رہیں گے کہ جزیرے میں کون ہمارا مخالف ہے اور کون قانون کے خلاف حرکتیں یا سازشیں کر رہا ہے"۔

میں نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا: "اس جزیرے میں تفریح کا کیا سامان ہے؟"

"یہاں سینما گھر ہیں۔ دو کلب ہیں۔ اس کے علاوہ فلم اسٹوڈیو ہے جہاں دلچسپ شوٹنگ ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ورائٹی پروگرام ہوتا ہے۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں کسی سینما ہاؤس میں تھوڑا وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ فلم دیکھنے کا موڈ ہے۔ تم تو گھر جانے کے بعد پھر پینے پلانے میں مصروف ہو جاؤ گے۔ میرا نہ پینے کا موڈ ہے اور نہ کسی حسینہ سے دل لگانے کا ارادہ ہے۔ میری تفریح صرف سینما گھر تک محدود رہے گی۔"

مجھے فلمیں دیکھنے کا زیادہ شوق نہیں ہے۔ میں نے یہ صرف اِس لیے کہا تھا کہ میں کچھ دیر کے لیے ناصر پاشا سے دُور رہنا چاہتا تھا۔ تنہائی کا ایسا موقع چاہتا تھا جس میں آزادی سے گھوم پھر کر جزیرے کا جائزہ لے سکوں اور ممکن ہو تو اس قاتل کو تلاش کر لوں جو اَب تک اپنی کسی پناہ گاہ میں چھپا ہوا تھا اور جس کی طرف سے میں نے سب کا دھیان ہٹا دیا تھا لیکن میرا دھیان اسی کی طرف لگا ہوا تھا۔

ناصر پاشا نے کہا: "چونکہ ہمارے تین بہت اہم آدمی آج قتل کر دیے گئے ہیں اِس لیے یہاں کی تمام تفریح گاہیں آج بند رہیں گی۔ یہ ہوٹل اور چند دکانیں صرف اِس لیے کھلی ہوئی ہیں کہ ہم اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ ورنہ آج اِس جزیرے میں سناٹا رہے گا اور باہر بہت کم لوگ نظر آئیں گے۔"

کھانے کے بعد میں نے اپنے لیے کافی کا آرڈر دیا۔ ناصر پاشا ایک ٹھنڈا مشروب پینے لگا۔ میرا مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا اور اُس کی کوئی متبادل صورت بھی نظر نہیں آرہی تھی۔

تھوڑی دیر میں گرماگرم کافی میرے سامنے آگئی۔ میں اُس کی چُسکی لے کر سوچنے لگا۔

اچانک ایک بات ذہن میں آئی اور میں نے ناصر پاشا سے کہا: "ابھی تم نے کہا تھا کہ خفیہ طور پر جاسوس اس جزیرے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے بھی ایک جاسوس کی حیثیت سے ایک رات باہر گزارنے کی اجازت دے دو۔ میں رہائش گاہ کے باہر مجرموں کی بُو سونگھ کر انھیں تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے جہاں دوسرے جاسوس کامیاب نہ ہو سکیں وہاں میں کامیاب ہو جاؤں اور یہ بات تمھاری عزت میں اضافے کا باعث بن جائے کہ تمھارے آدمی نے اصل قاتل کو ڈھونڈ نکالا ہے بشرطیکہ وہ اصل قاتل ابھی زندہ ہو اور کہیں چھپا ہو۔"

وہ میری بات سُن کر سوچنے لگا پھر اُس نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "تمھارا آئیڈیا بہت خوب ہے مگر کیا تم جاسوسی کرنے کے لیے اپنی رات کی نیند حرام کرو گے؟"

"میں آج شام تک سوتا رہا ہوں۔ نیند پوری ہو چکی ہے اور مجھے اتنی جلدی نیند نہیں آئے گی۔ جب نیند آئے گی تو میں واپس آکر سو جاؤں گا لیکن جب تک جاگتا رہوں گا کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ ابھی ہم چیئرمین کے کاٹج میں جائیں گے اور میں وہاں سے تمھارے لیے ایک خصوصی اجازت نامہ حاصل کروں گا۔ جسے تم اپنے پاس رکھ کر رات کو اس جزیرے میں کہیں بھی جا سکو گے کوئی تمھیں روکے تو تم وہ اجازت نامہ دکھا کر اُسے مطمئن کر سکو گے۔"

تھوڑی دیر بعد ہم ہوٹل سے باہر نکلے اور کار میں بیٹھ کر چیئرمین کے کاٹج میں آئے۔ چیئرمین اس وقت بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ وہاں سبھی شراب اور شباب کے رسیا اور اپنی راتوں کو رنگین بنانے کے عادی تھے لیکن ان میں سے کوئی ہوسٹل کی لڑکیوں کو نہیں چھیڑتا تھا جو زیرِ تربیت تھیں اور باہر ایکسپورٹ کی جانے والی تھیں۔

ناصر پاشا نے چیئرمین سے کہا کہ وہ مجھے جاسوس کی حیثیت سے اجازت نامہ دلوانا چاہتا ہے۔ چیئرمین نے کہا: "مسٹر ناصر پاشا! آپ تو جانتے ہیں کہ میں تنہا اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ بورڈ کے تمام ممبران کسی ایک فیصلے پر متفق ہوتے ہیں۔ تب اس فیصلے پر میں اپنے دستخط کرتا ہوں اور حکم نامہ جاری کرتا ہوں۔"

ناصر پاشا نے کہا: "لیکن آپ کو خاص حالات میں خصوصی اجازت نامہ جاری کرنے کا اختیار ہے۔"

"بے شک مجھے اختیار ہے لیکن آپ کا یہ طارق محمود پہلی بار اس جزیرے میں آیا ہے۔ تمام لوگوں کے لیے اجنبی اور اس پر کس حد تک اعتماد کیا جائے یہ ابھی کسی کی سمجھ میں نہیں آیا ہے۔ اب ان حالات میں خصوصی اجازت نامہ جاری کروں گا تو بورڈ کے دوسرے ممبران اعتراض کریں گے"

ناصر پاشا نے کہا: "مجھے طارق محمود پر مکمل اعتماد ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اُسے اگر جاسوس کی حیثیت سے ایک اجازت نامہ جاری کر دیا گیا تو یہ یقیناً اس شخص کو ڈھونڈ نکالے گا جو ہمارے اندیشوں کے مطابق ہماری تاک میں کہیں چھپ بیٹھا ہے۔ اگر ہمارے اندیشے درست ہیں تو وہ جو کوئی بھی ہے طارق کی نظروں سے خود کو نہیں چھپا سکے گا۔ مجھے اس کی صلاحیتوں پر پورا پورا اعتماد ہے۔"

"اگر آپ کو اتنا یقین ہے اور آپ اسے اجازت نامہ دلانے پر بضد ہیں تو اس کے لیے ابھی بورڈ کے ممبران کو کال کرنا ہوگا یا فون کے ذریعے فرداً فرداً ہر ممبر سے اجازت حاصل کرنا ہوگی۔ اگر طارق محمود کے حق میں ووٹ زیادہ ہوئے تو اجازت نامہ مل جائے گا ورنہ میں مجبور ہوں۔"

میں نے ان دونوں کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا: "اور میں پورے یقین سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اپنے حق میں کسی کی طرف سے ووٹ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ میں یہاں بالکل اجنبی ہوں۔"

ناصر پاشا نے کہا: "اگر آج میں تمھیں اجازت نامہ نہ دلا سکا تو یہ میری توہین ہوگی۔"

میں نے کہا: "نہیں پاشا! حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے اور حقیقت یہ ہے کہ میں آج پہلی بار اس جزیرے میں آیا ہوں اور دوسروں کے لیے بالکل اجنبی ہوں۔ کوئی مجھ پر بھروسہ نہیں کر سکتا یہ ایک لازمی سی بات ہے۔ ہمیں بھی کسی اجنبی پر بھروسہ کرنے کے لیے کہا جائے تو ہم بھی اُس پر بھروسہ نہیں کریں گے۔ اسی طرح دوسروں کے متعلق بھی سوچنا چاہیے۔ آؤ ہم اپنے کاٹج میں واپس چلیں۔"

میں اُسے سمجھا بجھا کر کاٹج میں واپس لے آیا۔ ناصر پاشا نے میری خواب گاہ میں پہنچ کر کہا: "اگر تم کہو تو میں عورتیں یہاں بھیج دوں۔"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا: "جب تک کوئی میرے دل کو نہیں بھاتا اُس وقت تک میں کسی کے ساتھ اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ تمھاری مہربانیوں کا شکریہ! میں تنہا اس خواب گاہ میں رات گزار لوں گا۔ تم جاؤ عیش کرو۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور سگریٹ سُلگا کر حسبِ عادت ایک کرسی پر بیٹھ کر کش لگانے اور حالات پر غور کرنے لگا۔ تمام ٹھیکیدار سہمے ہوئے تھے اور خفیہ طور پر جاسوسوں کی ڈیوٹی لگا دی گئی تھی تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ جو کوئی بھی اصلی قاتل ہے وہ... اپنی پناہ گاہ سے آج رات نہیں نکلے گا۔ البتہ اگر اُسے جاسوسوں کے متعلق علم نہ ہو اور اُس نے بظاہر یہ دیکھ لیا ہو کہ پہرہ ہٹا دیا گیا ہے اور اب کسی بات کا خطرہ نہیں ہے تو وہ اپنی پناہ گاہ سے ضرور نکل آئے گا اور کسی کو شکار کرنے کی کوشش میں پکڑا جائے گا۔

مجھے یہ منظور نہیں تھا کہ وہ پکڑا جائے۔ اُسے بچانے کے لیے اور اُس کی طرف سے توجہ ہٹانے کے لیے میں نے ریفر اور ولیفر کو چارہ بنا دیا تھا لیکن کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اندیشہ بدستور تھا۔ وہ لوگ اس طریقے سے بھی سوچ رہے تھے کہ ریفر اور ولیفر کو ہلاک کرنے والا کوئی تیسرا بھی موجود ہوگا اور یہ قتل ایک منظم سازش کے تحت بھی ہو سکتے ہیں اور آیندہ بھی ہونے کا اندیشہ ہے۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ قاتل آج رات کوئی شکار کرنے کے لیے باہر آئے۔ میں اُسے روکنا چاہتا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ میں اُسے نہیں جانتا تھا لیکن نہ جاننے کے باوجود اُسے روکنے کی تدبیر کرنا ضروری تھا۔

میں سگریٹ کے کش پر کش لگاتا اور سوچتا رہا۔ مجھے کوئی ایسی چال چلنا تھی جس سے قاتل کو یہ پتہ چل جاتا کہ اس کے پیچھے جاسوس چھوڑے گئے ہیں۔ میں بہت دیر تک اس مسئلے پر غور کرتا رہا لیکن ایسی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی۔ قاتل کا کچھ نام نشان یا پتہ ٹھکانہ معلوم ہوتا تو شاید کوئی تدبیر کارگر ہوتی۔

دوسرا سگریٹ سُلگا کر سوچتے وقت یہ بات سمجھ میں آئی کہ مجھے اپنی طرف سے ہنگامے شروع کر دینا چاہیے۔ ہنگامے ہوں گے تو تمام جاسوس ہنگاموں کی طرف متوجہ رہیں گے اور قاتل کی تلاش ختم ہو جائے گی۔ جاسوس میری طرف سے برپا کیے ہوئے ہنگاموں میں اُلجھ کر رہ جائیں گے۔

میں اب سوچنے لگا کہ ہنگامہ کرنے کے لیے پہلے کیسے ٹریپ کیا جائے۔ چیئرمین کے علاوہ اور چار ٹھیکیدار ایسے تھے جن کے دماغوں تک میں آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ مجھے اُن کے لب و لہجے اچھی طرح یاد تھے لیکن اِس وقت رات کے دس بجنے والے تھے اور اسٹور اور ہوٹل بند ہونے والے تھے۔ میں ایسا ہنگامہ کرنا چاہتا تھا کہ چشمِ زدن میں اُس کی خبر دُور دُور تک پھیل جائے۔

یہ سوچ کر مجھے وہ ہوٹل والا یاد آیا جہاں ہم نے رات کا کھانا کھایا تھا۔ وہ ایک مسلح گارڈ سے کہہ رہا تھا: "جلدی چائے ختم کرو میں ہوٹل بند کرنے والا ہوں۔"

گارڈ نے چائے پیتے ہوئے کہا: "تم کھڑکیاں اور دروازے بند کرتے رہو اُس وقت تک میری چائے کی پیالی خالی ہو جائے گی۔"

ہوٹل والا اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑکیوں کو بند کرنے لگا۔ پھر اُس نے ہوٹل کے تین دروازے بند کیے۔ چوتھا اور آخری دروازہ بند کرنے کے لیے رہ گیا تھا کہ اسی وقت میں گارڈ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ گارڈ نے پلٹ کر ہوٹل والے کی طرف دیکھا اور کہا: "میں تم سے ایک بہت ہی ضروری اور پرائیویٹ بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس آخری دروازے کو بھی بند کر دو۔"

اُس نے دروازہ بند کرنے کے بجائے سوال کیا: "آخر ایسی کون سی ضروری بات مجھ سے کرنا چاہتے ہو؟"

گارڈ نے یا دوسرے لفظوں میں مَیں نے اُس کی زبان سے دھیمی آواز میں کہا: "میں اس قاتل کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک شخص پر شبہ ہے۔ تم جلدی سے دروازہ بند کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی سُن لے۔ میں تم سے ضروری مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔"

قاتل کا مسئلہ ایسا تھا جو دہشت بھی پیدا کرتا تھا اور اُس کے ذکر سے دلچسپی بھی بڑھ جاتی تھی۔ ہوٹل والے کی دلچسپی بڑھ گئی۔ اُس نے آخری دروازہ بھی اندر سے بند کر دیا۔ اُسی وقت گارڈ نے اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اُس کا نشانہ لیتے ہوئے کہا: "بس اب دروازے سے ہٹ جاؤ اور جیسا میں کہتا ہوں ویسا ہی کرو۔"

ہوٹل والا اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بے چینی سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے پوچھا: "تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ مجھے ریوالور دکھا کر دھمکی کیوں دے رہے ہو؟ میں شور مچا کر تمھیں گرفتار کرا سکتا ہوں۔"

"اگر شور مچاؤ گے تو میں تمھیں فوراً ہی گولی مار دوں گا۔ میں رحم کھانا نہیں جانتا۔ لہٰذا میرے حکم پر بلا چون و چرا عمل کرو۔ یہاں کچن سے مٹی کے تیل کے کنستر لاؤ اور تمام تیل چاروں طرف ہوٹل کی دیواروں پر چھڑک دو۔"

ہوٹل والے پر وحشت طاری ہوگئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن گارڈ نے سختی سے کہا "میں کوئی بکواس نہیں سنوں گا۔ اگر تم نے دیر کی تو میں گولی چلا دوں گا۔ میں تین تک گن رہا ہوں۔ ایک... دو...."

تین کہنے سے پہلے ہی ہوٹل والا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کچن کی طرف جانے لگا۔ گارڈ بھی اُس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ ہوٹل والے نے اُس کے حکم پر مٹی کے تیل کا کنستر اٹھایا اور لکڑی کی دیواروں پر تیل چھڑکنے لگا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں۔ وہاں زیادہ تر مکانات ہوٹل اور دکانیں لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں تیل چاروں طرف چھڑک دیا گیا۔ ہوٹل والے نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "تم... تم یہاں کے محافظ ہو پھر ایسی حرکتیں کیوں کر رہے ہو؟"

گارڈ نے کہا "میں یہاں آگ لگانا چاہتا ہوں اور سارے جزیرے کو یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ ہنگامے کیسے جنم لیتے ہیں اور یہاں کے جاسوس مجھ جیسے شخص تک پہنچنے میں کس طرح ناکام رہتے ہیں۔ چلو، اب ماچس کی تیلی جلا کر ان دیواروں کی طرف پھینکو۔"

وہ خوف سے لرز کر بولا "ن... نہیں، اس طرح تو ہم بھی اِس ہوٹل کے اندر ہی جل کر مر جائیں گے۔"

"نہیں، جیسے ہی آگ لگے گی میں تمھیں اجازت دے دوں گا کہ تم دروازہ کھول کر باہر بھاگ جاؤ۔ چلو میرے حکم کی تعمیل کرو۔ دیر نہ کرو۔"

اُس نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور ماچس کی تیلی جلا کر دیوار کی طرف اچھال دی۔ تیلی گرتے ہی فوراً آگ بھڑک اٹھی اور وہ آگ تمام جگہ پھیلنے لگی۔ ہوٹل والا بھاگ کر دروازے کی طرف جانا چاہتا تھا اسی وقت گارڈ نے اُسے گولی مار دی۔ وہ بھاگتے بھاگتے لڑکھڑا کر گرا۔ پھر زمین سے اٹھ نہ سکا۔ اِس کے بعد اب وہ گارڈ ہی رہ گیا تھا۔ میں اُسے بھی اس ہوٹل سے باہر جانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا لہٰذا میں نے اُس کے ہاتھ سے ریوالور کی نال کو اُس کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ دوسرے ہی لمحے گولی چلی اور میں اُس کے دماغ سے نکل کر واپس اپنی خواب گاہ میں حاضر ہوگیا۔

دو چار منٹ کے بعد ہی باہر شور سنائی دیا "آگ لگ گئی ہے اور ایک ہوٹل سے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔" پھر پندرہ منٹ کے بعد یہ خبر عام ہوئی کہ ہوٹل میں دوبارہ گولیاں چلنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ اب فائر بریگیڈ کا عملہ آگ بجھانے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ پورے جزیرے میں ٹیلیفون کھڑکھڑائے جا رہے تھے۔ یہاں سے وہاں تک اطلاعات پہنچائی جا رہی تھیں۔ رپورٹیں دی جا رہی تھیں۔ ہر ٹھیکیدار ایک دوسرے سے فون پر صورتِ حال کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور سبھی حیران و پریشان تھے کہ آج اس جزیرے میں یہ کیا ہو رہا ہے۔

میں نے پھر خیال خوانی کی پرواز شروع کی۔ اس میں ایک ٹھیکیدار کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ٹیلیفون پر باتیں کرنے کے بعد ریسیور رکھ رہا تھا۔ میں نے اُس کی سوچ میں کہا "یہ مسلح گارڈ ہماری حفاظت کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں خود اپنے پاس ریوالور وغیرہ رکھنا چاہیے تاکہ خطرے کے وقت دشمن سے مقابلہ کیا جا سکے۔"

میری اس سوچ کے ذریعے وہ قائل ہوگیا اور جلدی سے الماری کے قریب جا کر اُسے کھولا اور اُس کی دراز سے ایک ریوالور نکال لیا۔

اچانک میں نے سوچا کہ اس ٹھیکیدار کو اپنا ریوالور استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ قتل کا کیس بنانے کے لیے کوئی دوسری تدبیر پر عمل کرنا چاہیے۔ لہٰذا میں پھر اُس کے دماغ پر قابض ہوگیا۔ اُس نے ریوالور واپس دراز میں رکھ کر اُس کو بند کیا اور واپس آگیا۔ اب وہ میری مرضی کے مطابق کاٹیج کے پچھلے حصّے کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں دو مسلح گارڈ ڈیوٹی دے رہے تھے۔ اُن سب کو اب تک پتہ نہیں کہیں لگ رہا تھا کے ہوسٹل کی طرف سے خطرہ تھا اِس لیے مسلح گارڈ پچھلے حصّے کی طرف ہی زیادہ پہرہ دیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی کاٹیج کے سامنے چلے آتے تھے۔

وہ کاٹیج کے پیچھے برآمدے میں پہنچ گیا۔ پھر اُس نے ایک مسلح گارڈ کو بلا کر کہا "ذرا تم اپنا ریوالور مجھے دکھاؤ۔"

گارڈ نے اُس کے حکم کی تعمیل کی اور ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ ٹھیکیدار نے ریوالور ہاتھ میں لینے کے بعد اُس سے کہا "اب تم جاؤ اور اپنے ساتھی کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔"

اُس نے تعجب سے ٹھیکیدار کی طرف دیکھا لیکن کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کیونکہ تمام ٹھیکیدار وہاں بگ باس کہلاتے تھے اور ہر ایک کو اُن کے حکم کی تعمیل کرنا پڑتی تھی۔ گارڈ اپنا ریوالور دینے کے بعد اپنے ساتھی کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا۔ تب ٹھیکیدار نے کہا "اب ہم ایک کھیل کھیلیں گے۔ ایسا کھیل جس سے یہ ثابت ہو کہ یہاں کوئی قاتل آیا تھا۔ اُس نے پہلے ایک گارڈ کو ہلاک کیا۔ اس گارڈ کو جس کا ریوالور

میرے ہاتھ میں ہے۔ پھر میں اس ریوالور سے اس گارڈ کو شوٹ کروں گا جس کے پاس اپنا ریوالور موجود ہے لیکن اس طرح کہ ٹھیک اُسی وقت وہ گارڈ بھی اپنے ریوالور سے میرا نشانہ لے گا اور مجھے ہلاک کردے گا۔ اس طرح دو گارڈ کے دو پستولوں سے ہم تین آدمی مریں گے اور اس طرح مریں گے کہ ہماری موت پر کسی قاتل کا شبہ ہوگا۔"

یہ کہہ کر ٹھیکیدار نے اس گارڈ پر گولی چلا دی جس کا ریوالور اس نے لیا تھا۔ نہتا گارڈ گولی کھا کر گر پڑا۔ دوسرے مسلح گارڈ نے فوراً ہی اپنا ریوالور نکال کر دھمکی دیتے ہوئے کہا "جناب یہ کیا حرکت ہے؟ آپ نے میرے ساتھی کو قتل کیا ہے۔"

ٹھیکیدار نے کہا "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہم موت کا کھیل کھیلیں گے۔ اب اگر تم اپنی زندگی چاہتے تو فوراً مجھے گولی مار دو ورنہ میں تمھیں تو گولی مار ہی رہا ہوں۔"

چند لمحوں کے لیے وہ ہچکچایا۔ پھر اُس نے کہا "دیکھیے آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں جسے عقل تسلیم نہیں کرتی۔ آپ ایک ہوش مند انسان ہیں اور ہم آپ کے حکم پر عمل کرنے والے بندے ہیں۔ خواہ مخواہ آپ ایسی حرکت نہ کریں اور ریوالور پھینک دیں۔"

ٹھیکیدار نے کہا "میں تین تک گنتا ہوں۔ پھر تم... مجھے گولی مارو یا نہ مارو میں تمھیں شوٹ کر دوں گا۔ ایک... دو...."

اُس کے تین کہنے سے پہلے ہی گارڈ نے اپنے تحفظ اور سلامتی کے لیے گولی چلا دی۔ گولی ٹھیکیدار کو لگی۔ اسی وقت ٹھیکیدار کے ریوالور سے بھی فائر ہوا اور گارڈ بھی لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔ میں ٹھیکیدار کے دماغ سے واپس آگیا۔ کیونکہ جہاں کچھ دیر پہلے میں تھا وہاں اب تین لاشیں تھیں۔ کسی کا دماغ اس قابل نہیں تھا کہ میں وہاں اپنے لیے جگہ بنا سکتا۔

چونکہ ٹھیکیداروں کے کاٹیج ایک دوسرے سے زیادہ دُور نہیں تھے اِس لیے تین بار گولیاں چلنے کی آواز تمام ٹھیکیداروں تک پہنچی تھی اور ایک بار پھر ہلچل مچ گئی۔ ابھی ہوٹل سے اٹھنے والے شعلے بجھنے بھی نہیں پائے تھے کہ اُدھر فائرنگ کی آواز نے بتا دیا کہ نیا ہنگامہ اور نیا مقتل کدھر ہے۔

اب کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ کوئی اپنے کاٹیج سے نکل کر کسی کی خیریت دریافت کرتا۔ تھوڑی دیر بعد ایک مسلح گارڈ نے آکر دوسرے کاٹیج کے ٹھیکیدار کو اطلاع دی کہ تین ٹھیکیداروں کی موت کے بعد اب چوتھے ٹھیکیدار کی لاش بھی اُس کے کاٹیج کے پچھلے حصّے میں پڑی ہوئی ہے اور اس کے دونوں مسلح گارڈز بھی مردہ پائے گئے ہیں۔

یہ خبر ملتے ہی ٹیلیفون کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ سب کو اطلاع دی جانے لگی کہ ایک بار پھر قاتل حرکت میں آگیا ہے اور ٹھیکیدار نمبر چار بھی مارا گیا ہے۔ چونکہ خطرہ بڑھتا جا رہا ہے اِس لیے تمام ٹھیکیداروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے کاٹیج کی کھڑکیوں اور دروازوں کو اندر سے اچھی طرح بند کرلیں اور صبح تک باہر نہ نکلیں خواہ کوئی بھی اُن کے دروازے پر دستک دینے آئے۔

ناصر پاشا نے میرے دروازے پر دستک دی۔ میں نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ وہ بہت پریشان اور گھبرایا ہوا سا نظر آرہا تھا۔ اُس نے میری خواب گاہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا "طارق پتہ نہیں اس جزیرے میں آج کیا ہو رہا ہے ابھی ابھی چوتھا ٹھیکیدار بھی مارا گیا ہے اور تعجب کی بات ہے کہ قاتل کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔"

میں نے کہا "قاتل کا پتہ چلنا بہت مشکل ہے۔ وہ بہت چالاک معلوم ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے سُنا تھا کہ کسی ہوٹل میں آگ لگ گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل نے پہلے اس ہوٹل میں آگ لگائی۔ لوگوں کی توجہ اُدھر کی اِدھر آکر چوتھے ٹھیکیدار کو قتل کر دیا اور تم لوگوں کے وہ جاسوس بیوقوف بن کر رہ گئے۔"

"تم درست کہتے ہو قاتل بڑی چالاکی سے چالیں چل رہا ہے اور ایک ایک کو چن چن کر قتل کر رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔ اتنا تو پتہ چل گیا کہ وہ ٹھیکیداروں کا دشمن ہے اور ہمیں قتل کرنے کے لیے اُسے مجبوراً مسلح گارڈ وغیرہ کو بھی قتل کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر راستہ صاف ہو تو وہ صرف ہمیں مارنے پر اکتفا کرے گا اور اپنا نامعلوم مقصد پورا کرے گا۔"

میں نے زیرِ لب مسکرا کر پوچھا "کیا تم ابھی شراب سے دل بہلا رہے تھے؟"

وہ مزید پریشان ہو کر بولا "لعنت ہے شراب پر۔ میرا نشہ ہرن ہوگیا ہے۔ مجھے اپنی بھی فکر ہے۔ جب وہ قاتل تمام ٹھیکیداروں کا دشمن ہے تو پھر میرا بھی دشمن ہوگا۔ وہ مجھے بھی نشانہ بنائے گا۔ پتہ نہیں وہ کب اور کس وقت یہاں آجائے۔

میں نے اُسے تسلّی دی "گھبراؤ نہیں۔ کھڑکیاں اور دروازے اندر سے بند کرلو۔ کوئی آئے گا تو پہلے میں اُس سے بات کروں گا۔ تم آگے نہ بڑھنا میں خود ہی اُس سے نمٹ

کون گا۔"

"طارق مجھے اپنی زندگی سے بہت پیار ہے اس لیے میں مرنے سے ڈرتا ہوں۔"

"مرنے سے سبھی ڈرتے ہیں۔ سبھی کو اپنی زندگی سے پیار ہوتا ہے۔ تمھارے چیئرمین اور یہاں کے دوسرے کرتا دھرتا لوگوں نے یہ جو کرفیو نافذ کیا ہے اور پہرہ سخت کر دیا ہے۔ اس کی وجہ سے قاتل دوسرے طریقے سے ہنگامے کرتے ہوئے اپنا مقصد پورا کر رہا ہے۔ اگر آزادی دے دی جائے اور سب لوگ آزادانہ طور پر چلتے پھرتے رہیں ایک دوسرے سے ملتے رہیں تو شاید کہیں قاتل غلطی کرے اور پکڑ لیا جائے ورنہ تم دیکھتے رہنا کہ وہ پھر کوئی نیا ہنگامہ برپا کرے گا۔"

میری بات ختم ہوتے ہی پوری بھی ہوگئی۔ باہر پھر شاید کوئی نیا ہنگامہ شروع ہو گیا تھا۔ شور سنائی دے رہا تھا۔

❦

اس بار بہت سی عورتوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔ ہم دوڑتے ہوئے کاٹج کے پچھلے حصّے کی طرف آتے۔ کیونکہ آواز پچھلے حصّے یعنی ہوسٹل کی طرف سے آ رہی تھی۔ ناصر پاشا نے کہا۔ "دیکھو ہوشیار رہنا۔ دروازہ نہ کھولنا۔ پتہ نہیں کوئی بلا ہم سے لپٹ جائے۔"

میں نے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ ہمیں یہ تو دیکھنا ہی ہوگا کہ آخر یہ ہنگامہ یہ شور و غل کیسا ہے۔"

میں کاٹج کے پچھلے حصّے کی طرف پہنچ کر دروازہ کھولنا چاہتا تھا۔ ناصر پاشا نے مجھے روکتے ہوئے کہا۔ "ٹھیرو۔ تم نے درست کہا تھا کہ پھر کوئی زبردست ہنگامہ شروع ہوگا اور یہ ہو چکا ہے۔ تم کیوں نہیں سمجھتے کہ باہر ہماری زندگیوں کو خطرہ ہے۔ ہمیں اس طرح بے دھڑک باہر نہیں نکلنا چاہیے۔"

"اب تک یہی دیکھنے میں آیا ہے قاتل کا نشانہ صرف ٹھیکیدار ہیں۔ اس طرح میری نہیں صرف تمھاری زندگی کو خطرہ ہے۔ ایسا کرو کہ میں دروازہ کھول کر باہر جاتا ہوں تم اسے اندر سے بند کر لو۔ جب میں آواز دوں تو دروازہ کھول دینا۔"

میرے سمجھانے پر وہ راضی ہو گیا۔ میں دروازہ کھول کر باہر آیا تو اس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اس کی یہ حرکت بتا رہی تھی کہ اس کی طرح دوسرے ٹھیکیدار بھی کس طرح سہمے ہوئے ہوں گے۔ کچھ اس قاتل نے اور کچھ میں نے آج ایسی دہشت پھیلا دی تھی کہ یہ جزیرہ انھیں اب خوشبو کا جزیرہ نہیں بلکہ موت کا جزیرہ نظر آ رہا تھا۔

میں نے باہر نکل کر دیکھا۔ کاٹج کے پیچھے جہاں ہوسٹل کے طور پر استعمال ہونے والے بہت سے کاٹج بنے ہوئے تھے ان میں سے بہت سے کاٹج میں آگ لگی ہوئی تھی۔ شعلے بلند ہو رہے تھے۔ رات کی تاریکی روشنی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دُور دُور تک بڑے بڑے الاؤ روشن ہو گئے ہوں۔ اس روشنی میں ساری لڑکیاں دہشت زدہ ہو کر چیختے ہوئے بھاگی چلی آ رہی تھیں۔ ان سب کا رُخ ہمارے ہی کاٹجوں کی طرف تھا۔ چونکہ ٹھیکیداروں کے کاٹج ہی قریب تھے اس لیے ساری لڑکیاں اسی طرف پناہ لینے آ رہی تھیں۔

ناصر پاشا کے کاٹج کے پیچھے بھی دو مسلح گارڈ پہرہ دے رہے تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا۔ "یہ آگ کیسے لگ گئی کچھ پتہ چلا؟"

دونوں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں جناب! یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ پہلے ہوٹل میں آگ لگی اب اِدھر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ ساری لڑکیاں پناہ لینے کے لیے اِدھر آ رہی ہیں۔ ہم انھیں روک بھی نہیں سکتے۔"

اتنی دیر میں چار دیواری کے مین گیٹ سے باہر بہت سی لڑکیاں جمع ہو چکی تھیں اور بہت سی ابھی بھاگی آ رہی تھیں۔ وہ سب مختلف کاٹجوں کی طرف جا رہی تھیں اور ان کاٹجوں کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں۔ مسلح گارڈ انھیں روک رہے تھے اور کاٹجوں میں رہنے والے ٹھیکیدار اندر سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ "دروازہ کھولتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ لڑکیاں زور زور سے چیخ رہی تھیں۔ "ہمارا تحفظ کیا جائے۔"

میں اُن میں سے ایک ایک لڑکی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُن میں ایک پاکستانی لڑکی بھی تھی۔ اُس کی شلوار اور قمیص دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ وہ میرے ملک سے تعلق ... رکھتی ہے۔

میں نے کہا۔ "میں اس جزیرے میں اجنبی ہوں۔ یہاں جو لوگ حفاظت کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ وہ یقیناً تم لوگوں کی حفاظت کریں گے۔ ویسے کیا ساری لڑکیاں صحیح سلامت آ گئیں یا ابھی آگ کے پاس کچھ رہ گئی ہیں؟"

ایک لڑکی نے تنک کر جواب دیا۔ "کوئی وہاں جل رہی ہو تو ہم نہیں جانتے۔ ہم نے بھاگتے وقت پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔"

میں نے پوچھا۔ "آگ کیسے لگ گئی۔"

ایک لڑکی نے ذرا تیزی اور طراری سے جواب دیا۔

"یہ آگ ہم نے نہیں لگائی تھی۔ کوئی جان بوجھ کر اپنے گھر میں آگ نہیں لگاتا۔ یہ اچانک اتفاقاً ہی لگ جایا کرتی ہے۔ تم یہ اُلٹے سیدھے سوال کیوں کر رہے ہو؟"

میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "دراصل میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ مجھے اس وقت کیا کرنا چاہیے اس لیے میں ایسے سوال و جواب کے ذریعے وقت گزار رہا ہوں۔"

ایک لڑکی نے کہا۔ "تمھاری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے تو ہماری عقل سے کام لو۔ ان کاٹجوں کے دروازے کھلواؤ تاکہ ہم یہاں آرام سے بیٹھ سکیں اور اپنے ہوش و حواس درست کر سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم گھبراہٹ اور جنون میں تمھارا منہ نوچ لیں۔"

یہ بات پاکستانی لڑکی نے کہی تھی۔ میں نے اُس سے اردو زبان میں کہا۔ "بی بی! میں مجبور ہوں۔ یہاں کے دروازے نہیں کھلوا سکتا۔ کیونکہ سارے ہی ممالک کے ٹھیکیدار سہمے ہوئے اندر کمروں میں بند ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔"

لڑکی نے کہا۔ "اے تم تو اردو بول رہے ہو۔ اگر میرے ہی ملک کے رہنے والے ہو تو میں تمھیں بھائی نہیں کہہ سکتی۔ تمھیں بے غیرت کہہ سکتی ہوں۔ کیونکہ تم جیسے بے غیرتوں نے ہی یہاں اپنی بہنوں کی تجارت کا سامان کیا ہے۔"

میں بوکھلا گیا۔ اپنی صفائی میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اندیشہ ناصر پاشا کے سن لینے کا اندیشہ تھا۔ دوسری بات یہ کہ وہاں مسلح گارڈز بھی موجود تھے۔ پھر میں اتنی ساری لڑکیوں کی موجودگی میں ایک پاکستانی لڑکی کو یہ نہیں سمجھا سکتا تھا کہ میں ان بے غیرت تاجروں کا ساتھی نہیں ہوں۔ بہرحال مجھے اس وقت اُس کی زبان سے گالی سن کر برداشت کرنا پڑا۔

اُن میں سے ایک لڑکی نے پوچھا۔ "یہ تم دونوں اپنی زبان میں کیا باتیں کر رہے ہو؟"

پاکستانی لڑکی نے انھیں بتایا کہ میں اُسے کیا کہہ رہا ہوں یعنی یہ کہ تمام ممالک کے ٹھیکیدار اپنے اپنے کاٹج میں سہمے ہوئے بیٹھے ہیں اور اس وقت دروازہ کھولنا نہیں چاہتے۔

ایک اور لڑکی نے کہا۔ "لعنت ہے ایسی مردانگی پر۔ لڑکیاں بھٹک رہی ہیں اور ان لوگوں کو اس انجانے قاتل سے خوف محسوس ہو رہا ہے اور وہ اتنے دہشت زدہ ہیں کہ اپنے اپنے گھروں سے نکلنا بھی نہیں چاہتے۔ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ وہ عورت بن جاتے۔"

اتنے میں لاؤڈ اسپیکر سے آواز سنائی دی۔ وہاں کی پولیس یا مسلح گارڈ کا سب سے بڑا آفیسر تمام لڑکیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میں لڑکیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ حوصلہ رکھیں اور چیخ پکار سے باز آ جائیں انھیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ اس وقت بورڈ کے ممبروں کے مکانوں سے دُور سامنے والے میدان میں آ جائیں۔ کیونکہ بورڈ کے ممبروں کو پریشان کرنا دانشمندی نہیں ہے۔ ہم ان کی اور دوسری تمام لڑکیوں کی حفاظت کے ذمّہ دار ہیں اور ہم یہ یقین دلاتے ہیں کہ کوئی قاتل لڑکیوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا جب تک کہ میں زندہ ہوں آنک ...."

آنک کے لفظ کے ساتھ ہی اُس کی آواز بند ہو گئی۔ ایسے لگا جیسے اچانک ہی اُس کی زبان کو بریک لگ گیا ہو یا زبردستی کسی نے اُس کا گلا دبا دیا ہو اور وہ بولتے بولتے رُک گیا ہو۔ میں چونکہ اُس کی آواز کو توجہ سے سُن رہا تھا اِس لیے فوراً ہی اُس کے دماغ میں پہنچنا چاہا لیکن اُس کے لب و لہجے کو اپنی گرفت میں لینے کے باوجود اُس کے دماغ تک نہ پہنچ سکا۔ پتہ چلا کہ وہ بولتے بولتے مر چکا ہے۔

بڑی حیرانی کی بات تھی کہ اس بھیڑ میں کسی نے اُسے ہلاک کر دیا تھا۔ وہ جو ابھی دعویٰ کر رہا تھا کہ جب تک وہ زندہ ہے کوئی قاتل کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔ قاتل نے اسی کو شکار کیا تھا۔ آخر وہ قاتل کون تھا؟

لاؤڈ اسپیکر پر بولنے والے آفیسر کو کس طرح ہلاک کیا گیا تھا۔ یہ میں اِس جگہ سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مرنے والا مجھ سے دُور تھا اور ہمارے درمیان کئی کاٹج حائل تھے۔ رات کا وقت بھی تھا۔ دُور تک نظر نہیں جاتی تھی۔ حالانکہ کاٹج کے ہوسٹل سے اُٹھنے والے شعلے دُور دُور تک روشنی پھیلا رہے تھے۔ یقیناً اب وہاں اس قاتل کی تلاش شروع ہو چکی ہوگی۔

ایک آفیسر کے اچانک ہلاک ہو جانے پر پھر شور مچ گیا تھا۔ زیادہ تر لڑکیاں چیخ رہی تھیں۔ کچھ لوگ دوسروں کو خاموش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک طرف سے فائر بریگیڈ کی گاڑی شور مچاتی ہوئی گزر رہی تھی۔ عجیب ہنگامہ اور افراتفری پھیل گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے جزیرے میں قیامت آ گئی ہو اور کسی کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ اِس قیامت کو کیسے روکا جائے۔ کس طرح ان لڑکیوں کے ہجوم پر قابو پایا جائے اور دِلوں پر جو ایک نامعلوم قاتل کی دہشت بیٹھ گئی ہے اِسے کس طرح دُور کیا جائے۔

میں اُس جگہ جانا چاہتا تھا جہاں ابھی وہ آفیسر قتل ہوا تھا۔ قاتل یقیناً اس بھیڑ میں موجود ہوگا۔ میں اُسے ایک نظر دیکھنے کا متمنی تھا۔ اِس وقت میری شدید خواہش یہی

تھی کہ کسی طرح اس قاتل سے شناسائی پیدا ہو جائے لیکن میں ناصر پاشا کے کاٹج سے دُور نہیں جا سکتا تھا کیونکہ میں یہاں اجنبی تھا اور جب یہاں کے قابلِ اعتماد لوگ شک و شبہے سے محفوظ نہیں رہے تھے تو مجھ پر شبہ کیا جانا کوئی غیر معمولی بات نہ ہوتی اور میرے مخالف یہاں ایسے بہت لوگ تھے جو مجھ پر الزام لگانے سے باز نہ آتے۔ یہی سوچ کر میں نے صبر کر لیا۔

گیارہ بجے تک آگ پر قابو پا لیا گیا۔ لڑکیوں کے جو ہوسٹل تھے وہ کاٹج کی صورت میں الگ الگ۔۔۔۔ تھے ہر کاٹج میں پانچ چھ کمرے ہوا کرتے تھے۔ ہر کمرے میں ایک لڑکی رہا کرتی تھی۔ پتہ چلا کہ سات کاٹجوں میں آگ لگی تھی جو بجھا دی گئی۔ اب ان لڑکیوں کی رہائش کا مسئلہ تھا جو ان سات کاٹجوں میں رہتی تھیں۔ اُن کے لیے تربیت گاہوں میں رات گزارنے کا بندوبست کیا گیا۔ ان لڑکیوں کو سمجھانے بجھانے اور قابو میں رکھنے کی کوشش میں آدھی رات گزر گئی۔

میں نے دروازے پر دستک دے کر ناصر پاشا کو آواز دی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے دروازہ کھول دیا۔ میں نے اندر جا کر دروازہ بند کر دیا۔ ناصر پاشا نے بتایا کہ وہ ابھی ٹیلیفون پر چیئرمین سے بات کر رہا تھا۔ بڑی پریشان کُن خبر ہے۔ جب سے ہوسٹل میں آگ لگی ہے اس وقت سے اب تک اس ہنگامے کے دوران دو قتل اور ہو چکے ہیں۔

میں نے تعجب سے پوچھا "دو قتل؟"

تعجب اس بات کا تھا کہ میں صرف ایک پولیس آفیسر کے قتل کے متعلق معلوم کر سکا تھا اور وہ بھی ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے پتہ چلا تھا۔ ورنہ میں نے اپنی آنکھوں سے اُسے ہلاک ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ اِس لیے میں نے اُس کا ذکر ناصر پاشا کے سامنے نہیں کیا کہ میں کسی ایک قتل کے متعلق جانتا ہوں۔ اُس نے کہا۔ "ہاں پہلا قتل ایک پولیس آفیسر کا ہوا ہے اور دوسرا قتل ایک ٹھیکیدار کا ہوا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ قاتل کتنا چالاک کتنا پھرتیلا ہے کہ ذرا سے ہنگاموں کا بہانہ کر کے اپنا کام کر گزرتا ہے اور ہم اُسے اب تک پکڑنے میں ناکام رہے ہیں۔"

میں نے پوچھا "یہ تو معلوم ہوا ہو گا کہ دونوں قتل کیسے ہوئے؟"

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "ہاں میں ٹیلیفون پر یہی معلومات حاصل کر رہا تھا مجھے بتایا گیا ہے کہ پولیس آفیسر کو زہریلی سوئی سے ہلاک کیا گیا ہے وہاں بہت سی لڑکیوں کی بھیڑ تھی۔ جہاں وہ پولیس آفیسر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اعلان کر رہا تھا اور لڑکیوں کو سمجھا رہا تھا کہ انھیں خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ اُن کی حفاظت کی جا رہی ہے۔ اس بھیڑ میں سے کسی نے وہ زہریلی سوئی اس کی طرف پھونکی تھی جو نشانے پر بیٹھی۔"

"کیا کسی نے سوئی پھینکنے والے کو نہیں دیکھا؟"

"رات کا وقت ہے۔ کہیں اُجالا ہے۔ کہیں اندھیرا ہے جہاں جہاں شعلوں کی روشنی پہنچتی ہے وہاں کچھ نظر آتا ہے ورنہ قاتل نے تاریکی سے فائدہ اُٹھایا ہے۔"

میں نے پھر پوچھا "تم نے کہا ہے کہ پولیس آفیسر کے آس پاس لڑکیوں کی بھیڑ تھی اور وہ لاؤڈ اسپیکر پر بول رہا تھا کیا وہاں صرف لڑکیاں تھیں۔ مرد نہیں تھے؟"

"یقیناً مرد بھی ہوں گے اور خصوصاً مسلح باڈی گارڈ تو وہاں ضرور موجود ہوں گے۔ اِس لیے یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ لڑکیوں کی طرف سے سوئی پھونکی گئی تھی یا مردوں کی طرف سے۔"

"کوئی لڑکی اتنی تیز اور طرار نہیں ہو سکتی کہ وہ سوئی پھونکنے کا طریقہ بھی جانتی ہو اور اس بھیڑ میں بڑی چالاکی اور پھرتی سے اپنا کام کر جاتی ہو۔ یہ کسی مرد کا ہی کام معلوم ہوتا ہے۔"

ناصر پاشا نے تائید میں سر ہلا کر کہا "ہاں کوئی لڑکی ہوسٹل کے سات کاٹجوں میں بیک وقت آگ نہیں لگا سکتی۔ جبکہ یہ کہ لڑکیوں پر سخت پہرہ تھا۔ اُن کی کڑی نگرانی کی جا رہی تھی۔ ہوٹل میں آگ لگانے سے پہلے جو قتل ہوئے اُن میں بھی کسی لڑکی کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک یا ایک سے زیادہ مرد ہیں جو چھپ چھپ کر قتل کر رہے ہیں۔"

میں نے پوچھا "وہ دوسرا قتل کیسے ہوا؟ وہ ٹھیکیدار کیسے مارا گیا۔ جبکہ سارے ٹھیکیدار اپنے اپنے کاٹجوں میں اندر سے بند ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔"

"بے شک سب نے اپنے اپنے کاٹج کے دروازوں کو اندر سے بند کر لیا تھا لیکن تین ٹھیکیدار ایسے ہیں جنھوں نے لڑکیوں کی آوازیں سن کر اُن کو مدد پہنچانے یا اُن کے کام آنے کے لیے اُن کی درخواست پر دروازے کھول دیے تھے وہ ٹھیکیدار جو ہلاک ہوا ہے اِس کے لیے بھی یہی سوچا جا سکتا ہے کہ اس نے کسی کے لیے دروازہ کھولا ہو گا تو لڑکی کے بجائے قاتل سے سامنا ہو گیا ہو گا۔"

"اُس کا قتل کیسے ہوا؟"

"اس ٹھیکیدار کے سینے میں دل کی جگہ ایک قینچی پیوست ہے۔ یہ قینچی لڑکیوں کے ہوسٹل میں پائی جا سکتی ہے کیونکہ لڑکیاں سینے پرونے کا کام بھی کرتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ قاتل ہوسٹل میں آگ لگنے کے دوران

وہاں سے وہ قینچی اٹھا لایا ہو گا۔ اُس کا پہلے سے یہ ارادہ ہو گا کہ کسی سے رو بہ رو مقابلہ ہو تو وہ چاقو کی جگہ قینچی کو استعمال کرے اور اُس نے اُسے استعمال کر لیا۔"

ناصر پاشا نے کہا "ہاں ہم اس پہلو سے بھی سوچ رہے تھے کہ قاتل نے اس ٹھیکیدار کو زہریلی سوئی سے ہلاک کیوں نہیں کیا۔ پھر یہ بات سمجھ میں آگئی کہ زہریلی سوئی کو اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب دُور سے حملہ کرنا ہو۔ جب رو بہ رو حملہ کرنا ہو تو چاقو یا اسی قسم کے دوسرے ہتھیار کام آتے ہیں۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے جہاں ٹیلیفون رکھا ہوا تھا اور جہاں ناصر پاشا بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا اس وقت بھی اُس نے اپنے لیے ایک پیگ بنایا۔ پھر اُسے اُٹھا کر منہ کے قریب لے جاتے ہوئے بولا "افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے پانچ ٹھیکیدار ایک ہی دن میں مارے گئے اور قاتل اب تک آزادی سے گھوم رہا ہے۔"

"تمہارے سیکیورٹی گارڈز کیا کر رہے ہیں؟"

"وہ لوگ آج دن سے ہی خاصے پریشان ہیں اور کافی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح قاتل پکڑا جائے۔ ہمارے جاسوس بھی چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ قاتل زیادہ دیر تک آزاد نہیں رہ سکے گا۔ انشاء اللہ کل صبح تک گرفتار ہو جائے گا۔"

میں نے دل ہی دل میں کہا "انشاء اللہ کبھی گرفتار نہیں ہو گا۔"

اُس نے چند گھونٹ پینے کے بعد کہا "پرسوں اس جزیرے میں فرانس کا ایک بہت بڑا لارڈ آنے والا ہے۔ وہ ارب پتی سرمایہ دار ہے۔ اسے ایشیائی حسن بہت زیادہ پسند ہے۔ اِس لیے پرسوں وہ یہاں آکر ایشیائی لڑکیوں کا انتخاب کرے گا اور اُن کا منہ مانگا معاوضہ دے کر انھیں یہاں سے لے جائے گا۔"

میں نے پوچھا "کیا دُنیا کے بڑے بڑے سرمایہ دار اس جزیرے میں خود آتے ہیں؟"

اُس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کبھی ہمیں آرڈر دیا جاتا ہے۔ ہم بڑے بڑے طلب گار سرمایہ داروں کے پاس حسین لڑکیوں کی تصویریں بھیجتے ہیں۔ جب وہ پسند کر لی جاتی ہیں تو ہم اُن کے مزاج کے مطابق لڑکیوں کو تربیت دیتے ہیں۔ اس میں دو تین ماہ کا وقت لگ جاتا ہے کہ ان لڑکیوں کو سب کچھ سکھا پڑھا دیا جائے۔ اس کے بعد انھیں ہم اُن سرمایہ داروں کے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ عیاش لوگ تفریح کی خاطر اس جزیرے میں آتے ہیں۔ بلو فلموں کی شوٹنگ بھی دیکھتے ہیں اور یہاں سے لڑکیاں پسند کر کے بھی لے جاتے ہیں۔ پرسوں اسی قماش کا ایک سرمایہ دار آنے والا ہے۔ اگر یہی ہنگامہ خیزی رہی تو پتہ نہیں پرسوں ہم اُس کے ساتھ کیسے سودے بازی کر سکیں گے۔"

میں نے جماہی لیتے ہوئے کہا "پرسوں بہت دور ہے۔ ابھی تو مجھے نیند آرہی ہے۔ تم شراب سے شغل کرتے رہو۔ میں جا کر سو رہا ہوں۔"

اُس نے کہا "میں تمھیں نہیں روکوں گا۔ کیونکہ صبح جلدی اُٹھنا ہے۔ کل صبح پھر آٹھ بجے بورڈ کی میٹنگ ہے۔ ہم یہاں سے ساڑھے سات بجے روانہ ہو جائیں گے۔"

میں اپنی خواب گاہ میں آکر دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد بستر پر آرام سے لیٹ گیا۔ اب مجھے ذاتی طور پر اس نتیجے پر پہنچنا تھا کہ قاتل کون ہے اور وہ کیوں قتل کر رہا ہے؟ میں تنہا یہ بات جانتا تھا کہ اصل قاتل بہت کم کارنامے انجام دے رہا ہے۔ زیادہ تر قتل میں نے کیے تھے اور ہنگامے بھی میں نے ہی برپا کیے تھے۔ صرف ہوسٹل میں آگ لگانے والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ سات کاٹجوں میں بیک وقت آگ کیسے لگ گئی۔ لیکن قاتل نے اسی وقت اپنا کام دکھایا جب لڑکیاں اپنے ہوسٹل سے باہر نکل آئی تھیں اور انھیں کوئی کنٹرول نہیں کر سکتا تھا۔ سب اِدھر اُدھر دوڑتی بھاگتی پھر رہی تھیں۔ ایسے ہی وقت کسی کو قتل کرنے کا موقع ملا تھا اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ قاتل کوئی لڑکی ہے اور اُس نے ہوسٹل میں اِسی لیے آگ لگائی تھی کہ تمام لڑکیاں جاگتی ہوئی ہوسٹل کے احاطے سے باہر نکلیں گی تو اُسے بھی اس بھیڑ میں اپنا کام دکھانے کا موقع مل جائے گا۔

اگر وہ کوئی لڑکی تھی تو میں اس لڑکی تک کسی دوسری لڑکی کے ذریعے پہنچ سکتا تھا۔ مجھے وہ پاکستانی لڑکی یاد آئی جس نے مجھے بے غیرت کہا تھا۔ میں اُس کے لب و لہجے کو یاد کرنے لگا۔ لڑکیوں کی بھیڑ میں رہنے کا یہی ایک طریقہ تھا کہ میں ایک کے دماغ سے دوسرے کے دماغ تک پہنچتا رہوں اور اس اہم لڑکی کو تلاش کرتا رہوں جس کی مجھے تلاش تھی۔

میں اس لڑکی کے دماغ میں پہنچ گیا اُس کا نام نور جہاں تھا بڑا ہی پرانا تاریخی نام تھا۔ بہرحال مجھے اُس کے نام سے کچھ نہیں لینا تھا۔ اُس سے اپنا کام نکالنا تھا۔ میں اُس کے دماغ سے پہلے تو یہ معلوم کرنے لگا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔

معلوم ہوا کہ ان تمام لڑکیوں کو بڑی بڑی تربیت گاہوں کے کاٹجوں میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اُن کے لیے بستر بچھائے جا رہے ہیں تاکہ وہ رات کسی طرح گزر جائے اور فرداً فرداً ہر لڑکی سے سوال کیا جا رہا ہے کہ کاٹج میں کس طرح آگ لگ گئی تھی۔

ساری لڑکیوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ بیشتر لڑکیوں نے کہا کہ آگ اچانک ہی لگ گئی ہوگی۔ جب اُن سے سوال کیا گیا کہ سات کاٹجوں میں بیک وقت آگ نہیں لگ سکتی تب انھوں نے خیال ظاہر کیا کہ اسی قاتل نے آگ لگائی ہوگی تاکہ ہم سب کو پریشان کرے اور اس پریشانی سے فائدہ اُٹھا کر کسی کو قتل کر سکے۔ پھر اُن سے سوال کیا گیا کہ قاتل کے متعلق اُن کا کیا خیال ہے؟ کتنی ہی لڑکیوں نے کہا کہ جتنے قتل ہو رہے ہیں اُن میں کوئی بھی عورت قتل نہیں کی گئی۔ اس سے ہمیں تو اطمینان ہے کہ قاتل عورتوں کا دشمن نہیں ہے۔ وہ خصوصاً ٹھیکیداروں کو قتل کرنا چاہتا ہے اور چونکہ مسلح گارڈز راستے میں حائل ہوتے ہیں۔ اِس لیے انھیں بھی قتل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے ورنہ اصل شکار یہ دوسرے ملکوں کے ٹھیکیدار ہی ہیں۔

میں نے اس لڑکی نورجہاں کے دماغ میں پہنچ کر اس کی سوچ میں کہا: "میرا خیال ہے کہ کوئی لڑکی ہی قتل کرتی پھر رہی ہے۔"

اُس کی سوچ نے کہا: "میں بھی یہی سمجھتی ہوں لیکن لڑکیوں کے ہوسٹل کے چاروں طرف سخت پہرہ تھا اس وقت بھی باہر قتل ہوتے رہے تو کوئی لڑکی بھلا کیسے قتل کر سکتی ہے؟"

میں نے اُس کی سوچ میں کہا: "ہو سکتا ہے کہ لڑکی کے علاوہ باہر مردوں میں بھی کوئی قاتل ہو لیکن مجھے کسی لڑکی کے متعلق سوچنا چاہیے۔ میں یہاں رہتی ہوں اگر کھوج لگاؤں تو اس لڑکی تک پہنچ سکتی ہوں۔"

کسی لڑکی کے متعلق کھوج لگانے اور سوچنے کی بات آئی تو نورجہاں نے ایک لڑکی کا تصور کیا۔ اس تصور کے ساتھ ہی نورجہاں کے جسم میں جھرجھری سی پیدا ہوگئی۔ وہ کچھ عجیب انداز میں گھبرا گئی تھی اور بے اختیار اُس کی سوچ نے کہا: "مرجانہ!"

مرجانہ ایک لڑکی کا نام تھا اور وہ اُن لڑکیوں کی بھیڑ میں رہتی تھی۔ وہ بھی پاکستان سے آئی تھی لیکن نورجہاں کے خیال کے مطابق اور مشاہدے کے مطابق بہت تیز اور طرار تھی اور ذہین بھی معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اُس کی سوچ میں سوال کیا: "میں مرجانہ کے نام سے گھبراتی کیوں ہوں؟"

اُس کی سوچ نے کہا: "کیوں نہ گھبراؤں مجھے تو اُس کے قریب جاتے ہوئے جھجک سی محسوس ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی دوشیزہ کے قریب نہیں بلکہ کسی مرد کے قریب پہنچ گئی ہوں۔"

اُس کی سوچ نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے پوچھا: "وہ لڑکی ہے، مرد کیسے محسوس ہوتی ہے؟"

وہ کچھ شرماتے ہوئے سوچنے لگی اُسے مرجانہ سے پہلی ملاقات یاد آ رہی تھی۔ وہ اور مرجانہ پاکستان کے ساحل سے ایک ہی لانچ میں سوار ہو کر اس جزیرے میں پہنچائی گئی تھیں۔ راستے میں ہی مرجانہ نے اُسے گہری نظروں سے دیکھ کر اپنی طرف بلایا تو نورجہاں کو کچھ عجیب سا لگا۔ وہ جھجکتے ہوئے اُس کے قریب گئی۔ مرجانہ نے اُس سے کہا: "کیا تم بھی بلیک میلنگ کے ذریعے یہاں لائی گئی ہو یا اپنی مرضی سے جا رہی ہو؟"

نورجہاں نے جواب دیا: "میں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہوں اور کبھی جان بوجھ کر گناہ کی دلدل میں نہیں جا سکتی۔ مجھ سے ایک حماقت ہوگئی کہ میں ایک جگہ خوشبو کا غسل کرنے گئی تھی۔ وہاں میں نے۔۔۔۔۔۔ خوشبو کی مالش کرائی۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ بدمعاشوں نے میری تصویریں اتار لی ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔ اگر ہمارے نصیب اچھے رہے تو تم واپس اپنے ملک اور اپنے گھر جاؤ گی۔"

یہ تسلی دیتے ہوئے مرجانہ نے نورجہاں کے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں میں سنبھالیا۔

تب نورجہاں کو احساس ہوا کہ جب اُس نے چہرے کو ہاتھوں سے تھاما تھا تو مرجانہ کی ہتھیلیاں اور انگلیاں اگرچہ عورتوں جیسی تھیں لیکن اُن میں فولاد کی سی سختی محسوس ہوئی۔ نورجہاں آپ ہی آپ جانے کیوں تھرتھرانے لگی تھی۔

میں نورجہاں کے دماغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی مرجانہ کے متعلق گزری ہوئی باتیں یاد کر رہی تھی اور میں اُس کی سوچ کے ذریعے سنتا جا رہا تھا میرے خیالوں میں مرجانہ ایک عجیب و غریب شخصیت کے ساتھ اُبھر رہی تھی۔ میں اُس کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ نورجہاں اُس سے دُور رہی تھی اس لیے کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو رہی تھیں۔

میں جلد از جلد مرجانہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اِس کے لیے میں نورجہاں کے دماغ پر قابض ہوگیا۔ اَب وہ اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اُس کی شرم و حیا سب کچھ میری مٹھی

میں تھی۔ میں نے اُسے اُس کی جگہ سے اُٹھا دیا اور اُسے مرجانہ کی تلاش میں اس کمرے سے باہر لے آیا۔ باہر بہت سے مسلح گارڈز اِدھر سے اُدھر گھوم رہے تھے۔ ایک نے اُسے للکار کر پوچھا: "کون ہو تم؟"

میں نے نورجہاں کی زبان سے کہا: "میرا نام نورجہاں ہے اور میں اپنے ملک کی ایک لڑکی مرجانہ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

مسلح گارڈ نے اُس سے کہا: "ابھی اپنے کمرے میں جاؤ۔ آفیسر دوسری لڑکیوں سے سوالات کر رہا ہے اور ایسے میں وہ کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرے گا۔ سختی سے حکم دیا گیا ہے کہ سب لڑکیاں اپنی اپنی جگہ رہیں تم اس سے کل صبح ملاقات کر سکتی ہو۔ اس سے پہلے اجازت نہیں مل سکتی۔"

میں نورجہاں کو اسی کے کمرے میں واپس لے آیا۔ کیونکہ مسلح گارڈز وغیرہ سے بحث کرنا فضول تھا۔ وہ اپنے قانون کے پابند تھے اور اس وقت سب لوگ اسی فکر میں تھے کہ سوال و جواب کے ذریعے کسی طرح قاتل تک پہنچ جائیں۔ اِس لیے سختی کی جا رہی تھی۔ اس وقت نورجہاں کو کبھی بھی اپنے کمرے سے باہر جانے کی اجازت نہ ملتی اس لیے میں۔۔۔ اُسے واپس وہاں پہنچا کر اپنے بیڈ روم میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔

میں نے گھڑی دیکھی۔ رات کے دو بجنے والے تھے کافی رات گزر چکی تھی۔ میرے لیے بھی سونا ضروری تھا کیونکہ صبح ہی اُٹھنا تھا۔ نادر پاشا کے ساتھ اُن کی ایک اہم میٹنگ میں شریک ہونا تھا۔ لہٰذا میں نے حسبِ معمول اپنے دماغ کو وہی ہدایات دیں جو ہر رات دیتا آیا ہوں۔ اِس کے بعد میں نے آرام سے آنکھیں بند کر لیں پھر تھوڑی دیر میں نیند کی گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

میں نے تین گھنٹے تک سونے کا ارادہ کیا تھا اِس لیے صبح پانچ بجے میری آنکھ کھل گئی۔ تین گھنٹے پورے ہو چکے تھے۔ میں آنکھ کھول کر اسی طرح بستر پر پڑا رہا میرے چاروں طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ جزیرے میں بھی سکون قائم ہو چکا ہے اور وہ قاتل جو ہنگامے کرتا پھر رہا تھا کہیں آرام سے سو رہا ہے۔

ویسے میں اَب بھی اِس خیال پر قائم تھا کہ قاتل کوئی لڑکی ہے اور نورجہاں کی سوچ پڑھنے کے بعد یہ خیال مستحکم ہو رہا تھا کہ وہ قاتل مرجانہ ہی ہو سکتی ہے۔ مرجانہ کی مردانہ خصوصیات نورجہاں کی سوچ کے ذریعے ظاہر ہوئی تھیں ان سے پتہ چلتا تھا کہ قدرت نے اُسے عورت بنایا ہے لیکن جسامت کے لحاظ سے اُس میں مردانہ پن ہے۔ اُس کے ہاتھ پاؤں مردانہ حسن رکھنے کے باوجود فولاد کی طرح سخت ہیں اور جب اس نے نورجہاں کو گرفت میں لیا تھا تو نورجہاں نے آنکھیں بند کر کے اُسے ایک مرد محسوس کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مرجانہ میں مردانگی بدرجہ اتم موجود ہے اور یہی مردانگی پچھلے دن سے ہنگامے برپا کرتی آ رہی ہے اور یہاں رہنے والے دوسرے ممالک کے ٹھیکیداروں کی نیندیں حرام کر رہی ہے۔

میں نے نادر پاشا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔ رات بھر سو نہیں سکا تھا۔ یہ فکر ستا رہی تھی کہ تمام ٹھیکیدار یکے بعد دیگرے کیسے قتل کیے جا رہے ہیں؟ اور کیوں قتل کیے جا رہے ہیں؟

وہ صبح تک کئی بار فون پر گفتگو کر چکا تھا۔ فون پر گفتگو ہونے کا مطلب یہ تھا کہ دوسرے ممالک کے ٹھیکیدار بھی جاگ رہے تھے اور وہ چیئرمین بھی مارے دہشت کے سو نہیں سکا تھا۔ سب کو اپنی اپنی جان کی سلامتی کی فکر پڑ گئی تھی اور سب گھر سے نکلنے کے بجائے گھر کے اندر بند ہو کر فون کے ذریعے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ رات کے تین بجے مسلح گارڈز کے ایک آفیسر نے چیئرمین کو اطلاع دی تھی کہ ایک ٹھیکیدار کے کاٹج کے قریب زہریلی سوئیوں کا ایک ڈبہ اور بلوئنگ پائپ پائے گئے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ قاتل تلاشی لیے جانے کے خوف سے وہ چیزیں وہاں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔

تمام ٹھیکیداروں کو اس بات سے ذرا سا اطمینان ہوا تھا کہ قاتل انھیں اَب زہریلی سوئیوں کے ذریعے ہلاک نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ یہ ہتھیار اَب اُس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اُس کے پاس اَب صرف ایک ریوالور رہ گیا تھا جو اُس نے سب سے پہلے ایک مسلح گارڈ کو ہلاک کرنے کے بعد اُس سے حاصل کیا تھا۔ چیئرمین نے مسلح گارڈز کے آفیسر کو ہدایت دی تھی کہ جلد از جلد وہ ریوالور بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ قاتل بالکل نہتا ہو جائے اور اُس کی طرف سے جان کا خوف نہ رہے۔

ہر جاندار کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی جان ہمیشہ سلامت رہے۔ انسان بھی اپنی جان کی سلامتی چاہتا ہے اور اس دنیا میں لمبی سے لمبی عمر گزارنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ وہ تمام ٹھیکیدار بھی ایک طویل رنگین عمر گزارنے کی تمنا لیے اور موت کے خوف کو دل میں بٹھائے رت جگا منا رہے تھے اُن کی آنکھوں سے نیند اُڑ گئی تھی اور آنے والا ہر لمحہ انھیں ایسا لگتا تھا جیسے آنے والے لمحات کے ساتھ قاتل بھی اُن کی شہ رگ کے قریب چلا آ رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس رات کسی کو نیند نہیں آئی تھی اور سب لوگ جاگ رہے تھے اور جاگتے جاگتے اُنھوں نے صبح

کر دی تھی۔

میں مرجانہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے میں نے پھر نور جہاں کو آلۂ کار بنانا چاہا۔ اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا تو وہ بےچاری رات بھر کی تھکی ہوئی گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے اسے فوراً ہی اٹھانا مناسب نہیں سمجھا۔ صبح ہو چکی تھی۔ ابھی اُجالا پھیلنے والا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ بیدار ہو جاتی۔ پھر میں اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتا۔ یہ سوچ کر میں نے اسے سوتا ہوا چھوڑ دیا۔

میں تھوڑی دیر تک چپ چاپ لیٹا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ ابھی اس جزیرے میں کوئی اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے گا اور تمام ٹھیکیداروں کی میٹنگ آٹھ بجے ہے یعنی ابھی تین گھنٹے باقی تھے۔ ابھی اتنا وقت تھا کہ میں سونیا کی خیریت معلوم کر سکتا تھا۔ اس لیے میں بستر پر لیٹے ہی لیٹے سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

اس وقت پیرس میں رات کا ایک بجا تھا۔ سونیا ایک کار ڈرائیو کرتی ہوئی ایک کچرا گھر کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے پاس بیٹھا ہوا ایک بونا اسے راستہ بتاتا ہوا کچرا گھر تک اس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ میں نے سونیا کی سوچ کے ذریعے معلوم کیا کہ اس کا گمشدہ سینڈل اسے ملنے والا ہے۔ ایک بونے نے اطلاع دی ہے کہ ایک بہت بڑے کچرا گھر میں بہت سے پھٹے پرانے سینڈل پڑے ہوئے ہیں اور وہاں بونے اور قدآور دشمن سبھی ایک ایک سینڈل کو اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے ہیں اور اس کی کیلیں نکال کر ان پرانے سینڈلوں کو ادھر اُدھر سے توڑ مروڑ کر اور کسی طرح کھول کر اس کی ایڑیوں میں اس وصیت نامے کو تلاش کر رہے ہیں۔

میں نے ایک بار غصے میں سونیا سے کہا تھا کہ اب کبھی اس سے دماغی رابطہ قائم نہیں کروں گا۔ اس وقت میں یہ بات بھول گیا۔ اس لیے بے اختیار میں نے اسے مخاطب کیا "جانِ من کہاں جا رہی ہو؟"

وہ چونک گئی۔ اسٹیرنگ پر اس کا ہاتھ ذرا سا بہکا۔ پھر اس نے جلدی سے اسٹیرنگ کو سنبھال لیا۔ اس کے بعد بولی "ہائیں تم نے تو کہا تھا کہ مجھ سے رابطہ قائم نہیں کرو گے۔ پھر کیسے چلے آئے؟ تم اتنے بے شرم کیوں ہو؟"

"ہمارے درمیان شرم والی بات تو کوئی رہی نہیں۔ ہم پہلے کئی بار بے شرم بن چکے ہیں۔ اس لیے تمہارے منہ سے بے شرمی کا طعنہ اچھا نہیں لگتا۔"

"تم مجھے پھر پریشان کرنے آ گئے ہو۔"

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

"ایسے معصوم بن کر نہ پوچھو۔ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ چپکے تم نے میرے دماغ میں چپ چاپ آ کر ساری معلومات حاصل کر لی ہوں گی۔ اب مجھ سے جان بوجھ کر سوال کر رہے ہو کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔"

"تم تو ہمیشہ مرچیں چباتی رہتی ہو کبھی تو پیار بھری باتیں کر لیا کرو۔"

"تم سے اور پیار بھری باتیں؟ خدا تم سے بچائے۔ کب جہاں اس وقت تم موجود ہو وہاں کوئی تمہیں نہیں مل رہی ہے جو مجھے یاد کیا جا رہا ہے۔"

"تم یقین کرو میں اس وقت ایک ایسے جزیرے میں ہوں جہاں دنیا بھر کا منتخب حسن موجود ہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک حسین دیکھنے میں آ رہا ہے لیکن میں نے نہ ہی کسی سے دوستی کی ہے اور نہ آئندہ... کسی سے دوستی کرنے کا ارادہ ہے۔ اگر ایسا ارادہ ہوتا تو میں تمہیں یاد نہ کرتا۔"

"فرہاد تم اپنی لچھے دار باتوں سے مجھے بیوقوف نہیں بنا سکو گے۔ میں کوئی نادان لڑکی نہیں ہوں۔ تمہاری رگ رگ کو سمجھتی ہوں۔ اب میری منزل قریب آنے والی ہے اس لیے میرا پیچھا چھوڑو اور میرے دماغ سے نکل جاؤ۔"

واقعی اس کی منزل قریب آ گئی تھی۔ بونا بتا رہا تھا کہ وہ سامنے کچرا گھر کے پاس گاڑی روک دی جائے۔ سونیا نے اس کی رہنمائی میں اس کچرا گھر کے پاس گاڑی کو لے جا کر روک دیا۔ وہاں اس کچرا گھر کے اندر ٹارچ کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں اور کچھ لوگوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

سونیا نے گاڑی سے اتر کر کچرا گھر کے سامنے پہنچ کر دیکھا۔ اندر کچھ بونے اور کچھ قدآور دشمن نظر آ رہے تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ٹارچ نظر آ رہی تھی اور ان کے علاوہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور ایک ایک سینڈل کی کیلیں نکال نکال کر پھٹے پرانے سینڈلوں کے تلوں اور ایڑیوں میں وصیت نامے کا نصف حصہ تلاش کر رہے تھے۔ سونیا حیرانی سے دیکھ رہی تھی کہ رات کے سوا ایک بجے یہ ہوش مند لوگ کچرا گھر میں بیٹھ کر پھٹے پرانے سینڈلوں کی چیر پھاڑ میں مصروف تھے اور انہیں کچرا گھر سے اٹھنے والی بدبو کا بھی احساس نہیں تھا۔

اچانک کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ سونیا نے کچرا گھر کے اندر جا کر دیکھا تو ایک گوشے میں دو آدمی کھڑے ہوئے تھے ان کے درمیان ایک بوڑھا تھا۔ وہ دونوں اس بوڑھے کو مارتے جا رہے تھے اور پوچھتے جا رہے تھے "بتاؤ وہ سینڈل

لاں ہے جسے تم نے پچھلے دن ہربین روڈ کے کنارے سے اٹھایا تھا؟"

بوڑھا مار کھاتے ہوئے تکلیف سے کراہ رہا تھا اور ان سے کہہ رہا تھا کہ اسے کچھ یاد نہیں ہے کہ اس نے کل ہربین روڈ سے کون سا سینڈل اٹھایا تھا کیونکہ وہ صبح سے شام تک کچرا اٹھاتا اپنی پسند کے کچرے کو اپنی جھولی میں رکھتا ہوا یونہی گھومتا بڑا ادھ... رہتا ہے اس لیے اسے یاد نہیں رہتا کہ اس نے کون سی چیز کس سڑک سے اٹھائی تھی۔

وہ بوڑھا اپنی صفائی میں بہت کچھ کہہ رہا تھا لیکن وہ لوگ اس کی کسی بات کا یقین نہیں کر رہے تھے۔ سونیا نے للکار کر کہا "اس کمزور بوڑھے کو چھوڑ دو۔ اس پر ظلم کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔"

اسے مارنے والوں نے سر گھما کر سونیا کی طرف دیکھا پھر ان میں سے ایک نے کہا "معلوم ہوتا ہے یہی سینڈل والی ہے۔ اسی کا سینڈل یہاں تک پہنچا ہے اور ہمیں جگہ جگہ خوار کرتا ہوا یہاں تک لایا ہے۔"

دوسرے آدمی نے کہا "میڈم اگر وہ سینڈل تمہارا ہی تھا تو اب تم ہمیں بتاؤ گی کہ ان سینڈلوں کی بھیڑ میں تمہارا سینڈل کون سا ہے ذرا غور سے دیکھو۔"

سونیا نے کہا "اچھی بات ہے۔ چلو یہاں سے سینڈل اٹھا اٹھا کر میرے سامنے لاؤ۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ ان میں میرا سینڈل کون سا ہے۔"

اس شخص نے پہلے تو بے یقینی سے سونیا کو دیکھا۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے اس کچرے میں سے چار سینڈل اٹھائے اور پھر سونیا کے بالکل قریب جا کر پوچھا "کیا ان میں کوئی تمہارا سینڈل ہے؟"

جواب میں سونیا نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ لڑکھڑاتا پیچھے گیا تو اس کی ٹھوڑی پر ایک گھونسہ پڑا پھر اس کی ناک پر کراٹے کا ایک ہاتھ پڑا۔ وہ چکرا کر بیٹھ گیا۔ اس کا دوسرا ساتھی سونیا پر حملہ کرنے کے لیے دوڑتے ہوئے آنے لگا لیکن راستے میں ہی ایک بونے نے چھلانگ لگا کر اس کے منہ پر فلائنگ کک ماری اور دوسری طرف کچرے پر گر پڑا۔ فلائنگ کک کھانے والا بھی دوسری طرف الٹ گیا تھا۔ جب وہ نیچے گرا تو اس پر دو بونے چڑھ بیٹھے اور اس کی پٹائی کرنے لگے۔

وہاں اچھی خاصی مار پیٹ شروع ہو گئی۔ اس کچرا گھر میں چار قدآور دشمن تھے۔ چھ بونے تھے اور ایک سونیا تھی۔ ان کے درمیان مار پیٹ کے دوران کبھی کوئی ٹارچ بجھ جایا کرتی تھی اور کبھی کسی کی ٹارچ روشن ہو جایا کرتی تھی۔ کبھی اس کچرا گھر میں اندھیرا چھا جاتا تھا اور کبھی روشنی ہو جاتی تھی۔ ایسے وقت میں اس بوڑھے کے دماغ میں پہنچ گیا جو نیم پاگل تھا اور کچرا چنتا پھرتا تھا۔

کیونکہ میں اس بوڑھے کے دماغ میں سمایا ہوا تھا۔ اس لیے وہ میری مرضی کے مطابق دیوار سے لگا ہوا ایک طرف کھسکتے ہوئے اس کچرا گھر کے باہر جانے لگا۔ جب وہاں روشنی ہوتی تو وہ رک جاتا۔ اندھیرا ہوتا تو پھر وہ دیوار سے لگ لگ کر آگے بڑھنے لگتا حتیٰ کہ وہ کچرا گھر سے باہر نکل گیا۔ سونیا اور دوسرے لوگ ایک دوسرے سے لڑنے میں مصروف تھے۔ مجھے سونیا کی فکر نہیں تھی اس لیے کہ میں اس کے لڑنے کے انداز کو جانتا تھا۔ پھر یہ کہ بونے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ میں اس بوڑھے شخص کو کچرا گھر سے باہر لے آیا۔

باہر آتے ہی وہ بوڑھا دوڑتا ہوا پہلے سونیا کی کار کی طرف گیا۔ لیکن اس کار کا دروازہ مقفل تھا۔ پھر وہ بونوں کی کار کی طرف گیا۔ وہ کار بھی ایسی تھی کہ جس میں بیٹھ کر وہ فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ یعنی وہ بھی مقفل تھی۔ پھر وہ دشمنوں کی کار کی طرف گیا۔ اس کار کی اسٹیرنگ سیٹ کے پاس ایک آدمی بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ بوڑھے کو آتا دیکھ کر وہ باہر نکل آیا۔ پھر اس نے پوچھا "تم کون ہو؟"

جواب میں بوڑھے نے ایک گھونسہ اسے رسید کیا۔ بوڑھے میں اتنا دم خم نہیں تھا لیکن اس کے اندر میں بیٹھ کر لڑ رہا تھا۔ بوڑھے نے اسے پے در پے کئی گھونسے مارے۔ پھر ٹھوکروں میں آگے رکھا۔ آخر اسے ادھ موا کر کے ایک طرف زمین پر لڑھکا دیا۔ اس کے بعد کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ کر اس نے دروازے کو بند کیا۔ کار کو اسٹارٹ کیا۔ اس کی رفتار بڑھاتا ہوا وہاں سے دور ہوتا چلا گیا۔

بوڑھے کو وہاں سے بھگانے کا مقصد یہ تھا کہ سونیا کا سینڈل اس کچرا گھر میں تلاش کرنے کے باوجود نہیں مل رہا تھا۔ اور بوڑھے کا بیان تھا کہ اسے یہ یاد نہیں ہے کہ اس نے ایک مخصوص سینڈل کب اٹھایا تھا اور اسے کہاں رکھ کر بھول گیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ فی الحال وہ دشمنوں کی گرفت سے نکل بھاگے۔ بعد میں وہ سکون سے سوچے گا یا کبھی اسے یاد آئے گا تو میں اس کے دماغ کے ذریعے اس سینڈل تک سونیا کو پہنچا دوں گا۔

بہت دور تک گاڑی کو ڈرائیو کرنے کے بعد میں نے اس گاڑی کو رکوا دیا۔ پھر میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ میں اس کے دماغ میں موجود تھا لیکن اسے کنٹرول نہیں کر رہا تھا۔ وہ کار میں بیٹھا ہوا اسٹیرنگ وہیل کے پاس حیرانی سے دیکھتا ہوا سوچ رہا تھا کہ ابھی وہ کہاں تھا اور کہاں پہنچ گیا ہے اس کار میں

کیسے بیٹھا ہوا ہے اور اتنی دور کیسے آ گیا ہے ؟

یہ سوچتا ہوا وہ کار سے باہر آیا۔ میں پھر اُس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس کا وہاں ٹھیرنا مناسب نہیں تھا۔ میں اُسے وہاں سے دوڑانے لگا۔ رات کا وقت تھا۔ چاروں طرف سناٹا اور ویرانی تھی۔ وہ فٹ پاتھ پر دوڑتا ہوا ایک گلی میں داخل ہو گیا۔ وہاں سے وہ دوسری تیسری گلی سے گزرنے لگا۔ کبھی وہ دوڑتا تھا کبھی تیزی سے چلنے لگتا تھا۔ آخر وہ ایک مین روڈ پر پہنچ گیا۔

اس مین روڈ پر اُسے ایک ٹیکسی مل گئی۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا "مجھے ریلوے اسٹیشن تک لے چلو" ٹیکسی ڈرائیور نے اِس بوڑھے کو سر سے پاؤں تک دیکھا پھر اس سے کہا۔ "پوُر اولڈ مین! تمھاری حالت تو یہ بتاتی ہے کہ تمھاری جیب میں ایک سکہ بھی نہیں ہوگا۔ تم ٹیکسی کا کرایہ کیا ادا کرو گے ؟"

ٹیکسی ڈرائیور کی بات سنتے ہی میں اب اس ٹیکسی ڈرائیور کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے ٹیکسی ڈرائیور کا رویّہ بدل گیا۔ اُس نے بوڑھے کو ہمدردی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھی بات ہے اولڈ مین۔ چلو ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔"

اب وہ بوڑھا حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ ڈرائیور گاڑی سے باہر آ کر اس بوڑھے کو بازو سے کھینچتے ہوئے بولا۔ "یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ آؤ پچھلی سیٹ پر بیٹھو۔"

اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور زبردستی بوڑھے کو وہاں بٹھا کر دروازے کو بند کر دیا۔ پھر اسٹیرنگ سیٹ پر آ کر اُس نے گاڑی اسٹارٹ کی اُس کے بعد وہاں سے گاڑی کی رفتار بڑھا کر آگے بڑھنے لگا۔

چونکہ میں ڈرائیور کے دماغ پر قابض تھا۔ اِس لیے وہ اپنے دماغ سے راستے معلوم نہیں کر سکتا تھا اور میں وہاں کے راستے نہیں جانتا تھا۔ لہٰذا میں اِدھر سے اُدھر گاڑی کو دوڑاتا رہا۔ زیادہ سے زیادہ دُور لے جاتا رہا اور پھر ایک جگہ پہنچ کر میں نے گاڑی رکوا دی۔ ڈرائیور نے پچھلی سیٹ پر گھوم کر بوڑھے سے کہا "پوُر اولڈ مین! بیٹھے کیا ہو۔ چلو گاڑی سے اُتر جاؤ۔"

بوڑھا پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر وہاں سے باہر چلا گیا اور دروازے کو بند کر دیا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے وہاں سے گاڑی پھر اسٹارٹ کی اور اُسے آگے بڑھا کر لے گیا۔ وہ بوڑھا اَب راستے میں کھڑا سوچ رہا ہوگا کہ اُس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے ایک تو وہ پہلے ہی نیم پاگل تھا اَب کچھ اور پاگل ہو رہا ہوگا۔ دوسری طرف میں نے اس ٹیکسی ڈرائیور کو یونہی دُور تک دوڑایا۔ پھر کافی دیر بعد ایک جگہ گاڑی روک کر اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا اور وہاں سے چلا آیا۔ اَب وہ ٹیکسی ڈرائیور بھی اپنے حالات پر غور کرتا ہوگا۔

میں سونیا کے پاس آ گیا۔ اس وقت قدآور دشمنوں کی [illegible] طرح پٹائی ہو چکی تھی۔ اَب وہ سب مار پیٹ بھول کر اُس بوڑھے کو تلاش کر رہے تھے۔ باہر نکل کر پتہ چلا کہ وہ دشمنوں [illegible] کار لے کر فرار ہو گیا ہے۔ تب سونیا بھی ایک بونے کو اپنے [illegible] لے کر اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئی۔ دوسرے بونے اپنی اپنی [illegible] کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے وہ لوگ اِس بوڑھے کی تلاش [illegible] جانے لگے۔ میں نے سونیا کو مخاطب کیا "ہیلو جانِ من! رات بہت زیادہ ہو چکی ہے اَب اس بھاگ دوڑ کو چھوڑو اور [illegible] رہائش گاہ میں پہنچ کر آرام سے سو جاؤ۔"

اس نے غصّے سے پوچھا "تم پھر آ گئے ؟"

"ہاں میں گیا کب تھا کہ واپس نہ آتا۔ اس بوڑھے کو [illegible] نے غائب کر دیا ہے۔"

"کیا ؟" سونیا نے جھنجلا کر پوچھا "تم نے اُسے کیوں غائب کیا ہے۔ تم کیوں مجھے پریشان کرنا چاہتے ہو۔"

"میں تمھاری پریشانی کم کرنا چاہتا ہوں اس بوڑھے کو [illegible] یاد نہیں آ رہا ہے کہ اس نے تمھارا سینڈل کہاں رکھا ہے۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ کر سب کچھ معلوم کر چکا ہوں۔ اگر اِس سینڈل کا پتہ معلوم ہوتا تو میں ابھی تمھیں وہاں پہنچا دیتا۔ دشمن اس بوڑھے کے پیچھے پڑ گئے تھے اِس لیے میں نے اُسے بھگا دیا ہے۔ اَب وہ جہاں ہوگا۔ میں جس وقت بھی چاہوں گا اس کے پاس پہنچ جاؤں گا اور تمھیں اس کی خبر کر دوں گا۔ فی الحال اپنی رات کی نیند خراب نہ کرو اور جا کر سو جاؤ۔"

وہ بولی "مجھے بتاؤ کہ تم اِس بوڑھے کو کہاں لے گئے ہو ؟"

"پیرس میرے لیے اجنبی شہر ہے۔ میں وہاں کی گلیوں اور راستوں کو پہچانتا نہیں ہوں۔ پھر وہ بوڑھا اتنی رات کو جہاں کہیں بھی ہوگا۔ تمھارے کام نہیں آئے گا۔ اس کا دماغ ابھی کام نہیں کر رہا ہے۔ میری بات مان لو۔"

وہ بڑی ضدی تھی۔ کہنے لگی "تم میرے معاملے میں مداخلت کیوں کرتے ہو۔ تمھیں کس نے کہا تھا کہ بوڑھے کو وہاں سے بھگا دو میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے وہاں تک پہنچا دو۔"

میں نے کہا "میں ایک بار کہہ چکا ہوں کہ اس وقت جا کر تمھیں سونا چاہیے۔ میری بات مان لو اور یہاں سے چلی جاؤ۔ اگر نہیں مانو گی... تو میں تمھیں اس بوڑھے تک نہیں پہنچاؤں گا۔ اور اَب میں جا رہا ہوں تم چیختی چلاتی رہو۔"

یہ کہہ کر میں اس کے پاس سے واپس آ گیا۔ اب جزیرے

میں دن کی روشنی پھیل گئی تھی۔ میں بستر سے اُٹھ کر غسل خانے میں گیا۔ پھر وہاں شیو کرنے اور غسل کرنے کے دوران نورجہاں کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بھی نیند سے بیدار ہو گئی تھی لیکن ایک کمرے میں دو لڑکیوں کے ساتھ قید تھی۔ قید اِس لیے کہ سب پر پابندی عائد کی گئی تھی کہ کوئی اجازت کے بغیر اپنے اپنے کمروں سے نہیں نکل سکتا اور اگر کسی کو کسی ضرورت کے تحت جانا ہو تو اس کے لیے خصوصی طور پر اجازت حاصل کرنا ہو گی۔

میں نے نورجہاں کے دماغ میں یہ شدید خواہش پیدا کی کہ وہ مرجانہ سے ملاقات کرے اور جھجک کو بالائے طاق رکھ کر اُس سے باتیں کرے۔ وہ اپنے ملک کی لڑکی ہے۔ اس کے کام آتی رہے گی اور ایسے وقت جب ایک انجانا قاتل لڑکوں کو قتل کرتا پھر رہا ہے تو وہ مرجانہ اس قاتل سے بھی اُس کی حفاظت کرے گی۔ میں نے نورجہاں کے دل میں طرح طرح کی خواہشات پیدا کیں کہ کسی طرح وہ مرجانہ سے ایک بار ملے۔

تب وہ قائل ہو کر باہر مسلح گارڈز کے آفیسر کے پاس گئی اور اُس سے بولی "میں اپنے ملک کی ایک لڑکی مرجانہ سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔"

آفیسر نے کہا "ابھی تھوڑی دیر بعد ناشتے کے وقت تمام لڑکیاں ایک بڑے سے ہال میں آئیں گی۔ وہاں تم اپنے ملک کی اس لڑکی سے ملاقات کر لینا۔ فی الحال تمھیں اجازت نہیں مل سکتی۔"

نورجہاں وہاں سے مایوس ہو کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ میں نے بھی تھوڑی دیر کے لیے صبر کر لیا کہ اب سے چند منٹ کے بعد ناشتے کے لیے جب وہ لڑکیاں ہال میں ایک جگہ جمع ہوں گی تو نورجہاں کے ذریعے میں مرجانہ تک پہنچ جاؤں گا۔

میں غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کمرے میں آ گیا تب نورجہاں کے دماغ نے بتایا کہ وہ دوسری لڑکیوں کے ساتھ ایک بڑے سے ہال میں جا رہی ہے۔ جہاں سب کے لیے ناشتے کا انتظام کیا گیا ہے۔ میں سنبھل کر کرسی پر بیٹھ گیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ وہ ہال میں پہنچے۔ بہرحال وہ ہال میں بھی پہنچ گئی۔ دوسرے کمروں سے بھی لڑکیاں آتی جا رہی تھیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد پتہ چلا کہ تمام لڑکیاں پہنچ گئی ہیں لیکن وہاں نورجہاں کو مرجانہ نظر نہیں آ رہی تھی اس نے ایک آفیسر سے پوچھا "میرے ملک کی ایک لڑکی مرجانہ کہاں ہے ؟"

آفیسر نے کہا "اگر یہاں نہیں ہے تو وہ دوسرے گروپ میں ہوگی۔ کیونکہ لڑکیاں بہت زیادہ تھیں اس لیے دوسرا گروپ یہاں سے کچھ دور دوسری تربیت گاہ کے کاٹجوں میں بھیجا گیا ہے

ہو سکتا ہے کہ جسے تم تلاش کر رہی ہو وہ وہاں ہو۔ اگر کوئی پیغام ہو تو مجھ سے کہو۔ میں کسی کے ذریعے وہاں تک پہنچا دوں گا۔"

نورجہاں نے کہا "پیغام صرف اتنا ہی ہے کہ میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

آفیسر نے کہا "اتنی جلدی ملاقات ممکن نہیں ہے۔ جب تک حالات سازگار نہیں ہوں گے اور وہ قاتل پکڑا نہیں جائے گا۔ اس وقت تک یہ پابندیاں سب پر رہیں گی۔"

نورجہاں مایوس ہو کر ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئی۔ میں نے اس آفیسر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا اور اُس کی سوچ کے ذریعے اُسے مجبور کیا کہ وہ مرجانہ تک پہنچ کر نورجہاں کا پیغام پہنچا دے لیکن اس آفیسر کی سوچ نے کہا کہ وہ مجبور ہے۔ اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اگر اُس کی ڈیوٹی کی جگہ کوئی واردات ہو گی یا کسی لڑکی کو کوئی نقصان پہنچے گا تو اُسے تمام ممالک کے ٹھیکیداروں کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا اِس لیے وہ اپنی ڈیوٹی کی جگہ چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

مرجانہ جتنی دُور ہوتی جا رہی تھی اتنی ہی میری دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں چاہتا تو اس آفیسر کو خیال خوانی کے ذریعے ٹریپ کر کے مرجانہ تک پہنچا سکتا تھا لیکن اس طرح وہ آفیسر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ کوئی نادیدہ قوت اُسے ٹہکار کر رہی ہے۔ پھر یہ بات جزیرے میں عام ہونے لگتی کہ نادیدہ قوت کچھ تماشے دکھا رہی ہے۔ اگر پچھلی رات ہوٹل میں آگ لگی تھی یا کچھ لوگ مارے گئے تھے تو ہو سکتا ہے وہ کسی نادیدہ قوت کا ہی کام ہو۔ میں یہ تاثر دینا نہیں چاہتا تھا بلکہ اسی بات کو مستحکم کرنا چاہتا تھا کہ کوئی ایک یا ایک سے زیادہ قاتل اس جزیرے میں ہیں اور وہ ٹھیکیداروں کو ایک ایک کر کے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ میں یہ دہشت طاری رکھنا چاہتا تھا۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ ناصر پاشا آواز دے رہا تھا۔ میں نے کرسی سے اُٹھ کر دروازے کو کھول دیا۔ اُس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھ کر کہا "تم تو بالکل تیار بیٹھے ہو معلوم ہوتا ہے رات کو اطمینان سے سوتے رہے ہو۔"

میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اور تمھاری سرخ آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم رات بھر جاگتے رہے ہو۔ کیا یہ سچ ہے ؟"

اس نے سر ہلا کر کہا "ہاں دوست یہ سچ ہے۔ ہمارے دلوں پر دہشت طاری ہو گئی ہے۔ وہ قاتل گرفتار نہیں ہو سکا ہے۔ ابھی تک وہ کہیں چھپا ہوا ہے۔ پتہ نہیں کہ کس وقت ہم میں سے کس پر حملہ کر بیٹھے۔ اسی فکر میں کوئی بھی ٹھیکیدار

"پچھلی رات کو سو نہیں سکا ہے۔ اب ایک گھنٹے بعد ہماری میٹنگ ہے۔ آؤ چلو، کچھ ناشتہ کر لیں۔"

ہم ڈائننگ روم میں آکر ناشتہ کرنے کے لیے ایک میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ وہاں ناصر پاشا مجھے بتانے لگا کہ کس طرح رات کو زہریلی سوئیوں کا ایک ڈبہ اور ایک بلوئنگ پائپ ایک جگہ پائے گئے ہیں۔ میں یہ معلومات پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ چپ چاپ اُس کی باتیں سنتا رہا اور ناشتہ کرتا رہا۔ ناشتہ کرنے کے بعد ہم نے گرما گرم کافی پی۔ پھر میں نے کہا "چلو اب ہم میٹنگ میں شریک ہونے چلیں۔"

اُس نے کہا "میرا دماغ تو خراب نہیں ہوا ہے کہ میں مسلح محافظوں کے بغیر اس رہائش گاہ سے باہر قدم نکالوں۔ یہاں ہمیں مسلح محافظوں کی گاڑی لینے آئے گی۔ اس کے بعد وہاں چلیں گے۔"

اُس کی بات ختم ہوتے ہی ٹیلیفون کی گھنٹی سنائی دی۔ ناصر پاشا وہاں سے اُٹھ کر ٹیلیفون اٹینڈ کرنے کے لیے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ میں کافی پیتے ہوئے اُس کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ اُس نے دوسرے کمرے میں پہنچ کر ٹیلیفون کا ریسیور اُٹھا کر کہا "ہیلو۔ میں ناصر پاشا بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے جبیر بن کی آواز سنائی دی "مسٹر پاشا تمہارے ملک کی ایک لڑکی پچھلی رات سے مسلح محافظوں کو بہت پریشان کر رہی ہے۔ اُس نے کل رات چیکنگ کے دوران ایک گارڈ پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی پٹائی کی ہے اور اُسے زخمی کر دیا ہے۔ اِس لیے لڑکی کو احتیاطاً ایک کمرے میں بند کر دیا گیا ہے۔ اَب آپ کا فرض ہے کہ آپ اُسے سمجھائیں۔ ہم پہلے ہی پریشان ہیں۔ ایک لڑکی کی شکایت سننے کا موقع نہیں ہے۔"

"وہ لڑکی اس وقت کہاں ہے؟"

"اُسے تربیت گاہ میں کالج نمبر دو کے ایک کمرے میں قید کیا گیا ہے۔ باہر دروازے پر ایک مسلح محافظ ہے۔ آپ اپنے محافظوں کو ساتھ لے کر وہاں جائیں اور اُسے تنبیہہ کریں۔"

اُن کی باتیں سن کر میں خوش ہو گیا مجھے پورا یقین تھا کہ وہ مار پیٹ کرنے والی لڑکی یقیناً مرجانہ ہوگی اَب میں پاشا کے ساتھ جا کر اُسے روبرو دیکھ سکتا تھا۔

اتنے میں پاشا واپس آگیا اور مجھے بتانے لگا کہ ایک لڑکی کس طرح انھیں پریشان کر رہی ہے۔ میں نے کہا "اگر تم مناسب سمجھو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔ اِس لیے کہ کل رات سے میں یہاں اس کاٹیج میں قید ہو کر رہ گیا ہوں اور بڑی بوریت ہو رہی ہے۔"

"تم تو ضرور میرے ساتھ چلو گے اور ہر جگہ میرے ساتھ رہو گے۔ مجھے اَب اس جزیرے میں اکیلے کہیں جاتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ کار کی اگلی سیٹ پر میں ناصر پاشا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلی سیٹ پر دو محافظ تھے۔ ناصر پاشا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا "میٹنگ کا کیا ہوا۔ اِس وقت آٹھ بجنے والے ہیں۔"

اُس نے جواب دیا "میٹنگ ذرا دیر سے ہوگی۔ جبیر دوسرے ٹھیکیداروں کے ساتھ ٹیلیفون پر گفتگو کر رہا ہے کیونکہ کچھ ایسے ٹھیکیدار ہیں جو بہت زیادہ دہشت زدہ ہو گئے ہیں اور اپنے ملک واپس جانا چاہتے ہیں۔"

"قاتل کا مقصد یہی ہوگا کہ وہ سبھی کو دہشت زدہ کر کے باری باری اس جزیرے سے بھگا دے۔"

ناصر پاشا نے پوچھا "وہ ہم سب کو یہاں سے بھگا کر کیا حاصل کرے گا؟"

"ہو سکتا ہے وہ یہاں کی تمام لڑکیوں پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا ہو یا جو کاروبار تم لوگ لمیٹڈ فرم کی حیثیت سے بارہ ممالک کے ٹھیکیدار کر رہے ہو وہ تنہا یہ کاروبار کرنا چاہتا ہو۔"

"وہ تنہا یہ کام کبھی نہیں کر سکے گا۔ بڑی بڑی طاقتیں ہمیں سہارا دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس جزیرے میں ہمارا قیام غیر قانونی ہونے کے باوجود قانونی ہے اور کوئی ملک ہم سے بازپرس نہیں کرتا ہے کہ ہم یہاں کیا کرتے ہیں اور یہ لڑکیاں یہاں کہاں سے لائی جاتی ہیں۔ جب تک بڑی طاقتوں کی پشت پناہی نہ ہو اس وقت تک اتنا زبردست اور منظم کاروبار ممکن نہیں ہوتا۔"

واقعی ان لوگوں کو بڑی بڑی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل ہوگی۔ میں اُن ٹھیکیداروں کو یہاں کا حکمران سمجھ رہا تھا۔ لیکن حقیقت اصل حکمران یہاں سے بہت دور بیٹھے ہوئے تھے۔ دلالوں کو حکومت کرنے کے لیے اس جزیرے میں بھیج دیا تھا۔ وہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے کہنے لگا "ہم نے اپنے بڑوں کو رات ہی اطلاع دے دی ہے کہ یہاں پچھلے دن سے قتل و غارت گری ہو رہی ہے۔ ہمارے اہم آدمی مارے گئے ہیں اور کاٹیجوں میں آگ لگائی جا رہی ہے۔ یہ دہشت پسندوں کا گروپ ہے جو ایسا کر رہا ہے اور ہمیں نقصان پہنچا رہا ہے۔ لہٰذا ہماری مدد کی جائے۔ یقیناً وہاں سے بڑے بڑے جاسوس اور مسلح سپاہی آئیں گے یا اچھے خاصے ہتھیار آئیں گے جن سے ہم اپنا تحفظ کر سکیں۔"

ہم تربیت گاہوں کی حدود میں پہنچ گئے۔ ناصر پاشا نے تربیت گاہ نمبر دو کے ایک کاٹیج کے سامنے گاڑی روک دی۔

اس کاٹیج کے سامنے ایک مسلح پہریدار کھڑا ہوا تھا۔ بہت سی لڑکیاں اپنے اپنے کاٹیج کی کھڑکیوں سے جھانک کر دیکھ رہی تھیں۔ انھیں کاٹیج سے باہر آنے سے روک دیا گیا تھا اور وہ پابندی میں رہ کر کھڑکیوں کے ذریعے باہر کے مناظر دیکھ رہی تھیں۔

ناصر پاشا نے کار سے اترتے ہوئے مسلح گارڈ سے پوچھا "وہ لڑکی کہاں ہے؟"

مسلح گارڈ نے ایک بند کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس کمرے میں وہ موجود ہے۔"

میں نے پوچھا "کوئی لڑکی بالکل ہی بے قابو ہو جائے تو اُسے کس طرح قابو میں لایا جاتا ہے؟"

ناصر پاشا نے جواب دیا "ایسے وقت ہمارے لیے بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ لڑکیاں بے حد نازک ہوتی ہیں ہم ان پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ اگر ہم انھیں ماریں گے یا اُن کے جسم پر کسی قسم کا نشان پڑے گا تو اس کا بھاؤ کم ہو جائے گا وہ داغدار ہو جائے گی۔ ہم پوری طرح کوشش کرتے ہیں کہ یہاں آنے والی لڑکیوں کے جسم پر ہلکی سی خراش بھی نہ آنے پائے اور وہ بالکل تر و تازہ نظر آتی رہیں۔ اِسی لیے اُن پر ہاتھ نہیں اُٹھایا جاتا اور اِسی لیے اس لڑکی کو بھی اس کمرے کے اندر قید کر دیا گیا ہے۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے اس کمرے کے بند دروازے کے سامنے پہنچے۔ ناصر پاشا نے اس دروازے کی کنڈی کھولی۔ پھر اُس کے دونوں پٹ کو کھول دیا۔ ہم دونوں ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے کے اندر دور ایک دیوار سے لگی ہوئی وہ کھڑی تھی۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ بہت ہی سیدھی سادی سی لڑکی نظر آ رہی تھی۔ میں نے دیکھا وہ سونیا کی طرح قد آور تھی۔ اُس کے ہاتھ پاؤں اچھے خاصے مضبوط نظر آ رہے تھے۔ جسامت بھی مناسب تھی۔ یعنی اچھی صحت مند لڑکی تھی ناصر پاشا نے اُسے دیکھتے ہی کہا "اچھا تو مرجانہ یہ تم ہو۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تمہارے سوا کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ تم شروع سے ہی ضدی اور بدمزاج ہو۔ ذرا میرے پاس آؤ۔"

وہ سر جھکا کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی یوں ہمارے سامنے آئی جیسے ہم سے خوف زدہ ہو لیکن قریب پہنچتے ہی میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ ایک کرارے کا ہاتھ میرے منہ پر پڑا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا میرے پیٹ میں گھونسہ پڑا۔ پھر ایک گھونسہ ٹھوڑی پر لگا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا۔ ایک دیوار سے ٹک گیا۔ ناصر پاشا اُسے روکنا چاہتا تھا اُس کی بھی شامت آگئی۔ مرجانہ نے اُسے گھونسوں پر رکھ لیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اُس نے ایک داؤ آزماتے ہوئے اُسے اُٹھا کر دوسری طرف اچھال دیا تھا۔ ناصر پاشا فضا میں اُچھلتا ہوا ایک دیوار سے جا ٹکرایا تھا اور فرش پر لیٹ گیا تھا۔

یہ سب کچھ جیسے پلک جھپکتے میں ہو گیا تھا۔ مرجانہ اَب کمرے کے وسط میں کھڑی ہوئی کہہ رہی تھی "دلالو! میں تم دونوں کو موت کے گھاٹ اتاردوں گی تم دونوں کو پاکستانی کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے تم نے ہم لڑکیوں کو بھیڑ بکری سمجھ لیا ہے کہ جہاں چاہا وہاں فروخت کر دیا۔ میں تمھیں ایسا سبق سکھاؤں گی کہ پورے جزیرے کے ٹھیکیدار یاد کریں گے۔"

میں اپنے چہرے کو سہلا رہا تھا اور اُس کے لڑنے کے انداز کو سمجھ رہا تھا۔ صاف سمجھ میں آرہا تھا کہ مرجانہ نے برسوں لڑنے کی ٹریننگ حاصل کی ہے اور خصوصاً جوڈو کراٹے میں مہارت حاصل کی ہے اور قدرتی طور پر اُس کے ہاتھ پاؤں میں ایسی سختی ہے جو کہ اعلیٰ درجے کے فائٹروں میں ہونی چاہیے۔

اس وقت وہ بیل باٹم اور شرٹ پہنے ہوئے تھی لیکن اُس کے عورت پن میں جتنا حسن تھا۔ اتنا ہی مردانہ مزاج میں سختی تھی اور اُسے دیکھ کر کوئی رومانس کی خواہش نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ اپنی خیر مناتا رہتا۔

اِس وقت اُس نے مجھ پر اور ناصر پاشا پر ہاتھ اُٹھا کر اچھا نہیں کیا تھا۔ میں تو برداشت کر لیتا مگر ناصر پاشا اُس کا دشمن بن جاتا۔ بلکہ دشمن بن چکا تھا۔ اگر یہی لڑکی کل سے قتل کرتی آ رہی تھی، تو اُسے صبر سے کام لینا چاہیے تھا۔ پتہ نہیں اُس نے کیوں ہم پر حملہ کیا اور یہ کیا چاہتی تھی۔ اس وقت فوری طور پر میں اس کا دماغ نہیں پڑھ سکتا تھا۔ کیونکہ اُس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی۔ ورنہ پھر وہ اپنے حملے میں کامیاب ہو جاتی۔

میں نے آگے بڑھتے ہوئے اُس سے نرمی سے پوچھا "کیا بات ہے۔ مرجانہ۔ تم نے ہم پر ہاتھ کیوں اُٹھایا۔ تمھیں کس بات پر غصہ آ رہا ہے؟"

"میں نے بتا تو دیا کہ مجھے کس بات پر غصہ آ رہا ہے لیکن تم دلالوں کو کچھ بھی میری بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اِس لیے کہ تم لوگوں کی شرم و حیا مر چکی ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے اس کے ہاتھوں کو روک لیا۔ اس نے گھوم کر مجھے لات ماری۔ میں نے اپنا بچاؤ کیا اِس بار اُس نے جتنے بھی حملے کیے وہ ناکام رہے۔ اس کے بعد میں نے ایک جوابی حملہ کرتے ہوئے اس کے منہ پر ایک اُلٹا ہاتھ رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گری۔

...میں اس کی قدر کرتا تھا۔ گناہ کے اس جزیرے میں اُسے مجبور اور بے بس بنانے کے لیے میں اُسے مارنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ جوابی حملہ کس حد تک برداشت کرتی ہے۔

میرا ایک ہاتھ کھا کر اس نے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے اُس کے حملوں سے خود کو بچایا بھی تھا۔ اِس لیے اُس نے سمجھ لیا کہ میں لڑنے کا فن جانتا ہوں اور اُسے سنبھل کر حملہ کرنا چاہیے۔ پھر واقعی اس نے سنبھل کر حملہ کیا۔ اِس بار میں نے اُس کے ایک حملے کو روکا مگر دوسری بار مار کھا گیا۔ غضب کی پھرتیلی تھی۔ بجلی کی طرح لپکتی تھی۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے اُس کے ساتھ زیادہ دیر لڑنا نہیں چاہیے۔ ورنہ ہم دونوں کو ہی نقصان پہنچے گا۔

ناصر پاشا کو سنبھلنے میں دیر لگی۔ جب وہ سنبھل کر اُٹھا تو مسلح محافظوں کو بلانے کے لیے باہر جانے لگا۔ لیکن اس سے پہلے ہی مرجانہ ایک چھلانگ لگا کر اس کے راستے میں حائل ہو گئی۔ اس کے سامنے پہنچ کر اس نے ایک ہاتھ اُس کے منہ پر رسید کیا۔ ناصر پاشا اُس کے حملے کو روکتے روکتے بھی مار کھا گیا اور پیچھے کی طرف لڑکھڑا گیا۔ اتنی دیر میں مرجانہ نے پلٹ کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر چیلنج کے انداز میں دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر یوں کھڑی ہو گئی جیسے کہہ رہی ہو آؤ۔ میں تم دونوں سے اکیلی نمٹ لوں گی۔

اتنا موقع ملتے ہی میں مرجانہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر اس کی سوچ میں کہنے لگا: "میں یہ کیا کر رہی ہوں۔ کیا میں اِن دونوں کو نقصان پہنچا کر کوئی فائدہ حاصل کر سکتی ہوں۔ ہرگز نہیں۔ میں اس جزیرے سے باہر نہیں جا سکتی اور اکیلی یہاں اتنے سارے لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مجھے بیچنے کے لیے لایا گیا ہے اور مجھے فروخت ہو کر ایک دن یہاں سے جانا ہے تو کیوں نہ میں اپنے غصے کا اظہار زبان سے کروں اور انھیں بتاؤں کہ مجھے کیوں غصہ آ رہا ہے۔"

اُس کی سوچ میں یہ کہنے کے بعد پھر میں نے اپنی آواز بلند کیا: "دیکھو مرجانہ۔ جب تمھیں اس جزیرے میں لایا گیا تب ہی تمھیں یہ معلوم تھا کہ تمھیں ایک دن فروخت کیا جائے گا۔ تمھیں یہاں کا کاروبار معلوم تھا۔ تمھیں اُسی وقت غصہ دکھانا چاہیے تھا لیکن تم اس وقت چپ چاپ یہاں چلی آئی تھیں۔ اب غصہ دکھانے کا مطلب کیا ہے؟"

اُس نے گھور کر غراتے ہوئے مجھے دیکھا۔ پھر بولی: "مجھ پر جو کچھ بھی گزرے، میں اُسے برداشت کر سکتی ہوں لیکن معصوم لڑکیوں پر اگر کوئی زیادتی ہو تو میں اُسے برداشت نہیں...
کل رات میرے ملک کی ایک لڑکی کی تلاشی لی جا رہی...
میں نے گارڈز کے آفیسر سے کہا کہ ہم لڑکیوں کی تلاشی...
عورت کی خدمات لی جائیں۔ عورت ہی آ کر ہماری...
لیکن وہ مرد ہو کر ہمارے جسم کو ٹٹولنا چاہتا تھا۔ اس...
اُسے بُرا بھلا کہا اور اُس پر ہاتھ بھی اٹھایا۔ ایک مسلح...
درمیان میں آ گیا۔ وہ بیچ بچاؤ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے...
بھی پٹائی کی۔ میرے غصے کی وجہ یہی ہے کہ تم لوگ...
بے شرم ہو۔ کیا ہماری تلاشی لینے کے لیے کسی عورت...
نہیں کر سکتے تھے؟"

میں نے ناصر پاشا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا...
پاشا نے کہا: "یہاں ادھیڑ عمر کی عورتیں آیا کے طور پر...
ہیں۔ یہ عورتیں ان لڑکیوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں...
عورتوں سے ہی تلاشی کا کام لینا چاہیے تھا۔ اگر گارڈ...
خود ہی تلاشی کے لیے ان کے قریب آنے کی کوشش...
تو یہ اس کی زیادتی ہے۔ میں اس آفیسر کا محاسبہ کروں گا...
اُسے اس کی سزا ملے گی۔"

ناصر پاشا کی باتوں کے دوران میں مرجانہ کی سوچ کو...
رہا۔ وہ سوچتی رہی: "کاش میں ان دونوں کو ابھی یہاں...
سکتی مگر اس وقت انھیں ہلاک کروں گی تو پچھلی...
سارا بھید کھل جائے گا کہ میں ہی کل سے ٹھیکیداروں کو...
گارڈز کو قتل کرتی آ رہی ہوں اور میں نے ہی ہوٹل میں...
چند راز دار لڑکیوں کے ذریعے آگ لگائی تھی بلکہ ہوٹل میں...
میں نے آگ نہیں لگائی ہے اور جو قتل میں نے نہیں کیے...
اُن کے الزامات بھی میرے ہی سر آئیں گے۔"

میں نے اُس کی سوچ میں اُسے سمجھایا: "مجھے آہستہ...
سہولت سے ایک ایک ٹھیکیدار کو ٹھکانے لگانا چاہیے...
ہے۔۔۔ اور غصہ دکھانے سے کام بگڑ جائے گا۔ اگر میں...
کی گرفت میں آ گئی تو یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے...
ان لوگوں سے انتقام نہیں لے سکوں گی اور نہ کبھی اس جزیرے...
سے باہر نکل سکوں گی۔ اس وقت مجھے اس دروازے کو کھول...
دینا چاہیے۔"

میرے سمجھانے کا اس پر خاصا اثر ہوا۔ اُس نے دروازہ...
کو کھولتے ہوئے کہا: "اچھی بات ہے مسٹر ناصر پاشا۔ اگر تم...
آفیسر کا محاسبہ کرو گے تو پھر مجھے تم لوگوں سے کوئی شکایت...
ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ کوئی بھی کام ہو اصول کے مطابق ہو...
اصول یہ ہے کہ ہم لڑکیوں کا تعلق کسی عورت سے ہونا چاہیے...
کسی مرد آفیسر سے نہیں۔"

اگرچہ ناصر پاشا کو اس بات پر غصہ تھا کہ ایک عورت نے ہماری پٹائی کی ہے لیکن وہ مصلحت پسند تھا۔ اُس نے سوچا کہ دودھ دینے والی گائے کی لات سہنی پڑتی ہے۔ لہٰذا مرجانہ نے جو کچھ کیا ہے اُسے برداشت کر لیا جائے۔ کل جو بہت بڑا [illegible] دار ملک خریدنے آ رہا ہے۔ کوشش یہ کی جائے گی کہ وہ مرجانہ کو پسند کر لے اور اُسے اس جزیرے سے لے جائے۔

مرجانہ نے پوچھا: "میرا خیال ہے کہ اب مجھے اِس کمرے میں قید نہیں کیا جائے گا۔"

ناصر پاشا نے کہا: "ہاں اب تم آزاد ہو لیکن اس کاٹیج سے باہر کہیں نہیں جا سکو گی جب تک وہ قاتل گرفتار نہ ہو جائے۔ اس وقت تک ہم تمام لڑکیوں پر اس قسم کی پابندیاں عائد کر رہے ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ تم ان پابندیوں پر عمل کرو گی۔ آؤ طارق ہم چلیں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر مرجانہ کے قریب سے گزرتے ہوئے اُسے مسکرا کر دیکھا۔ اُس نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ میں اُس کے پاس سے گزرتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔

جب ہم کار کے قریب پہنچے تو مرجانہ کمرے سے نکل کر کاٹیج کے برآمدے میں آ گئی۔ اُسے دیکھ کر دوسری لڑکیاں بھی اپنے کمرے سے نکل کر اُس کے پاس آئیں اور خوش ہو کر اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اُس سے پوچھنے لگیں کہ کیا اُسے آزاد کر دیا گیا ہے۔ مرجانہ نے سر اٹھا کر سینہ تان کر کہا: "کیسے آزاد نہ کرتے۔ ان کا تو باپ بھی آزادی دینے پر مجبور ہے۔ کیونکہ ہم ان کے لیے بہت فائدہ مند ہیں۔ ہمیں نقصان پہنچا کر وہ اپنا نقصان نہیں کر سکتے۔"

مرجانہ نے یہ بات بلند آواز سے کہی تھی تاکہ ہم بھی سن لیں۔ ناصر پاشا نے کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر اُسے اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا: "یہ لڑکی بڑی منہ پھٹ ہے۔ میں کل ہی اس کا سودا کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ ہے تو واقعی حسین اور بے حد پرکشش لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اس خریدار کے سامنے اپنی زبان بند رکھے۔ زبان کھولے گی تو کوئی بھی اسے نہیں خریدے گا۔"

وہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے تربیت گاہوں کی حدود سے باہر نکل آیا۔ راستے میں ایک ٹیلی فون بوتھ کے ساتھ والے بلیک بورڈ میں لکھا ہوا تھا: "بورڈ کے تمام ممبران ائیرپورٹ پہنچ جائیں۔"

ناصر پاشا گاڑی روک کر بوتھ کے اندر گیا۔ پھر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر چیئرمین کے نمبر ڈائل کیے تو پتہ چلا کہ چیئرمین اس وقت کاٹیج میں نہیں ہے بلکہ ائیرپورٹ کی طرف گیا ہے۔

ناصر پاشا نے پھر دوسرا نمبر ڈائل کیا اور مسلح گارڈز کے افسر سے رابطہ قائم کرنے کے بعد سوال کیا کہ سب لوگوں کو ائیرپورٹ کیوں طلب کیا گیا ہے؟

اُسے جواب ملا کہ باہر سے امداد پہنچ رہی ہے اور بہت سے جاسوس وغیرہ آنے والے ہیں۔ لہٰذا اُن کا استقبال کرنے کے لیے بورڈ کے تمام ممبران کا وہاں پہنچنا ضروری ہے تاکہ انھیں فوراً ہی یہاں کے حالات سے آگاہ کر دیا جائے۔

ناصر پاشا ریسیور رکھ کر بوتھ سے باہر آیا اور کار میں آ کر بیٹھ گیا پھر مجھے بتانے لگا کہ باہر سے کچھ لوگ آنے والے ہیں اس لیے اب ہم ائیرپورٹ جا رہے ہیں۔

یہ کہہ کر اس نے کار اسٹارٹ کی پھر ہم ائیرپورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ ہم پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ گئے۔ وہاں پہلے ہی بہت سی کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ پتہ چلا کہ بورڈ کے تمام ممبران یعنی ٹھیکیدار وہاں پہنچ گئے تھے۔ وہاں تھوڑی دیر بعد ایک جہاز اترنے والا تھا۔ تمام ٹھیکیداروں کے آس پاس دُور تک مسلح گارڈز پھیلے ہوئے تھے اور دوسروں کو ایسی گہری نظروں سے دیکھتے تھے جیسے کسی انجانے قاتل کو تلاش کر رہے ہوں۔

ہم بھی ٹھیکیداروں کے درمیان آ گئے۔ چیئرمین نے ناصر پاشا کو تسلی دی: "اب گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ دنیا کے نامور جاسوس یہاں پہنچ رہے ہیں اور ہمارے لیے ایسے حفاظتی اقدامات کیے جائیں گے کہ قاتل ہمارے قریب پہنچ نہیں سکے گا۔ اگر پہنچنا چاہے گا تو گرفتار ہو جائے گا۔"

میں نے چیئرمین سے پوچھا: "کیا آپ کالے جادو کو مانتے ہیں؟"

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا: "ہاں میں کالے جادو کو مانتا ہوں۔"

میں نے کہا: "اگر یہاں کوئی وِچ ڈاکٹر جادو کے ذریعے قتل کر رہا ہو تو جاسوس اُسے کس طرح گرفتار کریں گے؟"

چیئرمین واقعی سوچ میں پڑ گیا۔ کیونکہ گزشتہ روز دو چار قتل ایسے ہوئے تھے جن کی کوئی وجہ یا قتل کا طریقۂ کار سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ وارداتیں کیسے ہو گئیں۔ ہوٹل میں آگ لگنے کا معاملہ بھی کچھ ایسا تھا جو اُن کی سمجھ سے باہر تھا۔ اِس لیے چیئرمین وِچ ڈاکٹر کے متعلق سنجیدگی سے سوچنے لگا۔

اتنے میں جہاز نظر آیا۔ وہ پرواز کر رہا تھا اور کنٹرول ٹاور سے اُسے اترنے کا سگنل دیا جا رہا تھا۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد وہ جہاز نیچے آتے ہوئے رن وے پر دوڑتے ہوئے ایک جگہ

بھٹر گیا۔ تمام ٹھیکیدار اس جہاز کی طرف بے چینی سے دیکھ رہے تھے جیسے اس جہاز میں اُن کے لیے نئی زندگی کا سامان آیا ہو۔

اچانک ناصر پاشا نے اپنے جبڑوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "طارق میں بہت دیر سے برداشت کر رہا ہوں مگر یہاں میرے جبڑے دُکھ رہے ہیں اور ٹھوڑی اور سینے میں بھی درد ہو رہا ہے۔"

میں نے تعجب سے پوچھا "ایسا یک بیک کیوں ہو رہا ہے؟"

"یہ یک بیک نہیں ہے۔ جہاں جہاں مرجانہ کا ہاتھ پڑا ہے وہاں وہاں تکلیف ہو رہی ہے۔ میں اسی وقت سے تکلیف برداشت کر رہا ہوں۔ عجیب زبردست مردمار قسم کی لڑکی ہے وہ۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُس کا ہاتھ اتنا وزنی اور اتنا زبردست ہوگا۔ بالکل فائٹروں کے انداز میں وہ لڑ رہی تھی۔ مجھے تو ہاتھ اٹھانے کا موقع ہی نہیں ملا۔ تم نے پھر بھی تھوڑی دیر مقابلہ کیا تھا۔"

"عورتوں سے لڑنا اچھا نہیں لگتا۔ عجیب مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ میں محض آزمائشی طور پر اُس سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اُسے تول رہا تھا کہ وہ کتنا وزن رکھتی ہے۔ مجھے تھوڑی دیر میں پتہ چل گیا کہ اُسے لڑنے میں بڑی مہارت حاصل ہے اور جوڈو کراٹے کے جدید داؤ پیچ بھی اچھی طرح جانتی ہے اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اُس نے کراٹے میں بلیک بیلٹ حاصل کیا ہوگا۔"

"تعجب ہے۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس لڑکی کو میں ایک عام سی دوشیزہ سمجھ کر بیچنے کے لیے لایا ہوں وہ اتنی خطرناک ہوگی۔ طارق کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ لڑکی ہی ہنگامے کر رہی ہو؟"

میں نے جلدی سے مرجانہ کی حمایت میں کہا "ارے نہیں، تم بھی کہاں کی باتیں سوچ رہے ہو۔ کہاں مرجانہ اور کہاں یہ کل سے ہونے والے قتل اور ہنگامے؟ مرجانہ کا اس میں ہاتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ کئی وارداتیں ایسی ہوئی ہیں جن کے دوران وہ ہوٹل تک محدود رہی ہے اور اُس پر سخت پہرہ رہا ہے۔"

اب طیارے کے دروازے تک سیڑھی پہنچائی جا رہی تھی۔ ناصر پاشا نے کہا "پھر بھی یہ جتنی گڑبڑ ہو رہی ہے اس میں مرجانہ کا کچھ نہ کچھ ہاتھ ضرور ہے۔"

"تمھیں شبہ کیوں ہو رہا ہے؟ کوئی خاص وجہ؟"

"وجہ یہ ہے کہ یہ مرجانہ خود اپنی مرضی سے یہاں آئی ہے"

میں نے حیرانی سے پوچھا "اپنی مرضی سے یہاں آئی ہے"

"ہاں یہاں ایک لڑکی زرینہ نام کی آئی ہوئی ہے۔ میرے آدمیوں نے زرینہ کو ٹریپ کیا تھا۔ زرینہ جب بُری طرح بلیک میلنگ کے جال میں پھنس گئی۔ تب اُس نے کہا کہ وہ تنہا اپنے ملک سے باہر نہیں جائے گی اس کی ایک بہت عزیز وہ اُسے بھی ساتھ لے جائے گی۔ ہم نے کہا تھا کہ وہ ہوگی تو اُسے بھی ہم ساتھ لے جائیں گے۔ تب اُس نے ملاقات کرائی۔ مرجانہ، جیسا کہ تم نے دیکھا ہے۔ واقعی میں راضی ہو گیا اور زرینہ کے ساتھ مرجانہ کو بھی یہاں اَب یہی مرجانہ ہم ...... لوگوں کو دلال کہہ رہی تھی کہہ رہی تھی اور گالیاں دے رہی تھی کہ ہم ان کا ہیں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اُس کے اندر آگ بھڑک رہی ہے اور یہ ہم سے نفرت کرتی ہے نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔"

"پاشا، دیکھا جائے تو یہاں آنے والی کتنی ہی لڑکیاں دل میں بغاوت کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ کتنی ہی ہم لوگوں سے نفرت کر رہی ہوں گی کہ ہم انھیں بلیک میل یا اُن کی کسی کمزوری سے کھیل کر انھیں یہاں لے آئے ہیں ہم سے نفرت کر رہی ہوں گی لیکن وہ خاموش ہیں منہ پھٹ ہے اس لیے اُس نے زبان سے کہہ دیا۔ اگر نے زبان سے کہہ دیا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ پر بغاوت پر اُتر آئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم ایک بھی ایسا نہیں پیش کر سکتے کہ مرجانہ ہوٹل سے باہر نکل آ قتل کرتی ہے اور پھر چلی جاتی ہے۔"

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اتنے میں چیئرمین نے قریب "آیئے مسٹر پاشا۔ ہم سب جہاز کے قریب جا رہے ہیں۔ کا استقبال کرنا ہے۔"

ناصر پاشا چیئرمین کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ میں بھی ساتھ چلنے لگا۔ تمام اراکین اور اُن کے نائب ایک استقبالیہ کی صورت میں جہاز کی طرف جا رہے تھے تاکہ آنے والوں کو آمدید کہہ سکیں اور انھیں اپنے حالات بتا سکیں۔ میرا ارادہ کہ میں انھیں خوش آمدید کہنے میں اپنا وقت ضائع کرتا کی طرف لگا ہوا تھا۔ میں اس کے دماغ کو پڑھ کر اُس کے متعلق حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن یہاں آنے کی مجبوری یہ تھی کہ آنے والوں کو دیکھنا چاہتا تھا کہ کس قسم کے جاسوس آنے اور کیسی امداد پہنچائی جانے والی ہے۔

طیارے کا دروازہ کھل گیا تھا۔ سب سے پہلے ایک نظر آئی۔ پھر وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ کیونکہ ایک ادھیڑ اپنے منہ میں پائپ دبائے دروازے پر آ گیا تھا۔ وہ موٹا میں چھوٹا تھا۔ آنکھوں پر عینک لگی ہوئی تھی۔ دُور سے بھاری بھرکم شخصیت کا مالک نظر آتا تھا۔ چیئرمین نے اُسے دیکھتے

کے نیچے سے ہاتھ اٹھا کر آواز دی "مسٹر ونڈسر ہم آپ کو اور آپ کی ٹیم کو گرم جوشی سے خوش آمدید کہتے ہیں۔"

ونڈسر زینے سے اُترتا ہوا نیچے آیا۔ پہلے اُس نے چیئرمین سے ہاتھ ملایا۔ پھر تمام ٹھیکیداروں سے اور اُن کے نائبوں سے ہاتھ ملانے لگا۔ پھر اُس نے طیارے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ ہم سب نے بھی نظریں اٹھا کر اُدھر دیکھا تو وہاں ایک بہت ہی قدآور اور بھاری بھرکم پہاڑ جیسا شخص کھڑا ہوا تھا۔ ونڈسر نے اُس کی طرف ہاتھ اٹھا کر تعارف کراتے ہوئے کہا "یہ میرا دایاں بازو ہے۔ میں اسے آئرن مین کہتا ہوں اور یہ واقعی فولاد ہے۔ اس سے ٹکرانے والے پاش پاش ہو کر رہ جاتے ہیں۔"

آئرن مین زینے سے اُترتا ہوا آیا پھر سب لوگوں سے ہاتھ ملانے لگا۔ میں نے اُس سے مصافحہ کرتے ہوئے محسوس کیا کہ واقعی اس کے ہاتھ فولادی ہیں وہ سر سے پاؤں تک فولادی نظر آ رہا ہے۔ ونڈسر ایسا سراغرساں تھا جو اپنے ہاتھ پاؤں سے نہیں صرف دماغ سے کام لیتا تھا اور اُس کا شمار ذہین سراغرسانوں میں ہوتا تھا۔ اُس کی اس ٹیم میں اُس کا دایاں بازو آئرن مین تھا۔ یعنی جب دماغ کے علاوہ ہاتھ پیر چلانے یا مار پیٹ کرنے کی نوبت آتی تو وہ آئرن مین کو استعمال کرتا تھا اور جب کسی کیس میں کچھ چالیں چلنی پڑتی تھیں تو اُس کے لیے وہ دوسری دو ہستیوں کو استعمال کرتا تھا اور اب وہ دو ہستیاں جہاز کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھیں۔

ہم نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہاں دو حسین لڑکیاں تھیں۔ ونڈسر نے ہاتھ اٹھا کر اُن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہیں مس لولیتا اور مس ٹینا مریم۔ یہ لڑکیاں بڑے پایہ سے مجرموں تک پہنچنے کے طریقے جانتی ہیں۔"

وہ دونوں بڑے ناز و انداز سے زینے سے اترتی ہوئی آ رہی تھیں۔ نیچے آ کر انھوں نے سب لوگوں کو مسکرا کر دیکھا پھر آگے بڑھنے لگیں۔ اُن دونوں کو راستہ دینے کے لیے سب دو طرف ہٹ گئے۔ وہ دونوں ذرا دُور جا کر کھڑی ہو گئیں۔ اُن کے ہاتھوں میں گلاب کے پھول تھے۔ کبھی کبھی وہ اپنے اپنے پھول سونگھ لیا کرتی تھیں۔

اُن کے بعد طیارے سے کچھ لوگ اُترنے لگے۔ وہ اپنے ساتھ اسٹین گن اور کارتوس کی پیٹیاں اُٹھا کر لا رہے تھے۔ تمام ٹھیکیدار ان چیزوں کو دیکھ کر بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ ونڈسر نے کہا۔ "جیسا کہ آپ لوگوں نے رپورٹ بھیجی تھی۔ اُس کے مطابق اسلحہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ پھر بھی میں آپ لوگوں کے اطمینان کے لیے اتنا کچھ لے آیا ہوں۔ آیئے۔ پہلے ہم ضروری باتیں کریں۔ اُس کے بعد پھر رسمی باتیں ہوتی رہیں گی۔"

حالاتِ حاضرہ پر گفتگو کرنے کے لیے اسی پختہ عمارت کے ہال کا انتخاب کیا گیا۔ جہاں پہلا قتل جنرل سیکریٹری پال بیسن کا ہوا تھا۔ سب لوگ ایئرپورٹ کے باہر پارکنگ ایریا میں آئے اور ایک ایک کار میں جا کر بیٹھنے لگے۔ چیئرمین کے ساتھ ونڈسر اور وہ دونوں لڑکیاں لولیتا اور ٹینا ایک کار میں بیٹھ گئے۔ میں ناصر پاشا کے ساتھ تھا اور آنے والوں میں سے دو آدمی اپنی اسٹین گن اور کارتوس کی پیٹی کے ساتھ ہماری کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔ اس طرح سب آنے والے مختلف کاروں میں بیٹھ کر اس پختہ عمارت کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں چیئرمین کے دماغ میں جھانکنے لگا اور یہ معلوم کرنے لگا کہ وہ ونڈسر سے کیا باتیں کر رہا ہے۔ ونڈسر اس وقت چیئرمین سے پوچھ رہا تھا "جب اس قاتل نے کوئی منافع حاصل نہیں کیا کوئی چیز چوری نہیں کی تو پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ قتل کیوں کر رہا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تم سب سے نفرت کرتا ہے اور یہاں نفرت کرنے والوں میں صرف ... لڑکیاں ہی ہیں۔ یہاں جتنے بھی مرد ہیں سب تم لوگوں کے ماتحت ہیں۔ نمک خوار ہیں۔ وہ بھلا کس وجہ سے نفرت کریں گے۔ نفرت کی کوئی وجہ بھی ہونی چاہیے۔"

وہ سراغرساں ونڈسر آتے ہی اپنی ذہانت کا مظاہرہ کر رہا تھا اور صحیح سمت اپنے دماغ کو پہنچا رہا تھا۔ چیئرمین نے اُس سے پوچھا "کیا تمھارا خیال ہے کہ کوئی لڑکی اس طرح قتل کرتی پھر رہی ہے؟"

"کوئی لڑکی نہ کہو میں ایک نہیں کئی لڑکیوں کی بات کر رہا ہوں۔ یہ جتنے بھی ہنگامے ہوئے ہیں اور جس طرح آگ لگائی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کئی لڑکیاں مل کر یہ کام کر رہی ہیں۔ اگر تمھارے ذہن میں کسی مرد کے لیے شبہ ہے تو اُس کا نام مجھے بتاؤ میں اُسے چیک کروں گا۔"

چیئرمین نے کہا "سچ پوچھو تو میرے ذہن میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس پر شبہ کیا جا سکے۔"

ونڈسر نے پوچھا "اس جزیرے میں ایسے لوگ بھی آئے ہیں جن کی تقرری حال ہی میں یہاں ہوئی ہو؟ یعنی کوئی گارڈ کی حیثیت سے یا انجینئر کی حیثیت سے یا کسی نائب کی حیثیت سے یہاں آیا ہو؟"

چیئرمین نے چونک کر کہا "ہاں کل ایک نیا نائب یہاں آیا ہے۔ اُسے ناصر پاشا نے اپنے لیے مخصوص کیا ہے اور چونکہ اس کا حق اسے پہنچتا ہے اس لیے ہم نے اعتراض نہیں کیا۔ اُسے اس پر پورا بھروسہ ہے۔"

"بھروسے کی بات نہ کرو۔ ہم جاسوس اپنے باپ پر بھی

بھروسہ نہیں کرتے۔ اس نائب کا نام کیا ہے؟"

"اُس کا نام طارق محمود ہے اور وہ پاکستان سے ناصر پاشا کے ساتھ آیا ہے۔"

"اُس کے متعلق جو کچھ جانتے ہو۔ مجھے بتاؤ۔"

اُسی وقت ناصر پاشا نے مجھے مخاطب کیا تو میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں نے ناصر پاشا سے پوچھا "کیا کہا تم نے؟"

اس نے پوچھا "کہاں کھوئے ہو۔ کیا سوچ رہے ہو؟"

"کل سے یہاں کا ہر شخص قاتل کے متعلق ہی سوچ رہا ہے میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

ناصر پاشا نے کہا "میرا خیال ہے کہ میں مرجانہ پر نگرانی سخت کرا دوں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ لڑکی کیا کرتی رہتی ہے۔ میں کسی عورت کو جاسوسہ کی حیثیت سے اُس کے قریب ہی کہیں رکھوں گا تاکہ وہ اُس کی نگرانی کرتی رہے۔ تمھارا کیا خیال ہے؟"

میں اُس کا ہم خیال نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے کہا "تم خواہ مخواہ مرجانہ پر شبہ کر رہے ہو۔ اگر وہ لڑنے کا تھوڑا سا فن جانتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اتنی دلیر ہوجائے کہ تنہا اتنے بڑے جزیرے میں ہنگامے برپا کرتی پھرے۔"

"پھر بھی اگر خاص طور سے مرجانہ کی نگرانی کرائی جائے تو کیا ہرج ہے؟"

میں نے اُسے ٹالنے کے لیے کہہ دیا "جیسے تمھاری مرضی۔"

وہ خاموش ہوگیا۔ میں فوراً ہی پھر چیئرمین کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ اس وقت ونڈسر کہہ رہا تھا "اگر طارق محمود نے تیرہ لڑکیوں کا نقصان پہنچایا ہے اور پہلے وہ دشمن تھا اور اچانک اب دوست بن گیا ہے تو اُس کے پیچھے ضرور کوئی خاص بات ہوسکتی ہے۔ ہمیں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے پھر یہ کہ ناصر پاشا نے تمھیں اُس کی عادتوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ مجسم پارسا رہتا ہے۔ شراب نہیں پیتا اور کل سے کسی عورت کے قریب بھی نہیں دیکھا گیا۔ ایسا پارسا آدمی اس گناہ کے جزیرے میں کیا کر رہا ہے۔ ایسے کاروبار میں کیوں شریک ہوا ہے یہ باتیں سوچنے کی ہیں۔"

"کیا تم طارق محمود پر شبہ کر رہے ہو؟"

"میں تم پر بھی شبہ کرسکتا ہوں۔ اپنے بیٹے پر بھی شبہ کرسکتا ہوں۔ یہ تو ہمارا کام ہی ہے۔ بہرحال میں خاص طور پر طارق محمود کی نگرانی کراؤں گا اور اس کے لیے میں ٹینا مریم کو مقرر کرتا ہوں۔ کیوں ٹینا تم سن رہی ہو نا؟"

کار کی پچھلی سیٹ سے ٹینا مریم کی آواز سنائی دی "... باتیں میں سن رہی ہوں۔ مجھے بتایا جائے کہ طارق محمود کون ... میں اُسے ٹریپ کروں گی۔"

ہم سب اس پختہ عمارت کے سامنے پہنچ گئے ... اپنی اپنی کار سے اتر کر عمارت کے اندر جا رہے تھے۔ ... نے چیئرمین سے آہستگی سے کہا "ابھی جو میٹنگ ہونے والی ... اس میں ہمارے اور ٹھیکیداروں کے سوا کسی اور کو شریک نہ ... چاہیے۔ آپ لوگوں کے جتنے نائب ہیں انھیں آپ ... کے ہال سے باہر ہی رکھیں اس طرح ٹینا مریم ہال سے باہر ... محمود سے دوستی کرلے گی۔"

میں چلتے چلتے رُک گیا۔ ناصر پاشا نے پوچھا "کیا ..."

میں نے اپنے پیٹ کو سہلاتے ہوئے کہا "پتہ نہیں ... ہی پیٹ میں سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ میں یہاں نہیں ... سکتا۔ مجھے اپنے کاٹیج میں جانے کی اجازت دو اور اپنی کار ... چابیاں مجھے دے دو۔ میں کاٹیج میں جا کر آرام کروں گا۔"

اُس نے کہا "یار ضروری میٹنگ ہے۔ تم میرے ساتھ ... تو بہتر ہوتا۔"

"میں مجبور ہوں۔ میرے پیٹ میں سخت تکلیف ہو رہی ... اور اب تو کسی ڈر کی بات نہیں ہے۔ اتنے سارے محافظ ... ہیں۔ تمھیں اب کسی قاتل کی طرف سے خوف نہیں ہونا چاہیے ..."

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں قاتل سے ... ہوا نہیں ہوں۔ دن کا وقت ہے اور اس وقت ڈر نہیں معلوم ... ہوتا۔ بہرحال یہ لو چابی اور تم جاؤ۔"

میں نے اُس سے چابی لی پھر وہیں سے لوٹ کر عمارت سے باہر آیا اور ناصر پاشا کی کار میں بیٹھ کر اپنے کاٹیج کی طرف روانہ ہوگیا۔ میرا ارادہ تھا کہ ٹینا مریم سے اس وقت دور ... اور خیال خوانی کے ذریعے ونڈسر کے ارادوں کو معلوم کرتا رہوں ... اور وقت ملے تو مرجانہ کے دماغ کو بھی تھوڑا سا پڑھ لوں۔

ناصر پاشا کے کاٹیج کے سامنے پہنچ کر میں نے گاڑی روک دی۔ گاڑی سے اُترنے کے بعد میں نے اسے مقفل کیا پھر کاٹیج میں جانے کے بجائے دوسری طرف پیدل چلنے لگا۔ میں سمجھتا تھا کہ وہاں اس پختہ عمارت میں ٹینا مریم میرے متعلق معلومات حاصل کرے گی اور ناصر پاشا سے جب پوچھا جائے گا تو وہ بتائے گا کہ میں کاٹیج میں آرام کرنے گیا ہوں پھر ٹینا مریم اسی کاٹیج کی طرف آئے گی۔ لہٰذا میں وہاں سے دور جا رہا تھا۔

چلنے کے دوران میں ونڈسر اور چیئرمین کے دماغ میں باری باری جھانکنے لگا۔ اس وقت تک میٹنگ شروع ہوگئی

تھی اور ونڈسر کہہ رہا تھا "قاتل کا مقصد سمجھ میں نہیں آ رہا ہے اس لیے بہتر یہ ہوگا کہ پورے جزیرے میں... گمنام قاتل کو مخاطب کرکے یہ اعلان کرایا جائے کہ قاتل جو کوئی بھی ہے کسی طرح وہ اپنے مقاصد بتائے اور مطالبات پیش کرے۔ اس اعلان کے بعد ہوسکتا ہے کہ قاتل کسی طرح بھی یا نوشتہ کے ذریعے یا ٹیلیفون کے ذریعے یا کسی شخص کے ذریعے اپنا مقصد ضرور بیان کرے گا۔"

کسی نے کہا "کیا وہ قاتل اس طرح اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی حماقت کرے گا؟"

ونڈسر نے کہا "میں یہ نہیں کہتا کہ وہ خود کو ظاہر کرے گا لیکن اس کا کوئی مقصد ہے کوئی مطالبہ ہے تو وہ ضرور کسی نہ کسی طرح اُسے ظاہر کرے گا اور اُسے اُس کا موقع دینا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ یہاں تمام لوگوں پر سے پابندیاں ہٹا دی جائیں اور خصوصاً لڑکیوں کو بھی گھومنے پھرنے کی آزادی دی جائے۔ یہاں جو تفریحی پروگرام ہوتے ہیں۔ انھیں جاری رکھا جائے تاکہ لوگ آپس میں ملتے رہیں اور اپنے گھروں تک محدود نہ رہیں۔ اس طرح وہ قاتل بھی چھپا ہوا نہیں رہے گا۔ بلکہ لوگوں میں گھلنے ملنے کی کوشش کرے گا۔ ہم یہی چاہتے ہیں کہ وہ باہر نکلتا رہے اور کہیں نہ کہیں گرفت میں آجائے۔"

ونڈسر نے چیئرمین کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ ناصر پاشا کے نائب طارق محمود پر کسی قسم کا شبہ ظاہر نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کا ذکر چھیڑا جائے۔ لہٰذا اس میٹنگ میں میرے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ لوگ پہلے ہی میرے خلاف جاسوسی کی ابتدا کر چکے تھے۔ ٹینا مریم معلومات حاصل کرتی پھر رہی تھی۔ اُس نے میرے خیال کے مطابق ناصر پاشا سے میرے متعلق پوچھا تھا کہ اُس کا نائب نظر کیوں نہیں آرہا۔ ناصر پاشا نے جواب دیا تھا کہ طارق محمود آرام کرنے کے لیے اس کے کاٹیج میں گیا ہے۔ اب میں ٹینا مریم کے دماغ میں جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ وہ کاٹیج کی طرف مجھ سے ملنے کے لیے آرہی تھی جبکہ میں وہاں موجود نہیں تھا۔

چونکہ ٹینا مریم مجھے فوراً ہی تلاش نہیں کرسکتی تھی اس لیے میں اُس کے دماغ سے نکل آیا۔ میں پھر ونڈسر اور چیئرمین کے پاس پہنچ گیا۔ اب ونڈسر کہہ رہا تھا "ہمیں مردوں اور عورتوں کے حلقوں سے یہ معلوم کرنا ہے کہ کون تیز اور تند مزاج کا ہے کون باغیانہ خیالات رکھتا ہے ہم ایسے ہی لوگوں کے ذریعے اس قاتل تک پہنچ سکتے ہیں کیونکہ قاتل کو کسی سہارے کی ضرورت ہے۔ وہ سہارے کے لیے ایسے ہی لوگوں کو تلاش کرے گا۔ لہٰذا مجھے بتایا جائے کہ مردوں میں اور عورتوں میں کون ایسا ہے جو میرے آئیڈیے کے مطابق باغیانہ خیالات رکھتا ہے۔"

تمام لوگ باری باری کہنے لگے کہ انھیں کسی پر شبہ نہیں ہے۔ ایسے ہی وقت ناصر پاشا بول اُٹھا کہ اُسے ایک لڑکی مرجانہ پر شبہ ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ناصر پاشا یوں اچانک بول اُٹھے گا تو میں اُس کے دماغ کو کنٹرول کرلیتا لیکن میں دوسروں کے دماغ میں جھانکتا رہا تھا اس لیے ناصر پاشا پر میں نے توجہ نہیں دی تھی۔ جب وہ اچانک بول اُٹھا تو میں اُس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اُسے گڑبڑانے کی کوشش کی۔ اُس کی زبان سے کہلوایا کہ مرجانہ پر صرف شبہ ہے لیکن وہ باغی نہیں ہوسکتی۔ بس ذرا سی ضدی مزاج کی لڑکی ہے۔

ونڈسر نے کہا "خواہ ضدی مزاج کی ہو یا جیسی بھی ہو۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کس کے دماغ میں گرمی زیادہ ہے۔ جو لوگ باغیانہ خیالات نہیں رکھتے اور گرم دماغ کے ہوتے ہیں انھیں دوسرے لوگ بہکا کر باغی بنا دیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مرجانہ کو بھی کوئی باغی بنا دے۔ اس لیے مسٹر ناصر پاشا آپ کے بیان کے مطابق ہم مرجانہ کو ضرور چیک کریں گے۔"

میں ناصر پاشا کے دماغ سے واپس آگیا۔ بڑی گڑبڑ ہوگئی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی کا دھیان مرجانہ کی طرف جائے لیکن ونڈسر اب مرجانہ کے بارے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے لگا تھا۔ وہ لولیتا سے کہہ رہا تھا کہ وہ مرجانہ کو چیک کرے گی اور مرجانہ تک پہنچنے کے لیے ناصر پاشا کو کہا گیا کہ وہ وہاں تک لولیتا کو پہنچا دے۔

میں چلتے چلتے ایک باغ میں پہنچ گیا۔ دور دور تک رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی جھاڑیوں کو تراش کر کیبن نما چھوٹے چھوٹے کمروں کی صورت میں جگہ بنائی گئی تھی جہاں ایک مرد اور ایک عورت آرام سے بیٹھ کر پرائیویٹ باتیں کرسکتے تھے۔ میں ایسی ہی جھاڑیوں کے ایک کنج میں پہنچ کر بیٹھ گیا۔ وہاں آرام تھا اور اطمینان تھا۔ میں بڑے اطمینان سے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔

اس کے دماغ میں جھانکتے ہی میں اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ کیونکہ وہ نورجہاں کے ساتھ بیٹھی راز و نیاز کی باتیں کر رہی تھی — میں پچھلی رات سے نورجہاں کو بھڑکا رہا تھا کہ وہ مرجانہ سے ملاقات کرے۔ اس لیے بیچاری مرجانہ سے ملنے گئی تھی۔ یوں تو پہلے ہی سے وہ مرجانہ کے نام سے کتراتی تھی۔ اب اُس کے پاس پہنچی تو مرجانہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے برابر بٹھا لیا تھا۔

میں نے نورجہاں کے دماغ میں جھانک کر دیکھا — وہ

مدہوش ہوئی جارہی تھی۔ مرجانہ کے قرب میں جیسے جادو چھپا ہوا تھا۔ وہ سحرزدہ ہو رہی تھی لیکن عورت کی شرم و حیا مانع تھی۔ اِس لیے وہ جھجک رہی تھی اور بار بار گھبرا کر کہہ رہی تھی: "مجھے چھوڑ دو۔ مجھے جانے دو۔ کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا؟"

مرجانہ نے اپنی گرفت ڈھیلی کی تو نورجہاں شرما کر بھاگ گئی۔ مرجانہ کا قہقہہ اُس کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ مردانہ انداز میں ایک بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئی پھر اچانک اُس کی سوچ نے کہا: "اب کیا ہوگا۔ یہاں تو پہرہ سخت ہوتا جا رہا ہے۔ اب کوئی واردات کرنے کے لیے آزادی نہیں ملے گی؛ میں کیا کروں؟"

میں نے اُس کی سوچ میں سوال کیا: "اگر مجھے آج بھی آزادی مل جائے تو میں کن لوگوں کو نشانہ بناؤں گی؟"

اُس کی سوچ نے کہا: "میں شروع سے جن دو بے غیرتوں کو نشانہ بنانا چاہتی ہوں۔ وہ میرے ہاتھوں سے بچتے جا رہے ہیں اور وہ ہیں ناصر پاشا اور طارق محمود ....."

اُس کی سوچ سُن کر میں چونک گیا اور اُس کے دماغ کو کُریدنے لگا۔ تب اُس کے دماغ نے بتایا کہ سب سے پہلے اُس نے ایک گارڈ پر حملہ کیا تھا اور پیچھے سے اُس کے سر پر ضرب لگائی تھی۔ وہ اتنا زبردست ہاتھ تھا کہ کوئی اس زخم کو دیکھ کر یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ ایک عورت کا حملہ ہو سکتا ہے۔ بہرحال اُس نے اس گارڈ سے ریوالور لے لیا تھا۔ کیونکہ وہ اس افریقی باشندے کو ہلاک کرنا چاہتی تھی جس کے پاس زہریلی سوئی تھی۔ اُس نے کسی طرح اُسے بھی ہلاک کر دیا تھا اور زہریلی سوئی اور بلوئنگ پائپ کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ اُسے صبح ہی پتہ چل گیا تھا کہ ناصر پاشا پاکستان کے ساحل سے آیا ہے۔ اس مرتبہ لڑکیاں نہ لا سکا مگر اُس کے ساتھ ایک اور دلّال کا اضافہ ہو گیا ہے۔ جس کا نام طارق محمود ہے۔

اس کی سوچ کے ذریعہ بار بار اپنے لیے دلّال کا لفظ سُن کر مجھے غصہ آ رہا تھا مگر یہ سوچ کر برداشت کرنا پڑتا تھا کہ وہ انجانے میں ایسا کہہ رہی ہے اور یہ مثل مشہور ہے کہ کوئلے کی کان میں جانے سے ہاتھ منہ کالا ضرور ہوتا ہے۔ میں ناصر پاشا جیسے دلّالوں کے ساتھ رہ رہا تھا۔ لہٰذا مجھے بھی اُن کے ساتھ بدنام ہونا ہی تھا۔ وقت آنے پر میں اپنے دامن سے بدنامی کا یہ دھبہ مٹا سکتا تھا۔

بہرحال میں اُس کے ذہن کو کریدنے لگا۔ اُس کی سوچ نے مجھے بتایا کہ وہ مجھے اور ناصر پاشا کو سب سے پہلے ہلاک کرنا چاہتی تھی۔ جہاں ہم میٹنگ کے لیے تمام ٹھیکیدار بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں وہ..... چھت پر روشن دان کے پاس تھی۔ اُس نے سوئی میری طرف یا ناصر پاشا کی طرف پھونکا تھا۔ کیونکہ اُسے صحیح نشانہ لگانا نہیں آتا تھا۔ اِس لیے وہ سوئی جنرل سیکرٹری پال مین کی گردن تک پہنچ گئی تھی۔

اس کا حملہ ناکام نہیں ہوا تھا۔ پال مین یعنی ایک ٹھیکیدار مارا گیا تھا۔ وہ ہمارے بعد دوسرے ٹھیکیداروں کو بھی ہلاک کرنا چاہتی تھی۔ اس طرح اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا لیکن اُسی دن اُسے تمام لڑکیوں کے ساتھ ہوسٹل کی حدود میں پابند کر دیا گیا تھا کہ کوئی اپنے کالج سے باہر نہیں نکلے گی۔

یہ پابندی مرجانہ کے لیے بڑی مشکلیں پیدا کر رہی تھی۔ ایک طرح سے جھنجلاہٹ تھی کہ وہ مجھے یا ناصر پاشا کو ہلاک نہیں کر سکی تھی اور کسی طرح ان پابندیوں سے نکل کر وہ ہم تک پہنچنا چاہتی تھی۔ شام تک وہ منصوبے بناتی رہی پھر اُس نے اپنی دوستوں کو اپنا رازدار بنایا۔

مرجانہ دو ماہ سے اس جزیرے میں تھی اور دوسری لڑکیوں کے ساتھ اُس کی دوستی وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھی۔ جو لڑکی جزیرے میں اُس کے ساتھ آ کر رہتی تھی وہ مرجانہ کی دیوانی بن جاتی تھی۔ اُس کی دوستی کا دم بھرنے لگتی تھی۔ ایسی چھ لڑکیاں تھیں جو اُس پر مرتی تھیں۔ اُس کے ساتھ ہمیشہ رہنا چاہتی تھیں لیکن وہ الگ الگ کالج میں رہنے پر مجبور تھیں۔

مرجانہ نے ان چھ لڑکیوں سے باری باری رابطہ قائم کیا۔ اُن لوگوں کو یہ لالچ دیا کہ جو لڑکی اُس کی ہدایت کے مطابق عمل کرے گی وہ اُس سے گہری دوستی رکھے گی۔ لڑکیاں باری باری اُس سے مل رہی تھیں اور اس کی محبت کے فریب میں آ رہی تھیں۔ انھوں نے یقین دلایا کہ مرجانہ جیسا کہے گی ویسا ہی وہ کریں گی۔ لہٰذا مرجانہ نے ہر ایک کی گھڑی میں ایک جیسا وقت ملایا اور اُن سے کہا کہ رات کے ٹھیک ساڑھے دس بجے وہ اپنے اپنے کالج میں آگ لگا دیں۔ اس طرح چھ لڑکیوں نے اپنی گھڑی میں وہی وقت ملایا تھا اور ہر لڑکی نے ٹھیک ساڑھے دس بجے اپنے اپنے کالج میں آگ لگا دی تھی۔ اس طرح مرجانہ کو ملا کر سات لڑکیوں نے آگ لگائی تھی اور سات کالج سے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔

مرجانہ نے ہوسٹل کی ایک دیوار کے پاس بلوئنگ پائپ، زہریلی سوئیوں کا ڈبہ اور ریوالور کو چھپا کر رکھا تھا۔ آگ لگنے کے بعد جب لڑکیاں چیختی چلاتی بھاگنے لگیں تو وہ دوڑتی ہوئی اُس دیوار کے پاس آئی پھر اپنے ہتھیار اٹھا کر وہ اُن بھاگتی ہوئی لڑکیوں میں شامل ہو گئی اور ہمارے کالج تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگی۔ آگے ایک افسر لڑکیوں کا راستہ روک رہا تھا۔ انھیں سمجھا رہا تھا کہ وہ بد حواس ہو کر نہ بھاگیں لیکن مرجانہ کسی طرح بھاگتے ہوئے ہمارے کالج تک پہنچنا چاہتی تھی۔ راستہ روکے جانے پر وہ جھنجلا گئی۔ پولیس کا افسر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سب لوگوں کو پُرسکون رہنے کی ہدایت دے رہا تھا۔ مرجانہ نے بلوئنگ پائپ کے ذریعہ سوئی پھونک کر اُسے ہلاک کر دیا۔ تاکہ پھر ہنگامہ ہو اور راستہ کھل جائے۔

اور یہی ہوا۔ اس آفیسر کے مرتے ہی مسلح گارڈز کی توجہ اس کی طرف ہوئی تو لڑکیاں پھر ادھر اُدھر بھاگنے لگیں۔ مرجانہ بھاگتی ہوئی ایک کالج میں پہنچی۔ وہاں دوسرا ٹھیکیدار رہتا تھا۔ اُس نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو ٹھیکیدار نے دروازہ کھول دیا۔ اُس وقت مرجانہ کے پاس ریوالور تھا اور وہ ریوالور استعمال نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اُس کی آواز سُن کر مسلح گارڈز ادھر آ جاتے۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہاں ایک میز پر قینچی رکھی ہوئی تھی۔ مرجانہ نے اس ٹھیکیدار کو دو چار کراٹے کے ہاتھ جمائے۔ پھر اُسے فرش پر گرانے کے بعد قینچی اُٹھا کر اُس پر حملہ کر دیا اور اُسے ہلاک کرنے کے بعد وہاں سے نکل بھاگی۔

میں مرجانہ کی سوچ کے ذریعے اس کے کارنامے سُن رہا تھا۔ اُس نے پچھلی رات بڑی جدوجہد کی تھی کہ کسی طرح ہمارے پاس پہنچ سکے مگر اُس کی بدنصیبی اور ہماری خوش نصیبی تھی کہ وہ ہمارے کالج تک نہ پہنچ سکی۔ میں تو خیر مرجانہ کے دو بہ دو حملوں سے خود کو بچا سکتا تھا۔ ناصر پاشا میں یہ صلاحیتیں نہیں تھیں لیکن میں اپنے آپ کو خوش نصیب اِس لیے کہہ رہا ہوں کہ مرجانہ کے پہلے حملے سے بچ گیا تھا۔ ورنہ انجانے میں میری موت واقع ہو جاتی اور وہ انجانے میں مجھے دشمن سمجھ کر اپنے حملے میں کامیاب ہو جاتی۔

مرجانہ کی سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ کیونکہ اس کے کمرے میں ایک لڑکی داخل ہوئی تھی اور وہ مرجانہ کو مخاطب کرتے ہوئے اُس کے پاس آ رہی تھی پھر وہ اُس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ کر بولی: "تم یہاں تنہا کیا کر رہی ہو۔ میں تمھیں دوسرے کالج میں تلاش کر رہی تھی۔"

"کیوں تلاش کر رہی تھیں؟"

"تم بڑی بے مروت ہو۔ پیار دے کر بھول جاتی ہو مگر میں تو تمھیں نہیں بھول سکتی۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے ساتھ رہو گی لیکن پچھلی رات تم نے آگ لگوا دی۔"

مرجانہ نے اُسے دھیمی زبان میں ڈانٹتے ہوئے کہا: "یہ بات زبان پر مت لاؤ۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔ کوئی مسلح گارڈ پاس سے گزرتے ہوئے سُن سکتا ہے۔ نادانوں کی طرح باتیں نہ کرو۔ میں سمجھ گئی ہوں تم کیا چاہتی ہو۔ آج دیکھیں گے کہ تمھارے لیے رات گزارنے کے لیے کون سی جگہ مقرر کی جاتی ہے اُس کے مطابق میں تمھارے ساتھ رہوں گی اور کچھ؟"

اُس لڑکی نے خوش ہو کر مرجانہ کے ہاتھ کو تھام لیا پھر وہ اُس کے ہاتھ کو دباتے ہوئے بولی: "مرجانہ، پتہ نہیں تمھارے ہاتھ میں کیا جادو ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھارے ہاتھوں میں اتنی سختی کیسے آ گئی ہے۔ جب تمھیں چھو کر دیکھا جاتا ہے تو تم لڑکی نہیں لگتیں۔ ایسا لگتا ہے کہ تم نے مردوں جیسا سخت جسم پایا ہے۔ آخر یہ سختی تم میں کہاں سے آ گئی؟"

مرجانہ کے دماغ نے سوچا: "اب میں اس لڑکی کو کیا بتاؤں کہ میں ایک موم جیسی عورت بننے کے بجائے فولاد کیسے بن گئی۔ کون اُسے اپنی داستان سنائے۔"

میں نے اُس کی سوچ میں اصرار کیا: "نہیں داستان سنانا چاہیے۔ اپنی بات دوسری لڑکیوں کو بھی بتائی جائے تو اُن میں حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھی حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہ سکتی ہیں۔ خصوصاً میرے حکم پر یہ کسی وقت بھی جان کی بازی لگا سکتی ہیں۔ انھیں بتانا چاہیے کہ میں حقیقت میں کیا ہوں۔"

وہ انکار نہ کر سکی اس لڑکی سے کہنے لگی: "میں بچپن سے لے کر جوانی تک بڑے سخت حالات سے گزرتی رہی ہوں۔ بڑی مصیبتیں اٹھاتی رہی ہوں۔ وہ حالات ایسے تھے کہ رفتہ رفتہ میں پتھر بنتی چلی گئی۔"

لڑکی نے پوچھا: "کیا تم پاکستان کی ہی رہنے والی ہو؟"

"ہاں میرا ملک پاکستان ہے لیکن میرا تعلق کس شہر کس علاقے سے ہے میں نہیں جانتی۔ مجھے اپنے ماں باپ کا بھی علم نہیں ہے۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ میں بچپن میں ایک ایسے آدمی کے پاس تھی جو شرابی اور جواری تھا۔ اُس کا نام کرم دین تھا۔ وہ مجھے بہت مارتا تھا اور خواہ مخواہ کوئی نہ کوئی کام کرواتا رہتا تھا۔ کبھی کوئی کام نہ ہوتا تو وہ مجھے ایک ٹانگ پر کھڑا کر دیتا۔ کبھی دوسری ٹانگ پر کھڑا رہنے کا حکم دیتا۔ اِس طرح مجھے گھنٹوں ایک ایک ٹانگ پر کھڑے رہنے کی عادت ہوتی گئی۔ میں برداشت کی عادی ہونے لگی۔ اُس کے ہاتھ بڑے سخت تھے۔ جب وہ مجھے مارتا تھا تو کبھی میری باچھوں سے کبھی میری ناک سے خون بہنے لگتا تھا۔ رفتہ رفتہ میرا چہرہ، میرے جبڑے بے حس ہوتے گئے اور اُس کی مار سہنے کی عادت بھی ہو گئی۔ میں رفتہ رفتہ سخت جان ہوتی گئی۔ وہ اکثر مجھے گالیاں دے کر کہتا تھا: 'بے غیرت تیری وجہ سے ہی میں ایک چوکیدار بن کر رہ گیا ہوں۔ ورنہ میں کبھی تیرے جیسے بچوں کی مصیبت نہیں پالتا۔ تجھ سے مجھے سیکڑوں روپے کی آمدنی ہے۔ اگر آمدنی نہ ہوتی تو کب کا تیرا گلا گھونٹ

کہ مار ڈالتا۔"

اُس وقت میں ایک نادان بچی تھی۔ اُس کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ میری ... سے اُسے سیکڑوں روپے کی آمدنی کیسے ہو جاتی ہے۔ بہرحال ایک دن وہ جُوا کھیل رہا تھا اور حسبِ عادت کبھی مجھے سگریٹ لانے کے لیے کہتا۔ کبھی پان لانے کے لیے کہتا۔ کبھی پانی منگواتا۔ اس طرح مجھے جُوا کھیلنے کے دوران دوڑاتا رہتا تھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیلنے میں مست رہتا تھا۔ اس رات بڑی زبردست بازی چل رہی تھی۔ کچھ لوگوں کے درمیان نوٹوں کے ڈھیر لگ رہے تھے۔ اس وقت کرم دین ہار رہا تھا۔ آخر میں یہ ہوا کہ بازی لگاتے لگاتے اُس کے پیسے ختم ہو گئے۔ اگلی چال چلنے کے لیے اُسے پانچ سو روپے کی ضرورت تھی اور اب اس کی جیب میں ایک روپیہ بھی نہیں تھا۔ اُس نے اپنے مقابل کھیلنے والے سے اُدھار کرنے کے لیے کہا مگر اُس کے مقابل بیٹھے ہوئے شخص نے اُدھار سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا۔ "یا تو پتے پھینک کر بازی ہار جاؤ یا پانچ سو روپے لاکر شو کراؤ تو میں اپنے پتے دکھاؤں گا۔"

اُس کے سامنے نوٹوں کا ڈھیر تھا۔ پتہ نہیں کتنے ہزار روپے ہوں گے۔ وہ ان روپوں کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے پتے دکھا کر وہ ساری رقم جیت لینا چاہتا تھا۔ اچانک اُس کی مجھ پر پڑی۔ اُس نے اپنے مقابل کھیلنے والے سے کہا۔ "میں اس بچی کو تمہارے پاس گروی رکھنا چاہتا ہوں۔ کیا پانچ سو روپے میں اسے گروی رکھو گے؟"

مقابل کھیلنے والا شیدے پہلوان کہلاتا تھا۔ اگرچہ وہ ویسی قسم کا پہلوان نہیں تھا۔ بلکہ اپنے علاقے کا بہت بڑا غنڈہ تھا۔ اِس لیے لوگ اُسے غنڈہ کہنے کے بجائے شیدے پہلوان کہتے تھے۔ شیدے پہلوان نے میری طرف دیکھا۔ اُس کی نظریں بڑی خونخوار ہوا کرتی تھیں۔ وہ کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا تھا لیکن جب اُس نے مجھے دیکھا تو اُس کی نگاہوں میں اچانک ہی نرمی آگئی۔ اُس نے سر ہلا کر کہا۔ "ہاں بڑی خوب صورت بچی ہے لیکن میں ایک شرط پر مان سکتا ہوں اور وہ یہ کہ پانچ سو روپے کے عوض ہمیشہ کے لیے اس بچی کو میرے حوالے کر دو۔ میں گروی نہیں رکھوں گا۔ منظور ہے تو لو لو۔ ورنہ پتے پھینک دو۔"

کرم دین نے ہچکچاتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ وہ ہمیشہ کے لیے مجھے کسی کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اُسے اپنے پتوں پر... شاید اعتماد تھا کہ وہ جیت جائے گا۔ اُس نے پھر ایک بار اپنے پتے اٹھا کر دیکھے۔ اُسے جیت کا یقین ہو گیا۔ اُس نے شیدے پہلوان سے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اگر تم جیت جاؤ تو اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا۔ مجھے اعتراض نہیں ... اتنے لوگوں کے سامنے اس لڑکی کو داؤ پہ لگا رہا ہوں ... اپنے پتے شو کرو۔"

شیدے پہلوان نے اپنے تینوں پتے اُٹھا کر ... کر دیے۔ سب لوگ جھک کر دیکھنے لگے۔ ان تینوں پتوں ... کرم دین سیاہ پڑ گیا۔ کیونکہ اُس کے پتے شیدے پہلوان ... چھوٹے تھے اور وہ بُری طرح ہار گیا تھا۔ اس ... طرف دیکھا پھر دانت پیسنے کے بعد کہا۔ "منحوس ... میں ہار گیا۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ مجھے مارنے کے لیے اٹھا لیکن شیدے ... اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "خبردار! اب اسے ہاتھ نہ لگانا ... جیت چکا ہوں۔ یہ میری ہو گئی ہے اب تیرا اس ... ہے۔ جا بھاگ جا یہاں سے۔"

اُس نے نوٹوں کو ایک تھیلے میں بھرتے ہوئے ...
"بیٹی تمہارا نام کیا ہے؟"

میں نے کہا۔ "مرجانہ۔"

وہ میرا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "کیا میرے گھر چلو گی ... رہو گی، وہاں تمہیں ایک ماں بھی ملے گی۔"

مجھے وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ کیونکہ پہلی بار ... سے میں نے بیٹی کا لفظ سُنا تھا۔ میں نے کہا۔ "ہاں ... ہو۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ یہ آدمی تو مجھے بہت ..."

وہ مجھے وہاں سے اپنے گھر لے آیا۔ اُس کی ... نوجوان خوب صورت سی عورت تھی۔ مجھے دیکھ کر ... یہ کون ہے۔ شیدے پہلوان نے کہا۔ "اری نیک بخت ... گئی۔ تُو سوگ مناتی رہی۔ دیکھ اللہ میاں نے اُس کے ... دوسری خوب صورت بچی بھیج دی ہے۔ تُو مجھے جُوا ... منع کرتی تھی۔ آج میں اِسے جُوئے میں جیت کر لایا ... تیرے پاس رہے گی۔ تُو اسے بیٹی بنا لے۔"

اس عورت نے مجھے اپنے پاس بُلا کر بٹھایا ... نام پوچھا۔ مجھ سے اچھی اچھی باتیں کیں۔ مجھے کئی بار ... اس گھر میں اُن کی بیٹی بن کر رہنے گی۔ زندگی میں پہلی ... کے دن گزرے۔ میں وہاں بڑے عیش و آرام میں ... پہلوان چوری ڈکیتی کی واردات کیا کرتا تھا۔ ضرورت ... خون خرابے سے بھی باز نہیں آتا تھا۔ مہینے دو مہینے ... رقمیں لے کر آتا تھا۔ خوب دولت جمع کرتا تھا اور مجھے ... بولی ماں کو خوب کھلاتا اور پہناتا تھا۔

ایک رات قسمت کا مارا ایک چور خود اُس کے ...

... شاید اُسے علم نہیں تھا کہ وہ محلّے کے سب سے بڑے بدمعاش کے گھر میں داخل ہو رہا ہے۔ اِس وقت میری منہ بولی ماں کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے چیخ ماری کہ چور آیا ہے۔ وہ آنے والا گھبرا کر بھاگنے لگا تو لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اِس طرح گر پڑا کہ اُس کا سر میری چارپائی کی پائینتی پر آیا۔ میرے پیروں کے پاس اُس کی گردن آتے ہی میں نے اپنی دونوں ٹانگوں میں اُس کی گردن پھنسا لیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے چارپائی کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اب وہ جھٹکے دے کر اپنی گردن چھڑا رہا تھا لیکن میری ٹانگوں سے آزاد نہیں ہو پا رہا تھا۔ اتنی دیر میں لائٹ آن کی گئی تو شیدے پہلوان نے حیرانی سے دیکھا کہ میں ایک دس برس کی بچی ایک ہٹے کٹے چور کو صرف دو ٹانگوں کی قینچی بنا کر گرفت میں لیے ہوئے تھی اور وہ چور خود کو چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

شیدے پہلوان نے آگے بڑھ کر چور کے سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا تو میں نے اُس کی گردن چھوڑ دی۔ پہلوان نے اُسے دو چار تھپڑ مارنے کے بعد کہا۔ "ابے، چور کے گھر چوری کرنے آیا ہے۔ کیا اس علاقے میں نیا آیا ہوا ہے، کسی نے میرے بارے میں بتایا نہیں تھا۔ اب میں تجھے کہیں کے حوالے کیا کروں۔ میرا اپنا پیشہ بھی یہی ہے۔ چل جا، تجھے معاف کرتا ہوں۔ شاید یہ نیکی کبھی میرے کام آجائے۔ اگر یہ دھندا سیکھنا ہے تو میرے گروہ میں آجانا۔ کل اِس علاقے میں آکر جس سے بھی شیدے پہلوان کے بارے میں پوچھے گا تجھے میرے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ چل اب بھاگ جا یہاں سے۔"

چور وہاں سے بھاگ گیا۔ اب شیدے پہلوان مجھے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ میری منہ بولی ماں بھی حیران تھی اُس نے کہا۔ "بیٹی تم نے اس چور کو صرف دو ٹانگوں کے ذریعے گرفت میں رکھا تھا۔ تم تو پہلوان معلوم ہوتی ہو۔"

شیدے پہلوان نے آگے بڑھ کر میرے دونوں پیروں کو اچھی طرح پکڑ کر ٹٹول کر اور دبا دبا کر دیکھا۔ پھر اُس نے پوچھا۔ "کیا تم نے کبھی ورزش کی ہے۔ تمہارے پاؤں اتنے سخت کیوں ہیں؟"

مجھے یاد آیا کہ میں تقریباً تین چار برسوں سے کبھی اس ٹانگ پر کبھی اُس ٹانگ پر گھنٹوں کھڑی رہتی آئی ہوں۔ میری ٹانگوں میں قوتِ برداشت بہت زیادہ ہے۔ میں نے جواب دیا۔ "میں نے کبھی ورزش نہیں کی۔ میں نہیں جانتی کہ ان ٹانگوں میں اتنی قوت کیسے آگئی ہے۔ ہاں وہ جو کرم دین ہے وہ مجھے ہمیشہ ایک ٹانگ پر کھڑا رکھا کرتا تھا اور میں گھنٹوں برداشت کرتی رہتی تھی۔ شاید اس وجہ سے میری ٹانگیں مضبوط ہو گئی ہیں۔"

ماں نے کہا۔ "بیٹی، آج تو تُو نے کمال کر دیا۔"

شیدے پہلوان نے میری پیٹھ پر ایک دھپ رسید کرتے ہوئے کہا۔ "بس آج سے تو بیٹی نہیں، بیٹا ہے۔ میں تجھے اپنے ساتھ باہر لے جایا کروں گا اور تجھے اچھے اچھے استادوں کے پاس چھوڑ کر لڑنے کے طریقے سکھاؤں گا۔ تجھے پہلوان بناؤں گا۔ سن لے مرجانہ کی ماں، کل سے یہ لڑکیوں کا لباس نہیں پہنے گی۔ میں اس کے لیے لڑکوں کا ریڈی میڈ لباس صبح ہی خرید کر لاؤں گا۔"

میری ماں نے اعتراض کیا۔ اُسے ایک بیٹی کی چاہت تھی۔ مجھے بیٹی کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی لیکن شیدے نے دوسرے دن میرے بال کٹوا دیے۔ بالکل لڑکوں کی طرح بال رکھے اور مجھے پتلون اور قمیص پہنا دی۔ پھر شام کے وقت وہ مجھے ایک ایسے اسپورٹنگ کلب میں لے گیا جہاں لوگ ورزش بھی کرتے تھے اور فری اسٹائل کشتی لڑنے کے داؤ پیچ بھی سیکھتے تھے۔

میں نے کسی بات پر اعتراض نہیں کیا۔ حالات مجھے جس رنگ میں رنگ رہے تھے میں رنگتی جا رہی تھی۔ بچپن سے مجھ پر اتنے ظلم ہوئے تھے کہ میں نے اپنے متعلق یہ سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ میں لڑکی ہوں یا لڑکا۔ کرم دین نے میرے احساسات اور میرے اندر کے لڑکی پن کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ جب میں شیدے کے پاس آئی تو ماں کی ممتا نے مجھے احساس دلایا کہ میں بیٹی ذات ہوں لیکن چند ہی دنوں کے بعد شیدے نے مجھے لڑکا بنایا تو یہ بھی مجھے اچھا لگا۔ پتہ نہیں کیوں میری فطرت میں سختی، جبر، غصہ اور برداشت سب کچھ شامل تھا اور یہ سب مردانہ خصوصیات تھیں جو حالات نے مجھ میں پیدا کر دی تھیں۔

شیدے نے وہاں مجھے لڑکا ظاہر کیا۔ میرا نام مرجانہ کے بجائے امیر جان لکھایا اور مجھے اس کلب کا باقاعدہ ممبر بنا دیا۔ اس کلب کے ایک فری اسٹائل پہلوان نے مجھے دیکھ کر اور میرے چہرے کو اپنی ہتھیلی میں سختی سے جکڑ کر کہا۔ "یہ تو بہت ہی خوب صورت ہے۔ اس کا چہرہ لڑکیوں کی طرح حسین ہے مگر لڑکوں کی طرح سخت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ یہاں کشتی کا فن جلد ہی سیکھ لے گا۔"

شیدے نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ میں باہر لوگوں سے لڑکوں کے انداز میں باتیں کیا کروں۔ اِس لیے میں نے کہا۔ "ہاں، اگر آپ جیسے استاد مجھ پہ مہربان رہے تو میں جلد ہی سیکھ لوں گا۔"

اُستاد نے میری پیٹھ پر تھپکی دی۔ پھر مجھے ورزش کرنے والوں کی اس ٹولی میں بھیج دیا جہاں سات برس سے لے کر پندرہ برس تک کے لڑکے ورزش کر رہے تھے اور زور آزمائی بھی کر رہے تھے۔ میں اُن کی ٹولی میں شامل ہوگئی۔ ابتدا میں کچھ دنوں تک شیدے میرے ساتھ ہر شام اس کلب میں آتا رہا۔ پھر وہ مطمئن ہوگیا کہ میں اچھے انداز میں ورزش کر رہی ہوں اور زور آزمائی سیکھ رہی ہوں۔ پھر اس نے میرے لیے ایک رکشہ مقرر کر دیا۔ وہ رکشے والا ہر شام مجھے اس کلب تک پہنچاتا تھا اور رات کے آٹھ بجے تک وہاں سے واپس لے آتا تھا۔

میری ماں کو یہ فکر تھی کہ میں لڑکی ہی رہوں اور کچھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھ جاؤں۔ اِس لیے وہ دن کے وقت اِسی کوشش میں رہتی تھی کہ میں سارا دن پڑھنے لکھنے میں اور دوسرے گھریلو کام سیکھنے میں گزاروں۔ اُس نے اپنے طور پر ضد کر کے میرے لیے ایک ٹیچر رکھا جو مجھے اردو اور انگریزی پڑھانے لگا۔

اِس طرح میری زندگی اُن بچّوں کی طرح گزرنے لگی جو تعلیم حاصل کرنے اور ہنر سیکھنے میں اپنے دن اور رات گزارتے رہتے ہیں۔ پہلے میرا کوئی مقصد نہیں تھا کہ میں اپنا مستقبل کیسا بنانا چاہتی ہوں۔ ماں نے پڑھنے کے لیے کہا تو میں نے پڑھنا شروع کر دیا۔ شیدے نے مجھے لڑاکا اور فائٹر بنانا چاہا تو میں وہ بھی بننے لگی پھر رفتہ رفتہ ورزش کرنے اور داؤ پیچ سیکھنے کے دوران میری دلچسپی بڑھنے لگی مقابلہ ہونے لگا تو میرے اندر جذبہ پیدا ہوا کہ میں دوسروں سے سبقت لے جاؤں۔ جب وہاں میری تعریفیں ہوتی تھیں تو میرا حوصلہ بڑھنے لگتا تھا۔

وہاں سیکھنے سکھانے کا طریقۂ کار یہ تھا کہ استاد کی نگرانی میں بڑی عمر کے لڑکے چھوٹی عمر کے لڑکوں کو داؤ پیچ سکھاتے تھے۔ اُن پر داؤ آزماتے تھے اور انھیں سمجھاتے تھے کہ حملے سے کس طرح بچ کر جوابی حملہ کیا جاتا ہے۔ میں عمر کے لحاظ سے چھوٹی تھی لیکن دس برس کی عمر میں میرا قد تقریباً ساڑھے چار فٹ تھا۔ میں نوجوان لڑکوں کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ داؤ پیچ میرے دماغ میں نقش ہو جاتے تھے۔ میں چشم زدن میں فیصلہ کر لیتی تھی کہ کس موقع پر کون سا داؤ استعمال کرنا چاہیے۔ میرا یہ پھرتیلا پن سب کے لیے حیرانی کا باعث تھا۔ استاد میری بڑی تعریفیں کرتا تھا۔

ایک سال کی مسلسل محنت کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ میں پہلے سے زیادہ صحت مند ہوگئی میرے بدن میں پہلے سے زیادہ سختی پیدا ہوگئی لیکن اس سختی کے باوجود ورزش کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے بدن میں فائٹروں جیسی لچک پیدا ہوتی گئی۔ پھرتیلا پن بھی آگیا تھا اور میں پہلے سے کچھ قد آور لگتی تھی۔

بیس بائیس برس کے نوجوان لڑکے سکھاتے وقت بڑے محتاط رہتے تھے کیونکہ تھی اور اُن کے سکھانے کے مطابق جب میں جوابی حملے کر وہ بڑی مشکلوں سے حملوں سے بچ پاتے یا کترا کر کئی بار میرے ہاتھوں سے پِٹ جانے کے بعد وہ اپنی محسوس کرنے لگے تھے۔

استاد نے جب یہ دیکھا تو اُن نوجوانوں سے کہا دو کی تعداد میں مجھ اکیلی سے مقابلہ کیا کریں تاکہ ایسا ہی ہونے لگا۔ مجھ پر بیک وقت دو نوجوان میں ایک طرف سے بچاؤ کرتی تھی۔ دوسری طرف سے تھی۔ اِس طرح پہلے تو میں بہت زیادہ مار کھاتی تھی مجھ میں پھرتی آگئی اور یہ سمجھ آگئی کہ کس وقت کس بچاؤ کرتے ہوئے دوسری طرف حملہ کرنا چاہیے۔ مجھ میں پہلے نہیں تھا جو اَب میں نے محسوس کیا تھا۔

ایک رات میں کلب سے واپس آئی تو والے شیدے کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ اُس تھا اور وہ الزام سچ ثابت ہو رہا تھا۔ دوسرے میں اُس سے ملنے گئے۔ اُس کا کیس عدالت تک مال برآمد ہو چکا تھا۔ شیدے کے ایک ماتحت کی جرم اس پر ثابت ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اُسے بامشقت کی سزا سنائی گئی۔

شیدے نے جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے سے کہا تم بیٹی نہیں بیٹا ہو۔ میں تین سال بعد آؤں گا میری میں تم اپنی ماں کا خیال رکھنا اور ایک بیٹا بن کر اس حفاظت کرنا۔“

میری ماں بہت رو رہی تھی۔ میں اُسے سمجھا لے آئی اور اُسے دلاسہ دیتی رہی کہ تین سال دیکھتے گزر جائیں گے۔ اُس دن سے میں نے اپنے اوپر محسوس کیں۔ اس مقدمے کے دوران میں نے کتنے ہی منہ سے یہ طعنے بھی سُنے کہ میرا باپ چور اور بدمعاش میں ایک ڈاکو کی بیٹی یا بیٹا ہوں۔

ایسے طعنے سُننے کے بعد پہلی بار میرے دماغ کلبلانے لگے کہ آخر میں کس کی اولاد ہوں میرے کون ہیں۔ میں کہاں پیدا ہوئی۔ کوئی میرا اپنا لہو کا رشتہ

دنیا میں ہے یا نہیں۔ اگر میرے اپنے لہو کے رشتے دار موجود ہیں تو وہ کہاں ہیں؟ مجھے کسی نے پوچھا کیوں نہیں، کسی نے مجھے گود کیوں نہیں لیا۔ آخر وہ لوگ کہاں ہیں۔ مَیں اُن سے ملنے کے لیے انھیں جاننے کے لیے۔ انھیں ایک نظر دیکھنے کے لیے اندر ہی اندر بے تاب رہنے لگی۔

شیدے مجھے جوئے میں جیت کر لایا تھا۔ اُس نے کبھی یہ معلوم کرنا ضروری نہیں سمجھا کہ میں کس کی بیٹی ہوں۔ جیتنے والا یہ نہیں دیکھتا کہ وہ مال کہاں سے آیا تھا۔ قسمت سے جو مل جاتا ہے اُسے قبول کر لیا جاتا ہے۔ یہ جواریوں کی عادت ہوتی ہے۔ اِسی لیے شیدے نے کبھی میرے متعلق چھان بین نہیں کی تھی۔ اَب اتنی مدت کے بعد مجھے کرم دین کا خیال آ رہا تھا۔ وہی جانتا ہوگا کہ میں کس کی بیٹی ہوں کیونکہ میرا بچپن اِسی کے پاس گزرا تھا۔

میں کرم دین کو تلاش کرنے لگی۔ روزانہ میں کسی نہ کسی جوئے خانے کی طرف جاتی تھی۔ متوسط طبقے کے یا نچلے طبقے کے ہوٹلوں میں جا کر دیکھتی تھی کہ شاید کرم دین کہیں نظر آ جائے لیکن وہ پتہ نہیں کہاں غائب ہو گیا تھا۔ میں اب تک لڑکوں کا لباس پہنتی تھی میرے بال کٹے ہوئے تھے اور میرے جسم میں ایسی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی جس سے کہ لوگ مجھے لڑکی سمجھتے۔ میں بالکل لڑکا ہی نظر آتی تھی اور دُور سے دیکھنے والے مجھے تقریباً اٹھارہ بیس برس کا جوان لڑکا سمجھتے تھے۔ یہ قدرت کی دین ہے کہ میں اس عمر میں ایسی قد آور اور صحت مند ہو گئی تھی۔

ایک روز میں کرم دین کو تلاش کرتے ہوئے ایک کشادہ گلی سے گزر رہی تھی کہ چار جوانوں نے میرا راستہ روک لیا۔ یہ وہی جوان تھے جو کلب میں میرے ساتھ زور آزمائی کرتے تھے۔ اُن میں سے دو نوجوان کئی بار میرے ہاتھ سے پِٹ چکے تھے ساتھیوں نے مجھے گھیرتے ہوئے کہا۔ ”کلب میں تو دوستانہ مقابلہ ہوتا ہے لیکن دوستانہ مقابلے میں تم نے کئی بار ہماری سچ مچ پٹائی کی۔ ہم استاد کے خیال سے خاموش رہے لیکن آج اصلی اور خطرناک مقابلہ ہوگا۔“

میں نے اُن سے کہا۔ ”یہ مقابلہ اس گلی میں کیوں کرنا چاہتے ہو جو کچھ ہوتا ہے وہ استاد کے سامنے ہوگا۔“

ایک جوان نے کہا۔ ”نہیں۔ اُستاد نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ سال کا مقابلہ ہم تم سے کریں گے اور تم ہم سے بہت جونیئر ہو۔ اگر جیت جاؤ گے تو ہماری بے عزتی ہوگی۔ اگر ہار جاؤ گے تب بھی ہمارا نام نہیں ہوگا۔ لوگ یہی کہیں گے کہ ہم نے اپنے سے بہت ہی جونیئر فائٹر کو ہرایا ہے۔ دونوں صورتوں میں ہماری بے عزتی ہے بہتر ہے کہ تم کلب میں آنا چھوڑ دو یا پھر آج ہم تمھارے ہاتھ پاؤں توڑ کر تمھیں گھر میں بٹھا دیں۔“

یہ کہتے ہی اُن سب نے بیک وقت مجھ پر حملے کیے میرے دماغ میں اپنے مدافعت کے لیے بڑی تیزی سے داؤ پیچ آنے لگے۔ میں بچنے کی کوشش کرنے لگی لیکن ہوتا یہ تھا کہ ایک طرف سے بچاؤ کرتی تھی تو دوسری طرف سے مار پڑ جاتی تھی۔ وہ کم بخت واقعی دشمنوں کی طرح حملے کر رہے تھے اور وہاں کوئی دوستانہ مقابلے کی بات نہیں تھی۔ ایک منٹ کے مقابلے میں مَیں نے صرف دو جوانوں کو بُری طرح مارا۔ باقی دو جوان مجھے بری طرح مارتے رہے۔

اس گلی کی کھڑکیاں اور دروازے کھلنے لگے۔ مرد، عورتیں اور بچے باہر آ رہے تھے۔ گلی کے سامنے سے ایک بڑی شاہراہ گزرتی تھی۔ وہاں سے ایک کار آ کر گلی میں رُک گئی اور کچھ لوگ ہماری طرف آنے لگے۔ کتنے ہی لوگوں نے دُور ہی دُور سے ہم لوگوں کو دھمکی دی کہ مار پیٹ بند کر دیں لیکن اعظم نے للکار کر کہا۔ ”خبردار، کوئی ہمارے قریب نہ آئے۔“

اُن نوجوانوں میں سے ایک کا نام اعظم تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ اس علاقے کا اُبھرتا ہوا بدمعاش سمجھا جاتا ہے۔ سب اُس سے ڈرتے ہیں اور اس کے منہ نہیں لگتے۔ اِسی لیے اُس کے ڈانٹنے پر سب لوگ دُور ہٹ گئے تھے اور ہماری لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

میں بچپن میں کرم دین سے مار کھایا کرتی تھی تو میری ناک اور باچھوں سے خون رِسنے لگتا تھا پھر رفتہ رفتہ میں عادی ہوگئی۔ بالکل بے حس ہوتی چلی گئی۔ اس کے بعد مار تو کھا لیتی تھی اور برداشت کر لیتی تھی لیکن اب میرے جسم کے کسی حصے سے لہو بہنا ختم ہو گیا ہے یا میں پتھر کی بن گئی ہوں۔ اس وقت بھی مقابلے کے دوران یہی ہوا۔ مجھ پر اُن کے حملے ہوتے تھے لیکن ایسے ہی جیسے پتھر کو مارا جا رہا ہو۔ میرے جوابی حملے سے دو جوان اس طرح زخمی ہوئے تھے کہ اُن کی ناکوں سے اور باچھوں سے لہو رِس رہا تھا اور وہ غصّے سے پاگل ہوئے جا رہے تھے اور باقی دو کی پٹائی اَب میں نے شروع کی تھی جو دو نوجوان مار کھا چکے تھے وہ ذرا سست پڑ کر اور محتاط ہو کر مجھ پر حملے کر رہے تھے اِس لیے مجھے دوسروں پر حملہ کرنے کا موقع مِل گیا تھا۔

جب اُنھوں نے دیکھا کہ اُن کی تعداد زیادہ ہونے کے باوجود مقابلہ برابر ہو رہا ہے نہ وہ جیت رہے ہیں۔ نہ میں

شکست کھا رہی ہوں تو اُن میں کچھ اور جھنجلاہٹ آگئی۔ اُن میں سے دو نوجوان اچانک ہی بھاگتے ہوئے کہیں گئے۔ باقی دو مقابلہ کرتے رہے۔ تھوڑی دیر میں مَیں نے دیکھا وہ لاٹھی لیے دوڑتے چلے آرہے تھے۔ اعظم نے چیخ کر کہا: "ہم اِس بے غیرت کو مار کر یہاں گلی میں پھینک دیں گے اور اِس کے کپڑے اُتار کر چلے جائیں گے تاکہ یہ یہاں ننگا پڑا رہے اور ساری دنیا اِس پر تھوکتی رہے۔"

یہ سُن کر میرے ہوش اُڑ گئے۔ ایک تو وہ لاٹھیوں سے حملہ کرنے والے تھے۔ دوسرے یہ کہ اگر مجھے مار پیٹ کر یا بیہوش کرکے زخموں سے چُور کر دینے کے بعد وہ میرے کپڑے اُتار لیتے تو سارا بھید کھُل جاتا۔

اِس صورتِ حال کو دیکھ کر مجھے دماغ نے سمجھایا کہ وہاں سے نکل بھاگنا چاہیے ورنہ یہ لوگ مجھے آج بے عزت کرکے ہی چھوڑیں گے اور میرے ہاتھ پاؤں بھی توڑ کر رکھ ڈالیں گے۔ میں نے فرار ہونے کے لیے بڑھ بڑھ کر حملے کیے لیکن اب تو مجھ پر لاٹھیاں بھی پڑنے لگی تھیں۔ میں دونوں ہاتھوں سے لاٹھی کے حملوں کو روک رہی تھی۔ بڑے سخت حملے تھے۔ بڑی سخت چوٹیں آرہی تھیں لیکن میں اپنا سَر بچا رہی تھی۔ ایسا کب تک ہو سکتا تھا۔ اچانک ایک لاٹھی میرے سَر کے پچھلے حصّے پر لگی تو دن میں تارے نظر آنے لگے۔ میں نے سنبھلنے کی بڑی کوشش کی۔ دونوں پاؤں پھیلا کر اِدھر سے اُدھر ڈگمگاتی رہی۔ گرنے کے بجائے کھڑے رہنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر میں نے دُھندلائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک نوجوان سامنے سے لاٹھی کا حملہ کرنا چاہتا ہے۔ میں بجلی کی سی تیزی کی طرح ایک دم سے دوڑتی ہوئی اُس سے لپٹ گئی اور اُسے گھونسوں پر اور کراٹوں پر رکھ لیا۔ اُس کے ہاتھ لاٹھی چھوٹنے والی تھی کہ میں نے اُسے چھین لیا۔ وہ لاٹھی میرے ہاتھ میں کیا آئی کہ مجھ میں ایک نئی جان آگئی۔ میں نے اپنی چوٹوں کو بھُلا کر اور سَر کی تکلیف کو نظر انداز کرتے ہوئے حوصلے اور برداشت سے کام لیا۔ میں نے لاٹھی چلانی شروع کی تو وہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ دوسرا لاٹھی والا میرے آگے نہ ٹک سکا۔ وہ بھی مقابلہ کرنے کے دوران اپنا بچاؤ کرتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اعظم اور اُس کے ساتھی بھی میرے حملے سے بچنے کے لیے دُور بھاگ رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ میں بیچ گلی میں لاٹھی ٹیک کر اُس کے سہارے کھڑی رہی۔ میری آنکھوں کے سامنے منظر دھندلا رہے تھے۔ دُور دُور تک مرد، عورتیں اور بچے نظر آرہے تھے۔ جو گُم صُم کھڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ دُور ایک کار کھڑی ہوئی تھی اور وہاں کوئی شخص کھڑا ہوا سگار پی رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میری طرف آرہا تھا۔ پھر کچھ لوگ کہنے لگے کہ مجھے اسپتال پہنچانا چاہیے یا قریب ہی کسی ڈاکٹر کے پاس لے جا کر میری مرہم پٹی کرانی چاہیے۔

اس کار والے نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: "ٹھیرو، کوئی اس لڑکے کی طرف نہ بڑھے۔ میں اس کا علاج کراؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے بالکل سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ مجھے گہری اور ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر بھاری بھرکم لہجے میں بولا: "لڑکے! لڑنے کا فن سیکھنے کے لیے مار کھانے کی مشق بھی کرنی پڑتی ہے تاکہ قوتِ برداشت میں اضافہ ہوتا رہے۔ اس وقت تم نے مارا بھی ہے اور خوب مار بھی کھائی ہے۔ میں بہت دیر سے تماشہ دیکھ رہا تھا لیکن ابھی تم میں ایک کمزوری ہے۔ تمھیں دلیر بننا چاہیے اور دلیر بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس وقت اس حالت میں اس لاٹھی کے سہارے تمھیں کھڑے نہیں ہونا چاہیے۔"

یہ کہتے ہی اُس نے میری لاٹھی کو ایک لات ماری۔ وہ لاٹھی میرے قبضے سے نکل گئی۔ میں ذرا ڈگمگائی۔ پھر دونوں پاؤں پر جم کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بولا: "شاباش، اب اسی طرح اپنے قدموں سے چلتے ہوئے میری کار تک پہنچو۔ جو لوگ اپنی جرأت اور اپنے حوصلے کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ میں اُن کی قدر کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ میں ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔ اس وقت میرے سَر سے لہو بہہ رہا تھا۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ میرا چہرہ، میری گردن اور میرے گریبان کے اندر تک بدن کا حصّہ لہو سے بھیگتا جا رہا ہے میرا سَر لٹو کی طرح چکرا رہا تھا میری آنکھیں دُھندلا رہی تھیں لیکن میں ایک ایک قدم اُٹھاتی ہوئی اُس کار کے قریب پہنچتی جا رہی تھی۔ ہر قدم پر یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے اب میں گرنے ہی والی ہوں۔

اس بھیڑ سے کتنے ہی لوگوں نے چیخ کر کہا کہ یہ لڑکا گر پڑے گا۔ اُسے سہارے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اسے طبی امداد ملتے ملتے یہ مر ہی جائے اسے اُٹھا کر کار میں ڈالنا چاہیے۔

مگر میرے ساتھ چلنے والا شخص دونوں ہاتھ اُٹھا کر لوگوں کو سمجھا رہا تھا: "اطمینان رکھو۔ یہ لڑکا بہت بہادر ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت اس کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے۔ یہ اپنے قدموں سے چلتا ہوا میری کار میں جا کر بیٹھے گا۔ تم لوگ دیکھتے رہو۔"

پھر لوگوں نے دیکھا کہ میں اپنے قدموں سے چلتی ہوئی اُس کی کار کے دروازے تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے کار کا دروازہ کھولا تو میں اگلی سیٹ پر نڈھال ہو کر گر پڑی۔ اس شخص نے جھک کر کہا: "یوں نہیں، حوصلے سے بیٹھو۔ یوں جیسے تمھیں کچھ نہیں ہوا ہے اور تم تازہ دم ہو۔ ان زخموں کو برداشت کرنے کی کوشش کرو۔ نڈھال ہونے والے مجھے اچھے نہیں لگتے۔"

میں اگلی سیٹ پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتی رہی۔ پتہ نہیں وہ شخص میرے ساتھ کیوں ایسا سلوک کر رہا تھا لیکن اُس کے اس انداز نے میرے اندر حوصلہ پیدا کیا تھا اور میں اپنے آپ کو بہادر اور سخت جان ثابت کرنے کے لیے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیرنگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کار اسٹارٹ ہوئی اور اس بھیڑ کو چیرتی ہوئی وہاں سے دُور جانے لگی۔

میں اپنی سیٹ پر سیدھی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کبھی کبھی مجھے کن انکھیوں سے دیکھ لیتا تھا۔ پھر اُس نے پوچھا: "تمھارا نام کیا ہے؟"

مجھ میں اب بولنے کی بھی ہمت نہیں رہی تھی۔ میں نے اپنی بکھری ہوئی قوتوں کو سمیٹ کر بڑی مشکل سے کہا — "امیر جان!"

وہ سَر ہلا کر بولا: "تم واقعی بہت بہادر لڑکے ہو۔ میری ایک نصیحت کو اچھی طرح یاد رکھو۔ جب کبھی ایسی مصیبت کی گھڑیاں آئیں تو اپنی قوتِ برداشت کو زیادہ سے زیادہ آزمایا کرو اور اُس کے آزمانے کا طریقہ یہی ہے کہ اگر کھڑے رہو تو اپنے پیروں پر جم کر کسی سہارے کے بغیر۔ اگر بیٹھے رہو تو پشت کی جانب کسی کا سہارا نہ لو اور سامنے دیکھتے رہو اور جو کچھ نظر آتا ہے اُسے سمجھتے رہو اور اس طرح اپنے ہوش و حواس کو قائم رکھتے رہو۔ تب ہی آنے والی دوسری مصیبتیں تمھارے سامنے پھیکی پڑتی جائیں گی اور تم اُن پر ہمیشہ بڑی آسانی سے غالب آتے جاؤ گے۔"

اُس کی باتوں سے اُس کی سنگ دلی کا پتہ چل رہا تھا۔ میں چپ چاپ سنتی رہی اور دعا مانگتی رہی کہ وہ مجھ سے کوئی جواب طلب نہ کرے کیونکہ بات کرنے کی ذرا بھی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ اس نے پھر ایک بار مجھے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا: "میں وہاں بہت دیر سے کھڑا ہوا تمھارے لڑنے کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ تم نے اپنے خوب صورت انداز میں اُن کا مقابلہ کیا ہے کہ میری طبیعت خوش ہو گئی۔ بےشک تم نے بہت زیادہ مار کھائی ہے لیکن وہ چار تھے اس لحاظ سے وہ بھی بہت زیادہ مار کھا کر گئے ہیں۔ جب لاٹھیاں آئیں تو میں نے حساب کیا کہ تمھیں کتنی چوٹیں لگی ہیں۔ دو لاٹھیاں تمھارے سَر پر پڑی تھیں۔ تب ہی میں نے سمجھ لیا تھا کہ اب تم گر پڑو گے۔ لیکن تمھاری ہمت کی داد دینا پڑتی ہے کہ تم جم کر کھڑے رہے۔ کئی لاٹھیاں تمھارے بدن پر بھی پڑیں اور تم اُن میں سے ایک لاٹھی چھیننے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ میں کھڑا ہوا اس انتظار میں تھا کہ تم بالکل ہی بےبس ہو کر نڈھال ہو کر گر پڑو گے اور مقابلے کے قابل نہیں رہو گے تب میں تمھاری مدد کو پہنچوں گا اور ان لوگوں کو ریوالور سے دھمکا کر بھگا دوں گا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ میں پھر ایک بار کہتا ہوں کہ تم نے میری طبیعت خوش کر دی ہے۔"

مَیں اُس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہا ہے۔ جلد ہی کسی اسپتال تک کیوں نہیں پہنچا دیتا مجھے فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت تھی۔ میں چاہتی تھی کہ امداد ملتے وقت میں بستر پر آرام سے لیٹ جاؤں اور آنکھیں بند کر لوں تو کچھ آرام آئے گا لیکن وہ مسلسل گاڑی ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔ بہت دیر بعد وہ گاڑی ایک کوٹھی کے سامنے رُکی۔ دربان نے کوٹھی کے احاطے کا بڑا سا آہنی دروازہ کھولا تو کار اندر رینگنے لگی۔ میں نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھا۔ بہت بڑے پلاٹ پر بہت عالی شان کوٹھی بنی ہوئی تھی۔ وہ گاڑی پورچ میں پہنچ کر رُک گئی۔

اس نے گاڑی سے اُترنے کے بعد میری طرف کا دروازہ کھول کر کہا: "اب میں تمھارا زیادہ امتحان نہیں لوں گا۔ میری کوٹھی کے اندر تک چلنے کے لیے تم میرے ہاتھ کا سہارا لے سکتے ہو۔"

میری جان میں جان آئی کہ اب مجھے آزمائش سے گزرنا نہیں ہو گا۔ میں نے ایک ہاتھ بڑھا کر اُس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ پھر اُس گاڑی سے اُتر کر آہستہ آہستہ دو زینے چڑھ کر برآمدے پر پہنچی۔ وہاں سے ہم کوٹھی کے اندر داخل ہوئے۔

کوٹھی کے اندر پہنچتے ہی اُس نے اچانک میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں لڑکھڑائی مگر پھر سنبھل کر کھڑی رہی۔ وہ مسکرا کر بولا۔ "شاباش میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم نے صرف مجھ پر ہی بھروسہ کیا ہے یا اپنے اعتماد پر بھی چل رہے ہو۔ تم نے سنبھل کر یہ ثابت کر دیا کہ واقعی ایسی حالت میں بھی غیر شعوری طور پر اپنے آپ پر بھروسہ کرتے ہو اور کسی دوسرے کا سہارا برائے نام لیتے ہو شاباش۔"

وہ عجیب آدمی تھا۔ قدم قدم پر مجھے آزما رہا تھا اور میری جان پر بنی ہوئی تھی۔ خدا خدا کرکے ہم ایک ڈرائنگ روم میں پہنچے۔ وہاں مجھے ایک صوفے پر بیٹھنے کا موقع ملا۔ اُس نے کسی

کو آواز دی تو ایک ملازم اور ایک خوش پوش لمبا تڑنگا نوجوان اس ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ اس کے قد اور اس کی صحت کو دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ وہ کوئی پہلوان ہے۔ میرے اجنبی مہربان نے اُس نوجوان سے کہا "اس لڑکے کو فوراً طبّی امداد پہنچاؤ۔"

وہ نوجوان اس ملازم کے ساتھ ڈرائنگ روم سے فوراً ہی باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ دونوں طبّی امداد پہنچانے کے تمام سامان کے ساتھ واپس آ گئے۔ پھر میرے زخموں کی صفائی اور مرہم پٹی ہونے لگی۔ میں کراہنا چاہتی تھی مگر تکلیف برداشت کر رہی تھی۔ میرا اجنبی مہربان یہی چاہتا تھا۔ وہ میری قوتِ برداشت کو آزمانے کے لیے ایک طرف کھڑا مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ مرہم پٹی کے بعد مجھے آرام ملا تو میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ میں نے اپنے اجنبی مہربان کی آواز سنی۔ وہ نوجوان سے کہہ رہا تھا "اسے اٹھا کر بیڈ روم میں لے جاؤ۔"

پھر میں نے محسوس کیا کہ اس نوجوان نے اپنے مضبوط بازوؤں میں مجھے اُٹھا لیا ہے اور مجھے کہیں لے جا رہا ہے۔ اُس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا۔ میں گہری نیند سو گئی۔

پتہ نہیں کتنی دیر بعد مجھے زبردستی اٹھایا گیا۔ میں نے ذرا سی آنکھ کھول کر دیکھا تو وہی ہٹا کٹا نوجوان مجھے اپنے سہارے اٹھا کر بستر پر بٹھائے ہوئے تھا اور ایک گلاس میرے منہ سے لگایا ہوا تھا۔ وہ پھلوں کا جوس تھا۔ میں غٹا غٹ اُسے پی گئی۔ گلاس خالی کرنے کے بعد پھر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے مجھے پھر بستر پر سُلا دیا۔ دوسری بار جب میری آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی۔ سامنے... دیوار گھڑی پر پانچ بج رہے تھے۔ میں نے اپنے آپ کو بالکل ہلکا پھلکا سا تر و تازہ محسوس کیا۔ ذرا سی انگڑائی لی تو سر میں درد کی ٹیسیں اٹھیں۔ مجھے یاد آ گیا کہ میرے سر میں سخت چوٹیں آئی ہیں۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

بہت دُور کہیں سے کچھ آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں سمجھ نہیں سکی کہ وہ کیسی آوازیں ہیں۔ میں بستر سے اُتر کر اس کمرے سے باہر آئی۔ پھر کئی کاریڈور اور کمروں سے گزر کر کوٹھی کے پچھلے حصّے میں پہنچی۔ پچھلے حصّے میں پائیں باغ کی طرف ایک بہت بڑا ہال سا بنا ہوا تھا۔ وہاں سے وہ آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ لوگ ایک دوسرے کے حملوں کو روک رہے ہیں اور حملہ کر رہے ہیں۔ ایسے وقت بے اختیار منہ سے جیسی آوازیں نکلتی ہیں ایسی ہی آوازیں اس ہال سے باہر آ رہی تھیں۔

میں پائیں باغ سے گزرتی ہوئی اُس ہال کے دروازے تک پہنچ گئی۔ اندر نظر پڑتے ہی فوراً میری سمجھ میں آ گیا کہ وہاں مارشل آرٹ سیکھنے والے موجود ہیں۔ انھوں نے پاجامے اور بغیر کالر کی قمیصیں پہنی ہوئی تھیں اور کمر میں سیاہ کپڑے کا بیلٹ باندھا ہوا تھا۔ ہال کے ایک گوشے میں میرا وہ اجنبی مہربان ایک اُونچی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کرسی سے اُتر کر میری طرف آنے لگا۔ باقی نوجوان آپس میں لڑ رہے تھے۔ زور آزمائی کر رہے تھے اور بڑے اچھے انداز میں مارشل آرٹ کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اُن میں بڑی تنظیم تھی۔ بڑے سلیقے سے وہ لڑتے جاتے تھے۔ اگر کسی کو کچھ اعتراض ہوتا تو اُس کا مقابل سر جھکا کر معذرت چاہ لیتا تھا۔

ایک جاپانی شخص اس ہال میں اِدھر سے اُدھر آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا اور لڑنے والوں کو گہری نظروں سے دیکھتا جا رہا تھا۔ اگر کسی سے پینترا بدلنے میں یا حملہ کرنے میں یا اپنا بچاؤ کرنے میں کوئی غلطی ہوتی تو وہ اُسے سمجھاتا تھا۔ میرے اجنبی مہربان نے اُسے مخاطب کیا "مسٹر واٹسوردکی یہاں تشریف لائیں۔ اس لڑکے سے ملیں۔"

مسٹر واٹسوردکی نے گھوم کر ہماری جانب دیکھا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہماری طرف آنے لگا۔ اُس کے چہرے پر بڑی درشتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مسکرانا ہی نہ جانتا ہو اور اُس کا پورا بدن فولاد کی طرح سخت نظر آتا تھا۔ اُس نے قریب آ کر میرے سامنے سر کو ذرا سا جھکایا۔ وہ جاپانی انداز میں ہماری تعظیم کر رہا تھا۔ میرا سر بھی بے اختیار جھک گیا۔ میرے اجنبی مہربان نے کہا "اس کا نام امیر جان ہے۔ اس کا ذکر میں دوپہر کو کر چکا ہوں اور تم بھی اس سے ملنے کے لیے بے چین تھے۔"

یہ بات میرا اجنبی مہربان اس سے انگریزی میں کہہ رہا تھا اور میں انگریزی نہیں جانتی تھی۔ بعد میں یہ باتیں مجھے معلوم ہوئیں۔ مسٹر ردکی نے میری طرف دیکھ کر پوچھا "کیا اس نے پہلے کسی اسکول میں اس طرح لڑنے کی تربیت حاصل کی ہے؟"

میں اُس کا منہ تکنے لگی۔ میرے اجنبی مہربان نے مجھ سے پوچھا "کیا تم انگریزی نہیں سمجھتے ہو؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں میں تھوڑی اُردو اور تھوڑی انگریزی پڑھ لیتا ہوں مگر انگریزی نہ تو بول سکتا ہوں نہ سمجھ سکتا ہوں۔"

میرے اجنبی مہربان نے سر ہلا کر کہا "کوئی بات نہیں تم رفتہ رفتہ سب کچھ سیکھ لو گے۔" پھر اس نے مسٹر ردکی سے کہا "یہ لڑکا کل سے یہاں سیکھنے آیا کرے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر خصوصی توجہ دیں۔ یہ بہت جلد ہی مارشل آرٹ میں مہارت حاصل کر لے گا۔"

یہ براہِ راست مسٹر ردکی سے انگریزی میں باتیں نہیں کر سکتی تھی۔ اِس لیے وہ اپنے شاگردوں کے پاس واپس چلا گیا۔ میرے اجنبی مہربان نے مجھ سے کہا "آؤ ہم کوٹھی میں چلیں میں تم سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں اور تمھیں بھوک بھی لگ رہی ہوگی۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے کوٹھی میں آئے۔ میں نے اُس سے پوچھا "آپ کون ہیں اور آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام جسیم الدین ہے۔ میں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصّہ جاپان میں گزارا ہے۔ وہاں میں دیکھتا تھا کہ جوان لڑکے اور لڑکیاں اسپورٹس مین ہوتے ہیں اچھے چاق و چوبند نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ورزش کرتے ہیں اور جدید مارشل آرٹ زیادہ سے زیادہ سیکھتے ہیں۔ یہی لگن لے کر میں اپنے ملک میں آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے پاس بے پناہ دولت ہے۔ میرے بیوی بچے نہیں ہیں۔ اِسی لیے اچھے قابل لڑکوں کو دیکھ کر یہاں بلاتا ہوں اور انھیں مارشل آرٹ سکھاتا ہوں۔ اِس کے لیے میں نے واٹسوردکی کو یہاں کا استاد مقرر کیا ہے اور اس کے لیے میں مسٹر ردکی کو ہر ماہ پانچ ہزار روپے دیتا ہوں۔"

کوٹھی میں پہنچ کر اُس نے ملازم کو کھانا لانے کا آرڈر دیا پھر ہم ڈائننگ ٹیبل کے اطراف بیٹھ گئے۔ اُس نے کہا "میں نے تم سے پوچھے بغیر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ کل سے تم یہاں آ کر مارشل آرٹ سیکھو گے۔ اس کے لیے میں ابھی تمھارے ساتھ تمھارے گھر جاؤں گا اور تمھارے والدین سے ساری باتیں طے کر لوں گا۔"

میں نے کہا "میرے ماں باپ نہیں ہیں۔"

اُس نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا "کیا مر گئے ہیں؟"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں وہ زندہ ہیں یا مُردہ، یہ میں نہیں جانتا۔ میں بچپن سے بھٹکا ہوا ہوں اور مجھے اپنے والدین کا صحیح علم نہیں ہے کہ وہ کون لوگ ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ میں انھی کی تلاش میں ہوں۔ کرم دین نامی ایک شخص مجھے بچپن سے پال رہا تھا اور مجھے بڑی اذیتیں دیا کرتا تھا۔ مجھ میں جو قوتِ برداشت ہے اُس کا میں بچپن ہی سے عادی ہو گیا ہوں۔"

"ایسے شخص پر لعنت بھیجو اور میرے پاس چلے آؤ۔ میں تمھیں اپنا بیٹا بناؤں گا۔"

میں نے کہا "اُسے چھوڑے ہوئے تقریباً دو برس ہو چلے ہیں۔ اس شخص نے مجھے جوئے میں ہار کر رشید پہلوان کے حوالے کر دیا تھا۔ رشید پہلوان کی بیوی کو میں ماں کہتا ہوں۔ اُن کو ایک اولاد کی ضرورت تھی۔ اُنھوں نے مجھے اپنے بچے کی طرح پالا ہے اور رشید نے مجھے ایک اسپورٹنگ کلب کا ممبر بنایا ہے جہاں میں نے فائٹنگ کی تربیت حاصل کی ہے۔"

"اس ملک میں مسٹر واٹسوردکی کے مقابلے کا کوئی فائٹر نہیں ہے۔ وہ تمھیں فولادی فائٹر بنائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کل سے یہاں آ کر سیکھا کرو۔ میں اس رشید پہلوان سے ابھی اس سلسلے میں باتیں کروں گا۔"

میں نے کہا "وہ آج کل جیل میں ہے۔"

میں نے اُسے بتایا کہ رشید پہلوان کس قماش کا ہے اور کیسی کیسی وارداتیں کرتا رہتا ہے۔ ساری باتیں سُننے کے بعد جسیم الدین نے کہا "بیٹے تمھیں ایسے ماحول میں نہیں رہنا چاہیے۔ تم چہرے سے بھی کسی شریف خاندان کے لڑکے معلوم ہوتے ہو۔ پھر یہ کہ تم نے اپنی فائٹنگ کی صلاحیتوں سے مجھے متاثر کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ پڑھنا لکھنا بھی سیکھ جاؤ۔ کچھ بیرونی زبانیں بھی سیکھ لو۔ میں تمھیں بہت ہی قابل انسان بنانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم رشید پہلوان کے ماحول سے نکلو اور میرے پاس آ جاؤ۔"

میں نے کہا "یہ فی الحال ممکن نہیں ہے کیونکہ انھوں نے مجھے اپنی اولاد کی طرح رکھا ہے۔ مجھ پر مہربانیاں کی ہیں۔ زندگی میں پہلی بار ایک عورت نے مجھے ماں کا پیار دیا ہے اور رشید پہلوان خواہ کتنا ہی بُرا ہو۔ اُس نے مجھے ایک اچھا فائٹر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اب جبکہ وہ جیل میں اپنے دن گزار رہا ہے تو میں اپنی ماں کو چھوڑ کر نہیں آؤں گا۔"

اُس نے مجھے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "شاباش۔ اخلاق اور مروّت بہت ضروری ہے۔ تم واقعی کسی شریف خاندان کے چشم و چراغ معلوم ہوتے ہو۔ اب میں تم سے اس بات کی ضد نہیں کروں گا لیکن وعدہ کرو کہ تم یہاں صبح سے آیا کرو گے اور رات کے آٹھ نو بجے واپس جایا کرو گے۔ اس دوران تمھاری انگریزی اُردو کی تعلیم جاری رہے گی اور مسٹر ردکی آئندہ تمھیں جاپانی زبان بھی سکھائے گا۔ اس کے علاوہ شام کو تم مارشل آرٹ سیکھا کرو گے۔"

اس روز ہمارے درمیان ساری باتیں طے ہو گئیں۔ پھر میں اس سے رخصت ہو کر اپنے گھر آ گئی۔ دوسرے دن سے میں وہاں جانے لگی۔ واقعی وہاں میری تعلیم کا انتظام ہو گیا تھا۔ میرے لیے ٹیچر رکھے گئے تھے اور میرے لیے کتابیں بھی آ گئی تھیں۔ اس کے علاوہ شام کو میرے لیے الگ لباس سلوایا گیا تھا جسے پہن کر مارشل آرٹ کی مشق کرنی تھی۔ میں نے اپنی اصلیت ظاہر

نہیں کی تھی۔ لڑکوں ہی کا لباس پہنتی تھی اور لڑکوں ہی کی طرح باتیں کیا کرتی تھی۔ تقریباً ایک برس تک میں وہاں مسلسل جاتی رہی اور تعلیم کے علاوہ مارشل آرٹ بھی سیکھتی رہی۔ وہاں بڑے عمدہ طریقے سے داؤ پیچ سکھائے جاتے تھے اور مسٹر رو کی واقعی قابل اور تجربہ کار فائٹر تھا۔ وہ صرف لڑنا ہی نہیں بلکہ اپنے شاگردوں کو سکھانا بھی جانتا تھا۔

چونکہ مجھے اپنے ماں باپ اور اپنی پیدائش کے متعلق کچھ نہیں معلوم تھا اِس لیے میں اپنی عمر کا صحیح تعین نہیں کر سکتی۔ بس اندازے سے کہہ سکتی ہوں کہ اس وقت تک شاید میں بارہ تیرہ برس کی ہو گئی تھی۔ ابھی جوان نہیں ہوئی تھی۔ اب تک بچی ہی تھی۔ صرف اپنے قد اور اپنی جسامت کی وجہ سے کوئی قد آور نوجوان لڑکا نظر آتی تھی۔ سالانہ مقابلہ ہوا تو بیس برس کا ایک نوجوان اوّل آیا اور میں دوسرے نمبر پر ہو گئی۔ حالانکہ لڑنے کا انداز میرا بہتر تھا اور میں اُس پر بھاری رہی تھی لیکن وہ نوجوان پوائنٹ کے حساب سے جیت گیا تھا۔

دو سال کے اندر اندر میں نے اُردو لکھنا پڑھنا اور انگریزی بولنا سیکھ لیا۔ ایک دن میں صبح کے وقت جسیم الدین کی کوٹھی میں پہنچی تو وہاں مسٹر رو کی موجود تھا۔ جسیم الدین نے کہا: "امیر جان۔ یہ ہمارے مسٹر رو کی کا فیصلہ ہے کہ تمھیں اب مختلف انداز سے مارشل آرٹ سکھایا جائے اور تمھارے جسم کو زیادہ سے زیادہ فولاد بنایا جائے۔ اِس کے لیے ہم نے ابتدائی انتظامات کیے ہیں۔ آؤ ہم تمھیں دکھاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر کوٹھی کے پیچھے گئے۔ وہاں پائیں باغ کے ایک گوشے میں چھوٹے چھوٹے پتھر کے ٹکڑوں کا ڈھیر رکھا ہوا تھا۔ میرا اُستاد واٹسورو کی اب انگریزی میں جو کچھ بولتا تھا وہ میں سمجھ لیتی تھی اور اسے جواب بھی انگریزی میں دیا کرتی تھی۔ اُس نے کہا: "میں نے پوائنٹس پر اعظم کو اوّل قرار دیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم اُس سے زیادہ قابل ہو۔ اعظم میں سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اُس میں قوتِ برداشت نہیں ہے اور تم اس کے عادی ہو۔ اَب میں جو کچھ بھی تمھیں سکھاؤں گا اُس کا تعلق قوتِ برداشت سے ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے پتھروں کے ڈھیر دیکھ رہی ہو۔ اب یہ پتھر کے سخت ٹکڑے تمھارے مقابل ہوں گے اور تم ان سے زور آزمائی کرو گی ان پر کراٹے کے ہاتھ رسید کیا کرو گی۔ اپنے دونوں ہاتھ اس ڈھیر میں اتنی قوت سے مارو گی کہ تمھارے ہاتھ کہنی سے آگے تک اس ڈھیر میں دھنس جایا کریں۔ پھر تم ایک ٹانگ سے کبھی دوسری ٹانگ سے اُن پر اُچھلا کرو گی اور اس طرح اُچھلا کرو گی کہ ٹانگیں گھٹنوں سے آگے تک اس ڈھیر میں دھنس جایا کریں۔ تمھیں یقیناً تکلیف پہنچا کرے گی۔ تم زخمی ہوا کرو گی۔ زخموں کا علاج ہمارے پاس ہے۔ بس قوتِ برداشت ہے۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم کس حد تک برداشت کر پاتی ہو۔"

جسیم الدین نے کہا: "یہ مشقیں کرنے کے لیے لنگوٹ اور جانگیہ پہننا ہو گا تاکہ ننگے بدن پر ان پتھروں کی رگڑ لگتی رہے۔"

یہ سن کر میں جھجک گئی۔ میں نے جلدی سے کہا: "میں لنگوٹ اور جانگیہ نہیں پہن سکتا۔ میں پورا لباس پہن کر یہ مشقیں کروں گا۔"

واٹسورو کی نے کہا: "تم پورا لباس پہن کر یہ مشقیں کرو گی تو اُن پتھروں میں وہ لباس پھٹ جایا کریں گے۔ روزانہ تمھیں لباس بدلنا ہو گا۔"

میں نے کہا: "خواہ کچھ ہو۔ میں پورا لباس پہن کر ہی کروں گا۔ میری عادت نہیں ہے۔ میں مختصر لباس کبھی نہیں پہنتا۔"

کافی دیر تک بحث ہوتی رہی پھر میری ضد دیکھ کر وہ دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ میں قمیص اور پاجامہ پہن کر مشقیں کرتی رہوں۔ اس روز سے میں نے ان مشقوں کا آغاز کیا۔ بڑی کٹھن مشقیں تھیں۔ پہلے ہی دن میرے ہاتھ پاؤں لہولہان ہو گئے۔ جب میں ان مشقوں کے دوران نڈھال ہو گئی تو ان لوگوں نے مجھے کوٹھی میں چل کر ایک بستر پر لیٹنے کو کہا۔ میں ایک بستر پر آ کر لیٹ گئی۔ پھر واٹسورو کی نے ایک بکس کھولا۔ اس میں سے ایک بڑی سی بوتل نکالی۔ اس میں سیال مادہ تھا۔ اس نے میری طرف گہری اور سخت نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: "قوتِ برداشت کا امتحان اَب ہو گا۔ یہ جڑی بوٹیوں سے بنائی ہوئی دوا ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ گہرا زخم چند منٹوں میں بھر جاتا ہے اور زخموں کے نشان بھی مٹ جاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر پہلے اُس نے پانی اور روئی کے ذریعے زخموں پر سے پتھروں کی گرد اور مٹی صاف کی۔ ایسے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے لیکن مجھے راحت محسوس ہوئی۔ کہتے ہیں کہ جب درد حد سے بڑھ جاتا ہے تو دوا ہو جاتا ہے۔ میں برداشت کی اتنی عادی ہو گئی تھی کہ یہ معمولی تکلیفیں میرے لیے کچھ نہیں تھیں لیکن جب اُس نے وہ دوا میرے زخموں پر لگائی تو ایک دم سے میرے حلق سے چیخ نکل گئی۔ بڑی نا قابلِ برداشت تکلیف تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میرے ہاتھ اور پاؤں جہاں زخم ہیں وہاں انگارے رکھے جا رہے ہیں اور مجھے آگ پر سے گزار کر میری آزمائش کی جا رہی ہے۔ اس روز مجھے پتہ چلا کہ جہنم کی آگ گناہ گاروں کو کیسے جلائے گی اور کتنی اذیت پہنچائے گی۔ میں شدید تکلیف سے سر جھٹکنے لگی۔ اِدھر اُدھر تڑپنے لگی۔ جسیم الدین نے ڈانٹ کر سخت لہجے میں کہا: "بیٹے برداشت کرو۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے۔ منہ سے آوازیں نہ نکالو۔ کوشش کرو کہ آوازوں کا گلا گھونٹ دو۔ اپنی تکلیف کو برداشت کرنے کی پوری کوشش کرو۔ میں تمھیں حوصلہ مند دیکھنا چاہتا ہوں۔"

مجھے کھانے پینے کے لیے جسیم الدین کے ہاں بہترین خوراک ملتی تھی۔ وہ میرا بہت خیال رکھتا تھا۔ مجھ سے بہت محبت کرتا تھا لیکن ایسے وقت بہت ہی سنگدل بن جایا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دوا کی سوزش کم ہو گئی۔ تکلیف بتدریج گھٹنے لگی۔ رفتہ رفتہ مجھے آرام آ گیا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں بالکل سن ہو گئے ہیں اور ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ اُن میں سے پسینہ پھوٹ رہا تھا اور واٹسورو کی ایک تولیے سے پسینے کے کھلے حصے کو صاف کر رہا تھا۔ میری حیرانی کی انتہا نہ رہی جب میں نے محسوس کیا کہ اَب مجھے تکلیف نہیں ہو رہی ہے۔ جہاں جہاں زخم تھے وہاں وہاں وہ تولیے سے صاف کر رہا تھا اور مجھے ذرا بھی تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

پھر واٹسورو کی نے مجھ سے کہا: "ذرا اپنے ہاتھ پاؤں کو دیکھو۔ اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔"

میں اُٹھ کر آہستگی سے بیٹھ گئی۔ حالانکہ اب کوئی تکلیف نہیں تھی۔ میں نے حیرانی سے دیکھا کہ میرے ہاتھ پاؤں پہلے جیسے تھے یعنی کہیں بھی زخم کا نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ کوئی جادوگری تھی۔ میں حیرانی سے واٹسورو کی کو دیکھنے لگی۔ اُس نے کہا: "مارشل آرٹ کی انتہا کو پہنچنے والے اکثر ایسے ہی مرحلوں سے گزرتے ہیں اور اُن کے پاس ایسی ہی جڑی بوٹیوں سے بنی ہوئی کئی حیرت انگیز دوائیں ہوتی ہیں جو اُن کے زخموں کو مندمل کرتی رہتی ہیں اور اُن کے جسم کو بے حس، ٹھوس اور پتھر بناتی رہتی ہیں۔"

روزانہ ایسی مشقیں کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ دوا کی سوزش برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔ اِس لیے کبھی دو دن کبھی چار دن کے بعد میں ایسی مشقیں کرتی تھی اور اس دوا کی اذیت ناک جلن سے گزرتی تھی۔ تقریباً تین چار مہینے تک یہ عمل جاری رہا۔ اس کے بعد پھر ان کنکریٹ کو گھاس پر بچھا دیا گیا جیسے کشتی لڑنے کے لیے اسٹیج بنا دیا گیا ہو۔ پھر اس پر واٹسورو کی آ کے مجھ سے لڑنے لگا۔ وہ جو کچھ بھی مجھے سکھا چکا تھا میں اس پر عمل کرتی تھی۔ اس پر حملے کرتی تھی اور وہ جوابی حملے کر کے مجھے اُن پتھر کے ٹکڑوں پر اُٹھا کر پھینک دیتا تھا۔ اُس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ میرا جسم مضبوط ہو جائے اور قوتِ برداشت کا عادی ہوتا جائے۔ اِس لیے وہ مجھے اِدھر سے اُدھر پھینکتا رہتا تھا۔

وقت گزر رہا تھا۔ شیدے جیل سے واپس آ گیا تھا اور اُس نے جسیم الدین سے آ کر ملاقات کی تھی اور یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا کہ میری بہت اچھی طرح ٹریننگ ہو رہی ہے، رفتہ رفتہ عمر ذرا گزری تو میں پندرہ برس کی ہو گئی۔ اَب میں نے محسوس کرنا شروع کیا کہ میرے جسم میں کچھ تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ میری ماں نے میری طرف سے پریشان ہونا شروع کر دیا تھا۔

اُس کے باوجود اب بھی میرے مزاج میں ذرا بھی لڑکی پن نہیں تھا۔ مجھ میں بالکل مردوں جیسی خاصیتیں تھیں۔ اُن دنوں جسیم الدین کے اس مارشل آرٹ کے اسکول میں لڑکیاں بھی آنے لگی تھیں اور وہ بھی یہ آرٹ سیکھا کرتی تھیں۔ شیدے نے میری ماں کو تسلی دی کہ اَب زمانہ بدل گیا ہے۔ لڑکیاں بھی جوڈو کراٹے سیکھ رہی ہیں اور ہماری بیٹی مرجانہ تو مردوں سے بھی آگے نکل گئی ہے۔ اس کے لیے تمھیں ذرا بھی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ کوئی چھوٹی موٹی سی لڑکی نہیں ہے کہ باہر جایا کرے گی اور دوسروں سے مقابلے کیا کرے گی تو کوئی اُسے مار پیٹ کر گھر بھیج دے گا۔ اللہ نے چاہا تو یہی دشمنوں کا ناطقہ بند کر دے گی۔

ان دنوں واٹسورو کی نے نئی مشقیں شروع کرائیں۔ اِس بار پائیں باغ کے اس گوشے میں لوہے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ جیسا کہ پہلے پتھروں کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ اَب مجھے ویسی ہی مشقیں کرنی تھیں جیسی میں پتھروں کے ڈھیر میں کر چکی تھیں۔ یہ سب سے کٹھن مرحلہ تھا۔ میں نے وہ مشقیں بھی شروع کیں اور بڑی تکلیفوں اور اذیتوں سے گزرتی رہی۔ یہ مشقیں ہفتے میں ایک بار ہوا کرتی تھیں۔ اس کے باوجود میں بہت ہی تھک ہار کر نڈھال ہو جاتی تھی۔ دواؤں سے زخم تو بھر جاتے تھے لیکن ہفتے بھر تک آرام کرنا پڑتا تھا۔ پھر میں اس قابل ہوتی تھی کہ وہی مشقیں دہرا سکوں۔

تقریباً سترہ سال کی عمر تک مسٹر واٹسورو کی نے مجھے فولاد کا مجسمہ بنا کر رکھ دیا۔ اَب میں بہت محتاط ہو کر دوسروں سے ملتی تھی۔ کسی سے مصافحہ کرتے وقت بہت نرمی سے ہاتھ ملاتی تھی۔ اگر میں اپنے ہاتھ کو ذرا سا بھی سخت کرتی تو مجھ سے مصافحہ کرنے والے کا ہاتھ پس کر رہ جاتا۔ ایک دو بار اس کا تجربہ ہوا۔

مصافحہ کرنے والے مجھے حیرانی سے دیکھتے تھے۔ پھر یہ کہ راستہ چلتے وقت کسی سے ٹکر ہو جاتی تو ٹکرانے والا ایک ہاتھ پیچھے چلا جاتا تھا۔ اگر کوئی بھاری بھرکم آدمی ہوتا تو وہ مجھ سے ٹکرا کر حیرانی سے دیکھتا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ ایک انسان سے ٹکرایا ہے یا فولاد کے کھمبے سے۔

واٹسوروکی نے پھر نئی ورزشیں شروع کرائیں۔ اُن ورزشوں کے ذریعے رفتہ رفتہ میرے فولاد جیسے بدن میں لوچ اور لچک پیدا ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ واٹسوروکی کے دواؤں کے بکس میں ایسی مالش کا تیل بھی موجود تھا جس سے بدن پہ مالش کرنے سے بدن کی جِلد قدرتی طور پہ ملائم نظر آ سکتی تھی۔ اُس نے کہا کہ ورزش کرنے کے بعد اس مالش کے تیل سے میرے پورے بدن پر مالش کی جائے گی۔ میں پھر ایک بار گھبرائی۔ کیونکہ اب میں جوان ہو چکی تھی اور اب میں کسی سے اپنے بدن کی مالش نہیں کروا سکتی تھی۔

اگرچہ مجھ میں عورت پن نہیں تھا اور نہ ہی میں کنواری لڑکیوں کی طرح شرماتی تھی۔ میں اپنے اندر ایک مردانہ پن سا محسوس کرتی تھی۔ پھر بھی میں مالش اِس لیے کروانا نہیں چاہتی تھی کہ خود کو مرد ثابت کر رہی تھی اور یہ بھید میں کھولنا نہیں چاہتی تھی۔ جسیم الدین نے کہا: "امیر جان تم عجیب لڑکے ہو نہ تو لنگوٹ اور جانگیہ پہنتے ہو اور نہ ہی کپڑے اُتار کر مالش کروانا چاہتے ہو۔ آخر تم لڑکیوں کی طرح شرماتے کیوں ہو؟"

وہاں کمرے میں واٹسوروکی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بھی مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں ایسے موڑ پہ پہنچ گئی تھی جہاں اپنے اس بھید کو چھپا نہیں سکتی تھی کیونکہ میں اپنے فولادی بدن میں لوچ اور لچک پیدا کرنا چاہتی تھی اور اپنے بدن کی جلد میں ملائمت بھی لانا چاہتی تھی۔ میں نے مجبور ہو کر ایک گہری سانس لینے کے بعد جسیم الدین سے کہا: "انکل! میں تقریباً چھ سال سے ایک راز چھپائے ہوئے ہوں اور آج وہ راز آپ لوگوں پر آشکار کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

جسیم الدین نے کہا: "اگر ایسا کوئی راز ہے جسے چھپائے رکھنا نہایت ضروری ہے تو ہم تمہارے رازدار رہیں گے۔ ہمیں بتاؤ۔"

میں نے بڑے ہی ٹھیرے ہوئے انداز میں آہستگی سے کہا: "میں لڑکا نہیں لڑکی ہوں۔"

وہ دونوں ایک دم سے چونک کر مجھے بے یقینی سے دیکھنے لگے۔ انھیں میری باتوں کا یقین نہیں آ سکتا تھا کیونکہ میں نے چھ برس تک ہر قدم پہ ہر آزمائش میں اپنے آپ کو ایک مرد ثابت کیا تھا۔ روکی نے میری طرف ... غور کر کہا: "کیا تم ہم لوگوں سے مذاق کر رہے ہو؟"

جسیم الدین نے بھی انکار میں سر ہلا کر کہا: "... بات نہ کرو۔ میں چھ برس سے دیکھتا آ رہا ہوں تم ... لڑکے ہی رہو گے۔"

میں نے کہا: "آپ لوگ یقین کریں یا نہ کریں ... طور پہ لڑکی ہوں۔ میری فطرت کچھ ایسی تھی۔ میری ... ایسے انداز میں ہوئی کہ میں مردوں کی طرح سخت ... گئی جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ آپ لوگوں نے مجھے ... میں فولاد ہوں اور آج آپ ہی لوگ اس بات ... کر سکتے کہ میں لڑکی ہوں۔"

اُن دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں ...

میں نے کہا: "بہتر ہوگا کہ آپ لوگ یقین کر لیں ..."

جسیم الدین نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "... یا مرجانہ تم جو کوئی بھی ہو ہم بحث نہیں کرنا چاہتے ... بیان کے مطابق تم لڑکی ہو اور تمھارا نام مرجانہ ... بدن کی مالش کے لیے ایک عورت مقرر کی جا... ورزشیں تمھارے لیے نہایت ہی ضروری ہیں ... ہی ٹھیرن کر رہ جاؤ گی۔ بحیثیت انسان تمھارے ... لچک ہونی چاہیے اور اب جبکہ تم خود کو لڑکی ... تو تمھارے اندر یہ نزاکت اور ملائمت بہت ہی ..."

دوسرے دن ایک عورت کا بندوبست کر دیا گیا ... میں ورزش کے بعد ایک کمرے میں گئی تو وہاں بند کر... اس عورت نے میرے سارے بدن کی مالش کی۔ اس ... جسیم الدین اور واٹسوروکی میری پہلے سے زیادہ عزت ... اور مجھ سے محبت سے پیش آنے لگے۔ انھیں ... میں واقعی لڑکی ہوں۔ جسیم الدین نے شیدے پہلوان کو ... مشورہ دیا: "جو لڑکی ہے اُسے لڑکی ہی بنا کر رکھنا چاہیے ... یہ بات نہیں چھپا سکو گے کہ تمھارے گھر میں ایک ... اور تم اُسے بیٹا بنائے ہوئے ہو۔ قدرت اُسے بے ... گی۔ لہٰذا اب اسے بیٹی کے رُوپ میں آ جانے دو۔"

جسیم الدین نے شیدے کو سمجھایا۔ پھر میری سمجھ ... بات آ گئی کہ اب اپنے آپ کو چھپانا فضول ہے ... کی تبدیلیاں قدرتی طور پہ نمایاں ہو رہی تھیں ... جا سکتا تھا لہٰذا میں نے اپنے بال بڑھانے شروع کر ... لڑکیوں کا لباس پہننے لگی۔

جب مارشل آرٹ سیکھنے والے لڑکے اور لڑکیوں ...

... پر یہ انکشاف ہوا تو وہ لوگ بھی بڑے حیران ہوئے۔ لڑکیوں نے خوش ہو کر مجھ سے دوستی کی۔ کتنی ہی لڑکیاں میری سہیلیاں بن گئیں۔ اُن میں ایک ثریا قابلِ ذکر ہے۔ ویسے تو سبھی دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ثریا خاص طور پہ بہت زیادہ دولت مند تھی اور اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں مارشل آرٹ سیکھنے آیا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ رہ کر میں نے کار چلانا سیکھ لیا۔ وہ دوستی کے معاملے میں مجھ سے زیادہ گرمجوشی کا مظاہرہ کیا کرتی تھی۔ اچانک مجھ سے لپٹ جاتی تھی۔ میرے بدن کو چھو کر تعریفیں کرتی تھی کہ میں بہت اچھا جسم رکھتی ہوں۔ کبھی ایسا ہوا کہ اُس نے بے اختیار میرے گلے میں بانہیں ڈال کر مجھے چوم لیا۔

ابتدا میں مجھے کچھ عجیب سا لگا لیکن میں عام مردوں کی طرح نرم اور نازک چیز کو پسند کرتی تھی۔ اِس لیے مجھے ثریا کی نزاکت پسند آ گئی۔ رفتہ رفتہ ہم لوگوں میں اتنی بے تکلفی بڑھی کہ ہم کبھی کبھی ایک ساتھ سونے بیٹھنے لگے۔ میری زندگی میں ثریا پہلی لڑکی ہے جس نے مجھے دوسری لڑکیوں میں دلچسپی لینا اور اُن سے دوستی کرنا اچھی طرح سکھا دیا۔

میری ورزشیں جاری تھیں میرے بدن پہ مالش بھی ہوا کرتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سال بھر کے اندر میرے بدن کی جلد میں بڑی نرمی اور ملائمت پیدا ہو گئی۔ پھر میں لڑکیوں کی طرح دُور سے نرم و نازک سی نظر آنے لگی مگر میرے اندر کی فولادی سختی بدستور قائم رہی۔ اُنھی دِنوں شیدے نے مجھے بتایا کہ کرم دین کا پتہ چل گیا ہے۔

میں نے بیتاب ہو کر پوچھا: "وہ کہاں ہے۔ میں ابھی جا کر اُس سے ملنا چاہتی ہوں؟"

شیدے نے کہا: "وہ یہاں نہیں کراچی میں رہتا ہے۔ میرا ایک ساتھی وہاں سے آیا ہے اور اُس کا پتہ بھی لے کر آیا ہے یہ رہا اُس کا پتہ۔"

اُس نے جیب سے ایک کاغذ کا ٹکڑا نکال کر دیا۔ اس کاغذ پر کراچی کے ایک علاقے گولیمار کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ شیدے نے کہا: "وہ اسی پتے پر مل سکتا ہے۔"

میں نے اس پتے کو ذہن نشین کرتے ہوئے کہا: "میں کل ہی کراچی جاؤں گی۔" شیدے اور میری ماں نے اعتراض کیا۔ وہ مجھے تنہا نہیں جانے دینا چاہتے تھے لیکن میں بضد تھی۔ مجھے اپنے ماں باپ کی تلاش کرنا تھی اور میں اِس بات کے لیے برسوں سے بے چین تھی کہ کسی طرح مجھے میری اصلیت معلوم ہو جائے اور میں اپنے والدین تک پہنچ جاؤں اور اگر وہ زندہ نہ ہوں تو اس کی بھی خبر مجھے مل جائے تاکہ دل کو اطمینان رہے۔

میں نے یہ بات جسیم الدین اور واٹسوروکی کو بھی بتائی۔ وہ دونوں بھی یہی چاہتے تھے کہ میں تنہا نہ جاؤں بلکہ جسیم الدین کسی کو میرے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا: "کیا اتنے دِنوں کی تعلیم و تربیت پر بھی آپ لوگوں کو بھروسہ نہیں ہے۔ کیا میں محض ایک لڑکی ہوں کہ تنہا جاؤں گی تو کوئی مجھے کچا چبا جائے گا؟"

جسیم الدین نے کہا: "یہ بات نہیں ہے۔ کراچی بہت بڑا شہر ہے اور تم لاہور سے باہر کبھی گئی نہیں ہو۔ یہ سفر بھی تمھارے لیے نیا ہے اور وہ شہر بھی اجنبی ہوگا۔"

لیکن میں بضد رہی کہ مجھے جانا ہے۔ آخر جسیم الدین نے ایک کاغذ پہ پتہ لکھ کر دیتے ہوئے کہا: "یہ میرے ایک دوست کا پتہ ہے۔ وہ سوسائٹی میں رہتا ہے۔ تم اس پتے پہ پہنچ جانا۔ وہاں تمھاری رہائش کا بندوبست ہو جائے گا اور تمھیں کراچی میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔"

اس سفر کے لیے شیدے نے مجھے ایک ہزار روپے دیے اور جسیم الدین نے پانچ ہزار روپے نکال کر میرے سامنے رکھ دیے۔ میں نے کہا۔ "میں اتنی رقم لے جا کر کیا کروں گی۔" جسیم الدین نے کہا: "وہ بہت بڑا شہر ہے تمھیں قدم قدم پہ پیسوں کی ضرورت پڑے گی۔ انھیں رکھ لو اور اگر کم پڑیں تو میرے اس دوست سے جتنا چاہو طلب کر لینا۔ وہ انکار نہیں کرے گا۔ میں تمھارے وہاں پہنچنے سے پہلے اُسے ٹیلیفون کے ذریعے اطلاع دے دوں گا۔"

دوسرے دن کراچی جانے والے ایک طیارے میں میری سیٹ بُک ہو گئی۔ وہاں ایئرپورٹ میں جسیم الدین، واٹسوروکی، شیدے اور میری ماں سبھی مجھے رخصت کرنے آئے تھے۔ جسیم الدین نے کہا: "میں نے ٹیلیفون پر اپنے دوست سے بات کر لی ہے اور اُسے تمھارے متعلق ساری تفصیل بتا دی ہے اور اسے کہا ہے کہ تم میری منہ بولی بیٹی ہو۔ وہ ایئرپورٹ پر تمھیں لینے آئے گا۔ اُس کی کار کا رنگ سُرخ ہے اور اُس کار کا نمبر بھی تم نوٹ کر لو۔"

یہ کہہ کر اُس نے اُس کار کا نمبر نوٹ کرایا تاکہ مجھے اُس کے دوست کو پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہو۔ میں ان لوگوں سے رخصت ہو کر طیارے میں آ کر بیٹھ گئی۔ یہ واقعی میری زندگی میں پہلا بڑا سفر تھا اور میں پہلی بار طیارے میں بیٹھ رہی تھی۔ میں نے ہلکے گلابی رنگ کی شلوار اور قمیص پہنی ہوئی تھی سینے پر دوپٹہ تھا۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ پہن لیا تھا اور میرے شانے سے ایک بیگ جھول رہا تھا۔ میں بڑی اسمارٹ لگ رہی تھی اس بات کا اندازہ یوں ہوا کہ کتنے ہی لوگ مجھے بار بار دیکھتے تھے

اور آگے جانے والے پیچھے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ جاپانی جڑی بوٹیوں سے بنائی ہوئی دواؤں نے بڑا کام دکھایا تھا۔ خصوصاً اس مالش کی وجہ سے میرے بدن کی رنگت نکھر آئی تھی۔ جلد ملائم ہو گئی تھی۔ عام حسین لڑکیوں کی طرح میں بھی دُور سے نرم و نازک نظر آتی تھی۔ جسیم الدین اور دانشوروں نے مجھے ایک ایسی لڑکی بنا دیا تھا جس میں فولاد کی سختی بھی تھی اور شاعری کی نزاکت بھی۔

طیارے کے اندر بہت اچھی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں بڑا ہی شریفانہ ماحول تھا۔ سب لوگ اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ میرے بازو میں ایک بوڑھی عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ شریفوں کے سینے میں بھی دل ہوا کرتے ہیں۔ جہاں اچھی صورت نظر آتی ہے وہاں وہ چوری چھپے اُسے دیکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی دو چار لوگ کبھی کبھی میری طرف دیکھ لیتے تھے۔ میں اپنی تعریف نہیں کر رہی ہوں۔ میں نے پہلی بار اپنے گھر سے اپنے علاقے سے نکل کر جو کچھ دیکھا تھا وہی بیان کر رہی ہوں۔ ویسے بھی لڑکیاں اپنی تعریف پسند کرتی ہیں اور میں فطرتاً لڑکی نہیں ہوں اور نہ ہی تعریف کی محتاج ہوں۔ میری تعریف مجھے اُس وقت اچھی لگتی ہے جب میں کسی سے مقابلے میں سبقت لے جاتی ہوں اور اپنے آپ کو فولاد ثابت کرتی ہوں۔ اس وقت جب مجھے قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے تو میں بہت خوش ہوتی ہوں۔ میرے سامنے میرے اپنے حُسن و شباب کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ بلکہ میں دوسری لڑکیوں کو پُر شوق نگاہوں سے دیکھا کرتی تھی اور اُن سے دوستی کرنے کی تمنا کرتی تھی۔ ایسی صورت میں مَیں اپنے حُسن کی تعریف کر کے کسی سے کچھ لینا نہیں چاہتی تھی یا کسی کو جیتنا نہیں چاہتی تھی۔ یہ تو لڑکیاں کرتی ہیں۔

طیارے میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ دو گھنٹے کے بعد میں کراچی پہنچ گئی۔ وہاں ائیرپورٹ میں لگیج ہال سے اپنا سوٹ کیس لے کر باہر آئی تو گیٹ کے پاس ہی میں نے ایک بہت ہی حسین لڑکی کو دیکھا۔ وہ میری طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ اُسے اس طیارے سے آنے والے کسی مہمان کا انتظار تھا۔ میں اُسے نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی اور پارکنگ ایریا کی طرف جانے لگی۔ جہاں وہ سُرخ رنگ کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اُس کا نمبر پڑھا۔ وہ وہی گاڑی تھی۔ جہاں تک مجھے پہنچنا تھا۔ وہاں تک پہنچتے ہی میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہی حسین لڑکی میرے پاس چلی آ رہی تھی۔

اُس نے پوچھا: "کیا تمہارا نام مرجانہ ہے؟"

میں نے جواب دیا: "ہاں مجھے انکل جسیم الدین نے [illegible]"

اُس نے مسکرا کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: "میرا نام زرینہ وہاب ہے۔ تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

میں نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پیار سے دبایا۔ وہ ایک دم سے چونک کر کبھی میرے ہاتھ کو اور کبھی مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ اُس کا ہاتھ لرز رہا تھا۔ اُس نے اُس کی ہتھیلی کی پشت کو دوسرے ہاتھ سے سہلاتے ہوئے کہا: "مجھے بھی تم سے مل کر بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے ہمارا وقت بڑا اچھا گزرے گا۔"

اُس نے جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا: "تمہارے ہاتھ میں بڑی سختی اور بڑی گرمی ہے۔ مجھے لگ رہا ہے جیسے میں کسی مرد سے ہاتھ ملا رہی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ جلدی سے گھوم گئی اور دوسرے دروازے کی طرف جا کر اُس نے کار کا دروازہ کھولا۔ پھر اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں دوسرا دروازہ کھول کر اُس کے پاس والی سیٹ پر آ گئی۔ کار کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ زرینہ وہاب کے بدن سے عجیب سی خوشبو اٹھ رہی ہے۔ وہ کار اسٹارٹ کرنے کے بعد اسے ڈرائیو کرتی ہوئی پارکنگ ایریا سے باہر لے جا رہی تھی۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "تمہارے بدن سے بہت اچھی خوشبو اٹھ رہی ہے کیا کوئی پرفیوم لگایا ہے؟"

وہ مسکرا کر بولی: "نہیں۔ یہاں ہمارے شہر میں ایک پارلر کھلا ہے اُس کا نام ہے باتھنگ پرفیوم۔ وہاں لڑکیاں خوشبو کا غسل کرتی ہیں۔ ابھی میں وہیں سے خوشبو کا غسل کر کے بعد ائیرپورٹ آئی ہوں میرے بدن سے اسی لیے خوشبو اٹھ رہی ہے۔"

اس لمحے پتہ نہیں کیوں اس میں اتنی کشش پیدا ہو گئی تھی۔ شاید یہ خوشبو کے غسل کا کمال ہو گا۔

میں بہت دیر سے مرجانہ کے دماغ میں بیٹھا خیال خوانی میں مصروف تھا اور مرجانہ اس لڑکی کو سامنے کرسی پر بٹھا کر اپنی داستان سنا رہی تھی۔ مجھے اُس کی داستان بڑی ہی دلچسپ لگ رہی تھی اور میری دلچسپی مرجانہ سے بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ ایک ایسی ہستی تھی جسے نہ تو معمول بنایا جا سکتا تھا اور نہ ہی اُس پر شاعری کی جا سکتی تھی۔ وہ تسکار کرنا جانتی تھی۔ تسکار ہونا اس کی فطرت نہیں تھی۔ اِس لیے ایسی لڑکی کے متعلق میں اس سے [illegible] بھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں کبھی مرجانہ کو تسکار کروں گا۔

میری خواہش بس اتنی تھی کہ اس لڑکی سے دوستی ہو جائے جبکہ وہ مجھے اپنا بد ترین دشمن سمجھ رہی تھی۔

میں جھاڑیوں کے کنج میں آرام سے تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔ پھر دوبارہ مرجانہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ لڑکی سے کہہ رہی تھی: "میں زرینہ کی کوٹھی میں پہنچی۔ وہاں اُس کے والدین سے ملاقات ہوئی۔ وہ لوگ بہت ہی شریف اور مہذب تھے اور مذہب کے پابند تھے۔ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتے تھے۔ اس گھرانے میں بڑی پاکیزگی تھی۔ صرف اُن کے بچے زرینہ اور اُس کا بھائی آزاد خیال ہو گئے تھے اور نئی سوسائٹی میں جتنی قسم کے لڑکوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے۔

شام کو میں نے انکل وہاب سے کہا کہ میں گولیمار جا کر کرم دین سے ملنا چاہتی ہوں۔ انکل نے اپنے بیٹے جاوید سے کہا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائے۔ کراچی شہر میرے لیے بالکل نیا تھا میرے بھٹکنے کا اندیشہ تھا۔ اِس لیے جاوید نے کار نکالی پھر ہم دونوں اس کار میں بیٹھ کر گولیمار کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں جاوید انگریزی دُھن میں کوئی گیت گنگناتا رہا اور مجھے مسکرا کر دیکھتا رہا۔ وہ مجھ پر عاشق ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی کہتا تھا کہ زندگی میں صرف عیش و عشرت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انسان کو فری ریلیشن یعنی آزاد تعلقات رکھنے چاہئیں اور کسی قسم کی شرم و جھجک نہیں ہونی چاہیے۔

میں مسکرا کر اُس کی باتیں سنتی رہی۔ وہ عام ہپیوں جیسا ایک دبلا پتلا سا جوان تھا۔ اگر میں اُس کو اپنی ایک اُنگلی چبھو دیتی تو وہ اسپتال پہنچ جاتا۔ مجھے اُس کی حالت پر ترس آ رہا تھا۔ اس لیے میں اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ اس وقت میرے اندر ایک بے چینی سی تھی کہ میں جلد سے جلد کرم دین تک پہنچ جاؤں اور اُس سے اپنے والدین کا پتہ دریافت کروں۔

تھوڑی دیر بعد ہماری کار گولیمار کی ایک گلی میں پہنچ گئی۔ اس کاغذ پر لکھے ہوئے پتے کے مطابق جاوید نے مجھے اس مکان تک پہنچا دیا مگر وہاں دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔ ہم نے پڑوس کے ایک دکاندار سے کرم دین کے متعلق پوچھا۔ اُس نے کہا: "بھئی ابھی تو شام کا وقت ہے۔ اس وقت وہ سٹہ کھیلنے کے لیے جاتا ہے اور بہت رات کو واپس آتا ہے۔ وہ آپ لوگوں کو پٹیل پاڑہ میں ملے گا۔"

جاوید نے کار کو وہاں سے موڑ کر پٹیل پاڑہ کی طرف لے جاتے ہوئے مجھ سے کہا: "اس دنیا میں اتنے زیادہ ہپی اِس لیے نظر آتے ہیں کہ ہماری دنیا میں حرام کاری بہت زیادہ ہوتی ہے اور بہت سے بچے یہ نہیں بتا سکتے کہ اُن کے ماں باپ کون ہیں۔"

میں نے گھور کر جاوید کو دیکھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھ پر طنز کر رہا ہے کیونکہ مجھے بھی میرے ماں باپ کا پتہ نہیں معلوم تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ میری پیدائش کیسے ہوئی ہے۔ جائز طریقے سے یا ناجائز طریقے سے؟

جاوید نے کہا: "مجھے یوں گھور کر نہ دیکھو۔ میری دعا ہے کہ تمہارے والدین کا صحیح پتہ مل جائے لیکن انسان کو حقیقت تسلیم کرنا چاہیے۔ تم یہ دیکھ رہی ہو کہ آج کل اتنے سارے ہپی دنیا کے بیشتر علاقے میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اُس کی وجہ یہی ہے کہ اُن کا کوئی شجرہ نہیں ہوتا۔ اُن کی ماں ہوتی ہے تو باپ کا پتہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنا غم بھلانے کے لیے چرس کے نشے میں ڈوب جاتے ہیں اور اپنے آپ کو بھی بھول جاتے ہیں جو لوگ حقیقت کو برداشت نہیں کرتے وہ یا تو خودکشی کر لیتے ہیں یا نشے میں ڈوب کر ساری دنیا کو بھلا دیتے ہیں۔"

جاوید درست کہہ رہا تھا۔ اس کی بات میرے دل کو لگ رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے اس دنیا میں میری کوئی ماں تو ہو لیکن کوئی باپ نہ ہو اور ہو بھی تو وہ کہیں منہ چھپا رہا ہو۔ میں اپنے آپ کو شاید کبھی یہ نہ کہہ سکوں کہ میں شریف والدین کی جائز اولاد ہوں۔ کیا میرے ساتھ ایسا المیہ پیش آئے گا؟ یہ سوچ سوچ کر میرا دل ڈوبنے لگا۔

پٹیل پاڑہ پہنچ کر جاوید نے کار کو ایک جگہ سڑک کے کنارے روک دیا۔ وہاں دو چار ہوٹلوں کے پاس بڑی بھیڑ تھی۔ لوگ چائے پی رہے تھے روٹیاں کھا رہے تھے اور باہر سڑکوں پر بھی کھڑے ہوئے تھے اور سٹے کے نمبروں کے متعلق بحث کر رہے تھے کہ کس نمبر پر رقم لگانی چاہیے۔ میں کار سے اُتر کر اس بھیڑ میں سے گزرنے لگی تو سب مجھے حیرانی سے دیکھنے لگے۔ کیونکہ سٹہ کھیلنے کی جگہ کوئی عورت نہیں آتی تھی۔ پھر یہ کہ وہاں پٹھانوں کے ہوٹل تھے اور وہاں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک خوبصورت دوشیزہ اُن کی طرف آئے گی۔ سب مجھے دیکھتے رہے پھر کتنے ہی لوگوں نے میری طرف بڑھ کر پوچھا: "کسے تلاش کر رہی ہو؟"

میں نے کہا: "میں کرم دین نام کے ایک شخص کو تلاش کر رہی ہوں۔ وہ لاہور سے آیا ہے۔"

ان لوگوں نے کرم دین سے لاعلمی ظاہر کی۔ میں آگے بڑھ کر باری باری دو تین ہوٹلوں میں جا کر دیکھنے لگی۔ وہاں کتنے ہی لوگ عجیب نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے کتنے ہی لوگ آوازے بھی کس رہے تھے میں انجان بن کر وہاں سے واپس آ گئی۔ میں نے جاوید سے پوچھا: "یہاں کہیں قریب ہی کوئی شراب خانہ ہے؟ اِس لیے کہ کرم دین نشے کا بھی عادی تھا۔ وہ وہاں مل

سکتا ہے۔"

جاوید مجھے کار میں بٹھا کر قریب ہی گرومندر کے ایک خراب علاقے میں لے گیا۔ پھر اُس نے کہا "تمھارا شراب خانے کے اندر جانا مناسب نہیں ہے۔ میں پوچھ کر آتا ہوں کہ کرم دین نام کا کوئی آدمی ہے یا نہیں۔"

میں کار میں بیٹھی رہی۔ واقعی یہ مناسب نہیں تھا کہ میں اتنے سارے شرابی لوگوں کے درمیان جاتی۔ وہاں چپل پاڑہ میں سٹہ بازوں کی بھیڑ میں جا کر میں نے دیکھ لیا تھا کہ ہمارے ہاں کے لوگ کتنی گری ہوئی ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں۔ ایک عورت کو ذرا سا آزاد گھومتے دیکھ کر اُسے آوارہ بدمعاش سمجھتے ہیں اور سب کے سب با جماعت آوارہ بدمعاش بن جاتے ہیں۔ اپنے گریبان پر نظر نہیں پڑتی کہ وہ کیا ہیں۔ الزام صرف عورت پر آتا ہے کہ وہ کیوں آزاد گھوم رہی تھی۔

جاوید نے واپس آ کر بتایا کہ شراب خانے میں کرم دین نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ میں مایوس ہو گئی۔ میرا اضطراب بڑھنے لگا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ہر لمحہ میرے ماں باپ مجھ سے دُور ہوتے جا رہے ہوں۔ میں نے کہا "پھر چپل پاڑہ واپس چلو۔ وہ بہت عادی جواری ہے۔ یقیناً سٹہ کھیلنے کے لیے آئے گا۔"

جاوید نے کہا "تمھارا بار بار وہاں جانا مناسب نہیں ہے وہاں لوگ طرح طرح کی بڑی غلیظ باتیں کر رہے تھے۔"

میں نے کہا "انھیں باتیں کرنے دو۔ مجھے کرم دین کو تلاش کرنا ہے اور میں اُسے ہر حال میں آج ڈھونڈ نکالوں گی۔"

جاوید نے مجبور ہو کر مجھے پھر چپل پاڑہ تک پہنچا دیا۔ وہاں پہلے میں اس ہال کی طرف گئی جہاں نمبر لگائے جاتے تھے وہاں میں نے کچھ عورتوں کو دیکھا جو سٹہ کھیلنے آئی تھیں۔ مجھے کرم دین کہیں نظر نہیں آیا۔ میں پھر اُن ہوٹلوں کی طرف واپس آئی۔ مجھے دیکھ کر لوگوں نے [illegible] آوازے کسنا [illegible] کر دیے۔

میں اُن کی باتیں صبر سے سُن رہی تھی لیکن رفتہ رفتہ وہ بڑی گندی باتوں پر اُترنے آ رہے تھے۔ میں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر ذرا چیختے ہوئے کہا "چُپ ہو جاؤ۔ پہلے میری بات سن لو۔ کیا میرے یہاں آنے سے تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں کوئی آوارہ لڑکی ہوں؟"

کسی طرف سے ایک نے کہا "شریف لڑکیاں اپنے گھروں سے نہیں نکلتیں۔ اگر نکلتی بھی ہیں تو ایسی جگہ نہیں آتیں۔"

میں نے کہا "شریف لڑکیوں کے باپ اور بھائی بھی ایسی جگہ نہیں آتے۔ تم میں سے کتنے ایسے ہیں جنھوں نے سٹہ کھیلنے کے لیے اپنی بیویوں کے زیورات بیچے ہیں۔ کوئی ایسا ہے جو اپنی تنخواہ گھر میں دینے کے بجائے یہاں سٹہ کھیلنے آ[illegible]
کسی کے گھر میں بچے فاقہ کر رہے ہیں لیکن وہ اپنے گ[illegible]
بیچ کر بچوں کو روٹی کھلانے کے بجائے یہاں جوا کھیلنے [illegible]
تم لوگوں میں کتنی شرافت ہے کہ مجھ اکیلی لڑکی کو طعنہ [illegible]
ہو۔ آوازے کس رہے ہو اور اپنے ہی منہ پر تھوک رہے [illegible]
میں کوئی غیر نہیں تمھاری ہی بہنوں اور بیٹیوں میں سے [illegible]"

ایک لمبے تڑنگے آدمی نے اپنی مونچھوں پر تاؤ دی[illegible]
اور میری طرف بڑھتے ہوئے کہا "میری نہ تو کوئی بہن [illegible]
بیٹی ہے۔ ہاں کوئی داشتہ نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں [illegible]
سے اٹھا کر اپنے گھر لے جاؤں اور داشتہ بنا کر رکھ لوں۔"

میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں سمجھ [illegible]
کہ یہاں شریف لوگ بھی آئے ہوئے ہیں جو اپنی عادت [illegible]
مجبور ہو کر جوا کھیل رہے ہیں لیکن اُن میں یہ کمینگی نہیں [illegible]
کسی عورت پر ہاتھ اٹھائیں۔ اگر تجھے اپنے آپ پر ناز [illegible]
کہ مجھے اُٹھا کر لے جا سکتا ہے تو آ جا۔ یا تو مجھے لے جا [illegible]
تجھے یہیں زمین پر لٹا دوں گی۔"

میری بات سن کر وہ ہنستا ہوا آیا۔ وہ بڑے آرام [illegible]
مجھے کوئی کمزور لڑکی سمجھ کر میرا بازو پکڑنا چاہتا تھا۔ میں [illegible]
ایک اُلٹا ہاتھ اُس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ ایک دم سے لڑ[illegible]
اور پیچھے جا کر ایک کرسی پر بیٹھا اور اس کرسی کے ساتھ
دوسری طرف اُلٹ گیا۔ یک بیک بھیڑ چھٹنے لگی۔ جو لوگ [illegible]
بیٹ سے کتراتے تھے اور محض جوا کھیلنے کے عادی تھے
دُور ہٹنے لگے۔ جو شخص مار کھا کر گرا تھا اُس کا ایک ساتھی
بڑھ کر غصے سے بولا "لڑکی تو نے استاد پر ہاتھ اٹھا کر
موت کو دعوت دی ہے۔ ہم تجھے یہاں سے زندہ نہیں [illegible]
دیں گے۔"

یہ کہتے ہی اُس نے مجھ پر چھلانگ لگائی۔ میں ایک [illegible]
ہٹ گئی۔ وہ میز پر آ کر گرا۔ میں نے اُس کی گردن پر [illegible]
ایک ہاتھ رسید کیا۔ پھر اس کے سر کے بالوں کو مٹھی میں [illegible]
کر ایک طرف کھینچ کر میز کے نیچے کھڑا کیا اور پے در پے [illegible]
گھونسے مارنے کے بعد اسے زمین پر گرا دیا۔ اس دوران تیسرے
آدمی نے پیچھے سے آ کر مجھ پر کئی ہاتھ جمائے۔ ایک بار لات
ماری لیکن مجھ پر ایسے حملوں کا اب کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ [illegible]
نے پلٹ کر اُس کی خبر لی۔ صرف دو ہاتھ اُس کے منہ پر لگ[illegible]
پڑ ماسے تو وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ لوگ حیرانی سے [illegible]
دیکھ رہے تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر میں [illegible]
میں ایسی کیا بات ہے کہ مار کھانے کے بعد آدمی اٹھ نہیں [illegible]

کیونکہ اُن کا استاد جو گرا تھا۔ وہ اب آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا لیکن اُس میں حملہ کرنے کی جرأت نہیں تھی۔ لوگوں نے دیکھا کہ اُس کی ناک سے اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ شاید دانت بھی ہل گیا ہو گا۔

وہ اِس علاقے کا بدمعاش تھا۔ ایک لڑکی کے ہاتھ سے مار کھانے کے بعد اُسے اپنی توہین کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ گھور کر جیسے سوچ رہا تھا کہ مجھ پر کیسے غالب آ سکتا ہے کیونکہ میرے ایک ہاتھ نے ہی اُسے سمجھا دیا تھا کہ مجھ سے ٹکرانا اُسے مہنگا پڑے گا۔ یہ سوچ کر اُس نے فوراً ہی اپنی جیب سے چاقو نکال لیا۔ اس مجمع میں ذرا سی بھگدڑ مچ گئی کہیں دور سے کسی نے کہا۔ "لعنت ہے ایک لڑکی کے سامنے چاقو نکال رہا ہے۔"

اچانک ہی اُس نے چاقو سے حملہ کیا۔ میں بالکل ہی تیار کھڑی تھی۔ میں نے فوراً ہی کرسی اٹھا کر اُس کے حملے کو روکا۔ وہ اس بات کو آسان سمجھتا تھا کہ ایک ہاتھ سے کرسی ہٹا کر پھر میری طرف بڑھ جائے گا۔ لیکن میں نے محض اُسے کرسی سے اُلجھایا تھا۔ جیسے ہی وہ کرسی کی طرف متوجہ ہوا اور اُسے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے نیچے سے ایک لات ماری۔ میری لات اُس کے گھٹنے پر پڑی تو وہ لڑکھڑایا۔ میں نے فوراً ہی کرسی ایک طرف پھینک کر دوسری لات اُس کی کمر پر ماری۔ وہ ایک دم سے جھکا تو میں نے اُس کے چاقو والی کلائی کو پکڑ لیا۔ پھر اُس کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ یقیناً وہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کی کلائی آہنی شکنجے میں ہے۔ میں اُس کی کلائی کو موڑ رہی تھی۔ پھر موڑتے موڑتے ایک ایسے مقام پر آئی۔ جہاں مجھے اپنا آخری داؤ استعمال کرنا تھا اور جب آخری داؤ میں استعمال کرتی تھی تو بہت زور کی چیخ مارتی تھی۔ میں نے فلک شگاف چیخ حلق سے نکالی۔ دوسرے ہی لمحے کھٹاک کی آواز کے ساتھ اُس کی کلائی اپنی جگہ سے اکھڑ گئی۔

اب وہ فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ اُس کا چاقو اُس کے پاس ہی پڑا ہوا تھا۔ لیکن اب وہ کبھی بھی اپنے دائیں ہاتھ سے اِس چاقو کو نہیں پکڑ سکتا تھا۔ سب لوگ بالکل سکتے کے عالم میں مجھے یوں دیکھ رہے تھے جیسے کوئی عجوبہ دیکھ رہے ہوں۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک تنہا لڑکی تین بدمعاشوں کو اس طرح مارے گی کہ وہ فرش پر سے اُٹھ نہیں سکیں گے۔

میں وہاں سے پلٹ کر جانا چاہتی تھی کہ چار پولیس والے آ گئے۔ اس بار تمام لوگوں نے میری حمایت میں کہا کہ مجھے چھیڑا گیا تھا اور جھگڑے کی ابتدا ان بدمعاشوں کی طرف سے ہوئی تھی۔ اِس لیے پولیس والوں نے مجھے زیادہ دیر نہیں روکا۔ وہ بھی کہنے لگے کہ یہ بدمعاش آئے دن یہاں دنگے فساد کرتے رہتے ہیں۔ آج انھیں اچھا سبق ملا ہے۔ میں پولیس والوں سے رخصت ہو کر جانا چاہتی تھی کہ اچانک میری نظر ایک بوڑھے شخص پر پڑی۔

❀

وہ شخص میرے قریب آ رہا تھا۔ پھر اُس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا "بیٹی! میں نے یہاں آ کر ابھی معلوم کیا ہے کہ تم کرم دین نامی کسی ایسے شخص کو تلاش کر رہی ہو جو لاہور سے آیا ہے۔ میرا نام کرم دین ہے اور میں لاہور سے آیا ہوں۔ کہیں تمھیں مجھ سے تو کوئی کام نہیں ہے؟"

میں نے اُسے غور سے دیکھا تو پہچان گئی۔ وہ بہت بدل گیا تھا۔ میں بھی تو بہت بدل گئی تھی۔ جب وہ مجھے جوئے میں ہار کر گیا تھا تو میں بچی تھی۔ اب جوان تھی۔ پھر مارشل آرٹ وغیرہ کے ذریعے مجھ میں بڑے بڑے انقلاب آئے تھے۔ میں نے اُس سے کہا "ہاں کرم دین مجھے تمھاری تلاش تھی۔ ذرا باہر میری کار تک آؤ۔"

یہ کہہ کر میں آگے بڑھی۔ وہ میرے ساتھ چلنے لگا۔ جاوید بھی میرے ساتھ چل رہا تھا۔ اُس نے کہا "کمال ہے تم اکیلی ان بدمعاشوں سے لڑ رہی تھیں اور تم نے انھیں زمین پر بھی گرا دیا۔"

میں نے اُس سے پوچھا "تم کہاں بھاگ گئے تھے؟"

وہ بولا "میں فوراً ہی پولیس والوں کو بلانے چلا گیا تھا۔ یہ پولیس والے میری ہی طرف سے آئے ہیں۔"

ہم کار کے پاس پہنچ گئے۔ بہت سے لوگ ہمارے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ مجھے اب تک حیرانی سے دیکھ رہے تھے اور آپس میں میرے متعلق تبصرے کر رہے تھے۔ میں وہاں کرم دین سے بات نہیں کر سکتی تھی اس لیے میں نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا "یہاں بیٹھ جاؤ۔ میرے ساتھ میری کوٹھی میں چلو۔ میں ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ بھی حیران تھا اور مجھ سے متاثر تھا۔ چپ چاپ اس کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں اگلی سیٹ پر جاوید کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں کار اسٹارٹ ہوئی اور ہم اِس بھیڑ سے دُور نکلتے چلے گئے۔

راستے میں کرم دین نے کہا "اگر ہمارے ملک میں تمھارے جیسی بیٹیاں پیدا ہونے لگیں تو ہمارے ہاں کی گلیوں کوچوں سے بدمعاشوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ تم نے ایسی دلیری دکھائی ہے کہ وہاں سب ہی حیران رہ گئے تھے۔ ویسے تم کون ہو اور مجھے

کیسے جانتی ہو؟"

میں نے اُس سے پوچھا "کیا تم رشیدے پہلوان کو جانتے ہو؟"

"رشیدے پہلوان؟" وہ سوچنے لگا۔

میں نے کہا "میں لاہور سے آئی ہوں اور رشیدے لاہور میں رہتا ہے۔"

اس نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا "مجھے کچھ یاد نہیں آرہا ہے۔"

میں نے کہا "تم نے ایک ایسا جوا کھیلا تھا جس میں ایک چھوٹی سی بچی کو ہار گئے تھے۔ کیا اب وہ رشیدے پہلوان اور وہ بچی یاد آئی؟"

وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔ میں پلٹ کر اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے کہا "ہاں ہاں اب مجھے سب کچھ یاد آگیا ہے۔ ایک چھوٹی سی بچی کو میں ایک بار جوئے میں ہار گیا تھا مگر۔ مگر تم کون ہو اور یہ سب باتیں کیسے جانتی ہو؟"

میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "میں وہی لڑکی ہوں جسے تم اس روز جوئے میں ہار گئے تھے۔"

اُس نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھا۔ پھر انکار میں سر ہلانے لگا۔ تقریباً آٹھ برس گزر گئے تھے میں رائی سے پہاڑ بن گئی تھی۔ اِس لیے اُسے یقین نہیں آرہا تھا۔ میں نے کہا "تمھیں یقین نہیں آئے گا۔ کیونکہ تم اس بچی کو گندی نالی کا کیڑا بنا کر پال رہے تھے۔ تمھارا خیال تھا کہ جسے تم جوئے میں ہار چکے ہو وہ دوسری جگہ بھی گندے ماحول میں پرورش پائے گی اور جوان ہو کر بازارِ حسن میں بیٹھ جائے گی۔ تمھارے جیسے جواری، شرابی اور عیاش لوگوں کا کچھ نہیں بگڑے گا بلکہ تم دوسرے عیاش لوگوں کے لیے بازار میں ایک نیا کھلونا لے آؤ گے اور تازندگی کوئی تمھارے اس جرم کا حساب نہیں کریگا۔"

وہ اب تک مجھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا جا رہا تھا۔ میں نے کہا "جس کی حفاظت خدا کرتا ہے اُس کا شیطان کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔ اب بھی تم مجھے پہچان رہے ہو یا نہیں؟"

اُس نے سہمے ہوئے انداز میں پوچھا "تم مجھے کہاں لے جارہی ہو؟"

"یہاں سوسائٹی میں ایک کوٹھی ہے۔ میں وہاں چل کر تم سے باتیں کروں گی۔"

"باتیں یہاں بھی ہوسکتی ہیں، گاڑی روک دو۔ میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

میں نے سخت لہجے میں کہا "تمھارا تو باپ بھی میرے ساتھ جائے گا۔ انکار کر کے دیکھ لو۔ میں تمھاری ہڈی پسلیاں توڑ کر اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

وہ تھوک نگل کر رہ گیا۔ سہمے ہوئے انداز میں مجھے دیکھتا رہا۔ ہماری کار کوٹھی میں پہنچ کر پورچ میں آکر رک گئی۔ میں نے کار سے اُتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اُسے باہر آنے کے لیے کہا۔ وہ چُپ چاپ باہر آگیا۔ پھر میں اُسے لے کر کوٹھی کے اندر آئی۔ انکل وہاب اُن کی بیگم اور زرینہ ہمارے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابھی اُنھوں نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ میں نے کہا۔ "انکل یہ وہی کرم دین ہے۔ بڑی تلاش کے بعد ملا ہے۔ اب میں اس سے پوچھتی ہوں کہ میرے ماں باپ کون ہیں؟"

کرم دین ایک دم سے چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ وہ شاید سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں کبھی اپنے ماں باپ کے متعلق کوئی سوال کروں گی۔ میں نے کہا "میرا منہ کیا تک رہے ہو۔ مجھے ساری باتیں سچ سچ بتادو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "تم یقین نہیں کرو گی میں تمھارے ماں باپ کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہوں۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو تم نے بچپن سے میری پرورش کی ہے۔ تم مجھے کہاں سے لائے تھے؟"

اُس نے جواب دیا "تم تین برس کی تھیں اور ایک فٹ پاتھ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں تمھیں وہاں سے اُٹھا کر لے آیا تھا۔"

"دیکھو مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے۔ تم نے ماضی میں مجھ پر بڑے ظلم کیے ہیں۔ اس کے باوجود آج میں تمھارے بڑھاپے کا احترام کرتی ہوں۔ مجھے مجبور نہ کرو کہ میرا ہاتھ اٹھ جائے ورنہ تمھارے حق میں بہت بُرا ہوگا۔"

اُس نے ڈھٹائی سے کہا "مرجانہ یقین کرو۔ میں جھوٹ نہیں کہتا ہوں۔ میں نے تمھیں فٹ پاتھ سے..."

اُس کی بات ادھوری رہ گئی۔ میں نے ایک ہلکا سا طمانچہ اسے رسید کیا تو اُس کا منہ گھوم گیا۔ اُس کے بڑھاپے کا خیال رکھتے ہوئے میں نے اُسے طمانچہ رسید کیا تھا۔ اُسے شاید تارے نظر آنے لگے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر اُدھر دھندلائی ہوئی... نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ لے جا کر دونوں جبڑوں کو اپنے پنجے میں جکڑ لیا۔ پھر اُسے سختی سے دبا کر کہا "میں ان جبڑوں کو کچل کر رکھ دوں گی۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو سچ سچ بتاؤ۔"

بیگم وہاب نے سہم کر کہا "بیٹی یہ کیا کر رہی ہو ہمارے گھر میں آج تک کبھی کسی نے جھگڑا نہیں کیا۔ اس بوڑھے کے ساتھ سہولت سے باتیں کرو۔"

جاوید نے کہا "ممی۔ شاید آپ نہیں جانتیں کہ مرجانہ کتنی دلیر اور ضدی قسم کی لڑکی ہے۔ آج اس نے پٹیل پاڑہ میں تین بدمعاشوں کو اکیلے مارا ہے اور اُنھیں فرش پر گرادیا ہے وہ اُٹھنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ میں تو حیرانی سے اس کی بہادری دیکھ رہا تھا۔"

انکل وہاب نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری بیٹی نے آج کل کی لڑکیوں کی طرح جوڈو کراٹے سیکھا ہے مگر بیٹی دنیا کے تمام مسئلے مار پیٹ سے حل نہیں ہوتے۔ یہ بوڑھا آدمی ہے۔ اس کے ساتھ سہولت سے پیش آؤ۔ اسے چھوڑ دو۔ میں اس سے باتیں کرتا ہوں۔"

میں نے کرم دین کو چھوڑ دیا۔ وہ چکرا کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا اور اپنے جبڑوں کو سہلاتے ہوئے تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ انکل وہاب نے اُس سے کہا "تم نے زندگی میں بہت سے جھوٹ بولے ہوں گے۔ اب اس بڑھاپے میں ایک بار سچ بول دو۔ خدا بھی تم سے خوش ہوگا۔ آخر سچ بولنے میں تمھارا کیا بگڑتا ہے؟"

اُس نے گھور کر مجھے دیکھا۔ پھر کہا "مرجانہ تم نے مجھے طمانچہ مارا ہے۔ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ اب تم میری جان بھی لے لو گی تو میں تمھیں تمھارے ماں باپ کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

میں نے غصے سے مٹھیاں بھینچ کر پوچھا "کیوں نہیں بتاؤ گے؟"

"تمھارے والدین کے متعلق اتنی بڑی دنیا میں صرف میں جانتا ہوں۔ اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو پھر تم ساری عمر اپنے والدین کے لیے ترستی رہو گی۔ انھیں تلاش کرتی رہو گی لیکن وہاں تک کبھی نہیں پہنچ سکو گی۔"

مجھے احساس ہوا کہ اس کا پلّہ کتنا بھاری ہے۔ اگر اُسے میرے ہاتھوں سے نقصان پہنچا یا وہ کسی طرح سے ہلاک ہو گیا تو اتنی بڑی دنیا میں مجھے کوئی میرے ماں باپ کا پتہ نہیں بتا سکے گا۔ میں اُس کی محتاج تھی اور اس وقت میری پوزیشن یہ تھی کہ میں اُس کی خوشامد کر سکتی تھی لیکن اُس پر حکم نہیں چلا سکتی تھی۔

میں نے اچانک نرم لہجے میں کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم پر ہاتھ اُٹھایا۔ ویسے تم بچپن میں مجھ پر بہت سارے ظلم ڈھا چکے ہو۔ اگر ایک بار میں نے ہاتھ اٹھا دیا تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آیندہ میں کبھی تم پر کوئی زیادتی نہیں کروں گی۔ چلو اب دوستی کر لو اور شرافت سے میرے ماں باپ کا پتہ بتادو۔"

اُس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں تمھاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم اُن کا پتہ نہ پوچھو۔ اگر تمھارے ماں باپ کو تم سے ملنا ہوتا تو وہ بہت پہلے ہی مِل چکے ہوتے لیکن اُن کی مجبوری یہ ہے کہ تم اُن سے دُور رہ کر ہی زندہ رہ سکتی ہو۔ قریب جاؤ گی تو موت کے سائے تمھارے اور تمھاری ماں کے چاروں طرف منڈلاتے رہیں گے۔"

"یہ بات کہہ کر تم میرے اندر اور بھی زیادہ تجسس اور اُن سے ملنے کی تحریک پیدا کر رہے ہو۔ میں ہر حال میں اُن سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے موت کا ڈر نہیں ہے جو کچھ ہوگا میں اُن حالات سے نمٹ لوں گی تم مجھے اُن کا پتہ بتا دو۔"

"مرجانہ بہتر ہے کہ تم مجھے مار ڈالو۔ میں یہاں سے اپنی ضد پوری کر کے جاؤں گا اور تمھیں تمھارے ماں باپ سے محروم رکھوں گا یا پھر اس گھر سے میری لاش نکلے گی۔ آؤ آزما لو کہ ہم دونوں میں سے کون زیادہ ضدی ہے۔"

انکل وہاب نے اسے سمجھایا۔ اُن کی بیگم نے بھی اُس کی خوشامدیں کیں کہ وہ ضد نہ کرے۔ میں نے کہا "یہ سیدھی طرح نہیں مانے گا۔ اگر یہ مجھے پتہ نہیں بتانا چاہتا تو بہتر ہے یہ اِس دُنیا میں زندہ نہ رہے۔ میں اسے مار ڈالوں گی۔"

میں آگے بڑھی تو انکل وہاب نے میرا راستہ روک لیا۔ اُنھوں نے کہا "ٹھیرو، مرجانہ۔ غصہ حرام ہوتا ہے۔ اس غصّے کی حالت میں تم بہت بڑی بازی ہار جاؤ گی، اس وقت میں تمھارا بزرگ ہوں تمھارے سامنے موجود ہوں۔ اس کا فیصلہ مجھ پر چھوڑ دو۔"

یہ کہہ کر وہ اُسے دوسرے کمرے میں لے گئے۔ وہاں دیر تک وہ اُسے سمجھاتے رہے کہ وہ اپنی ضد سے باز آجائے لیکن اب اُس نے سمجھ لیا تھا کہ میں اُس پر ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکوں گی۔ کیونکہ مجھے اپنے ماں باپ تک پہنچنا ہے اور اب وہ چاہتا تھا کہ میں ساری زندگی اُس کی خوشامدیں کرتی رہوں۔

انکل وہاب بہت ہی ذہین تھے۔ آخر اُنھوں نے کرم دین کو کسی حد تک راضی کر لیا۔ کرم دین نے کہا "ٹھیک ہے میں ابھی تو نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ میری کچھ مجبوریاں ہیں۔ پہلے میں مرجانہ کے خاندان والوں سے مشورہ کروں گا۔ اگر اُنھوں نے مجھے اجازت دے دی تو میں اُسے سب کچھ بتا دوں گا۔ ورنہ مجبوری ہے۔ مجھے ایک ہفتے کا وقت دیا جائے۔ میں اُن لوگوں سے رابطہ قائم کر کے کسی طرح اُن سے اجازت لینے کی کوشش کروں گا۔"

انکل نے اُسے جانے کی اجازت دے دی لیکن اُس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ یہاں کوٹھی میں آتا رہے گا اور ایک ہفتے

کے اندر مجھے میرے ماں باپ کا پتہ بتادے گا۔ کرم دین نے وعدہ تو کیا لیکن پانچ سو روپے مانگے۔ کم بخت بڑا ہی چھچھورا تھا انکل نے اسے پانچ سو روپے دے دیے۔ وہ اُسے خوش رکھنا چاہتے تھے۔ انھوں نے کہا۔ "اگر تم ایک ہفتے کے اندر مرجانہ کے والدین کا پتہ بتادو گے تو میں تمھیں پانچ ہزار روپے دوں گا۔"

وہ چلا گیا اُس کے جانے کے بعد ہم لوگ کھانے کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر آ گئے۔ انکل وہاب نے مجھے کہا۔ "مرجانہ ایک بات یاد رکھو۔ تم لاکھ دلیر سہی۔ لیکن اپنے غصے کو کنٹرول میں رکھنا سب سے بڑی بہادری ہے۔ اگر تم غصے میں آکر اُسے مار ڈالو گی تو وہ کم بخت ضد میں آکر مر جائے گا۔ پھر سوچو کہ تمھیں تمھارے والدین تک کون پہنچائے گا۔ ساری زندگی تم اُن کو دیکھنے کے لیے ترستی رہو گی اور وہاں تک کبھی نہیں پہنچ سکو گی۔ میری نصیحت یاد رکھو۔ آیندہ کرم دین کو کبھی کوئی نقصان نہ پہنچانا۔ ہزار غصے کے باوجود یہ کوشش کرنا کہ اُس سے پیار محبت سے یا چاپلوسی کے ذریعے اپنا کام نکال سکو۔"

میں سمجھ رہی تھی کہ انکل درست کہہ رہے ہیں لیکن میرے اندر والدین سے ملنے کے لیے اتنی بے چینی تھی کہ میں آپے سے باہر ہو گئی تھی۔ اب تو یہ بے چینی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ کرم دین بڑی آسانی سے پتہ بتادے گا اور قصہ ختم ہو جائے گا۔ میں برسوں کی بچھڑی ہوئی اپنے والدین تک پہنچ جاؤں گی۔ لیکن یہ ٹیڑھی کھیر نکلی اور کرم دین لارے دے رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ ایک ہفتے کے بعد بھی مجھے صحیح پتہ بتانے والا تھا یا نہیں۔ وہ اگر یہ بات چھپا رہا تھا تو یقیناً اُس کے پیچھے کوئی راز ہوگا۔ اُس کی مجبوری نہیں بلکہ وہ اس راز کے ذریعے کوئی منافع حاصل کرتا ہوگا۔ اسی لیے وہ خود کو بظاہر مجبور بنا کر پیش کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ دھاندلی کر رہا تھا۔

کھانے کے بعد میں اور زرینہ خواب گاہ میں آ گئے۔ میرے لیے زرینہ کی خواب گاہ میں سونے کا انتظام کیا گیا تھا۔ میں گم صم سی ہو کر کرم دین کے متعلق ہی سوچتی جا رہی تھی۔ زرینہ نے مسکرا کر کہا۔ "اب بس بھی کرو۔ کب تک اس خبیث بوڑھے کے متعلق سوچتی رہو گی۔ مجھے تو وہ بڑا ہی ضدی اور بے شرم لگ رہا تھا۔ شاید ہی وہ تمھیں تمھارے والدین کا پتہ بتائے۔"

میں بستر پر تھکے ہوئے انداز میں گر پڑی۔ میں نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ مجھے ابھی اس کے متعلق نہیں سوچنا چاہیے۔ جتنا سوچوں گی اتنا ہی اُلجھتی رہوں گی۔ تم کچھ اپنی باتیں کرو۔ اب تمھارے بدن سے وہ خوشبو نہیں آ رہی ہے جو میں نے ایئرپورٹ پر محسوس کی تھی۔ کیا خوشبو کا غسل ایسے ہی ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر بعد خوشبو اُڑ جاتی ہے؟"

زرینہ نے میرے پاس آکر لیٹتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں، خوشبو اتنی جلدی کیسے اُڑ گئی۔ وہ جو شہناز ہے اُس کے بدن سے تو چوبیس گھنٹے خوشبو آتی رہتی ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "یہ شہناز کون ہے؟"

"بہت ہی حسین عورت ہے۔ اُسے دیکھ کر ایسا پتہ چلتا ہے کہ خدا نے اُسے بڑی فرصت سے بنایا ہے۔ کم بخت جتنی حسین ہے اتنی ہی مغرور بھی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ کوئی مرد اُسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ وہ کنواری ہے اور کنواری رہے گی۔ لوگ اس کے لیے ترستے رہیں گے۔"

میں نے تھوڑی دیر کے لیے خیال خوانی کا سلسلہ ختم کر دیا۔ شہناز کی یاد آ گئی تھی۔ تصور میں اُس کا سراپا سامنے آ گیا تھا۔ واقعی کم بخت بلا کی حسین تھی اور میری زندگی میں وہ پہلی عورت تھی جسے میں اپنی مرضی سے ہاتھ نہیں لگا سکا تھا اور وہ میرے لیے آسمان بن گئی تھی جسے میں زمین پر کھڑے ہو کر چھو نہیں سکتا تھا۔

میں ایک سگریٹ سلگانے کے بعد پھر مرجانہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کو داستان سناتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں بہت رات تک زرینہ سے شہناز کے متعلق باتیں کرتی رہی۔ زرینہ نے جیسی اُس کی تعریف کی تھی۔ اُسے سن کر میری دلچسپی شہناز سے بڑھ گئی۔ میں نے سوچا کہ میں اُس سے ضرور دوستی کروں گی۔ اس رات زرینہ میرے پاس سوتی رہی۔ میں اور وہ بہت رات تک جاگتے رہے۔ پھر بہت رات گزرنے کے بعد وہ تھک ہار کر سو گئی۔ میں بھی تھوڑی دیر بعد نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

دوسرے دن میں نے کرم دین کا انتظار کیا کہ وہ شاید آئے گا لیکن وہ نہیں آیا۔ میں نے سوچا کہ اگر رات کو بھی نہ آیا تو میں دوسرے دن اُس کے پاس جاؤں گی۔ شام کو زرینہ کہیں سے واپس آئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ بہت پریشان ہے اور گھر والوں سے اپنی پریشانی چھپا رہی ہے۔ اُس کی امی نے پوچھا بھی کہ وہ اداس کیوں ہے تو زرینہ یہ کہہ کر ٹال گئی کہ اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

وہ اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی تھی۔ رات کے وقت کھانے پر اُسے بلایا گیا تو اُس نے دردِ سر کا بہانہ کر دیا اور کہہ دیا کہ اُسے بھوک نہیں ہے۔ وہ کمرے سے باہر نہیں آئی۔ بند

دروازے کے پیچھے سے ہی جواب دے دیا۔ بیگم وہاب... جنھیں میں امی کہا کرتی تھی۔ بولیں۔ "بیٹی مرجانہ۔ تم دونوں سہیلیاں بن گئی ہو۔ تم ہی جا کر اُس سے پوچھنا کہ وہ اتنی اداس کیوں ہے یا اُس کی طبیعت کیوں خراب ہے۔ تم اُسے سمجھا منا کر تھوڑا بہت کھلا دینا۔ ورنہ رات کو وہ بھوکی سو جائے گی۔"

میں نے اُن سے وعدہ کیا اور کھانے کے بعد بیڈروم میں آئی۔ میں نے دروازے پر دستک دی اور آواز بھی دی۔ "زرینہ دروازہ کھولو۔ میں ہوں اور کوئی بھی نہیں ہے۔"

میری آواز پر اس نے دروازہ کھول دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اُس کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں اور وہ کچھ دیر پہلے روتی رہی ہے۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے زرینہ۔ کیا مجھے اپنا دکھ نہیں بتاؤ گی؟"

میری بات سنتے ہی وہ مجھ سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور ساتھ ہی کہنے لگی۔ "میں برباد ہو گئی ہوں میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔"

میں نے پوچھا۔ "آخر ایسی کون سی بات ہو گئی۔ تم پریشان کیوں ہوتی ہو۔ سہولت سے ساری باتیں مجھے بتاؤ۔"

میں... سمجھا منا کر اُسے بستر پر لے آئی۔ پھر وہاں اُسے بٹھا کر اُس کے آنسو پونچھنے لگی۔ وہ بولی۔ "میں ڈوب رہی ہوں۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ میں تمھارے ساتھ بستر پر لیٹ کر تمھارے سینے سے لگ کر لیٹنا چاہتی ہوں۔ اُس کے بعد ہی کچھ بتا سکوں گی۔"

میں اُسے اپنے ساتھ لے کر بستر پر لیٹ گئی۔ پھر اُس کے بدن کو کبھی تھپک کر اور کبھی سہلا کر تسلیاں دینے لگی۔ اُس نے کہا۔ "وہ جو خوشبو کا غسل کرایا جاتا ہے۔ وہ بالکل فراڈ ہے۔ آج میرے سامنے اس کی حقیقت کھل گئی ہے۔ میں جہاں خوشبو کا غسل کرنے گئی تھی وہاں ایک اَدھیڑ عمر کی عیسائی عورت ہے۔ وہ بدن پر خوشبو مالش کرنے کے بہانے آہستہ آہستہ لڑکیوں کے کپڑے اتار دیتی ہے۔ اس طرح انھیں بالکل عریاں کر دیتی ہے۔ وہ کمرہ بالکل بند ہوتا ہے اس لیے میں ذرا بھی نہیں شرمائی کیونکہ میرے سامنے ایک عورت تھی اور مجھ پر اِس بات کی دیوانگی تھی کہ میں اپنے بدن کو مہکتا ہوا گلاب بنا دوں گی۔ آج جب میں وہاں گئی تو پتہ چلا کہ میری بہت ساری عریاں تصویریں اتار لی گئی ہیں۔ میں اُن تصویروں کو دیکھ کر شرم سے زمین میں گڑ گئی۔ میری نظریں نہ اٹھ سکیں۔ مجھے ایسا لگا کہ میں اسی لمحے مر گئی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔ میں نے اُسے تھپک تھپک کر تسلی دیتے ہوئے پوچھا۔ "تم آخر وہاں کیوں گئی تھیں۔ تمھیں اتنی عقل ہونی چاہیے کہ بند کمرے میں خواہ عورت ہی کیوں نہ ہو اُس کے سامنے لباس اتارنا سراسر بے شرمی ہے۔"

وہ بولی۔ "میں جانتی ہوں۔ میں نے آج تک امی کے سامنے بھی کبھی.... لباس تبدیل نہیں کیا لیکن اُس وقت میرے ذہن پر یہ جنون سوار تھا کہ میں شہناز کی طرح ایک مہکتی ہوئی عورت بن جاؤں۔ اتنی حسین اور اتنی خوشبو والی کہ لوگ للچاتے رہیں اور مجھے شہناز کی طرح حاصل نہ کر سکیں۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا اس مالش کرنے والی عورت نے تمھیں تمھاری تصویریں دکھائی تھیں؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں اس کوٹھی میں ایک اور شخص ہے۔ اُس کا نام ملک نواز ہے۔ اُس نے مجھے تصویریں دکھائیں تو میں نظریں اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکی۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ رہا تھا اور میں اپنا ہاتھ چھڑا رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ گھبراؤ نہیں۔ ہم تمھاری عزت پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ ہم تمھارے جیسی حسین لڑکیوں کو بالکل اچھوتی اور کنواری رکھتے ہیں اور اسی طرح باہر ملک میں بھیج دیتے ہیں۔ تم اس ملک سے باہر جاؤ گی تو لاکھوں روپے کماؤ گی۔"

میں نے اُس سے کہا۔ "مجھے دولت کا لالچ نہیں ہے۔ میں جانا نہیں چاہتی۔"

اُس نے کہا۔ "تمھیں جانا ہی ہوگا۔ اگر جانے سے انکار کرو گی اور اپنے گھر سے بھاگ کر نہیں آؤ گی تو یہ تصویریں تمھارے والدین کے پاس بھیج دی جائیں گی اور تمھارے پورے خاندان میں تقسیم کر دی جائیں گی۔ پھر اُن کا ایک رنگین کیٹلاگ چھپے گا جو سارے بازاروں میں اور ساری دنیا کے ممالک میں تقسیم کیا جائے گا۔ تم کہیں بھی کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔"

زرینہ یہ کہہ کر پھر رونے لگی۔ میں نے اُسے تھپک کر کہا۔ "اب روتی کیوں ہو۔ رونے سے تمھارا یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اُنھوں نے تمھیں بُری طرح جکڑ لیا ہے۔ اب تمھارے خاندان کی بدنامی ہونے والی ہے۔ تم اگر روؤ گی یا اُن کی باتوں سے انکار کرو گی تو وہ تم لوگوں کو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھیں گے اس لیے آنسو پونچھ لو اور حوصلے سے کام لو۔ دماغ سے سوچو کہ کس طرح اس مصیبت کو دور کیا جا سکتا ہے اور اپنی عزت اور اپنی آبرو بچائی جا سکتی ہے۔"

زرینہ نے کہا۔ "جب تک وہ تصویریں اُس کے قبضے میں رہیں گی۔ اس وقت تک مجھ پر مصیبتیں نازل ہوتی رہیں گی۔"

میں نے کہا: "اگر وہ تصویریں اُس کے پاس موجود ہیں تو ابھی تم میرے ساتھ چلو۔ ہم گھومنے کے بہانے یہاں سے نکلیں گے اور ملک نواز کے پاس پہنچیں گے پھر میں اُس کے پاس سے وہ تصویریں حاصل کر لوں گی۔"

زرینہ مجھ سے لپٹ کر بولی: "میں سمجھتی ہوں کہ تم دلیر ہو۔ جاوید بھائی تمہاری دلیری کی داستان سناتے تھے اور میں نے بھی کل سے یہی دیکھا ہے۔ تمہارے پاس آکر یوں لگتا ہے جیسے میں ایک بہت ہی قدآور بھاری بھرکم مرد کے سائے میں ہوں اور مجھے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے لیکن وہاں جانے کے بعد وہ تصویریں تو مل جائیں گی۔ اُن کے نیگیٹو نہیں ملیں گے وہ ملک نواز کہہ رہا تھا کہ اُس کی تصویروں کی دوسری کاپیاں اور نیگیٹو ہیڈکوارٹر بھیج دیے گئے ہیں۔"

میں نے کہا: "ہوسکتا ہے کہ ملک نواز جھوٹ کہہ رہا ہو۔ اس کا کوئی ہیڈکوارٹر نہ ہو۔ بلکہ وہ اس عیسائی عورت کے ساتھ مل کر اکیلا یہ دھندا کرتا ہو۔"

"نہیں۔ جیسا کہ وہ لڑکیوں کو باہر بھیجنے کا کاروبار کرتے ہیں تو یہ کوئی ایک اکیلا آدمی نہیں کر سکتا۔ اُس کے پیچھے یقیناً منظم گروہ موجود ہے جو لڑکیوں کو اِس طرح جال میں پھانس کے اور انھیں بلیک میل کر کے ملک سے باہر بھیجتا ہے۔ ملک نواز اُسی کا ایک کارندہ معلوم ہوتا ہے۔"

میں سنجیدگی سے سوچنے لگی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ ملک نواز کے گھر جا کر اُس کے ہاتھ پاؤں توڑ کر تصویریں لے آنا میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن زرینہ کی تصویروں کے اگر نیگیٹو حاصل نہ ہوتے تو بات بگڑ جاتی۔ ملک نواز یا اُس کے پیچھے کام کرنے والا گروہ ہمارا مخالف ہو جاتا اور انکل وہاب کے پورے خاندان کو بدنام کر دیتا۔ یہ لوگ نہایت ہی غیرت مند مہذب اور مذہبی قسم کے لوگ تھے۔ یہ ایسی بدنامی پسند نہ کرتے اور اپنی جان دے دیتے۔ مجھے اس خاندان سے بے حد محبت اور ہمدردی تھی اور میں جذبات میں آئے بغیر ٹھنڈے دل سے ٹھنڈے دماغ سے سوچ رہی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔

میں نے پوچھا: "ملک نواز نے پھر تم سے کب ملنے کے لیے کہا ہے؟"

"میں تو اُس سے کسی بھی دن مل سکتی ہوں لیکن اُس نے کہا ہے کہ آج سے ٹھیک چھ دن بعد یعنی ہفتے کی شام کو میں اپنا گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اُس کے پاس آ جاؤں۔ وہ مجھے ایک ایسی جگہ لے جائے گا جہاں سے میرے باہر جانے کا مکمل انتظام ہو چکا ہوگا۔"

میں نے پوچھا: "اب تم اِن حالات میں کیا کرنا [چاہتی ہو؟]"

"میں کیا کروں میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اتنا جانتی ہوں کہ مجھے اِن تصویروں کو اپنے ابّو اور امّی تک نہیں پہنچنے دینا۔ وہ شرم سے مر جائیں گے۔ میں اس سے پہلے اپنی جان دے دوں گی۔ میں سوچتی ہوں کہ کہیں بھاگ جاؤں۔"

"کہیں بھاگ کر جاؤ گی تو وہ دشمن تمہاری تصویریں گھر پہنچا دیں گے۔ بھاگنے سے کام نہیں چلے گا۔ میرا ایک [مشورہ] مانو گی؟"

زرینہ نے بڑے پیار سے کہا: "میں تمہارے لیے تو جان بھی دے سکتی ہوں، مشورہ کیوں نہیں مانوں گی؟"

"پھر تم اُن کی بات مان لو اور ملک سے باہر جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

وہ حیرانی سے بولی: "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

میں نے کہا: "میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

وہ خوش ہو کر بولی: "سچ مگر کیسے؟"

"ایسے کہ تم کل ہی ملک نواز کے پاس جا کر کہو کہ تمہاری ایک خوب صورت سہیلی ہے اور وہ باہر ملک میں کہیں [ملازمت] کرنے کے لیے جانا چاہتی ہے۔ اگر اُسے بھی تمہارے ساتھ [بھیجا جائے] تو تم بلا چون و چرا جاؤ گی۔"

"مرجانہ تم مجھے اپنی باتوں سے نئی زندگی اور نیا حوصلہ دے رہی ہو۔ بس ایک ہی بات کی پریشانی ہے۔ سوچتی ہوں کہ یہاں سے جانے کے بعد میرے والدین کا کیا حال ہوگا۔"

میں نے سمجھایا کہ ہم چپ چاپ یہاں سے چلے [جائیں] گے۔ گھر والے ہمیں تلاش کریں گے اور ہمارے متعلق یہ [سمجھا] جائے گا کہ بدمعاشوں نے اغوا کیا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے نہیں گئی ہیں اور نہ ہی ہم نے کوئی ایسی غلطی کی ہے جس سے خاندان کے نام کو دھبہ لگ سکتا ہے۔ لہٰذا وہ یہی سوچ کر اپنے دل کو تسلی دیں گے کہ ہمیں اغوا کیا گیا ہے اور پولیس کسی دن ہمیں برآمد کر لیں گے۔

میں بہت رات گئے تک اُس کے ساتھ منصوبے [بناتی] رہی۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ زرینہ کے ساتھ جہنم تک جانا ہوا تو جاؤں گی لیکن اُس کی تصویروں کے نیگیٹو ضرور حاصل کروں گی اور دیکھوں گی کہ کتنے بڑے پیمانے پر یہ لوگ [یہ دھندا] کرتے ہیں اور معصوم لڑکیوں کو کس طرح پھانستے ہیں۔ [ہو سکا] تو میں اُن لڑکیوں کی بھی مدد کروں گی۔ دوسرے دن زرینہ [میرے] سمجھانے کے مطابق ملک نواز کے پاس گئی اور اُس سے [کہا کہ] [تمہاری] بھی ایک [خوب صورت] سہیلی کے ساتھ اس ملک سے باہر جانا چاہتی ہے۔ ملک نواز نے کہا کہ اگر وہ واقعی خوب صورت ہے اور کم عمر ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم خوشی سے اُسے تمہارے ساتھ بھیج دیں گے۔

زرینہ ساری باتیں طے کر کے آ گئی۔ تیسرے دن میں ملک نواز سے ملنے گئی تو وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اُس نے میری چند تصویریں اتاریں اور مجھے یقین دلایا کہ مجھے یقیناً ملازمت کے لیے باہر بھیج دیا جائے گا۔ میں اُس کے سامنے ایک ایسی احمق لڑکی بنی رہی جو باہر جا کر ملازمت کرنے اور خوب دولت کمانے کے خواب دیکھتی ہے۔

میں اس ملک سے باہر جانے سے پہلے کرم دین سے اپنے والدین کا پتہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔ جب وہ ہمارے یہاں نہیں آیا تو میں اُس کے پاس اُس کے گھر میں اُس سے ملنے گئی۔ وہ گھر میں موجود تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کچھ گھبرا سا گیا۔ کہنے لگا: "میں نے تمہارے خاندان والوں سے ٹیلیفون پر بات کی تھی اور وہ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ تمہیں اُن کا پتہ بتایا جائے۔"

"کرم دین مجھ سے جھوٹ نہ بولو۔ تم بہانے بنا رہے ہو اور مجھ سے بہت کچھ چھپا رہے ہو۔ تمہیں یقیناً میرے خاندان والوں سے زبردست منافع حاصل ہو رہا ہے اور اس منافع کو برقرار رکھنے کے لیے تم مجھے میرے والدین سے دور رکھ رہے ہو۔"

اُس نے کہا: "تم کچھ بھی سمجھ لو۔ اگر میں منافع حاصل کر رہا ہوں تو اس منافع سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا۔ دوسری بات یہ کہ مجھ پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے یا مجھے ہلاک کرنے سے پہلے یہ اچھی طرح سوچ لو کہ میں دنیا میں واحد شخص ہوں جو تمہارے پیدائشی راز کو جانتا ہوں۔ اگر میں مر گیا تو تم ساری عمر پریشان ہوتی پھرو گی لیکن یہ حسرت لے کر مرو گی کہ تمہیں تمہارے والدین مل جائیں۔"

"کرم دین میں جانتی ہوں کہ تم بہت لالچی ہو دیکھو۔ میرے پاس چار ہزار روپے ہیں اور وہ گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔ اگر تمہیں روپے کی ضرورت ہے تو میں وہ لا کر تمہیں دے دوں گی۔ میں تمہیں اچھی طرح سوچنے سمجھنے کا موقع دے رہی ہوں۔ آج میری آخری بات سن لو۔ میں کل اسی وقت چار ہزار روپے لے کر آؤں گی۔ اگر تم نے وہ روپے لے کر مجھے میرے والدین تک پہنچا دیا تو تمہاری عمر طویل ہو سکتی ہے۔ ورنہ کل تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ میں حسرت سے جی لوں گی لیکن تمہیں زندہ نہیں دیکھنا چاہوں گی۔ اب میری بات پر غور کرتے رہو۔ کل میں اسی وقت آؤں گی۔ بس یہ آخری بات کہہ کر جا رہی ہوں۔"

میں وہاں سے آ گئی۔ دوسری طرف ملک نواز نے میری تصویریں اتارنے کے بعد انھیں شاید ناصر پاشا کے پاس بھیجا تھا۔ جو پسند کر لی گئیں۔ دوسرے دن اُس نے خوش ہو کر مجھے بتایا کہ میری تصویریں پسند کر لی گئی ہیں۔ میری ملازمت پکی ہو گئی ہے اور میرے جانے کا انتظام بھی ہو چکا ہے۔ لہٰذا میں زرینہ کے ساتھ سفر کر سکوں گی۔

میں اسی شام چار ہزار روپے لے کر گولیمار کی اُس گلی میں گئی جہاں کرم دین رہتا تھا۔ لیکن وہاں دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔ پاس والے گلی کے دکان دار نے کہا: "وہ تو کل ہی اپنا سامان لپیٹ کر یہاں سے جا چکا ہے۔ اُس نے یہ کمرہ چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ کرائے کے لیے خالی ہے۔"

میں نے دیکھا۔ واقعی دروازے کے اوپر ایک گتے پر لکھا ہوا تھا کہ کمرہ کرائے کے لیے خالی ہے۔ میں نے دکان دار سے پوچھا کہ وہ کہاں جا سکتا ہے۔ دکان دار نے لاعلمی ظاہر کی اور نفرت سے کہا کہ وہ شرابی جواری ہے کسی دوسرے اڈے میں چلا گیا ہوگا۔

میں اُسے تلاش کرنے کے لیے نکل پڑی۔ میں نے انکل وہاب سے کار لے لی اور خود ہی ڈرائیو کرتی ہوئی مختلف علاقوں میں گھومتی رہی۔ اُسے دیکھتی رہی لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ آخر دو چار دن کی تلاش کے بعد یہ یقین کرنا پڑا کہ کرم دین وہ شہر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

مرجانہ کی داستان یہاں پہنچی تھی کہ اچانک اُس کے کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دی۔ مرجانہ خاموش ہو گئی۔ اُس نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی سے کہا: "ذرا جا کر دیکھو کہ دروازے پر کون آیا ہے؟"

لڑکی نے آگے بڑھ کر دروازے کو کھولا تو وہاں ایک نئی لڑکی کھڑی تھی۔ مرجانہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا: "آؤ اندر آ جاؤ۔ کون ہو تم؟"

وہ اندر آتے ہوئے بولی: "میرا نام لولیتا ہے۔ میں آج ہی اس جزیرے میں آئی ہوں۔"

میں خیال خوانی کے ذریعے وہ سب کچھ سن رہا تھا۔ لولیتا کا نام سنتے ہی میں چونک گیا۔ کیونکہ آج کی میٹنگ میں یہ طے پایا تھا کہ بینا مریم میری نگرانی کرے گی۔ اسی طرح لولیتا مرجانہ کے متعلق معلومات حاصل کرے گی اور یہ جاننے کی کوشش

کرے گی کہ مرجانہ آخر کس قسم کی لڑکی ہے اور اُس کے اندر بغاوت کا جذبہ ہے یا نہیں؟

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ بالکل محتاط ہو گیا کہ مرجانہ اُس سے مل کر کوئی ایسی بات نہ کہے جس سے اُس پر ہونے والا شبہ یقین میں بدل جائے۔ لولیتا کمرے کے اندر آنے کے بعد اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا رہی تھی۔ مرجانہ نے اُس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بڑے پیار سے دبایا۔ لولیتا چونک کر اُس کے ہاتھ کو دیکھنے لگی۔ اُس نے بھی یہی محسوس کیا جیسے وہ کسی عورت سے نہیں بلکہ کسی مرد سے ہاتھ ملا رہی ہو حالانکہ وہ ہاتھ ایک عورت کا تھا۔ مرجانہ کا تھا۔

"میرا نام مرجانہ ہے۔ کیا تمھارے ساتھ اور بھی دوسری لڑکیاں اس جزیرے میں آئی ہیں؟"

لولیتا نے کہا "میرے ساتھ صرف ایک لڑکی ہے اُس کا نام ٹینا مریم ہے۔ ویسے میں تم سے مصافحہ کر کے حیران ہوں۔ تمھارا ہاتھ تو فولاد کی طرح سخت معلوم ہوتا ہے۔ تم بظاہر ایسی نہیں لگتیں۔ بالکل نرم و نازک سی لڑکی دکھائی دیتی ہو۔ ہاتھ ملانے سے معلوم ہوا کہ اندر سے بڑی سخت ہو۔ کیا تمھیں مارشل آرٹ سے شوق رہا ہے؟"

"ہاں میں نے سیکھنے کی کوشش کی تھی مگر سیکھ نہ سکی۔ یہ سختی میرے اندر پیدائشی ہے۔"

"کیا تم اس جزیرے میں اپنی خوشی سے آئی ہو؟"

"ہاں یہی سمجھ لو۔"

لولیتا نے بہت افسردگی سے کہا "مگر میں بہت مجبور ہو کر آئی ہوں۔ مجھے میرے ملک میں بلیک میل کیا گیا ہے۔ میری ایک کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر مجھے یہاں آنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ کاش کہ میں اُن لوگوں سے انتقام لیتی اور یہاں سے بھاگ نکلتی۔"

لولیتا اصلیت اگلوانے کے لیے بڑی ذہانت سے باتیں بنا رہی تھی۔ دوسری طرف مرجانہ ایسی لڑکیوں کی ہمدرد تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک لڑکی جو فروخت ہونے کے لیے اِس جزیرے میں آئی ہے وہ جاسوس بن کر اُس کا بھید لینے کی کوشش کر رہی ہو گی۔ مرجانہ بجراً یا ہمدردی میں کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ میں اُس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اب مرجانہ نے اُس سے سوال کیا "لولیتا اس جزیرے میں تمام لڑکیوں پر پابندی ہے۔ تم کس طرح آزادانہ گھومتے ہوئے ہمارے پاس آ گئی ہو؟"

میں نے مرجانہ کے دماغ کو ذرا ڈھیل دی" تاکہ وہ اپنی ہی زبان سے کیے ہوئے اِس سوال کی اہمیت کو سمجھ... واقعی ذہین تھی۔ اُس کی سوچ کہہ رہی تھی "ہاں مجھے ... ہو کر یہ تو معلوم کرنا ہی چاہیے کہ یہ لڑکی اتنی آزادی ... کاٹج تک کیسے چلی آئی؟"

لولیتا نے کہا "میں آج ہی یہاں پہنچی ہوں ... باہر سے کچھ جاسوس بھی آئے ہیں۔ انھوں نے ٹینا ... مریم کو یقین دلایا ہے کہ جب تک وہ اس جزیرے میں ... تب تک کوئی قاتل کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ لہٰذا ... سے اس جزیرے کی سیر کر سکتی ہوں۔"

مرجانہ کی سوچ نے میری ہدایت کے مطابق ... کر کہا "پھر تو ہم سب لڑکیوں کو آج تمھارے ساتھ ... اس جزیرے کی سیر کرنا چاہیے۔ اب ہم پر سے پابندیاں ... گئی ہوں گی۔"

لولیتا ذرا سا بوکھلا گئی۔ کیونکہ آزادی تو دی نہیں ... تھی اور پابندیاں سب پر برقرار تھیں اس نے جلدی ... "نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمام لڑکیوں ... نہیں دی گئی ہے چونکہ میں آج ہی یہاں آئی ہوں ... مجھے گھومنے کی اجازت مل گئی ہے۔"

میں نے مرجانہ کی سوچ میں کہا "یہ لڑکی کتنی ... باتیں بدل رہی ہے۔ مجھے تو کچھ شک محسوس ہو رہا ہے ... میرے متعلق کچھ چھان بین کرنے نہ آئی ہو۔ مجھے ..."

مرجانہ نے اپنی ساتھی لڑکی سے کہا کہ وہ کمرے ... باہر چلی جائے۔ جب وہ باہر چلی گئی تو مرجانہ نے اپنے ... ہاتھ لولیتا کے شانوں پر رکھ کر کہا "میں پابندی سے ... ہوں میرا جی چاہتا ہے کہ تم سے دوستی کروں اور ... باہر سیر کے لیے نکلوں۔ کیا ہم دونوں یہاں سے باہر جائیں ..."

یہ کہہ کر مرجانہ نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ لولیتا ... پریشان اُس کی قربت کو محسوس کرنے لگی۔ آیسے ... تھا جیسے آنکھیں بند کر لے گی تو اُس کے سامنے ... بلکہ بند آنکھوں کے پیچھے کوئی اور محسوس ہو گا۔ مرجانہ ... سے باز آنے والی لڑکی نہیں تھی۔ لولیتا اُسے پھانسنے آئی ... اب اس نے لولیتا کو پھانسنا شروع کر دیا تھا۔

میں نے مرجانہ کی سوچ میں کہا "مجھے لولیتا سے ... رہنا چاہیے۔ پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ آج یہاں کتنے ... آئے ہیں اور کس قسم کے حفاظتی اقدامات کیے جا رہے ... آج ہی لولیتا اور ٹینا مریم نامی لڑکی یہاں کیسے پہنچی ... گروہ کے ساتھ آئی ہیں، کس ملک سے تعلق رکھتی ...

مجھے صحیح معلومات حاصل نہیں ہوں گی۔ میں لولیتا پر کبھی اعتماد نہیں کروں گی۔"

میں مرجانہ کی سوچ کے ذریعے اُسے اچھی طرح سمجھانے کے بعد اُس کے دماغ سے واپس آ کر کچھ دیر وہاں جھاڑیوں کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ اب ٹینا مریم کی خبر لینا چاہیے کہ وہ مجھے کہاں تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ ناصر پاشا کے کاٹج میں تھی۔ وہاں اُس نے میری کار کو کھڑے ہوئے دیکھا تھا اس لیے یہ سوچ کر وہاں ٹھہر گئی تھی کہ میں کہیں زیادہ دور نہیں گیا ہوں اور جلد ہی واپس آ جاؤں گا۔ ناصر پاشا کے کمرے میں جا کر اُس نے ٹیلیفون کے ذریعے اپنے باس ونڈسر کو یہ اطلاع دی تھی کہ ناصر پاشا کے کاٹج کے سامنے کار تو کھڑی ہوئی ہے لیکن طارق محمود نہیں ہے۔ پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔ وہ وہاں اس کی واپسی کا انتظار کر رہی ہے۔

میں جھاڑیوں کے کنج سے اٹھ کر کاٹج کی طرف واپس جانے لگا۔ وہاں جزیرے میں آنے والا جاسوس ونڈسر واقعی ذہین تھا۔ اُس نے آتے ہی سوالات کے ذریعے جن لوگوں پر شبہ کیا تھا اُن میں سرِ فہرست میں اور مرجانہ تھے اور اُس نے ہم دونوں کے پیچھے جاسوس لگا دیے تھے اور وہ صحیح سمت قدم اٹھا رہا تھا۔ لہٰذا میں بھی محتاط رہ کر اُس کے اقدامات کا توڑ کرنا چاہتا تھا۔ میں زیادہ شبہ میں اُن لوگوں کو مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اِس لیے ناصر پاشا کے کاٹج کی طرف واپس جا رہا تھا۔ وہاں جتنے بھی کاٹج اور دکانیں تھیں انھیں مقفل نہیں کیا جاتا تھا۔ کسی کی طرف سے چوری، ڈکیتی کا خطرہ نہیں تھا۔ اِس جزیرے کے گنے چنے لوگ جانے پہچانے تھے اِس لیے ٹینا مریم کو ناصر پاشا کا کاٹج کھلا ہوا ملا تھا۔ اب وہ وہاں ایک بستر پر لیٹی ہوئی انگریزی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی۔

میں کاٹج کے قریب پہنچ کر گنگنانے لگا تاکہ وہ میری آواز سن کر پہلے سے محتاط ہو جائے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ وہ گنگنانے کی آواز سن کر کاٹج سے باہر برآمدے میں آئی۔ اس وقت میں برآمدے پر پہنچ رہا تھا۔ اُس نے مجھے دیکھا اور میں اُسے دیکھتے ہی ٹھٹک گیا۔ چونکنے کی اداکاری کی۔ وہ جلدی سے بولی "سوری سوری۔ میں یہاں ذرا آرام کرنے کے لیے رُک گئی تھی۔ سنا ہے یہاں سارے کاٹج کھلے رہتے ہیں اور خصوصاً مہمانوں کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہاں کا چیئرمین کہہ رہا تھا کہ میں کہیں بھی جا کر آرام کر سکتی ہوں۔ لہٰذا میں اسی کاٹج میں آ گئی ہوں کیا تم یہاں رہتے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا "شاید تم نے اس کاٹج کے گیٹ پر لگی ہوئی تختی نہیں پڑھی۔ اس تختی پر ناصر پاشا کا نام لکھا ہوا ہے۔ میں اُس کا نائب ہوں اور میرا نام طارق محمود ہے۔"

اُس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "اور میرا نام ٹینا مریم ہے۔"

میں نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا "ہاں میں تمھیں ایئرپورٹ میں دیکھ چکا ہوں۔ تم اُن سراغرسانوں کے ساتھ یہاں آئی ہو۔"

اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ پھر بولی "ہاں اُن جاسوسوں کے ساتھ آئی ہوں لیکن محسوس کر رہی ہوں کہ میرے ساتھ فراڈ کیا گیا ہے۔"

میں نے پوچھا "کیسا فراڈ؟"

وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی "میں یہاں کھُلی جگہ نہیں کہہ سکتی۔ میرا خیال ہے ہم کمرے میں چلیں۔ وہاں میں تنہائی میں اپنے دل کی بات بتا سکوں گی۔"

میں اُس کے ساتھ کاٹج کے اندر ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا۔ وہ آہستگی سے بولی "در اصل میں ایک ادارے میں جاسوسی کی تربیت حاصل کر رہی تھی۔ مجھے اور میری ایک سہیلی لولیتا کو جاسوس بننے کا بہت شوق تھا۔ اس ادارے میں ہم سے کہا گیا کہ ہمیں باقاعدہ اس کے لیے لائسنس دیا جائے گا۔ پھر کل ہمیں بتایا گیا کہ ایک کیس کے سلسلے میں ہمیں ونڈسر کے ساتھ ایک جزیرے میں جانا ہے۔ آج ہم یہاں آئے تو پتہ چلا کہ یہاں وسیع پیمانے پر لڑکیوں کا کاروبار ہوتا ہے۔ جب ہی ہمارا ماتھا ٹھنکا اور ہمیں اپنے متعلق خطرہ محسوس ہوا۔ یقیناً ہمیں بھی پھانس کر یہاں لایا گیا ہے۔ اب یہ لوگ مجھے اور میری سہیلی لولیتا کو اسی جزیرے میں چھوڑ دیں گے اور کسی کے ساتھ ہمارا سودا کر دیں گے۔"

جس طرح لولیتا مرجانہ کی ہمدردی حاصل کرنے گئی تھی۔ اسی طرح ٹینا مریم بڑی مکاری سے میری ہمدردی حاصل کرنا چاہتی تھی اور مجھے بے نقاب کرنا چاہتی تھی۔ میں نے خشک لہجے میں کہا "تم یہ باتیں مجھ سے کیوں کرنا چاہتی ہو۔ کیا تمھارا خیال ہے کہ میں اس سلسلے میں تمھاری کچھ مدد کر سکوں گا؟"

وہ صوفے پر کھسک کر میرے قریب آ گئی میرے بازو کو تھام کر بولی "میں نے تمھیں ایئرپورٹ میں دیکھا تھا۔ پھر اس پختہ عمارت میں دیکھا جہاں اُن لوگوں کی میٹنگ ہو رہی ہے مجھے معلوم ہے کہ پاکستان کے لوگ بڑے غیرت مند ہوتے ہیں اور وہ کسی بھی عورت کی عزت و آبرو بچانے کے معاملے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اسی اعتماد سے میں تمھارے پاس

آئی ہوں۔"

وہ میرے ملک کا واسطہ دے کر مجھے بھڑکا رہی تھی۔ کم بخت بہت ہی چالاک تھی۔ میں نے ڈھٹائی سے کہا۔ "اگر میں اور ناصر پاشا غیرت مند ہوتے تو اس جزیرے میں یہ کاروبار نہ کرتے۔ دُنیا کے ہر ملک میں ہر قوم میں بے غیرت ہوتے ہیں۔ اُن میں میرا اور ناصر پاشا کا بھی نام آتا ہے۔"

وہ بولی۔ "میری طرف دیکھو۔"

میں نے اُس کی طرف دیکھا۔ وہ بولی۔ "کیا میں حسین نہیں ہوں؟ کیا میں جوان نہیں ہوں؟ ایک بار میرے قریب آکر تو دیکھو۔ تم میرے لیے ساری دنیا سے لڑنے مرنے پر تیار ہو جاؤ گے۔ ایک بار مجھے آزمالو۔"

میں نے اُسے پرے ہٹا کر کہا۔ "تم نے ابھی اس جزیرے میں دیکھا نہیں ہے۔ یہاں دنیا کی حسین ترین لڑکیاں ہیں۔ میں بہکنا چاہوں تو کسی وقت بھی یہاں بہک سکتا ہوں۔ تمھارا ہونا یہاں ضروری نہیں ہے اور اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تم باغیانہ خیالات رکھتی ہو اور یہاں ہمارے ٹھیکیداروں کو نقصان پہنچا سکتی ہو۔ میں تمھاری رپورٹ چیئرمین کے پاس کروں گا۔"

اچانک اُسے غصہ آگیا۔ دُنیا کی کوئی بھی عورت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اُس کے سامنے کسی دوسری عورتوں کے حسن و شباب کی تعریف کی جائے۔ ٹینا مریم بھی اپنے آپ کو حسین سمجھتی تھی۔ میری باتوں نے اُسے غصے سے بھڑکا دیا۔ وہ دانت پیس کر مجھے دیکھنے کے بعد بولی۔ "تم میرے خلاف کیا رپورٹ دو گے۔ میں کوئی معمولی عورت نہیں ہوں۔ میں ونڈسر وغیرہ کا بھرپور اعتماد حاصل کر چکی ہوں۔ وہ مجھ پر کبھی شبہ نہیں کریں گے۔ بلکہ میں تمھارے خلاف رپورٹ کروں تو وہ تم پر شبہ کر سکتے ہیں اور تمھیں قید کر سکتے ہیں۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "تمھیں اس بات پر غصہ آرہا ہے کہ تمھارا حسن مجھے متاثر نہیں کر سکا۔ کوشش کرو کہ میں متاثر ہو جاؤں۔"

وہ جھنجلا کر کھڑی ہو گئی۔ وہاں سے غصے میں جانا چاہتی تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ میری مخالف ہو کر یہاں سے جائے۔ میں اُس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ تو وہ جھنجلا کر دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہاں سے وہ پھر اُٹھی اور پاؤں پٹختے ہوئے اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔ میں اُس کے دماغ میں موجود تھا اور اُس کی سوچ کو غصے سے بھڑکاتا جارہا تھا اور اُسے مجبور کر رہا تھا کہ کبھی غصے میں اِدھر سے اُدھر آتی جاتی رہے کبھی اُٹھتی بیٹھتی رہے۔ مٹھیاں بھینچتی رہے اور بار بار مجھے غصے سے دیکھتی رہے لیکن اس کاٹج سے نہ جائے بلکہ ہر حال میں مجھے متاثر کرے اور ثابت کر دے کہ میں اُس کے حسن و شباب کے سامنے جھک سکتا ہوں۔ لہٰذا وہ وہی حرکتیں کر رہی تھی۔

اس کا دماغ اُس کے بس میں نہیں تھا۔ کبھی وہ سوچتی تھی کہ وہاں سے چلی جائے اور کبھی سوچتی تھی کہ مجھے اپنا بنا ہی لے۔ اپنی ذات سے متاثر کرے اور اپنے غرور کو قائم رکھے۔ وہ نیچی نہیں ہونا چاہتی تھی۔ میری باتوں کا، میری نفرت کا منہ توڑ جواب دینا چاہتی تھی۔ پھر منہ توڑ جواب دینے کے لیے اُس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد جب ہم اس کاٹج سے باہر نکلے تو دوست بن چکے تھے۔ میں نے ایک ذرا سا مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو اِدھر لولیتا اُس کی گہری دوست بن چکی تھی اور اُس سے دیوانہ وار اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ میں ٹینا مریم کے ساتھ ایک ہوٹل میں آکر بیٹھ گیا۔ ہم نے کھانے کا آرڈر دیا۔ پھر میں نے اُس سے کہا۔ "ٹینا تم اگر اس جزیرے میں آکر پھنس گئی ہو تو مجھے تم سے ہمدردی ہے لیکن میں بھی یہ کاروبار کرتا ہوں اس لیے تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ ہاں تمھیں زیادہ سے زیادہ آرام اور سہولتیں پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ میں اس جزیرے میں اپنے ٹھیکیدار ناصر پاشا کا وفادار ہوں اور اس سے کبھی غداری نہیں کر سکتا۔"

ٹینا مریم نے مسکرا کر میرے ہاتھ پر رکھ کر کہا۔ "بہت اچھی بات ہے اور تمھیں غداری کرنی بھی نہیں چاہیے۔ اب میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ دراصل تم پر شبہ کیا جا رہا تھا۔ میں تمھیں اندر سے ٹٹولنے آئی تھی کہ تم باغیانہ خیالات رکھتے ہو یا نہیں۔ میں مطمئن ہوں اور تم نے ایسی دوستی کی ابتدا کی ہے کہ میں تم پر بھرپور اعتماد کر سکتی ہوں اور تمھارے متعلق یہاں سے جانے کے بعد بہت اچھی رپورٹ دوں گی۔"

ہماری میز پر کھانا آگیا۔ اسی وقت میں نے مرجانہ کو دیکھا۔ وہ لولیتا کے ساتھ ہوٹل میں داخل ہو رہی تھی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اُس نے مجھے نفرت سے دیکھا پھر ایک میز کے پاس لولیتا کے ساتھ بیٹھ گئی۔ وہاں بیٹھنے کے بعد بھی اُس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ میرے جی میں آیا کہ میں مسکرا کر اُسے آنکھ مار دوں لیکن میں نے ضبط سے کام لیا۔ کیونکہ میں شرارت کرتا تو وہ بھڑک جاتی اور اسی ہوٹل میں ہنگامے شروع کر دیتی۔ پھر اُسے قابو میں کرنا بہت مشکل ہو جاتا۔

میں خیال خوانی کے ذریعے سننے لگا۔ مرجانہ کہہ رہی تھی۔ "لولیتا آج تو دوسری لڑکیوں کو باہر نکلنے کی آزادی نہیں ہے۔ میں تمھاری سفارش پر یہاں تک آگئی ہوں لیکن اس شخص کے ساتھ وہ کون بیٹھی ہوئی ہے۔ کیا وہی ٹینا مریم ہے؟"

لولیتا نے ہماری طرف دیکھ کر کہا۔ "ارے ہاں۔ وہ تو ٹینا مریم ہے اور جس کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے اس کا نام یقیناً طارق محمود ہوگا۔"

مرجانہ نے کہا۔ "ہوگا کیا۔ وہی کم بخت طارق محمود ہے۔ پتہ نہیں اُس کے ساتھ کیسے دوستی ہو گئی۔"

لولیتا نے کہا۔ "جیسا کہ میں تمھیں اپنی اصلیت بتا چکی ہوں کہ میں جاسوسوں کی جماعت کے ساتھ یہاں آئی ہوں اور تمھیں کھنگالنا چاہتی تھی مگر تم شبہ سے بالاتر نکلیں اسی طرح ٹینا مریم طارق محمود کے متعلق تحقیقات کر رہی ہے۔ اُس کے ساتھ مل کر اُس کی اصلیت معلوم کرنا چاہتی ہے کیونکہ ہمیں طارق محمود پر بھی شبہ ہے۔"

مرجانہ نے حیرانی سے کہا۔ "کیا کہا۔ طارق محمود پر شبہ ہے اسے وہ تو پکا دلال ہے تم لوگ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔"

مرجانہ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔ اُس کی شدید خواہش تھی کہ مجھے اور ناصر پاشا کو کسی طرح ہلاک کر دے اور اُس کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ میں چپ چاپ کھانا کھانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ناصر پاشا ایک کار میں بیٹھ کر وہاں پہنچا۔ اُس کے ساتھ مسلح گارڈز موجود تھے۔ اُس نے ہمیں دیکھتے ہی کہا۔ "اچھا تم یہاں بیٹھے ہو۔ میں مرجانہ کو تلاش کرنے کے لیے اُدھر کاٹج کی طرف گیا تھا۔"

پھر وہ مرجانہ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "تم ابھی میرے ساتھ فلم اسٹوڈیو کی طرف چلو۔ وہاں تمھاری سہیلی زرینہ شوٹنگ میں حصہ لینے سے انکار کر رہی ہے۔"

مرجانہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر غصے سے بولی۔ "تم نے کیا کہا؟ کیا زرینہ کی بلیو فلمیں تیار کر رہے ہو۔ یہ کیسی بے حیائی ہے۔ وہ لڑکی کبھی تیار نہیں ہو گی۔"

ناصر پاشا نے کہا۔ "مجھے ابھی رپورٹ ملی ہے کہ زرینہ تمھیں بلا رہی ہے۔ میں تمھیں لینے آیا ہوں میرے ساتھ وہاں چلو اور اُسے راضی کرو۔ وہ تمھاری بات مان لے گی۔"

مرجانہ آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ وہ ناصر پاشا کی پٹائی کرنا ہی چاہتی تھی کہ میں اُس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ میں نے اُس کی سوچ میں کہا۔ "نہیں مجھے ذرا ضبط سے کام لینا چاہیے پہلے مجھے زرینہ کے پاس پہنچنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ میں یہاں ہنگامہ کروں اور مجھے قید کر لیا جائے اور اِدھر زرینہ پر زبردستی کی جائے۔ پھر وہ بے چاری مجبور ہو جائے گی۔ . . . پہلے میں زرینہ کے پاس پہنچ کر اُسے اپنی حفاظت میں لوں گی۔"

میری اس بات سے وہ قائل ہو گئی۔ فوراً ہی نرم پڑ کر بولی۔ "اچھی بات ہے۔ چلو، میں تمھارے ساتھ چل رہی ہوں۔"

میں بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے ٹینا مریم سے کہا۔ "سوری۔ میں کھانے میں پوری طرح تمھارا ساتھ نہ دے سکا۔ ناصر پاشا میرا باس ہے۔ میں اُس کے ساتھ جانا ضروری سمجھتا ہوں۔"

ٹینا نے مسکرا کر کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ آج رات میں تمھارے کاٹج میں آؤں گی۔"

میں اُس سے رخصت ہو کر کار میں آکر بیٹھ گیا۔ ناصر پاشا، مرجانہ وغیرہ سبھی وہاں بیٹھ چکے تھے۔ کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ میں بار بار مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھتا جاتا تھا۔ وہ اندر ہی اندر بھڑک رہی تھی۔ غصے سے پیچ و تاب کھا رہی تھی اور کسی طرح اپنے غصے کو برداشت کر رہی تھی۔

میں اب تک بڑی خوب صورتی سے تمام وارداتوں پر پردہ ڈالتا آرہا تھا۔ ٹینا مریم نے میرے متعلق حقیقت معلوم کرنا چاہی تھی۔ میں نے اُسے بھی بڑی خوب صورتی سے ہینڈل کیا تھا۔ مرجانہ کی بھی تعریف کرنا چاہیے کہ اُس نے لولیتا کو اپنا دیوانہ بنا کر اُس سے اُس کی اصلیت اگلوالی تھی اور اپنی اصلیت چھپا رکھی تھی لیکن اب پیش آنے والے حالات بتا رہے تھے کہ مرجانہ کو زیادہ دیر اپنے قابو میں رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ وہ لوگ بلیو فلم یقیناً تیار کرنا چاہیں گے اور زرینہ جیسی شریف زادی اس بات پر کبھی راضی نہیں ہو گی اور مرجانہ بھی اُسے برداشت نہیں کرے گی۔ لہٰذا اب معاملہ بہت زیادہ سنگین نظر آرہا تھا اور جو کچھ میں اب تک چھپاتا آرہا تھا اُس کے ظاہر ہونے کا اندیشہ بڑھ گیا تھا۔

ہم فلم اسٹوڈیو کے احاطے میں پہنچ گئے۔ وہاں ہمیں ونڈسر، آئرن مین اور چیئرمین کے علاوہ دوسرے ٹھیکیدار بھی نظر آئے۔ اُن کی موجودگی سے مجھے کچھ شبہ ہوا۔ میں نے ونڈسر کے دماغ میں جھانک کر معلوم کیا۔ اُس کی سوچ نے بتایا کہ زرینہ کو جان بوجھ کر بلیو فلم کی شوٹنگ کے لیے یہاں لایا گیا ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ ایک طارق محمود اور دوسری مرجانہ دونوں ہی مشکوک ہیں۔ ٹینا مریم اور لولیتا اُن سے اتنی جلدی اُن کی اصلیت اگلوا نہیں سکیں گی۔ کیونکہ جو لوگ چالاک ہوتے ہیں۔ وہ

آسانی سے خود کو ظاہر نہیں کرتے۔ لہٰذا مجھے اور مرجانہ کو بے نقاب کرنے کے لیے انھوں نے یہ چال چلی تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ ہمارے ملک کی ایک لڑکی کو ننگا کر کے اُس کی فلمیں اتاری جائیں گی تو ہماری غیرت اُسے برداشت نہیں کرے گی اور ہم اس شوٹنگ کو روکنے کی کوشش کریں گے۔

فیصلے کی گھڑی آ پہنچی تھی۔ اَب اِس پار یا اُس پار کوئی فیصلہ ہو جانا چاہیے تھا۔ میں بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ زرینہ جیسی شریف خاندان کی لڑکی کی عزت کیمرے کے سامنے اچھالی جائے اور میں یہ تماشہ دیکھتا رہوں۔ میں نے اُسی وقت سوچ لیا کہ اَب جو حالات پیش آئیں گے۔ وہ دشمنوں کے لیے بڑے عبرت ناک ہوں گے۔

ہم کار سے اُتر کر چیئرمین اور ونڈسر وغیرہ کے قریب پہنچے۔ پھر اُن کے ساتھ اسٹوڈیو کے اندر جانے لگے۔ ونڈسر نے مرجانہ سے پوچھا "کیا تمھارا نام مرجانہ ہے؟"

مرجانہ خاموش رہی۔ کیونکہ وہ اندر سے غصّے میں بھری ہوئی تھی۔ کسی سے کچھ بولنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر کہا "ہاں اِسی لڑکی کا نام مرجانہ ہے۔"

ونڈسر نے کہا "وہ لڑکی زرینہ کہتی ہے کہ وہ اور مرجانہ اس جزیرے میں اپنی عزت کی حفاظت کرنے آئی ہیں۔ یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔ حمام میں جا کر تو سبھی ننگے ہو جاتے ہیں اور یہ لڑکیاں اپنا ننگا پن چھپانے آئی ہیں۔"

مرجانہ نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم اسٹوڈیو کے اندر پہنچ گئے۔ وہاں ایک بڑا سا کیمرہ تھا اور چاروں طرف بڑی بڑی لائٹیں لگی ہوئی تھیں۔ اس اسٹوڈیو میں کچھ لڑکیاں تھیں۔ اُن میں زرینہ بھی پاکستانی لباس پہنے ہوئے شہزادیوں کی طرح لگ رہی تھی اور اس فلم کی شوٹنگ میں وہ لوگ پاکستان کے اس لباس کو اتارنا چاہتے تھے۔ زرینہ مرجانہ کو دیکھتے ہی ایک دم سے چیخ مار کر دوڑتے ہوئے آئی اور اُس سے لپٹ گئی۔ مرجانہ نے اُسے تھپک تھپک کر کہا "گھبراؤ نہیں میری جان۔ میں آ گئی ہوں۔ تمھارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔"

مرجانہ اُسے تسلیاں دیتے ہوئے ہم سے دُور لے گئی۔ پھر کیمرے کے قریب کھڑے ہو کر مجھے، ناصر پاشا کو اور دُوسرے ٹھیکیداروں کو ایک سرے سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ شوٹنگ نہیں ہوگی میرے ملک کی کوئی لڑکی کیمرے کے سامنے نہیں آئے گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔ اگر تم لوگ اس معاملے کو بڑھانا نہیں چاہتے تو بات کو یہیں ختم کر دو اور مجھے اجازت دو کہ میں زرینہ کو یہاں سے لے جاؤں۔"

ناصر پاشا نے کہا "بہت خوب کیا تم دونوں کی ہم... دیکھنے کے لیے یہاں لایا گیا ہے۔ ہمارے کاروبار کا ... وہ یہاں پورا ہوگا اور زرینہ سے پورا ہوگا۔ اگر تم ... تو تمھاری بھی یہاں فلمیں اتاری جائیں گی۔ جبکہ ... کے مطابق تمھارا رول نہیں ہے لیکن جبراً تم سے ... لیا جائے گا۔"

مرجانہ نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا "تمھارا ... میرے جسم تک نہیں پہنچ سکتا۔"

چیئرمین نے کہا "مسٹر پاشا۔ یہ لڑکی بہت ... ہے۔ اِسے سزا دی جائے۔"

ناصر پاشا نے وہاں کھڑے ہوئے دو مسلح گارڈز ... کہا "آگے بڑھو اور اس لڑکی کی پٹائی کرو۔"

مسلح گارڈز حکم کے مطابق آگے بڑھے۔ مرجانہ ... کو ایک طرف ہٹا کر اُن کے سامنے پینترا بدلتے ہوئے ... "تم دونوں تو میرے سامنے مچھر ہو۔ بہتر ہوتا کہ کسی ... جاننے والے کو میرے سامنے پیش کیا جاتا۔"

یہ کہتے ہی اُس نے تڑاتڑ حملے کیے۔ ایسے بجلی ... کوندنے لگی کہ آنکھیں نہیں ٹھہرتی تھیں۔ چشم زدن میں ... دیکھا کہ دونوں مسلح گارڈز فرش پر پڑے ہوئے کراہ رہے ... اور اُن کی ناک سے اور اُن کے منہ سے لہو بہہ رہا تھا۔ ... وقت میں نے آئرن مین کی للکار سُنی۔ وہ کہہ رہا تھا ... میں سمجھ گیا۔ یہ لڑکی لڑنے کا انداز جانتی ہے اور اچھی ... معلوم ہوتی ہے۔ اِسے میں ہی سیدھا کر سکتا ہوں۔"

آئرن مین سراغرساں ونڈسر کا دایاں بازو تھا۔ ونڈ... ذہانت سے کام لیا کرتا تھا لیکن جب جسمانی طور پر خدما... کی ضرورت پیش آتی تو وہ آئرن مین کو پیش کرتا ... آئرن مین قدآور تھا اور جسامت میں پہاڑ جیسا لگتا ... اُسے دیکھتے ہی پتہ چلتا تھا جیسے وہ چٹان کو تراش کر ... گیا ہے۔ وہ مرجانہ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ مرجانہ نے ... "اگر میں تم سے یہ مقابلہ جیت لوں تو کیا تم سب نیک نیتی ... ایمان داری سے جیتنے والے کو صحیح سلامت یہاں سے ... کی اجازت دو گے؟"

آئرن مین نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنستے ہوئے ... "اگر تم میرے ہاتھوں سے زندہ بچ گئیں تو یقیناً اپنی ا... کو اپنے ساتھ بخیریت لے جانا۔"

یہ کہتے ہی آئرن مین نے اُسے ایک ہاتھ رسید کیا ... مرجانہ نے روک لیا۔ آئرن مین نے دوسرا ہاتھ رسید کیا ...

... چوتھی بار، پانچویں بار حملہ کرتا چلا گیا۔ مرجانہ اُس کے ہر حملے ... روکتے پیچھے چلی گئی۔ پانچویں حملے کے بعد آئرن مین ... اُسے گھور کر دیکھنے لگا۔ پھر وہ ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ جیسے ... گیا ہو۔ "آؤ اب تم حملہ کرو۔" اچانک ہی مرجانہ نے ایک چیخ ... پھر فضا میں چھلانگ لگائی جیسے فلائنگ کک مارنا ... ہو۔ آئرن مین ذرا سا جھک گیا۔ مرجانہ اُس کے اُوپر سے ... چھلانگ لگاتی ہوئی دوسری طرف جا کر کھڑی ہو گئی۔ آئرن ... مین نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا۔ مرجانہ نے پھر ایک چیخ ... مار کر چھلانگ لگائی۔ اس بار بھی وہ اُس کے سر کے اُوپر سے ... گزرتی ہوئی دوسری طرف جا کر کھڑی ہو گئی۔ آئرن مین نے پلٹ ... کر پھر اُس کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ چھلانگیں لگا کر دہشت ... زدہ کرنا چاہتی ہے۔ تیسری بار بھی مرجانہ نے چیخ مار کر ... چھلانگ لگائی۔ اس مرتبہ آئرن مین دھوکا کھا گیا۔ ایک زوردار ... لات اُس کے منہ پر پڑی اور وہ چیخ مارتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ ... وہ بجلی تھی بجلی! مقابل کے سنبھلنے سے پہلے ہی وہ دیکھتے ہی ... دیکھتے دو چار زبردست قسم کی لاتیں رسید کر چکی تھی۔ کبھی ... پیٹ پر، کبھی پسلی پر اور پھر آخری لات اُس کے منہ پر پڑی ... کیونکہ وہ جھک رہا تھا۔ آخری لات پڑتے ہی وہ سیدھا ہوا۔ ... سیدھا ہوتے ہی مرجانہ نے کراٹے کے ہاتھ رسید کرنے شروع ... کیے۔ وہ اب بُری طرح لڑکھڑا رہا تھا۔ اگر عام پہلوانوں کی ... طرح مرجانہ کے ہاتھ پاؤں صرف گوشت پوست کے ہوتے ... تو اُس کی مار قابلِ برداشت ہوتی۔ لیکن وہ تو اپنے ہاتھ پاؤں ... کو بچپن سے فولادی بناتے ہوئے آئی تھی اور اُس کے حملوں ... کو برداشت کرنا کوئی مذاق نہیں تھا۔ یہ تو آئرن مین ہی سمجھ ... رہا ہوگا کہ اس پر کیسی قیامتیں ٹوٹ رہی ہیں۔

وہاں تمام لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ کوئی کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ لڑکی ایسی تیز طرار اور زبردست قسم کی ہوگی کہ اُس کے سامنے آئرن مین جیسا فائٹر بُری طرح مار کھا جائے گا اور اُس کے قدم ڈگمگانے لگیں گے۔

ناصر پاشا نے جھرجھری لے کر میرے کان کے قریب کہا۔ "مطالق یہ لڑکی تو بہت ہی خطرناک ہے۔ میں اسے یہاں لا کر پچھتا رہا ہوں۔ اس کا بس ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے ورنہ میرے لیے بہت بڑی مصیبت بن جائے گی۔"

اس وقت مرجانہ آئرن مین سے کہہ رہی تھی "چلو میں تمھیں سنبھلنے کا موقع دے رہی ہوں۔ اَب تم مجھ پر حملہ کرو۔"

وہ ڈگمگا رہا تھا اور کسی زخمی درندے کی طرح غرّاتا ہوا مرجانہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مرجانہ پینترے بدل رہی تھی اور آئرن مین اس کے پینترے بدلنے کے باعث اِدھر سے اُدھر ہو رہا تھا۔ پھر اچانک ہی آئرن مین نے حملہ کیا۔ اُس کا گھونسہ مرجانہ کے منہ پر پڑا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گئی پھر آئرن مین نے کراٹے کے دو چار ہاتھ رسید کیے۔ مرجانہ ہولے ہولے چیختے ہوئے کراہتے ہوئے پیچھے ہٹی۔ پھر ایک دم سے بیٹھ کر اُس نے آئرن مین کے گھٹنے پر دو زبردست ہاتھ رسید کیے۔ آئرن مین لڑکھڑا گیا۔ مرجانہ نے اُٹھتے ہوئے سر سے ایک ٹکر اُس کے منہ پر ماری۔ وہ پیچھے ہٹا تو مرجانہ نے پھر اُسے لاتوں پر رکھ لیا۔ اس بار سب نے دیکھا۔ آئرن مین کے ہونٹ پھٹ گئے تھے۔ ناک سے خون بہہ رہا تھا اور کنپٹی پر بھی کہیں چوٹ آئی تھی۔ جہاں سے لہو رِس رہا تھا۔ ونڈسر نے چیخ کر کہا "اس مقابلے کو روکو۔ یہ لڑکی اُسے مار ڈالے گی۔"

چیئرمین کے حکم دیتے ہی بہت سے مسلح گارڈز نے آگے بڑھ کر مرجانہ کو گھیر لیا اور اُس سے یُوں لپٹ گئے جیسے وہ کوئی بَلا ہو کہ اگر وہ ہاتھ سے نکل گئی تو خود اُن سے لپٹ جائے گی۔

مرجانہ اِدھر اُدھر زور لگا کر اُن کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ اُس نے کسی کو سر سے ٹکر ماری۔ کسی کو کہنی رسید کی۔ دو گارڈز تو کراہتے ہوئے اُس سے الگ ہو گئے۔ باقی تین اُسے جکڑے رہے اور بھی تین گارڈز آ کر اُس سے لپٹ گئے۔ مرجانہ جدوجہد کر رہی تھی لیکن چھ آدمیوں نے بُری طرح اُسے جکڑ رکھا تھا۔ تب ایک شخص نے اسٹین گن سیدھی کرتے ہوئے کہا "مرجانہ اگر تم اپنی خیریت چاہتی ہو تو خاموش کھڑی ہو جاؤ۔ ورنہ میں تمھیں شوٹ کر دوں گا۔"

تمام گارڈز مرجانہ کو چھوڑ کر ہٹ گئے۔ مرجانہ کو بھی اسٹین گن کے سامنے خاموش کھڑے رہنا پڑا۔ وہ بولی۔ "یہ کہاں کی دلیری ہے۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے اور اپنی مردانگی سے بس میں نہیں کر سکتے۔ اَب ہتھیاروں کا سہارا لے رہے ہو۔ ابھی اس مقابلہ کرنے والے شخص نے وعدہ کیا تھا کہ میں جیت جاؤں گی تو مجھے اور زرینہ کو یہاں سے جانے کی اجازت مِل جائے گی۔"

چیئرمین نے کہا "تمھارے جیسی خطرناک لڑکی کو اب کہیں جانے کی اجازت نہیں ملے گی۔ ہم تمھیں اسی جزیرے میں دفن کر دیں گے۔"

چیئرمین نے پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "کیوں مسٹر پاشا، کیا میں درست کہہ رہا ہوں۔ کیا تم اس لڑکی کو

زندہ رکھنا چاہتے ہو؟"
پاشلے نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "کبھی نہیں۔ میں اسے یہاں لا کر چھپا رہا ہوں اور اب اس کے متعلق میرا فیصلہ یہی ہے کہ اسے شوٹ کر دیا جائے۔"
ونڈسر نے کہا "ابھی نہیں۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ کل سے یہی لڑکی ہنگامے کر رہی تھی۔ پہلے اس سے معلومات حاصل کی جائیں۔ اسے اذیت دے کر اس سے اگلوایا جائے کہ کل سے جو قتل ہو رہے ہیں اس میں کس حد تک اس کا ہاتھ ہے۔"
وہ شخص اسٹین گن لیے ہوئے مرجانہ کے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے اس کی آواز سنی تھی اور اس کی باتیں سنی تھیں اس لیے میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ جب ونڈسر نے حکم دیا کہ مرجانہ کو رسیوں سے باندھ دیا جائے تو وہ اسٹین گن والا پیچھے ہٹتے ہوئے اسٹوڈیو کے دروازے کی طرف چلا گیا پھر اس نے دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد للکارتے ہوئے کہا "خبردار کوئی مرجانہ کو ہاتھ نہ لگائے ورنہ میں اسٹین گن سے بھون کر رکھ دوں گا۔"
ونڈسر نے بڑی حیرانی سے اس اسٹین گن والے کو دیکھتے ہوئے کہا "جوزف کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کہ تم مرجانہ کی حمایت میں ہم لوگوں کو للکار رہے ہو؟"
جوزف نے جواب دیا "اس وقت میں جوزف نہیں ہوں۔ ایک جن ہوں۔"
ونڈسر نے حیرانی سے پوچھا "جن ہو؟ اس کا کیا مطلب ہے؟"
"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ایک ایسا جن ہوں جو مرجانہ پر عاشق ہو گیا ہے اور اس پر کوئی بھی مصیبت آتی ہے تو میں اس کی مدد کے لیے پہنچ جاتا ہوں۔ اس وقت بھی میں جوزف کے اندر سمایا ہوا ہوں۔ اگر کسی نے جوزف کو ہلاک کیا تو میں اس ہلاک کرنے والے کے اندر سما جاؤں گا۔ یقین نہ ہو تو آزما کر دیکھ لو۔"
ونڈسر نے کہا "فضول باتیں نہ کرو۔ اسٹین گن پھینک دو۔ ورنہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں چار اور اسٹین گن والے کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ تمہیں بھون کر رکھ دیں گے۔"
جوزف نے کہا "میں صرف ایک بات جانتا ہوں کہ مجھے مرجانہ کو اس اسٹوڈیو سے باہر لے جانا ہے اور اس پر سے تمام پابندیاں اٹھا کر اس کی ساتھی لڑکی کے ساتھ اسے جزیرے سے باہر بھیج دینا میرا فرض ہے میرے عشق کا تقاضا یہ ہے کہ میری مرجانہ کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔"
مرجانہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جوزف کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی جن اس کا ہو سکتا ہے اور وہ بھی اس کے ملک سے اتنی دور یہاں آ کر اس کی مدد کر سکتا ہے۔ وہ بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف چار اسٹین گن والوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا "جوزف ہم آخری وارننگ دے رہے ہیں۔ اپنی اسٹین گن پھینک دو ورنہ ہم تمہیں زخمی کر کے تمہارا ہتھیار تم سے چھین لیں گے۔"
اس کی بات ختم ہوتے ہی جوزف نے اسٹین گن سے ایک برسٹ مارا۔ تڑ تڑ تڑ کی آواز کے ساتھ گولیاں ادھر سے ادھر چلیں۔ جن سے دو اسٹین گن والے اور دو اور ایک مسلح محافظ وہیں گر کر فرش پر تڑپنے لگے۔ جواب میں ایک اسٹین گن والے نے گولیاں چلائیں۔ جوزف وہیں چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔ اب وہ ہلاک ہو گیا تھا۔ چیئرمین نے اطمینان کا سانس لے کر کہا "بہت اچھا کیا۔ اس کے بچے نے تو کتنوں کی جان لے لی ہے۔ افسوس ہمارے پانچ آدمی مارے گئے۔"
چیئرمین نے غصے سے کہا "اسی مرجانہ کی وجہ سے ٹھیکیدار مارے جا رہے ہیں۔ اسے ایک لمحے کے لیے چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ اسے جا کر گولی مار دو۔"
میں ایک اسٹین گن والے کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے کہا "مرجانہ کو نہیں تمہیں گولی مار دی جائے گی۔ جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک کوئی مرجانہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ میں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ میں جوزف نہیں ہوں۔ میں کوئی انسان نہیں ہوں۔ میں ایک جن ہوں۔ اگر کسی نے جوزف کو ہلاک کیا تو میں اس ہلاک کرنے والے کے اندر سما جاؤں گا اور اب میں اسی کے اندر سما کر بول رہا ہوں۔"
سب لوگوں پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ ان کی آنکھیں یوں کھلی ہوئی تھیں جیسے وہ جاگتی آنکھوں سے کوئی خواب دیکھ رہے ہوں اور ذرا اطمینان ہو کہ آنکھ کھلے گی تو یہ خواب ٹوٹ جائے گا اور وہ سب زندہ سلامت محفوظ رہیں گے۔ چیئرمین نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "یہ... یہ کیا ہو رہا ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔"
ونڈسر نے اس اسٹین گن والے کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "کیا کل سے اس جزیرے میں جتنے قتل ہوتے رہے ہیں وہ تم نے کیے ہیں؟"

"ہاں کچھ میں نے اور کچھ مرجانہ نے کیے ہیں۔"
"تم چاہتے کیا ہو؟ آخر ان لوگوں کو ہلاک کر کے کیا حاصل کر رہے ہو؟"
"انھیں ہلاک کرنا تو ثواب کا کام ہے۔ اس لیے میں یہ کر رہا ہوں۔ ہاں تمہارا یہ سوال کہ ہم چاہتے کیا ہیں تو یہ مرجانہ سے پوچھو۔ جو وہ چاہے گی وہی اس جزیرے میں ہو گا۔ اگر اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام ہوا یا اسے کسی نے نقصان پہنچایا تو اس جزیرے میں ایک شخص بھی زندہ نہیں رہے گا اور یہاں کی ہر چیز تباہ و برباد ہو جائے گی۔"
سب لوگ مرجانہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ خود حیران تھی کہ اسے غیبی امداد کیسے مل رہی ہے۔ وہ بار بار اسٹین گن والے کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے اپنے محسن اور مددگار کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو لیکن وہ کیسے پہچان سکتی تھی۔ کیونکہ پہلے اس کا مددگار جوزف تھا اور اب دوسرا اسٹین گن والا تھا اور اگر وہ ہلاک ہو جاتا تو اس کی جگہ کوئی تیسرا آ جاتا۔ دراصل ان کے اندر جو مددگار چھپا ہوا تھا اسے سمجھنے کے لیے وہ بے تاب ہو گئی تھی اور بار بار اپنی سوالیہ نظروں سے اسٹین گن والے کو دیکھ رہی تھی۔
چیئرمین نے اس سے پوچھا "مرجانہ تم کیا چاہتی ہو؟ تم کہو گی ہم اسے مان لیں گے لیکن اب یہ خون خرابہ... برداشت نہیں کریں گے۔"
مرجانہ نے کہا "میں اپنے ساتھ تمام لڑکیوں کی آزادی چاہتی ہوں۔"
چیئرمین نے کہا "تم تمام لڑکیوں کی بات نہ کرو۔ اس لیے کہ یہ مختلف ممالک سے آئی ہیں۔ تمہیں صرف اپنی ذات سے اور اپنے ملک کی لڑکیوں سے ہمدردی ہونی چاہیے۔ ہم تمہارے ساتھ تمہارے ملک کی تمام لڑکیوں کو واپس بھیجنے کے انتظامات کر دیں گے۔"
مرجانہ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں یہاں وہی ہو گا جو میں چاہوں گی۔ تم یہاں کے ریکارڈ روم کی چابی میرے حوالے کر دو۔ اس ریکارڈ روم میں لڑکیوں کی جتنی ننگی تصویریں ہیں اور بلیک میلنگ کا جتنا مواد موجود ہے میں ان سب کو ضائع کر دوں گی اور یہاں سے ایک ایک لڑکی کو اس کے ملک واپس پہنچاؤں گی۔ میری یہی شرط ہے۔ ورنہ خود کو تباہ و برباد کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"
چیئرمین نے کہا "یہ بہت ہی کڑی شرط ہے۔ اس سے ہمیں کروڑوں ڈالر کا نقصان پہنچے گا۔ ہماری برسوں کی محنت برباد ہو جائے گی۔ اتنے عرصے سے جو ہم کاروبار کر رہے ہیں اس کی ساکھ بگڑ جائے گی۔"
مرجانہ نے کہا "میرا مقصد یہی ہے کہ تمہارا کاروبار بالکل ہی ختم ہو جائے۔ اس جزیرے میں اب اگر لوٹیں گے اور تم سب کی لاشیں یہاں نظر آئیں گی۔ میں ایسی عبرتناک سزائیں دے کر یہاں سے جاؤں گی کہ کوئی دوسرا اس قسم کا ذلیل کاروبار کرنے کے لیے اس جزیرے میں نہیں آئے گا۔"
"دیکھو مرجانہ۔ جب تم تمام لڑکیوں کے ساتھ اس جزیرے سے چلی جاؤ گی تو پھر ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ آئندہ اس جزیرے میں ہم جو کچھ بھی کریں گے۔ اس سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔"
"یہ دلچسپی ضرور ہو گی۔ میں یہاں سے جانے کے بعد بھی کبھی کبھی اس جزیرے میں آؤں گی۔ اگر میں نے یہاں ایسا دھندا پھر ہوتے دیکھ لیا تو اس وقت میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"
"یعنی تم یہ چاہتی ہو کہ ہم ٹھیکیدار بھی ہمیشہ کے لیے اس جزیرے سے چلے جائیں۔"
"ہاں میں یہی چاہتی ہوں۔ یہ جزیرہ اب تم لوگوں سے آباد نہیں رہے گا۔ یہ دوسری حکومتیں اب سوچیں گی کہ اس جزیرے میں کس قسم کی آبادی ہونی چاہیے۔ یہ میری اور تم لوگوں کی دردسری نہیں ہے۔ میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ یہ کاروبار ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے اور لڑکیاں اپنے اپنے گھروں کو پہنچ جائیں۔"
یہ کہہ کر وہ آگے بڑھتے ہوئے چیئرمین کے سامنے آئی اور اپنا ہاتھ بڑھا کر کہا "لاؤ ریکارڈ روم کی چابیاں میرے حوالے کر دو۔"
چیئرمین نے کہا "چابیاں میرے کاٹج میں رکھی ہوئی ہیں مگر تم اتنی جلدی نہ کرو۔ ہمیں کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دو۔"
وہ ناگواری سے بولی "تمہیں سوچنے سمجھنے کے لیے کافی وقت ملے گا۔ یہاں سے اپنے ملک میں جانے کے بعد خوب غور کرتے رہنا۔ ابھی جو میں کہہ رہی ہوں اس پر عمل کرتے رہو ورنہ نتیجہ تو تمہارے سامنے ہے ان لاشوں کو دیکھ لو۔"
وہ تھوک نگل کر بولا "دیکھو بڑے بڑے مجرموں کو بھی قانون کی گرفت میں آنے کے بعد ذرا سے سوچنے سمجھنے کی اور اپنا مزاج بدلنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ پھانسی پانے والے مجرم سے بھی آخری خواہش پوچھی جاتی ہے تمہارا بھی

فرض ہے کہ تم ہمیں تھوڑی سی مہلت دو۔ ہماری تھوڑی سی خواہش کا احترام کرو۔"

اچانک ہی مرجانہ نے اُسے ایک طمانچہ رسید کیا۔ وہ چکرا کر فرش پر بیٹھ گیا۔ وہ بولی "تم نے ان لڑکیوں کو بلیک میل کیا ہے۔ پتہ نہیں کتنے برسوں سے بلیک میل کرتے آ رہے ہو۔ تم لوگوں نے کب اُن کی شرم و حیا کا لحاظ کیا ہے کہ میں تمہارا لحاظ کروں اور تمہیں مہلت دوں۔ سیدھی طرح اٹھ کر اپنے کالج کی طرف جاؤ اور وہاں سے چابیاں لے کر آؤ۔ میں اس پختہ عمارت میں جا رہی ہوں اور ریکارڈ روم کے سامنے تمہارا انتظار کروں گی ــــ"

وِنڈسر نے کہا "ٹھیک ہے میں چیئرمین کو اپنے ساتھ کالج میں لے جاتا ہوں۔ وہاں سے ریکارڈ روم کی چابیاں لے آؤں گا۔ تم اب کسی پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔"

مرجانہ نے کہا "اور اپنے گارڈز کے آفیسر کو حکم دو کہ تمام لڑکیوں کو ریکارڈ روم کی طرف بھیج دے۔ ساری لڑکیاں اپنے اپنے ریکارڈ نکال کر اپنے اپنے ہاتھوں سے انہیں ضائع کریں گی۔"

چیئرمین نے ایک گارڈ کے سہارے فرش پر سے اُٹھتے ہوئے کہا "مرجانہ جو کہتی ہے اُس پر فوراً عمل کیا جائے اور تمام لڑکیوں کو ریکارڈ روم کی طرف بھیج دیا جائے۔ میں کالج کی طرف جا رہا ہوں۔"

وہ اسٹین گن والا جس کے دماغ میں میں موجود تھا اُس نے آگے بڑھ کر اسٹوڈیو کے دروازے کو کھول دیا۔ سب لوگ باہر نکلنے لگے اور اپنی اپنی کاروں کی طرف جانے لگے۔ چیئرمین وِنڈسر اور اُن کا زخمی آئرن مین اور دو مسلح گارڈ ایک کار میں بیٹھ گئے اور کالج کی طرف جانے لگے۔

مرجانہ نے مجھے اور ناصر پاشا کو نفرت سے دیکھ کر کہا۔ "میں تم دونوں کو اس بُری طرح اذیتیں دے کر ماروں گی کہ تماشہ دیکھنے والے کانپ جائیں گے۔ ذرا مجھے ریکارڈ روم والے معاملے سے نمٹ لینے دو۔ اس وقت تک تم دونوں اپنی خیر مناتے رہو۔"

اس وقت تک وِنڈسر اور چیئرمین اپنی کار میں بیٹھ کر جا چکے تھے۔ میں نے اسٹین گن والے کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ بوکھلا کر اپنے آس پاس دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے اپنے ساتھی سے پوچھا "مجھے کیا ہو گیا تھا۔ یہ میں باہر کیسے آ گیا۔ میں تو اسٹوڈیو کے اندر تھا؟"

اُس کے ساتھی نے پوچھا "کیا وہ جن تمہارے اندر سے نکل چکا ہے؟"

وہ حیرانی سے بولا "کیسا جن کیا وہی جو ...
اندر سمایا ہوا تھا؟"

"ہاں تم بھی مجذوب جیسی حرکتیں کر رہے تھے۔"

"تعجب ہے مجھے کچھ پتہ ہی نہ چلا۔ یہ مرجانہ ... کوئی جادوگرنی ہے۔ کیوں نہ ہم اُسے فوراً ہی گولی ... وہ اُدھر باتوں میں مصروف ہے۔"

اُس کے ایسا سوچتے ہی میں اُس کے دماغ ... ہو گیا۔ اُس نے اپنے ساتھی کو نشانہ بناتے ہوئے ... "نہ میں تمہیں ہی گولی ماردوں۔"

اُس کے ساتھی نے بوکھلا کر اپنی اسٹین گن کو ... طرف پھینکتے ہوئے کہا "بھئی جن صاحب مجھے معاف ... میں لڑنا نہیں چاہتا۔ میں نے اپنا ہتھیار پھینک دیا ... تم کسی دوسرے کو گولی مار دو۔"

جس کے دماغ پر میں قابض تھا وہ اپنی اسٹین ... لے کر سیدھا چلتا ہوا میرے سامنے آ گیا اور بولا "... اندر کا جن تمہارے اندر پہنچے گا۔ لہٰذا تم میری اسٹین گن ..."

یہ کہہ کر اُس نے اپنی اسٹین گن میری طرف بڑھائی ... میں نے اُسے لیتے ہی اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا ... میں نے مرجانہ کے سامنے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "... میں طارق محمود نہیں ہوں۔ مرجانہ میں وہی جن ہوں جو ... عاشق ہے۔"

مرجانہ بوکھلا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ پہلے تو ... نے مجھے حیرانی سے اور بے یقینی سے دیکھی۔ پھر وہ بولی ... لگی "اگر تم واقعی جن ہو تو طارق محمود کے اندر سے نکل جاؤ ... میں نہیں چاہتی کہ یہ طارق میرا مہربان دوست ... مددگار بن کر ابھی میرے ساتھ رہے۔ میں اُس کا سایہ ... برداشت کرنا نہیں چاہتی۔"

میں نے کہا "ابھی اپنی نفرت کو بھول جاؤ۔ طارق ... اور ناصر پاشا سے تم بعد میں نمٹ سکتی ہو۔ فی الحال ریکارڈ ... کی طرف چلو۔"

وہ مجھے بے بسی سے دیکھنے لگی۔ پھر آگے بڑھ کر ... پاشا کی کار میں بیٹھ گئی۔ ناصر پاشا ڈرائیونگ کرنے کے ... اسٹیئرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ زرینہ مرجانہ کے ساتھ ... ہوئی تھی اور میں اگلی سیٹ پر تھا اور مرجانہ کی سوچ پڑھ ... رہا تھا۔ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔ سوچ رہی تھی "یہ جن کہاں سے آ ٹپکا۔ میں تو کبھی یقین نہیں کرتی تھی کہ ... پر جنات آتے ہیں لیکن مجھ پر تو کوئی آیا نہیں لیکن عاشق ... کا دعویٰ کر رہا ہے۔"

وہ بے چینی سے پہلو بدل کر سوچنے لگی "لعنت ہے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی مجھ پر عاشق ہو گا۔ میں عشق و محبت کو تسلیم کر ہی نہیں سکتی۔ کوئی مجھ پر حاوی ہونے کے لیے محبت کرے میں وہ وقت آنے نہیں دوں گی لیکن اس جن کو میں کیسے روکوں۔ بہر حال اس ریکارڈ روم کے معاملے سے ذرا نمٹ لوں۔ اُس کے بعد پھر میں اس جن کا جغرافیہ معلوم کروں گی اور دیکھوں گی کہ یہ کیا چیز ہے اور میں کس طرح اُس سے پیچھا چھڑا سکتی ہوں۔"

ہماری گاڑی اس پختہ عمارت کی طرف جا رہی تھی۔ میں مرجانہ کو چھوڑ کر چیئرمین کے پاس پہنچ گیا۔ وہ لوگ آہستہ آہستہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کالج کی طرف جا رہے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ سوچنے کی مہلت ملے۔ اُن کے درمیان بھی وہی بحث چھڑی ہوئی تھی کہ یہ جن کہاں سے آ گیا۔ وہ ایسی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن آنکھوں کے سامنے یہ تماشہ دیکھ چکے تھے کہ اُن کے اپنے ہی محافظ اسٹین گن سنبھال کر اُنہی کے دشمن بن گئے تھے اور دعویٰ کر رہے تھے کہ اُن کے اندر ایک جن سما چکا ہے۔ وہ اُن کے خلاف گولیاں چلا چکے تھے اور کتنوں کو ہلاک کر چکے تھے۔ یہ ایسا تماشہ تھا جسے دیکھنے کے بعد وہ جن کے وجود پر یقین کرنے کے لیے مجبور ہو گئے تھے۔

وِنڈسر کے پہلوان اسسٹنٹ آئرن مین نے کہا "میں بُری طرح زخمی ہو کر یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مرجانہ مجھ سے نہیں لڑ رہی تھی بلکہ اُس کے اندر وہ جن موجود تھا۔ ایک لڑکی کے ہاتھ اتنے وزنی نہیں ہو سکتے۔ میں نے مار کھاتے ہوئے محسوس کیا ہے کہ اُس کے ہاتھ اور پاؤں بالکل فولاد کے تھے۔ جب بھی کوئی چوٹ پڑتی تھی تو میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگتے تھے اور میں چکرا کر رہ جاتا تھا۔ یہ کوئی جناتی قوت ہی ہو سکتی ہے۔"

وِنڈسر نے کہا "ہمیں جلد سے جلد یہ تدبیر سوچنا چاہیے کہ اس مصیبت سے کیسے نجات حاصل کی جا سکتی ہے؟"

چیئرمین نے کہا "میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں چابیاں اُس کے حوالے کر دوں گا۔ کیونکہ میں قتل ہونا نہیں چاہتا۔"

وِنڈسر نے کہا "ہوں۔ یہ تو میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اتنی جلدی کیا تدبیر کی جا سکتی ہے۔ ویسے ایک بات میں سوچ رہا ہوں اور وہ یہ کہ میں تم سے چابی لے کر کہیں دوسری طرف نکل جاؤں تم وہاں جا کر مرجانہ سے کہنا کہ وِنڈسر تمہاری چابیاں لے کر بھاگ گیا ہے اور کہیں چھپا ہوا ہے۔ میں زیادہ سے زیادہ دیر تک چھپ کر رہوں گا اور کوئی اچھی سی تدبیر سوچتا رہوں گا۔ اگر کچھ سمجھ میں نہ آیا تو خود ... کے آگے چارہ بنا کر پیش کرنے کے بجائے کہیں چھپ کر اس لڑکی کو گولی مار دوں گا۔"

چیئرمین نے کہا "کیا کہتے ہو؟ اگر مرجانہ کو ذرا سا بھی نقصان پہنچا تو وہ جن ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ پورے جزیرے کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔ ہماری لاشیں بھی شاید کوئی اٹھا کر یہاں سے نہ لے جا سکے۔"

وِنڈسر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "ہاں یہ تو میں ... ہی گیا تھا کہ مرجانہ کو کچھ نقصان پہنچا تو ہم اس جن کا کچھ ... بگاڑ سکیں گے۔ کاش کہ اُس کا کوئی وجود ہمارے سامنے آتا تو اُس سے ہم نمٹ سکتے۔"

چیئرمین نے کہا "مرجانہ کو نقصان پہنچانے کے متعلق سوچا ہی نہ جائے۔"

"ہاں ہم کو صرف ایسی تدبیر سوچنی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ ہمیں وقت مل جائے۔ اس کا بس یہی ایک طریقہ سمجھ میں آتا ہے کہ میں تم سے چابیاں لے کر کچھ دیر کے لیے گم ہو جاؤں اور اس جزیرے میں چھپتا پھروں اور مرجانہ اور اُس کا جن مجھے تلاش نہ کر سکیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اچھی تدبیر میرے دماغ میں آ جائے۔"

وہ لوگ باتیں کرتے ہوئے کالج کے سامنے پہنچ گئے۔ گاڑی رُکنے کے بعد وہ لوگ کالج کے اندر گئے تھے۔ چیئرمین چابیاں نکال کر وِنڈسر کو دینے لگا۔ اتنی دیر میں ہم بھی پختہ عمارت کے پاس پہنچ گئے تھے۔ مرجانہ وہیں عمارت کے باہر کھڑے ہو کر وِنڈسر اور چیئرمین وغیرہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگی

تھوڑی دیر بعد لڑکیاں وہاں آنے لگیں جتنے بھی ممالک کی لڑکیوں کو ہوسٹل میں تربیت دینے کے لیے رکھا گیا تھا۔ وہ ساری کی ساری وہاں پہنچ رہی تھیں۔ اچھا خاصا مجمع لگ رہا تھا اور مرجانہ اور زرینہ انہیں بتا رہی تھیں کہ آج اُن کی آزادی کا دن ہے اور وہ سب اپنے ریکارڈ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر انہیں جلا کر ضائع کریں گی اور تھوڑی دیر میں ریکارڈ روم سے سارے بلیک میلنگ کا مواد انہیں حاصل ہونے والا ہے۔

لڑکیاں خوشی سے چیخنے، چلانے اور مرجانہ کی حمایت میں نعرے لگانے لگیں۔ میں ذرا دُور ایک طرف ہٹ کر ...

ہو گیا اور وِنڈسر کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ وہ چابیاں لینے کے بعد کار میں ایک طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اُن کا منصوبہ یہ تھا چیئرمین پیدل پختہ عمارت کی طرف جائے گا اور مرجانہ ... کہے گا کہ وِنڈسر اُس کی چابیاں اور کار لے کر چلا گیا ہے۔

چیئر مین کو پہیل اس عمارت تک پہنچنے میں دیر لگے گی دوسری طرف وہ کہیں کار چھوڑ کر کسی جگہ جا کر چھپ جائے گا اور کوئی تدبیر سوچتا رہے گا اب وہ ایک جگہ کار کو روک کر اُس میں

سے باہر آگیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کدھر جانا چاہیے پھر وہ ایک طرف چلنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ دوڑنے لگا۔ کبھی کبھی وہ تیزی سے چلتا تھا اور کبھی دوڑنے لگتا تھا۔ کئی بار ٹھوکریں کھا کر وہ اوندھے منہ گرا۔ اُس کے بدن پر کتنی ہی خراشیں آئیں اُس کی ناک اور منہ پر بھی چوٹیں لگیں۔ وہ سہلاتا ہوا پھر اُٹھ

جاتا تھا اور چابیوں کے گچھے کو مضبوطی سے تھام کر پھر دوڑنے لگتا تھا۔ اب وہ ہانپتا جا رہا تھا اور بڑی مشکلوں سے دوڑتا جا رہا تھا۔ آخر وہ وقت آیا کہ وہ دوڑتے دوڑتے لڑکیوں کی بھیڑ کے پاس پہنچ گیا۔ پھر وہاں سے اُس نے چیخ کر کہا "میں آگیا۔ مرجانہ میں آگیا ہوں"

اُس کی چیخ سن کر لڑکیاں اِدھر اُدھر ہٹنے لگیں۔ وہ دوڑتا ہوا۔ لڑکیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا مرجانہ کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ پھر بولا "دیکھو میں بہت دور سے دوڑتا ہوا آیا ہوں اور چابیاں لایا ہوں۔ یہ لو"

جیسے ہی مرجانہ نے چابی لی۔ ویسے ہی میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے بوکھلا کر اپنے آس پاس دیکھنے لگا۔ اتنی لڑکیوں کی بھیڑ میں مرجانہ کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ چابیاں لے کر اُس کے سامنے آگیا ہے۔ وہ حیران و پریشان تھا کہ سب کچھ کیسے ہوگیا۔

مرجانہ نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا "تم اس وقت بھی میرے مددگار ہو یا محض طارق محمود ہو؟"

میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا "میں طارق محمود نہیں ہوں

اس وقت بھی تمہارا مددگار ہوں تم اندر ریکارڈ روم میں جاؤ۔ میں یہاں تمہاری حفاظت کے لیے کھڑا رہوں گا۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا"

وہ مطمئن ہو کر عمارت کے اندر جانے لگی۔ اُس کے پیچھے دوسری لڑکیاں بھی جا رہی تھیں۔ ونڈسر مجھے غور سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ میں اُس کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ اس وقت وہ سوچ رہا تھا "میں کس طرح غافل ہوگیا؟ مجھے کہیں جانا تھا اور میں کہیں چلا آیا۔ ایسی بے خودی اور مدہوشی تو شراب کے نشے میں بھی نہیں ہوتی۔ ایسا لگتا ہے جیسے میرے دماغ کو کسی نے پوری طرح اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا اور..."

اتنا سوچتے ہی وہ ایک دم سے چونک گیا۔ دماغ کو کنٹرول میں لینے کی بات ذہن میں آئی تو ایک دم سے اُس کے دماغ میں فرہاد علی تیمور کا نام آیا۔ وہ بڑے اضطراب سے سوچنے لگا "کیا اس جزیرے میں فرہاد علی تیمور ہے؟ کیا وہ ٹیلی پیتھی کے تماشے دکھا رہا ہے؟ ہاں ایسا ہی لگتا ہے۔ یہ جن وِن کی باتیں بالکل فراڈ ہیں۔ ہمیں ذہنی طور پر الجھانے کے لیے فرہاد علی تیمور نے ایک جن کا شوشہ چھوڑا ہے۔ حقیقتاً یہ سب ٹیلی پیتھی کا کمال معلوم ہوتا ہے"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے سامنے آکر کھڑا ہوگیا پھر میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا "آج کے سائنسی دور میں کسی جن کی جادوئی قوت کے متعلق سوچنا اور یقین کرنا سراسر حماقت ہے۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ علم و ہنر کے ذریعے سائنسی صلاحیتوں کے بل پر ہوتا ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں کوئی جناتی کارنامہ تسلیم نہیں کروں گا۔ یہ سراسر ٹیلی پیتھی کا کمال معلوم ہوتا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

میں نے کہا "اس بحث میں نہ پڑو اور جتنی جلدی ہو سکے ان لڑکیوں کو اُن کے گھروں تک پہنچانے کا بندوبست کرو۔ جلد سے جلد سارے انتظامات ہو جانے چاہئیں اور لڑکیاں ایک دو دن کے اندر سب کی سب یہاں سے چلی جائیں تو بہتر ہے"

اتنے میں چیئر مین دو سکھ ٹھیکیداروں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ وہ ونڈسر کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ ونڈسر نے کہا "میں خود حیران ہوں کہ چابیاں لے کر یہاں کیسے پہنچ گیا؟ اب یہ حیرانی رفتہ رفتہ دور ہوتی جا رہی ہے۔ اب میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ وہ ٹیلی پیتھی کا کمال ہے۔ کوئی جادوئی کرشمہ نہیں ہے"

میں نے سخت لہجے میں کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں کو اپنی زندگی سے پیار نہیں ہے۔ اِسی لیے یہاں اپنا وقت فضول بحث میں ضائع کر رہے ہو۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہاں سے جاؤ اور جلد سے جلد ان لڑکیوں کی واپسی کے انتظامات کرو"

ونڈسر نے سر ہلا کر کہا "ٹھیک ہے۔ ہم وہی کریں گے جو تم چاہتے ہو۔ ابھی ہم اس کے انتظامات کرتے ہیں لیکن یہاں صرف تین لانچیں ہیں اور ایک طیارہ ہے جس میں ہم آتے ہیں اس لیے ساری لڑکیاں ایک ساتھ نہیں جا سکیں گی۔ باری باری ان لوگوں کی ایک ٹیم بنا کر بھیجنا ہوگا۔ اِس لیے الگ الگ ممالک کی طرف لانچیں جائیں گی اور طیارے میں بھی انھیں پہنچایا جائے گا"

اتنا کہہ کر وہ لوگ میرے حکم کی تعمیل کے لیے چلے

عمارت کے اندر لڑکیوں کے چیخنے چلانے اور کبھی قہقہے لگانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ جن لڑکیوں کو اُن کے ریکارڈ مل جاتے تھے اور بلیک میلنگ کا تمام مواد حاصل ہو جاتا تھا تو وہ خوشی سے چیخنے چلانے لگتی تھیں۔ ناصر پاشا نے میرے روبرو آکر پوچھا۔ "طارق کیا تم بھی بدل گئے ہو؟"

"میں طارق محمود نہیں ہوں۔ اس وقت مرجانہ کا محافظ اور مددگار ہوں"

وہ بولا "میں تو بُری طرح پھنس گیا ہوں۔ پتہ نہیں۔ میرا انجام کیا ہوگا؟"

"مرجانہ تو کسی حال میں بھی تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گی۔ وہ تم سے اور طارق محمود سے بہت زیادہ نفرت کرتی ہے۔"

"طارق۔ اگر یہ جن تمہارے اندر سمایا رہا تو مرجانہ تمہیں معاف کرے گی اور تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی لیکن میری جان کیسے بچے گی سمجھ نہیں آتا"

میں نے کہا "اپنے ٹھیکیداروں کے پاس جاؤ اور وہ جاسوس جو تمہاری جان بچانے کے لیے آئے ہیں۔ اُن کی مدد مانگو۔ شاید وہ تمہاری حفاظت کر سکیں"

وہ مجھ سے مایوس ہو کر اُدھر چلا گیا۔ جہاں ان ٹھیکیداروں کی ٹیم گئی تھی۔ میں ونڈسر اور چیئر مین وغیرہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھنے لگا۔ میں اُن لوگوں کی طرف سے محتاط رہنا چاہتا تھا۔ وقتاً فوقتاً ان لوگوں کے دماغ کو کھنگالنا ضروری تھا اُن کی طرف سے یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ کہیں فائرنگ شروع نہ کر دیں اور مجھے یا مرجانہ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اِسی لیے میں اُن کی طرف سے محتاط تھا اور اُن کے دماغوں میں بار بار جھانک کر دیکھ رہا تھا۔

ونڈسر اسی پہلو سے سوچ رہا تھا کہ یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعہ ہو رہا ہے اور فرہاد علی تیمور کہیں بیٹھا ہوا یہ سب تماشے کر رہا ہے اور وہ اسی فکر میں تھا کہ کسی طرح فرہاد علی تیمور کا پتہ چلایا جائے کہ اگر وہ جزیرے میں موجود ہے تو کہاں ہے اور اگر اس جزیرے میں موجود نہیں ہے تو کہاں بیٹھ کر یہ سب تماشے کر رہا ہے۔

سوچتے سوچتے اُس نے اچانک چیئر مین سے کہا۔ "میں اس نتیجے پر پہنچ رہا ہوں کہ طارق محمود کی اصلیت کچھ اور ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہی فرہاد علی تیمور ہے"

چیئر مین نے چونک کر کہا "یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

اُس نے کہا "دیکھو یہاں اگر ٹیلی پیتھی کے کمالات دکھائے جا رہے ہیں تو وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا یہاں ضرور موجود ہوگا۔ اب یہ سوچنا چاہیے کہ اس جزیرے میں وہ کون سا آدمی ہے جو اجنبی ہے یا بالکل پہلی بار ... طارق محمود ہی ایسا ہے کہ کل پہلی بار یہاں پہنچا ... سے ہنگامے شروع ہو گئے۔ اس سے پہلے اس جزیرے میں کوئی بھی ... کوئی بغاوت کی جرأت نہیں کر سکتا تھا"

وہ کم بخت سراغرساں بڑا ہی ذہین تھا۔ صحیح سمت کا تعین کر کے بالکل صحیح آدمی تک پہنچ جاتا تھا۔ اُس نے کہا "دیکھو مرجانہ کو یہاں آئے ہوئے دو ماہ گزر گئے ہیں۔ اُس نے اب تک کوئی ہنگامہ نہیں کیا تھا اگر وہ دو چار قتل کرتی تو فوراً ہی پکڑی جاتی لیکن کل جب طارق محمود یہاں پہنچا تو اُس کے ساتھ ہی ہنگامے شروع ہو گئے اور مرجانہ نے جتنے بھی قتل کیے ہیں۔ جو ہنگامے کیے ہیں۔ وہ سب ٹیلی پیتھی کا سہارا لے کر کیے ہیں"

یہ کہہ کر وہ چپ ہوا تو میں نے اُس کی سوچ کے ذریعہ کہا "ٹیلی پیتھی کا علم جاننے والے ایسا بھی کرتے ہیں کہ وہ میلوں دور بیٹھے رہتے ہیں اور کسی دوسرے کو روحانی طور پر اپنا معمول بنا کر اُس سے کام نکالتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ فرہاد یا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا اپنے ملک میں بیٹھا ہوا اور یہاں مرجانہ کے دماغ کے ذریعہ یا ناصر پاشا کے ذریعہ جزیرے میں آگیا ہو یعنی جسمانی طور ...

اُس کی سوچ نے کہا "ہاں ایسا ہو ... میں اس پہلو پر غور کر رہا ہوں کہ اگر وہ جسمانی ... میں موجود ہے تو وہ کون ہو سکتا ہے اور میرا ... طارق محمود تک پہنچتا ہے۔ مجھے یقین ہے ... کے پیچھے فرہاد علی تیمور کی شخصیت چھپی ہوئی

میں نے اُس کی سوچ میں کہا "اگر فرہاد علی ... چھپی ہوئی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں کیوں ... فرہاد کی شخصیت میں دلچسپی لے رہا ہوں"

وہ ٹھہر ٹھہر کر سوچنے لگا "اگر واقعی ... اس وقت میک اپ میں یہاں موجود ہے تو ... موقع اور ہاتھ نہیں آسکتا۔ میں اُسے چپ چاپ کہیں ... چھپ کر گولی مار سکتا ہوں۔ جب وہ ختم ہو جائے گا ... پیتھی بھی ختم ہو جائے گی۔ پھر مرجانہ تنہا کچھ نہیں کر سکے گی اُسے قابو میں کرنا تو بس ایسے ہی ہے جیسے ایک چٹکی ... چیونٹی کو مسل دیا جائے"

سانپ آخر سانپ ہی ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی بہانے اپنا زہر ضرور اُگلتا ہے۔ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ ونڈسر بھی ایسا ہی تھا۔ اُس کے پاس اُس کا خاص اسسٹنٹ آئرن

میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں آئرن مین کے دماغ میں پہنچ گیا۔ دوسرے ہی لمحے آئرن مین اپنی جگہ سے اُٹھا اور ایک الٹا ہاتھ وِنڈسر کے منہ پر رسید کرتے ہوئے بولا۔ "پاگل کُتّے۔ تم ابھی کیا سوچ رہے تھے۔ تم کسے گولی مارنا چاہتے ہو؟"

یہ کہتے ہی اس نے وِنڈسر کے گلے کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا اور اُسے دبانے لگا۔ اُس کے گلے پر اپنے دونوں ہاتھوں کی گرفت سختی سے سخت کرنے لگا۔ وہ تڑپ رہا تھا۔ چیئرمین، دوسرے ٹھیکیدار چلا رہے تھے۔ اُسے منع کر رہے تھے کہ وہ ایسی حرکت نہ کرے۔ پھر مسلح گارڈز ریوالور نکال کر کھڑے ہو گئے۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔ "مسٹر آئرن مین۔ اپنے باس کو چھوڑ دو ورنہ ہم تمھیں گولی مار دیں گے۔"

لیکن آئرن مین کسی کی نہیں سن رہا تھا۔ اِس لیے کہ اُس کے دماغ پر میرا قبضہ تھا۔ وہ اپنا کام کیے جا رہا تھا۔ وِنڈسر کے دیدے پھیل رہے تھے اور سانس رُک رہی تھی۔ اسی وقت ایک مسلح گارڈ نے ریوالور کے دستے سے آئرن مین کے سر پر ضرب لگائی۔ اُس کے باوجود آئرن مین نے اُس کی گردن نہیں چھوڑی۔ اُسے دباتا ہی چلا گیا۔ دو مسلح گارڈز آئرن مین سے لپٹ گئے تھے اور وِنڈسر کو اس کی گرفت سے چھڑانا چاہتے تھے لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ اتنی دیر میں وِنڈسر کی گردن ڈھلک گئی تھی۔ وہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

آئرن مین نے اُسے چھوڑ دیا۔ پھر ایک جھٹکے سے خود کو دونوں گارڈز کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔ "ابھی۔ مرجانہ کو گولی مارنے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اِس لیے میں نے اُسے ہلاک کر دیا ہے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں ایک ایسا جن ہوں جو مرجانہ کا عاشق ہے۔ اُسے کوئی بھی نقصان پہنچانے کے متعلق سوچے گا تو میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اُس کی موت سے اَب تم لوگوں کو مزید سبق حاصل کرنا چاہیے۔"

یہ کہنے کے بعد وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں اُس کے دماغ سے نکل آیا۔ باری باری چیئرمین اور دوسرے ٹھیکیداروں کے دماغ میں جھانک کر دیکھنے لگا۔ اُن کے چہروں پر مردنی چھا گئی تھی۔ دل ڈوب رہے تھے۔ دماغ بالکل ماؤف ہو کر رہ گئے تھے۔ انھیں ہر لمحہ اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ اَب اسی طرح ایک ایک کر کے سب ختم ہو جائیں گے۔ مرجانہ اور اس کا عاشق جن ان لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں ایک مسلح گارڈ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس گارڈ نے کہا۔ "مسٹر چیئرمین اَب میں اس گارڈ کی زبان سے بول رہا ہوں۔ میں اب بھی تم لوگوں کو معاف کر سکتا ہوں اور تم لوگوں کو زندہ یہاں سے واپس جانے کا موقع دے سکتا ہوں۔ بشرطیکہ تم تمام لڑکیوں کو جلد سے جلد اُن کے گھروں تک پہنچانے کا انتظام کرو۔ تمھارے پاس کافی دولت ہے۔ تم دوسرے ممالک سے کرائے پر طیارے منگوا سکتے ہو۔ انھیں یہاں سے پہنچا سکتے ہو۔ یہ لوگ موت کے دہانے پر کھڑے ہوئے ہو اور تمھاری سلامتی اسی میں ہے کہ لڑکیاں جلد سے جلد اس جزیرے سے نکل کر اپنے ملکوں میں اور اپنے اپنے گھروں میں پہنچ جائیں۔"

اس مسلح گارڈ کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرے لوگ اُسے دیکھ کر کانپتے جا رہے تھے۔ اُن پر ہر لمحہ یہ خوف طاری تھا کہ کسی وقت بھی مسلح گارڈ انھیں گولی مار سکتا ہے۔ میں نے انھیں تسلی دی کہ میرے حکم کے خلاف کرنے والا ہی گا تب ہی وہ مریں گے۔ ورنہ میں انھیں زندہ چھوڑ دوں گا۔

"میں ابھی ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ طیارے یہاں منگوانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر چیئرمین وہاں سے اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے ٹھیکیدار بھی اٹھ کر جانے لگے۔ پھر وہ سب دوسرے کمرے کی طرف گئے جہاں سے وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعہ رابطہ کر سکتے تھے۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ میری نظروں کے سامنے اب لڑکیاں نظر آنے لگی تھیں۔ کیونکہ جن لڑکیوں کو اُن کا ریکارڈ مل جاتا تھا وہ انھیں ضائع کرنے کے بعد انھیں جلا ڈالنے کے بعد عمارت سے باہر آ جاتی تھیں اور آزادی سے قہقہے لگا کر ایک دوسرے سے باتیں کرتی تھیں۔ وہ سب بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔ اتنے میں مرجانہ زرینہ کے ساتھ چلتی ہوئی عمارت سے باہر آئی۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ ابھی بہت سی لڑکیاں ریکارڈ روم میں موجود ہیں اور اپنے اپنے ریکارڈ تلاش کر رہی ہیں۔

وہ میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ "میں وہی تمھارا عاشق ہوں اور طارق محمود کے اندر سمایا ہوا ہوں۔"

مرجانہ نے ناگواری سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم میرے لیے نیکیاں کر رہے ہو۔ میری اس طرح مدد کر رہے ہو کہ میں کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ یہ تمھارا بڑا احسان ہے لیکن تم دنیا والوں کے سامنے اپنے آپ میرا عاشق ظاہر کر کے مجھے کیوں بدنام کرنا چاہتے ہو؟"

"عشق کرنے والے دنیا سے نہیں ڈرتے۔ وہ کھل کر پیار کا اظہار کرتے ہیں۔"

"مگر یہ کیسا عشق ہے جو یکطرفہ ہے۔ تم نے میری رائے کے متعلق معلوم کرنا ضروری نہیں سمجھا اور عشق کرنے بیٹھ گئے۔ یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ ہم بہترین دوست بن سکتے ہیں مگر عاشق اور معشوق نہیں بن سکتے۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "اس کی فکر نہ کرو۔ آہستہ آہستہ میں تمھیں اپنا معشوق بنا لوں گا۔"

وہ ذرا سخت لہجے میں بولی۔ "مجھے اس قسم کی گفتگو ذرا بھی پسند نہیں ہے۔ کوئی دوسری باتیں کرو اور مجھے بتاؤ کہ چیئرمین اور وہ سرغنہ وغیرہ کیا کر رہے ہیں؟"

"ابھی وہ لوگ تمام لڑکیوں کو اُن کے گھروں تک پہنچانے کے انتظامات میں مصروف ہیں۔ جب اُن کے انتظامات مکمل ہو جائیں گے تو میں تمھیں بتا دوں گا۔ آؤ ہم تھوڑی دیر کے لیے کہیں تنہائی میں چلیں اور ضروری باتیں کریں۔"

مرجانہ نے زرینہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "یہ میری بہت پیاری سہیلی ہے۔ میں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ ہم تینوں ہی کہیں چل کر باتیں کریں گے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں بالکل تنہائی چاہتا ہوں۔ تم اِسے زبردستی لے جاؤ گی تو میں اُس کا دماغ خراب کر دوں گا۔ پھر یہ لڑکی پاگل ہو جائے گی۔"

زرینہ سہم کر مرجانہ کے پیچھے چلی گئی اور کہنے لگی۔ "نن... نن... نہیں... میں... میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ مرجانہ میں وہاں ہوٹل میں تمھارا انتظار کروں گی۔ تم وہیں آ جانا۔"

مرجانہ نے کہا۔ "تم میری سہیلی کو دہشت زدہ کر رہے ہو اور یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

زرینہ نے کہا۔ "نہیں مرجانہ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں کم از کم تم دونوں کے درمیان یہاں کے مسائل کے مطابق ضروری باتیں ہونی چاہئیں۔ اِس لیے تم باتیں کرو۔ میں جا رہی ہوں۔ پھر جلد ہی مجھ سے آ کر تم مل سکتی ہو۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے جانے لگی۔ مرجانہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر پلٹ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ میری بہت پیاری سہیلی ہے۔ میں اسے ابھی تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ لیکن تم نے مجبور کر دیا اور ایک بات یاد رکھو کہ میں ان لڑکیوں میں سے ہوں جو مجبور ہونا نہیں جانتیں۔ چونکہ تم نے بہت ہی بُرے وقت میں میری مدد کی ہے اِس لیے میں تمھاری بات رکھنے کے لیے تمھارے ساتھ کہیں تنہائی میں چل رہی ہوں۔ آؤ!"

وہ آگے بڑھنے لگی۔ میں نے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "جب تک کسی کے دل میں جھانک کر نہ دیکھو۔ اس وقت اُس کی اچھائی اور برائی کا پتہ نہیں چلتا۔ اس وقت میں طارق محمود کے اندر سمایا ہوا ہوں تو مجھے پتہ چل رہا ہے کہ یہ بہت اچھا آدمی ہے اور اس نے کبھی کوئی بے غیرتی نہیں کی۔"

مرجانہ نے چلتے چلتے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر بولی۔ "میں طارق محمود کو کل سے دیکھ رہی ہوں۔ وہ دلالوں کے ساتھ آیا ہے اور یہاں دلال کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔"

میں نے کہا۔ "اس کے لیے دلال کا لفظ استعمال مت کرو۔ میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں۔ جب میں کسی کے اندر سما سکتا ہوں، کسی کے دماغ تک پہنچ سکتا ہوں تو کیا تم میری بات پر بھروسہ نہیں کرو گی کہ میری رپورٹ بالکل درست ہو گی اور میں کسی کے متعلق کبھی کوئی غلط رپورٹ دے ہی نہیں سکتا۔"

وہ سنجیدگی سے سوچنے لگی۔ اُس کی سوچ کہہ رہی تھی۔ "جب یہ جن طارق محمود کے اندر سمایا ہوا ہے تو یقیناً اس کی اصلیت کو سمجھتا ہو گا۔"

یہ سوچ کر اس نے مجھ سے پوچھا۔ "اگر یہ بات ہے تو مجھے بتاؤ کہ یہ طارق محمود کون ہے اور یہاں ناصر پاشا کے ساتھ کیوں آیا ہے؟"

میں اُسے بتانے لگا کہ طارق محمود شہناز کا شوہر ہے اور شہناز کے ساتھ ایک بار وہ بنکاک گیا تھا شہناز نے اسے زندگی اور موت کے درمیان چھوڑ دیا تھا اور ایک جاپانی ڈاکٹر کے میرے ہتھے چڑھا کر لے آئی تھی۔ بعد میں طارق محمود موت کے منہ سے واپس آ گیا پھر وہ واپس کراچی شہناز کے پاس آیا اور اس کے نہ چاہنے کے باوجود اس کے ساتھ رہنے لگا۔ اسی دوران اُسے پتہ چلا کہ شہناز بھولی بھالی لڑکیوں کو خوشبو کا غسل کرانے کے بہانے ملک نواز کے پارلر میں بھیجتی ہے اور وہاں سے لڑکیوں کا کوئی بہت بڑا کاروبار ہوتا ہے۔ اِس وقت سے طارق محمود اُن کے پیچھے پڑ گیا اور پھر معلومات حاصل کرتے کرتے ناصر پاشا تک پہنچ گیا۔ وہ پاکستان میں رہنے والے تمام دلالوں کو نیست و نابود کر دینا چاہتا تھا لیکن اس نے سوچا کہ ان کی بنیاد کو ہی جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جزیرے میں جائے۔ اسی لیے وہ ناصر پاشا سے دوستی کر کے ایک دوست کے روپ میں یہاں آ گیا۔

مرجانہ نے کہا۔ "یہاں آ کر تو اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ کل سے عیش کر رہا ہے۔ آخر اس کا یہاں آنے کا فائدہ ہی کیا ہوا؟"

میں نے جواب دیا۔ "کل سے اس نے بڑے کارنامے

انجام دیے ہیں۔ ہوٹل میں اسی نے آگ لگائی تھی اور ٹھیکیدار لالہ کراور اُن کے مسلح محافظوں کو اسی نے ہلاک کیا تھا۔ وہ ان لوگوں کو چپ چاپ ختم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور معلومات حاصل کررہا تھا کہ یہ کاروبار کتنی دور تک پھیلا ہوا ہے لیکن آج جب تم اسٹوڈیو میں بُری طرح پھنس گئیں اور وہ لوگ تمھیں مار ڈالنا چاہتے تھے۔ تب میں اپنے آپ کو ظاہر کرنے پر مجبور ہوگیا۔ ورنہ میرا ارادہ تھا کہ میں یہاں چپ چاپ تم سے عشق کرتا رہتا۔ پھر جب تم یہاں اور بھی کسی بڑے مسئلے میں الجھ جاتیں یا مصیبت میں گرفتار ہوجاتیں تب میں تم پر اپنے آپ کو ظاہر کرتا۔ بہرحال اب ظاہر کرنے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ طارق محمود کی اصلیت معلوم ہوگئی۔ بظاہر وہ بُرا نظر آتا ہے لیکن بہت ہی دلیر اور دیانت دار اور شریف آدمی ہے۔"

وہ بولی: "اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرے ہاتھوں سے بچ جائے گا؟"

"ہاں۔ جب اس میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔ یہ بے غیرت نہیں ہے تو پھر تم اس کو ہاتھ بھی کیوں لگاؤ گی۔ ویسے اب یہ ہمیشہ تمھارے ساتھ ساتھ رہے گا۔"

وہ گھور کر بولی: "میرے ساتھ کیوں رہے گا۔ میں کبھی کسی مرد کا ساتھ برداشت نہیں کرسکتی۔"

"ٹھیک ہے لیکن میں تو تمھارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں اور میں طارق محمود کے اندر سمایا رہوں گا اور اُس کے ذریعہ تم سے عشق کرتا رہوں گا۔"

وہ اندر ہی اندر غصّے سے بھڑکنے لگی۔ اُسے کسی کی محبوبہ بننا پسند نہیں تھا لیکن وہ کسی جن سے کھل کر مخالفت بھی مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ بڑی مشکل تھی۔ اپنے غصّے کو برداشت کرتے ہوئے بولی: "آخر تم کون ہو؟ کیوں مجھ پر عاشق ہوگئے ہو؟"

"اس لیے کہ تمھارے اندر بہت ساری خوبیاں ہیں تم ایک اچھی فائٹر ہو۔ تم فولاد بھی ہو اور پھول کی طرح ملائم بھی پھر حسین بھی ہو۔ میں تمھاری بہت ساری خوبیوں سے متاثر ہوگیا ہوں۔"

وہ بولی: "میری جیسی دوسری لڑکیاں مل جائیں گی۔ تمھیں حسن و شباب کی تمنا ہے تو یہاں ایک سے ایک حسین لڑکیاں ہیں۔ کسی پر بھی عاشق ہوجاؤ اور عشق کے معاملے میں میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ اسی لیے تمھاری خاطر جنات کی قوم کو چھوڑ کر تمھارے پاس آگیا ہوں۔"

"یہ سب کیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتی تھی کہ جن حضرات ایسے ہوتے ہیں کہ عورتوں پر عاشق ہوجاتے ہیں لیکن تم تو سچ مچ مجھ پر عاشق ہونے کے لیے آگئے ہو۔ آخر تمھاری حقیقت کیا ہے۔ خدا کے لیے مجھے صاف صاف بتا دو میرے ذہن کو نہ اُلجھاؤ۔"

"میری محبت رفتہ رفتہ تمھیں یقین دلائے گی کہ میں جن ہوں اور تم سے محبت کررہا ہوں اور غائب رہ کر تمھاری مدد کرتا رہتا ہوں۔ تعجب ہے کہ اتنی امداد کے باوجود تمھیں میرے وجود پر اور میری محبت پر یقین نہیں آیا ہے۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی: "اس دنیا میں ایسے واقعات بھی پیش آتے ہیں جنھیں آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی یقین نہیں آتا۔ یہی حال میرا ہے۔ میں اتنی دیر سے اس غیبی امداد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں اور قبول کررہی ہوں لیکن میرا دماغ تسلیم نہیں کررہا ہے کہ کوئی جن میری مدد کو اس جزیرے میں آپہنچا ہے۔"

"ہاں میری مجبوری یہ ہے کہ میں خود کو اپنے وجود کے ساتھ ظاہر نہیں کرسکتا۔ مجھے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لیے کسی دوسرے انسان کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جیسا کہ میں اس وقت طارق محمود کا سہارا لے رہا ہوں۔ مرجانہ تم میری محبت کو قبول کرلو پھر رفتہ رفتہ تمھیں مجھ پر پیار آجائے گا۔"

ہم چلتے چلتے بہت دور نکل آئے تھے۔ ایک جگہ سیمنٹ کے پختہ بینچ بنے ہوئے تھے۔ مرجانہ وہاں بیٹھ کر بولی: "یہ بڑا کا سودا ہے۔ محبت ایسے نہیں ہوتی۔ دونوں طرف سے چاہت لازمی ہے اور میرے دل میں تمھارے لیے یا کسی اور کے لیے محبت نہیں پیدا ہوسکتی۔"

میں نے پوچھا: "کیا تمھارے سینے میں دل نہیں ہے؟ تم لڑکی نہیں ہو۔ کیا تم کبھی کسی سے محبت نہیں کرو گی؟"

"تمھارے سارے سوالوں کا جواب یہ ہے کہ اول تو میں لڑکی نہیں ہوں قدرت نے مجھے جسمانی طور پر اگر لڑکی بنایا ہے تو اس کے لیے میں مجبور ہوں۔ ورنہ میں اپنے آپ کو سر سے پاؤں تک مرد محسوس کرتی ہوں۔ دوسری بات یہ کہ جب میں لڑکی نہیں ہوں تو کس سے محبت کروں گی؟ میں کسی کو اپنا محبوب بنانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ جو محبوب بننا چاہے گا وہ اپنی قسمت بگاڑنے کے لیے میرے پاس آئے گا۔ پھر تم نے پوچھا ہے میرے سینے میں دل ہے یا نہیں؟ ارے میرے سینے میں فولاد کا دل ہے اور میں فولادی دماغ سے سوچتی ہوں اور محبت کے متعلق سنا ہے کہ وہ پھول کی طرح نازک ہوتی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم میری محبت سے انکار کرتی ہو۔"

"میں تم سے دوستی کرسکتی ہوں میرے دماغ کے کسی بھی خانے سے محبت کا گزر نہیں ہوتا۔"

"ایک بار تم یہ کہہ دو کہ تم میری محبت کو ٹھکرا رہی ہو۔ میرے عشق کی توہین کررہی ہو۔ میں تمھارا ساتھ چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ پھر یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے تم اس سے خود ہی نمٹ لینا۔"

"میں کہہ چکی ہوں کہ عشق و محبت میرے مزاج کے خلاف ہے۔ ہم بہت اچھے دوست بن کر رہیں گے۔ میں تمھیں ناراض نہیں کرنا چاہتی۔ میری باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"میں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے تم بہت ضدی ہو اور مجھ سے محبت کرنے میں اپنی توہین محسوس کررہی ہو لیکن اس کا اظہار زبان سے نہیں کررہی ہو۔ میں محسوس کررہا ہوں کہ میرے عشق کے اظہار سے تم بیزار ہوجاتی ہو۔ اچھی بات ہے ابھی میں جارہا ہوں میری واپسی تک اچھی طرح غور کرلینا۔"

یہ کہہ کر چند لمحوں کے بعد ہی میں کھڑے کھڑے اچانک ڈگمگا گیا۔ مرجانہ نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے شدید حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا: "یہ کیا میں یہاں کیسے آگیا۔ میں تو فلم اسٹوڈیو کے دروازے پر تھا۔"

مرجانہ نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا: "تمھارے اندر وہ جن سمایا ہوا تھا۔ کیا تم اسے محسوس نہیں کررہے تھے؟"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں اتنی دیر سے کہاں تھا اور کیا کررہا تھا؟ مجھے کچھ محسوس نہیں ہوا ایسا لگتا ہے کہ میری زندگی کے کچھ لمحات چرا لیے گئے ہیں یا ایسے گزر گئے ہیں جن کا مجھے علم نہیں ہے۔"

"ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جن یہاں سے جا چکا ہے؟"

"میں نہیں جانتا کہ وہ جا چکا ہے یا یہاں موجود ہے مگر میں حیران ہوں کہ یہ کیا تماشہ ہے۔"

"سچ بات تو یہ ہے کہ میں بھی حیران ہورہی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس جن کے وجود پر کیسے یقین کروں اور کیسے اس کے عشق سے پیچھا چھڑاؤں۔ میں اُس سے دشمنی مول لینا نہیں چاہتی۔"

"مرجانہ تم اپنے مسئلے میں الجھی ہوئی ہو لیکن میں یہاں اپنے متعلق ایک بات بتانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ میں بے غیرت نہیں ہوں۔ میں دراصل ان لوگوں سے انتقام لینے اور ان لوگوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے اس جزیرے میں نامر پاشا کا دوست بن کر آیا ہوں۔"

مرجانہ نے ہاتھ اُٹھا کر کہا: "اچھا بس کرو۔ اپنی داستان نہ سناؤ۔ جن تمھارے بارے میں مجھے سب کچھ بتا چکا ہے میں اور سننا نہیں چاہتی۔"

میں نے خوش ہوکر کہا: "اچھا تو اس نے میری اصلیت بتادی ہے پھر تو تم مجھ سے ناراض نہیں ہو۔ ہم آج سے دوست بن کر رہیں گے۔"

وہ گھور کر بولی: "میں کسی سے دوستی نہیں کرتی۔ تم کہیں جا کر کسی اور کو اپنا دوست بناؤ۔"

"مرجانہ، یہاں حالات بڑے سنگین ہیں۔ قدم قدم پر تمھارے لیے خطرہ ہے۔ ایسی صورت میں ہمیں ساتھ رہنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ دشمن ہم میں سے کسی کو نقصان پہنچائے۔"

وہ بولی: "تم تو دوغلی چالیں چل رہے ہو۔ ادھر دوست بنے ہوئے ہو اور اندر ہی اندر اُن کی جڑیں کھوکھلی کررہے ہو۔ اس لیے تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ لوگ تمھیں اپنا دوست ہی سمجھتے رہیں گے۔ مصیبت صرف اس لیے مجھ پر آئے گی کہ میری دشمنی ظاہر ہوگئی ہے۔ اس لیے میری فکر نہ کرو۔ میں تنہا اُن سے نمٹ لوں گی۔ تم اب یہاں سے جاؤ۔"

"تم عجیب لڑکی ہو۔ ان حالات میں تمھیں زیادہ سے زیادہ دوست بنانے چاہئیں اور تم میرے خلوص کو ایسے وقت ٹھکرا رہی ہو۔"

سب رنگ ڈائجسٹ میں چھپنے والی سلسلے وار کہانی

قیمت:- ۲۰/- روپے ○ ڈاک خرچ:- ۱۰/- روپے

- ایک ایسے پجاری کی داستان جو صدیوں پہلے مرگیا تھا لیکن اس کی لاش مندر کے تہہ خانے میں اصلی حالت میں موجود تھی۔
- سوناگھاٹ کے علاقے پر اس مُردہ پجاری کی پُراسرار طاقتوں کی حکومت تھی اور وہ ہر جگہ بند نظر آتا تھا۔
- ایک مظلوم اور بے بس انسان کی کہانی جو حالات سے تنگ آکر بدی کی طاقتوں کا غلام بن گیا۔ اور زبردست پُراسرار طاقتیں حاصل کرلیں۔
- وہ طاقتور ترین شخص بن گیا لیکن ایک طاقت اس سے بھی زبردست تھی۔

بدی کی طاقتیں کیا تھیں؟ سراب، دھوکہ یا حقیقت؟
ایک شخص کی ہولناک ترین سرگزشت مکمل طور پر کتابی شکل میں دستیاب ہے۔
اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں یا براہِ راست ہم سے حاصل کریں۔

سب رنگ ڈائجسٹ کے مندرجہ ذیل سلسلے بھی ہم سے مل سکتے ہیں۔

انکا (مکمل، دو حصے)	اقابلا (مکمل، دو حصے)	غلام روحیں (مکمل)
قیمت فی حصہ ۲۵ روپے، ڈاک خرچ ۱۰ روپے	قیمت فی حصہ ۲۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۰ روپے	قیمت ۱۵ روپے، ڈاک خرچ ۱۰ روپے

کتابیات پبلی کیشنز ○ پوسٹ بکس نمبر ۲۳ - کراچی

وہ پریشان ہوکر بینچ پر بیٹھ گئی۔ پھر اپنا سر تھام کر بولی۔

"میں ذہنی طور پر بہت اُلجھ گئی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ اِس جن نے مجھے بہت زیادہ اُلجھا کر رکھ دیا ہے۔ اسی لیے میں ابھی تمہاری دوستی کو ٹھکرا رہی تھی ہاں میں اپنی اس غلطی کو محسوس کرتی ہوں۔ اس وقت مجھے دماغی طور پر پُرسکون رہنا چاہیے مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں کس طرح اپنے آپ کو پُرسکون رکھ کر موجودہ حالات کو سمجھتی رہوں اور اُن سے نمٹ سکوں۔"

مجھے اس کی حالت پر افسوس ہوا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ دماغی طور پر اس قدر اُلجھ جائے گی۔ یہ حقیقت میں درست بات تھی کہ وہ کسی بھی مرد کی زبان سے اپنے لیے عشق و محبت کا لفظ برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ اب چونکہ ایک جن نے اظہارِ محبت کیا تھا اِس لیے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس جن کو کس طرح منہ توڑ جواب دے اور حالات بھی مجبور کر رہے تھے۔ وہ اس سے کھل کر نفرت کا اظہار بھی نہیں کرسکتی تھی۔

میں نے کہا: "میں تمہارے مزاج کو سمجھتا ہوں تم بالکل ہی مختلف لڑکی ہو اور عشق و محبت کو بالکل ہی خاطر میں نہیں لاتیں۔ بلکہ اظہارِ عشق کرنے والوں سے نفرت کرتی ہو۔ بہرحال حالات کا تقاضا یہ ہے کہ اگر جن تم سے عشق کا اظہار کر رہا ہے تو اُسے ہنس بول کر برداشت کرو اور مصلحت سے کام لو۔ اِس جن کے ذریعہ تمہارے بہت سے کام نکل سکتے ہیں ورنہ اس کی دشمنی مہنگی پڑے گی۔"

وہ جھلا کر بولی: "میں مرنا پسند کرتی ہوں مگر ڈرنا کبھی پسند نہیں کرتی۔ خواہ وہ جن ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے کوئی متاثر نہیں کر سکتا۔ کوئی مرعوب نہیں کرسکتا اور کوئی مجھے اپنا محبوب نہیں بنا سکتا۔"

میں نے پوچھا: "ایسی بات ہے تو پھر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اِس جن نے تمہیں ہاتھ لگایا ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "نہیں۔ ابھی تو وہ دور ہی سے اظہارِ عشق کر رہا ہے۔"

"دیکھو مرجانہ۔ اُس کا کوئی اپنا وجود نہیں ہے۔ وہ تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ تو پھر اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ اگر وہ میرے اندر سما کر یا کسی دوسرے کے اندر سما کر اظہارِ عشق کرتا ہے تو اُسے کرتے رہنے دو۔ جب وہ تمہیں ہاتھ لگانے یا تمہارے مزاج کے خلاف کوئی حرکت کرے۔ تب تم پریشان ہو کر سوچنا۔ فی الحال اپنے دماغ کو پُرسکون رکھو۔"

وہ مجھے سنجیدگی سے اور شکریہ کے انداز سے دیکھ کر بولی۔

"تم نے یہ بہت اچھی بات کہی ہے۔ واقعی جب وہ میرے مزاج کے خلاف کوئی حرکت کرے گا تب مجھے پریشان ہونا چاہیے۔ ابھی تو وہ دوسروں کی زبان سے اظہارِ عشق کر رہا ہے ٹھیک ہے۔ میں اپنے آپ کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کروں گی۔

"آؤ ہم ان ٹھیکیداروں کے پاس چلیں اور یہ معلوم کریں کہ وہ لڑکیوں کو ان کے ممالک تک پہنچانے کے لیے کیا انتظام کر رہے ہیں۔"

وہ میرے ساتھ اس پختہ عمارت کی طرف جانے لگی اُس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ بڑی سنجیدگی سے اسی جن کے متعلق سوچ رہی تھی کہ اُسے کس طرح اپنے قابو میں رکھ کر اپنا کام نکالنا چاہیے۔ اچانک وہ بولی: "طارق۔ یہ جن میرے بہت کام آسکتا ہے۔"

میں نے پوچھا: "وہ کیسے؟"

وہ بولی: "میں بچپن سے اپنے والدین سے بچھڑی ہوئی ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ میرے والدین کون ہیں اور کہاں ہیں۔ میں اس جن کے ذریعے وہاں تک پہنچ سکتی ہوں۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا: "ہاں۔ یہ کام تو جنات آسانی سے کر لیتے ہیں۔ یہ جن تمہیں تمہارے والدین تک یقیناً پہنچا دے گا۔"

"ابھی وہ مجھ سے ناراض ہوکر چلا گیا ہے۔"

"کہاں جا سکتا ہے۔ اگر اس کا عشق سچا ہوگا تو وہ پھر تمہارے پاس آئے گا۔"

وہ گھور کر بولی: "بکواس مت کرو۔ اُس کے سچے عشق کی ایسی کی تیسی۔ مجھے یہ باتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔"

"بھئی میں اپنے عشق کی نہیں اس جن کے عشق کی بات کر رہا ہوں۔ جس کے لیے ابھی مجبوری یہ ہے کہ اس عشق کو قبول کرتے رہنا ہوگا۔ تم ناراض ہوتی رہو گی تو تمہاری ذہنی پریشانی باقی رہے گی پُرسکون رہنے کا طریقہ یہی ہے کہ حالات سے سمجھوتہ کرو اور اب وہ جن آئے تو اُس سے اچھی طرح باتیں کرو۔"

وہ قائل ہو کر بولی: "ہاں اب ذرا ذہانت اور چالاکی سے کام لینا ہوگا۔"

اس پختہ عمارت کے قریب پہنچتے ہوئے میں نے کہا: "اب میں ٹھیکیداروں کے پاس جا کر ناصر پاشا کے دوست کی حیثیت سے رہوں گا۔ تم برا نہ ماننا۔ میں ان کا دوست بن کر ہی اُن کے اندرونی معاملات کو سمجھ سکتا ہوں کہ کہیں وہ کوئی سازشیں تو نہیں کر رہے ہیں۔ کیونکہ بظاہر ہتھیار ڈالنے والے سپاہی اور شکست کھانے والے پہلوان کوئی نہ کوئی مکارانہ طور پر داؤ

استعمال کرتے ہیں جس کا علم ہمیں بعد میں ہوتا ہے۔ اس لیے مجھے ناصر پاشا کا دوست بن کر ابھی رہنا چاہیے۔"

وہ بولی۔ "وہ جن ایسا ہے جو اُن کی ڈھکی چھپی سازشوں کو معلوم کرسکتا ہے۔ کاش کہ وہ پھر آجاتا۔"

اس کے ایسا کہتے ہی میں ایک ذرا سا لڑکھڑایا پھر ایک دم سے سنبھل کر بولا: "لو میری جان میں واپس آگیا ہوں۔"

مرجانہ ایک دم سے چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے مسکرا کر کہا: "ہاں میں تمہارا عاشق ہوں۔ اَب طارق محمود اپنے آپ میں نہیں ہے۔ اُس میں میں سما گیا ہوں۔"

اُس نے پریشان ہوکر پوچھا: "کیا تم اب تک میرے آس پاس موجود تھے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا: "ہاں میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ تم سے دور نہیں جا سکتا تھا اس لیے ساتھ ساتھ رہا۔ تمہاری زبان سے یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ تم ذہانت اور چالاکی سے میرے ساتھ دوستی قائم رکھو گی لیکن میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دو گی۔"

پہلے تو وہ جھینپ گئی پھر کہنے لگی: "دیکھو میرے مزاج کو سمجھو۔ میں بالکل ہی مختلف مزاج کی لڑکی ہوں۔ میں کبھی عشق و محبت کے چکر میں نہیں پڑ سکتی۔ اگر تم میرے ساتھ برابر رہو گے تو تمہیں رفتہ رفتہ معلوم ہو جائے گا کہ میں کیسی لڑکی ہوں۔ اگر اس کے بعد بھی تم یہ سمجھو کہ تم مجھے محبت کی طرف مائل کر سکتے ہو یا میرے دل کو پگھلا سکتے ہو تو تم ایسا کر لینا مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ جب دل و دماغ تمہاری طرف جھکے گا تو بے شک میں بھی تمہاری طرف جھک جاؤں گی لیکن ابھی تو ہمارے درمیان صرف دوستی ہوگی۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

میں نے اُس کے مزاج کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہا: "چلو ٹھیک ہے۔ میں بہت جلد تمہارے دل کو جیت لینے کی کوشش کروں گا۔ آؤ اب ہم ان ٹھیکیداروں کی طرف چلیں۔"

یہ کہہ کر ہم اس عمارت میں داخل ہوئے اور اس کمرے میں پہنچے جہاں چیئرمین دوسرے ٹھیکیداروں کے ساتھ پریشان حال بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ سب اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہاں ناصر پاشا بھی موجود تھا۔ میں نے کہا: "میں اس وقت طارق محمود نہیں ہوں بلکہ مرجانہ کا مددگار جن ہوں اور تم لوگوں سے سوالات کرتا ہوں کہ لڑکیوں کو واپس بھیجنے کے کیا انتظامات کر چکے ہیں۔"

چیئرمین نے کہا: "ہم نے ٹرانسمٹر کے ذریعے رابطہ قائم کیا ہے اور طیارے یہاں منگوائے ہیں۔ ہمیں یقین دلایا گیا ہے کہ شام تک یکے بعد دیگرے چار طیارے یہاں آئیں گے اور لڑکیوں کو لے جائیں گے۔ ہم یہاں بیٹھ کر اُن لڑکیوں کی فہرست تیار کر رہے ہیں جنھیں پہلی چار فلائیٹوں میں یہاں سے جانا ہے۔"

ناصر پاشا نے کہا: "آج شام سے لے کر کل شام تک تمام لڑکیاں اپنے اپنے ملک میں پہنچ جائیں گی۔ ہم مرجانہ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آج ہی لانچ کے ذریعے پاکستان کی تمام لڑکیوں کو لے کر یہاں سے رخصت ہوجائے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس کے جانے کے بعد بھی لڑکیاں یہاں سے جاتی رہیں گی۔"

مرجانہ نے کہا: "میں صرف لڑکیوں کو یہاں سے نہیں لے جاؤں گی بلکہ تمہیں اور طارق محمود کو بھی ساتھ لے جاؤں گی یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تمہارا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔ تم تو میرے ملک کے بے غیرت دلال ہو۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

ناصر پاشا نے گڑگڑا کر کہا: "خدا کے لیے مجھے معاف کردو۔ آئندہ کے لیے میں کبھی پاکستان کا رُخ نہیں کروں گا۔ اس جزیرے سے کسی دوسرے ملک میں چلا جاؤں گا۔"

وہ غصے سے بولی: "بکواس مت کرو۔ میری بات اچھی طرح یاد رکھو۔ ایک تو میں سب سے آخر میں یہاں سے جاؤں گی جب تمام لڑکیاں یہاں سے جا چکی ہوں گی۔ دوسری بات یہ کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی اور تمہارا وہ حشر کروں گی کہ تم مرتے مرتے زندگی کی بھیک مانگتے رہو گے اور تمہیں یہ بھیک نہیں ملے گی۔"

ناصر پاشا نے میری طرف بڑھتے ہوئے کہا: "طارق تم ہی کسی طرح مرجانہ کو سمجھاؤ۔"

میں نے ایک اُلٹا ہاتھ اُس کے منہ پر رسید کرتے ہوئے کہا: "ذلیل کمینے۔ اس وقت میں طارق نہیں ہوں۔ مرجانہ کا عاشق جن ہوں۔"

وہ اپنے جبڑے کو سہلاتے ہوئے پیچھے ہٹ کر بولا۔

"مرجانہ میرے پاس بہت دولت ہے۔ یہاں جزیرے کے بنک میں تقریباً پچیس لاکھ ڈالر ہیں۔ پاکستان اور پیرس وغیرہ کے بنکوں میں بھی بہت رقمیں ہیں۔ میں تمہیں اپنی آدھی دولت دے دوں گا۔ بس ایک التجا ہے کہ مجھے معاف کردو۔ مجھے زندہ چھوڑ دو۔"

وہ چونک کر بولی: "ہاں یہ تو میں بھول ہی گئی تھی کہ تم لوگوں نے اس جزیرے میں کافی دولت چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔ آخر اس دولت کا کیا ہوگا۔ میں تم لوگوں کو اُس کی اجازت نہیں دوں گی کہ وہ سب کچھ تم اپنے ساتھ لے جاؤ یہاں بنک میں

جتنی بھی زمین ہیں وہ ساری کی ساری میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

چیئرمین نے ذرا آگے بڑھ کر عاجزی سے کہا: "مرجانہ ہمیں دولت نہیں، زندگی چاہیے۔ تم جو چاہو یہاں سے لے جاؤ مگر ہمیں زندہ چھوڑ دو۔ میں تمھیں ایک دانشمندانہ مشورہ دینا چاہتا ہوں اگر تم قبول کرو۔"

میں نے چیئرمین سے کہا: "تم جو مشورہ دینا چاہتے ہو بے جھجک کہو ہم سن رہے ہیں۔"

اُس نے کہا: "ہم نے ٹرانسمٹر کے ذریعے یہاں چار عدد طیارے طلب کیے ہیں جو لڑکیوں کو یہاں سے لے جائیں گے لیکن ہم یہ سوچ کر ڈر رہے ہیں کہ اگر ان طیاروں میں خفیہ امداد ہمارے لیے آئی ـــ اور اس امداد سے مرجانہ کو کوئی نقصان پہنچا تو تم ہمیں زندہ نہیں چھوڑو گے۔ حالانکہ ہم نے صرف طیاروں کا مطالبہ کیا ہے۔ باہر کوئی مدد طلب نہیں کی ہے۔ پھر بھی ہم ڈرتے ہیں کہ ہم غلط فہمی میں مارے نہ جائیں۔"

میں نے سر ہلا کر کہا: "ہاں ایسا ممکن ہے۔ تم لوگوں نے طیارے طلب کیے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ خفیہ طور سے امداد بھی پہنچ جائے اور وہ لوگ جو مرجانہ کی قوت کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں اور یہ نہیں جانتے ہیں کہ مرجانہ کے پیچھے ایک اور بھی پُراسرار قوت ہے۔ وہ لوگ یقیناً مرجانہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے اور ایسی صورت میں مَیں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ویسے مسٹر چیئرمین تم مشورہ کیا دینا چاہتے ہو۔"

چیئرمین نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ مرجانہ یہاں سے فوراً ہی لانچ کے ذریعے اپنے ملک کی لڑکیوں کو لے کر چلی جائے۔ تاکہ نہ یہ یہاں رہے اور نہ کوئی اُسے چھپ کر نقصان پہنچائے۔ ہم اپنی سلامتی کی خاطر یہ نیک مشورہ دے رہے ہیں۔"

مرجانہ نے پوچھا: "تم باتیں بنا کر مجھے پہلے ہی یہاں سے بھگا دینا چاہتے ہو؟"

وہ بولا: "نہیں۔ میں ایک معقول بات کہہ رہا ہوں۔ جانا یا نہ جانا تمھاری مرضی پر منحصر ہے۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ ان چار طیاروں کے آنے سے پہلے تم میرے مشورے پر غور کر لو۔"

چیئرمین واقعی معقول باتیں کہہ رہا تھا۔ وہ خود نہیں جانتا تھا اور ہم بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ جو طیارے آنے والے ہیں اُن میں کس قسم کی امداد پہنچ سکتی ہے اور طیاروں میں آنے والے لوگ کیسے ہوں گے۔ اگر اُن میں سے کسی نے کہیں سے چھپ کر مرجانہ کو یا مجھ کو گولی مار دی تو سارا کیا دھرا مٹی میں مل جائے گا۔

میں مرجانہ کی سوچ کے ذریعے اُسے سمجھانے لگا کہ وہ چیئرمین کے مشورے پر سنجیدگی سے غور کرے اور اس خطرے کو سمجھے جو کہ کسی وقت بھی پیش آسکتا ہے۔ میں تھوڑی دیر تک سوچ کے ذریعے اُسے سمجھاتا رہا اور وہ سنجیدگی سے سوچ رہی۔ چیئرمین اور دوسرے ٹھیکیدار اُسے غور سے دیکھتے رہے آخر مرجانہ نے کہا: "ٹھیک ہے میں ابھی غور کر رہی ہوں اس وقت تک تم سب یہاں کے بنک کی ساری رقم اور دولت اس لانچ میں پہنچا دو جس میں مَیں اپنے ملک کی لڑکیوں کو لے کر جاؤں گی۔ میں تھوڑی دیر بعد اپنا فیصلہ سناؤں گی کہ مجھے کس وقت یہاں سے روانہ ہونا ہے۔"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ چیئرمین نے ریسیور اٹھا کر دوسری طرف کی باتیں سنیں۔ پھر ہمیں مخاطب کر کے کہا: "یہاں سویرے جو طیارہ سراغرساں کو لے کر آیا تھا۔ اب وہی طیارہ یہاں سے پینتالیس لڑکیوں کو لے کر مشرقِ بعید کی طرف جا رہا ہے۔ آدھے گھنٹے بعد وہ پرواز کرے گا۔ مرجانہ۔ اگر تم چاہو تو ایئرپورٹ جا کر پینتالیس لڑکیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی ہو جو ابھی جانے والی ہیں۔ میں جا کر بنک کی ساری دولت لانچ میں رکھنے کا حکم دیتا ہوں۔ آؤ مسٹر پاشا۔"

یہ کہہ کر وہ ناصر پاشا کے ساتھ بنک کی طرف جانے لگا۔ میں مرجانہ کے ساتھ اس عمارت سے باہر آگیا۔ پھر میں نے کہا: "آؤ ہم کار میں بیٹھ کر ایئرپورٹ کی طرف جائیں اور اُن لڑکیوں کو دیکھ لیں جو رخصت ہو رہی ہیں۔"

ہم ایک کار میں آکر بیٹھ گئے پھر ایئرپورٹ کی طرف جاتے ہوئے میں نے مرجانہ کو سمجھایا: "مناسب یہی ہے کہ ہم یہاں سے نکل چلیں۔ وہ چیئرمین بالکل درست کہہ رہا تھا۔ اُسے اپنی جان کی فکر پڑی ہے وہ نہیں چاہتا کہ تم غلط فہمی کا شکار ہو کر اُسے مار ڈالو یا میں اُسے ہلاک کر دوں۔ بہرحال وہ اپنی جان بچانے کے لیے ہمیں بہت ہی اچھا مشورہ دے رہا ہے۔"

مرجانہ نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "ہاں اب میں بھی یہی سمجھتی ہوں کہ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ تم چونکہ غائب رہنے والی ہستی ہو اس لیے اس جزیرے میں رہ کر اُن کی نگرانی کر سکتے ہو کہ یہ اسی طرح لڑکیوں کو یہاں سے روانہ کریں گے یا نہیں؟ اگر انھوں نے بے ایمانی کی تو تم ان لوگوں کو تباہ و برباد کر سکتے ہو۔ کیا خیال ہے؟"

"اچھا خیال ہے۔ تم طارق محمود کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں کسی دوسرے کے جسم میں سما کر یہاں کے حالات دیکھتا رہوں گا اور اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے یہاں کی ساری لڑکیوں کو اُن کے گھروں تک پہنچا کر ہی تمھارے پاس واپس آؤں گا۔"

ہم اس فیصلے پر متفق ہو گئے۔ ہم نے ایئرپورٹ پہنچ کر ان پینتالیس لڑکیوں کو اپنے سامنے رخصت کیا۔ پھر ہم وہاں سے بنک کی طرف گئے۔ وہاں پتہ چلا کہ ڈالر کی شکل میں نقدی بہت کم ہے لیکن سونے کی اینٹیں اور ہیرے جواہرات کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے۔ ان سب چیزوں کو وہ لوگ مختلف ڈبوں میں پیک کر رہے تھے اور انھیں لانچ کی طرف لے جا رہے تھے۔ میں نے معلوم کیا کہ لانچ کو کون ڈرائیو کرتا ہوا ہمیں پاکستان کے ساحل تک پہنچائے گا اور اس جہاز میں اور کتنے مرد ہوں گے جو لانچ کے اسٹیورڈ کی مدد کے لیے موجود رہیں گے۔

میں بہت محتاط ہو کر ہر ایک کے دماغ میں جھانک رہا تھا اور معلومات حاصل کرتا جا رہا تھا۔ مجھے اس بات کا خدشہ تھا کہ کوئی اس لانچ میں ٹائم بم وغیرہ نہ رکھ دے۔ تاکہ ہمیں بیچ سمندر میں تباہ کر دیا جائے۔ میں ان سازشوں کو سمجھتا تھا اس لیے محتاط ہو کر ہر ایک کو چیک کر رہا تھا۔

مرجانہ بہت خوش تھی۔ اس نے سونے کی اینٹیں اور اتنے سارے ہیرے جواہرات زندگی میں پہلی بار دیکھے تھے اس لیے بے انتہا خوش تھی اور میرے پاس سے رخصت ہو کر اپنے ملک کی لڑکیوں کو لانچ تک پہنچانے کے لیے چلی گئی تھی۔ اس وقت شام کے سائے بڑھتے جا رہے تھے۔ سات بجے اندھیرا پھیلنے تک تمام لڑکیاں لانچ میں پہنچ گئیں۔ چیئرمین نے اسٹیورڈ کو ہدایت دی کہ لانچ کو طویل راستے سے لے جایا جائے تاکہ یہ لانچ پاکستان کے ساحل پر آدھی رات کو پہنچے اور ہم کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو۔

جب وہ لانچ جزیرے کے ساحل کو چھوڑنے لگی تو ساری لڑکیاں عرشے پر آکر کھڑی ہو گئی تھیں اور خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ میں بھی مرجانہ کے ساتھ عرشے پر کھڑا ہوا تھا جیسے ہی جہاز رخصت ہونے لگا۔ میں نے مرجانہ سے کہا: "اچھا مرجانہ۔ اب تمھارا یہ عاشق تم سے رخصت ہو کر جزیرے میں واپس جا رہا ہے۔ اپنا کام ختم کرنے کے بعد یہ بندہ پھر تمھارے پاس حاضر ہو جائے گا۔ آؤ جانے سے پہلے ایک بار مجھ سے ہاتھ ملا لو۔"

یہ کہہ کر میں نے اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا۔ اُس نے خوشدلی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے وہ ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔ وہ ایک دم سے تڑپ کر - - - - - - الگ ہو گئی۔ اپنے ہاتھ کو ایک جھٹکے سے چھڑا لیا۔ پھر غصے سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے اُس کی سوچ میں کہا: "اس وقت غصہ مناسب نہیں ہے۔ یہ رخصت ہو رہا ہے اسے خوشدلی سے رخصت کرو۔"

وہ جبراً مسکراتے ہوئے بولی: "اچھا اب جاؤ اور جزیرے میں رہ کر تمام لڑکیوں کو اُن کے گھروں تک پہنچا دو۔ خدا حافظ۔"

میں نے خدا حافظ کہا۔ اس کے دوسرے ہی لمحے میں نے ایک جھٹکا سا کھایا۔ جیسے کہ میرے اندر سے وہ جن جا چکا ہو پھر میں نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا اور مرجانہ سے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ وہ جن میرے اندر سے نکل کر جا چکا ہے۔ میں اب آزاد ہوں۔"

مرجانہ نے اطمینان کی سانس لی اور ساحل کی طرف دیکھنے لگی۔ اُسے اس بات کا اطمینان تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے چند گھنٹوں کے لیے سہی مگر اس جن سے نجات مل گئی تھی۔

میں چیئرمین کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ اب وہ لوگ بھی ادھر مطمئن تھے کہ مرجانہ رخصت ہو گئی ہے اور اب انھیں اُس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ناصر پاشا نے اطمینان کا سانس لے کر کہا: "خدا کا شکر ہے کہ وہ بلا ٹل گئی۔"

اس کے پاس ایک مسلح گارڈ کھڑا ہوا تھا۔ میں اُس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس گارڈ نے کہا: "ابھی تمھاری خیریت کہاں ہے۔ میں اُس کا عاشق جن یہاں موجود ہوں۔"

یہ سنتے ہی وہ ایک دم سے اچھل کر دور چلا گیا۔ چیئرمین وغیرہ بھی سہم کر مسلح گارڈ کو دیکھنے لگے۔ پھر چیئرمین نے کہا۔ "ہاں ہاں ہمیں یقین ہے کہ مرجانہ کے جانے کے بعد بھی تم اس وقت تک یہاں موجود رہو گے جب تک کہ تمام لڑکیاں یہاں سے روانہ نہیں ہو جائیں گی۔ ہم تمھیں یقین دلاتے ہیں کہ اپنا فرض پوری طرح ادا کریں گے۔"

مسلح گارڈ نے کہا: "اچھی بات ہے اب میں اس گارڈ کے اندر سے نکل رہا ہوں لیکن تم لوگوں کے آس پاس ہمیشہ رہوں گا۔ اس بات کو مت بھولنا۔"

یہ کہہ کر میں اُس گارڈ کے دماغ سے نکل آیا۔ گارڈ نے اپنے سر کو جھٹکا۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ دوسرے تمام لوگ بھی اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر ناصر پاشا نے جھجکتے ہوئے پوچھا: "کیا تم کچھ محسوس کر رہے ہو؟"

مسلح گارڈ نے کہا: "ہاں میں محسوس کر رہا ہوں کہ میں اپنے آپ میں نہیں تھا۔ کہیں گم ہو گیا تھا اور اب پھر دماغی طور پر حاضر ہو گیا ہوں۔"

چیئرمین نے کہا "کوئی بات نہیں۔ مرجانہ کا عاشق جن تمہارے اندر سما گیا تھا۔ اب وہ ہمارے آس پاس موجود ہے۔ آؤ۔ ہم اپنا فرض ادا کرنے چلیں۔"

وہ سب لوگ ساحل کی طرف سے روانہ ہو کر اس پختہ عمارت کی طرف جانے لگے۔ میں اُن لوگوں کے پاس سے واپس لانچ میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔

مرجانہ میرے پاس سے جا چکی تھی بے انتہا دولت حاصل کرنے کے بعد وہ خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ اُس نے ناصر پاشا کو بھی اس جزیرے میں زندہ چھوڑ دیا تھا جس کی وہ جان کی دشمن بنی ہوئی تھی۔ اب وہ ایک کیبن میں جا کر زرینہ کو چھیڑ رہی تھی اور شرارتیں کر رہی تھی۔ میں اس کے دماغ سے نکل کر اسٹیورڈ کے کیبن میں گیا۔ پھر تھوڑی دیر تک اُس سے باتیں کرتا رہا پھر انجن روم میں جا کر وہاں کے خلاصی سے باتیں کرنے لگا۔ ان لوگوں سے باتیں کرنے کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔

اب مجھے تنہائی کی ضرورت تھی تاکہ میں ممی اور سونیا وغیرہ کی کچھ خبر لے سکوں۔ بہت دیر سے تقریباً پچھلی رات سے میں ان لوگوں سے رابطہ قائم نہیں کر سکا تھا۔ میں وہاں سے چلتا ہوا دو کیبنوں کی طرف گیا تو وہاں لڑکیاں بیٹھی ہوئی گپ شپ میں مصروف تھیں۔ مجھے کہیں تنہائی میں بیٹھنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ پھر میں لانچ کے عرشے پر آ گیا اور دُور ایک طرف جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُدھر کوئی نہیں تھا۔ میں اطمینان سے پہلے سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

سونیا کا ایک سینڈل کچھ لوگوں کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا تھا اور وہ سینڈل ابھی تک کسی کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ میں نے اس نیم پاگل بوڑھے کو ان لوگوں سے دُور کر دیا تھا۔ اس بوڑھے کو یاد نہیں آ رہا تھا کہ جس سینڈل کی سب کو تلاش ہے اسے وہ کہاں رکھ کر بھول گیا ہے۔

سونیا پچھلی رات سے اب تک میرا انتظار کر رہی تھی کہ میں اُسے اس نیم پاگل بوڑھے کا پتہ بتاؤں گا تو وہ وہاں جا کر اس کی یادداشت کو کریدے گی اور معلوم کرنے کی کوشش کرے گی کہ وہ سینڈل کہاں رکھا ہوا ہے لیکن کل سے مجھے ایک ذرا فرصت نہیں ملی تھی کہ میں سونیا کے پاس پہنچ سکتا۔ اب فرصت ملی تو دیکھا کہ سونیا میرے انتظار سے تنگ آ گئی تھی اور مجھے برا بھلا کہہ کر خود ہی اقدامات کے لیے تیار ہو گئی تھی جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ وہ ذہانت اور مکاری میں اپنا جواب نہیں رکھتی ہے۔ اُس نے ایک[illegible] یہ کی کہ ایک پرانی سینڈل اسی جگہ لے جا کر پھینک دی جہاں سے وہ نیم پاگل بوڑھا اُس کی پہلی سینڈل لے گیا تھا اور دُور ہی ایک بونے کو نگرانی کے لیے بٹھا دیا۔ اُس سے کہہ دیا کہ جب بھی وہ بوڑھا وہ سینڈل اٹھا کر لے تو اس کا تعاقب کیا جائے اور سونیا کو اطلاع دی جائے۔

اطلاع مل گئی تھی۔ سونیا اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں [illegible] تو وہ بوڑھا آہستہ آہستہ آگے بڑھتا جا رہا تھا اور بونا [illegible] فاصلے پر اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ سونیا نے ایک جگہ کار [illegible] دی۔ پھر اُن کے ذرا دُور جانے کا انتظار کرتی رہی۔ جب [illegible] دور نکل گئے تو پھر اُس نے کار اسٹارٹ کی اور آگے بڑھ[illegible] اُن کے قریب پہنچنے سے پہلے روک دی تاکہ وہ بوڑھا [illegible] نظروں میں رہیں۔ میں نے اُسے مخاطب کیا "ہیلو سونیا، [illegible] آگیا ہوں۔"

وہ ایک دم چُپ رہی۔ غصّے میں بھر گئی۔ میں نے [illegible] "کیا مجھ سے نہیں بولو گی؟"

اُس نے کہا "جب میں اس بوڑھے کا تعاقب کر[illegible] ہوں تم پہنچ جاتے ہو۔ اِس سے پہلے کہاں مر گئے تھے۔ [illegible] انتظار کرتے کرتے پریشان ہو گئی۔ اب خود ہی میں نے [illegible] ترکیب کی ہے۔ اب وہ مجھے دوبارہ مل گیا ہے۔ دیکھو [illegible] اگر اس بار تم اُسے مجھ سے چھین کر لے گئے تو اچھا نہیں ہو[illegible] تم آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ میں ایسے کون سے [illegible] استعمال کروں۔ کس طرح تمہاری منت کروں کہ تم میرا پیچھا چھوڑ [illegible]

"میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا۔ ہاں تم بڑی ذہین اور چالاک بنتی ہو۔ تم ہی مجھ سے پیچھا چھڑانے کی کوئی ترکیب سوچ لو۔"

اُس نے سر ہلا کر کہا "ہاں میں نے ایک تدبیر سوچی ہوئی ہے اور تم دیکھو گے کہ تم بہت جلد مجھ سے دُور ہو جاؤ[illegible]"

"ذرا میں بھی تو سنوں کہ تمہارے دماغ میں کیا ہے؟"

وہ بولی "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں بہت جلد شادی کر لوں گی۔ جب میں کسی کی ہو جاؤں گی تو اس وقت تمہارا جھوٹا عشق ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔"

واقعی اُس نے بہت اچھی تدبیر سوچی تھی۔ میں نے کہا "نہیں سونیا۔ تم سب کچھ کر سکتی ہو مگر مجھے چھوڑ کر کسی دوسرے سے شادی نہیں کر سکتیں۔"

"فرہاد تم دیکھتے رہو۔ بہت جلدی میں تمہاری یہ خوش فہمی ختم کر دوں گی۔"

ہماری گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ کیونکہ بونا دوڑتا ہوا سونیا کی طرف آ رہا تھا۔ اُس نے کہا "مادام وہ دیکھو۔ اس پاگل بوڑھے کو کوئی اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے جا رہا ہے۔ آپ فوراً اس کا تعاقب کریں۔"

سونیا نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھا۔ دُور وہ نیم پاگل بوڑھا ایک کار میں بیٹھ چکا تھا۔ سونیا نے فوراً ہی کار اسٹارٹ کی۔ اتنے میں وہ بونا اُس کی کار میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر وہ کار تیزی سے دوڑتی ہوئی آگے جانے والی گاڑی کا تعاقب کرنے لگی۔

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی جا رہی تھیں۔ سونیا کا خیال تھا کہ میریا کے دشمن اس وصیت نامے کا آدھا حصّہ حاصل کرنے کے لیے اس بوڑھے کو اپنے ساتھ کار میں بٹھا کر لے جا رہے ہیں تاکہ اس سے اس سینڈل کا پتہ معلوم کر سکیں۔ سونیا کا یہ خیال درست معلوم ہو رہا تھا۔ کیونکہ اس نیم پاگل بوڑھے سے اور کسی کو دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔

دس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد آگے والی گاڑی ایک بنگلے کے احاطے میں جا کر رک گئی۔ سونیا اس بنگلے سے دُور ہی کار روک کر باہر آئی اور انہیں دیکھنے لگی۔ بنگلے کے پاس کار سے ایک شخص اتر کر بوڑھے کو پچھلی سیٹ سے اتار رہا تھا۔ پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر بنگلے کے اندر لے جا رہا تھا۔ سونیا ایک طرف بڑھتے ہوئے کوٹھی کے دائیں جانب آئی۔ پھر چھوٹی سی حد بندی کو پھلانگ کر اس بنگلے کی طرف بڑھنے لگی۔ اُس کا خیال تھا کہ وہاں کوئی کتا پالا گیا ہو گا یا ملازم وغیرہ اُسے دیکھ لیں گے لیکن جیسے جیسے وہ قریب پہنچتی گئی۔ ویسے ویسے پتہ چلا کہ وہاں ویرانی ہے۔ کوئی ملازم نظر نہیں آ رہا تھا اور کوئی جانور بھی نہیں تھا۔ وہ بنگلے کے دروازے پر پہنچ گئی جس کے اندر وہ دونوں جا چکے تھے۔ وہ بھی دروازے سے بنگلے میں داخل ہو گئی۔

اندر پہنچ کر اُس نے دیکھا۔ اس بنگلے کا ہر کمرہ بڑی خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ رہائش کا اور نمائش کا تمام قیمتی سامان وہاں موجود تھا۔ پتہ چلتا تھا کہ وہاں کوئی امیر کبیر شخص رہتا ہے۔ وہ مختلف کمروں سے اور کوریڈور سے گزرتے ہوئے ایک ایسے کمرے میں پہنچی جہاں کہ ان تمام کمروں کی خوبصورتی کے برعکس بدصورتی تھی۔ یعنی بہت کچرے کا ڈھیر وہاں پڑا ہوا تھا اور وہ شخص اس بوڑھے سے باتیں کر رہا تھا اور وہ سینڈل جسے وہ بوڑھا سڑک کے کنارے سے اٹھا کر لایا تھا اُس کی کیلوں کو اکھاڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اولڈ مین معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی اس سینڈل میں تم کوئی اہم چیز لے کر آئے ہو۔ میں ابھی دیکھ لیتا ہوں۔"

اُس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بوڑھا جو کچرا اٹھا کر لاتا ہے وہ دوسرا شخص اس کچرے کی تلاشی لیتا ہے اور اُسے اندر تک ٹٹول کر دیکھتا ہے کہ شاید کوئی قیمتی چیز اُسے حاصل ہو جائے۔ اس نے چپل کی کیلوں کو اکھاڑ دیا تھا اور کھول کر دیکھنے کے بعد مایوس ہو کر کہہ رہا تھا "اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ آج تم پتہ نہیں کس کی سینڈل اٹھا کر لے آئے ہو۔ ٹھیک ہے اب اسے لے جا کر کچرا گھر میں پھینک دینا۔"

اسی وقت سونیا اس کچرے والے کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کی آہٹ سنتے ہی اس شخص نے چونک کر اُسے دیکھا۔ سونیا نے گہری سنجیدگی سے کہا "اچھا تو یہ بوڑھا جو کچھ اٹھا کر لاتا ہے تم اُس کی تلاشی لیتے ہو۔ یہ آج سے دو تین دن پہلے میری ایک سینڈل اٹھا کر لے آیا تھا۔ اس میں ایک وصیت نامے کا آدھا حصّہ چھپا ہوا تھا۔ میں نے اسے دشمنوں سے چھپا کر رکھا تھا۔ وہ سینڈل یقیناً تمہارے ہاتھ لگ گیا ہے اسی لیے آج بھی اس سینڈل کی کیلیں اکھاڑ کر تم کچھ اور تلاش کر رہے تھے۔"

"ہاں۔ یہی بات ہے۔" اس شخص نے کہا "اب سے پہلے

خواب سب دیکھتے ہیں۔
لیکن یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم خواب کیوں دیکھتے ہیں؟
سچے خواب کیا ہوتے ہیں؟ خوابوں کی تشریحات کیسے کی جا سکتی ہیں؟ ان کی تعبیریں کیا ہیں؟ خواب آدمی کی زندگی میں کیا اہمیت رکھتے ہیں؟ ان کی رہنمائی سے مستقبل کی تعبیریں کیا بدلی جا سکتی ہے؟ کیا وہ ہماری الجھنوں کے عکاس ہوتے ہیں؟
یا وہ ہماری الجھنوں کا حل بھی پیش کرتے ہیں؟
خوابوں کے بارے میں ماہرین کی کیا رائے ہے؟
خوابوں کے بارے میں مذاہب عالم کیا کہتے ہیں؟ یہ اور ایسے لاتعداد سوالوں کے مکمل جواب کے لئے ——— پڑھیئے!
خوابوں کے اسرار
قیمت ۱۵ روپے — ڈاک خرچ ۱۰ روپے
اے ایس صدیقی کے قلم سے
اردو میں پہلی بار ——— ایک بھرپور اور منفرد کتاب
مکتبہ نفسیات پوسٹ بکس ۹۴۴ کراچی

مجھے ایک سینڈل میں ایک وصیت نامہ ملا ہے۔ اس میں میریا کا نام لکھا ہوا ہے۔ کیا تمھارا نام میریا ہے؟"

سونیا نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "نہیں میرا نام سونیا ہے۔ میریا ایک اسپتال میں زیرِ علاج ہے۔ میں اُس کے لیے اُس کے وصیت نامے کو تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔ لاؤ وہ مجھے دے دو۔"

اُس نے کہا: "آؤ ہم ڈرائنگ روم میں چل کر باتیں کرتے ہیں۔ یہ میرا کاروبار ہے۔ اگر وہ چیز تمھاری ہے اور تم اُسے لینا چاہتی ہو تو میں انکار نہیں کروں گا لیکن اس کی قیمت ادا کرنی ہو گی۔"

وہ دونوں ڈرائنگ روم کی طرف جا رہے تھے۔ سونیا نے پوچھا: "تم اُس کی قیمت کیوں لو گے؟ جبکہ وہ چیز میری ہے یا میریا کی ہے اور میریا اُس کی حق دار ہے۔"

"میں اپنی محنت کی قیمت وصول کرتا ہوں۔ میرا یہی دھندا ہے۔ یہ جو اتنا شاندار بنگلہ اور میرا ٹھاٹ باٹ دیکھ رہی ہو۔ یہ سب کچھ میں نے اسی کچرے سے حاصل کیا ہے۔ میں اِس بوڑھے کو اپنا آلۂ کار بنا کر رکھتا ہوں۔ یہ جو چیزیں اِدھر اُدھر سے اٹھا کر لاتا ہے۔ پہلے میں اُسے دیکھتا ہوں۔ اس کی تلاشی لیتا ہوں۔ اگر اس کچرے میں سے مجھے کچھ حاصل ہو جاتا ہے تو میں اُسے رکھ لیتا ہوں۔ ورنہ اس بوڑھے کو واپس کر دیتا ہوں۔ وہ بوڑھا اُسے لے جا کر کسی کچرا گھر میں ڈال دیتا ہے۔"

سونیا نے حیرانی سے اپنے آس پاس دیکھتے ہوئے کہا۔ "اتنا شاندار بنگلہ، اتنا قیمتی سامان۔ تعجب ہے کہ یہ سب کچھ تم نے کچرے سے کیسے حاصل کیا؟"

وہ مسکرا کر ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا: "پندرہ برس پہلے میں بہت غریب تھا۔ میں سوچتا تھا کہ کیسے دولت مند بن جاؤں۔ پھر سوچتے سوچتے میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ انسان مٹی اور ریت بیچ کر بھی دولت مند بن جاتا ہے تو میں کچرے گھر سے کچرا سمیٹ کر دولت کیوں نہیں حاصل کر سکتا۔ پھر میں نے کچرے گھر میں بیٹھ کر انھیں کُریدنا شروع کیا۔ چیزوں کو ٹٹولنا شروع کیا۔ پہلے میں پرانے ڈبے اور بوتلیں جمع کر کے بیچتا تھا۔ انھی دنوں اِس بوڑھے سے ملاقات ہوئی۔ اِس بیچارے کی بیٹی کو پتہ نہیں کسی نے قتل کر دیا ہے یا کوئی اغوا کر کے لے گیا ہے۔ یہ اُس کی تلاش میں مارا مارا پھرتا تھا اور پاگل ہو گیا تھا۔ یہ اِدھر اُدھر سے چیزیں اٹھا کر لاتا تھا اور کچرا گھر میں پھینک دیتا تھا۔ ایک دن یہ ایک پرس اُٹھا کر لایا اور کچرا گھر میں پھینکنے لگا۔ میں نے اُس کے ہاتھ سے لے کر دیکھا تو اِس میں ہیروں سے جڑا ہوا سونے کا ایک ہار تھا جو بہت قیمتی تھا۔"

اُس نے ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا: "پھر ایک بار کچرا گھر میں مجھے ایک نوزائیدہ بچہ ملا۔ میں نے اُس کے والدین کی تلاش شروع کی۔ پتہ چلا کہ وہ ایک بہت بڑے خاندان کا چشم و چراغ ہے چونکہ شادی سے پہلے وہ بچہ پیدا ہو گیا تھا اِس لیے بدنامی کے ڈر سے وہ بچہ کچرا گھر میں پھینک دیا گیا تھا۔ میں نے اِس بچے کے ذریعے انھیں بلیک میل کیا اور ان سے لاکھوں ڈالر حاصل کیے۔"

سونیا نے پوچھا: "تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟"

اس نے جواب دیا: "چونکہ میریا کا وہ وصیت نامہ کروڑوں ڈالر کی مالیت سے تعلق رکھتا ہے اِس لیے میں پچاس ہزار ڈالر کا مطالبہ کرتا ہوں۔"

"یہ بہت ہے۔ وہ غریب اور بیمار لڑکی اتنی بڑی رقم ادا نہیں کر سکے گی۔"

"کوئی بات نہیں۔ وہ مجھے پرونوٹ لکھ کر دے کہ اُس نے مجھ سے پچاس ہزار ڈالر قرض لیے ہیں اور جیسے ہی اُسے جائداد ملے گی وہ میری رقم ادا کر دے گی۔ میں اِس پرونوٹ پر وہ وصیت نامہ دے دوں گا۔"

سونیا نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر اسپتال کے نمبر ڈائل کیے اور اس بونے ڈاکٹر سے رابطہ قائم کیا جو میریا پر عاشق تھا اور اُس سے شادی کرنے والا تھا۔ بونے ڈاکٹر نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا کہ پرونوٹ کی ضرورت نہیں ہے وہ اپنے کسی بونے کے ہاتھ پچاس ہزار ڈالر نقد بھیج رہا ہے وہ وصیت نامہ فوراً ہی اپنے قبضے میں لے لینا چاہیے۔

سونیا نے ریسیور رکھ کر اس شخص سے کہا: "تمھارے لیے پچاس ہزار ڈالر نقد آ رہے ہیں۔ تم وہ وصیت نامہ نکال کر لے آؤ۔"

وہ وہاں سے اُٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف جانے لگا۔ میں اس شخص کے دماغ کو کُریدنے لگا۔ آہستہ آہستہ پتہ چلا کہ وہ بہت ہی کاروباری قسم کا آدمی ہے۔ اُس نے سونیا کو اور بہت سی باتیں نہیں بتائیں کہ اس نے کچرا گھر سے اور کیا کچھ حاصل کیا ہے۔ کیونکہ وہ راز کی باتیں تھیں۔ اُس کی دولت مندی کا ایک راز یہ بھی تھا کہ ایک بار اُس نے اس پاگل بوڑھے کے لباس کی تلاشی لی تو اس میں سے ایک ایسا کاغذ نکلا تھا جس میں خفیہ پیغام درج تھا۔ اس سے پتہ چلا کہ کسی ملک کا جاسوس اپنے کسی دوسرے جاسوس کو کوئی بہت

اہم پیغام دے رہا ہے۔ وہ کاغذ ہاتھ لگتے ہی اُسے قبضے میں رکھ کر انتظار کیا کہ جن لوگوں نے پیغام بھیجا ہے اور اس کاغذ کو کچرا گھر میں رکھا ہے۔ وہ ضرور وہاں اُسے تلاش کرنے آئیں گے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کچرا گھر میں پہنچا تو کسی شخص کو کچھ پریشان سا پایا۔ پھر اُس نے پوچھا کہ وہ کیوں پریشان ہے اور کیا تلاش کر رہا ہے۔ اس شخص نے اپنی اصل بات نہیں بتائی کہ اُسے کس چیز کی تلاش ہے۔ تب اس کچرا گھر کے کاروباری نے اُسے بتایا کہ اس کے پاس ایک ایسا خفیہ پیغام ہے جو کسی دوسرے جاسوس کے لیے ہے۔ یہ سنتے ہی وہ چونک گیا اور اُس سے اس کاغذ کا مطالبہ کرنے لگا۔ اس دن کے بعد سے اس کچرا گھر کے کاروباری کا تعلق جاسوسوں سے بھی ہو گیا اور وہ ان کے درمیان ایک اہم کڑی بن کر پیغامات کو اِدھر اُدھر پہنچانے لگا۔ جس کا اُسے بہت زیادہ معاوضہ ملتا تھا۔

کچرا گھر ایسی جگہ ہے کہ جس کی طرف لوگ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے اور نفرت سے ناک پر ہاتھ رکھ کر گزر جاتے ہیں۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایسے ہی کچرا گھروں سے کتنے زبردست قسم کے کاروبار ہوتے ہیں کیسی کیسی سازشیں ہوتی ہیں اور کیسے کیسے راز ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائے جاتے ہیں۔

کچرا گھر کا کاروباری دوسرے کمرے میں آ کر ٹیلیفون کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ کسی سے رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے کہا: "میں ایک اہم کاغذ کا سودا ایک عورت سے طے کر رہا ہوں۔ اُس کا کوئی آدمی ابھی پچاس ہزار ڈالر لے کر یہاں آنے والا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ کوئی دھاندلی نہ ہو۔ اگر کوئی فراڈ ہوا اور مجھ سے وہ کاغذ زبردستی چھین کر لے جانے کی کوشش کی گئی تو تم لوگ انھیں روکنا اور اُن سے وہ کاغذ چھین لینا۔ فوراً میرے بنگلے کے پاس پہنچو اور ..... اُس عورت کو بھی دیکھ لو جو ابھی میرے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔"

میں نے سونیا کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "دیکھو وہ شخص اپنے آدمیوں کو تمھاری نگرانی کے لیے بلا رہا ہے۔ تم کوئی فراڈ کرو گی تو وہ لوگ تمھیں یہاں سے نکلنے نہیں دیں گے۔"

سونیا کی سوچ نے کہا: "مجھے جو کرنا ہے کر گزروں گی۔ پچاس ہزار ڈالر کوئی معمولی رقم نہیں ہے کہ میں اُسے دے کر چلی جاؤں۔ میں اُس سے وصیت نامہ لینے کے بعد وہ پچاس ہزار ڈالر بھی یہاں سے واپس لے جاؤں گی۔"

میں نے کہا: "اچھی بات ہے تو میں اس کچرا گھر کے کاروباری آدمی کو دماغی طور پر ٹریپ کرتا ہوں۔ وہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

سونیا نے کہا: "تمھارا شکریہ۔ لیکن میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ مجھے تمھاری مدد کی ضرورت نہیں۔ تم خواہ مخواہ میرے معاملات میں ٹانگ نہ اڑاؤ۔ اگر تم دیکھنا چاہتے ہو تو خاموشی سے دیکھتے رہو کہ میں یہاں سے کس طرح اس رقم کے ساتھ وہ وصیت نامہ بھی لے کر جاؤں گی۔ میرا نام سونیا ہے اور میں کسی کی محتاج نہیں رہتی۔"

"تم ضدی بھی ہو اور مغرور بھی۔ اگر میں تم پر لعنت بھیج کر چلا گیا تو پھر کبھی پلٹ کر تمھیں نہیں دیکھوں گا۔"

"وہ دن میرے لیے بڑا مبارک ہو گا جس دن تم مجھ پر لعنت بھیج کر چلے جاؤ گے۔"

"اچھی بات ہے تو میں آج ہی یہاں سے جا رہا ہوں اور تم اِس مبارک دن کی خوشیاں مناؤ۔"

یہ کہہ کر میں چپ ہو گیا۔ اُس کے پاس سے واپس آ جانا چاہیے تھا لیکن اس واقعے سے میری دلچسپی تھی کہ وہ وصیت نامہ کیسے میریا تک پہنچتا ہے اور سونیا کیا کرنا چاہتی ہے۔ اِسی لیے میں چپ چاپ اس کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ وہ سوچتی رہی کہ میں واقعی چلا گیا ہوں یا موجود ہوں۔ پھر اُس نے اس سوچ کو ذہن سے جھٹک دیا۔ یہ سوچ کر کہ شاید میں اُس کی سوچ پڑھ رہا ہوں گا اور یہ سمجھوں گا کہ وہ میرے متعلق بے اختیار سوچنے پر مجبور ہو گئی ہے اور وہ ایسی کوئی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ کچرے گھر کا کاروباری دوسرے کمرے میں بیٹھا اپنے آدمیوں کی آمد کا انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بونا پچاس ہزار ڈالر ایک بریف کیس میں رکھ کر لے آیا تھا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ لوگ بھی پہنچ گئے تھے جو سونیا کو گھیرنا چاہتے تھے تاکہ وصیت نامہ بغیر ادائیگی کے نہ لے جا سکے۔ جب وہ لوگ اس بنگلے کے ڈرائنگ روم میں پہنچے تو سونیا کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ وہ کچرے گھر کا کاروباری اس کمرے میں آیا تو ایک شخص نے کہا: "مسٹر یہ تو مادام سونیا ہیں۔ اگر یہ وصیت نامہ مفت لے جانا چاہیں گی تب بھی ہم انھیں نہیں روکیں گے۔ یہ ہمارے ماسٹر کا حکم ہے کہ ہم مادام کے راستے میں کبھی رکاوٹ نہ بنیں۔"

وہ کچرے گھر کا کاروباری حیران و پریشان ہو کر سونیا کو دیکھنے لگا۔ آنے والے لوگوں میں سے ایک شخص نے سونیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "مادام اگر آپ وہ وصیت نامہ لے جانا چاہتی ہیں تو ہمارے ماسٹر سے فون پر باتیں کریں۔ پھر وہ

جیسا حکم ہمیں دیں گے ہم ویسا اُس پر عمل کریں گے۔"
سونیا نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر ماسٹر موس ٹرونی کے نمبر ڈائل کیے۔ موس ٹرونی پیرس کا ماسٹر تھا اور سپر ماسٹر کی تنظیم سے تعلق رکھتا تھا۔ سونیا نے اُس سے رابطہ قائم ہونے کے بعد وہاں کے حالات بتائے۔ ماسٹر نے کہا: "مادام ہم آپ کے خادم ہیں۔ آپ بغیر کچھ ادا کیے ہوئے وہ وصیت نامہ وہاں سے لے جائیں۔ ویسے ایک گزارش ہے کہ آپ نے اب تک اپنا فیصلہ نہیں سنایا کہ آپ ہمارے لیے کام کریں گی یا نہیں؟"

سونیا ذرا دیر خاموش رہی۔ سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا: "میں ایک شرط پر کام کروں گی۔ پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میری اپنی ایک الگ اہمیت ہے یا مجھے فرہاد علی تیمور کی وجہ سے پوچھا جا رہا ہے؟"

ماسٹر موس ٹرونی نے کہا: "نہیں مادام آپ کی بھی الگ اہمیت ہے۔ آپ بہت ہی قابل اور باصلاحیت خاتون ہیں ہم آپ کی قدر کرتے ہیں۔"

سونیا نے کہا: "اگر مجھے فرہاد علی تیمور کی نسبت سے نہ سمجھا جائے اور اُس کے نام سے کبھی منسوب نہ کیا جائے اور مجھے ایک الگ اہمیت دی جائے تو میں اس تنظیم کے لیے کام کرتی رہوں گی۔ میں نے فرہاد علی تیمور سے ہمیشہ کے لیے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔ یہ بات تم اپنے سپر ماسٹر تک پہنچا دو۔ اگر اُسے منظور ہوگا تو میں اُس کے لیے کام کروں گی ورنہ اپنی الگ راہ اختیار کروں گی۔"

سونیا اچھی طرح جانتی تھی کہ میں ریڈ پاور اور سپر ماسٹر کی تنظیموں کے خلاف رہتا ہوں اور کبھی اُن کے لیے میں نے کام کرنے کی رضامندی ظاہر نہیں کی۔ ہمیشہ اُن کا مخالف رہا۔ لیکن سونیا میری مخالفت میں، میری ضد میں اس تنظیم کی رکن بننے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ میں یہ سوچ کر اُس کے دماغ سے نکل آیا کہ اب وہ جو چاہے سو کرے۔ میں اس کے معاملے میں آئندہ کچھ نہیں بولوں گا۔

ہماری لانچ سمندر کی سطح پر تیزی سے دوڑتی جا رہی تھی۔ میں عرشے پر کھڑا ہوا تاریکی میں یونہی دیکھ رہا تھا۔ اندھیرے کو دیکھتے رہنے سے جس کا بھی تصور قائم کیا جائے اس کی تصویر نگاہوں کے سامنے بہت صاف اور واضح ہو جاتی ہے۔ اب تک میں اس اندھیرے میں سونیا کی تصویر دیکھ رہا تھا اور اَب میں نے اُسے اپنے تصور سے مٹا دیا تھا۔ جب کبھی زندگی کے کسی موڑ پر میرا اس سے سامنا ہوگا تو میں دیکھوں گا کہ آئندہ بھی اس سے دلچسپی لے سکتا ہوں یا نہیں۔ بہرحال بار بار کے سمجھانے منانے کے باوجود وہ بہت ہی ہٹ دھرم اور ضدی نکلی۔ اُس نے مجھے بار بار ٹھکرایا اور اَب میری انانیت کا مسئلہ تھا۔ میری خودداری تھی کہ میں اُس کی طرف اَب دوبارہ مائل نہ ہوتا اور نہ ہی اَب اُس کے دماغ میں جھانک کر دیکھوں۔ میں نے آئندہ کے لیے توبہ کرلی۔

فی الحال میں نے اپنی داستانِ حیات سے سونیا کے باب کو بند کر دیا اور اندھیرے میں ممّی کی تصویر دیکھنے لگا۔ وہ اسپتال میں رسونتی کے پاس بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔ میرا ہی ذکر چھڑا ہوا تھا۔ وہ رسونتی کو سمجھا رہی تھیں کہ جب فرہاد اُن سے رابطہ قائم کرے گا تو وہ فرہاد سے کہیں گی کہ رسونتی سے بھی باتیں کرے۔ رسونتی یہ سن کر خوش ہو رہی تھی۔ اُس کی اَب یہ خواہش تھی کہ مجھ سے رابطہ قائم ہو۔

پہلے میں نے ممّی کو مخاطب کیا: "ہیلو ممّی میں آگیا ہوں۔ رسونتی کی طبیعت کیسی ہے؟"

ممّی نے کہا: "بہت دیر لگا دی۔ اتنے دیر سے کہاں غائب تھے؟"

میں نے کہا: "میں اپنی مہم میں مصروف تھا اور آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں کامیاب واپس جا رہا ہوں یعنی اپنے ملک میں دو گھنٹے بعد پہنچنے والا ہوں۔"

رسونتی نے پوچھا: "ممّی۔ آپ باتیں کرتے کرتے اچانک چپ کیوں ہو گئی ہیں۔ کیا سوچ رہی ہیں؟"

میں نے رسونتی کے دماغ میں جھانک کر اُسے مخاطب کیا: "ہیلو رسونتی میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

میری آواز سنتے ہی اس کا دل دھڑک گیا۔ وہ اندر سے بالکل بے چین ہو گئی۔ اُٹھ کر بیٹھ جانا چاہتی تھی لیکن بڑی کمزور تھی۔ ابھی وہ بری طرح بیمار تھی اور اس قابل نہیں تھی کہ خوشی کے اظہار میں اُٹھ کر بیٹھ سکے۔ میں نے کہا: "رسونتی لیٹی رہو۔ اُٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جس حال میں بھی رہو گی میں تمھارے پاس ہی رہوں گا۔"

رسونتی کا چہرہ خوشی سے کھل گیا تھا۔ ممّی نے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا: "کیوں بیٹی کیا فرہاد تم سے مخاطب ہے؟"

رسونتی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ پھر سوچ کے ذریعے مجھ سے بولی: "فرہاد یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میں کیا تھی۔ کیا ہو گئی ہوں؟"

میں نے تسلی دیتے ہوئے کہا: "گھبراؤ نہیں۔ زندگی میں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور تمھارے ساتھ تو ظلم زیادتی ہوئی ہے۔ دو بار ایسا ہوا کہ تمھیں دماغی طور پر بہت

نقصان پہنچایا گیا۔ پہلی بار میں نے تمھارے دماغ کو چوٹ پہنچائی تھی، دوسری بار دشمنوں نے پتہ نہیں کس قسم کی دوائیاں اور انجکشن تمھیں دیے ہیں کہ تم دماغی طور پر کمزور ہو گئی ہو لیکن فکر نہ کرو۔ رفتہ رفتہ صحت یاب ہو جاؤ گی۔ اَب میں نے ریڈ پاور کے لوگوں کو دھمکی دی ہے کہ اگر تمھاری طرف سے ذرا بھی غفلت برتی گئی اور علاج معقول نہ ہوا تو انھیں میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر سوچ کے ذریعے بولی۔ "کاش کہ میں ٹیلی پیتھی کا علم نہ جانتی تو میرا یہ حشر نہ ہوتا۔ میں عام عورتوں کی طرح کہیں پرسکون زندگی گزار رہی ہوتی۔"

"رسونتی خدا نے چاہا تو اب تمھاری زندگی میں آرام اور سکون رہے گا۔ میری پوری کوشش یہ ہوگی کہ تمھیں کوئی بھی ذرا سا بھی پریشان نہ کرے۔"

اُس نے کہا: "ہاں یاد آیا۔ ممّی سے کسی نے کہا تھا کہ فرہاد صاحب سے رابطہ قائم ہو تو اس سے ملایا جائے۔ شاید وہ ریڈ پاور کا ہی کوئی آدمی ہے اور یہ یقین کرنا چاہتا ہے کہ اَب بھی تم ہمارے پاس موجود رہتے ہو۔"

"اچھا ایک منٹ۔ میں اس سلسلے میں ممّی سے باتیں کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے ممّی کو مخاطب کیا کہ وہ اس شخص کو یہ اطلاع دے دیں کہ میں یہاں موجود ہوں اور اگر وہ مجھ سے باتیں کرنا چاہے تو میں دماغ کے ذریعے اُس سے رابطہ قائم کرلوں گا۔

انھوں نے پوچھا: "تم کیسے اُس کے دماغ میں پہنچو گے؟"

میں نے کہا: "اگر اس کا کوئی ٹیلیفون نمبر ہے تو آپ اُس سے فون پر باتیں کریں یا پھر اُسے بلالیں۔ جب آپ اُس سے باتیں کریں گی تو یقیناً میں اُس کی آواز، اُس کا لہجہ سن کر اُس کے دماغ میں پہنچ جاؤں گا۔"

ممّی اچھا کہہ کر وہاں سے اُٹھ گئیں اور کہیں ٹیلیفون کرنے چلی گئیں۔ میں نے رسونتی سے پوچھا: "کیا تمھیں ماضی کی ساری باتیں یاد آجاتی ہیں؟"

وہ بولی: "نہیں بہت دماغ پر زور دے کر سوچتی ہوں تو پتا جی اور وسنتی یاد آتے ہیں۔ اُن کی کچھ باتیں اور دھندلا چہرہ نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ میں سمجھتی ہوں کہ میں بہت سی باتیں بھلا چکی ہوں جو مجھے یاد نہیں آرہی ہیں اُن میں ایک ٹیلی پیتھی کا علم بھی ہے۔"

میں نے کہا: "میں سمجھتا ہوں کہ رفتہ رفتہ ساری یادداشت واپس آجائے گی اور اللہ نے چاہا تو ٹیلی پیتھی کا علم بھی تمھیں واپس مل جائے گا۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی: "نہیں۔ نہیں میں اس علم سے توبہ کرتی ہوں۔ مجھے نہیں چاہیے۔ میں کان پکڑتی ہوں اور اس علم سے باز رہنا چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں کسی دور ویرانے میں ایک چھوٹی سی کٹیا بنا کر رہوں اور وہاں تم بھی....."

یہ کہتے ہوئے وہ شرمانے لگی۔ میں نے اُس سے کہا۔ "اچھا تم تھوڑی دیر انتظار کرو۔ میں ممّی کے پاس جا رہا ہوں کیونکہ اس ریڈ پاور کے آدمی سے رابطہ قائم کرنا ہے۔"

یہ کہہ کر میں ممّی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ڈاکٹر کے کمرے میں جا کر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھانے کے بعد نمبر ڈائل کر چکی تھیں۔ دوسری طرف کسی نے پوچھا کہ کون ہے اور کس سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ ممّی نے اپنا تعارف کرایا اور اُس سے کہا کہ وہ مسٹر تھرمار کر سے باتیں کرنا چاہتی ہیں۔

چند سیکنڈ کے بعد تھرمار کر کی آواز سنائی دی: "ہیلو مادام کیا مسٹر فرہاد سے رابطہ قائم ہو گیا؟"

"ہاں رابطہ قائم ہو گیا اور میرا خیال ہے کہ اس وقت میرا بیٹا میرے دماغ کے ذریعے تمھاری باتیں سن رہا ہے اور اَب کسی بھی لمحے تمھارے دماغ میں بھی پہنچنے والا ہے۔"

میں نے تھرمار کر کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "مسٹر تھرمار کر میں تمھارے پاس پہنچ گیا ہوں اور ممّی سے کہہ دو کہ وہ ریسیور رکھ دیں۔"

تھرمار کر سوچنے لگا کہ دماغ میں یہ اُس کی اپنی سوچ ہے یا فرہاد بول رہا ہے۔ میں نے کہا: "میں ابھی اس کا ثبوت دیتا ہوں۔ تم یہ ارادہ کرلو کہ ریسیور نہیں رکھو گے لیکن میں یہ ریسیور رکھوا دوں گا۔"

اُس نے یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ ریسیور نہیں رکھے گا۔ اسی وقت میں نے پوری طرح اُس کے ذہن پر قابض ہو کر اس کی زبان سے کہا: "ممّی میں فرہاد بول رہا ہوں۔ اب تھرمار کر کے وجود میں سما گیا ہوں۔ آپ ریسیور رکھ دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں آپ کے پاس آؤں گا۔"

اتنا کہنے کے بعد تھرمار کر نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اب وہ ایک دم سے بوکھلا کر ریسیور کو اور اپنے خالی ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے بلند آواز سے کہا: "ہاں مجھے یقین آگیا۔ فرہاد صاحب آپ موجود ہیں۔ مجھے یقین آگیا۔"

میں نے کہا: "اَب مجھے بتاؤ کہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟"

"میں صرف اِس لیے ملنا چاہتا تھا کہ ہمارا ماسک مین یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ آپ برابر یہاں موجود رہتے ہیں یا نہیں۔ ہم لوگوں سے رابطہ قائم ہوسکتا ہے یا نہیں؟"

"میں ہمیشہ اپنی ممی اور رسونتی کے پاس موجود نہیں رہتا ہوں۔ آتا جاتا رہتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اُس کا علاج کس طرح ہو رہا ہے۔ ویسے میں موجودہ علاج سے مطمئن نہیں ہوں۔ اپنے ماسک مین سے کہو کہ اُسے جلد سے جلد صحت یاب بنانے کے لیے پوری کوششیں صرف کرے اور دُنیا کے بہترین ڈاکٹروں کو اُس کے علاج کے لیے مقرر کرے۔"

"آپ اطمینان رکھیں ایسا ہی ہوگا اور بہت جلد ہوگا۔"

"میں رسونتی کے پاس برابر آتا جاتا رہتا ہوں۔ اگر میں نے دیکھا کہ اُس کا علاج ویسے ہی ہو رہا ہے اور غفلت برتی جا رہی ہے تو پھر مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔ میں پھر تمھارے پاس آؤں گا۔ اس وقت جا رہا ہوں اور کچھ کہنا ہے؟"

اُس نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "جی نہیں، میں صرف آپ سے رابطہ قائم کر کے ماسک مین کو اطلاع دینا چاہتا تھا اور وہاں تک اطلاع پہنچا دوں گا۔ آپ کی آمد کا بہت بہت شکریہ۔ آیندہ بھی میں آپ کی آمد کا انتظار کروں گا۔"

اُس کی بات ختم ہوتے ہی میں رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ ممی اُس کے پاس آکر بیٹھ گئی تھیں۔ میں نے رسونتی سے کہا: "جانِ من میں اس آدمی سے ملاقات کر چکا ہوں اور میں نے اُسے سمجھا دیا ہے کہ تمھارے علاج پہ اور زیادہ توجہ دی جائے۔ انشاء اللہ تم جلد ہی صحت یاب ہو جاؤ گی۔"

"فرہاد اگر تم نہ ہوتے تو میرا کیا ہوتا۔ میں اس دنیا سے کب کی کُوچ کر چکی ہوتی۔ میری بہن اور پتا جی انھی سازشوں کا شکار ہو کر اس دنیا سے چلے گئے۔ ایک تم ہو کہ تم نے اَب تک مجھے سنبھالا ہوا ہے۔ اصل بات جب میں سوچتی ہوں کہ میں کیا ہوں اور میری زندگی کیا ہے تو سمجھ میں آتا ہے کہ اَب جو بھی میری زندگی ہے وہ تمھاری دی ہوئی ہے لو۔ تمھارے لیے ہی ہے اور اَب میں کبھی تم سے جھگڑا نہیں کروں گی اور اس زندگی کو خوشی سے تمھارے حوالے کروں گی۔"

"میں ہمیشہ سے تمھیں اپنا بنانے کی کوششیں کرتا رہا۔ کئی بار تم میری اپنی ہو کر پرائی ہو جاتی تھیں۔ بہرحال تم میری ہو اور میری ہی رہو گی۔ اس معاملے پر زیادہ نہ سوچا کرو۔ کھانے پینے کی طرف زیادہ توجہ دو اور ہمیشہ خوش رہا کرو۔ میں اَب ممی سے باتیں کر رہا ہوں۔ پھر تمھارے پاس آؤں گا۔"

یہ کہہ کر میں ممی کے پاس پہنچ گیا۔ پھر میں نے اُن سے پوچھا: "ممی۔ آج کل میرے ستارے کا کیا حال ہے۔ کیا آپ نے اسٹڈی کی تھی؟"

انھوں نے سر ہلا کر کہا: "ہاں بس برابر تمھاری نگرانی رہتی ہوں۔ تم سے کبھی رابطہ قائم نہیں ہوتا ہے تو میں تمھارا زائچہ لے کر بیٹھ جاتی ہوں اور تمھارے ستاروں کی چال کو دیکھتی رہتی ہوں۔ اَب تمھارے قریب ایک ایسا ستارہ آرہا ہے جو قریب آتے ہوتے بھی تم سے کترانا چاہتا ہے۔ آیندہ وہ تمھارے قریب رہے گا یا دُور ہو جائے گا یہ میں کہہ نہیں سکتی۔ آنے والے دن بتائیں گے۔"

میں نے پوچھا: "وہ میرے قریب آنے والا ستارہ کیسا ہے۔ کیا اُس کے متعلق کچھ معلوم کیا ہے؟"

انھوں نے کہا: "ہاں میرے علم کے حساب سے وہ تمھارا محافظ ستارہ ہے۔ آیندہ تمھارے لیے بہت اچھا ثابت ہوگا بشرطیکہ وہ تمھارے ساتھ ساتھ چلتا رہے۔"

مجھے اچانک مرجانہ کا خیال آیا۔ آج صبح سے مرجانہ ہی میرے قریب آرہی تھی اور مجھ سے کترا رہی تھی۔ میں نے ممی سے کہا: "میں ایک لڑکی کا نام بتا رہا ہوں۔ آپ اُس کے متعلق مجھے بتائیں کہ وہ کیسی ہے اور اُس کا مزاج کیا ہے اور اُس کے حالاتِ زندگی کے بارے میں جو کچھ بھی آپ بتا سکتی ہیں مجھے بتائیں۔ اس وقت وہ میرے ساتھ ایک لانچ میں سفر کر رہی ہے اور دوسری لڑکیوں کے ساتھ میرے ملک واپس جا رہی ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے مرجانہ کا نام بتایا۔ ممی نے اس نام کو دہراتے ہوئے کہا: "مرجانہ... ہوں۔ اس نام میں مین اے آتے ہیں۔ مین اے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لڑکی بہت ضدی، خود سر اور فولادی ارادوں کی مالک ہوگی۔ بہرحال میں تمام حروف کا تجزیہ کرنے کے بعد تمھیں بعد میں بتاؤں گی۔"

ممی کا اتنا کہنا ہی کافی تھا۔ کیونکہ انھوں نے مرجانہ کی پوری ہسٹری چند لفظوں میں پیش کر دی تھی۔ میں آدھے گھنٹے تک کبھی رسونتی سے اور کبھی ممی سے باتیں کرتا رہا۔ پھر اُن سے رخصت ہو کر دماغی طور پر لانچ میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت مرجانہ میری طرف آرہی تھی۔ اُس نے قریب آکر کہا۔ "ہم سب نے رات کا کھانا کھا لیا ہے کیا تم نہیں کھاؤ گے؟"

"اگر کھانا مل جائے گا تو کھا لوں گا۔"

"یہاں کوئی تمھاری خادمہ نہیں لگی ہوئی ہے کہ تمھارے پاس کھانا لے کر آئے۔ کچن میں جاکر کھا لو۔"

میں نے پوچھا: "کیا تم اسی لہجے میں دوسروں سے بھی باتیں کرتی ہو؟"

"نہیں۔ میں نے جب سے تمھیں ناصر پاشا کے ساتھ دیکھا ہے تب سے پتہ نہیں کیوں تم سے بھی نفرت ہو گئی ہے حالانکہ تم نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ تم ناصر پاشا جیسے نہیں ہو بلکہ تم نے بھی میری طرح وہاں قتل کیے ہیں اور ہنگامے برپا کیے ہیں۔"

"پھر کیوں مجھ سے سیدھے منہ باتیں نہیں کرتی ہو؟"

"ہاں جب میں غلطی کر لیتی ہوں تو بعد میں سوچتی ہوں کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے۔ بہرحال مجھے افسوس ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ تم سے دوستانہ انداز میں باتیں کر سکوں۔ جاؤ اَب کچن میں جاکر کھا لو۔"

"میرا خیال ہے کہ یہاں کچھ سردی زیادہ ہے۔ کیوں نہ میرے ساتھ کچن میں چلو۔ ہم کچھ باتیں کریں گے۔"

اُس نے پہلے سخت نظروں سے مجھے دیکھا۔ پھر نرم پڑ گئی۔ بولی: "ہاں چلو۔ میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

ہم دونوں وہاں سے عرشے سے اُتر کر نیچے کچن میں پہنچے۔ وہاں اُس نے آہستگی سے کہا: "دیکھو طارق یہاں سے میں جتنی دولت لے جا رہی ہوں یہ سب کی سب میری ہوگی۔ میں اُس میں... کسی کو حصّہ دار نہیں بناؤں گی۔ تمھیں پانچ دس ہزار ڈالر دے دوں گی۔ اس سے زیادہ کی اُمید نہ رکھنا۔"

میں نے مسکرا کر کہا: "مجھے پانچ دس ہزار بھی نہیں چاہئیں۔ تم نے یہاں اس جزیرے میں آنے کی جرأت کی تھی اور بہت نیک ارادہ لے کر آئی تھیں اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا تھا اس لیے یہ رقم تمھیں انعام کے طور پہ ملنا چاہیے۔ میں اس میں سے حصّہ نہیں مانگوں گا۔"

اُس نے مجھے تعجب سے دیکھ کر پوچھا: "کیا تمھیں دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا تم پہلے ہی بہت زیادہ دولتمند ہو؟"

میں نے کہا: "میں ایسا آدمی ہوں کہ جس نے کبھی بنک میں کوئی اکاؤنٹ نہیں کھولا۔ کبھی اپنی جیب میں زیادہ رقم نہیں رکھی۔ جب مجھے ضرورت ہوتی ہے تو میں کہیں نہ کہیں سے حاصل کر لیتا ہوں۔"

میں اپنے لیے ایک پلیٹ میں کھانا نکال کر کھانے لگا۔ وہ بولی: "تم دولت کیسے حاصل کر لیتے ہو؟"

"اِس دنیا میں کمانے کے ہزاروں لاکھوں ہتھکنڈے ہیں اُن میں سے کچھ میں بھی جانتا ہوں۔"

"کچھ مجھے بھی بتاؤ؟"

"ہمارا تمھارا ساتھ ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے اس لیے میں تمھیں بتا کر کیا کروں گا۔ اگر وعدہ کرو کہ ہم ہمیشہ دوست کی حیثیت سے رہیں گے اور تقریباً ساتھ ہی رہا کریں گے تو میں اپنی کمائی کا راز بتا دوں گا۔"

وہ گھور کر بولی: "مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں تم سے دوستی کروں۔ میں کسی مرد کو منہ نہیں لگاتی۔ یہاں سے پاکستان پہنچنے کے بعد ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے۔"

میں نے اُسے دیکھ کر ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے ہم پھر اجنبی بن جائیں گے۔"

وہ تنک کر بولی: "اے مجھے ایسی نظروں سے دیکھ کر ٹھنڈی آہیں نہ بھرو۔ ورنہ ایک ہاتھ پڑے گا تو ساری شوخی بھول جاؤ گے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کھانے میں مصروف رہا۔ وہ بولی: "میں نے سُنا ہے کہ تمھاری بیوی شہناز بہت ہی زیادہ حسین ہے۔"

"ہاں اُس کا حُسن بے مثال ہے لیکن وہ حُسن ہاتھی کے دانت ہیں۔ دکھانے کے لیے ہیں۔ اُن سے کھایا نہیں جا سکتا یعنی وہ مجھے کبھی اپنے قریب نہیں آنے دیتی۔"

"تعجب ہے تم کیسے مرد ہو کہ بیوی کے قریب نہیں جا سکتے اور اُس کے غلام بن کر رہتے ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ اُس کے بدن سے کچھ ایسی خوشبو پھوٹتی ہے کہ سامنے والے کو بالکل ہی مدہوش اور تابع فرمان بنا دیتی ہے۔ میں نے کئی بار سوچا کہ جبراً اُسے تابع کروں لیکن وہ خوشبو مجھے سحرزدہ کر دیتی ہے۔"

"تمھاری باتیں سُن کر میری دلچسپی شہناز سے بڑھ گئی ہے۔ وہ زرینہ بھی یہی کہتی تھی۔ میں دیکھوں گی کہ وہ کیسے سحرزدہ کر دیتی ہے۔ اگر تم بُرا نہ مانو تو کہوں تمھاری بیوی کو میں حاصل کر لوں گی۔"

میں نے انجان بن کر ہنستے ہوئے کہا: "تم بھی ایک لڑکی ہو۔ اگر میری بیوی کی گہری سہیلی بن جاؤ گی تو میرا کیا بگڑ جائے گا۔"

"بہت زیادہ بگڑ جائے گا مسٹر۔ تم کس خیال میں ہو۔ وہ میری دیوانی بن گئی تو تمھیں پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گی۔"

میں نے کہا: "تمھیں اپنے آپ پر بڑا ناز ہے۔ ایک تو تمھیں اپنی طاقت کا اور صلاحیتوں کا گھمنڈ ہے اور دوسرے

یہ کہ اپنے آپ کو ہیروئن سمجھتی ہو کہ جس کسی سے چاہو دوستی کرلو۔"

وہ بولی: "اچھی بات ہے۔ ذرا مجھے کراچی شہر پہنچنے دو۔ وہاں میں ان لڑکیوں کو اُن کے گھروں تک پہنچانے کے بعد ایک بار تمہاری بیوی سے ضرور ملاقات کرنے آؤں گی اور میں دیکھوں گی کہ وہ کیا چیز ہے ؟"

"چلو اچھا ہے۔ اس سے ملاقات کرنے آؤ گی تو مجھ سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔"

اُس نے مجھے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ میں نے کہا: "تم کچھ اور خیال نہ کرنا۔ میں اِس لیے تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں یا دوستی کرنا چاہتا ہوں کہ تم بہت زیادہ دلیر ہو۔ تم اتنی دلیر اور ایسی ضدی اور سرکش لڑکی ہو کہ تم سے کوئی جن ہی عشق کر سکتا ہے۔ ہمارے جیسے انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے۔"

میری یہ بات سن کر وہ سوچ میں گم ہوگئی۔ میں اس کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ وہ جن کے متعلق سوچ رہی تھی اور پریشان ہو رہی تھی: "یہ کیا بلا میرے پیچھے پڑ گئی ہے اور مجھے اس سے کیسے نجات حاصل کرنا چاہیے۔ اُس کے متعلق کوئی نہ کوئی تدبیر سوچتے رہنا چاہیے، ورنہ یہ جن مجھے خاصا پریشان کرے گا اور میرے مزاج کے خلاف باتیں کرے گا۔"

میں نے کھانا ختم کرتے ہوئے پوچھا: "معلوم ہوتا ہے تم پھر اس جن کے متعلق سوچ کر پریشان ہو رہی ہو۔ تمہارے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی ہے۔"

اُس نے سر اٹھا کر کہا: "ہاں میں بہت پریشان ہوں سوچتی ہوں اپنے ملک میں جانے کے بعد کسی عامل سے ملوں گی۔ سنا ہے کہ وہ لوگ اپنے علم سے جنات وغیرہ کو قابو میں کر لیتے ہیں اور اُن سے پیچھا چھڑا دیتے ہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "یہ عامل وغیرہ سب پیسہ کمانے کے دھندے کرتے ہیں ورنہ جنات کے متعلق تو یہی سنا ہے کہ اگر کسی لڑکی پر کوئی جن عاشق ہو جاتا ہے تو وہ مرتے دم تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی: "تم مجھے خوفزدہ کر رہے ہو۔ انسان اگر کوشش کرے تو کیا نہیں ہو سکتا۔"

"ہاں کبھی انسان کی ذاتی کوششوں سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں اور کبھی مصیبتوں کو ٹالنے کے لیے کسی دوست انسان کا سہارا لینا پڑتا ہے لیکن تمہارا مزاج ایسا نہیں ہے کہ تم کسی کو دوست بنا کر اُس کا سہارا تلاش کر سکو۔"

اُس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا: "تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ کیا تم میرے دوست بن کر اس جن سے نجات دلا سکتے ہو ؟"

میں نے کہا: "ہاں اگر انسان کوشش کرے تو کیا نہیں ہو سکتا۔ یہ تمہارے ہی الفاظ ہیں۔ میں تمہاری دوستی حاصل کرنے کے لیے اس جن سے تمہیں کسی نہ کسی طرح نجات دلانے کی کوئی تدبیر سوچ لوں گا۔ ویسے ابھی مجھے یاد آ رہا ہے کہ اِس دنیا میں ایک ہی شخص ایسا ہے جو تمہارے اس جن کا مقابلہ کر سکتا ہے اور اسے تمہارے پاس سے بھگا سکتا ہے۔"

اُس نے بیزاری سے پوچھا: "کون ہے وہ شخص مجھے اُس کا نام بتاؤ۔ میں اُس سے ملوں گی۔"

"اُس کا نام فرہاد علی تیمور ہے۔ وہ ٹیلی پیتھی کا ماہر ہے۔"

اُس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر بولی: "ہاں میں نے اُس کا ذکر سنا ہے۔ میرا استاد والٹسورڈ کئی بار اُس کا ذکر کر چکا ہے اور وہ کہتا تھا کہ فرہاد دوسروں کے دماغوں میں پہنچ کر ان کی سوچیں پڑھ لیتا ہے اور ان سے اپنی مرضی کے مطابق عمل کراتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے۔ تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

"میں اُسے نہیں جانتا۔ میں نے بھی اُس کا نام سنا ہے۔ اس کی تعریفیں سُنی ہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ اب اُسے تلاش کرنا ہمارا تمہارا کام ہے۔ وہ مِل گیا تو سمجھو تمہارا بیڑا پار ہو گیا۔"

ہم کچن سے باہر جانے لگے۔ مرجانہ نے پوچھا: "ہم اُسے کیسے تلاش کر سکتے ہیں۔ وہ کہاں مِل سکتا ہے ؟"

"یہ تو پتہ نہیں کہ کہاں مل سکتا ہے۔ یہ سوچنا ہوگا کہ اُسے کیسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ کوئی نہ کوئی تدبیر کرنی ہوگی۔"

"کیا تم نے کبھی اُسے دیکھا ہے ؟"

میں نے اپنی تعریف کرتے ہوئے کہا: "ہاں اُس کی تصویر دیکھی ہے اور سنا ہے کہ وہ بہت ہی مقناطیسی شخصیت رکھنے والا آدمی ہے۔ لڑکیاں اُسے دیکھتے ہی دل و جان سے عاشق ہو جاتی ہیں اور اس کی دوستی کی تمنا کرتی ہیں۔"

"اونہہ" مرجانہ نے ناگواری سے کہا: "یہ سب بکواس ہے اور مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اگر پرکشش ہوگا تو دوسری لڑکیوں کے لیے ہوگا۔ میں اپنے مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہتی ہوں اس سے زیادہ مجھے

فرہاد علی تیمور سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں ایسوں کو کبھی منہ نہیں لگاتی۔"

یہ کہہ کر وہ لڑکیوں کے ایک کیبن کی طرف چلی گئی۔ میں اسکیپر کے کیبن میں پہنچا تو اُس نے بتایا کہ ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم پاکستان کے اسی ساحل پر پہنچ جائیں گے جہاں احمد پاشا اپنی لانچ لے جایا کرتا تھا۔

میں اسکیپر کے پاس سے آکر دوسری جگہ عرشے پر کھڑا ہو گیا۔ مجھے ساحل پر پہنچنے کے بعد اُن لڑکیوں کو شہر تک پہنچانے کے انتظامات کرنے تھے اِس لیے میں نے مراد والوا کے دماغ میں جھانکنا شروع کیا۔

وہ بیچارہ اس دوران میں میرے لیے خاصا پریشان رہا تھا اور ہر رات ساحل کی اس بختہ عمارت کی طرف آکر مجھے تلاش کرتا تھا اور پھر ناکام ہو کر واپس چلا جاتا تھا۔ اِس وقت بھی وہ سوچ رہا تھا کہ آج رات بھی وہاں ساحل پر جانا مناسب ہوگا یا نہیں۔ طارق محمود کی واپسی کا کوئی ٹھیک نہیں ہے کہ وہ کب آئے گا۔ یقیناً وہ بہت زبردست دشمنوں میں جا کر گھر گیا ہے اور واپسی کی توقع بہت ہی کم ہے۔

میں نے اُس کی سوچ میں کہا: "نہیں وہ دلیر اور ذہین ہے۔ یقیناً دشمنوں پر غالب آجائے گا اور میرا دل کہتا ہے کہ آج وہ اس ساحل پر ضرور آئے گا۔ مجھے ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں جانا چاہیے۔"

اُس کی سوچ نے کہا: "ٹھیک ہے میں آج ایک رات اور جا کر دیکھتا ہوں۔ ورنہ پھر اُس کی طرف سے مایوس ہونا پڑے گا۔"

میں نے اُس کی سوچ میں کہا: "آج مجھے کم از کم دو تین ٹیکسیاں لے کر جانا چاہیے کیونکہ وہ جزیرے میں گیا ہے تو تنہا واپس نہیں آئے گا۔ اپنے ساتھ مظلوم لڑکیوں کو ضرور لے کر آئے گا۔ لہٰذا مجھے دو تین ٹیکسیاں ضرور لے جانی چاہئیں۔"

اس کی سوچ نے کہا: "نہیں۔ دو تین ٹیکسیاں لے جا کر کیا ہوگا۔ خواہ مخواہ پیسے بھی ضائع ہوں گے اور اُن ٹیکسی والوں کی باتیں بھی سُننی پڑیں گی۔"

لیکن میں نے بار بار اُس کی سوچ میں مجبور کیا کہ وہ کم از کم تین ٹیکسیاں لے کر ساحل پر پہنچے اور آج آدھی رات تک انتظار کرتا رہے۔ یقیناً طارق محمود واپس آئے گا۔ میں بڑی دیر تک اُس کے دماغ میں گونجتا رہا۔ میں نے اس وقت تک اُس کا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک اُس نے تین ٹیکسی ڈرائیوروں کو ساحل کی طرف چلنے کے لیے آمادہ نہیں کر لیا۔ جب وہ لوگ وہاں سے روانہ ہوگئے اور ساحل کی طرف جانے لگے تو میں مراد والوا کے دماغ سے نکل آیا۔

پھر میں نے جزیرے والوں کی خبر لی۔ پتہ چلا کہ وہاں صرف دو طیارے آئے تھے اور دونوں میں تمام لڑکیوں کے لیے گنجائش نکل آئی تھی اور وہ ساری کی ساری اپنے اپنے ملکوں کی طرف واپس چلی گئی تھیں اور اب جزیرے میں۔ چیئرمین اور دوسرے ٹھیکیدار اور ان کے ملازمین ہی باقی رہ گئے تھے۔

چیئرمین نے صحیح مشورہ دیا تھا کہ مرجانہ کو پہلے ہی لانچ کے ذریعے جزیرے سے چلے جانا چاہیے کیونکہ طیارے میں انجانے دشمن بھی آسکتے ہیں۔ اُس کی یہ بات کسی حد تک درست نکلی کیونکہ جو طیارے لڑکیوں کو لینے آئے تھے اُن میں کچھ اور جاسوس اور کچھ خطرناک قسم کے لوگ آئے تھے جو سازشوں کے ذریعے مرجانہ اور اُس کے جن تک پہنچنا چاہتے تھے۔ وہ آنے والے چیئرمین وغیرہ کو سمجھا رہے تھے اور مجبور کر رہے تھے کہ باقی لڑکیوں کو واپس

... وہ لوگ مرجانہ کے اس جن سے نمٹ نہیں سکے۔ چیئرمین اور دوسرے ٹھیکیدار اپنے ساتھیوں کا ہولناک انجام دیکھ چکے تھے اور کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے اس لیے انھوں نے زبردستی لڑکیوں کو واپس بھیج دیا۔ اب وہ طیارے وہاں سے واپس جانے والے تھے اُن میں یہ لوگ بھی جانے والے تھے اور ایک جاسوس بھی انھیں سمجھا رہا تھا کہ اس جزیرے کو خالی نہیں کرنا چاہیے۔ ہم تم لوگوں کی پوری طرح حفاظت کریں گے ایسے ہی وقت میں دماغی طور پر وہاں پہنچ گیا تھا اور اُن کی باتیں سُن رہا تھا۔ چیئرمین ناصر پاشا اور دوسرے ٹھیکیدار انکار کر رہے تھے کہ اب وہ کسی پر بھی بھروسہ نہیں کریں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت انھیں جن سے نجات نہیں دلا سکے گی۔ اگر انھوں نے یہاں پھر رہائش اختیار کی تو زندہ یہاں سے واپس نہیں جا سکیں گے۔ طیارے سے آنے والے جاسوس نے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگ اتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو کر کیسے کسی جن کے وجود پر یقین رکھتے ہیں۔ مجھے تو یہ سب کچھ بکواس لگتا ہے۔"

ایسے ہی وقت میں میں اس آئرن مین کے دماغ پر نازل ہو گیا۔ آئرن مین اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر اُس جاسوس کی طرف بڑھتا ہوا بولا "میں جن ہوں اور یہاں پہنچا ہوں اور اس وقت اس آئرن مین کے اندر سمایا ہوا ہوں۔ آؤ مجھ سے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے اس جاسوس کے منہ پر ایک اُلٹا ہاتھ رسید کیا۔ سامنے میں تمام مسلح گارڈز آ کر آئرن مین کو اپنی گرفت میں لینے لگے۔ جاسوس چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "اسے گرفتار کر لو اور نکلنے نہ دو۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں کہ یہ کیسا جن ہے۔"

جاسوس کے ساتھ آنے والے مسلح لوگ بھی آئرن مین پر ٹوٹ پڑے تھے اور اُسے بُری طرح جکڑ لیا تھا جاسوس نے اپنے جبڑے کو سہلاتے ہوئے کہا "مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو۔ اتنا یاد رکھو کہ میں کسی جن کے وجود پر یقین نہیں رکھتا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں ایک دوسرے مسلح گارڈ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر قہقہہ لگاتے ہوئے بولا "اب میں یہاں موجود ہوں۔ اس آئرن مین کو گرفتار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ یقین نہ ہو تو دیکھو میں کیسا جن ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے پھر ایک اُلٹا ہاتھ اُس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا کر کرسی پر بیٹھ گیا لیکن وہ بڑے ہی پختہ ارادے کا مالک تھا۔ اُس نے پھر اپنے منہ کو سہلاتے ہوئے کہا "مسٹر میں پھر کہتا ہوں کہ تم جن نہیں ہو سکتے۔ مجھ سے اپنی اصلیت نہ چھپاؤ۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ سب کچھ عمل کا کمال ہے۔ ہمارے علاوہ اس جزیرے سے باہر بھی جو لوگ یہاں کی واردات کے متعلق سُن چکے ہیں اُن سب کا یہی خیال ہے کہ آپ فرہاد علی تیمور ہیں۔"

اس مسلح گارڈ نے کہا "ساری دُنیا جو بھی چاہے قائم کرے۔ مجھے جن سمجھے فرہاد سمجھے یا اور بھی کسی دوسری ہستی سے مجھے منسوب کر لے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں اس جزیرے کو ان گناہ گاروں سے خالی کرانا چاہتا ہوں اور خالی کرا کے ہی دم لوں گا۔ اگر کل تک یہ جزیرہ خالی نہ ہوا تو یہاں رہنے والوں کا جو انجام ہو گا وہ ساری دنیا دیکھے گی۔"

اس جاسوس نے ایک گہری سانس لے کر کہا "مسٹر جن یا مسٹر فرہاد آپ جو کوئی بھی ہیں۔ اب جبکہ آپ سے براہِ راست گفتگو ہو چکی ہے تو میں اس نتیجے پر پہنچ گیا ہوں کہ آپ اپنے پُراسرار علم کے ذریعے ہمیں مجبور کر رہے ہیں اور ہم بالکل مجبور ہیں۔ لہٰذا آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ کل تک یہ جزیرہ بالکل خالی ہو جائے گا۔"

اس مسلح گارڈ نے کہا "اچھی بات ہے۔ اب میں اس گارڈ کے اندر سے جا رہا ہوں۔ کل پھر آ کر دیکھوں گا کہ یہاں کتنے لوگ رہ گئے ہیں۔"

یہ کہہ کر میں اس مسلح گارڈ کے دماغ سے نکل آیا لیکن وہیں موجود رہا۔ وہ لوگ اس گارڈ کو دیکھ رہے تھے جو اب خاصا حیران و پریشان نظر آ رہا تھا۔ چیئرمین نے کہا "ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ اس پُراسرار قوت سے مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ہمیں اس جزیرے کو ہر حال میں چھوڑنا ہے۔ اب آپ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمیں یہاں سے جانا ہی ہو گا۔"

جاسوس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "ہاں ہم کل تک یہاں سے چلے جائیں گے۔"

میں وہاں سے واپس آ گیا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ لانچ پاکستان کے اسی ساحل پر پہنچ گئی جہاں

وہ پختہ عمارت تھی اور جہاں میں نے ناصر پاشا سے دوستی کی تھی۔ میں وہاں پہنچنے کے وقت مراد وادا کے دماغ میں جھانک رہا تھا۔ وہ تین ٹیکسیاں لے کر وہاں پہنچ گیا تھا۔ ٹیکسیاں بہت دُور کھڑی ہوئی تھیں اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس عمارت کی دیوار سے لگا کھڑا ہوا تھا اور ساحل کی طرف بڑھتی ہوئی لانچ کو دیکھ رہا تھا۔

میں نے دوسری لڑکیوں کے ساتھ ساحل پر قدم رکھتے ہوئے مراد وادا کے دماغ میں کہا "ہو سکتا ہے کہ ان آنے والوں میں طارق محمود موجود ہو۔ مجھے اُسے آواز دینا چاہیے۔"

وہ کسی خطرے کے خوف سے آواز نہیں دینا چاہتا تھا لیکن میں نے اُس کے دماغ پر قابض ہو کر اُسے مجبور کیا تو اُس نے چیخ کر آواز دی "طارق محمود! اگر یہ تم ہو تو میں تمھارے لیے یہاں آ پہنچا ہوں۔"

اُس کی آواز سناٹے میں گونجتے ہی میں نے کہا۔ "مراد میں طارق محمود ہوں اور جزیرے کی مظلوم لڑکیوں کے ساتھ واپس آ گیا ہوں۔ آؤ یہاں سب دوست ہیں خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔"

میری آواز سنتے ہی وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوڑتا ہوا آیا۔ پھر میرے گلے سے لگ گیا اور میری پیٹھ کو تھپکتے ہوئے بولا "میں دو دن سے یہاں ہر رات آتا ہوں اور مایوس ہو کر چلا جاتا ہوں۔ آج میرا دل کہہ رہا تھا دماغ بار بار سمجھا رہا تھا کہ مجھے تین ٹیکسیاں لے کر یہاں آنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ آج تم ضرور لڑکیوں کے ساتھ واپس آؤ اسی لیے میں یہاں تین ٹیکسیاں لے کر آیا ہوں۔"

میں نے مرجانہ سے اُس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "مراد اس لڑکی سے ملو۔ اس کا نام مرجانہ ہے اور یہ بہت دلیر ہے۔ حیرت انگیز طور پر ایک ایسی فائٹر ہے جس کے مقابلے پر کوئی قدم جما کر نہیں رہ سکتا۔ اس نے جزیرے میں بڑے کارنامے دکھائے ہیں اور دشمنوں کو خاصا پریشان کیا ہے۔ ہماری کامیابی میں اس لڑکی کا بڑا ہاتھ ہے۔"

مراد وادا نے اُس کی طرف مسکراتے ہوئے کہا "بیٹی مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ تمھاری جیسی لڑکیاں اگر ہمارے ملک میں پیدا ہوتی رہیں تو کوئی ہماری بہو بیٹیوں کو میلی نظروں سے نہیں دیکھ سکے گا۔ آؤ ان لڑکیوں کو لے چلو۔ آگے ٹیکسیاں کھڑی ہوئی ہیں۔"

مرجانہ کو اب ان لڑکیوں کی اتنی فکر نہیں تھی وہ انھیں گناہ کے دلدل سے نکال لینے کے بعد اپنی ذمہ داری پوری کر چکی تھی اور اُن کی طرف سے مطمئن ہو گئی تھی۔ اُس کی بے اطمینانی صرف اس مال و دولت کے لیے تھی جسے وہ اپنے ساتھ لائی تھی اور اُسے سلامتی کے ساتھ اپنے گھر تک لے جانا چاہتی تھی۔

ساحل پر بڑے بڑے پیک کیے ہوئے ڈبے رکھے ہوئے تھے۔ ان ڈبوں میں وہ دولت چھپی ہوئی تھی۔ مرجانہ نے اُن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مراد وادا سے کہا "ان ڈبوں میں میرا ضروری سامان ہے۔ میں اسے بحفاظت اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔ انھیں اٹھانے میں میری مدد کیجیے پلیز!"

مراد وادا نے آگے بڑھ کر ایک ڈبہ اُٹھایا اور اُس کو اپنے کاندھے پر رکھ لیا۔ میں نے بھی یہی کیا۔ مرجانہ نے بھی اُن میں سے ایک ڈبے کو اُٹھایا۔ پھر اس طرح مراد وادا کے ساتھیوں نے بھی مدد کی اور ہم تمام لڑکیوں کے ساتھ چلتے ہوئے ٹیکسیوں تک پہنچ گئے۔ وہاں ٹیکسیاں تین مدد تھیں اور لڑکیاں زیادہ تھیں۔ پھر بھی کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کے اوپر لد کر وہ ٹیکسی کے اندر سما گئیں۔ سامان کو ڈگیوں میں رکھ دیا گیا۔ پھر وہاں سے ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔

اتنی ساری نوجوان اور بے پناہ حسین لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے کر آدھی رات کے بعد اس ویرانے سے گزرنا گویا قانون کی نظر میں خود کو مشکوک بنانا تھا۔ قانون کے محافظ اگر ہمیں گھیر لیتے تو یہی سمجھتے کہ ہم ان لڑکیوں کو اغوا کر کے کہیں لے جا رہے ہیں۔ اگر لڑکیاں ہماری حمایت میں بولتیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا کہ ہم انھیں کہاں سے لا رہے ہیں اور کہاں لے جا رہے ہیں پھر ان محافظوں کو خوشبو کے جزیرے کی پوری رام کہانی سنانی پڑتی جس پر وہ یقین نہ کرتے۔ اگر یقین کرتے تو پھر یہ بات عدالت تک پہنچتی اور بڑے پیمانے پر خوشبو کے جزیرے کے متعلق معلومات حاصل کی جاتیں اور یہ بات اخبارات میں آتی اور ان لڑکیوں کے شریف والدین بدنام ہو جاتے۔ مجھے اس بات کی فکر تھی کہ قانون کے محافظ ہم سے نہ ٹکرائیں اور ہم سلامتی کے ساتھ ان لڑکیوں کو اُن کے گھروں تک پہنچا دیں اور کوئی ہم سے پوچھنے والا نہ ہو۔

ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہی ہوا جس کا

تھا۔ چاروں طرف سے ہمیں ٹارچ کی روشنیاں نظر اور بندوقیں لیے ہوئے کوسٹ گارڈز بھی دکھائی دیے۔ ہم دیا جا رہا تھا کہ اپنی گاڑیاں روک دیں۔ ہم نے حکم ں کی۔ ایک آفیسر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہماری گاڑیوں ب آیا اور ٹارچ کی روشنی میں گاڑیوں کے اندر دیکھتے ہوئے بولا: "اچھا تو یہ ناصر پاشا کا مال ہے؟" کی بات سنتے ہی یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ناصر اسمگلر سے ایسے ہی لوگوں... کی واقفیت ہوتی شوت کے ذریعے اسمگلنگ کا کاروبار آگے بڑھتا میں نے اُس کے دماغ میں جھانک کر معلوم کیا تو درست نکلا۔ وہ ناصر پاشا سے اچھی خاصی رقمیں اور لڑکیوں کو وہاں سے گزرنے کی اجازت دے میں نے کہا: "جی ہاں۔ ہم پاشا صاحب کا مال شہر لے جا رہے ہیں۔ انھوں نے کہا تھا کہ اگر آپ سے ملاقات ہو... تو آپ کا حق آپ کو ادا کیا جائے مجھے رقم بھی بتائی تھی۔ اس وقت یاد نہیں آرہا لیے میں سوچ کر بتاتا ہوں۔"

میں نے سوچنے کے بدلے خاموشی سے اس ذہن کو ذرا سا کریدا تو پتہ چلا کہ وہ فی لڑکی کے پانچ سو روپے لیتا تھا، اس وقت ہمارے ساتھ ان تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت ار روپے ادا کرنے تھے۔ میں نے ڈالر کا حساب ے مرجانہ سے کہا: "تمھارے پاس جو رقم ہے اُس نو سو ڈالر نکال کر دے دو۔ یہ ان صاحب کا حق ہے لیے راستہ صاف ہو جائے گا۔"

مرجانہ نے نو سو ڈالر گن کر اُس کی طرف بڑھا دیے۔ شکریہ ادا کر کے مسکراتے ہوئے پیچھے ہٹ کر ہے: "کوئی بات نہیں، آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" ہماری گاڑیاں آگے بڑھ گئیں۔ میں رشوت دینے نہیں ہوں۔ جب میں باہر کے ملکوں سے گزرتا ہوا پاکستان میں داخل ہوا تھا تو اس وقت بھی میں والوں کو رشوت نہیں دی تھی لیکن اس وقت... ان کو عدالت تک پہنچنے سے محفوظ رکھنا تھا اور ان کے والدین ت کو بحال رکھنا تھا۔ اس لیے میں نے...

میں اُن لوگوں کے متعلق سوچتا ہوا دور شہر کی رہا۔ مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ وقت کیسے گزر گیا شہر میں پہنچ گئے۔

مرجانہ اپنی دولت کے ساتھ زرینہ کو لے کر جلد وہاں سے جانا چاہتی تھی اور لڑکیوں کا اور ہمارا ساتھ چھوڑ دینا چاہتی تھی۔ میں نے کہا: "دیکھو مرجانہ تمھارا سامان تینوں ٹیکسیوں میں موجود ہے۔ ایک ٹیکسی میں اتنے بڑے بڑے پیکٹ نہیں جا سکیں گے۔ جب تم تینوں گھر اپنے گھر لے جاؤ گی تو پھر ان لڑکیوں کو بھی ساتھ لے ہم انھیں ان کے گھروں تک پہنچانے کا بندوبست کر گے۔ جہاں تم نے اتنی ہمدردی کی ہے وہاں ان لوگوں کے ساتھ کچھ اور ہمدردی کرو اور صبح تک ان کا ساتھ دو۔"

میرے سمجھانے پر وہ راضی ہو گئی۔ پھر ہم مراد وا سے رخصت ہو کر تینوں ٹیکسیوں میں زرینہ کی کوٹھی کی روانہ ہو گئے۔ جب ہم کوٹھی کے سامنے پہنچے تو رات کے دو بج چکے تھے۔ کوٹھی کے دربان نے زرینہ اور مرجانہ کو پہچان کر بڑا پھاٹک کھول دیا۔ تینوں ٹیکسیاں احاطے میں داخل ہوئیں۔ گاڑیوں کا شور سن کر گھر والے باہر آئے۔ زرینہ کے والدین اپنی بیٹی کو دیکھ کر خوشی سے کھل گئے اور اسے گلے لگا کر پوچھنے لگے کہ وہ اتنے دنوں سے کہاں گم ہو گئی تھی؟

مرجانہ نے کہا: "انکل صرف زرینہ ہی نہیں بلکہ ہم لڑکیاں گم ہو گئی تھیں۔ انھیں اور ہمیں کس طرح اغوا کیا گیا۔ ہم پوری داستان سنائیں گے۔ پہلے گھر کے اندر چل کر آرام سے بیٹھیں۔"

زرینہ کے والد نے کہا: "ہاں ہاں آؤ سب کے سب آؤ۔ تم سب میری بیٹیاں ہو لیکن یہ شخص کون ہے؟"

اس نے میری طرف اشارہ کیا تھا۔ مرجانہ نے کہا: "ہمارا مددگار ہے۔ اس کی مدد سے ہم دشمنوں کے چنگل سے نکل کر یہاں تک آنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ہاں انکل ان ٹیکسیوں میں میرا بہت سا قیمتی سامان ہے اور وہ تمام پیکٹ اندر پہنچانے ہیں۔ ملازموں کو بلا لیجیے۔"

میں نے کہا: "ملازموں کی کیا ضرورت ہے۔ آؤ ہم سب مل کر سامان اٹھائیں اور اندر لے چلیں۔"

ہم سب نے مل کر بڑے بڑے پیکٹ اٹھائے۔ ٹیکسی والوں کو کرایہ ادا کیا۔ انھیں رخصت کیا۔ پھر ہم سب بڑے سے ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔ وہاں بیٹھ کر مرجانہ خوشبو کے جزیرے کے متعلق تمام داستان سنانے لگی۔ اُس نے یہ نہیں بتایا کہ زرینہ کیسے خوشبو کا غسل کرنے گئی تھی اور وہاں اس کی... تصویریں اتاری گئی تھیں۔

نے یہ بات چھپالی تاکہ اُس کے والدین زرینہ سے ناراض نہ ہوں۔

زرینہ کے والد نے کہا: "بیٹی! مانا کہ تم بہت دلیر ہو، لڑنے کا فن بھی جانتی ہو لیکن خوشبو کے جزیرے میں دشمنوں کے گھیرے میں رہ کر تم نے اتنی لڑکیوں کو رہا کیسے کرا لیا اور اُن کا مقابلہ تنہا کیسے کیا۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔"

زرینہ نے کہا: "ڈیڈی اگر ہم سچ بات بتائیں تو شاید آپ یقین نہ کریں۔"

اُس کے ڈیڈی نے کہا: "بیٹی جو سچ ہے وہ سچ ہوتا ہے۔ اس پر خواہ کوئی یقین کرے یا نہ کرے۔ بہرحال میں وعدہ کرتا ہوں کہ سچ کہو گی تو مجھے یقین آجائے گا۔"

زرینہ نے کہا: "ڈیڈی مرجانہ پر ایک جن عاشق ہو گیا ہے اور وہی اُس کی مدد کرتا رہا ہے۔"

مرجانہ نے گھور کر زرینہ کو دیکھا۔ زرینہ کے والدین حیرانی سے اپنی بیٹی کو دیکھ کر بولے: "تم اتنی پڑھی لکھی ہو کر جنات کی باتیں کرتی ہو۔ بھلا جن کا بھی کوئی وجود ہوتا ہے؟"

اُس کے بھائی جاوید نے بھی ہنس کر کہا: "یہ سب جنوں کی باتیں ہیں۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم لوگ دشمنوں کے بیچ سے کس طرح نکل کر آئی ہو۔"

زرینہ نے کہا: "میں پہلے ہی کہتی تھی کہ سچ بات پر آپ لوگ یقین نہیں کریں گے لیکن اس کا ثبوت جلد ہی مل جائے گا۔ وہ جن دوبارہ مرجانہ کے پاس آئے گا تو وہی اپنے وجود کا ثبوت پیش کر دے گا۔"

اس کی والدہ نے کہا: "وہ جن کب آئے گا اور کب ہمیں یقین آئے گا کہ تم لڑکیاں سچ کہہ رہی ہو۔ ہمیں تو شبہ ہے کہ تم سب مل کر باتیں بنا رہی ہو۔"

اُن کی باتیں ختم ہوتے ہی اُن کے بڑے بیٹے جمال نے ایک زور کا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: "میں جن ہوں۔ لاحول اس وقت حاضر ہو گیا ہوں۔"

سب لوگ اُسے چونک کر دیکھنے لگے۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: "میں کبھی اپنے بزرگوں کے سامنے گستاخی نہیں کرتا لیکن اس وقت میں آپ لوگوں کے سامنے سارا رقص پیش کروں گا۔"

یہ کہہ کر وہ ڈانس کرنے لگا۔ اس کے والدین حیرانی

کیا

آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی شخصیت کی اہمیت کو تسلیم کریں؟
آپ لوگوں سے اپنے احکامات کی تعمیل کروانا چاہتے ہیں؟

ہر انسان میں ایک مقناطیسی قوت ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ بڑے سے بڑا کام کر سکتا ہے۔ اس قوت سے کام لینے کے لیے ٹیلی پیتھی اور ہپناٹزم کی طرح مشقیں نہیں کرنا پڑتیں؛

جدید اور سائنٹیفک اصولوں پر مبنی حیرت انگیز کتاب

مقناطیسیت

آپ کی شخصیت میں انوکھا نکھار پیدا کر دیگی
آپ خود میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کریں گے

اس کتاب کا مطالعہ کیجئے
اور اپنے وجود کو ایک بہتر ذات بنا لیجئے!

قیمت -/۲۰ روپے

مکتبہ نفسیات
پوسٹ بکس ۴۴۹ کراچی

سے دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے رقص ختم کیا اور پھر کہا: "ممی اور ڈیڈی! اب میں دوسرا ثبوت یہ پیش کرتا ہوں کہ ایک بار ڈیڈی اپنی جگہ سے اُٹھیں گے اور بیٹھیں گے اس کے بعد آپ اٹھیں گی اور بیٹھیں گی۔ اسی طرح باری باری آپ دونوں اپنی اپنی جگہ سے اُٹھتے اور بیٹھتے رہیں گے۔ دیکھیے میرا کمال دیکھیے۔"

یہ کہہ کر جاوید خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ میں یہ تماشے چپ چاپ کر رہا تھا۔ اب میں زرینہ کے ڈیڈی کے دماغ میں پہنچ گیا تو وہ اٹھ کر کھڑے ہوئے، پھر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد زرینہ کی ممی کے دماغ میں پہنچا تو وہ بھی اُٹھ کر کھڑی ہوئیں اور بیٹھ گئیں۔ پھر اسی طرح وہ باری باری اُٹھنے اور بیٹھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے یہ تماشہ ختم کیا تو وہ حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ لڑکیاں ہنس رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں "بھئی اب تو یقین آجانا چاہیے کہ ایک جن کا وجود ہے اور وہ جن مرجانہ کا عاشق ہے۔"

زرینہ کی والدہ نے توبہ کی اور اُس کے والد نے کان پکڑ کر کہا: "بھئی ہم مان گئے کہ جن کا وجود ہے اور تم لوگوں نے جو داستان سنائی ہے وہ بالکل سچ ہے۔"

زرینہ نے پوچھا: "ڈیڈی! کیا آپ نے ہماری گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی؟"

انھوں نے جواب دیا: "نہیں، مجھے بدنامی کا ڈر تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر تم دونوں اپنی مرضی سے کہیں گئی ہو تو کبھی نہ کبھی لوٹ آؤ گی۔ اگر کسی نے اغوا کیا ہے تب بھی میں رپورٹ کرتا ہوں تو بدنامی بڑھے گی ۔ ۔ ۔ ۔ خاندان کے لوگ باتیں بنائیں گے۔ دنیا والے بھی ہم پر ہنسیں گے کہ جوان لڑکی پتہ نہیں کن لوگوں کے پاس رہ کر آئی ہے ہم یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے خاموشی سے تم دونوں کو تلاش کر رہے تھے۔"

پھر انھوں نے مرجانہ کو دیکھتے ہوئے کہا: "بیٹی! میں تم پر شبہ کر رہا تھا کہ تمھارا کیریکٹر ٹھیک نہیں ہے۔ تم میری بیٹی کو لے کر کہیں دوسرے لوگوں کے ساتھ چلی گئی ہو۔"

مرجانہ نے پوچھا: "انکل آپ نے میرے متعلق ایسی رائے کیوں قائم کی؟"

انھوں نے جواب دیا: "کرم دین نے مجھے ایسا سوچنے پر مجبور کر دیا۔"

کرم دین کا نام سنتے ہی مرجانہ چونک گئی۔ وہی تھا جس نے مرجانہ کے بچپن میں اُس کی ۔۔۔ کی تھی اور وہی یہ راز جانتا تھا کہ مرجانہ کس کی ۔۔۔ اور کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ چونک کر ۔۔۔ "کیا کرم دین سے پھر ملاقات ہوئی تھی؟"

زرینہ کے والد نے اثبات میں سر ہلا کر ۔۔۔ "قصہ یوں ہے کہ ایک دن تھانے سے ٹیلیفون آیا کہ کرم دین نامی شخص ہمارا حوالہ دے کر ضمانت حاصل ۔۔۔ ہے۔ کیا میں اس کی ضمانت لے سکتا ہوں۔ کرم ۔۔۔ نام سنتے ہی میں تھانے پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ ۔۔۔ کسی چوری کے الزام میں وہ پکڑا گیا تھا۔ میں ۔۔۔ کے سامنے کرم دین سے یہ وعدہ لیا کہ اگر میں ۔۔۔ دوں گا تو وہ فیصلہ ہونے تک میرے ہی گھر ۔۔۔ کوارٹر میں رہا کرے گا۔ کرم دین راضی ہو گیا تو ہم ۔۔۔ سرونٹ کوارٹر میں لے آیا۔ میرا مقصد یہی تھا کہ ۔۔۔ بھی تم زرینہ کے ساتھ واپس آؤ گی تو کرم دین ۔۔۔ اپنے والدین کے بارے میں معلومات حاصل کر لو ۔۔۔"

مرجانہ نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے ۔۔۔ "تو کیا کرم دین اس وقت بھی آپ کے سرونٹ ۔۔۔ میں ہے؟"

"ہاں۔ اس وقت رات کے تین بج رہے ۔۔۔ وہ سو رہا ہو گا۔ تم صبح اُس سے ملاقات کر لینا۔ ویسے ۔۔۔ نے ہی مجھے تمھارے خلاف بھڑکایا تھا اور مجھے ۔۔۔ دلانے کی کوشش کی تھی کہ تم بدچلن ہو اور ہماری زرینہ کو بھی بدچلنی کے راستے پر لے گئی ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم پر شبہ کیا۔"

مرجانہ اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولی: "کوئی ۔۔۔ نہیں انکل اب تو آپ کی یہ غلط فہمی دور ہو گئی ۔۔۔ میں ابھی جا کر کرم دین سے ملوں گی۔ صبح تک انتظار نہیں کر سکتی۔"

یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر تیزی ۔۔۔ ہوئی سرونٹ کوارٹر کی طرف جانے لگی۔ ہم گرما گرم ۔۔۔ پی رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ میں خاموشی سے صوفے پر بیٹھا مرجانہ کے دماغ میں موجود تھا۔ میں ۔۔۔ تھا کہ جیسے ہی مرجانہ کرم دین سے باتیں کرے تو ۔۔۔ دین کے دماغ تک پہنچ جاؤں اور اس طرح مجھے ۔۔۔ حاصل کرنے میں آسانی رہے۔

اُس نے سرونٹ کوارٹر کے دروازے پر پہنچ کر ۔۔۔ دی۔ اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر اُس نے ۔۔۔ دوسری بار دستک دی تو اندر سے نیند میں بڑبڑانے کی آواز آئی۔

مرجانہ نے زور زور سے دروازے کو پیٹتے ہوئے ۔۔۔ "کرم دین دروازہ کھولو۔ میں آگئی ہوں۔ اب تم مجھ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکو گے۔"

کرم دین کی نیند کا نشہ جیسے ہرن ہو گیا۔ اُس کی حیرانی بھری ہوئی آواز سنائی دی: "ایں۔ کون مرجانہ؟ تم ۔ ۔ ۔ ۔ تم یہاں آگئی ہو یا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟"

"دروازہ کھولو۔ میں ایک ہاتھ جما کر تمھیں خواب ۔۔۔ بھلا دوں گی۔"

وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا: "نہیں میں دروازہ نہیں کھولوں گا۔ کبھی نہیں کھولوں گا۔ ساری زندگی نہیں ۔۔۔ ہوں گا۔ بس میں اسی کمرے میں قید رہوں گا لیکن تمھارا سامنا نہیں کروں گا۔ تم کیسی بلا ہو؟ کہاں سے آگئی ہو؟"

"دیکھو کرم دین سیدھی طرح باہر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آ کر شرافت سے میرے والدین کا پتہ بتا دو۔ ورنہ اسی کمرے میں تمھیں موت آئے گی۔ کوئی تمھیں میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکے گا۔ سوچ لو میں یہاں کھڑی ہوئی ہوں اور اُس وقت تک یہاں رہوں گی جب تک کہ تم دروازہ نہیں کھولو گے خواہ کتنے ہی دن اور کتنی ہی راتیں گزر جائیں۔ میں دیکھوں گی کہ تم کس طرح بھوکے پیاسے اس کمرے میں رہتے ہو اور موت کو بلاتے ہو۔"

میں مرجانہ کے ذریعے کرم دین کے لب و لہجے تک پہنچ چکا تھا اور اب کسی وقت بھی اس کے دماغ میں پہنچ کر مرجانہ کے والدین کا راز معلوم کر سکتا تھا لیکن اسی وقت زرینہ کے ڈیڈی نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: "مسٹر ۔۔۔ اب آپ یہ بتائیں کہ ان لڑکیوں کو کس طرح اُن کے گھروں تک پہنچایا جا سکتا ہے؟"

میں نے کہا: "جناب ان میں سے سات لڑکیاں اسی شہر میں رہتی ہیں۔ صبح ہوتے ہی آپ انھیں ان کے گھروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ میں آپ سے اِس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ بزرگ ہیں۔ اِن لڑکیوں کے والدین ان کی مجبوریاں اچھی طرح بیان کر سکیں گے اور ان کے والدین آپ کی باتوں پر اعتبار بھی کر سکیں گے۔"

انھوں نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "ہاں یہ درست ہے۔ یہ میری زرینہ جیسی بیٹیاں ہیں۔ میں خود انھیں ان کے گھروں تک پہنچاؤں گا۔"

میں نے کہا: "باقی نو لڑکیاں دوسرے شہروں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اب ان کے ساتھ یہی ہو سکتا ہے کہ ان کے گھروں کے پتے نوٹ کیے جائیں۔ اگر ان کے گھروں میں ٹیلیفون ہیں تو ان کے نمبر بھی نوٹ کیے جائیں پھر ٹیلیفون کے ذریعے یا ٹیلی گرام کے ذریعے ان کے والدین تک یہ خبر پہنچائی جائے کہ یہ لڑکیاں آپ کی حفاظت میں آرام سے ہیں اور ان کے والدین یہاں آ کر انھیں لے جا سکتے ہیں۔"

زرینہ کے والد نے پھر تائید میں سر ہلا کر کہا: "ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ ان لڑکیوں کو تنہا ان کے شہروں میں نہیں بھیجنا چاہیے ورنہ میں تو ابھی بذریعہ طیارہ ان لوگوں کی روانگی کا انتظام کر سکتا تھا لیکن ان کا تنہا ۔۔۔ مناسب نہیں ہے۔ میں ان کے والدین کو یہاں بلاؤں ۔۔۔ اور انھیں سمجھا بجھا کر اپنی بیٹیوں کے ساتھ یہاں سے ۔ ۔ ۔ کروں گا۔ اس وقت تک یہ لڑکیاں میرے ہی گھر رہیں گی۔"

جاوید ایک قلم اور کاغذ کا پیڈ اٹھا کر لے آیا۔ وہاں بیٹھی ہوئی تمام لڑکیاں اس کاغذ کے پیڈ پر اپنے اپنے گھر کے پتے لکھنے لگیں۔ مجھے اُن کی طرف سے ذرا فرصت ملی تو میں پھر کرم دین کے دماغ میں پہنچ گیا۔

وہ سہما ہوا تھا۔ دبے قدموں چلتا ہوا دروازے کے پاس آگیا تھا اور کان لگا کر سن رہا تھا کہ باہر مرجانہ کی آہٹ ملتی ہے یا نہیں۔ وہ وہیں کھڑی ہوئی ہے یا چلی گئی ہے۔ وہ آہٹوں سے کچھ اندازہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا تو وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ آدھے گھنٹے تک خاموش اور بالکل ساکت کھڑی رہے گی اور یہ تاثر دے گی کہ وہ وہاں سے جا چکی ہے پھر کرم دین باہر نکلنے کے لیے دروازہ کھولے گا تو وہ اس کا گریبان پکڑ لے گی۔ جب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ مرجانہ آدھے گھنٹے تک کرم دین کو مخاطب نہیں کرے گی تو میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر زرینہ کے باپ سے معذرت چاہتے ہوئے سگریٹ پینے کے لیے باہر آ گیا۔ کوٹھی کے برآمدے میں کھڑے ہو کر میں نے ایک سگریٹ سلگایا اور پھر کرم دین کے پاس پہنچ کر اُس کے دماغ کو ٹٹولنے لگا۔

اس کے دماغ نے بتایا کہ آج سے تقریباً بیس برس پہلے وہ دہلی کے ایک بہت بڑے مسلمان گھرانے میں ملازم تھا۔ اس گھرانے کا مالک فوت ہو گیا تھا اور بیگم صاحبہ تنہا رہ گئی تھیں اور ہمیشہ سہمی سہمی سی رہتی تھیں۔ وہ ماں بننے والی تھیں۔ بیگم صاحبہ کا نام سائرہ بانو تھا۔ ایک دن سائرہ بانو نے کرم دین کو بلا کر کہا: "میں تم پر بہت اعتماد کرتی ہوں کیونکہ تم میرے مرحوم شوہر کے پرانے ملازم ہو۔ میں آج رات چپ چاپ اس حویلی سے نکل کر دور ایک دیہات میں جا کر رہنا چاہتی ہوں تاکہ وہیں بچے کی ولادت ہو اور تم میرے ساتھ رہو گے اور میں جیسا کہوں گی تم اس پر عمل کرو گے۔"

کرم دین راضی ہو گیا تھا۔ اسی رات وہ دونوں چپکے سے حویلی کو چھوڑ کر ایک بیل گاڑی میں بیٹھ کر دہلی سے روانہ ہوئے اور رات بھر چلتے رہنے کے بعد صبح ایک گاؤں میں پہنچ گئے۔ وہاں پہلے ہی بیگم صاحبہ نے اپنی رہائش کے لیے ایک جھونپڑی کا انتظام کیا تھا۔ وہاں وہ رہنے لگے۔ ولادت کا وقت قریب آ رہا تھا۔ پھر ایک دن انھوں نے کرم دین سے کہا: "تم دہلی اسٹیشن جاؤ۔ وہاں میری بہن طاہرہ بانو پاکستان سے آنے والی ہے۔ میں اس کی تصویر دے رہی ہوں۔ اس تصویر کے ذریعے تم اُسے پہچان سکو گے۔ پھر جب جان پہچان ہو جائے تو اسے بھی چپکے سے اسی گاؤں میں لے آنا۔"

کرم دین اس حکم کے مطابق دہلی کے ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ کئی میل کا سفر طے کرنے کے بعد وہ دہلی پہنچا۔ دوسرے دن وہ کافی انتظار کرنے کے بعد جب اس پلیٹ فارم پر پہنچا جہاں وہ ٹرین آئی تھی تو اس نے تصویر والی اس خاتون کو پہچان لیا۔ جس کا نام طاہرہ بانو تھا۔ اس نے تصویر دکھا کر اپنا تعارف کرایا۔ طاہرہ بانو نے مطمئن ہو کر پوچھا: "میری بہن کیسی ہے کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟"

کرم دین نے کہا: "نہیں بی بی جی میں ان کی حفاظت کر رہا ہوں۔ وہ ایک گاؤں میں ایک جھونپڑی میں رہ رہی ہیں۔ آپ کو وہیں بلایا ہے۔"

طاہرہ بانو اس کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ پھر کئی میل کا سفر طے کرنے کے بعد وہ دونوں اسی گاؤں کی جھونپڑی میں پہنچے۔ کچھ دنوں تک طاہرہ بانو نے وہاں قیام کیا۔ ایک رات کرم دین نے جھونپڑی کے باہر کھڑے ہو کر

اُن کی باتیں سنیں۔ طاہرہ بانو اپنی بہن س
پوچھ رہی تھیں: "آخر یہ خطرہ کب تک
منڈلاتا رہے گا؟"

اس کے جواب میں سائرہ بانو نے کہا
کروں میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر وہ زندہ
ان دشمنوں سے بچا کر رکھتے اور میری ہو
بھی صحیح سلامت رہتی لیکن وہ چاروں ا
دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ میرے ہونے وال
باپ ہیں۔"

طاہرہ بانو نے غصے سے کہا: "لعنت
پر وہ باری باری آ کر تمھارے پاس یہ دعو
وہ تمھارے ہونے والے بچے کے باپ
کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے؟"

سائرہ بانو نے کہا: "وہ بدمعاش بڑ
اثر اور رسوخ والے ہیں وہ کسی طرح کا بھ
کر سکتے ہیں۔ نہ بھی پیش کر سکیں تو مجھ اکیلی عورت
زیادہ پریشان کر سکتے ہیں۔ میں یہی چاہتی
کے فوراً بعد لڑکا ہو یا لڑکی تم اُسے لے کر
جاؤ۔ میں کرم دین کو تمھارے ساتھ بھیج دوں

طاہرہ بانو نے کہا: "ہاں میں اسے لے م
ہو سکتا ہے کہ وہ بدمعاش پاکستان تک
جیسا کہ تم بتا رہی ہو اس ملک سے اس ملک
اثر و رسوخ ہے تو وہ پاکستان میں بھی تمھا
نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

سائرہ بانو نے کہا: "ہاں میں اس پہلو
ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم کرم دین کو اپنے
جاؤ۔ کرم دین کو کسی دوسرے شہر میں میری ا
چھوڑ دو اور تم بدستور راولپنڈی میں رہو۔ و
کرم دین کو میرے بچے کے اخراجات کے
رہا کرو تو وہ وفاداری سے میرے بچے کی پر
رہے گا اور دشمنوں سے اُسے محفوظ رکھے گا
اس رات کرم دین کو نیند نہیں آئی۔
میں دونوں بہنوں کی باتیں گونجتی رہیں۔ دو
اور شرابی تھا۔ یہ بات . . . . سائرہ
تھیں۔ وہ اسے ایک وفادار اور سیدھا سا
کرم دین رات بھر سوچتا رہا کہ جب سائرہ
پاکستان پہنچ کر اس کے حوالے کی جائے گی

اولاد سے ماہانہ کتنا فائدہ حاصل ہوا کرے گا؟"

چند روز کے بعد ولادت ہوئی۔ سائرہ بانو نے ایک بچی کو جنم دیا۔ اس کے تیسرے دن طاہرہ بانو اس بچی کو لے کر اپنی بہن سائرہ بانو کو روتا بلکتا چھوڑ کر کرم دین کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئی۔ پھر پاکستان آ کر اس نے لاہور میں کرم دین کو چھوڑ دیا اور اپنے ایک عزیز سے سامنا کرا دیا اور اس سے کہہ دیا کہ ہر ماہ کرم دین کو پانچ سو روپے دے دیے جائیں۔ اب سے بیس برس پہلے پانچ سو روپے کی بڑی اہمیت تھی۔ کرم دین ان روپوں میں تین وقت کھا پی کر روزانہ شراب بھی پی سکتا تھا۔ اس لیے وہ راضی ہو گیا اور اس بچی کو جس کا نام مرجانہ رکھا گیا تھا ساتھ لے کر لاہور کے ایک علاقے میں رہنے لگا۔

ایک طویل عرصے تک وہ مرجانہ کے ذریعے پانچ سو روپے ہر ماہ حاصل کرتا رہا۔ پھر ایک دن وہ مرجانہ کو جوئے میں ہار گیا۔ اس کے بعد بھی وہ اس بات کو طاہرہ بانو سے اور اس کے عزیز سے چھپائے رہا۔ انھیں پتہ نہیں چلنے دیا کہ وہ مرجانہ کو جوئے میں ہار چکا ہے اور مرجانہ اب اس کے پاس نہیں بلکہ شیدے پہلوان کے پاس رہتی ہے۔ پھر ایک سال بعد طاہرہ بانو راولپنڈی سے لاہور آئی تو اس نے دور سے مرجانہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ کرم دین طاہرہ بانو کو شیدے کے گھر کی طرف لے گیا اور بتایا کہ اس گھر میں مرجانہ رہتی ہے۔ اس کے دوست کا گھر ہے اور وہاں وہ محفوظ ہے۔ طاہرہ بانو نے دور سے مرجانہ کو دیکھا۔ وہ اپنے گھر سے نکل کر ایک رکشے میں بیٹھ کر جوڈو کراٹے سیکھنے کے لیے جا رہی تھی۔ طاہرہ بانو مطمئن ہو گئی اور راولپنڈی چلی گئی۔

کرم دین اسی طرح طاہرہ بانو کو دھوکا دیتا رہا۔ پھر اس نے پانچ سو سے ہزار روپے تک کا مطالبہ کیا اور یہ جواز پیش کیا کہ مرجانہ اب بڑی ہوتی جا رہی ہے اس کے اخراجات بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس لیے پانچ سو میں گزارا نہیں ہوتا۔ طاہرہ بانو نے اسے بھی تسلیم کر لیا اور اسے ہزار روپے ماہانہ دینے لگی۔ جب مرجانہ جوان ہونے کے بعد لاہور سے کراچی روانہ ہوئی تو ان دنوں کرم دین لاہور چھوڑ کر کراچی چلا گیا تھا اور اب طاہرہ بانو کو بلیک میل کر رہا تھا۔ یہ دھمکی دے رہا تھا کہ اگر اسے دو ہزار روپے ماہانہ نہ دیے گئے تو وہ مرجانہ کو اس کے دشمنوں کے حوالے کر دے گا۔ وہ ان چار بدمعاشوں کو جانتا ہے جو مرجانہ کے باپ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ لڑکی کو ان بدمعاشوں [illegible] دے گا۔

طاہرہ بانو نے دو ہزار کا مطالبہ بھی تسلیم [illegible] کہا کہ وہ ایک بار مرجانہ کی صورت دکھا دے [illegible] نے کہا کہ اب وہ مرجانہ کو اس کے سامنے نہیں [illegible] اور اب مرجانہ شیدے پہلوان کے پاس بھی نہیں [illegible] بلکہ کراچی آ گئی ہے۔ کرم دین اچھی طرح سمجھتا [illegible] اب بچی نہیں رہی ایک بار بھی اگر طاہرہ بانو [illegible] ہوا تو وہ طاہرہ بانو کے ذریعے اپنی ماں تک [illegible] اس لیے وہ طاہرہ بانو اور مرجانہ کا سامنا کرا [illegible] تھا اور مرجانہ کو بھی ان کا پتہ نہیں بتانا چاہتا [illegible] ماہانہ آمدنی سے ہاتھ دھونا اسے گوارا نہ تھا۔

یہاں تک کرم دین کی سوچ پڑھ لینے [illegible] نے اس کی سوچ میں سوال کیا کہ طاہرہ بانو کا [illegible] وہ راولپنڈی میں کہاں رہتی ہے۔ اس کی سو[چ] [illegible] دیا کہ زیرو پوائنٹ کے پاس ایک کوٹھی ہے [illegible] رہتی ہے اور اس کوٹھی کا نمبر بھی اس نے بتا [illegible] اس پتے کو ذہن نشین کر لیا۔ پھر یہ سوچنے لگا [illegible] متعلق جو معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ کس [illegible] مرجانہ کی والدہ سائرہ بانو کی ہسٹری مکمل [illegible] نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ خاتون کس لیے سہمی ر[ہتی] [illegible] وہ چار بدمعاش کیوں مرجانہ کے باپ ہو[نے] [illegible] کر رہے تھے۔ آخر کس بنیاد پر دعویٰ کر رہے [illegible] تو ٹھوس ثبوت ہوگا یا ہو سکتا ہے ان چاروں [illegible] کے ساتھ کچھ وقت اس طرح گزرا ہو کہ وہ باپ بننے کا دعویٰ [illegible] اس طرح مرجانہ کی ولدیت مشکوک ہو جاتی تھی۔ [illegible] طاہرہ بانو کے ذریعے معلومات حاصل ہو سکتی تھیں کہ سا[ئرہ] [illegible] اصل ہسٹری کیا ہے اور وہ خود ابھی تک زندہ [ہیں یا] نہیں؟ اگر زندہ ہیں تو کہاں ہیں؟

میں نے مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر [illegible] طرح سرونٹ کوارٹر کے دروازے کے دائیں [illegible] دیوار سے پیٹھ لگائے چپ چاپ کھڑی ہو [illegible] نے کرم دین کے دماغ میں پہنچ کر اسے قہقہہ لگا[نے پر] مجبور کیا۔ پھر کرم دین نے کہا "میں تمہارا عاشق [ہوں] مرجانہ! میں تمہارا عاشق ہوں اور اس کم بخت [illegible] کے اندر سما گیا ہوں۔ اب تو اس کا باپ بھی [illegible] کھو لے گا۔ تمھیں چپ چاپ کھڑے رہ[نے] [illegible]

[ضر]ورت نہیں ہے۔ یہ لو میں اس سے دروازہ کھلوا رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی کرم دین نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول [دیا]۔ مرجانہ دروازے پر کھڑی ہو کر اسے گھور گھور کر دیکھنے [لگی]۔ کرم دین نے کہا "مجھے اس طرح نہ دیکھو۔ کیونکہ اس [وق]ت کرم دین اپنے آپ میں نہیں ہے۔ میں تمہارا [عا]شق ہوں۔ اب یہ کرم دین تمھیں یہاں بیٹھ کر ساری [باتیں] بتائے گا۔ میں جو معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ وہ [ا]س کی زبان سے سنو۔"

مرجانہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے میں آئی اور [چ]ارپائی پر بیٹھ گئی۔ کرم دین اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھ کر [بو]لنے لگا۔ وہی باتیں سنانے لگا جو میں اس کے دماغ کے ذریعے سن چکا تھا اور یہ سب کچھ میں ہی اس کی [ز]بان سے مرجانہ کے سامنے اگلوا رہا تھا۔

مرجانہ غصے میں بھری ہوئی اس کی باتیں سن رہی تھی۔ جب ساری باتیں وہ کہہ چکا تو مرجانہ نے کہا "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میری ماں باحیا اور شریف خاتون نہیں تھیں بلکہ ایسی عورت تھی کہ چار چار آدمی میرے [ب]اپ ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ میں یہ بات تسلیم نہیں [ک]ر سکتی۔ تم میری ماں کو گالی دے رہے ہو۔"

کرم دین نے کہا "میں گالی نہیں دے رہا ہوں بلکہ جو کچھ سنا ہے وہ کہہ رہا ہوں۔ میں نے جھونپڑی کے باہر [ک]ھڑے ہو کر تمہاری والدہ اور تمہاری خالہ کی باتیں سنی تھیں اور وہ ادھوری باتیں تھیں۔ وہ چاروں بدمعاش کون ہیں اور کس بنیاد پر تمہارے باپ ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں یہ میں نہیں جانتا۔ اگر تم اصلیت معلوم کرنا چاہتی ہو تو راولپنڈی اپنی خالہ طاہرہ بانو کے پاس جا کر معلومات حاصل کرو۔ میں تمھیں پتہ بتا رہا ہوں۔"

مرجانہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر بولی "میں کل ہی راولپنڈی جاؤں گی اور سن لو کرم دین تمھیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ تاکہ تم یہ ثابت کر سکو کہ میں ہی اپنی ماں سائرہ بانو کی بیٹی ہوں۔"

کرم دین نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "مجھے کرم دین [سمج]ھ کر میرے محبوب لہجہ کر مخاطب کرو۔ میں تمہارا عاشق ہوں اور کرم دین کے اندر سمایا ہوا ہوں۔ کیا اتنی جلدی بھول گئی ہو۔"

مرجانہ نے اسے [illegible] بیزاری سے دیکھا۔ پھر بولی "مسٹر جن تم تو کمبل بن گئے ہو۔ کیا عشق کے سوا کوئی دوسری بات نہیں کر سکتے۔ بہر حال میں اپنے مسئلے میں بہت زیادہ الجھی ہوئی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ کرم دین مجھے دھوکا دے کر کہیں بھاگ نہ جائے۔ کیا تم اس بات کی ذمہ داری لیتے ہو کہ یہ کہیں نہیں جائے گا اور راولپنڈی تک میرے ساتھ چلے گا؟"

کرم دین نے کہا "ہاں میں وعدہ کرتا ہوں کہ کرم دین کا ... وجود تمہارے ساتھ راولپنڈی تک جائے گا۔ اسے فی الحال آزاد چھوڑ دو۔ اگر یہ کہیں بھاگ کر جائے گا بھی تو میں اسے پکڑ کر تمہارے پاس لے آؤں گا۔ تم اس کے لیے بھی طیارے میں سیٹ ریزرو کرا لو۔ طیارہ پرواز کرنے سے پہلے میں اسے اس سیٹ پر لے جا کر بٹھا دوں گا یہ میرا وعدہ ہے۔ فی الحال تمھیں کرم دین کی طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ڈرائنگ روم میں جاؤ اور وہاں لڑکیوں کا مسئلہ حل کرنے کے بعد آرام کرو۔ بہت تھکی ہوئی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے خوبصورت چہرے پر تھکن کے آثار نہ ہوں۔"

مرجانہ کو پھر اس کی آخری بات بری لگی لیکن وہ اسے برداشت کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئی اور ڈرائنگ روم کی طرف آنے لگی۔ میں نے بھی کرم دین کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔

کرم دین بوکھلا کر دروازے کو دیکھنے لگا اور اپنے سر کو ہلاتے ہوئے سوچنے لگا کہ یہ دروازہ کیسے کھل گیا؟ کیا مرجانہ میرے کمرے میں آئی تھی؟ اگر نہیں آئی تھی تو کیا وہ کہیں چلی گئی ہے! اور اگر چلی گئی ہے تو یہ اچھا موقع ہے مجھے فوراً یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ یہ سوچتے ہی وہ سہمے ہوئے انداز میں دروازے تک آیا۔ باہر جھانک کر دیکھا تو مرجانہ نظر نہیں آئی۔ اسی وقت وہ تیزی سے بھاگتا ہوا کوٹھی سے دور ہوتا چلا گیا۔ میں نے اسے بھاگنے دیا۔ مجھے اطمینان تھا کہ جب چاہوں گا اس کی کھوپڑی کو اپنی گرفت میں لے کر مرجانہ کے پاس پہنچا دوں گا۔

میں کوٹھی کے برآمدے میں کھڑا ہوا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ مرجانہ سرونٹ کوارٹر کی طرف سے کوٹھی کی طرف آ رہی تھی۔ مجھے برآمدے میں دیکھتے ہی ٹھٹھک گئی ———

پھر نرمی سے بولی "تم یہاں کھڑے ہوئے ہو۔ کیا اپنے گھر نہیں جاؤ گے؟"

میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی محبت سے کہا "مرجانہ میں تم سے بہت متاثر ہوں۔ ہم نے کچھ وقت

ساتھ گزارا ہے اور بڑے مشکل مرحلوں سے گزر کر آئے ہیں۔ اتنی جلدی ایک دوسرے سے بچھڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ میں تم سے کوئی عشق و محبت کی باتیں نہیں کر رہا ہوں محض دوستی کی بات ہے۔ کیا میرے یہاں سے جانے کے بعد دوبارہ ہماری ملاقات نہیں ہو سکے گی؟"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے سامنے آکر کھڑی ہوگئی پھر اسی طرح نرمی سے بولی: "زندگی میں بہت سے موڑ آتے ہیں، کبھی لوگ ملتے ہیں کبھی بچھڑ جاتے ہیں اگر زندگی میں پھر کوئی ایسا موڑ آیا جہاں ہم مل سکیں تو ضرور ملیں گے ورنہ ہمارے ایک ساتھ گزرے ہوئے دنوں کی یادیں ہمیں ایک دوسرے کی یاد دلاتی رہیں گی اور اس طرح ہم دور رہ کر ایک دوسرے کو عقیدت سے یاد کرتے رہیں گے۔ میں یہی چاہتی ہوں کہ دوری رہے اور دوری کی محبت بہت اچھی ہوتی ہے۔ اب تم جاؤ اور اپنے گھر جا کر آرام کرو۔ میں بھی سونے کے لیے جا رہی ہوں۔"

ایسا کہتے ہوئے اس کی نظریں مجھ پر ٹھہر گئیں میری نظریں بھی اس پر جمی ہوئی تھیں۔ چند ساعتوں تک ہم ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے پھر وہ نظریں پھیر کر کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ میں نے ایک گہری سانس لی پھر وہاں سے آگے بڑھ کر کوٹھی کے احاطے سے نکلنے لگا۔ باہر آ کر میں نے گھڑی دیکھی تو صبح کے پانچ بجنے والے تھے۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک طرف جانے لگا۔ آگے جا کر ایک ٹیکسی ملی تو میں نے اسے لالو کھیت چلنے کے لیے کہا۔ پھر اس میں بیٹھ کر میں مراد دادا کے گھر تک پہنچ گیا۔

مراد دادا رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ اس وقت سو رہا تھا۔ اس کے ایک جوان بیٹے نے مجھے گھر میں آنے کے لیے کہا۔ میں نے اس سے کہا: "نہیں۔ اس وقت میں بھی گھر جا کر سونا چاہتا ہوں۔ مراد دادا کو بھی آرام کرنے دو۔ میں صرف اپنی بلی کو واپس لینے آیا ہوں۔"

ایسا کہتے ہی مجھے میاؤں کی آواز سنائی دی۔ میں نے آواز کی سمت دیکھا تو سامی ایک کھڑکی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ نظریں ملتے ہی وہ چھلانگ لگا کر زمین پر آئی۔ پھر وہاں سے اچھل کر میری گود میں آگئی۔ میں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ وہ میرے سینے پر اور بازوؤں پر اپنے سر کو رگڑنے لگی اور اپنی محبت کا اظہار کرنے لگی۔ میں اسے لے کر پھر اسی ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ پھر میں نے اسے شہناز کی کوٹھی کا پتہ بتایا تو ٹیکسی ڈرائیور نے اس [illegible] رُخ کر لیا۔

اس وقت صبح کے چھ بج چکے تھے [illegible] کرنا چاہتا تھا کہ شہناز سو رہی ہے یا بیدار [illegible] میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا [illegible] آئی۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک کمرے میں بند ہے [illegible] کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا ہے۔ دروازے [illegible] ایک رئیس زادہ بیٹھا ہے اس رئیس زادے کے دو مددگار [illegible] کو حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ [illegible] کھول کر شہناز کے کمرے میں داخل ہوتا ہے تو [illegible] بدن کی خوشبو سے سحر زدہ ہو جاتا ہے۔ اس [illegible] نے شہناز کو ایک کمرے میں بند کر رکھا تھا۔

یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ شہناز کو اس [illegible] اس کے مزاج کے خلاف حاصل کرنا بہت [illegible] وہ رئیس زادہ اسے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ [illegible] یہ تدبیر کی تھی کہ شہناز کو تقریباً تین دنوں [illegible] میں بند کر رکھا تھا تاکہ شہناز کسی بھی دن اپنے [illegible] کی مالش نہ کر سکے۔ اس ابٹن کی مالش جو عزیز [illegible] اسے ایک ساحرہ بنا دیتا ہے۔ اس نے شہناز [illegible] کے راستے بند کر دیے تھے اور اس رئیس زادے [illegible] تھا کہ اگر وہ مسلسل ایک کمرے میں قید رکھی جا[ئے] [illegible] وہ غسل نہیں کرے گی اگر وہ اپنے بدن ... [illegible] نہیں کرے گی تو رفتہ رفتہ اس کے بدن سے [illegible] اثر انگیزی ختم ہوتی جائے گی اور وہ رئیس زادہ [illegible] کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو شہناز کی کوٹھی [illegible] روک دیا۔ پھر اسے کرایہ دے کر رخصت کر دیا [illegible] گود میں تھی۔ میں آہستہ آہستہ فٹ پاتھ پر چلتے [illegible] شہناز کے دماغ میں جھانکنے لگا اور اس کی سو[چ] [illegible] پوچھنے لگا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ وہ رئیس زادہ کیا [illegible]

وہ رئیس زادہ شہناز کا دیوانہ تھا۔ شہناز اس [illegible] کر جو اسے دیکھتا تھا۔ اس کا دیوانہ بن جاتا تھا۔ وہ رئیس [illegible] غنڈوں اور ایک خوبصورت عورت کے ساتھ شہناز کے [illegible] گھس گیا تھا اور شہناز کو ایک کمرے میں قید کر دیا گیا تھا۔ شہناز کی سوچ میں کہا کہ اس رئیس زادے کو [illegible] چاہیے اور پھر ایک بار اسے کہہ دینا چاہیے کہ [illegible]

گی لیکن خود کو کسی مرد کے حوالے نہیں کرے گی۔

شہناز کے دماغ نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا۔ "میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ دروازہ کھولو۔"

جواب میں دروازہ کھل گیا۔ دروازے پر رئیس زادے کی مددگار عورت کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کمرے کے اندر آکر بولی: "شہناز میں بھی ایک عورت ہوں۔ تم بھی ایک عورت ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی مرد کسی عورت کی عزت سے کھیلے لیکن تم ایسی عورت ہو کہ سارے جہاں کے مردوں کو للچاتی رہتی ہو۔ یاد رکھو عورت اپنے گھر کی چار دیواری میں اپنے شوہر کے سائے میں محفوظ رہتی ہے جو عورت اپنے آپ کو مرد کے سائے سے باہر لے جاتی ہے اور اپنے آپ کو سوسائٹی کا اڑتا ہوا پنچھی بنا دیتی ہے اور ادھر ادھر بھٹکتی پھرتی ہے اور اپنے حسن و شباب سے دوسروں کو بہکاتی رہتی ہے۔ اس کا یہی انجام ہوتا ہے جیسا کہ تمہارا ہو رہا ہے۔

اب بھی وقت ہے۔ اپنے آپ کو میرے دوست کے حوالے کر دو تاکہ اس کی قسم پوری ہو جائے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ تم انکار کرو گی تو اس کمرے سے باہر جانے کی اجازت تمہیں نہیں ملے گی۔ خواہ تم لاکھ سر پٹختی رہو۔"

شہناز نے زمین پر پاؤں پٹخ کر کہا: "نہیں۔ میں کبھی اپنے آپ کو کسی مرد کے حوالے نہیں کر سکتی۔ مجھے مردوں سے سخت نفرت ہے۔ میں انہیں ساری زندگی تڑپانا چاہتی ہوں۔ اپنے آپ کو ایک اچھوتی عورت بنانا چاہتی ہوں۔ ایسی اچھوتی عورت جسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔"

یہ کہہ کر شہناز نے اسے دھکا دے کر دروازے کے باہر کر دیا —— اس عورت نے بھی غصے میں آکر دروازے کو بند کر دیا اور کہنے لگی: "ٹھیک ہے تم اسی کمرے میں مرتی رہو۔ تمہیں یہاں سے کوئی آزاد کرانے نہیں آئے گا۔"

اس رئیس زادے نے پوچھا: "کیوں ڈارلنگ کیا بات ہے۔ وہ راضی نہیں ہو رہی ہے؟"

اس عورت نے کہا: "ہاں وہ ابھی تک اپنے غرور میں مبتلا ہے۔"

رئیس زادے نے کہا: "اب میرا خیال ہے کہ اسے اذیتیں پہنچانی ہوں گی۔ اس پر ظلم کرنا ہوگا تبھی وہ راستے پر آئے گی۔"

اس عورت نے کہا: "نہیں ابھی ذرا اور صبر کر لو ابھی میں نے محسوس کیا ہے کہ ان تین دنوں میں شہناز کے بدن کی خوشبو زائل ہونے لگی ہے۔ بہت دھیمی دھیمی سی مہک رہ گئی ہے۔ چند گھنٹوں کے بعد وہ مہک بھی ختم ہو جائے گی۔ پھر تم اس کے پاس جاؤ گے تو اس کی خوشبو سے سحر زدہ نہیں ہو سکو گے اور اسے اپنے قابو میں آسانی سے کر لو گے۔"

اس وقت تک میں کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ برآمدے پر پہنچ کر میں نے سامی کو اپنے بازوؤں سے اتار کر آہستگی سے کہا: "میری جان تم کسی دوسرے راستے سے کوٹھی کے اندر جاؤ میں سیدھے راستے سے جا رہا ہوں۔"

سامی میری گود سے نکل کر ایک طرف چلی گئی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ اندر تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ کسی کو اس بات کی توقع نہیں تھی کہ اس وقت اتنی صبح کوئی شہناز سے ملنے آئے گا۔ اس [illegible] نے آگے بڑھ کر پوچھا: "کون ہے؟"

میں نے آہستگی سے کہا: "میں طارق محمود ہوں۔ اپنے گھر میں آیا ہوں۔ تم کون ہو جو مجھ سے سوال کر رہی ہو؟"

تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی پھر اس عورت نے کہا: "اچھا۔ تو تم شہناز کے شوہر ہو۔ ٹھیک ہے میں دروازہ کھول رہی ہوں۔"

میں انتظار کرنے لگا۔ بند دروازے کے پیچھے وہ لوگ آپس میں کھچڑی پکا رہے تھے۔ صلاح مشورہ کر رہے تھے کہ کیا کرنا چاہیے۔ پھر وہ رئیس زادہ اور اس کے کرائے کے دو غنڈے دروازے کے پیچھے جا کر چھپ گئے۔ رئیس زادے کی ساتھی نے آگے بڑھ کر دروازے کو کھول دیا۔ مجھ سے نظریں ملتے ہی مسکرا کر بولی: "آئیے۔ تشریف لائیے آپ مجھے نہیں پہچانتے میں شہناز کی بہت ہی عزیز سہیلی ہوں۔"

میں نے دروازے کو پار کر کے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے پوچھا: "شہناز کہاں ہیں؟"

وہ بولی: "شہناز غسل خانے میں ہے۔ تھوڑی دیر میں آجائے گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازے کے پیچھے سے نکل کر رئیس زادے نے ریوالور کی نال میری گردن پر رکھ دی۔ پھر سخت لہجے میں بولا: "خبردار۔ شور نہ مچانا ورنہ گولی مار دوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی ساتھی کو اشارہ کیا تو اس ... لڑکی نے آگے بڑھ کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر

وہ رئیس زادہ پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ دروازے کے پیچھے چھپے ہوئے تین شخص نظر آئے۔ اُن میں ایک رئیس زادہ تھا اور دو اس کے کرائے کے غنڈے تھے۔ میں نے حیرانی سے پوچھا: "یہ کیا ماجرا ہے؟"

رئیس زادے نے میرا مذاق اُڑانے کے انداز میں کہا۔ "اونہہ تم ماجرا کیا پوچھ رہے ہو۔ ہمیں سب معلوم ہے کہ ایک عرصے سے تم شہناز کے شوہر ہو۔ تمھاری شادی ہو چکی ہے لیکن شہناز تمھیں اپنے پاس پھٹکنے کی اجازت بھی نہیں دیتی اور تم ایسے شخص ہو کہ اب تک اس کے غلام بنے ہوئے ہو۔ آج ہم یہ غلامی کا طلسم توڑ دینا چاہتے ہیں۔ شہناز کے اس سحر کو ختم کر دینا چاہتے ہیں جس کے ذریعے وہ تمام مردوں کو دیوانہ بنا کر رکھتی ہے اور اُن سے نفرت کرتی ہے۔"

میں نے خوشدلی سے مسکرا کر کہا۔ "یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ کوئی تو شہناز کا طلسم توڑے گا۔ ویسے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ جو تمھارے ہاتھ میں ہے کیا یہ اصلی ریوالور ہے؟"

رئیس زادے نے ناگواری سے کہا۔ "کیا تم اسے مذاق سمجھ رہے ہو؟"

"نہیں۔ میں مذاق نہیں سمجھ رہا ہوں۔ بلکہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ اصلی ریوالور ہے یا نقلی؟ ذرا اسے میرے ہاتھ میں دو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں اس رئیس زادے کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اُس نے فوراً وہ ریوالور میرے حوالے کر دیا۔ ریوالور ہاتھ میں آتے ہی میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تو وہ ایک دم سے بوکھلا کر مجھے دیکھنے لگا۔ کرائے کے غنڈے مجھے غافل سمجھ کر مجھ پر حملہ کرنا ہی چاہتے تھے کہ میں نے پیچھے ہٹ کر للکارتے ہوئے کہا۔ "خبردار۔ مجھ سے چالاکی نہ دکھانا۔ ورنہ میں بے دریغ گولی چلا دوں گا۔ تم تینوں کی یہاں لاشیں نظر آئیں گی اور میں یہ رپورٹ درج کرانے میں حق بجانب ہوں گا کہ تم لوگ میرے گھر میں چوری ڈکیتی اور دوسری واردات کے لیے داخل ہوئے تھے میں نے اپنے بچاؤ کے لیے تم پر گولی چلا دی۔"

وہ تینوں سہم کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ رئیس زادے کی ساتھی کا چہرہ بھی زرد پڑ گیا تھا۔ وہ رئیس زادے سے بولی۔ "یہ کیا کیا آپ نے؟ آپ نے یہ ریوالور اس کے حوالے کیوں کر دیا؟"

رئیس زادے نے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ طارق کی... باتوں میں کیا جادو ہے۔ اس کے بولتے ہی میں نے ریوالور اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔ پتہ نہیں ایسا کیوں...

میں نے مسکرا کر کہا۔ "یہ بات تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ویسے آج کی بات یاد رکھو کہ ہم دونوں میاں بیوی جادو جانتے ہیں۔ میری بیوی اپنے بدن کی خوشبو سے دوسروں کو سحر زدہ کرتی ہے اور میں اپنی... سے لوگوں کو اتنی جلدی قائل کر دیتا ہوں کہ وہ ریوالور... خطرناک ہتھیار بھی میرے حوالے کر دیتے ہیں۔ آئندہ اس کوٹھی کا رُخ نہ کرنا۔ اپنی خیریت چاہتے ہو تو فوراً... سے چلے جاؤ اور ادھر پلٹ کر بھی نہ دیکھو۔ میں تم تینوں... بلکہ تمھاری ساتھی کو بھی اس بار معاف کر رہا ہوں۔ آئندہ... ایسی کوئی حرکت ہوئی تو معاف کرنا تو دُور کی بات... لوگوں کو ایسی سزائیں دوں گا کہ دوسرے لوگ بھی میری بیوی کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔ بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

وہ سب وہاں سے پلٹ کر تیزی سے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر چلے گئے۔ میں نے دروازے کو... سے بند کر دیا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کمرے کی طرف... جہاں شہناز کو قید کیا گیا تھا۔ میں نے اس دروازے کو کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی شہناز نے مجھے حیرانی سے دیکھا۔ بولی۔ "تم، تم واپس آ گئے ہو؟"

"ہاں واپس بھی آ گیا ہوں اور تمھارے دشمنوں کو... یہاں سے بھگا بھی دیا ہے۔ آؤ باہر آ جاؤ۔"

وہ کمرے کے اندر سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے پاس آئی اور میرے سامنے سے گزرتے ہوئے ڈرائنگ... کی طرف جانے لگی۔ اس کی چال میں بڑی نزاکت تھی۔ ایک عجیب دلکشی تھی کہ دل اس کی طرف کھنچا جاتا تھا۔ لالچ بھری پیار کے تقاضے نگاہوں کے سامنے بکھر جاتے۔ اُس کا حسن واقعی ایسا تھا کہ اُس کی مثال کسی دوسری... نہیں دی جا سکتی تھی۔ یقیناً وہ دوسروں کو تڑپانے میں حق بجانب تھی۔ بالکل اچھوتی رہنا چاہتی تھی تاکہ کوئی اُسے چھو سکے۔ نہ میلا کر سکے لیکن میں نے اُسے جب بھی... میرے سینے میں دل مچل مچل گیا۔

میں نے اُس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "سنو... یہ بتاؤ کہ اُن لوگوں نے تمھیں کب سے قید کر رکھا تھا؟"

"جب سے تم گئے ہو اس کے دوسرے دن سے... نے مجھ پر زیادتی کرنی شروع کی تھی۔ مجھے مجبور کر رہے تھے... میں اپنے آپ کو اپنے معیار سے، اپنی نظروں سے گرا...

...لیکن میں نے تسلیم نہیں کیا۔ انھوں نے مجھے اس کمرے میں قید کر دیا تھا۔ میں نے تین دن سے غسل نہیں کیا ہے اور نہ ہی اُبٹن لگایا ہے۔ میرے جسم میں عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی ہے۔ پسینے سے بھیگ رہی ہوں۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ میرے جسم پر پسینے کی بُو چھا گئی ہے۔"

میں نے اُس کی باتوں کے مطابق محسوس کیا واقعی اب شہناز کے بدن سے وہ سحر زدہ کر دینے والی خوشبو نہیں اُٹھ رہی تھی۔ تین دنوں تک مسلسل قید رہنے کے باعث اور غسل نہ کرنے کے باعث اُس کے بدن سے پسینہ اس قدر بہتا رہا تھا کہ اس پر پسینے کی مہک حاوی ہو گئی تھی اور اب وہ ایک عام سی عورت تھی جو کہ سحر زدہ نہیں کر سکتی تھی۔

میں نے اُس کے قریب ہو کر کہا۔ "شہناز، اب وہ اُلٹی سیدھی جادوگری چھوڑ دو۔ آج کے واقعے سے سبق حاصل کرو کہ تم دوسروں کو تڑپاتی رہتی ہو تو ہر شخص شریف آدمی نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ بدمعاش بھی ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ہٹیلے اور ضدی ہوتے ہیں اور ضد میں آ کر تمھیں حاصل کرنے کے لیے تمھیں جانی اور مالی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ آج تم بچ گئیں کہ میں اتفاق سے یہاں آ گیا تھا۔ اگر میں نہ آتا تو وہ لوگ تمھارا بہت بُرا حال کر دیتے۔"

"میں ایک ہی بات جانتی ہوں کہ مجھے اچھوتی بن کر رہنا ہے۔ میں انمول ہوں۔ میرا کوئی مول نہیں ہے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔"

وہ جانے کے لیے مڑنا چاہتی تھی۔ میں نے اُس کے بازو کو پکڑ لیا۔ پھر اُسے کہا۔ "ٹھہرو۔ میں سب سے پہلا دیوانہ تھا جو تم پر عاشق ہوا اور تمھارا شوہر بنا۔ تم مجھے بھی تڑپانا چاہتی ہو لیکن اب ہم میاں بیوی کی حیثیت سے اس گھر میں زندگی گزاریں گے۔ تم میری ہو اور میری بن کر رہو گی۔"

وہ ایک دم سے بھڑک گئی۔ اور ہانپتے ہوئے بولی۔ "خبردار مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میں کبھی کسی کو اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔"

مجھے غصہ آ گیا۔ میں چاہتا تو اب... ٹیلی پیتھی کے ذریعے اُس کے دماغ کو اپنی طرف مائل کر سکتا تھا۔ میں اپنی اس قوت کے ذریعے اُسے زیر کر سکتا تھا لیکن میں نے اُسے کھینچ کر دوبارہ اسی کمرے میں پہنچا کر دروازہ بند کر دیا اور کہا۔ "ٹھیک ہے تمھاری یہی سزا ہے کہ تم کمرے میں بند رہو۔ میں اب تمھیں اس اُبٹن کو استعمال کرنے کا موقع نہیں دوں گا اور نہ ہی تم غسل کر سکو گی۔ میں رات بھر کا جاگا ہوا ہوں۔ اب آرام سے سونے کے بعد تمھاری خیریت دریافت کروں گا۔"

وہ دروازہ پیٹنے اور چیخنے چلانے لگی۔ میں نے کہا۔ "تم لاکھ چیخو چلاؤ۔ مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ پڑوسی اگر آ کر پوچھیں گے تو میں کہوں گا کہ یہ میاں بیوی کا جھگڑا ہے۔ ہم دونوں کے درمیان کوئی کچھ نہ بولے اور اگر بہت زیادہ بات بڑھ گئی تو میں اس بات کو ظاہر کر دوں گا کہ تم میاں بیوی کے رشتے سے انکار کر رہی ہو اور میں شوہر کی حیثیت سے تمھیں قائل کرنے پر مجبور کر سکتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں کچن میں گیا اور وہاں ناشتہ تیار کرنے لگا۔ میں زور زبردستی کا قائل نہیں تھا اور نہ ہی ٹیلی پیتھی کے ذریعے اُسے قائل کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہ مردانگی نہ ہوتی۔

وہاں چائے تیار کرنے کے بعد میں نے انڈے کے پوچ بنائے اور ڈبل روٹی کے سلائس لے کر شہناز کے کمرے کی طرف گیا۔ میں نے دروازے کو نہیں کھولا بلکہ کھڑکی کے راستے جالی کے نیچے پلیٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ لو تمھارے لیے ناشتہ تیار ہے اور اس تھرماس میں چائے ہے اسے پی لو اور خاموشی سے سزا کاٹتی رہو۔ میں ناشتہ کرنے کے بعد تھوڑی دیر اپنی نیند پوری کروں گا۔ اس کے بعد تمھارے پاس آؤں گا اس وقت تک تم فیصلہ کر لو کہ تمھیں اتنی بڑی دنیا میں کسی ایک مرد کی ہو کر رہنا ہے۔"

یہ کہہ کر میں واپس کچن میں آیا اور ناشتہ کرنے سے پہلے سامی کو آواز دی۔ آواز دیتے ہی وہ کچن میں داخل ہوئی۔ اُس کے منہ میں ایک بڑا سا گتے کا ڈبہ دبا ہوا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "میری جان یہ کیا چیز ہے کہاں سے اُٹھا کر لائی ہو؟"

قریب پہنچتے ہی مجھے اس ڈبے سے خوشبو محسوس ہوئی۔ یہ وہی خوشبو تھی جو شہناز کے بدن سے آیا کرتی تھی۔ میں نے اُسے لے کر اور پھر اسے کھول کر دیکھا تو اس ڈبے کے اندر اُبٹن بھرا ہوا تھا۔ پتہ نہیں شہناز نے اُسے کہاں چھپا کر رکھا تھا اور یہ سامی اُسے کہاں سے ڈھونڈ کر لے آئی تھی۔ بہرحال وہ ڈبہ میرے ہاتھ میں آتے ہی میرے دماغ نے کہا کہ یہ بہت اچھا ہوا۔ اب میں شہناز کو اس اُبٹن تک پہنچنے نہیں دوں گا۔ اُسے ایک عام عورت بنا کر رکھوں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ وہ کس طرح سحر زدہ کرتی ہے۔

میں نے ایک بڑے سے پیالے میں سامی کے لیے

دودھ اُنڈیلا پھر اس کے آگے رکھ دیا اور خود ناشتہ کرنے لگا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں اس اُبٹن کو لے کر شہناز کی خواب گاہ میں آگیا۔ شہناز دوسرے کمرے میں قید تھی۔ میں اُس کی خواب گاہ میں اپنی نیند پوری کرنا چاہتا تھا۔ سونے سے پہلے میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ اگر میں اس اُبٹن کو خود استعمال کر دوں تو کیسا رہے گا ؟

میں تھوڑی دیر تک غور کرنے لگا۔ یہ ایک مضحکہ خیز بات تھی کہ اُبٹن عورتیں استعمال کرتی ہیں اور اُسے مجھ جیسا مرد استعمال کرے لیکن یہاں جادو کا توڑ کرنا تھا۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے جیسا شہناز نے میرے ساتھ کیا تھا وہی حرکت میں شہناز کے ساتھ کر سکتا تھا۔ اُبٹن لگا کر اُسے مسحور کر سکتا تھا۔ وہ میرے بدن کی خوشبو سے سحر زدہ ہو سکتی تھی۔

اچھی طرح غور کرنے کے بعد میں نے اس اُبٹن کو استعمال کرنا شروع کیا۔ اپنے کپڑے اُتار کر میں نے اُسے اپنے بدن پر اچھی طرح رگڑا اور جب پوری طرح اس اُبٹن کی مالش ہو گئی تو میں آرام سے بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ میں چار گھنٹے تک آرام سے سوتا رہوں۔ اُس کے بعد میری آنکھ کھل جائے۔ اگر کوئی غیر معمولی بات ہو کوئی کمرے میں داخل ہونا چاہے تو میری آنکھ کھل جائے۔ میں حسبِ معمول وہی ہدایتیں دے کر سو گیا۔

دن کے بارہ بجے تک میں اِس دُنیا سے غافل ہو گیا۔ اِس دُنیا میں جتنے رشتے ہیں، جتنی محبتیں ہیں، جتنی نفرتیں ہیں اور ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ جو سازشیں کرتا ہے اور پھر ان سازشوں کے جواب میں دوسری سازشیں ہوتی ہیں۔ ان سب باتوں سے مجھے نجات مل گئی تھی۔ انسان کے لیے نیند بہت ضروری ہے۔ نیند کے بہانے انسان عارضی طور پر گویا کہ مر جاتا ہے اور اتنی بڑی دُنیا سے غافل ہو کر اپنے دماغ کو پُرسکون بنا لیتا ہے۔ انسان کو نیند نہ آتی تو شاید اسے کبھی ذہنی سکون حاصل نہ ہوتا۔ میں دن کے بارہ بجے تک دنیا اور اِس دُنیا والوں کے تمام بدمعاشوں سے نجات حاصل کر چکا تھا۔ پھر وقتِ مقررہ پر میری آنکھ کھل گئی اور میں اِسی دنیا کی دلدل میں بیدار ہو گیا۔

سب سے پہلے میں باتھ روم میں گیا۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ایک اچھا سا لباس پہنا۔ پھر وہاں سے نکل کر اس کمرے کی طرف گیا جہاں شہناز قید کیا گیا تھا۔ میں نے اُس کا دروازہ کھول دیا۔ شہناز کمرے کے اندر ایک پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ کہتے کہتے رُک کر حیرانی سے مجھے دیکھنے لگی۔ وہ میرے بدن سے اُٹھنے والی خوشبو کو محسوس کر رہی تھی اور بڑے ہی تعجب سے مجھے دیکھتی جا رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اُس کی سوچ نے بتایا کہ وہ خوشبو سے متاثر ہوتی جا رہی ہے۔ متاثر ہونے کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ طلسمی خوشبو سونگھنے والوں کو بالکل سحر زدہ کر دیتی تھی اور اس کے طلسم سے نکلنا ممکن نہ ہوتا تھا۔ میں خود کئی دن اُس کے سامنے بالکل غلاموں کے سے انداز میں اس کی بات مانتا رہا تھا اور اُس کے مزاج کے خلاف کبھی میں نے قدم نہیں اٹھایا تھا۔ اس خوشبو کے اثر انداز ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ تین دنوں سے اپنے ہی بدن کے پسینے میں بھیگ رہی تھی اور اُسے پسینے کی بو کے سوا کوئی اچھی خوشبو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اب اُبٹن کی مہک اس کے دماغ پر چھا رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں یوں خمار آلود ہو گئی تھیں جیسے وہ نیند سے جاگنا چاہتی ہو لیکن نیند غالب آ رہی ہو۔ جیسے وہ شراب پینا نہ چاہتی ہو اور پی کر بھی مدہوش ہوتی جا رہی ہو۔ میں اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ وہ کترا کر جانا چاہتی تھی۔ میں نے کہا "میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس کمرے سے باہر نہ نکلو میرے پاس آؤ۔"

یہ میرا حکم نہیں بلکہ اس خوشبو کی جادوگری تھی کہ وہ رُک گئی۔ پھر پلٹ کر جھجکتے ہوئے ہچکچاتے ہوئے میرے بالکل قریب آ گئی۔

میں نے کہا "دیکھو میرے بدن سے کیسی خوشبو آ رہی ہے ؟"

وہ نیم مدہوشی کے عالم میں کبھی سنبھل رہی تھی کبھی بہک رہی تھی اور میں اُسے بہکا رہا تھا۔ اس کا جادو اُسے لوٹا رہا تھا۔ اِس دُنیا کا یہی دستور ہے جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے جو بوتا ہے وہ کاٹتا ہے جو دوسروں کو دیتا ہے وہی اُسے ایک دن واپس ملتا ہے اور وہ سب کچھ شہناز کو پوری طرح واپس مل رہا تھا۔

بڑی دیر ہوتی چلی گئی۔ اتنی دیر کہ اتنی دیر میں پتہ نہیں چلا، جانتا کہ میں کتنی دیر تک کہاں گم رہا۔ میرا

سارا وقت کہاں اور کیسے گزر گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک کرسی پر بیٹھا سگریٹ سلگا رہا تھا۔ بند کمرے کی نیم تاریکی اور خاموشی میں ہولے ہولے رونے اور سسکنے کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ اپنے غرور کی موت پر ماتم ہو رہا تھا۔ میں وہاں سے اُٹھ کر دروازہ کھول کر باہر آیا۔ ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گیا۔ سامی بھی کہیں سے آکر میرے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں پیار سے اُسے سہلانے لگا۔ اسی شریر کی یہ ساری شرارتیں تھیں۔ اسی نے مجھے اُبٹن کا ڈبہ لا کر دیا تھا۔

اس وقت دن کے دو بج رہے تھے۔ مجھے مرجانہ کی یاد آئی۔ وہ جلد ہی راولپنڈی جانے والی تھی۔ شاید اُس نے روانگی کی ساری تیاریاں مکمل کر لی ہوں گی۔ اس کے ساتھ کرم دین کا جانا بھی ضروری تھا۔ یہ سوچتے ہی میں مرجانہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہاں معلومات حاصل ہوئیں کہ واقعی اُس کی روانگی کی تیاری مکمل ہو چکی ہے۔ آج شام کو ایک فلائٹ سے وہ راولپنڈی جانے والی ہے اور اُس نے اپنے ساتھ کرم دین کے لیے بھی ایک سیٹ ریزرو کرائی ہے اور وہ اپنے عاشق جن کے انتظار میں ہے کہ وہ رابطہ قائم کرے تو وہ اُسے بتائے... کہ کرم دین کے لیے سیٹ ریزرو ہو چکی ہے لہٰذا کرم دین کو طیارے تک لانا اس جن کا کام ہے۔ وہ بے چینی سے گویا کہ میرا انتظار کر رہی تھی۔

اس وقت وہ زرینہ اور اُس کے گھر والوں کے ساتھ ڈائننگ روم میں بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھا رہی تھی۔ زرینہ کے والد نے اُس سے کہا "بیٹی تم نے دو سیٹیں ریزرو کرالی ہیں۔ تمہیں اس بات کا اعتماد ہے کہ کرم دین ضرور ایئرپورٹ پہنچے گا۔ لیکن مجھے تو ایسے آثار نظر نہیں آتے۔ وہ ایک نمبر بدمعاش ہے۔ اُسے بھاگنے کا موقع تم نے دیا ہے اب پتہ نہیں وہ یہاں سے کتنی دُور نکل گیا ہو گا۔ ممکن ہے کہ یہ شہر ہی چھوڑ کر چلا گیا ہو ؟"

مرجانہ نے کہا "انکل آپ اس جن کا کمال دیکھ چکے ہیں۔ وہ آپ لوگوں کے پاس بھی... آگیا تھا اور اس نے اپنی موجودگی کا ثبوت پیش کیا تھا۔ وہ یقیناً کرم دین کو میرے پاس ایئرپورٹ پہنچائے گا۔ میں اُسی کا انتظار کر رہی ہوں۔"

ویسے یہ بات میرے دماغ میں نہیں آئی تھی کہ کرم دین شہر چھوڑ کر کہیں جا سکتا ہے۔ میں نے تو یہی سوچا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ کراچی شہر میں چھپتا پھرے گا تو میں اُسے پکڑ کر ایئرپورٹ پہنچا دوں گا۔ جب یہ خیال آیا کہ وہ شہر سے باہر بھی جا سکتا ہے تو میں فوراً ہی کرم دین کے دماغ میں پہنچ گیا۔

اس وقت وہ کینٹ اسٹیشن سے ایک ٹرین پر سوار ہو چکا تھا اور وہ ٹرین وہاں سے روانہ ہو چکی تھی اور اپنی مخصوص رفتار سے کراچی شہر کی حدود سے گزر رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں کو پار کر رہی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ اب اُسے اس چلتی ٹرین سے کیسے اتاریں۔ کیونکہ وہ میل ٹرین تھی اور چھوٹے اسٹیشنوں پر رُکنے والی نہیں تھی۔ اگر میں اُس کے دماغ میں بیٹھ کر زنجیر کھینچ دیتا تو گاڑی رُک جاتی اور وہ آسانی سے اُتر جاتا لیکن اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر پولیس والے اُسے پکڑ لیتے تو معاملہ بڑھ جاتا اور وہ شام تک ایئرپورٹ نہ پہنچ سکتا۔ بہت سے مسائل سے گزرنا پڑتا۔ میری پریشانی بڑھ جاتی۔ میں سوچنے لگا کہ کیا کروں ؟

میرے سوچتے سوچتے وہ ٹرین کراچی کی حدود سے باہر نکل گئی۔ میں حیران پریشان اس فکر میں مبتلا ہو گیا کہ مرجانہ کے سامنے اپنا وعدہ کیسے پورا کروں گا۔ ایک آخری تدبیر وہی تھی کہ گاڑی کی زنجیر کھینچ دی جائے اور گاڑی رُکتے ہی اُسے وہاں سے اتار کر سرپٹ بھگایا جائے تاکہ پولیس والے اُسے نہ پکڑ سکیں۔ لیکن ایسا سوچنے کے دوران ہی میں نے اُس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ ٹرین آہستہ آہستہ رُکنے والی تھی۔ پیپری مل کے قریب سگنل نہیں مل رہا تھا اِس لیے ٹرین رُک رہی تھی۔ میں نے اُس کے دماغ پر پوری طرح قابض ہو کر اُسے مجبور کیا کہ وہ اپنی چھوٹی سی اٹیچی لے کر فوراً اتر جائے۔ جب ٹرین رُک گئی تو وہ وہاں سے اتر کر نیشنل ہائی وے کی طرف دوڑنے لگا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ اس سڑک پر پہنچ کر کسی گاڑی والے سے لفٹ حاصل کر کے واپس مرجانہ کے پاس پہنچ جائے۔

تھوڑی دیر بعد وہ سڑک پر پہنچ کر وہاں سے گزرنے والی گاڑیوں کو ہاتھ دِکھا دِکھا کر لفٹ مانگنے لگا لیکن وہ اپنے حلیے سے کوئی چھٹا ہوا بدمعاش لگتا تھا۔ بڑی بڑی کاروں والے اس کی خاطر اپنی گاڑی روک کر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے اِس لیے اُس کے سامنے سے گزر جاتے تھے۔ آخر میں نے اسے پیدل ہی چلانا

شروع کیا۔ تھوڑی دُور چلانے کے بعد میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تو وہ لڑکھڑا کر کھڑا ہو گیا۔ اپنے چاروں طرف حیرانی سے دیکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ وہ ٹرین میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں کیسے پہنچ گیا۔ اگر پہنچ ہی گیا ہے تو اسے پھر واپس ٹرین کی طرف جانا چاہیے لیکن بہت دیر ہو چکی تھی اور گاڑی وہاں سے روانہ ہو چکی تھی۔ اب اُس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا کہ وہ کراچی واپس جائے لیکن کراچی جانے کا خیال آیا تو مرجانہ کا بھی خیال آیا۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ ڈرتا تھا کہ مرجانہ اسے کہیں نہ کہیں تلاش کرے گی۔ وہ واپس پلٹ کر دوسری سمت جانے لگا۔

میں نے پھر اُس کے دماغ پر قابض ہو کر اُسے واپس پلٹا دیا اور کراچی کی طرف لے جانے لگا۔ کبھی اُسے تیزی سے چلاتا تھا اور کبھی دوڑاتا تھا۔ آخر ایک میل تک اسی طرح چلانے اور دوڑانے کے بعد میں پھر اُس کے دماغ سے نکل گیا۔ وہ پھر ہانپتے ہوئے سوچنے لگا کہ وہ کیوں دوڑ رہا تھا، کیوں ہانپ رہا ہے۔ تب اُس نے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد یہ معلوم کیا کہ وہ انجانے طور پر پھر کراچی شہر کی طرف ہی چل پڑا ہے لہٰذا اُسے وہاں سے واپس جانا چاہیے۔ شہر کی طرف رُخ نہیں کرنا چاہیے۔ وہ پلٹ کر دوسری طرف جانا چاہتا تھا لیکن پھر میں نے اُسے پلٹا دیا اور شہر کی طرف دوڑانے لگا۔ کئی فرلانگ تک دوڑاتے رہنے کے بعد پھر میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑا۔ وہ تھک کر نڈھال ہو چکا تھا۔ سڑک کے کنارے اپنی اٹیچی رکھ کر اُس پر بیٹھ گیا اور سر پکڑ کر سوچنے لگا کہ اُس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ دُور بھاگنا چاہتا ہے لیکن پتہ نہیں کیسے کراچی شہر کی طرف دوڑنے لگتا ہے اور اس راستے کو طے کرتا ہوا شہر کے قریب پہنچتا جا رہا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ یہ اُس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

آخر اُس نے سوچا کہ جب وہ اتنی دُور چل کر آ ہی گیا ہے تو اب لانڈھی زیادہ دُور نہیں ہے۔ وہ لانڈھی کے علاقے میں جا کر چھپا رہے گا اور کسی دوسری ٹرین کے ذریعے لاہور کی طرف بھاگ جائے گا۔ یہ سوچ کر وہ اپنی اٹیچی لے کر وہاں سے آگے بڑھنے لگا۔ جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ لانڈھی تک پیدل چلتا رہے گا تو میں اُسے چھوڑ کر مرجانہ کے پاس آیا۔ اتنی دیر میں وہ لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تھے اور اُن کے درمیان چائے کا دور چل رہا تھا۔

میں زرینہ کے بھائی جاوید کے دماغ میں پہنچ کر [illegible] گیا۔ جاوید نے فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا: "مرجانہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔ مجھے بہت پریشانی اٹھانی پڑی ہے۔ کرم دین کراچی شہر چھوڑ کر لاہور کی طرف بھاگ رہا تھا۔ میں نے اُسے ٹرین سے اُتار دیا ہے۔ اب وہ نیشنل ہائی وے پر چلتا ہوا لانڈھی کی طرف جا رہا ہے۔ تم کار لے کر فوراً نیشنل ہائی وے کی طرف جاؤ اور اُسے لے کر آ جاؤ۔ پھر جب تک پلین ———— کا وقت نہیں ہو گا اُس وقت تک اُسے سرونٹ کوارٹر میں بند کر کے رکھنا۔ ورنہ اُسے پھر پکڑ کر لانا مشکل ہو جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی دوسری ٹرین سے فرار ہو جائے۔"

میری بات سنتے ہی مرجانہ اور زرینہ اٹھ گئیں۔ اُنھوں نے زرینہ کے والدین سے کہا کہ وہ کار سے نیشنل ہائی وے کی طرف جا رہی ہیں۔ میں نے جاوید کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ زرینہ کے باپ نے کہا: "ٹھیک ہے، تم دونوں لڑکیاں تنہا نہ جاؤ۔ اپنے بھائی جاوید کو بھی لے جاؤ۔"

وہ تینوں کوٹھی سے نکل کر گیراج کی طرف آئے، پھر کار میں بیٹھ کر نیشنل ہائی وے کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں اُن کے پاس سے نکل کر پھر کرم دین کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اٹیچی اٹھائے ہوئے آہستہ آہستہ چلتا ہوا کبھی بیٹھتا ہوا تھکن اُتارتا ہوا لانڈھی کی طرف جا رہا تھا۔

مجھے پون گھنٹے تک کبھی کرم دین اور کبھی مرجانہ کے دماغ میں جھانکتے رہنا پڑا اور مرجانہ کو گائیڈ کرتے رہنا پڑا کہ اُسے کدھر جانا چاہیے اور کرم دین نیشنل ہائی وے کے کس حصے کی طرف اُسے مل سکتا ہے۔ پون گھنٹے کے بعد مرجانہ اس جگہ پر پہنچ گئی جہاں سے کرم دین گزر رہا تھا۔ اُس نے کار سے اُتر کر کرم دین کو آواز دی تو وہ بوکھلا گیا۔ گھبرا کر وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا کہ میں پھر اُس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ میں اُسے پلٹا کر مرجانہ کے پاس لے آیا۔ مرجانہ نے اُسے پکڑ کر پچھلی سیٹ پر بٹھایا۔ پھر جاوید نے کار اسٹارٹ کی اور اُسے گھما کر واپس شہر کی طرف لے جانے لگا۔ میں اُن کی طرف سے مطمئن ہو کر پھر شہناز کے ڈرائنگ روم میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔

سامی میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر وہ میری دائیں ہتھیلی کی پشت کو زبان سے چاٹنے لگی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اُسے بھوک لگ رہی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ ہم نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا ہے۔

کھانا تیار کرنے والی ملازمہ بھی ان دنوں وہاں کوٹھی میں موجود نہیں تھی۔ میں سوچنے لگا کہ اب خود ہی اٹھ کر اپنے لیے کچھ کھانا تیار کرنا ہو گا۔ اتنے میں شہناز کمرے سے باہر آئی۔ مجھ سے نظریں ملتے ہی اُس نے سر کو جھکا لیا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے بیڈ روم کی طرف جانے لگی۔ میں نے اُسے آواز دی: "شہناز اِدھر آؤ۔"

یہ کہہ کر میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وہ رُک گئی تھی لیکن میرے پاس واپس آنا نہیں چاہتی تھی۔ جب میں قریب گیا اور میرے بدن سے اٹھنے والی خوشبو اُس کے نتھنوں تک پہنچنے لگی تو وہ بے اختیار پلٹ گئی اور مجھے یوں دیکھنے لگی جیسے نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے دیکھتے رہنے پر مجبور ہو اور اپنی ضدی طبیعت کے باوجود میرے حکم کے مطابق رُکنے پر بھی مجبور ہو گئی ہو۔ میں نے کہا: "بہت دیر ہو چکی ہے اور مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کیا آج تم کھانا تیار نہیں کرو گی؟"

اس نے سر جھکا کر کہا: "میں ملازمہ نہیں ہوں۔ میں ایسے کام اپنے ہاتھوں سے نہیں کرتی۔ اگر بھوک لگی ہے تو آپ باہر جا کر ہوٹل سے کھانا لے آئیں۔ میں بھی کھا لوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ پھر اپنی خواب گاہ کی طرف جانے لگی۔ میں چاہتا تو اُسے روک سکتا تھا، اسے حکم دے کر کھانا تیار کرنے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن مجھے یاد آیا کہ وہ تین دِنوں سے قید تھی اور غسل نہیں کر سکی تھی اور اب تو غسل کرنا اُس کے لیے لازمی ہو گیا تھا اس لیے میں نے اُسے جانے دیا۔ جب وہ اپنی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچی اور اُسے کھول کر اندر داخل ہونا چاہا تو میں نے آواز دی۔ "سنو، غسل کرنے کے بعد فوراً ہی اچھا سا لباس پہن کر تیار ہو جاؤ۔ ہم کسی ہوٹل میں لنچ کے لیے جائیں گے۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ زیادہ انتظار نہ کرانا۔"

اُس نے پلٹ کر میری بات سُنی تھی، پھر خاموشی سے اپنی خواب گاہ میں واپس چلی گئی تھی۔ اُس کے جانے کے بعد میں ایک صوفے پر بیٹھ کر غلام کے پاس پہنچ گیا۔ غلام کراچی پہنچا ہوا تھا اور ہوٹل انٹرکان میں اس کا قیام تھا۔ میں نے اُسے مخاطب کیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اُس نے پوچھا: "آقا آپ کہاں تھے۔ میں بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے کب تک یہاں تنہا رہنا پڑے گا؟"

میں نے کہا: "فکر نہ کرو۔ میں اسی شہر میں آ گیا ہوں اور اب گھنٹہ آدھ گھنٹہ بعد تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ میرے ساتھ میری وائف بھی ہو گی۔"

اُس نے حیرانی سے پوچھا: "وائف یعنی کہ بیوی۔ کیا آپ نے یہاں آ کر شادی کر لی ہے؟"

"نہیں، شادی نہیں کی لیکن تمہیں یاد ہو گا کہ جس طارق محمود کا روپ میں نے اختیار کیا ہوا ہے اُس کی ایک بیوی شہناز تھی جو اسے فریب دے کر یہاں آ گئی تھی۔ وہی شہناز اب مجھے اپنا شوہر سمجھتی ہے۔ اس رشتے سے فی الحال وہ میری بیوی ہے اور ہم ابھی لنچ کے لیے تمہارے پاس آ رہے ہیں۔"

شہناز نے غسل کرنے اور بننے سنورنے میں ایک گھنٹہ صرف کر دیا۔ لیکن جب وہ اپنی خواب گاہ سے نکل کر میرے سامنے آئی تو دیکھنے کی چیز تھی۔ ایسی سجی بنی تھی کہ نگاہوں کے سامنے بھری بہار کے جلوے لٹا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر نگاہیں ہٹانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اتنے عرصے کے بعد ایک حسین عورت ایسی دیکھی تھی جو اپنے جسم کو بھی سنبھال کر رکھتی تھی اور بننے سنورنے کا سلیقہ بھی جانتی تھی۔ اس پر خوبی یہ کہ قدرت نے اُسے بے پناہ حسن دیا۔ اسے مکھن کا سا بدن اور شہد کی سی مٹھاس دی تھی۔ پسینے کی جذباتی خوشبو اور اُبٹن کی مدہوش کر دینے والی خوشبو بھی ملی تھی۔ اس پر اداؤں کا طلسم یہ تھا کہ غرور سے انکار بھی کرتی تھی اور جذبوں کی روانی میں اقرار کرتی ہوئی کشاں کشاں چلی آئی تھی۔

میں کشاں کشاں اُس کی طرف چلا آیا۔ قریب پہنچ کر نجانے محبت میں اور جذبوں میں ڈوب کر کیا کچھ کہتا رہا اور وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر ہم دونوں کوٹھی سے نکل کر گیراج میں آئے۔ وہاں سے کار میں بیٹھ کر ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ چپ چپ سی تھی۔ میں نے اُس کے دل کا حال معلوم کرنے کے لیے اُس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ چونکہ میرے قریب بیٹھی ہوئی ہے اور میرے بدن سے اٹھنے والی خوشبو اُسے متاثر کر رہی ہے تو وہ متاثر ہو کر ہی میرے متعلق سوچ رہی ہے۔ وہی جذباتی کشمکش تھی کہ میرے قریب رہنا نہیں چاہتی تھی۔ ایک مرد کو اپنے پاس برداشت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس کے باوجود خوشبو سے سحر زدہ ہو رہی تھی۔

میں نے سوچا کہ اس وقت یہ میرے بدن کی خوشبو سے متاثر ہے اِس لیے میری مخالفت میں زیادہ نہیں سوچے گی۔ جب یہ مجھ سے دُور ہوگی اور میرے بدن کی خوشبو بھی اس سے دُور رہے گی تب میں اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھوں گا کہ یہ کیا چاہتی ہے اور میرے متعلق کیا سوچتی اور فیصلہ کرتی ہے۔ فی الحال تو مجھے بھوک لگ رہی تھی اور اب ہم ہوٹل کے قریب پہنچ رہے تھے۔ اِس لیے میں اُس کے دماغ سے نکل آیا۔

غلام ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اُس نے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر سر کو جھکاتے ہوئے سلام کیا۔ میں نے شہناز سے کہا: "اس سے ملو یہ غلام ہے۔ نام بھی غلام ہے اور یوں بھی غلام بن کر رہنا چاہتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں غلامی کا گزر نہیں ہے اِس لیے میں آقا اور یہ غلام ہونے کے باوجود دوست کی طرح رہتے ہیں اور ایک ہی دسترخوان پر کھاتے ہیں۔"

شہناز جبراً اور اخلاقاً مسکرا رہی تھی۔ میں نے کہا: "یہ میری بیوی شہناز ہے۔ تم دیکھ رہے ہو... بتاؤ کیا اتنی حسین عورت تم نے پہلے کبھی دیکھی ہے؟"

غلام نے انکار میں سر ہلا کر مسکراتے ہوئے کہا: "آقا بلاشبہ شہناز بیگم بہت ہی حسین ہیں۔ میں اتنا پڑھا لکھا نہیں ہوں میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں ان کے حسن کی تعریف کروں۔"

پھر ہم تینوں ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہاں بیٹھے ہوئے لوگ بے اختیار شہناز کو دیکھنے لگتے تھے اور اس پر سے نگاہیں ہٹا نہیں سکتے تھے جو لوگ میرے قریب سے گزرتے تھے وہ ٹھٹک جاتے تھے کیونکہ انھیں میرے بدن سے ایسی خوشبو ملتی تھی جو انھیں چونکا دیتی تھی اور مقناطیس کی طرح کھینچ لیتی تھی۔ عورتیں تو مجھے دیکھتی ہی جا رہی تھیں۔ میں اور شہناز دونوں ہی وہاں ایسے تھے کہ تمام لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ ہمارا جوڑا ایک مثالی جوڑا تھا۔ غلام ہمیں اپنے ساتھ لے کر ایک میز پر آیا جو کہ اُس نے پہلے سے ریزرو کرا رکھی تھی۔ اس میز کے اطراف ہم تینوں بیٹھ گئے۔

بیرا آرڈر لینے آیا تو غلام شہناز کی پسند پوچھتے ہوئے کھانے کا آرڈر دینے لگا۔ میں ان دونوں کو مصروف دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں پتہ چلا کہ اس نے کرم دین کو اپنی کوٹھی میں لانے کے بعد اُسے سرونٹ کوارٹر میں قید کر دیا تھا اور اب ایئرپورٹ جانے کے لیے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا وقت رہ گیا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ کرم دین کو وہاں سے لے کر جانے والی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اگر کرم دین نے ساتھ جانے سے انکار کیا یا طیارے کے اندر پہنچ کر کوئی ہنگامہ کیا یا اس کے ساتھ سفر کرنے پر کوئی اعتراض کیا تو وہاں لوگوں کو اُس کے متعلق سمجھانا دشوار ہو جائے گا۔ وہ خواہ مخواہ ایک مسئلہ بن جائے گا۔

میں مرجانہ کے پاس سے واپس آگیا۔ میں نے سوچا کہ وہ فی الحال پریشان ہوتی رہے۔ جب ایسا وقت آئے گا تو میں کرم دین کو سنبھالنے کے لیے وہاں پہنچ جاؤں گا۔ غلام نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: "آقا میں نے آپ کی گشتی گاڑی اسّی ہزار میں فروخت کر دی تھی۔ وہ اسّی ہزار روپے میرے پاس رکھے ہوئے ہیں۔ آپ جب چاہیں لے سکتے ہیں۔"

میں نے چور نظروں سے شہناز کی طرف دیکھا تو وہ اسّی ہزار روپے کی بات سن کر حیرانی سے آنکھیں پھیلا کر غلام کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا تو میں نے نظریں جھکا لیں۔ وہ شروع سے ہی ایک لالچی عورت تھی۔ پیسوں کے لیے جان دیتی تھی اور اسی لیے وہ بنکاک میں ڈاکٹر کے ہیروں ... کی خاطر اپنے شوہر طارق محمود کو زندگی اور موت کی کشمکش میں چھوڑ کر آگئی تھی۔ دولت کے آگے وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔

اس کی دو کمزوریاں اچھی طرح معلوم ہو گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سب سے زیادہ اپنے بدن کو اہمیت دیتی تھی اور اس کی آخری کوشش یہی ہوتی تھی کہ کوئی اس کے بدن کو ہاتھ نہ لگائے، دُور ہی دُور سے چاہتا رہے۔ یہی وجہ تھی کہ پچھلے دنوں کئی دولت مندوں نے لاکھوں روپے کی پیشکش کی تھی۔ اسے بڑے بڑے آفر دیے تھے۔ ساری زندگی اس بات کی ضمانت دینے کے لیے تیار تھے کہ وہ دولت میں کھیلتی رہے گی۔ اس کے باوجود اس نے اپنے بدن کا سودا نہیں کیا تھا۔ اسے اپنے آپ سے پہلے پیار تھا۔ پھر وہ دنیا کی دوسری چیز کے متعلق سوچتی تھی۔ دوسری چیز دولت تھی۔ اِس کے لیے وہ مکاری اور فریب سے کام لیتی تھی مثلاً بنکاک سے ہیرے چرا کر لانا۔ پھر یہاں آ کر اس نے وہ دھندا شروع کیا تھا کہ لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر خوش

[illegible]ل کرانے بیوٹی پارلر میں بھیج دیتی تھی جہاں لڑکیاں گناہوں کی دلدل میں پھنس جاتی تھیں اور شہناز کو معقول آمدنی ہوا کرتی تھی۔ اِسی طرح وہ دولت حاصل کر رہی تھی۔ اب جو اس نے اسّی ہزار روپے کی بات سنی تو اس کی بہت دیر کی سنجیدگی اور خاموشی یکلخت ختم ہو گئی۔ وہ بالکل ہی نرم پڑ کر اب میری طرف زیر لب مسکراتے ہوئے دیکھنے لگی اور چھیڑ چھیڑ کر باتیں کرنے لگی جیسے مجھ پر مرتی ہو۔

وہ بڑی لگاوٹ سے کہہ رہی تھی: "طارق تم بنکاک سے واپس آکر بالکل ہی بدل گئے ہو۔ پہلے یہاں بالکل ہی پھکڑ رہتے تھے۔ دولت کمانا جانتے ہی نہیں تھے لیکن اب تم نے کتنے ہی ہتھکنڈے سیکھ لیے ہیں۔ بہرحال تم جو بھی کماؤ گے اُس پر میرا حق ہوگا اور میرا حق ہے کیونکہ میں تمہاری بیوی ہوں۔ وہ اسّی ہزار روپے میں اپنے پاس رکھوں گی۔ بینک میں میرا اکاؤنٹ ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا: "میری جان میں ہی تمہارا ہوں تو میری دولت کیوں نہ تمہاری ہو۔ میں کوٹھی میں چل کر یہ رقم تمہیں دے دوں گا۔"

وہ خوشی سے کھل گئی۔ اگر تنہائی ہوتی تو شاید رشوت کے طور پر میرے سینے سے لگ جاتی۔ کھانے کے دوران اس نے غلام سے پوچھا: "تم بھی کوئی دھندا کرتے ہو۔ کچھ کمایا کرتے ہو یا یونہی طارق کے ساتھ رہا کرتے ہو؟"

غلام نے جواب دیا: "میں آقا کے حکم کا محتاج ہوں۔ اگر حکم دیں تو میں دولت کا ڈھیر لگا دوں۔ جس کی طرف اشارہ کریں اس کی گردن دبوچ لوں۔ جس تجوری کی نشاندہی کریں اُسے توڑ کر ساری دولت سمیٹ کر لے آؤں۔ میں حکم کا بندہ ہوں اور یہ حکم آقا ہی دے سکتے ہیں۔"

شہناز نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "اسے حکم کیوں نہیں دیتے۔ عجیب آدمی ہو۔ کیا دولت آتے ہوئے بری لگتی ہے۔" پھر اس نے غلام کو دیکھتے ہوئے کہا: "اگر تم اتنے کارآمد ہو تو اب تمہارے آقا حکم دیا کریں گے۔ میں انھیں حکم دینے پر مجبور کروں گی۔"

غلام نے مجھ سے کہا: "آقا! فی الحال ایک سیدھا سادا سا کام ہے۔ اگر ہم یہ کر گزریں تو ہمیں فوری طور پر پچاس ہزار روپے مل سکتے ہیں۔"

شہناز نے فوراً ہی چونک کر پوچھا: "کیسا کام۔ کیا ابھی پچاس ہزار مل جائیں گے؟ مجھے بتاؤ۔ وہ کیسا کام ہے میں طارق محمود کی بیوی ہوں۔ تمہارے آقا کی شریکِ حیات ہوں۔ میں حکم دیتی ہوں کہ وہ کام ضرور کیا جائے گا۔"

میں خاموش بیٹھا کھانے میں مصروف رہا۔ غلام نے کہا: "یہاں ہوٹل میں کل ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ وہ کوئی پینتالیس یا پچاس برس کا شخص ہے۔ اچھی خاصی صحت ہے اور اچھا خاصا دولت مند معلوم ہوتا ہے۔ اس نے مجھ سے ذکر کیا ہے کہ اُس کی بیٹی برسوں پہلے گم ہو گئی تھی وہ اُسے تلاش کر رہا ہے اور اُسے پتہ چلا ہے کہ وہ اسی شہر میں ہے۔"

شہناز نے پوچھا: "اس لڑکی کا کوئی پتہ ٹھکانہ تو اُس نے بتایا ہوگا؟"

غلام نے کہا: "اطلاع دینے والے نے اس شخص کو صرف یہ بتایا تھا کہ وہ بلوچ کالونی کے کسی بنگلے میں رہتی ہے۔"

بلوچ کالونی کا نام سن کر میں کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا اور غلام کی باتیں دلچسپی سے سننے لگا۔ شہناز نے کہا: "بلوچ کالونی میں تو سینکڑوں ہزاروں کوٹھیاں ہیں۔ ان کا کوئی نمبر تو ہوگا۔ اس کوٹھی یا بنگلے کے مکین کا کوئی نام تو ضرور ہوگا؟"

غلام نے کہا: "وہ شخص اندھیرے میں ہے اور جیسے آنکھیں رکھتے ہوئے دن کی روشنی میں بھی وہ اندھوں کی طرح اپنی بیٹی کو تلاش کر رہا ہے۔ اطلاع دینے والے نے اُسے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ وہ کسی بنگلے میں ہے۔ اس بنگلے کا نمبر نہیں بتا سکا اور نہ ہی اس بنگلے والوں کا کوئی نام اُسے معلوم تھا۔"

میں نے پوچھا: "اس شخص کو بیٹی کا تو نام معلوم ہوگا؟"

غلام نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "جی ہاں اُس نے بیٹی کا نام بتایا تھا۔ اُس کا نام مرجانہ ہے۔"

میں ایک دم سے چونک گیا: "مرجانہ۔ کیا اُس نے یہی نام بتایا ہے؟ کہاں ہے وہ شخص؟ مجھے ابھی اُس سے ملاؤ۔"

"وہ شخص ابھی ہوٹل میں نظر نہیں آ رہا ہے۔ آج صبح تقریباً نو بجے ایک آدمی اپنے دیسی لباس میں یہاں آیا تھا اور اُس نے شاید اُسے بلوچ کالونی کی کوٹھی کا نمبر اور پتہ ٹھکانہ مکمل طور سے بتا دیا تھا۔ اس شخص کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی اٹیچی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ عجلت میں ہے اور کہیں جانا چاہتا ہے۔ بعد میں اس شخص نے مجھے بتایا کہ وہ یہ شہر چھوڑ کر آج دوپہر کی ٹرین

سے لاہور شہر جا رہا ہے۔ اُسی نے آکر اطلاع دی ہے کہ مرجانہ کہاں رہتی ہے اور اُسے میں کس طرح مل سکتا ہوں۔ یہ شخص جو ابھی گیا ہے بہت لالچی ہے۔ یہ میری بیٹی کو اچھی طرح جانتا ہے اور یہ ابھی مجھ سے پانچ ہزار روپے لے کر گیا ہے۔"

اُس کی باتیں سن کر میں سمجھ گیا کہ وہ لالچی آدمی کرم دین ہی ہو سکتا ہے۔ وہی دوپہر کی ٹرین سے فرار ہو رہا تھا اور میں اُسے پھر واپس مرجانہ کے پاس پہنچا چکا تھا۔ غلام نے پوچھا۔ "آقا کیا آپ اس لڑکی مرجانہ کو یا اس شخص کو جانتے ہیں جو یہاں ہوٹل میں ملنے آیا تھا؟"

میں نے کہا "میں نہیں جانتا مگر میں اس سلسلے میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں پھر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ غلام سمجھ گیا کہ میں خیال خوانی میں مصروف ہو گیا ہوں اس لیے وہ شہناز کو باتوں میں لگائے رہا۔ میں اُسی وقت دماغی طور پر مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ غلام کی باتیں بالکل درست ثابت ہوئیں۔ وہ شخص جو غلام کو ہوٹل میں ملا تھا اور جو اچھا خاصا دولت مند تھا۔ اب وہ زرینہ کی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے باپ سے باتیں کر رہا تھا۔ مرجانہ بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ شخص کہہ رہا تھا "مرجانہ کو ہم تقریباً بیس برس سے تلاش کر رہے ہیں۔ ایک شخص اُسے پیدا ہوتے ہی کہیں اُٹھا کر لے گیا تھا۔ اس کے سلسلے میں صرف کرم دین بھی اچھی طرح جانتا تھا کیونکہ اسی نے اُس کی پرورش کی تھی اور کرم دین ہم لوگوں کو بلیک میل کرتا رہا تھا۔ وہ ہم سے کہتا تھا کہ اگر ہم اُسے ماہانہ معقول رقم نہیں دیں گے تو وہ ہماری بیٹی کو مار ڈالے گا اور ہمیں اُس کے پاس پہنچنے نہیں دے گا۔ ہم اس کی بلیک میلنگ پر مجبور تھے اور اس کو منہ مانگی رقم ادا کرتے رہتے تھے۔ اب چند دن پہلے کرم دین نے میرے باس راولپنڈی میں آکر کہا کہ مرجانہ اب جوان ہو گئی ہے وہ بہت ہی ضدی اور غصہ ور ہے۔ اب اُس کے سنبھالے نہیں سنبھلتی۔ لہٰذا وہ مرجانہ کو ہمیں ...... واپس کرنا چاہتا ہے اگر ہم مرجانہ سے ملنا چاہتے ہیں تو کراچی پہنچ جائیں برج کالونی کے بنگلے میں وہ ہمیں مل سکتی ہے۔ میں نے اُس سے بنگلے کا پتہ پوچھا تو اُسے یاد نہیں تھا لیکن آج وہ یہاں سے بھاگ کر آیا تو اُس نے کوٹھی کا نمبر یاد کر لیا تھا۔ اب اُسی کے بتانے پر میں یہاں آیا ہوں۔"

وہ لوگ اُس کی باتیں سن رہے تھے۔ پھر زرینہ کے والد نے پوچھا "تو کیا آپ ہی مرجانہ کے والد ہیں؟"

اس شخص نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں حالانکہ میں اپنے آپ کو مرجانہ کا باپ کہتا پھرتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں دوسروں کو بتاتا ہوں کہ میری بیٹی گم ہو گئی ہے تو لوگ ہمدردی سے کام لیتے ہیں اور میری مدد کرتے ہیں۔ دراصل یہ میرے باس کی صاحبزادی ہیں۔ میرے باس نے راولپنڈی اور پیرس میں بہت سے ماتحتوں کو اس مقصد کیلئے مقرر کیا ہے کہ وہ مرجانہ کو تلاش کریں۔"

مرجانہ نے پوچھا "راولپنڈی کی بات تو سمجھ میں آتی ہے کیونکہ وہاں میری خالہ رہتی ہیں اور تمھارے باس یا میرے اس ڈیڈی کو یہ خیال ہوگا کہ شاید میں کبھی خالہ کے پاس آؤں تو وہ مجھے پالے لیکن پیرس میں کیوں؟ کیا پیرس میں بھی کوئی میرا اپنا ہے؟"

اس شخص نے کہا "ہاں پیرس میں تمھاری اپنی ماں رہتی ہے میرے باس کا خیال ہے کہ شاید تم کبھی اپنی ماں سے ملنے آؤ تو وہاں بھی میرے باس کے جو ماتحت ہیں وہ خبر کر دیں گے کہ تم آ گئی ہو تب میرا باس تمھیں لینے کے لیے وہاں بھی پہنچ جائے گا۔"

مرجانہ نے پوچھا "اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ میں تمھارے باس کی بیٹی ہوں؟"

اُس شخص نے جواب دیا "میرے باس کے پاس نکاح نامہ موجود ہے جس کے تحت انھوں نے تمھاری ماں سے شادی کی تھی۔ اس کے علاوہ شادی کی تصویریں بھی باس کے پاس موجود ہیں۔ میں نے خود ایک تصویر دیکھی ہے جس میں میرا باس دولہا اور تمھاری والدہ دلہن کے روپ میں ہیں۔ تم میرے باس سے ملو گی تو مطمئن ہو جاؤ گی اور تسلیم کر لو گی کہ تم انھی کی صاحبزادی ہو۔"

"کیا میرے والد راولپنڈی میں ہیں؟"

"نہیں پہلے راولپنڈی میں تھے لیکن اب کچھ دنوں سے پیرس گئے ہوئے ہیں۔ میں آج ہی انھیں اطلاع دوں گا کہ تم مل گئی ہو۔ وہ فوراً ہی تم سے ملنے کے لیے آ جائیں گے۔"

مرجانہ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "تم انھیں اطلاع نہ دینا۔ میں اسی وقت کی فلائٹ سے راولپنڈی جا رہی ہوں وہاں اپنی خالہ سے ملاقات کرنے کے بعد پیرس جاؤں گی کیونکہ یہاں صرف والد کو بلانے سے کام نہیں چلے گا میں پیرس جا کر اپنی والدہ سے بھی ملنا چاہتی ہوں۔"

اُس شخص نے کچھ پریشان ہو کر پوچھا "کیا تم واقعی راولپنڈی جا رہی ہو لیکن وہاں جانا کیا ضروری ہے؟"

"میں اپنی خالہ طاہرہ بانو سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"دیکھو مرجانہ! بیس برس کے بعد تمھیں سب سے پہلے اپنے ماں باپ سے ملنا چاہیے۔ بعد میں خالہ سے ملتی۔ اگر پہلے تم خالہ سے یا دوسرے رشتہ داروں سے ملو گی تو نہ جانے وہ کیسی اُلٹی سیدھی باتیں کہیں گے تمھیں بہکائیں گے اور شاید تمھیں تمھارے ماں باپ تک پہنچنے کا موقع نہیں دیں گے۔"

مرجانہ نے کہا "میں اپنی خالہ سے ضرور ملوں گی۔ مجھے اپنے آپ پر اعتماد ہے کہ کوئی مجھے بہکا یا بھٹکا نہیں سکتا۔ تم کہتے ہو کہ پہلے مجھے میرے ماں باپ سے ملنا چاہیے۔ میرے پاس انٹرنیشنل پاسپورٹ نہیں ہے۔ اُسے حاصل کرنے میں کچھ دن لگیں گے۔ پھر یہ کہ اگر تم انھیں اطلاع دو گے تو کیا میرے والد کے ساتھ میری والدہ بھی یہاں آئیں گی؟"

اُس شخص نے ہچکچاتے ہوئے کہا "تمھارے والد تو ضرور یہاں پہلی فلائٹ سے پہنچیں گے لیکن والدہ کی بابت میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"کیوں کہہ نہیں سکتے؟"

"وہ بات دراصل یہ ہے کہ تمھاری والدہ کی ذہنی حالت کچھ درست نہیں ہے۔ وہ کچھ نیم پاگل سی ہیں۔ اسی لیے انھیں پیرس میں رکھا گیا ہے۔ وہاں کی آب و ہوا انھیں راس آئے گی تو اُن کی ذہنی حالت درست ہو جائے گی۔ اس لیے تمھارے والد انھیں یہاں نہیں لائیں گے۔"

مرجانہ یہ سن کر بے چین ہو گئی اور بڑی بے چینی سے بولی "پھر تو میں اپنی والدہ کے پاس جا کر ضرور رہوں گی۔ وہیں والد سے بھی ملاقات ہو گی لیکن میں پنڈی ضرور جاؤں گی۔ وہاں اسلام آباد میں رہ کر پاسپورٹ بنانے میں آسانی ہو گی۔"

اُس شخص نے کہا "اگر تم بضد ہو تو تمھاری مرضی... راولپنڈی جاؤ۔ میں بھی کوشش کرتا ہوں کہ اسی فلائٹ میں مجھے سیٹ مل جائے۔ نہ ملی تو میں کل تک وہاں پہنچ جاؤں گا اور دو دن کے اندر تمھیں انٹرنیشنل پاسپورٹ حاصل کر کے دوں گا۔ بس تم اتنا سا کام کرو کہ اپنی تصویریں ابھی اُتروا کر دے دو تاکہ پاسپورٹ بنوانے میں آسانی ہو۔"

مرجانہ نے کہا "میرے پاس لاہور میں آتاری ہوئی کئی تصویریں ہیں اُن میں پاسپورٹ سائز کی تصویریں بھی موجود ہیں۔ وہ سب میرے پاس اٹیچی میں رکھی ہوئی ہیں تم پنڈی میں آکر مجھ سے ملاقات کرو تو میں وہ تصویریں تمھیں دے دوں گی۔ پھر میرے لیے پاسپورٹ ضرور بنوا دینا۔"

وہ شخص اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولا "اچھا تو مجھے اجازت دو۔ میں ابھی ایئرپورٹ جا کر اپنے لیے سیٹ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ رخصت ہو گیا۔ میں بھی ان لوگوں کے پاس سے واپس آکر دماغی طور پر شہناز اور غلام کے سامنے حاضر ہو گیا۔ وہ دونوں باتوں میں مصروف تھے۔ کھانا ختم ہو چکا تھا اور بیرا میز پر سے پلیٹیں اٹھا رہا تھا۔ میں نے کافی کا آرڈر دیا۔ پھر غلام سے کہا "مجھے یاد آ گیا۔ میں مرجانہ کو جانتا ہوں لیکن اب اُس کے ذریعے ہمیں پچاس ہزار روپے نہیں مل سکیں گے۔"

شہناز نے پوچھا "کیوں نہیں مل سکیں گے؟"

"اس لیے کہ ہوٹل میں جس شخص کو مرجانہ کی تلاش تھی اُسے اس کوٹھی کا پتہ اور نمبر معلوم ہو چکا ہے۔ وہ اب تک جا کر مرجانہ سے ملاقات کر چکا ہو گا۔ جب مرجانہ مل ہی گئی ہو گی تو اُس کے ذریعے روپے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں وہ شخص پاگل تو نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ہمیں پچاس ہزار روپے دے گا۔ جبکہ ہم نے اس کے لیے کوئی کام ہی نہیں کیا ہے۔"

شہناز نے پوچھا "تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ مرجانہ اُسے مل گئی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کوٹھی میں پہنچ کر بھی مرجانہ کو تلاش کرنے میں ناکام رہا ہو۔"

"میں جانتا ہوں کہ مرجانہ ابھی پینتالیس منٹ کے

بعد ایئرپورٹ جائے گی اور وہاں سے پنڈی کے لیے روانہ ہو جائے گی۔ میں ابھی تمھیں وہاں لے چلوں گا۔ کافی پی لو، مرجانہ سے ملاقات بھی کرلینا اور وہاں یہ پتہ بھی چل جائے گا کہ مرجانہ سے اس شخص کی ملاقات ہوئی ہے یا نہیں۔" کافی پینے کے دوران میں نے غلام سے کہا: "تم میرا پاسپورٹ بھی اپنے پاس رکھو اور پیرس جانے کے لیے تیار رہو۔ شاید ہم کسی دن بھی یہاں سے پیرس کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔"

شہناز نے پوچھا: "یہ اچانک تم نے پیرس جانے کا کیوں پروگرام بنا لیا؟"

"تم دولت کمانا چاہتی ہو۔ اِس لیے تمھاری خاطر میں پیرس جا رہا ہوں۔ وہاں سے بے انتہا دولت سمیٹ کر لاؤں گا۔ تم دیکھو گی تو حیران رہ جاؤ گی کہ میں نے کیسے کیسے ہتھکنڈے سیکھے ہیں اور تمھیں میں اتنی دولت مند بنا دوں گا کہ لوگ سر اٹھا کر تمھیں دیکھیں گے تو اُن کی گردن دُکھنے لگے گی۔ تم اتنی بلندی پر پہنچ جاؤ گی۔"

میری باتیں سن کر وہ بہت خوش ہو رہی تھی۔ کافی پینے کے بعد غلام نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا: "آقا میں آپ کی وہ رقم لے کر آ رہا ہوں۔"

"فی الحال تم اپنے اخراجات کے لیے اس میں سے دس ہزار روپے رکھ لو باقی ستر ہزار روپے لے آؤ۔ ہم باہر پارکنگ ایریا میں ملیں گے۔"

یہ کہہ کر میں شہناز کے ساتھ باہر آگیا۔ شہناز نے مجھ سے ذرا ناراض ہو کر کہا: "وہ تمھارا غلام ہے۔ اُسے دس ہزار دینے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں اُسے غلام نہیں سمجھتا۔ وہ بہت ہی وفادار ساتھی ہے۔ میں نے تمھاری خاطر اُس سے ستر ہزار روپے لے لیے ہیں۔ ورنہ میں وہ ساری رقم اُسے ہی دے دیتا۔"

وہ حیرانی سے بولی: "اُسے سب دے دیتے اور کیا تم اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے؟"

"شہناز میں اتنی بڑی دنیا میں واحد آدمی ہوں جسے پیسوں کی کبھی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں اپنے پاس کبھی کسی ملک کی کرنسی نہیں رکھتا۔ جب ضرورت ہوتی ہے کسی بھی ملک کی کرنسی میری جیب میں آجاتی ہے۔ میں دولت کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ تم شاید یقین نہ کرو کہ دولت میرے پیچھے بھاگتی رہتی ہے۔"

وہ مجھے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی: "تم پہلے جیسے طارق نہیں رہے۔ مجھے بڑے ہی پُراسرار لگتے ہو۔ تمھاری بہت سی باتیں اور بہت سی حرکتیں بدل گئی ہیں۔ پہلے کبھی تم اتنے پُراعتماد نہیں تھے کہ دولت کے متعلق ایسی باتیں کرتے۔ تم فکر مند رہتے تھے کہ میرے لیے کس طرح زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کر سکتے ہو۔ آج یہ حالت ہے کہ تم دولت کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیتے اور دعویٰ کرتے ہو کہ ہر ملک کی کرنسی تمھاری جیب میں آجاتی ہے۔"

"ہاں اگر ہمارا ساتھ رہا تو تم میری باتوں کو سچ ہوتے دیکھتی رہا کرو گی۔"

وہ کچھ دیر سوچ کر بولی: "طارق میں اکثر یہ سوچتی ہوں کہ تم میرے شوہر نہیں ہو وہ طارق نہیں ہو جسے میں بنکاک میں چھوڑ کر آئی تھی۔ تمھاری شخصیت کچھ ایسی ہے جیسے تم کوئی اور شخص ہو اور چونکہ اس جاپانی ڈاکٹر کے پاس رہ کر آئے ہو تو یہ شبہ یقین کی حد تک ہوتا ہے کہ اس ڈاکٹر نے تمھارے چہرے کو طارق محمود کا چہرہ بنا دیا ہے اور تم وہی روپ دھار کر میرے پاس آئے ہو۔"

میں نے ہنس کر اس کی باتوں کو ٹال دیا۔ جواب دینے کی ضرورت اِس لیے پیش نہیں آئی کہ اسی وقت غلام روپے سے بھرا ہوا بریف کیس لے کر آگیا تھا۔ اُس وقت میں نے وہ بریف کیس لے کر کار کی پچھلی سیٹ پر پھینکتے ہوئے کہا: "آؤ میری جان بیٹھو۔ ہم ایئرپورٹ چلیں گے۔"

وہ کار کی دوسری طرف سے جا کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے غلام سے کہا: "تم ابھی ہوٹل میں رہو۔ میں تمھیں بتاؤں گا کہ ہم کب اور کہاں ملیں گے اور پروگرام کیا ہے ویسے تم پیرس جانے کے انتظامات میں جا رہا ہوں۔ پھر ملاقات ہوگی۔"

میں نے کار میں بیٹھ کر اُسے اسٹارٹ کیا۔ پھر پارکنگ ایریا سے نکال کر ایئرپورٹ کی طرف چلا۔ بیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد ایئرپورٹ کے پارکنگ میں پہنچ کر جب ہم کار سے اُتر گئے تو میں کار کو لاک کرنے لگا۔ شہناز نے حیرانی سے پوچھا: "کیا یہ بریف کیس سیٹ پر چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟"

"کیا حرج ہے؟ کار کے شیشے چڑھے ہوئے ہیں اور میں اسے لاک بھی کر رہا ہوں۔"

"پھر بھی محتاط رہنا چاہیے۔ آج کل کے چور

لیے کار کا دروازہ کھول لیتے ہیں اور اندر رکھی ہوئی چیزیں اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ میں اپنی رقم ایسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گی میرا دل نہیں لگے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھولا اور بریف کیس کو اٹھالیا۔ میں نے مسکرا کر گاڑی کو لاک کر دیا۔ وہ دولت کو اپنے پیچھے چھوڑ کر جانے والی عورت نہیں تھی۔ اپنے ساتھ لے جانے لگی۔ میں اس کے ساتھ چلتا ہوا ایئرپورٹ کی عمارت کے اس حصے میں گیا جہاں سے مسافر روانہ ہوتے تھے۔ وہاں مرجانہ، زرینہ اور اس کے والدین کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے قریب پہنچ کر ہیلو کہا تو اس نے بھی خوش مزاجی سے ہیلو کہہ کر شہناز کو دیکھا۔ پھر خوش ہو کر بولی: "کیا یہی تمھاری بیوی شہناز ہے۔ واقعی یہ تو حسن کا شاہکار نظر آتی ہے۔"

پھر اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: "ہیلو شہناز مجھے مرجانہ کہتے ہیں۔"

شہناز نے مسکراتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا مگر ایک ہی لمحے اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی اور وہ کچھ جھجکنے لگی میں سمجھ گیا۔ مرجانہ سے ہاتھ ملاتے وقت اسے کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی عورت سے نہیں مرد سے ہاتھ ملا رہی ہو۔ اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے مرجانہ سے کہا: "میرے شوہر طارق کے ایک نیگرو دوست ہیں جو ہوٹل انٹرکان میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اسی ہوٹل میں ایک اور شخص بھی تھا جو تمھیں تلاش کر رہا تھا اور اُن کے نیگرو ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ وہ تمھیں تلاش کرنے کے پچاس ہزار روپے دے گا۔ پھر اس شخص کو کسی طرح تمھارا پتہ چل گیا۔ کیا وہ شخص تم سے ملنے آیا تھا؟"

مرجانہ نے کہا: "ہاں ابھی ایک گھنٹہ پہلے ایک شخص مجھ سے ملنے آیا تھا اور وہ مجھے میرے والدین کا پتہ بتا رہا تھا۔"

میں نے مرجانہ سے پوچھا: "تم نے اس شخص سے باتیں کرنے کے بعد کیا رائے قائم کی ہے؟"

"میں اُلجھ کر رہ گئی ہوں کیونکہ کرم دین نے مجھے بتایا تھا کہ میرے والد کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب میں پیدا بھی نہیں ہوئی تھی اور میری ماں کو در بدر بھٹکنا پڑا تھا اور مجھے دشمنوں سے محفوظ رکھنے کی خاطر وہ اپنا آرام، سکھ چین سب کچھ چھوڑ کر کسی دیہات میں چلی گئی تھی۔ آج وہ شخص مجھ سے یہ کہہ رہا تھا کہ میرے والد اور والدہ دونوں پیرس میں ہیں۔ والدہ کی ذہنی حالت درست نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کرم دین کی بات پر یقین کروں یا اس شخص کی؟"

"تم آج پنڈی پہنچ کر جب اپنی خالہ سے ملاقات کرو گی تو صحیح معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ تمھاری خالہ نے تمھاری حفاظت کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ وہ تم سے جھوٹ نہیں بولیں گی۔"

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا: "ہاں میں اسی لیے پنڈی جا رہی ہوں اور اپنی خالہ سے ملاقات کرنے کے بعد ساری معلومات حاصل کروں گی۔ ارے، یہ کرم دین کہاں چلا گیا۔"

یہ کہہ کر وہ اِدھر اُدھر متلاشی نظروں سے دیکھنے لگی۔ زرینہ کے باپ نے کہا: "معلوم ہوتا ہے یہ کم بخت پھر بھاگ گیا ہے۔"

میں نے فوراً ہی کرم دین کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ تیزی سے چلتا ہوا پارکنگ ایریا کی طرف چلا گیا تھا اور وہاں ایک ٹیکسی والے سے کہہ رہا تھا کہ اُسے وہاں سے ریلوے اسٹیشن پہنچا دے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے کہا: "باؤجی ریلوے اسٹیشن پہنچانے کے پورے پچاس روپے لوں گا۔"

کرم دین نے فوراً ہی جیب سے سو کا نوٹ نکال کر کہا: "لے سو روپے رکھو اور مجھے جلد از جلد ریلوے اسٹیشن پہنچا دو۔"

یہ کہہ کر اس نے سو روپے ڈرائیور کو دیے۔ اسی وقت میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے دوسرے ہی لمحے ڈرائیور سے کہا: "کوئی بات نہیں۔ سو روپے رکھو۔ ہم پھر کسی وقت ملیں گے۔ میں جا رہا ہوں۔ ٹاٹا۔"

یہ کہہ کر وہ ٹیکسی کی طرف سے پلٹ کر پھر مرجانہ کی طرف دوڑ کر آنے لگا۔ ٹیکسی ڈرائیور بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔ "اوئے اے تے کوئی پاگل دا پتر معلوم ہوندا اے۔"

کرم دین دوڑتا ہوا آکر مرجانہ کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر ہانپتے ہوئے بولا: "دیکھو مرجانہ۔ یہ پاگل کا بچہ پھر بھاگ رہا تھا۔ میں اسے واپس لے آیا ہوں۔ اب اسے سنبھالو۔"

اتنا کہنے کے بعد میں نے کرم دین کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ بوکھلا کر مرجانہ کو اور دوسرے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ مرجانہ نے مسکرا کر کہا: "کیوں بیوقوف کے بچے۔ تم پھر مجھے دھوکا دے کر جا رہے تھے۔ دیکھا، میں نے کس طرح پھر تمھیں واپس بلا لیا ہے۔"

کرم دین نے سر کو تھام کر کہا "بی بی، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میں دُور بھاگتا ہوں پھر تمھارے پاس کیسے چلا آتا ہوں۔ کیا تم نے کوئی جادو منتر سیکھا ہوا ہے؟"

"میرے ساتھ پنڈی چلو۔ پھر میں تمھیں بتاؤں گی کہ میں کتنے جادو منتر جانتی ہوں۔ چلو ٹائم ہو رہا ہے۔"

یہ کہہ کر اُس نے کرم دین کا ہاتھ پکڑا۔ پھر ہم سے رخصت ہو کر وہاں سے چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد میں شہناز کو لے کر پارکنگ ایریا میں آیا۔ پھر کار میں بیٹھ کر ہم کوٹھی کی طرف جانے لگے۔ راستے میں شہناز نے کہا۔ "ملازمہ چار دن سے نہیں آ رہی ہے۔ کھانے کی بڑی تکلیف ہے۔ کل صبح وہ آئے گی۔ آج رات کو کیا ہوگا؟"

"فکر نہ کرو۔ غلام ہمارے لیے رات کا کھانا لے آئے گا۔"

یہ کہہ کر میں نے غلام سے رابطہ قائم کیا اور اُس سے کہہ دیا کہ وہ رات کے نو یا دس بجے تک ہمارے لیے رات کا کھانا لے آئے۔ میں اُسے گائیڈ کروں گا تو وہ شہناز کی کوٹھی تک پہنچ جائے گا۔

کوٹھی میں سامی اکیلی تھی۔ میں اُسے چھوڑ کر گیا تھا جب ہم وہاں پہنچے تو وہ مجھے دیکھتے ہی دوڑ کر میرے پاس آ گئی۔ شہناز نے اسے دیکھ کر کہا "یہ بلی تم سے بہت زیادہ مانوس ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے خون کا رشتہ ہو۔ تمھارے بغیر تو رہتی نہیں ہے۔"

"ہاں میرے بغیر اس وقت رہے گی جب میں تمھارے پاس رہا کروں گا۔ یہ بڑی سمجھ دار ہے۔ ہمیں تنہائی میں ملنے کا موقع دیا کرے گی۔"

وہ سر جھکا کر کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس کی خواب گاہ میں آیا تو وہ بریف کیس کو کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا وہ بریف کیس نمبر سے کھلتا تھا اور ہم غلام سے اس کا نمبر پوچھنا بھول گئے تھے۔ میں نے فوراً ہی دماغی رابطہ قائم کرتے ہوئے غلام سے اس لاک کا نمبر معلوم کیا تو اس نے نمبروں کی ترتیب بتا دی۔ پھر میں نے دماغی طور پر حاضر ہو کر شہناز سے کہا۔ "میں جو نمبر بتا رہا ہوں اُس کے مطابق کھولو تو کھل جائیگا۔"

یہ کہہ کر میں نے اس کو نمبر بتایا۔ اُس کے مطابق اُس نے بریف کیس کو کھول دیا۔ بریف کیس کھلتے ہی شہناز کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس میں نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

اُس نے پلٹ کر پوچھا "یہ سب میرے لیے ہے نا؟"

میں نے قریب پہنچ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "ہاں دولت تمھاری کمزوری ہے اور میری کمزوری تم ہو۔ دونوں کمزوریاں ساتھ ساتھ چلتی رہیں گی تو دونوں کا بھلا ہو گا۔"

اُس نے مسکرا کر ستر ہزار روپے کو گلے لگا لیا۔ رات کے آٹھ بجے تک باتیں کرتے رہے۔ میں نے مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آدھ گھنٹے بعد پنڈی کے ایئر پورٹ تک پہنچ جائے گی۔ یہ معلوم کرنے کے بعد میں خواب گاہ سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا اور سگریٹ سلگا کر اُس کے کش لگانے لگا۔ دماغی رابطے کے ذریعے میں نے غلام کو شہناز کی کوٹھی کا مکمل پتہ بتایا اور اُس سے کہا کہ وہ اپنا سامان لے کر یہیں آ جائے۔ اسے ہدایات دینے کے بعد میں نے گھڑی دیکھی۔ ابھی مرجانہ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کافی وقت پڑا تھا۔ میرا دھیان شہناز کی طرف گیا۔

شہناز میری قربت سے متاثر ہوتی تھی

مجھ سے دور ہو کر

وہ میرے متعلق کیا سوچتی ہے۔ یہ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں اُس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ بستر پر چپ چاپ لیٹی ہوئی چھت کو گھور رہی تھی اور سوچ رہی تھی "طارق کا ساتھ کب تک رہے گا۔ اس نے تو مجھے میرے ہی جال میں پھانس لیا ہے۔ اس طرح خوشبوؤں میں نہا کر آتا ہے کہ میں اُس کے کسی حکم سے انکار نہیں کر سکتی۔ بے خود ہو کر اُس کے آگے جھک جاتی ہوں۔ اُس کی ہر بات مان لیتی ہوں۔ مجھ پر عجیب سی مدہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ میں کیا کروں کب تک طارق کا ساتھ رہے گا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی طرح اس سے پیچھا چھوٹ جائے لیکن اُس کی دولت مجھے ملتی رہے۔ وہ مجھ سے دُور رہے اور میاں بیوی کا رشتہ بھی قائم رہے لیکن اس رشتے کو نبھانے کے لیے وہ میرے قریب نہ آئے۔ میں کیا کروں۔ میں کسی بھی مرد کو اپنے قریب برداشت نہیں کر سکتی۔"

میں نے اُس کی سوچ میں کہا "اتنی بڑی دنیا میں ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ بیوی اپنے شوہر سے الگ رہے اور اُس کی کمائی بھی کھاتی رہے۔ بیوی کو شوہر کی آمدنی اس لیے ملتی ہے کہ وہ شوہر کو اپنا تن دیتی ہے، اُس کا گھر، اُس کی محبت اور اُس کا سب کچھ اسی لیے ملتا ہے ——— اس دنیا میں جتنے بھی رشتے ہیں ان میں اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے کا سلسلہ ضرور چلتا رہتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو رشتے قائم نہیں رہتے۔"

اس کی سوچ نے کہا "لیکن میں ایسا کر کے دکھاؤں گی۔ آج تو میں مجبور ہو گئی۔ کل پھر اس وقت جب یہاں آئے گا تو میں اُبٹن کے ذخیرے میں سے تھوڑا سا بچا کر لے آؤں گی پھر جب میں اس اُبٹن کی مالش کروں گی اور خوشبوؤں میں نہا جاؤں گی تب وہ مجھ پر حاکم بن کر نہیں رہ سکے گا۔"

میں نے اُس کی سوچ میں کہا "تمھیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ طارق کے پاس بھی اُبٹن کا ایک ڈبہ پہنچ گیا ہے۔ اِدھر تم خوشبوؤں میں نہاؤ گی اُدھر وہ خوشبوؤں میں ڈوب کر آئے گا۔ دونوں کی خوشبوئیں ٹکرائیں گی۔ دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی مردانگی سے تمھیں ہی زیادہ متاثر کر دے تو کیا ہو گا۔ تمھیں یہ سوچنا چاہیے کہ جب تک اُبٹن کا وہ ڈبہ طارق کے پاس موجود ہے اس وقت تک وہ تمھیں حاصل کرتا رہے گا۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ آخر اُس کے ذہن میں یہ تدبیر آئی کہ جب میں سو جاؤں گا تو وہ آہستگی سے اُٹھ کر میرے اُبٹن کے ڈبے کو تلاش کرے گی اور اُسے پا لینے کے بعد ایسی جگہ چھپا دے گی جہاں میں اُسے ڈھونڈ نہ سکوں۔ اس طرح میں بالکل بے ہتھیار کا سپاہی بن جاؤں گا جو اُسے زیر نہیں کر سکے گا بلکہ وہ خوشبوؤں میں نہا کر مجھے اپنا محکوم بنا لے گی۔

یہ تدبیر سوچ کر وہ خوش ہو گئی۔ اُسے اطمینان ہو گیا کہ بس آج رات میرے حکم کے مطابق اُسے اس کی مرضی کے خلاف کام کرنا ہو گا اور میری ہر بات ماننی ہو گی۔ اس کے بعد دوسری صبح وہ حاکم بن جائے گی۔ میں اس کی خوش فہمی پر مسکرا کر رہ گیا۔ اس وقت تک آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا بلکہ کچھ زیادہ ہی وقت گزر گیا تھا۔ میں مرجانہ کے دماغ میں پہنچا تو وہ پنڈی کے ایئرپورٹ سے باہر نکل کر...... پارکنگ ایریا کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ کرم دین بھی تھا۔ پھر وہ دونوں ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ کرم دین کوٹھی کا پتہ بتانے لگا جہاں مرجانہ کی خالہ طاہرہ بانو رہتی تھی۔

میں ڈرائنگ روم سے اُٹھ کر شہناز کی خواب گاہ میں گیا۔ وہ اسی طرح بستر پر نڈھال سی پڑی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا "میں دوسرے کمرے میں جا کر آرام کر رہا ہوں۔ غلام تھوڑی ہی دیر میں یہاں پہنچنے والا ہے۔ وہ آئے تو تم اُسے دروازہ کھول کر اندر بلا لینا۔ وہ اپنے سامان کے ساتھ آ رہا ہے اور ہمارے لیے کھانا بھی لا رہا ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد اپنے کمرے سے باہر نکلوں گا۔"

یہ کہہ کر میں اُس کا جواب سُنے بغیر پلٹ گیا۔ دوسرے کمرے میں آ کر میں نے دروازے کو بند کر دیا تاکہ میری خیال خوانی کے درمیان کوئی مداخلت نہ کرے پھر میں نے ایک کرسی پر آرام سے بیٹھ کر مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو ٹیکسی میں اُن کا سفر جاری تھا۔ مجھے تھوڑی دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹیکسی ایک کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ کوٹھی کا مین گیٹ بند تھا۔ مرجانہ نے کرم دین سے کہا کہ وہ ٹیکسی سے اُتر کر احاطے کا مین گیٹ کھول دے۔

کرم دین نے حکم کے مطابق ٹیکسی سے اُتر کر مین گیٹ کھولنا چاہا تو اندر سے کسی چوکیدار کی آواز آئی "کون ہے کیا چاہتے ہو؟"

کرم دین نے کہا "میرا نام کرم دین ہے۔ بیگم طاہرہ بانو سے جا کر بولو کہ کرم دین ان کی بھانجی مرجانہ کو ساتھ لے کر آیا ہے۔"

یہ سنتے ہی ایک شخص مین گیٹ کے پاس آیا۔ وہ چوکیدار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کوٹھی کا کوئی آدمی ہو گا۔ اُس نے دروازے کو کھول دیا۔ ٹیکسی اندر پورچ میں جا کر رک گئی۔ مرجانہ نے ٹیکسی سے اُتر کر اس کا کرایہ ادا کیا۔ پھر اُسے رخصت کرنے کے بعد کرم دین کے ساتھ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دروازے کے پاس پہنچی جس شخص نے مین گیٹ کھولا تھا۔ اسی نے آگے بڑھ کر دروازے کو کھولا پھر اپنی رہنمائی میں انھیں ایک طرف لے جانے لگا۔

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر کرم دین کو وہاں بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ پھر اس شخص نے ملازمہ سے کہا "مرجانہ کو بیگم صاحبہ کے پاس پہنچا دو۔"

مرجانہ اس ملازمہ کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکل کر جانے لگی۔ اُسے عجیب سا لگ رہا تھا کہ بچپن سے اب تک اس نے خالہ کی صورت نہیں دیکھی تھی اور خالہ نے بھی اُسے

نہیں دیکھا تھا لیکن ملنے کی شدید تمنا تھی۔ ایسی شدید بے چینی بھی تھی کہ مرجانہ کا نام سن کر اُس کی خالہ کو بہ نفسِ نفیس آنا چاہیے تھا لیکن وہ ابھی تک نظر نہیں آئی تھیں مرجانہ اُس ملازمہ کے ساتھ چلتی ہوئی ایک خواب گاہ میں پہنچی۔ وہاں ایک آرام دہ بستر پر ایک ادھیڑ عمر کی خاتون لیٹی ہوئی تھیں مرجانہ کو دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ پھر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔ مرجانہ نے خواب گاہ کے اندر قدم رکھتے ہوئے پوچھا: ”کیا آپ بیگم طاہرہ بانو ہیں؟“

خاتون نے بستر سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا: ”ہاں میرا نام طاہرہ بانو ہے۔ تم کون ہو؟“

”میں وہ لڑکی ہوں جسے آپ بیس برس پہلے ہندوستان کے ایک دیہات سے لے کر آئی تھیں۔ میری ماں نے مجھے جنم دیا تھا اور پھر آپ کے بھروسے پر چھوڑ دیا تھا۔ آپ نے پاکستان میں آنے کے بعد مجھے کرم دین کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اس پر اندھا اعتماد کر لیا کہ وہ میری اچھی طرح پرورش کرے گا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہوا وہ میری قسمت تھی۔ آج میں آپ کے سامنے کھڑی ہوئی ہوں۔“

اس خاتون نے مرجانہ کو بے یقینی سے دیکھا۔ پھر آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں: ”میں کیسے یقین کروں کہ تم وہی لڑکی ہو اور تمہارا نام مرجانہ ہے۔ تمہیں کرم دین کو ساتھ لانا چاہیے تھا۔ وہی اس بات کا ثبوت دے گا۔“

”کرم دین ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے۔ میں اُسے ساتھ لائی ہوں۔ وہی اس بات کی گواہی دے گا۔“

خاتون نے کہا: ”آؤ میرے ساتھ، ہم ڈرائنگ روم میں چلیں گے۔“

یہ کہہ کر وہ مرجانہ کو اپنے ساتھ لے کر واپس ڈرائنگ روم میں آئیں۔ ان کے آتے ہی کرم دین اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر سلام کرتے ہوئے کہا: ”سلام بیگم صاحبہ! میں آپ کا خادم ہوں۔“

خاتون نے اُس کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا: ”کیا یہ وہی لڑکی مرجانہ ہے جسے میں نے تمہاری تحویل میں دیا تھا؟“

کرم دین نے ہاتھ جوڑ کر کہا: ”بیگم صاحبہ! میں کیا بتاؤں اس لڑکی نے تو مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ یہ بہت مار دھاڑ والی لڑکی ہے اور زبردستی مجھے کہتی ہے کہ میں اُس کے ماں باپ سے ملاؤں۔ مجھے پتہ نہیں کہ اس کے ماں باپ کہاں ہیں۔ یہ وہ لڑکی نہیں ہے جسے میں آپ کے پاس سے لے کر گیا تھا اور جس کا نام مرجانہ تھا۔ یہ بالکل پھری اور نیم پاگل سی لڑکی ہے۔ میں مجبور ہو کر اپنی جان بچانے کی خاطر اس سے ڈر کر یہاں تک اسے لے آیا ہوں۔“

مرجانہ کرم دین کی باتیں سن کر حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ میں بھی حیران رہ گیا کہ کرم دین منزل پر پہنچ کر کیسی چال چل رہا ہے۔ مجھے اس سے توقع نہیں تھی۔ اس کی باتیں سنتے ہی میں اُس کے دماغ میں پہنچ گیا اور اُس کی سوچ میں کہنے لگا: ”یہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اگر میں یہاں سے باہر نکلوں گا تو مرجانہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔ جو سچ ہے مجھے وہی کہنا چاہیے۔“

اس کی سوچ نے کہا: ”میں تو بری طرح پھنس گیا ہوں۔ پتہ نہیں کس طرح کمبخت ابھی جب مرجانہ اس خاتون سے ملنے کے لیے اُس کے بیڈروم کی طرف گئی تھی تو اُس کے جاتے ہی یہاں اُس شخص نے جس نے کہ میں جیب سے ریوالور نکال کر دھمکی دی کہ میں مرجانہ کے خلاف بولوں اور جو خاتون بیڈروم سے نکل کر مرجانہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئے اُسے دیکھتے ہی میں اُسے بیگم طاہرہ بانو تسلیم کر لوں۔ حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ جو خاتون ہمارے سامنے کھڑی ہوئی ہے بیگم طاہرہ بانو نہیں ہے۔ یہ لوگ چالیں چل رہے ہیں۔ اگر میں نے اُن کا ساتھ نہیں دیا تو یہ لوگ مجھے گولی مار دیں گے۔“

کرم دین کی سوچ نے چغلی کھائی تو مجھے اُن کی سازش کا علم ہوا۔ اب میں مرجانہ کو خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا اس لیے کرم دین کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ اچانک ہی قہقہہ لگانے لگا۔ سب چونک کر اس کو دیکھنے لگے۔ پھر اُس نے کہا: ”مرجانہ! میں تمہارا عاشق حاضر ہو گیا ہوں اور تمہیں خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں کہ یہ تمہاری خالہ طاہرہ بانو نہیں ہیں اور اُن لوگوں نے تمہیں پھانسنے کے لیے کوئی جال بچھایا ہوا ہے۔“

مرجانہ صرف گھر کی چار دیواری میں رہنے والی ایک عام سی لڑکی نہیں تھی۔ وہ اچھی طرح ٹریننگ حاصل کر چکی تھی کہ گھر کی چار دیواری بھی اگر میدانِ جنگ بن جائے تو جنگ کا آغاز کدھر سے ہونا چاہیے۔ اُس نے بھانپ لیا تھا کہ اس ڈرائنگ روم میں وہ بیٹھے ہوئے نوجوان ایسے ہیں جو اُس سے مقابلہ کرنے کے لیے ذرا دیر بھی ٹک سکتے ہیں ورنہ سب اُس کے آگے چیونٹی جیسے تھے۔ اسی وقت کرم دین کی باتیں سن کر ایک شخص نے اپنی جیب سے ریوالور

نکال لیا تھا لیکن ریوالور نکالتے ہی مرجانہ کی ایک ٹھوکر اُس کے ہاتھ پر پڑی تو ریوالور اچھل کر دوسری طرف چلا گیا۔ دوسرا شخص ریوالور کی طرف بھاگ رہا تھا کہ اُسے اٹھائے لیکن مرجانہ چھلانگ لگا کر ریوالور تک پہنچ گئی۔ پھر اُس نے اس دوسرے شخص کے منہ پر ایک کراٹے کا ہاتھ رسید کیا۔ وہ چکرا کر رہ گیا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ ہاتھ اتنا وزنی ہوگا جیسے کسی نے لوہے کی سلاخ دے ماری ہو۔ دوسرے لمحے مرجانہ نے اس ریوالور کو فرش پر سے اٹھا لیا پھر للکارتے ہوئے بولی: ”خبردار! کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے ورنہ میں گولی مار دوں گی۔ اب مجھے بتاؤ کہ حقیقت کیا ہے؟“

اس کی دھمکی سن کر وہ لوگ ہنسنے لگے۔ اتنے میں چار اور بھی بدمعاش قسم کے لوگ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ پھر ایک نے کہا: ”لڑکی! اس ریوالور کو پھینک دو۔ وہ خالی ہے۔ ہم نے محض دھمکی دینے کے لیے اس ریوالور کو رکھا تھا ورنہ یہاں فائرنگ کی آواز ہم کرنا نہیں چاہتے کیونکہ یہاں قریب ہی بڑی بڑی کوٹھیاں ہیں جہاں فوجی افسر رہتے ہیں۔ ہاں اگر تم چیخنا چاہو گی تو تمہیں ہم اس بات کا موقع نہیں دیں گے اور تمہارا گلا دبا دیں گے۔ ذرا چیخ کر تو دیکھو۔“

مرجانہ اس دوران ریوالور کو چیک کر رہی تھی۔ اُس کے چیمبر واقعی خالی تھے۔ اُس نے ریوالور کو ایک طرف پھینک کر بیچ ڈرائنگ روم میں کھڑے ہو کر کہا: ”میں چیخنا چلانا نہیں جانتی۔ ہاں دوسروں کو چیخنے پر مجبور کر دیتی ہوں۔ تم لوگ اپنی خیریت چاہتے ہو تو مجھے بتا دو کہ میری خالہ کہاں ہیں؟“

ایک بدمعاش نے آگے بڑھتے ہوئے کہا: ”ہم تمہاری خالہ کو دوسری کوٹھی میں لے گئے ہیں۔ اگر تم اُن سے ملنا چاہتی ہو تو کسی جدوجہد کے بغیر ہمارے ساتھ خاموشی سے چلو ہم تمہیں وہاں پہنچا دیں گے۔“

مرجانہ نے کرم دین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”میرے دوست! میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میری خالہ کسی دوسری کوٹھی میں ہے یا کسی اور جگہ لے جا کر چھپا دی گئی ہے۔ مجھے بتاؤ کہ کیا کرنا چاہیے؟“

میں کرم دین کے دماغ پر قابض تھا۔ میں نے کہا: ”ذرا ایک منٹ ٹھہرو، میں ابھی بتاتا ہوں۔“ یہ کہہ کر میں نے اس بوڑھی خاتون کے دماغ کو کریدنا شروع کیا تو پتہ چلا کہ مرجانہ کی خالہ طاہرہ بانو اسی کوٹھی میں ہے اور اُس کی خالہ اور خالو کو رسیوں سے باندھ کر اور اُن کے منہ میں رومال ٹھونس کر اسٹور روم میں بند کر دیا گیا ہے۔

یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد کرم دین آگے بڑھ کر مرجانہ کے پاس آیا۔ پھر اُس کے کان میں بولنے لگا: ”تمہاری خالہ اسی کوٹھی کے اسٹور روم میں اپنے شوہر کے ساتھ قید ہیں۔ تم ابھی یہ ظاہر نہ کرو کہ تمہیں یہ معلوم ہو چکا ہے۔ اگر تم ظاہر کرو گی تو دشمن اسٹور روم میں جا کر انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں — پہلے ان لوگوں سے نمٹ لو۔“

مرجانہ نے یہ سنتے ہی کرم دین کو ایک طرف ہٹایا۔ سامنے جو غنڈہ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے منہ پر اچانک ہی ایک ہاتھ رسید کیا۔ ہاتھ پڑتے ہی وہ غنڈہ چکرا کر رہ گیا اور اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر تکلیف کی شدت سے بھینچنے لگا۔ مرجانہ نے اُس کے پیٹ پر ایک ٹھوکر ماری تو وہ پیچھے کی طرف الٹ گیا۔ اُسے مار کھاتا دیکھ کر دو بدمعاش آگے بڑھے۔ پھر اچھی خاصی جنگ شروع ہو گئی۔ پہلے تو بدمعاشوں نے یہی سمجھا تھا کہ اُن کے مقابلے میں ایک لڑکی ہے۔ اُسے دبوچ کر اپنے قابو میں کر لیں گے اور اٹھا کر وہاں سے لے جائیں گے لیکن اب اُن کا یہ خیال انہیں مہنگا پڑ رہا تھا۔ مرجانہ کے ہاتھ پاؤں جیسے فولاد کے بنے ہوئے تھے اور یہ فولادی مار اُن بدمعاشوں کی برداشت سے باہر تھی۔ وہ مار کھا رہے تھے اور چکرا رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں اُن کی حالت خراب ہو گئی۔ اب وہ مرجانہ کے مقابلے پر آنے سے کترا رہے تھے اور چاہتے تھے کہ ایک ہی ساتھ ہلہ بول کر اُسے دبوچ لیں لیکن مرجانہ پینترے بدلنا بھی جانتی تھی — اور پینترے بدل بدل کر اُن کے ایسے حملوں سے بچ نکلتی تھی — جب وہ ایک ساتھ مل کر اس کی طرف بڑھتے تھے۔ وہ بڑے سے ڈرائنگ روم میں اِدھر سے اُدھر انہیں دوڑاتی پھر رہی تھی اور رہ رہ کر اُن پر حملے بھی کرتی جا رہی تھی۔ تقریباً دس منٹ کے بعد ہی وہ لوگ ٹھنڈے پڑ گئے۔ کچھ فرش پر گرے ہوئے تھے۔ اور کچھ ایک طرف بیٹھے ہوئے اپنی چوٹوں کو سہلا رہے تھے اور اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ گوشت پوست کی بنی ہوئی نہ ہو بلکہ کوئی فولادی روبوٹ اُن کے سامنے آ کر انہیں چھٹی کا دودھ یاد دلا رہا ہو۔

میں کرم دین کے دماغ میں بدستور موجود تھا اور اس انتظار میں تھا کہ اگر کوئی پیچھے سے آ کر مرجانہ پر چپکے سے حملہ کرے گا یا اُسے دھوکے سے گرفت میں لینا چاہے گا

تو میں اُس کی کوشش ناکام بنا دوں گا لیکن مرجانہ نے کسی بھی دشمن کو اس کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ واقعی اُس نے واتسو ردو کی جیسے استاد سے لڑنے کا فن ایسا سیکھا تھا کہ ہر لمحے محتاط رہتی تھی اور لڑنے کے دوران صرف ایک دشمن کا نہیں بلکہ چاروں طرف پھیلے دشمنوں کا باقاعدہ خیال رکھتی تھی اور ہر ایک سے نمٹنا جانتی تھی۔

اُس نے چھ بدمعاشوں کو ٹھنڈا کرنے کے بعد آگے بڑھ کر اس خاتون کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ پھر ایک جھٹکا دیتے ہوئے بولی "اگر میں تمھیں ایک ہاتھ بھی رسید کر دوں تو تمھارا دم نکل جائے گا۔ اپنی زندگی چاہتی ہو تو بتا دو کہ میری خالہ کہاں ہیں؟"

مرجانہ کو میں بتا چکا تھا لیکن وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اب بھی اس سے جھوٹ بولا جاتا ہے یا سچ کہنے پر وہ مجبور ہوں گے۔ اس عورت نے گھبرا کر ہکلاتے ہوئے کہا "مجھے معاف کر دو۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں بتاتی ہوں۔ تمھاری خالہ اور خالو کو اسٹور روم میں بند کیا گیا ہے۔"

مرجانہ نے اُسے چھوڑ دیا۔ پھر ان بدمعاشوں کو حکم دیا کہ وہ اُس کے ساتھ اسٹور روم کی طرف چلیں۔ وہ ان لوگوں کو ڈرائنگ روم میں تنہا چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اُسے اس بات کا اندیشہ تھا کہ اُن میں سے کوئی بھی ذرا جاندار ہوا اور اپنی مار اور اپنی چوٹوں کو برداشت کرنے کے بعد اس قابل ہوا کہ دوبارہ حملہ کر سکے تو اُس کی غفلت میں اُس پر حملہ کر سکتا تھا۔ اِس لیے وہ سب کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دے رہی تھی۔ اُن میں صرف دو ہی بدمعاش ایسے تھے جو اپنے پیروں پر چل کر اُس کے ساتھ جا سکتے تھے۔ باقی فرش پر گھسٹتے ہوئے اور گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے مرجانہ کے ساتھ اس اسٹور روم تک پہنچ گئے۔

پھر مرجانہ نے ایک بدمعاش کو حکم دیا کہ اسٹور روم کو کھول کر اُس کے خالہ اور خالو کو آزاد کیا جائے۔

اس بدمعاش نے حکم کی تعمیل کی۔ چند منٹ کے بعد ہی اُس کے خالہ اور خالو آزاد ہو کر اسٹور روم سے باہر آ گئے تھے اور حیرانی سے ان بدمعاشوں کو دیکھ رہے تھے۔ اُن کی سوالیہ نظریں مرجانہ کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں کہ یہ سب کیا سلسلہ ہے۔

مرجانہ نے آگے بڑھ کر اپنی خالہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "کیا آپ بیگم طاہرہ بانو ہیں؟"

خاتون نے سر ہلا کر کہا "ہاں بیٹی میرا نام طاہرہ بانو ہے اور یہ میرے شوہر ہیں۔"

میں کرم دین کے دماغ میں موجود تھا۔ اس لیے اُس نے کہا "بیگم صاحبہ! میں کرم دین ہوں۔ آپ تو مجھے اچھی طرح پہچانتی ہیں آج اپنی بھانجی کو بھی دیکھ لیجیے اور پہچان لیجیے۔ یہ وہی مرجانہ ہے جسے بچپن میں آپ نے میرے حوالے کیا تھا۔"

طاہرہ بانو مرجانہ کو دیکھتے ہوئے اس سے لپٹ گئیں اور اُس کے چہرے کو جھکا کر بوسے دینے لگیں۔ اُس کے خالو نے آگے بڑھ کر اُس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ان بدمعاشوں نے ہمیں قید کرنے کے بعد آزاد کیسے کر دیا اور تمھیں ہم سے کیسے ملنے کا موقع دیا؟"

مرجانہ نے کہا "انکل! سیدھی انگلی سے گھی کہاں نکلتا ہے۔ میں نے ان سب کی پٹائی کی ہے۔ ذرا ان کی حالت دیکھیے۔ یہ کس طرح چوہوں کی طرح دم توڑتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ ان میں سے یہ دو بدمعاش ابھی تک پاؤں پر کھڑے رہنے کے قابل ہیں۔ ذرا ٹھہریے۔ میں انھیں بھی فرش پر لٹا دوں۔"

یہ کہتے ہی مرجانہ نے اُن دونوں پر یکے بعد دیگرے تابڑ توڑ حملے کیے۔ انھوں نے بچنے کی انتہائی کوششیں کیں۔ لیکن وہ تو بجلی تھی۔ اس سے بچنا بہت مشکل تھا۔ ذرا سی دیر میں اُس کی خالہ اور خالو نے دیکھا کہ وہ دونوں بدمعاش بھی فرش پر ڈھیر ہو گئے تھے۔ اس کے بعد مرجانہ نے پلٹ کر کہا "انکل ان لوگوں نے کوٹھی میں گھس کر آپ لوگوں کو پریشان کیا تھا۔ اب آپ اطمینان سے فون اٹھا کر قانونی کارروائی کر سکتے ہیں۔"

اس کے خالو نے حیرانی سے مرجانہ کو دیکھتے ہوئے کہا "بیٹی میں ریٹائرڈ فوجی افسر ہوں۔ میں نے بڑی بڑی جنگیں لڑی ہیں اور بڑے بڑے ہولناک مناظر دیکھے ہیں لیکن کبھی یہ تماشہ نہیں دیکھا کہ ایک تنہا لڑکی نے چھ بدمعاشوں کو فرش پر سلا دیا ہو۔ تم تو کمال کی بیٹی ہو۔ کیا لڑنے کا فن خاص طور پر سیکھا ہے؟"

مرجانہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور کہا "ہاں انکل میری زندگی کی ابتدا کچھ ایسی تھی کہ مجھے اپنی حفاظت کے لیے خود ہی یہ داؤ پیچ سیکھنے پڑے ورنہ دشمن مجھے بھی زندہ نہ چھوڑتے۔"

انکل نے آگے بڑھ کر اُس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

"شاباش یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ اب ہمیں اطمینان ہے کہ دشمن کبھی آسانی سے تمھیں اپنی سازشوں کا شکار نہیں بنا سکیں گے اور تمھیں غلط قسم کی اطلاعات دے کر تمھیں تمھاری ماں تک پہنچنے سے نہیں روک سکیں گے۔"

یہ کہہ کر اُس کے خالو دوسرے کمرے میں فون کرنے کے لیے چلے گئے۔ مرجانہ نے ان میں سے ایک بدمعاش کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا "تم بتاؤ یہ تم لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ابھی پہنچنے والی ہوں؟"

جواب میں ذرا دیر تک خاموشی رہی تو مرجانہ نے ڈانٹ کر کہا "اگر میری باتوں کا صحیح جواب نہ ملا تو میں تم لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے مارتے مارتے موت کے منہ میں پہنچا دوں گی۔"

ایک بدمعاش نے سہم کر کہا "میں بتاتا ہوں۔ ہم لوگوں کو اب سے دو گھنٹے پہلے یہ اطلاع کراچی سے ملی تھی۔ ہمارے ایک ساتھی نے وہاں سے فون کیا تھا کہ تم شام کی فلائیٹ سے یہاں پہنچنے والی ہو۔ تمھارے ساتھ کرم دین بھی ہو گا لہٰذا تمھیں تمھاری خالہ تک پہنچنے نہ دیا جائے اور چونکہ تم نے کبھی اپنی خالہ کو نہیں دیکھا ہے اِس لیے تمھیں غلط راہ پر ڈال دیا جائے اور ایک نقلی خالہ کو پیش کیا جائے۔ وہ نقلی خالہ تمھیں جو اطلاعات تمھاری والدہ کے متعلق دیتیں وہ ہماری مرضی کے عین مطابق ہوتا لیکن ہمارا یہ راز کھل گیا۔"

مرجانہ نے کہا "ہوں یہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو دوپہر کو مجھ سے زرینہ کی کوٹھی میں ملنے آیا تھا۔ اسی نے کراچی سے تم لوگوں کو فون کیا ہو گا۔ اگر اب وہ میرے سامنے آئے گا تو میں اس کی بھی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں گی۔"

اتنی دیر میں اس کے انکل فون کر کے واپس آ گئے۔ انھوں نے کہا "میں نے اطلاع دے دی ہے۔ پولیس والے تھوڑی دیر میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

مرجانہ نے ان بدمعاشوں سے کہا "چلو آگے بڑھو اور اس اسٹور روم میں گھس جاؤ۔ پولیس والوں کے آنے تک تم لوگوں کو یہاں بند رکھا جائے گا۔ میں یہاں کھڑے رہ کر تمھاری نگرانی نہیں کروں گی۔ چلو جلدی کرو۔"

اُس کا حکم سنتے ہی وہ لوگ فرش پر گھسٹ گھسٹ کر اسٹور روم میں داخل ہو گئے۔ پھر مرجانہ نے اُس کے دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ اُن کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اُس نے اپنی خالہ کی گردن میں بانہیں ڈال کر کہا۔ "آنٹی اب مجھے جلدی سے بتائیے کہ میری امی کہاں ہیں؟

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

روشنی کے مینار
اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
قیمت ۸۰/- روپے ڈاک خرچ ۱۰/- روپے

عظمت کے مینار
ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
قیمت ۸۰/- روپے ڈاک خرچ ۱۰/- روپے

ایمان کا سفر
محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ وہ فن پارے جن کی آپ کو تلاش ہے۔
قیمت ۸۰/- روپے ڈاک خرچ ۱۰/- روپے

کچرا گھر
محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
قیمت ۶۰/- روپے ڈاک خرچ ۱۲/- روپے

آدھا چہرہ
محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو پاکیزگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
قیمت ۱۲۰/- روپے ڈاک خرچ ۱۰/- روپے

کالی کہانیاں
جرائم، جادو، شیطان ازم، ارواح، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
قیمت ۷۰/- روپے ڈاک خرچ ۱۲/- روپے

نک ویلوٹ کی چوریاں
مشہور چور نک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چراتا ہے۔
قیمت جلد اوّل ۲۵ جلد دوم ۲۵/-
ڈاک خرچ فی جلد ۱۰/- روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳ سینڈ فلور پیمونیا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

اور کس حال میں ہیں ؟"

اُس کی خالہ نے کہا: "بیٹی آؤ - آرام سے بیٹھو ایسی جلدی بھی کیا ہے - میں اطمینان سے تمھیں ساری داستان سُنا دوں گی۔"

مرجانہ نے کہا: "میری زندگی میں شاید ابھی آرام نہیں لکھا ہے۔ اب تو یوں لگتا ہے جیسے قدم قدم پر دشمنوں سے سامنا ہوگا۔ مجھے پہلی فرصت میں اپنی امّی کے متعلق ساری تفصیلات معلوم کرلینی چاہییں ورنہ دشمن پھر مجھے صحیح راستے سے بھٹکا دینے کی کوشش شروع کردیں گے۔"

"بیٹی، تمھاری امّی ان دنوں پیرس میں ہیں۔ اُن کی دماغی حالت کبھی کبھی درست نہیں رہتی۔ کبھی وہ نارمل ہوتی ہیں اور ہم لوگوں کو اچھی طرح پہچانتی ہیں۔ کبھی ہمیں پہچاننے سے انکار کردیتی ہیں اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگتی ہیں۔"

مرجانہ نے پوچھا: "کیا میری امّی مجھے پہچان سکیں گی؟"

اس کی خالہ نے جواب دیا: "ہاں۔ میں تمھیں ایک نیکلس اور ایک انگوٹھی دوں گی۔ وہ تم پہن لینا۔ یہ دونوں چیزیں تمھارے خاندان میں ایک عرصے سے چلی آرہی ہیں۔ تمھارے خاندان میں جو بہوئیں آتی ہیں۔ وہ یہ انگوٹھی اور نیکلس پہنتی ہیں۔ جب میں تمھاری پیدائش کے بعد تمھیں ہندوستان سے لے کر یہاں آئی تو تمھاری امّی نے یہ دونوں چیزیں مجھے دی تھیں اور کہا تھا کہ کبھی مجھے اپنی بیٹی کو پہچاننا ہوا تو یہ دونوں چیزیں اُس کی شناخت کے لیے کام آئیں گی۔"

یہ کہہ کر اس کی خالہ نے اُس کا ہاتھ تھام لیا اور اُسے اپنے ساتھ لے کر دوسرے کمرے میں گئیں۔ وہاں ایک آہنی الماری کو کھول کر اُنھوں نے ایک دراز سے سونے کا ایک نیکلس اور ایک انگوٹھی نکالی اور مرجانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "یہی وہ نیکلس اور انگوٹھی ہے۔"

مرجانہ نے دونوں چیزوں کو لے کر چوما اور اُسے سینے سے لگالیا۔ اُس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ بہت ہی گہری سنجیدگی سے اپنی ماں کے متعلق سوچ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا: "یہ میری ماں کی امانت ہے ——— اللہ نے چاہا تو میں جلدی اپنی ماں کے پاس پہنچ جاؤں گی۔ آنٹی میرے لیے انکل سے کہہ کر جلد از جلد ایک انٹرنیشنل پاسپورٹ بنوا دیجیے۔ میں جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے پیرس کے لیے روانہ ہونا چاہتی ہوں۔"

"فکر نہ کرو بیٹی، تمھارے خالو ریٹائرڈ افسر ہیں اور اُن کے بڑے اثر و رسوخ ہیں۔ وہ انشاء اللہ دو دن کے اندر تمھیں پاسپورٹ بنوا کر دے دیں گے۔ تم کل ہی سے سفر کی تیاری شروع کردو۔"

"آنٹی میرے ابّو کے بارے میں کچھ بتائیے؟"

"میں کیا بتاؤں بیٹی، وہ تو تمھارے پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو تمھاری امّی کو اتنی پریشانیاں نہ اٹھانی پڑتیں۔ اُن کی موت کے بعد ہی دشمنوں نے تمھاری امّی کو چاروں طرف سے تنگ کرنا شروع کردیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ جو اولاد پیدا ہوگی وہ اُسے لے کر چلے جائیں گے اور ان چاروں دشمنوں میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کررہا تھا کہ تم اُن کی بیٹی ہو۔"

"یہ کیسے ممکن ہے آنٹی کہ میں اُن کی بیٹی کہلاؤں۔ وہ آخر کس بنیاد پر مجھے بیٹی کہتے ہیں اور باپ بننے کا دعویٰ کرتے ہیں؟"

"بیٹی، میں اپنی زبان سے اتنی تفصیل نہیں بتا سکتی۔ ہاں تمھاری ماں کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ڈائری رکھی ہوئی ہے۔ یہ میں نے تمھارے لیے ہی ایک عرصے سے سنبھال کر رکھی ہے کہ کبھی تم یہ سوال کرو تو تمھیں وہ ڈائری پڑھ کر جواب مل جائے۔"

یہ کہہ کر اُنھوں نے الماری کے سیف سے بہت ہی پرانی سی ایک ڈائری نکالی اور اُسے مرجانہ کے حوالے کر دیا۔ پھر بولیں: "معلوم ہوتا ہے کہ پولیس والے آگئے ہیں۔ تم اطمینان سے بیٹھ کر یہاں ڈائری پڑھو۔ میں ابھی وہاں سے آتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ مرجانہ کو کمرے میں تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔ مرجانہ کے دل میں بے چینی تھی۔ اپنی امّی اور ابّو کے متعلق وہ تفصیلات جاننا چاہتی تھی۔ اسی وقت وہ ڈائری کھول کر بیٹھ گئی اور اُسے پہلے ہی صفحے سے پڑھنے لگی۔ اُس کی امّی سائرہ بانو نے لکھا تھا:

"میں بچپن ہی سے بدنصیب ہوں۔ تقریباً بارہ برس کی عمر تک مَیں نے اپنے خاندان میں رہ کر اپنے والدین کے سائے میں کچھ خوشیاں دیکھیں لیکن وہ ایسی عمر تھی کہ خوشیاں آتی تھیں گزر جاتی تھیں اور ہم اُسے ہمیشہ یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔ جوانی میں اگر خوشیاں حاصل ہوتی ہیں اور کچھ ایسے واقعات ہمارے ساتھ گزرتے ہیں جو ہمیں پسند

ہوتے ہیں تو ہم اُنھیں یاد رکھ لیتے ہیں لیکن بچپن کی بہت سی باتیں یاد نہیں رہتیں اسی طرح مجھے یہ یاد نہیں ہے کہ مجھے کتنی خوشیاں ملی تھیں۔

جب میں بارہ برس کی تھی تو ہندوستان کے کتنے ہی شہروں میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوگئے۔ اُن دنوں ہم ہندوؤں کے ایک محلّے میں رہتے تھے۔ وہاں محلّے کے ہندوؤں نے ہمیں یقین دلایا کہ کوئی ہمیں نقصان نہیں پہنچائے گا بلکہ وہ سب لوگ مل کر ہماری حفاظت کریں گے۔ میرے والد بھی جانتے تھے اور اُن پر اعتماد کرتے تھے اور اُن کا اعتماد درست بھی تھا لیکن جب کچھ دیر کے لیے چند گھنٹوں کے لیے امن قائم ہوجاتا تھا اور کرفیو اٹھ ... جاتا تھا تو دوسرے علاقوں سے آکر ہمارے مسلمان رشتہ دار ابّو کو سمجھاتے تھے کہ ہمیں اس محلّے میں نہیں رہنا چاہیے اور ہندوؤں پر زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے لیکن میرے ابّو نے اپنے رشتے داروں کی ایک نہ سُنی۔

ایک شام اچانک ہی ہمارے محلّے میں --- غنڈوں نے حملہ کیا۔ میں اپنے ایک ہندو پڑوسی کے ہاں ایک سہیلی کے ساتھ کھیلنے گئی تھی وہاں سے واپس آرہی تھی کہ ایک بدمعاش نے مجھے اُٹھالیا۔ میں چیخنے چلاّنے لگی لیکن وہ مجھے لے کر بھاگتا چلا گیا۔ میں ان دنوں اچھی طرح یہ سمجھ نہیں سکتی تھی کہ یہ لڑائی جھگڑے کیوں ہوتے ہیں۔ ہندو مسلمانوں سے اور مسلمان ہندوؤں سے الگ کیوں ہیں لیکن جب مجھے وہ بدمعاش اُٹھا کر لے جانے لگا تو ایسا لگا جیسے کوئی بھوت مجھ سے چمٹ گیا ہے اور میری جان لینا چاہتا ہے۔ وہ ہندو ہو یا مسلمان ہو میرے کچے ذہن کے لیے کسی بھوت سے کم نہیں تھا۔ وہ مجھے پتہ نہیں کس مکان میں لے گیا۔ وہاں لے جا کر اُس نے ایک کمرے میں بند کردیا اور ڈانٹ کر کہنے لگا کہ میں شور مچاؤں گی تو وہ مجھے چاقو سے ہلاک کردے گا۔

یہ کہہ کر اُس نے ایک لمبا سا چاقو نکالا تھا۔ جسے دیکھتے ہی میں سہم کر خاموش ہوگئی تھی۔ بہت رات کو وہ میرے لیے کھانا لے کر آیا۔ اُس کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا۔ اُس نے مجھے دیکھ کر کہا: "اس چھوکری کو کیوں اٹھا کر لایا ہے یہ تو ابھی جوان نہیں ہے۔"

مجھے اُٹھا کر لانے والے نے کہا: "بھئی ہم نے اُس محلّے پر حملہ کیا تھا جس کے ہاتھ جو کچھ لگا وہ اُٹھا کر لے آیا۔ میرے ہاتھ یہی چھوکری لگی۔ اب سوچتا ہوں کہ اِسے دہلی لے جا کر بیچ دوں۔ کچھ تو پیسے ہاتھ آجائیں گے۔"

"ہاں یہ سالے ہندو غنڈے ہمارے مسلمانوں کے محلّوں میں حملے کرتے ہیں اور پتہ نہیں ہماری مسلمان بہو بیٹیوں کو بھی کتنے ہی ہندو اُٹھا کر لے گئے ہیں۔ آج ہمارے ہاتھ بھی یہ ہندو لڑکی لگی ہے، ہم اسے بھی فروخت کردیں گے۔"

اُن کی باتیں سُن کر میں نے کہا: "میں ہندو نہیں ہوں۔ میں مسلمان ہوں۔ میرا نام سائرہ بانو ہے۔"

میری بات سُن کر وہ ہنسنے لگے۔ اُن میں سے ایک نے کہا: "یہ بالشت بھر کی چھوکری خواہ مخواہ مسلمان بن کر ہمیں بیوقوف بنانا چاہتی ہے — ہم نے ہندو محلّے پر حملہ کیا تھا اور یہ ایک ہندو گھر سے ہی باہر نکل رہی تھی۔ میں اندھا اور بیوقوف نہیں ہوں۔ بہت سوچ سمجھ کر اُٹھا کر لایا ہوں۔ لڑکی، تم باتیں نہ بناؤ۔ چُپ چاپ کھانا کھا کر سو جاؤ۔ کل صبح ہم تمھیں یہاں سے لے جائیں گے۔"

اُس کی بات ختم ہوتے ہی اُس کے ساتھی نے اس کے شانے کو دبا کر کچھ اشارہ کیا۔ پھر وہ دونوں مجھ سے دُور جا کر آپس میں دھیرے دھیرے کچھ باتیں کرنے لگے۔ اُن کی باتیں میرے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھیں میں بہت بھوکی تھی کھانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اس آدمی نے میرے قریب آکر کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ تم سچ کہہ رہی ہو۔ تم کوئی مسلمان لڑکی ہو۔ میں ابھی اس محلّے میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ تمھارے ماں باپ کون ہیں؟"

میں نے اپنے ابّو کا نام بتایا تو وہ وعدہ کر کے چلا گیا کہ میرے ابّو کو یہاں لے کر آئے گا اور مجھے اُن کے حوالے کردے گا۔ میں مطمئن ہوگئی اور پیٹ بھر کر کھانے کے بعد وہیں ایک چارپائی پر سو گئی۔ اکیلے میں مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ میں نے کئی بار رو رو کر آوازیں دیں لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں بہت رات تک دہشت سے جاگتی رہی۔ آخر پتہ نہیں میری آنکھ کب لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی اور وہ دونوں میرے کمرے میں آگئے تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا: "ہم تمھارے محلّے میں گئے تھے۔ تم سچ کہتی ہو۔ اس نام کے ایک صاحب وہاں رہتے تھے اُن کا پورا خاندان تھا۔ کل وہ لوگ اس دنگے فساد سے ڈر کر اس محلّے کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ ہم نے معلوم کیا تو پتہ چلا وہ دہلی شہر گئے ہیں۔ میں وہ پتہ لے کر آیا ہوں جہاں تمھارے گھر والے گئے ہیں۔ چلو ہم تمھیں دہلی لے جا کر تمھارے امّی، ابّو کے پاس تمھیں پہنچا دیں۔"

اُن کی باتیں سُن کر میں خوش ہوگئی اور اُن کے ساتھ جانے کے لیے راضی ہوگئی۔ ہم ایک بس میں بیٹھ کر دہلی شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔ میں راستے میں پُرسکون رہی، شور نہیں مچایا۔ کسی سے یہ شکایت نہیں کی کہ میرے ساتھ وہ بدمعاش ہیں جو مجھے اغوا کر کے لے جا رہے ہیں کیونکہ اس وقت وہ میرے ہمدرد بن گئے تھے اور میں اُن کے خلاف کچھ بولنا نہیں چاہتی تھی۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ اُن لوگوں کی چال تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر دن کے وقت وہ مجھے کسی بس میں یا ریل گاڑی میں بٹھا کر دہلی شہر لے جائیں گے تو میں راستے میں شور مچاؤں گی اور پولیس والے انھیں پکڑ لیں گے۔ اسی لیے انھوں نے یہ چال چلی تھی اور مجھے یہ یقین دلایا تھا کہ میرے والدین دہلی شہر چلے گئے ہیں۔ دہلی پہنچ کر انھوں نے پتہ نہیں مجھے کس محلے میں پہنچایا۔ وہاں ایک اونچی عمارت تھی۔ دوسری منزل پر لے جا کر انھوں نے ایک عورت کے ہاتھ مجھے بیچ دیا۔ اس عورت نے انھیں نوٹوں کی چھوٹی سی گڈی دی اور وہ رقم لے کر چلے گئے۔ میں اُن کے پیچھے دوڑتے ہوئے کہنے لگی "تم مجھے کہاں چھوڑ کر جا رہے ہو میرے ابّو امّی کہاں ہیں؟"

اس پر ایک آدمی نے پلٹ کر میرے منہ پر ایک الٹا ہاتھ رسید کیا۔ میں گر پڑی، رونے لگی۔ اس عورت نے آ کر مجھ کو اٹھایا اور میرا سر سہلا کر مجھے سینے سے لگا کر کہنے لگی "بیٹی میں ہی تمھاری ماں ہوں۔ پتہ نہیں تمھارے امّی ابّو کہاں ہیں۔ میں انھیں تلاش کروں گی اس وقت تک تم میرے پاس رہو۔"

مجھے اُس کے پاس رہنا ہی پڑا۔ اتنی بڑی دنیا میں میں کہاں جاتی؟ میں نے اپنے گھر سے ——— باہر کی دنیا نہیں دیکھی تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ مجھے کہاں جانا چاہیے اور اپنے والدین کو کہاں تلاش کرنا چاہیے۔ وہ عورت مجھے جھوٹے دلاسے دیتی رہی۔ مجھے اس کمرے میں لے جا کر بٹھاتی رہی جہاں چھ لڑکیاں ناچ گانا سیکھا کرتی تھیں۔ ایک ماہ بعد اس عورت نے میرے پاؤں میں بھی گھنگھرو باندھے کہ تم بھی تھوڑا بہت سیکھ لو۔ یہ آگے چل کر تمھارے کام آئے گا۔

مجھے ناچنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ ہاں بچپن سے میں گیت گایا کرتی تھی۔ مجھے گانا بہت اچھا لگتا تھا۔ پتہ نہیں جو عورت میری ماں بنی ہوئی تھی اُس کی باتوں میں کیا جادو تھا کہ میں اُس کی ہر بات مان لیتی تھی۔ وہ مجھ سے یوں بھی بڑی محبت سے پیش آتی تھی۔ مجھے احساس نہیں ہونے دیتی تھی کہ وہ کوئی غیر ہے۔ میرے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کا خاص خیال رکھتی تھی۔ مجھے اتنا پیار دیتی تھی کہ میں اُس کی یہ بات بھی مان گئی اور ناچ سیکھنا شروع کر دیا۔

دو برس گزر گئے۔ میں چودہ برس کی ہوگئی۔ اب اتنی سمجھ آگئی تھی کہ میں زمانے کی اونچ نیچ کو سمجھ سکوں۔ اس کوٹھے میں طرح طرح کے لوگ آتے تھے اور طرح طرح کے تجربے ہوتے تھے۔ پھر وہاں جو دوسری لڑکیاں تھیں وہ آپس میں باتیں کرتی تھیں اور مجھے بھی اس دنیا کے بارے میں اور اس بازار کے بارے میں سمجھاتی تھیں۔ مجھے بہت سی باتیں سمجھ میں آنے لگیں۔ اتنا تو میں سمجھ گئی تھی کہ میرے والدین مجھے کبھی نہیں ملیں گے اور اگر مجھے کبھی ان سے ملنے کا موقع ملا تو میں خود اپنے خاندان والوں کے پاس نہیں جاؤں گی کیونکہ میں ایسے بازار میں پہنچ گئی تھی جہاں سے نکل کر اپنے گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اپنے ہی گھر والے مجھ پر انگلی اٹھاتے اور کبھی یہ یقین نہ کرتے کہ میں کوٹھے میں رہ کر ابھی تک پاکدامن ہوں۔

آہ! چند نوٹوں کی خاطر ظالموں نے مجھے میرے والدین سے جدا کر دیا تھا۔ مجھے ایک شریف گھرانے سے نکال کر یہاں پہنچا دیا تھا اور میں یہ سوچ سوچ کر دل ہی دل میں شرم سے گڑ جاتی تھی کہ اب میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی ہوں۔ اب میں اس قابل بھی نہیں رہی کہ کسی شریف گھرانے میں جا سکوں اور ایک اچھے گھر کا [illegible] کر سکوں۔ ان دو برس کے دوران دہلی شہر میں بھی کئی بار فسادات ہوئے لیکن بڑے تعجب کی بات تھی کہ حسن بازار میں کبھی دنگا فساد نہیں ہوا۔ کبھی ہندو مسلمان آپس میں لڑتے ہوئے نہیں نظر آتے۔ وہاں مجھ سے بڑی عمر کی ایک لڑکی تھی وہ مجھے کہتی تھی کہ اس دنیا کے ہر شہر میں ایسے بازار ہیں لیکن گندے بازاروں میں کبھی مذہب کی بات پر جھگڑا نہیں ہوتا۔ کبھی ہندو مسلمان سے اور مسلمان ہندو سے نہیں لڑتا۔ دونوں ہی گاہک بن کر یہاں آتے ہیں اور یہاں سے جانے کے بعد اپنی مہذب دنیا میں خون خرابہ کرتے ہیں۔

پندرہ برس کی عمر میں میں اس قدر نکھر گئی تھی [illegible] بڑے بڑے دولت مندوں کی طرف سے میرے [illegible] آنے لگے۔ وہ میری منہ بولی ماں کے پاس آتے تھے اور [illegible] سے بڑی رقم پیش کرنا چاہتے تھے لیکن میری وہ ماں

بہت ہوشیار اور سمجھ دار تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ میں گناہ کی دلدل میں نہیں جانا چاہوں گی۔ وہ باتوں ہی باتوں میں بڑے خوب صورت انداز میں مجھے بھولے بھولے گناہ کی طرف مائل کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ایک دن میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی جیسا کہ وہ چاہتی ہیں۔ اگر وہ کسی سے رشتہ کرنا چاہتی ہیں تو باقاعدہ میرا نکاح پڑھا کر یہاں سے رخصت کر دیں۔

میری یہ بات سُن کر اس نائکہ نے کہا "میں تم سے محبت کرتی ہوں بیٹی اور تمھیں اپنے سے الگ نہیں کر سکتی۔ ایک دولت مند آدمی ہے جو تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں اس سے بات کروں گی، اور اُس سے یہ طے کروں گی کہ تمھاری شادی یہیں ہوگی اور شادی کے بعد بھی تم یہاں میرے پاس رہا کرو گی، اور وہ تمھارا شوہر تم سے ملنے یہاں آیا کرے گا۔"

میں یہ سوچ کر مطمئن ہوگئی کہ وہاں کوئی میرا گاہک بن کر نہیں آئے گا بلکہ باقاعدہ میرا نکاح پڑھایا جائے گا اور میں عزت آبرو سے کسی کی شریکِ حیات بن جاؤں گی۔ وہ دولت مند جو مجھے پسند کرنے لگا تھا اور مجھے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا تھا اُس کا نام بختاور تھا۔ وہ اس بات پر راضی ہوگیا کہ میں شادی کے بعد بھی نائکہ کے پاس رہوں گی۔ وہ صرف میرا دیوانہ تھا۔ کسی جگہ بھی حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ خواہ اُس کی کوٹھی ہو یا میرا کوٹھا۔

سولہ برس کی عمر میں میری شادی بختاور سے ہوگئی۔ نکاح کے دن میں دُلھن کے لباس میں تھی اور بختاور صرف پھولوں کے ہار پہنا ہوا تھا۔ شاید اُس کے خاندان میں سہرا باندھنے کا رواج نہیں تھا۔ میں نے اس وقت یہی سوچا۔ ہماری تصویریں وہاں اُتاری گئیں۔ دُولہا دُلھن کی حیثیت سے ہماری تصویریں بختاور نے ایک البم میں سجا کر رکھیں۔

وہ ہر رات میرے پاس آیا کرتا تھا اور صبح ہوتے ہی چلا جاتا تھا۔ میں ایک مشرقی گھرانے میں پرورش پا رہی تھی۔ میں نے میاں بیوی کو دن رات ساتھ رہتے دیکھا تھا اور بیوی کو اپنے شوہر کی خدمت کرتے دیکھا تھا۔ میرے دل میں بھی یہ آرزوئیں تھیں کہ میں اپنے شوہر کی خدمت کروں لیکن مجھے اس کا موقع ہی نہیں ملتا تھا کیونکہ وہ تمام دن غائب رہتا تھا۔ میں نے شکایت کی تو اس نے کہا کہ وہ کاروبار کے سلسلے میں جاتا ہے اور رات کو واپس آتا ہے۔

میں اُس بازار میں رہ کر بھی ایسی نادان تھی کہ اپنے شوہر کے اصلی روپ کو نہ پہچان سکی کہ وہ صرف اپنی ہوس پوری کرنے آتا ہے اور صبح ہوتے ہی چلا جاتا ہے۔ میں نے ایک بیوی کی طرح اُس کی مجبوریوں کو سمجھا کہ وہ کاروباری مصروفیات میں رہتا ہے اور بیچارہ اتنا مجبور ہے کہ مجھ جیسی نئی نویلی دُلھن سے دن کے وقت ملنے بھی نہیں آسکتا۔

میں اسی طرح اُس کے ساتھ وقت گزارتی رہی۔ کچھ عرصے بعد نائکہ نے کہا "بیٹی میں نے بختاور سے تمام باتیں طے کر لی تھیں اور یہ فیصلہ ہوا تھا کہ تم اس کی بیوی بن کر رہو گی۔ لیکن رات کے وقت مجرا ضرور پیش کیا کرو گی۔ یہ تو ہمارا پرانا دھندا ہے۔ اس دھندے کو تو چلانا ہی پڑتا ہے۔ تم رات کے نو بجے سے بارہ بجے تک میرے لیے مجرا پیش کیا کرو۔ اس کے بعد بختاور آیا کرے گا تو تم اُس کے پاس چلی جایا کرنا۔"

مجھے اب یہ اچھا نہیں لگتا تھا۔ میں کسی شریف آدمی کی شریکِ حیات تھی اور کوٹھے پر ناچنا نہیں چاہتی تھی لیکن بختاور نے بھی مجھے یہی سمجھایا کہ جب تم اپنے ماں کے پاس یہاں کوٹھے میں رہتی ہو تو تمھیں اُس کی بات مان لینا چاہیے۔ میں شوہر ہوں اور مجھے اس بات پر اعتراض نہیں ہے کہ تم یہاں ناچنے گانے کا سلسلہ جاری رکھو اس میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔

بہرحال اُن لوگوں نے مل کر مجھے کسی طرح سمجھا بجھا کر اس بات پر راضی کر لیا۔ میں تو یہ سوچ کر راضی ہوگئی تھی کہ شوہر کانٹوں پر بھی چلائے تو عورت کو چلنا چاہیے۔ میرا بھلا بُرا سوچنے کی ذمہ داری میرے شوہر پر تھی اور میں سمجھتی تھی کہ وہ جو بھی حکم دے گا وہ خدا کے حکم کے بعد سب سے زیادہ اہمیت رکھے گا اور میں اسی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اُس کی ہر بات مان لیتی تھی۔ پھر ایک سال کے بعد اچانک ہی وہ غائب ہوگیا۔ میں نے کئی رات انتظار کیا۔ پھر بے چین ہوگئی۔ نائکہ سے کہا کہ بختاور کی خبر لی جائے کہ وہ کہاں ہیں؟ کیوں نہیں آ رہے ہیں؟ نائکہ نے اپنے آدمیوں کو اس کے پاس بھیجا تو پتہ چلا کہ وہ کسی دوسرے شہر چلا گیا ہے اور اُس کی واپسی کب ہوگی۔ اس کے متعلق کوئی نہیں جانتا۔ میرے دل کو زبردست صدمہ پہنچا۔ میں اس کی بیوی تھی۔ اُس کے ہر حکم پر بلا چون و چرا عمل

کرتی تھی۔ اُس کا فرض تھا کہ وہ مجھے چھوڑ کر جانے سے پہلے کچھ تو بتا دیتا۔ اتنا ہی کہہ دیتا کہ وہ دو روز چار روز کے بعد واپس آئے گا تو میں کبھی نہ روکتی لیکن وہ مجھ سے کچھ کہے سنے بغیر چلا گیا تھا۔

میں دو چار دن تک اپنے دل کو بہلاتی رہی کہ شاید اتنا ضروری کام پڑ گیا ہو کہ مجھ سے کچھ کہنے سننے کی فرصت نہیں ملی ہوگی اور وہ مجبور ہو کر چلے گئے ہوں گے۔ واپس آئیں گے تو میرے سامنے شرمندہ ہوں گے لیکن واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دو مہینے، چار مہینے، چھ مہینے گزر گئے اور بختاور کی کوئی خبر نہ ملی۔ نائکہ نے کہا: "آہ۔ بیٹی اب صبر کر کے بیٹھ جاؤ۔ یہ رئیس لوگ بس ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اُن کے سامنے نکاح کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور یہ نکاحی بیویوں کو یوں چھوڑ کر بازاروں سے چلے جاتے ہیں۔"

[illegible] روتی رہی۔ اپنے سہاگ کا ماتم کرتی رہی۔ [illegible] آنے لگا۔ میں ہر رات پابندی سے [illegible] کرتی تھی۔ نائکہ مجھے سمجھاتی تھی۔ دل پر جتنے بھی صدمات [illegible] کو بڑے صبر سے برداشت کرنا پڑتا ہے اور [illegible] دل کو اپنے سینے میں چھپا کر تماش بینوں [illegible] پڑتا ہے۔ اُن کے لیے گانا پڑتا ہے۔ [illegible] اُن کا دل بہلانا پڑتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ہمیں بھوکوں مرنا پڑ جائے۔

میں جانتی تھی کہ نائکہ نے بہت سی دولت جمع کر رکھی ہے۔ اس کے باوجود وہ یہی دکھڑا روتی تھی کہ دھندا بند ہو جائے گا تو ہم بھوکے مر جائیں گے۔ میں اب اُس سے بحث کرنا نہیں چاہتی تھی اس لیے خاموشی سے اُس کی بات مان لیتی تھی اور ہر رات مجرا پیش کرتی تھی۔ اُن دنوں ایک بہت ہی خوبرو شخص پابندی سے آیا کرتا تھا اور مجھ پر سیکڑوں روپے نچھاور کیا کرتا تھا۔ اُس کا نام نواب سلامت علی تھا۔ وہ مجھ سے بہت اچھی اچھی باتیں کرتا تھا۔ وہ نائکہ بھی مجرا ختم ہونے کے بعد اس بات کا موقع دیتی تھی کہ نواب سلامت علی کچھ دیر کے بعد تنہائی میں بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرے۔ پہلے تو میں کتراتی رہی پھر پتہ نہیں اُن کی باتوں میں کیا جادو تھا کہ میں وہاں بیٹھ جایا کرتی تھی اور اُن کی باتیں سنتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ جو کہتے ہیں وہی اُن کے دل میں ہوتا ہے اور کبھی جھوٹ نہیں بولتے ہیں۔ اُن کا چہرہ جو تھا اُن کے دل کے آئینے کی طرح صاف تھا۔ پتہ نہیں میں نے کیسے یہ ساری باتیں محسوس کیں۔ شاید میں اندر ہی اندر نواب سلامت علی سے متاثر ہو رہی تھی۔ وہ برابر آتے تھے میرے لیے سیکڑوں روپے کے تحائف لاتے تھے اور نائکہ کو بھی رقمیں دے کر خوش کرتے رہتے تھے۔ اُن کے اخراجات دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ وہ بے انتہا دولت مند ہیں۔ انھوں نے نائکہ سے کہا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔

شادی کی بات پر میں رونے لگی۔ نواب سلامت علی نے حیرانی سے پوچھا: "ارے کیوں رو رہی ہو۔ کیا شادی کی بات بُری لگی ہے؟"

نائکہ نے فوراً ہی بات بناتے ہوئے کہا: "یہ بات نہیں ہے نواب صاحب، دراصل میری بیٹی مجھے بہت چاہتی ہے۔ مجھے چھوڑ کر کہیں جانا نہیں چاہتی۔ اگر آپ شادی کریں گے تو یہ شادی کے بعد بھی میرے ہی پاس رہا کرے گی۔"

نواب سلامت علی نے کہا: "نہیں، یہ تو ممکن نہیں ہے۔ میں ایک شریف آدمی ہوں اور جو میری بیوی ہوگی وہ بھی شریف ہی کہلائے گی اور شریفوں کا یہ دستور ہے کہ وہ ایک ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ گاڑی کے دو پہیوں کی طرح تمام زندگی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ میں سائرہ بانو کو جب اپنی شریکِ حیات بناؤں گا تو پھر یہ کبھی برداشت نہیں کروں گا کہ میری بیوی پر یہاں آنے جانے والوں کا سایہ بھی پڑے یا یہ بازار میں بیٹھ کر اپنے پاؤں میں گھنگرو باندھے۔ میں غیرت مند ہوں اور میں اپنی بیوی کو بھی ایسی ہی بنا کر رکھوں گا۔"

اُن کی باتیں سن کر میرا دل خوشی سے کھل اُٹھا۔ میں نے زندگی میں پہلی بار ایک مرد کو اس طرح غیرت سے باتیں کرتے ہوئے سُنا تھا اور اُن کے دل میں میرے لیے جو محبت تھی اور جو تحفظ وہ مجھے دینا چاہتے تھے وہ اُن کی باتوں سے صاف ظاہر تھا۔ میں دل ہی دل میں اُن کے لیے اتنی محبت محسوس کرنے لگی کہ جی چاہا اُن کے قدموں میں جھک جاؤں اور اُن سے کہوں کہ بس میری جنت انھی قدموں میں ہے۔ مجھے اس بازار سے لے چلیے۔

لیکن نائکہ کو یہ باتیں کچھ اچھی نہیں لگی تھیں۔ بظاہر اُس نے مسکرا کر کہا: "نواب صاحب آپ عزت والے آدمی ہیں۔ ٹھیک ہے آپ میرا مطالبہ پورا کرنے کے بعد سائرہ بانو کو اپنی شریکِ حیات بنا کر جہاں لے جانا چاہیں لے جائیں

انکار نہیں کروں گی لیکن نواب صاحب آپ تو جانتے ہیں کہ میں سائرہ کے دم قدم سے یہاں زندگی گزار رہی ہوں۔ آپ اسے لے جائیں گے تو گویا میری روزی روٹی، میرا مستقبل سب کچھ لے جائیں گے۔ پھر میں یہاں بھوک اور فاقوں سے مر جاؤں گی۔"

نواب صاحب نے ہنستے ہوئے کہا: "ایسے نہیں، ایسی کیا بات ہے۔ میں آپ کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔ سائرہ کو دلہن بنانے سے پہلے آپ کو پچاس ہزار روپے دوں گا۔ آپ کا بڑھاپا اتنی رقم میں آسانی سے گزر جائے گا۔ کیوں، ٹھیک ہے نا؟"

نائکہ نے خوش ہو کر نواب سلامت علی کی بلائیں لیں اور کہا: "اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ بس میں اور کچھ نہیں چاہتی۔ آپ روپے لے آئیں اور نکاح کی تیاری کر لیں۔ سائرہ آپ ہی کی ہے۔"

نائکہ بڑی [illegible] تھی لیکن شادی کی بات سن کر [illegible] کہ میری شادی نہیں ہو سکتی کیونکہ میں [illegible] اور یہ نائکہ پتہ نہیں کیا سوچ کر نواب سلامت علی [illegible] رشتہ طے کر رہی تھی۔ مجھے اس بات کا [illegible] تھا حالانکہ [illegible] نواب صاحب کو بہت زیادہ چاہنے لگی تھی اور میرا دل چاہتا تھا کہ میں ساری زندگی ان ہی کے قدموں میں گزار دوں۔

تنہائی میں میں نے نائکہ سے پوچھا: "آپ یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ میری شادی ہو چکی ہے۔ میں بختاور کی بیاہی ہوں۔ پھر نواب صاحب سے میری شادی کیسے ہو سکتی ہے؟"

نائکہ نے ناگواری سے بختاور کو گالیاں دیتے ہوئے کہا: "بیٹی تم بھی کس زمانے کی باتیں کر رہی ہو۔ اگر نکاح کی بات ہے تو کسی سے بھی۔۔۔ پوچھ لو۔ اگر شوہر سال بھر تک نان نفقہ کی فکر نہ کرے اور اپنی شریکِ حیات کو بے آسرا چھوڑ دے اور اُس کی کوئی خبر نہ لے تو وہ نکاح خود ہی آپ منسوخ ہو جاتا ہے اور عورت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی زندگی گزارنے کے لیے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے اپنا گھر بسانے کے لیے وہ کسی دوسرے سے شادی کر لے۔ لہٰذا تم نواب صاحب سے شادی کر سکتی ہو۔"

نائکہ کی یہ باتیں سُن کر مجھے خوشی ہوئی۔ میں خود بھی یہی چاہتی تھی کہ بختاور جیسے جھوٹے اور فریبی سے کسی طرح میرا رشتہ ٹوٹ جائے اور میں اُس کے نام سے منسوب رہوں۔ نائکہ نے جو دلائل پیش کیے تھے۔ اُن کی رُو سے میں نواب صاحب کی بن سکتی تھی اور یہ بات میرے لیے باعثِ اطمینان تھی۔

ایک رات نواب صاحب ایک بریف کیس لے کر ہمارے کوٹھے میں آئے اور انھوں نے نائکہ سے کہا کہ میں پچاس ہزار روپے آپ کے لیے لے آیا ہوں آپ یہ کاغذ لکھ کر دے دیں کہ آج سے سائرہ میری ہے۔

میں نے اُن کی بات سُن کر کہا: "آپ صرف کاغذ کیوں لکھوا رہے ہیں۔ آپ ایک شریف آدمی ہیں باقاعدہ نکاح کیوں نہیں پڑھا کر لے جاتے۔"

سلامت علی نے کہا: "میں ابھی بہت مجبور ہوں۔ بڑی پریشانیوں میں گھرا ہوا ہوں۔ میں اس وقت تک تمھیں یہاں سے نہیں لے جاؤں گا جب تک کہ ہمارا نکاح نہ ہو جائے۔ میں تمھیں عزت آبرو سے اپنے ساتھ لے جاؤں گا لیکن ابھی بڑی مجبوری ہے۔ میں قانونی الجھنوں میں پڑا ہوا ہوں اور مجھ پر مقدمہ چل رہا ہے۔ میں مقدمے سے نکل کر تمھارے پاس آؤں گا اور تمھیں اپنی دلہن بنا کر لے جاؤں گا۔"

میں نے کہا: "اگر آپ اس طرح پریشان ہیں اور جلدی جانا چاہتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے میری کچھ باتیں سن لیجیے۔ میں تنہائی میں آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

نائکہ کو پچاس ہزار روپے مل چکے تھے اور اُسے اس بات پر اعتراض نہیں تھا کہ میں تنہائی میں نواب صاحب سے کیا باتیں کروں گی۔ لہٰذا وہ بریف کیس اُٹھا کر چلی گئی۔

اُس کے جانے کے بعد میں نے کہا: "نواب صاحب آپ نے مجھ پر اندھا دھند اعتماد کر لیا ہے میرے ماضی کے متعلق کوئی چھان بین نہیں کی ہے۔"

انھوں نے کہا: "میں تمھارا عاشق ہوں۔ تم سے محبت کرتا ہوں اور محبت کرنے والے یہ نہیں دیکھتے کہ پیچھے کیا کچھ ہو گیا ہے۔ آگے کیا ہونا ہے یہ میرے ہاتھ میں ہوگا کیونکہ میں تمھارا مجازی خدا بن کر رہوں گا جیسا میں چاہوں گا ویسے تم زندگی گزارو گی اتنا مجھے اعتماد ہے۔"

"پھر بھی آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں کنواری نہیں ہوں جیسا کہ نائکہ مجھے کنواری بنا کر پیش کرتی ہے۔"

نواب سلامت علی میری یہ بات سن کر سنجیدگی سے میرا منہ تکنے لگے۔ میں نے کہا: "ہاں نواب صاحب آج سے

ایک سال پہلے میری شادی بختاور نامی ایک رئیس آدمی سے ہوگئی تھی۔ وہ اچانک ہی مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر ایک سال گزر گیا ہے اُس نے اب تک میری خبر نہیں لی ہے۔ نائکہ کہتی ہے کہ ایک برس گزر جائے اور شوہر اپنی بیوی کی کوئی خبر نہ لے تو بیوی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ دوسری شادی کر لے۔ میں نے تمام حالات آپ کے سامنے رکھ دیے ہیں اگر ان حالات میں آپ مجھے قبول کرنا چاہیں تو قبول کر لیں ورنہ میں نہیں چاہتی کہ آپ اپنے وہ پچاس ہزار روپے یہاں ضائع کر کے جائیں۔"

نواب صاحب مسکرائے پھر انھوں نے میرا ہاتھ تھام کر کہا "سائرہ تم واقعی کسی شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تم نے سچ بول کر میرا دل جیت لیا ہے اور مجھے ہمیشہ کے لیے اپنا اس طرح بنا لیا ہے کہ میں جہاں بھی رہوں گا تمھیں یاد کرتا رہوں گا اور جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ ایک دن تمھیں یہاں سے دلھن بنا کر لے جاؤں گا۔"

اِس جہنمی ماحول میں نواب صاحب کی محبت بھری باتوں نے مجھے ایک نئی زندگی دی۔ میں سمجھتی ہوں کہ نواب صاحب کے ساتھ میرا جتنا بھی وقت گزرا ہے وہی وقت میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے۔ میں اسی سرمائے کو ہمیشہ یاد کرتی رہوں گی۔ وہ جب بھی تنہائی میں میرے پاس آ کر بیٹھے، انھوں نے کبھی میرے قریب آنے کی کوشش نہیں کی، کبھی کسی سستے جذبے کا اظہار نہیں کیا۔ صرف اُسی دن میرا ہاتھ تھام کر مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک دن مجھے دلھن بنا کر لے جائیں گے۔ یہی وعدہ میرے جینے کے لیے اور اُن کا انتظار کرنے کے لیے کافی تھا۔

وہ چلے گئے۔ میں اُن کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ دستور کے مطابق میں روز رات کو پاؤں میں گھنگھرو باندھ لیا کرتی تھی اور نائکہ خوش تھی کہ اُسے پچاس ہزار روپے بھی مل گئے تھے اور میں کچھ عرصے کے لیے اُس کے پاس مجرا کرنے کے لیے رہ گئی تھی۔ وہ تو چاہتی تھی کہ نواب صاحب پیسے دے کر بھول جائیں اور کبھی اِدھر کا رُخ نہ کریں۔

یقیناً اس منحوس عورت نے ایسی ہی کوئی بات سوچی ہوگی جو کہ اب پوری ہوتی نظر آ رہی تھی۔ دو ماہ گزر گئے نواب سلامت علی کا کوئی پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں ہیں۔ میں پھر اپنی بدنصیبی کا رونا رونے لگی۔ پتہ نہیں کیسی تقدیر لکھوا کر میں اس دنیا میں آئی ہوں مجھے ذرا دیر کے لیے خوشیاں ملتی تھیں پھر غموں کے پہاڑ ٹوٹ کر مجھ پر گر پڑتے تھے۔

میں اپنے آپ کو سمجھانا نہیں چاہتی کہ میں کتنی حسین ہوں لیکن اُس بازارِ حسن میں ہر طرف میرے حُسن کا چرچا تھا۔ بڑے بڑے رئیس میرا مجرا سننے کے لیے آتے رہتے تھے لیکن مجھے اپنے حسن سے زیادہ اپنی عزت کا خیال ستاتا تھا۔ اپنے محبوب کا انتظار تھا۔ روز دعا مانگتی تھی کہ میرا محبوب واپس آ جائے لیکن نائکہ مجھے سمجھاتی تھی کہ یہ بڑے بڑے رئیس بس ایسے ہی ہوتے ہیں۔ نواب صاحب کو پچاس ہزار روپوں کے ضائع ہونے کا ذرا بھی افسوس نہیں ہوگا۔ کیونکہ دولت اُن لوگوں کے لیے ہاتھ کا میل ہوتی ہے۔ اُن کو کوئی دوسری لڑکی پسند آ گئی ہوگی اور وہ کسی دوسری جگہ اُلجھ گئے ہوں گے اب ادھر کا رُخ نہیں کریں گے۔

نائکہ کی باتیں میرا دل دکھاتی تھیں اور میں اندر ہی اندر ٹوٹ کر رہ جاتی تھی۔ سوچتی رہتی تھی کہ کیا کروں، کیا یہ محبت کا سہارا جو مجھے ملا تھا عارضی ہے؟ کبھی کوئی مجھ سے محبت نہیں کرے گا؟ کبھی کوئی میرا سہارا نہیں بنے گا؟ میں بے اختیار رونے لگتی تھی۔

نائکہ نے مجھے پھر محبت سے سمجھانا شروع کیا: "رونا دھونا چھوڑ دو۔ آخر کب تک جھوٹوں اور فریبیوں کے لیے آنسو بہاتی رہو گی اور اپنی زندگی اور جوانی برباد کرتی رہو گی۔ یہ لوگ اسی قابل ہوتے ہیں کہ... اُن کے ساتھ جھوٹ بولا جائے اور دھوکا دیا جائے۔ اسی لیے تو اس بازار کی طوائفیں سنگدل ہوتی ہیں اور کسی مرد پر بھروسہ نہیں کرتیں۔ اِس لیے تمھیں بھی سنگدل بن جانا چاہیے۔ دیکھو پچھلے کئی دنوں سے وہ رئیس اعظم یہاں آتے ہیں۔ بھلا سا نام ہے اُن کا۔ ہاں، کبیر بیدل۔ کچھ عجیب سا نام ہے لیکن شاہانہ طبیعت کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ تم پر بُری طرح مرتے ہیں اور وہ تمھارے لیے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

میں نے گھور کر نائکہ کو دیکھتے ہوئے کہا "بس، کچھ نہ کہنا۔ نواب سلامت علی نے آپ کو پچاس ہزار روپے دیے ہیں۔ میری قیمت ادا کر دی ہے۔ اب میں صرف اُن کی ہوں۔ جب تک وہ نہیں آئیں گے آپ میری کسی سے شادی نہیں کرا سکتیں، کسی سے میرے نام پر رقم نہیں

وصول کر سکتیں۔"

نائکہ نے ناگواری سے کہا "تم خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ میں ایسا نہیں کر سکتی۔ میں وہ پچاس ہزار روپے نواب سلامت علی کے منہ پر مار سکتی ہوں۔ میں چلتا پھرتا کاروبار کرتی ہوں اور آنے والے دن آنے والے رئیس نئے نئے تحفے لے کر آتے ہیں اور نواب سلامت علی سے زیادہ دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ میں ایسے موقعے نہیں گنوا سکتی۔ میں تمھیں سوچنے کا موقع دے رہی ہوں۔ اچھی طرح سوچ لو۔ نواب سلامت علی کو اُن کی رقم واپس کر دی جائے گی لیکن تمھیں اب کبیر بیدل کے متعلق سوچنا چاہیے۔ میں تو دوسری لڑکیوں کی طرح تمھیں کسی وقت اُن کے ہاتھوں فروخت کر سکتی ہوں لیکن تمھارا خیال کرتی ہوں۔ زور زبردستی کی قائل نہیں ہوں۔ چاہو تو میں باقاعدہ نکاح پڑھا کر کبیر بیدل کے ساتھ تمھیں رخصت کر دوں گی۔"

اُس کی باتیں مجھے زہر لگتی تھیں مگر میں یہ بھول جاتی تھی کہ گناہ کے اس ماحول میں نادانستگی سے گھناؤنی دلدل کا زہر پیتی جا رہی ہوں۔ میں کچھ اور سمجھ رہی تھی اور ہوتا کچھ اور تھا۔ میں باقاعدہ نکاح پڑھوا کر کسی کی شریکِ حیات بننا چاہتی تھی اور وہ نائکہ اس نکاحی رشتے کو بھی کاروبار بنا دیتی تھی۔

ایک رات میں اپنی خواب گاہ میں سونے کی تیاری کر رہی تھی کہ اچانک کبیر بیدل نشے کی حالت میں ڈگمگاتا ہوا میری خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ میں چیخنا چاہتی تھی۔ اُس نے فوراً ہی ایک چاقو کھول لیا اور کہنے لگا "شور نہ مچانا ورنہ یہ چاقو تمھارے سینے کے پار ہو جائے گا۔"

میں سہم کر دیوار سے لگ گئی۔ ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ "تم... تم میرے کمرے میں کیسے آ گئے؟"

اُس نے ہنستے ہوئے کہا "ماں جی کی مہربانی ہے تمھاری ماں جی کہتی ہیں کہ سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا۔" اُس نے چاقو لہراتے ہوئے کہا "اِس لیے میں ٹیڑھی انگلی سے گھی نکالنے آیا ہوں۔"

میں نے سہم کر کہا "مجھ پر رحم کرو۔ تم نہیں جانتے میں کسی کی امانت ہوں۔ نواب سلامت علی میری قیمت ادا کر چکے ہیں۔"

"میں وہ قصہ سن چکا ہوں۔ تمھاری ماں جی نے کہا ہے کہ جب بھی وہ نواب آئے گا اس کی رقم اُسے واپس کر دی جائے گی۔ اُس سے تمھارا نکاح نہیں ہوا ہے کہ تم اُس کی پابند ہو۔ تم بازار کا مال ہو۔ کوئی بھی تمھاری منہ مانگی قیمت ادا کر کے تمھیں حاصل کر سکتا ہے۔"

وہ میری طرف بڑھنے لگا۔ میں دیوار سے لگی ہوئی ایک طرف سمٹنے لگی۔ اُس سے دُور ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ اُس نے پھر چاقو کو لہراتے ہوئے کہا "دیکھو سائرہ بائی، عقل سے کام لو۔ تمھیں یہاں ——— کوئی نہیں بچا سکے گا۔ تمھاری ماں جی نے مجھے بتایا ہے کہ تمھارے اندر جو خون کی شرافت ہے وہ ابھی تک نہیں گئی۔ تم نکاح کے بغیر کبھی کسی مرد کے قریب نہیں جاؤ گی۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو میں تم سے نکاح پڑھانے کے لیے تیار ہوں۔ تم سے شادی کرنے کے بعد ہی تمھیں ہاتھ لگاؤں گا ——— اسی لیے یہ چاقو ——— تمھارے سینے کے پار ہوگا یا میں تمھارے سینے سے لگوں گا۔ فیصلہ کر لو میں تھوڑی دیر کی مہلت دیتا ہوں۔"

اس تھوڑی دیر کی مہلت میں میں نے سوچا کہ میرا اس دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میرا تو خدا بھی نہیں ہے۔ اگر خُدا میرا ہوتا تو بدمعاش مجھے میرے گھر سے اُٹھا کر اس بازار میں نہ پہنچاتے۔ اگر میری قسمت بھی مجھ پر مہربان ہوتی تو میری پہلی ہی شادی سے مجھے گھریلو زندگی کی خوشیاں حاصل ہو جاتیں۔ میری قسمت ذرا سا بھی مہربان ہوتی تو نواب سلامت علی وعدہ کرنے کے بعد واپس آ جاتے اور اپنے وعدے کو نبھا سکتے۔ میرا وہاں کوئی یار و مددگار نہیں تھا۔ کوئی مجھے کبیر بیدل کے پنجے سے بچا نہیں سکتا تھا۔ میری سمجھ میں اس وقت یہی بات آئی کہ میں گناہ کی دلدل میں پھنسنے کے بجائے سیدھے سادے طریقے سے نکاح پڑھواؤں۔ اس کے بعد خود کو اُس کے حوالے کروں تاکہ میرا ضمیر مطمئن رہے کہ میں نے قانون اور مذہبی اصولوں کے مطابق عمل کیا ہے۔ اگر یہ گناہ ہے تو اس کا عذاب نائکہ اور کبیر بیدل کو ملے گا۔

میں نے شکست خوردہ انداز میں کہا "اچھی بات ہے میں بے یار و مددگار ہوں۔ مجھے کوئی تم لوگوں کے پنجے سے بچا نہیں سکتا۔ میں مجبور ہو کر یہ فیصلہ کر رہی ہوں کہ اگر تمھارے آگے جھکوں گی تو اسی شرط پر کہ باقاعدہ ہمارا نکاح پڑھایا جائے۔ میں گنہگار نہیں بننا چاہتی۔ ابھی یہاں سے

چلے جاؤ۔ نکاح کی تیاریاں کرنے کے بعد پھر کبھی آنا۔"
کبیر بیدل نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میری جان جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں ساری تیاریاں کر کے آیا ہوں۔ قاضی بھی موجود ہے۔ ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ تم نکاح کے بغیر نہیں مانو گی اس لیے سارے انتظامات کر لیے گئے ہیں۔"
میں سر پکڑ کر رہ گئی۔ اس رات ان ذلیل بدمعاشوں نے میری بربادی کا سارا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ اس رات مجھے دلھن بنایا گیا۔ نکاح پڑھایا گیا۔ پھر مجھے کبیر بیدل کی ملکیت بنا دیا گیا۔ میں قہراً و جبراً اُس کی ہو گئی۔ اُس رات سے پھر کئی راتوں تک میں کبیر بیدل کی خوشامدیں کرتی رہی کہ اب وہ مجھے کبھی نہ چھوڑے۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں کہ دس آدمیوں کا منہ دیکھوں۔ بختاور نے مجھے کسی غلطی یا گناہ کے بغیر چھوڑ دیا۔ مجھے یہ سزا دینے سے پہلے اتنا بتانا بھی گوارا نہیں کیا کہ مجھے چھوڑ کر کیوں جا رہا ہے۔ پھر نواب سلامت علی آئے۔ انھوں نے وعدے کیے تو میں اُن کے سپنے دیکھنے لگی میرے سپنوں کی بنیاد...... یہی ہے کہ میں ایک گھر بسانا چاہتی ہوں۔ ایک گھر کی ہو کر رہنا چاہتی ہوں۔ ایک مرد کی ہو کر رہنا چاہتی ہوں۔ خُدا کے لیے کبیر میرے جذبات کا، میری شرافت کا اور میرے ایمان کا لحاظ کرو اور کبھی مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔"
وہ ہنس کر کہتا تھا۔ "مجھے تو تھالی بدل کر کھانے کی عادت ہے۔ کوشش کروں گا کہ اس بار تھالی نہ بدلے۔"
شادی کے بعد اچانک ہی یہ بھید کھلا کہ کبیر بیدل مسلمان نہیں ہندو ہے۔ میں یہ معلوم کر کے سکتے میں رہ گئی۔ کیونکہ نہ تو اُس نے اسلام قبول کیا تھا اور نہ ہی اُس سے کیا ہوا نکاح جائز تھا۔ مجھے دھوکا دیا گیا تھا۔ میں نے نائکہ سے پوچھا کہ مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی گئی؟
نائکہ نے جواب دیا۔ "بیٹی تم اب تک ناسمجھ بن کر زندگی گزار رہی ہو۔ اب تو عقل کے ناخن لو۔ یہ بازار ہے۔ یہاں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سبھی آتے ہیں۔ یہاں مذہب کو نہیں صرف دولت کو دیکھا جاتا ہے۔ انسانوں کے چہرے بھی نہیں دیکھے جاتے کہ کون خوب صورت ہے اور کون بدصورت ہے۔ تم خواہ مخواہ ہندو مسلمان کے جھگڑے میں نہ پڑو۔"
لیکن اب میں کبیر بیدل کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے گناہ کا احساس مارے ڈالتا تھا اور اب میں جان بوجھ کر گناہ کی سیج پر نہیں جا سکتی تھی۔ [illegible] کا نام ایسا تھا کہ مذہب کا پتہ ہی نہ چلتا تھا۔ اسی لیے [illegible] دھوکا کھا گئی تھی۔ اب دھوکے کا علم ہوا تو اس کے [illegible] بچنا میرا فرض تھا۔
میں نے نائکہ سے کچھ نہیں کہا۔ میں جانتی تھی کہ [illegible] رونے گڑگڑانے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ خوب سوچ سمجھ کر [illegible] استاد جی کے پاس گئی۔ وہ ہمارے کوٹھے میں سارنگی [illegible] تھے۔ میں نے تنہائی میں اُن کے پاؤں پکڑ لیے اور رو[illegible] ہوئے کہا۔ "استاد جی اس جہنم سے مجھے نکال دیجیے۔ [illegible] آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ میں آج کی رات [illegible] یہاں نہیں گزارنا چاہتی۔ یہاں رہوں گی تو وہ کبیر [illegible] میرے کمرے میں آئے گا۔"
استاد جی نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بیٹی [illegible] مت میں تمھارے لیے کچھ سوچتا ہوں میرے جان[illegible] کے ایک رئیسِ اعظم ہیں میں اُن سے جا کر بات کر[illegible] اُن کے بہت اثر و رسوخ ہیں۔ وہ ان غنڈوں بدمعا[شوں] سے تمھیں بچا لیں گے اور قانونی طور پر تمھاری حفا[ظت] کریں گے۔"
یہ کہہ کر استاد جی اسی وقت وہاں سے چلے گئے [illegible] دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگی کہ خدا مجھے استاد جی [کے] سہارے ہی اس جہنم سے نکال دے تو پھر میں اِدھر [illegible] نہیں کروں گی۔ خواہ مجھے کتنی ہی مصیبتیں اٹھانی [illegible]
شام کو استاد جی نے آکر چپکے سے کہا۔ "بیٹی [illegible] تقدیر کا ستارا چمکنے والا ہے۔ اب ہمیشہ کے لیے اس جہنم سے نجات مل جائے گی۔ میں نے سارے انتظا[مات] کر لیے ہیں۔ رات کو تم مجرے سے پہلے میک اپ کر[نے] اور گھنگھرو باندھنے کے لیے اپنے کمرے میں جاؤ گی [اس] وقت پچھلے دروازے سے چپ چاپ نکل آنا۔ [illegible] بوڑھا ساتھی زینے پر کھڑا رہے گا۔ وہ تمھیں زینے [سے] لے جا کر وہاں کھڑی ہوئی ایک گاڑی میں بٹھا[ئے گا] وہ گاڑی تمھیں تمھاری نئی پناہ گاہ میں پہنچا دے گی۔"
میں نے پوچھا۔ "استاد جی وہ گاڑی مجھے [کہاں لے] جائے گی؟"
"تم بالکل فکر نہ کرو۔ بہت ہی شریف آدمی [ہیں۔ اُن] کی سارے ہندوستان میں عزت ہے۔ بہت بڑے [آدمی] ہیں اور بہت ہی رحم دل انسان ہیں۔ تمھارے لیے [فرشتہ] ثابت ہوں گے اور تمھیں قانون کی مدد پہنچا[ئیں گے۔ پھر کوئی] تمھیں آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا۔"

استاد جی کی باتوں نے مجھے مطمئن کر دیا۔ میں اُس [وقت] کا انتظار کرنے لگی جب مجھے گھنگھرو باندھنے اور [میک اپ] کرنے کے لیے اپنے کمرے میں جانا تھا۔ میں بڑی [بے] چینی سے ایک ایک لمحہ گزارنے لگی۔ وقت پہاڑ جیسا [ہو گیا۔ گ]زر نہیں رہا تھا۔ بہرحال وہ وقت بھی آگیا جب مجھے [اپنے ک]مرے سے نکل کر جانا تھا۔ میں بہت محتاط تھی۔ استاد [جی] نے بھی یہ چالاکی کی کہ اسی وقت نائکہ کو اپنے پاس [باتوں] میں اُلجھا کر بٹھا لیا۔ میں اپنے کمرے کے پچھلے دروازے [سے نک]ل کر زینے کی طرف گئی۔ وہاں ایک بوڑھا آدمی کھڑا [ہوا ت]ھا اُس نے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ میں اُس کے [ساتھ] زینے سے اترتی ہوئی سڑک پر پہنچی تو وہاں ایک [گ]اڑی کھڑی ہوئی تھی۔ بوڑھے آدمی نے فوراً پچھلی [سی]ٹ کا دروازہ کھول کر مجھے بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں [بیٹھ] گئی تو وہ اگلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ اُس کے ساتھ [بیٹھے] ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اس وقت وہ ڈرائیور میرے لیے ناخدا تھا۔ جو مجھے ساحل تک پہنچا رہا تھا۔ وہ ایک فرشتہ تھا جو جہنم سے نکال کر کسی اَن دیکھی جنت کی طرف لے جا رہا تھا۔ جب بازارِ حسن پیچھے رہ گیا تو میں نے اطمینان کی سانس لے کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں اور دھڑکتے ہوئے دل پہ ہاتھ رکھ کر خُدا کا شکر ادا کرنے لگی۔
کوئی پندرہ منٹ کے بعد ہی ہماری منزل آگئی۔ وہ گاڑی ایک بہت ہی عالی شان کوٹھی کے سامنے آکر رک گئی۔ ایک باوردی ملازم نے ہمارے لیے کوٹھی کا دروازہ کھولا۔ میں اس بوڑھے کے ساتھ اندر پہنچی۔ کوٹھی کی اندرونی سجاوٹ اور قیمتی ساز و سامان دیکھ کر اُس کے مکین کی دولت مندی کا اندازہ ہوتا تھا اور خوش ذوقی کا پتہ بھی چلتا تھا۔ راہداری سے خادمائیں گزرتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ہم ایک بڑے سے ڈرائنگ روم میں پہنچے۔ وہاں بھی دو خادماؤں نے سر جھکا کر ہمیں آداب کرتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر ایک خادمہ نے میرے سامنے آکر ادب سے پوچھا۔ "بی بی جی آپ کیا پینا پسند کریں گی ٹھنڈا یا گرم؟"

میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ میں نے کہا: "میں صرف ٹھنڈا پانی پینا چاہتی ہوں۔"

وہ خادمہ ادب سے سر جھکا کر دو چار قدم اُلٹے پاؤں گئی۔ پھر پلٹ کر ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔ اس ڈرائنگ روم میں عجیب سی خوشبو محسوس ہو رہی تھی معلوم ہوتا تھا کہ وہاں خوشبو کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ جب وہ خادمہ ایک چاندی کی طشتری پر پانی کا گلاس رکھ کر لائی تو میں نے اس گلاس کو پینے کے لیے منہ سے لگایا۔ اس پانی سے بھی گلاب کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے سیر ہو کر پانی پیا اور گلاس واپس کر دیا۔ اسی وقت ایک قد آور لیم شحیم جوان کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے تنگ پاجامہ اور ململ کا کرتا پہنا ہوا تھا۔ کاندھے پر شال تھی۔ میرے ساتھ آنے والا بوڑھا فوراً ہی اُٹھ کر آداب بجا لایا۔ میں سمجھ گئی کہ یہی سیٹھ حشمت بیگ ہیں۔ میں نے بھی اُٹھ کر آداب کیا۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے بولے "تشریف رکھیں تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آج سے اسے اپنا ہی گھر سمجھیں۔"

اس بوڑھے نے ہاتھ جوڑ کر خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "حضورِ عالی! یہ بٹیا اس کوٹھے پر ہمیشہ کے لیے تھوک کر چلی آئی ہے۔ اتنی بڑی دنیا میں اس بیچاری کا اب کوئی نہیں ہے۔ اب تو آپ ہی مائی باپ ہیں۔ اس کا بھلا بُرا آپ ہی کے دم قدم سے ہے۔"

سیٹھ حشمت بیگ نے قریب آ کر مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر کہا: "سچ مچ ہیرا ہو ہیرا۔ اچھا ہوا کہ اس بازار سے چلی آئیں۔ وہاں صرف ناقدرے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر انھوں نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی۔ تالی کی آواز پر ایک خادمہ قریب آئی۔ انھوں نے کہا: "درزی کو بُلا کر اس سے کہو کہ فوراً سائرہ بانو کے لیے طرح طرح کے ملبوسات تیار کریں۔ جوہری ہزاری مل کو حکم دو کہ وہ نئے نئے ڈیزائن کے زیورات لے کر یہاں حاضر ہو جائے۔ سائرہ بانو اپنی پسند کے زیورات اُن میں سے منتخب کریں گی۔ جوتے والوں کو اور سنگھار والوں کو بلاؤ۔ یہاں سائرہ بانو کو کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو۔"

اُن کا حکم سُن کر خادمہ واپس جانے لگی۔ انھوں نے تالی بجا کر دوسری خادمہ کو بُلایا اور پھر اس سے کہا: "سائرہ بانو کو ان کی خواب گاہ میں پہنچا دو اور ان کے آرام کا ہر طرح خیال رکھو۔ اب سے آدھ گھنٹے بعد ہم کھانا کھائیں گے تو سائرہ بانو کو ڈائننگ ٹیبل کی طرف لے آنا۔"

انھوں نے مجھے خادمہ کے ساتھ جانے کو کہا۔ میں نے جھجکتے ہوئے کہا: "جنابِ عالی! میں زیادہ عرصے تک بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ آپ میرے لیے اتنا اہتمام نہ کریں۔ میری ایک گزارش ہے اگر آپ اُسے سُن کر پوری کر سکیں۔"

انھوں نے کہا "ہاں! بے شک جو کچھ دل میں ہے زبان پر لے آؤ۔ اپنی کسی خواہش کسی آرزو کو دل میں نہ رکھو یہاں سب پورا ہو گا۔"

"میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے آدمیوں سے نواب سلامت علی کو تلاش کریں۔ میرا دل کہتا ہے اُن کے ساتھ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے یا وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔"

انھوں نے مسکرا کر کہا: "میں نواب سلامت علی کے عشق کی داستان سُن چکا ہوں۔ نواب صاحب نے تمھارے لیے پچاس ہزار روپے بھی دیے ہیں اور روپے دینے کے بعد وہ حضرت غائب ہو گئے ہیں کیوں یہی بات ہے نا؟"

میں نے نظریں نیچی کرتے ہوئے سر کو اثبات میں ہلایا۔ انھوں نے کہا: "شاید تمھیں نہیں معلوم کہ وہ کن مشکلات میں گرفتار ہیں۔ میں تمھیں یہ خبر سنا کر صدمہ تو نہیں پہنچانا چاہتا لیکن تم اُن کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہو تو سنو ان دنوں وہ جیل میں ہیں۔"

اُن کی باتیں سُنتے ہی میں نے چونک کر سر اٹھایا۔ اُن کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تو اُن آنکھوں میں بڑی گہرائی اور کشش تھی۔ آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے نشہ کر کے آئے ہوں۔ میں نے پھر سے نظریں نیچی کر لیں۔ انھوں نے کہا: "میری بات کا یقین کرو۔ نواب صاحب کے بارے میں شاید تم نہیں جانتیں۔ اگر میں نے یہ کہا ہے کہ وہ جیل میں ہیں تو وہ کوئی غلط قسم کے آدمی نہیں ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہ بے انتہا دولت کے مالک ہیں۔ اپنی دولت چھپانے کی کوشش میں پریشان رہتے ہیں۔ جہاں تک میرے علم میں بات آئی ہے ان کے پاس سونے کی اینٹیں ہیں جنھیں وہ اسمگل کر کے پیرس پہنچانا چاہتے ہیں۔ ان کا ارادہ ہے کہ اپنی دولت کا بیشتر حصہ اس دیس سے باہر رکھیں تاکہ کبھی یہاں کوئی مصیبت آن پڑے تو وہ دوسرے ملکوں میں آرام سے زندگی گزار سکیں۔ اسی کوشش میں وہ پکڑے گئے ہیں اور ان دنوں جیل میں ہیں اور ان پر مقدمہ چل رہا ہے۔ آؤ میں خود ہی تمھیں تمھاری خواب گاہ تک پہنچا دوں۔"

میں نے اُن کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا: "معلوم ہوتا ہے آپ نواب صاحب کے متعلق بہت سی باتیں جانتے ہیں۔"

انھوں نے کہا: "نواب سلامت علی کو کون نہیں جانتا۔ اُن کی دولت مندی کے قصے یوں مشہور ہیں جیسے پریوں کے متعلق قصے گھڑے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کی دولت کا کوئی شمار نہیں ہے۔ حکومت اسی ٹوہ میں رہتی ہے کہ اُن کے اس خزانے کا پتہ چلائے جہاں وہ سونے کی اینٹیں اور دوسرے بیش قیمت جواہرات اسمگل کرتے ہیں۔ انھوں نے تمھارے لیے پچاس ہزار روپے نکال کر یوں نائکہ کو دے دیے ہیں جیسے ایک مٹھی مٹی اٹھا کر دے رہے ہوں۔ اُن کے سامنے ایسی رقموں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

نواب سلامت علی کی دولت مندی کی داستان سُن کر میں احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئی۔ میرے دل نے کہا: "جس شخص کے سامنے پچاس ہزار روپے کوئی اہمیت نہ رکھتے ہوں وہ میرے متعلق بھلا کیا سوچے گا۔ اس نے مجھے کوئی کھلونا سمجھ کر وہ رقم نائکہ کو دی ہو گی اور یوں بھلا دیا ہو گا جیسے کھلونا خریدنے کا خیال بدل گیا ہو۔"

حشمت بیگ نے مجھے ایک بہت ہی آراستہ اور پُر تکلف خواب گاہ میں پہنچا دیا اور مجھ سے رخصت ہوتے ہوئے بولے: "آدھ گھنٹے بعد ایک خادمہ تمھیں ڈائننگ ہال تک پہنچا دے گی تم اس وقت تک آرام کرو۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے۔ میں اس خواب گاہ کی سجاوٹ کو اور وہاں کے قیمتی سامان کو حیرانی سے دیکھتی رہی۔ میں نے سوچا۔ اتنا دولت مند شخص جب نواب سلامت علی کی دولت مندی کی داستان سُنا رہا ہے اور خود کو اُن سے کمتر بتا رہا ہے تو نواب سلامت کی شان و شوکت کیا ہو گی۔ میں بہت ہی مایوس ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود میرا دل ایک طرح سے یہ بھی کہتا تھا کہ نواب سلامت علی واقعی مشکلات میں گرفتار ہیں۔ اسی لیے وہ میرے پاس نہیں آ سکے لیکن ایک بات میں محسوس کرتی تھی اور وہ یہ کہ نواب صاحب سے میرا دلی لگاؤ ہے۔ بعض اوقات میں نہ چاہتے ہوئے بھی پہروں اُن کے متعلق سوچتی رہتی تھی۔ میں نے بازارِ حسن میں بیٹھ کر دنیا جہاں کے مردوں کو دیکھا تھا لیکن کسی نے مجھے متاثر نہیں کیا تھا۔ نواب صاحب میں جانے کیا بات تھی کہ انھوں نے مجھے سر سے پاؤں تک اور دل اور دماغ تک جیت لیا تھا۔

آدھا گھنٹہ کس طرح گزر گیا یہ پتہ ہی نہ چلا۔ نواب صاحب کی یادوں نے مجھے گرفتار کر لیا تھا۔ خادمہ کی آواز نے مجھے چونکایا۔ وہ مجھے کھانے کی میز پر چلنے کے لیے کہہ رہی تھی میں اُس کے ساتھ ڈائننگ روم میں آئی۔ وہ کمرہ بھی اتنا خوب صورت تھا اور ایسی سجاوٹ تھی کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کھانے کا کمرہ بھی اس طرح سجایا جاتا ہے۔ میز پر قیمتی برتن رکھے ہوئے تھے۔ میں اتنی دولت، امارت اور شان و شوکت دیکھ کر اپنے آپ کو بالکل ہی حقیر سمجھنے لگی تھی اور ذرا گھبرانے لگی تھی۔ حشمت بیگ نے مسکرا کر مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا اور میری حوصلہ

افزائی کی کہ مجھے احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے آپ کو اس گھر کی مالکہ سمجھنا چاہیے۔

مجھے اُن کی یہ بات بُری لگی۔ بھلا میں کیوں خود کو یہاں کی مالکہ سمجھتی۔ میں تو اپنے آپ کو صرف نواب سلامت علی کی کنیز سمجھتی تھی۔ مجھے مالکہ بننے کا شوق نہیں تھا۔

ہم کھانے کی میز کے اطراف ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر کھانے لگے۔ میں جھجک رہی تھی حشمت بیگ بڑھ بڑھ کر پلیٹیں بڑھا رہے تھے اور مجھ سے کہہ رہے تھے کہ وہ پرہیزی کھانا کھاتے ہیں لہٰذا ان کی ڈشیں الگ ہیں۔ میں نے ہچکچاہٹ کے باوجود سیر ہو کر کھایا کیونکہ کھانا غیر معمولی طور پر نہایت ہی لذیذ تھا۔ میں سمجھتی ہوں کہ میں نے زندگی میں پہلی بار اتنا لذیذ کھانا کھایا تھا۔ کھانے کے دوران حشمت بیگ طرح طرح کے لطیفے سناتے رہے اور مجھے ہنساتے رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ میری جھجک ختم ہوتی جا رہی ہے اور میں بات بات پر ہنس رہی ہوں۔ میٹھی ڈشوں میں فرنی سب سے زیادہ مزیدار تھی۔ وہی فرنی میں نے سب سے زیادہ کھائی اور کھانے کے بعد ہوش میں ہونے کے باوجود کچھ مدہوش سی ہو گئی۔ آس پاس کا ماحول مجھے ذرا چکراتا ہوا سا محسوس ہوا۔ ایک عجیب سا سُرور میں نے محسوس کیا تھا۔

پھر میں کھانا چھوڑ کر ہنستے ہنستے اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ میرے اُٹھتے ہی کرسی پیچھے کی طرف گر پڑی۔ میں اپنے آپ میں نہیں تھی۔ اِدھر سے اُدھر ڈگمگا رہی تھی ــ حشمت بیگ نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے پاس آ کر مجھے سہارا دیا ــــ میں خواہ مخواہ ہی ہنستی جا رہی تھی اور ان سے باتیں کرتی جا رہی تھی۔ میں یہ بھول گئی تھی کہ حشمت بیگ میرے لیے غیر ہیں اور آج پہلی بار ان سے سامنا ہوا ہے۔ مجھے کچھ بھی یاد نہ رہا تھا۔

خواب گاہ میں پہنچ کر حشمت بیگ اپنی حد سے بڑھنے لگے اور میری حد میں پہنچنے کے جتن کرنے لگے۔ میرے اندر کی عورت نے محسوس کیا کہ اب جو ہو رہا ہے وہ بُرا ہے اور تہذیب اور شرافت اور شرم و حیا اس کی اجازت نہیں دیتی مجھے اب سنبھلنا چاہیے لیکن میں سنبھل نہیں پا رہی تھی۔ خواہ مخواہ مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ میں بے اختیار ہنستے ہوئے اپنے بچاؤ کی فکر کرنے کے بجائے اِدھر سے اُدھر ڈگمگاتی رہی اور حشمت بیگ کو سنبھالنے کے بہانے مجھے ــــ گرانے کا موقع مل جاتا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ کھانے کے بعد جو فرنی کی پلیٹ میری طرف بڑھائی گئی تھی اس میں [illegible] گئی اور بھنگ کی تاثیر یہی ہوتی ہے کہ اگر کھا[illegible] ہنستے رہیں تو پھر بعد میں بھی نشہ طاری رہنے [illegible] رہتی ہے۔ اسی لیے حشمت بیگ نے لطیفے سنا[illegible] مار ا ہنسنے پر مجبور کیا تھا۔

لیکن وہ ہنسی مجھے مہنگی پڑتی رہی۔ [illegible] اس ہنسی کا بہت ہی ماتم کیا۔ میرا جی چاہ رہا [illegible] سینے میں خنجر گھونپ کر یا زہر کھا کر مر جاؤں۔ [illegible] دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ زندگی بوجھ لگ رہی تھی۔ [illegible] سوچ لیا کہ اب وہاں پر بھی نہیں رہوں گی۔ کہیں [illegible] چھوٹے سے گاؤں میں چلی جاؤں گی۔ جہاں [illegible] اور حشمت بیگ جیسے شریف بدمعاش نہیں ہوں گے [illegible] میں عزت آبرو سے رہ سکوں۔

ناشتے پر خادمہ مجھے بلانے آئی تو میں نے [illegible] دیا۔ وہ واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد حشمت [illegible] میں نے اسے دیکھتے ہی نفرت سے اس کی طرف [illegible] وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھ سے نفرت کر کے کہاں [illegible] ابھی تمہارے استاد جی آئے تھے وہ کہہ رہے تھے [illegible] شہر کے بڑے بڑے غنڈوں کو تمہاری تلاش ہے [illegible] ہے۔ وہ تمہیں شکاری کتے کی طرح تلاش کر رہے [illegible] اس کوٹھی سے نکل کر کہیں جاؤ گی تو وہ تمہیں [illegible] ذیل گے۔"

میں سر تھام کر بیٹھ گئی وہ یہ کہہ کر چلا گیا [illegible] بھی جہاں چاہوں جا سکتی ہوں۔ یہاں مجھے کوئی [illegible] روکے گا لیکن یہاں سے جانے سے پہلے مجھے اپنا انجام [illegible] لینا چاہیے کہ غنڈے میرے ساتھ کیسا سلوک کریں [illegible] تنہا خواب گاہ میں بیٹھی غنڈوں اور بدمعاشوں سے [illegible] دہشت زدہ ہوتی رہی۔ میں نے اس روز کچھ نہیں کھا[illegible] یک بھوکی بیٹھی رہی اور سوچتی رہی کہ مجھے کیا [illegible]

آخر میری سمجھ میں یہی بات آئی کہ یہاں اس کوٹھی [illegible] بھی میں محفوظ نہیں ہوں۔ ایک درندہ مجھے نوچنے کے لیے پھر آ جائے گا۔ باہر بھی جنگل ہے۔ درند[illegible] کہیں بھی سکون نہیں ہے تو کیوں نہ میں یہاں سے [illegible] کسی چھوٹے سے گاؤں میں جانے کی کوشش کروں [illegible] سکتا ہے کہ میں غنڈوں کی نظروں میں نہ آؤں اور [illegible] سے نکل جاؤں ہو سکتا ہے کہ غنڈوں والی بات [illegible] بر حشمت بیگ نے محض مجھے دہشت زدہ کرنے

یہ بات کہی ہو۔

یہ ساری باتیں اچھی طرح سوچ لینے کے بعد میں وہاں سے جانے لگی۔ ڈرائنگ روم میں حشمت بیگ نے میرا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا راستہ نہیں روکوں گا لیکن یہ بات غلط ہے کہ تم تمام دن کی بھوکی ہو اور بھوکی پیاسی یہاں سے جاؤ۔ راستے میں پتہ نہیں تمہارے ساتھ کیا ہو اس لیے یہاں سے کھانا کھا کر چلی جاؤ۔"

میں نے نفرت سے کہا۔ "کیا آج بھی کھانے میں نشہ آور دوا ملانا چاہتے ہو؟"

"نہیں۔ میں جو کھانا کھاؤں گا وہی تمہیں بھی کھلاؤں گا۔ اس طرح تمہیں یقین آ جائے گا کہ کھانے میں کچھ ملا ہوا نہیں ہے۔ دیکھو میں تمہیں شرافت سے جانے کا موقع دے رہا ہوں۔ میری بات مان جاؤ۔ بھوکی نہ جاؤ۔ میں تمہیں اس طرح جانے نہیں دوں گا۔"

میں نے سوچا۔ یہ مجھے واقعی اس طرح نہیں جانے دے گا تو مجھے اس کی بات مان لینا چاہیے اور تھوڑا بہت کھا لینا چاہیے۔ یہ کہہ کر میں کھانے کی میز پر آ گئی۔ وہاں تھوڑا بہت کسی طرح کھایا۔ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ میں اس کمینے کے سامنے بیٹھ کر پیٹ بھروں پھر میں جلدی سے اٹھ گئی۔ اس نے نوٹوں کی ایک گڈی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے رکھ لو۔ راستے میں تمہیں پیسوں کی ضرورت ہو گی۔"

مجھے ایسا لگا جیسے وہ میری قیمت ادا کر رہا ہو میں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اس رقم کو قبول کیے بغیر وہاں سے آگے بڑھتی ہوئی کوٹھی کے باہر آ گئی اور ایک سمت جانے لگی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ میری منزل کہاں ہے۔ اب مجھے کہاں جانا چاہیے۔ کن راستوں سے گزرنا چاہیے میرے قدم مجھے جدھر لے جاتے رہے میں ادھر چلتی رہی۔

آہ! اس وقت اپنی تنہائی کو میں ہی اچھی طرح سمجھ سکتی تھی۔ کوئی دوسرا میری بے یاری و مددگاری کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ یہ کتنی بڑی دنیا تھی اور اتنی بڑی دنیا میں میرا کوئی نہیں تھا۔ میری نہ منزل تھی نہ میرا راستہ تھا نہ میری اپنی کوئی مرضی تھی کہ میں اپنی مرضی کے مطابق کوئی زندگی گزار سکوں۔ اس دنیا میں عورت کو خصوصاً جوان اور خوب صورت عورت کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق نہیں ہوتا اسے لوٹنے کھسوٹنے والے قدم قدم پر مل جاتے میں اندر ہی اندر روتی ہوئی کڑھتی ہوئی بالکل ایسی میں چلی جا رہی تھی کہ مجھے خود اپنا ہوش نہیں تھا کہ زندہ بھی ہوں یا نہیں۔ اگر زندہ ہوں تو چل پھر رہی ہوں یا ساکت ہوں۔ اگر چل پھر رہی ہوں تو کس راستے سے گزر رہی ہوں۔ مجھے راستے کا بھی علم نہیں تھا۔ مجھے یہ بھی نہ معلوم سکا کہ اس راستے کے کنارے چل رہی ہوں یا بیچ سڑک پر سے گزر رہی ہوں۔ اس وقت میرے حلق سے چیخ نکل گئی ایک موٹر کار بالکل ہی میرے سامنے آ گئی تھی۔ پھر مجھے ہوش نہ رہا کہ میں کس دنیا میں گم ہو گئی ہوں۔ میرا دماغ اندھیرے میں ڈوب گیا تھا۔ میں بے ہوش ہو گئی تھی۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک آرام دہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ مجھے دو عورتوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک بوڑھی عورت مجھ پر جھک کر مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے میرے شانے کو تھپک کر کہا۔ "گھبراؤ نہیں تم بالکل خیریت سے ہو۔"

دوسری عورت نے مجھے سہارا دے کر ذرا سا اٹھایا پھر ایک گلاس دودھ میرے منہ سے لگا دیا۔ میں تھوڑا تھوڑا پیتی رہی۔ اس کے بعد مجھے لٹا دیا گیا۔ جلد ہی میری آنکھ لگ گئی۔ پھر مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ میں کتنی دیر تک سوتی رہی۔

اتنی بڑی دنیا میں صرف نیند ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے لیے سب سے زیادہ مہربان ہے۔ یہ جب آتی ہے تو صرف انسان کو نہیں سلاتی بلکہ اس کے دکھ اور مصیبتوں اور پریشانیوں کو بھی سلا دیتی ہے۔ میں جب تک سوتی رہی اس دنیا کے ظلم و ستم سے بالکل بے خبر اور بے فکر رہی۔ نیند نے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ ایسے ہی وقت یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ چونکہ نیند انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی اس سبب سے جب تب نہیں سو سکتا۔ اسی لیے غموں سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ نشے کا سہارا لیتا ہے اور مدہوش ہو کر گویا غیر فطری نیند حاصل کر لیتا ہے۔

پھر مجھے ایسا لگا کہ میری نیند اڑ گئی ہے اور میرے قریب کوئی آ گیا ہے۔ مجھے شراب کی بو محسوس ہوئی۔ میں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک جوان شخص مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور لال انگارہ جیسی تھیں۔ وہ وحشیانہ انداز میں مسکراتے ہوئے درندوں کی طرح دانت نکالے مجھے دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "او ہو، یہ چھوکری تو ہوش میں آ گئی۔ ماں قسم بڑی سندر ہے۔ کیوں ری، کب تک بھلی چنگی ہو جائے گی؟"

بوڑھی عورت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "رگھو! ابھی اس کے پاس سے ہٹ جا۔ یہ ابھی بیمار ہے۔ جب تندرست ہو جائے گی تو آ جانا۔ ابھی یہاں سے جا۔"

رگھو نے میرے پاس سے اٹھتے ہوئے اور قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "یہ سالا نشہ بھی کیا چیز ہے۔ اگر میں نشے میں کار ڈرائیو نہیں کرتا اور اس چھوکری کو ٹکر نہیں مارتا تو آج یہ ہیرا ہاتھ نہیں آتا۔ اس خوشی میں چلو تھوڑی سی اور پی لوں۔"

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے کمرے سے چلا گیا۔ بوڑھی عورت میرے لیے کچھ کھانے کی چیزیں لائی تھی۔ لیکن میرا سر چکرا رہا تھا۔ رگھو کی باتیں سن کر مجھے پتہ چل گیا کہ میں پھر ایک جہنم میں پہنچ گئی ہوں اور جب تک میرا یہ حسن اور میرا یہ شباب سلامت رہے گا میں دنیا کے کتنے ہی جہنموں سے گزرتی جاؤں گی۔ اتنی بڑی دنیا میں کوئی مجھے بہن یا بیٹی بنانے والا نہیں تھا۔ سب حسن اور شباب کے رسیا تھے۔

میں نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا کہ مجھے وہاں سے بھی بھاگ جانا چاہیے۔ میں آہستہ آہستہ اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ بڑی کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ بیٹھنے سے بھی تھکن لگ رہی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں میلوں دور سے چل کر آئی ہوں وہ بوڑھی عورت پاس آ کر مجھے کھانے کے لیے کہہ رہی تھی۔ میں نے کھانے سے انکار کر دیا تو اس نے کہا۔ "بیٹی اگر کھاؤ گی نہیں تو تندرست کیسے ہو گی؟"

میں نے چونک کر کھانے کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے رگھو کے لیے کھلا پلا کر تندرست کرنا چاہتی تھی اور میں وہاں سے فرار ہونے کے لیے صحت یاب ہونا چاہتی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے کھانے کی تھالی لے لی اور اسے اپنی گود میں رکھ کر کھانا شروع کر دیا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ جو بھی کھانا ملے اسے میں زہر مار کروں اور جلد از جلد اس قابل ہو جاؤں کہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر وہاں سے فرار ہو سکوں۔

کار کے حادثے میں میرے اعصاب بری طرح متاثر ہوئے تھے میرے ہاتھ پاؤں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ میں اٹھ کر چل پھر سکتی۔ ابھی مجھے ہفتوں تک بستر پر لیٹ کر بیٹھ کر کھانا پینا تھا اور اپنی صحت یابی کا انتظار کرنا تھا۔ ایسے وقت مجھے کچھ ایسی باتیں بھی برداشت کرنی پڑیں جو میرے مزاج کے خلاف تھیں۔ مثلاً کبھی کبھی رگھو میرے بستر پر بیٹھ جاتا تھا اور مجھے اپنے پاس بٹھا کر ایک بازو سے سہارا دے کر کھلاتا پلاتا تھا پہلے تو میں ہچکچاتی رہی اور اس سے کترانے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر میں نے سوچا کہ ابھی سے اپنی نفرت ظاہر کروں گی تو یہ بہت زیادہ محتاط ہو جائے گا اور مجھ پر پہرے بٹھا دے گا۔ اس لیے میں جبراً مسکراتی تھی اور اس کے ہاتھ سے دو چار نوالے نگل لیتی تھی۔

ایک بات اور میرے مزاج کے خلاف یہ ہوتی تھی کہ وہ کبھی کبھی میری اور اپنی تصویریں اترواتا تھا اور خوش ہوتا تھا کہ ایک حسین عورت کے ساتھ اس کی تصویر بن گئی ہے۔ میں بڑی پریشان تھی کہ کیا کروں۔ میں اس کی من مانی سے اسے روک نہیں سکتی تھی۔ تنہائی میں لیٹ کر بہت سوچتی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ ایک ڈاکٹر صبح اور شام کو مجھے دیکھنے ایک بار ضرور آتا تھا اور مجھے دیکھنے کے بعد دوائیں تجویز کرتا تھا۔

رات کو میں اپنے کمرے میں تنہا ہوا کرتی تھی۔ ایک رات میں نے بستر سے اُٹھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میز کے پاس پہنچ کر ایک کاغذ اور قلم تلاش کیا۔ ایک چھوٹی سی پرچی میں ڈاکٹر کو ایک مختصر سا خط لکھا۔

"ڈاکٹر صاحب میں آپ کو خدا کا، بھگوان کا اور انسانیت کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہوں کہ مجھے رگھو کی قید سے نجات دلائیں۔ میں یہاں بے حد پریشان ہوں، اور ہر لمحہ مجھے اپنی عزت کے جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ اس بوڑھی عورت نے اور رگھو نے یہ تہیہ کیا ہوا ہے کہ جب بھی میں تندرست ہوں گی تو مجھے رگھو کی ہوس کے سامنے ڈال دیا جائے گا۔ میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ مجھے تندرست نہ ہونے دیں۔ کچھ ایسی دوائیں دیں کہ میں دن بدن اور بھی بیمار اور کمزور ہوتی جاؤں حتیٰ کہ مر جاؤں۔ اس طرح مجھے رگھو سے نجات مل جائے گی۔ اگر آپ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے میری جان لینا نہیں چاہتے ہیں تو آپ کو میں پھر ایک بار انسانیت کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہوں کہ آپ قانون کا سہارا لے کر مجھے یہاں سے نکال کر لے جائیں۔ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔"

میں نے وہ مختصر سا خط لکھ کر تہہ کیا اور اپنے بلاؤز کے گریبان میں چھپا لیا۔ دوسری صبح جب ڈاکٹر نے میرے پاس آکر میری نبض دیکھنے کے لیے میرے ہاتھ کو تھامنا چاہا تو میں نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے کاغذ کے پرزے کو اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ڈاکٹر نے پہلے تو حیرانی سے دیکھا۔ پھر کچھ سمجھ کر اُس نے جلدی سے اس پرزے کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اُس کے بعد میرا معائنہ کرنے اور دوائیں تجویز کرنے لگا۔ ایک ڈاکٹر سے ایسی توقع نہیں تھی کہ وہ میرے لیے ایسی دوائیں تجویز کرتا جو۔۔۔ آہستہ آہستہ میری خواہش کے مطابق مجھے مار ڈالتیں۔ ڈاکٹر پڑھا لکھا اور ذہین تھا اور قانون کی مدد لینا جانتا تھا۔ اس لیے مجھے توقع تھی کہ وہ قانون کی مدد سے مجھے اس قید سے نجات دلائے گا لیکن ایک اور اندیشہ تھا اور وہ یہ کہ یہ ڈاکٹر کہیں رگھو کا اپنا آدمی نہ ہو۔ اُس کا فیملی ڈاکٹر نہ ہو اور اس کا نمک خوار بن کر اُسے میرا لکھا ہوا وہ پرزہ نہ تھما دے۔ یہ خوف بھی میرے دل میں تھا لیکن میں نے تو ایک جوا کھیلا تھا۔ ایک کوشش کی تھی۔ ناکامی ہوتی یا کامیابی یہ تو میں خدا سے التجا کر رہی تھی کہ میری بدنصیبی اور آگے نہ بڑھے۔ یہاں تک ختم ہو جائے کہ میں اپنی منزل تک پہنچ جاؤں۔ منزل، میری تو ایک ہی منزل تھی اور میں اپنی منزل کا نام تھا سلامت علی۔

جس مکان میں مجھے رکھا گیا تھا۔ وہاں شام کو ہی بھگدڑ مچ گئی۔ وہاں عورتیں اور مرد ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف آنے جانے لگے۔ سب کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ پتہ چلا کہ پولیس والوں نے اس مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اور اب تلاشی لینے کے لیے اندر داخل ہو رہے ہیں۔ یہ سن کر میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ ڈاکٹر واقعی میرے لیے فرشتہ ثابت ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک پولیس انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ میرے کمرے میں آیا۔ پھر اُس نے پوچھا کہ "تم وہی لڑکی ہو جسے رگھو نے یہاں قید کر رکھا ہے؟"

میں نے بستر پر اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "جی ہاں میں وہی بدنصیب ہوں۔ آپ کو قانون کا واسطہ دیتی ہوں مجھے یہاں سے لے جائیے۔"

انسپکٹر نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا "گھبراؤ نہیں ہم تمھیں یہاں سے لے جائیں گے اور تمھاری پوری حفاظت کریں گے۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ لوگ قانونی کارروائی میں مصروف تھے۔ پتہ چلا کہ اس مکان سے اور بھی بہت سا غیر قانونی سامان نکلا ہے۔ میرے لیے ایک ایمبولینس منگائی گئی تھی۔ پھر مجھے اسٹریچر پر ڈال کر آرام سے ایک بڑے سے ہسپتال میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں پولیس انسپکٹر نے بیان لیا تو میں نے شروع سے اپنی روداد سنا دی اور اُسے بتایا کہ مجھے نواب سلامت علی کی تلاش ہے اور میں نے اُن کا پتہ بھی بتایا۔

نواب سلامت علی کا نام سن کر پولیس انسپکٹر نے کہا "پھر تو آپ اپنی منزل تک پہنچ گئی ہیں۔ نواب صاحب ہمارے بڑے مہربانوں میں سے ہیں۔ میں ابھی جا کر اُنھیں خوشخبری سناتا ہوں کہ آپ مل گئی ہیں اور میں آپ کو یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ اُن پر جو مقدمہ چل رہا تھا وہ مقدمہ جیت گئے ہیں اور اب اُن پر قانون کی کوئی گرفت نہیں ہے۔"

انسپکٹر کی یہ باتیں سن کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دم سے ہی میرے دن پھیر دیے تھے۔ دشمنوں سے نجات مل گئی تھی اور میرا چاہنے والا بھی ملنے ہی والا تھا۔ انسپکٹر نے ہسپتال سے فون پر نواب صاحب

کو میرے متعلق اطلاع دی۔ پھر رات کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی نواب صاحب میرے بستر کے پاس حاضر ہو گئے۔ وہ بہت ہی خوش نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے بستر کے سرے پر بیٹھ کر محبت سے میرے ہاتھ کو تھام لیا اور جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں بولے "میں تمھیں تقریباً تین دن اور تین راتوں سے تلاش کر رہا ہوں۔ اس سے پہلے میں قانون کی گرفت میں تھا۔ تمھارے پاس آ نہیں سکتا تھا۔ میں اس نائکہ کے پاس گیا تو پتہ چلا کہ تم وہاں سے فرار ہو گئی ہو۔ پھر میں نے حشمت بیگ سے رابطہ قائم کیا کیونکہ استاد جی نے مجھے وہیں کا پتہ بتایا تھا۔ حشمت بیگ نے بھی یہی بات کہی کہ تم ایک رات رہنے کے بعد وہاں سے چلی گئی ہو۔ تب سے میں بڑا پریشان رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئیں۔"

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ میں نے روتے ہوئے کہا "مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ آپ مل گئے ہیں۔ میں کیا بیان کروں کہ آپ کے جانے کے بعد مجھ پر کیسی کیسی مصیبتیں نازل ہوئی ہیں مجھ پر کیسے کیسے ظلم کیے گئے ہیں۔ اتنے ظلم سہنے کے بعد خوشی ملے تو اس خوشی کا یقین نہیں ہوتا۔"

نواب صاحب نے میرے ہاتھ کو تھپتھپا کر کہا "تمھیں یقین ہو جائے گا۔ میں تمھیں اتنی خوشیاں دوں گا۔ ایسا تحفظ دوں گا کہ کوئی تمھاری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ تم اتنی بلندی پر رہو گی۔ ایسی عظمت تمھیں ملے گی کہ تمھارے سامنے دوسروں کی نگاہیں جھک جایا کریں گی۔"

نواب صاحب کی باتوں سے مجھے نئی زندگی مل رہی تھی۔ انھوں نے اسپیشل وارڈ میں میرے لیے انتظامات کرائے۔ ایک الگ کمرہ میرے لیے مخصوص کیا گیا جہاں وہ صبح و شام میرے ساتھ رہتے تھے۔ کبھی کبھی غسل کرنے اور لباس وغیرہ تبدیل کرنے چلے جایا کرتے تھے ورنہ اسی کمرے میں میرے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ اُن کی محبت نے ٹانک کا سا اثر دکھایا تھا۔ میں ایک ہفتے کے اندر ہی بالکل صحت یاب ہو گئی۔ ساری کمزوریاں دور ہو گئیں۔ مجھے ہسپتال سے چھٹی دے دی گئی۔ وہ مجھے اپنی حویلی میں لے آئے۔

میرا خیال تھا کہ نواب صاحب مجھے حویلی میں لے جانے کے بعد فوراً ہی شادی کی پیش کش کریں گے لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ مجھے آرام سے رہنے اور اچھا کھانے پینے اور پہننے کے لیے کہا کرتے تھے۔ میرے آرام کا خیال رکھتے تھے اور میرے بناؤ سنگھار میں ذرا بھی کمی ہوتی تو وہ ناراض ہو جاتے تھے۔ میں اُن کی خاطر ہمیشہ بن سنور کر رہتی تھی اور اچھے اچھے لباس پہنتی تھی۔ ہم دونوں کے درمیان شرافت کی دیوار حائل تھی۔ وہ اتنے مہذب انسان تھے کہ انھوں نے کبھی تنہائی میں میرا ہاتھ نہیں پکڑا۔ نہ ہی کسی چھچھورے خیال کا اظہار کیا۔ انھوں نے مجھے کہا "دیکھو سائرہ میں چاہوں تو آج ہی ——— تم سے نکاح پڑھوا سکتا ہوں لیکن اصولاً ہمیں تین ماہ تک انتظار کرنا چاہیے۔ تین ماہ کے بعد میں تمھیں اپنی دلھن بنا لوں گا۔"

ان کی یہ بات مجھے پسند آئی۔ وہ اصول اور مذہب کے احکام کے مطابق عمل کر رہے تھے۔ تین ماہ کے بعد انھوں نے وعدے کے مطابق شادی کے انتظامات کیے۔ پھر بڑی دھوم دھام سے مجھے دلھن بنا کر اپنی حویلی کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں لے آئے۔

میں زندگی میں پہلی بار کسی کی جائز دلھن بنی تھی۔ اس سہاگ کی پہلی رات میں انھوں نے مجھے اتنا پیار دیا۔ اتنا پیار دیا کہ میں نہال ہو گئی۔ مجھے پہلی بار پتہ چلا کہ مرد اپنا ہو اور صرف اپنا ہو اور اُس کا پیار اور اُس کی توجہ اور اُس کا سب کچھ صرف اپنے لیے ہو تو اُس پیار سے کتنی لذت ہوتی ہے۔

شادی کے بعد وہ مجھے اپنی زندگی کے اہم راز بتانے لگے۔ ایک رات وہ مجھے حویلی کے ایک تہہ خانے میں لے گئے۔ وہاں میں نے کتنی ہی سونے کی اینٹیں دیکھیں۔ انھوں نے کہا "یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے یہ تہہ خانہ خالی کر دیا ہے یہاں ہر طرف بے شمار سونے کی اینٹیں تھیں انھیں اسمگل کر کے یورپ کے مختلف شہروں میں پہنچا دیا ہے۔ وہاں ہر ملک میں میرا بینک اکاؤنٹ ہے اور میرے ذاتی بنگلے ہیں اور جتنے قیمتی میرے جواہرات تھے۔ وہ سب میں نے وہاں پہنچا دیے ہیں۔ میں تمھارے لیے پاسپورٹ بنوا رہا ہوں۔ پھر تمھیں اُن ممالک میں لے جاؤں گا اور وہاں کی تمام چیزیں تمھارے نام کر دوں گا تاکہ میرے بعد وہ ساری دولت اور جائداد تمھیں مل سکے۔"

میں کبھی خواب میں بھی اتنی دولت نہیں دیکھ سکتی تھی جتنی کہ مجھے مل رہی تھی۔ میں نے اُن سے کہا "اب میں سہاگن ہوں اور آپ کی شریکِ حیات ہوں۔ میری اب اتنی عزت ہے کہ لوگ جھک کر سلام کرتے ہیں۔ اب میں اپنے والدین سے مل سکتی ہوں اور اپنے خاندان والوں کو منہ

دکھا سکتی ہوں۔"

دوسرے ہی دن وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر مراد آباد گئے۔ وہاں ہندوؤں کے جس محلے میں میں نے اپنا بچپن گزارا تھا اور جہاں میرا خاندان آباد تھا۔ اس گھر میں اب کوئی ہندو فیملی آباد تھی۔ میں اپنے محلے کے پنڈت چاچا کے پاس گئی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے میرا ماتھا چوم لیا۔ پھر مجھے اپنے پاس بٹھا کر بولے۔ "بیٹی۔ تمھارے والدین تو مر چکے ہیں اور تمھارے خاندان کے لوگ بھی پتہ نہیں کہاں کہاں چلے گئے۔ تمھاری بڑی بہن طاہرہ بانو فسادات کے دوران میرے گھر میں تھی۔ اس لیے وہ محفوظ رہ گئی۔ میں نے اُس کی پرورش کی۔ وہ میرے ہی گھر جوان ہوئی۔ پھر ایک دن پاکستان سے تمھارے چچا اور اُن کے صاحبزادے آئے تو میں نے اُن کی امانت اُن کے حوالے کر دی اور اُن کے صاحبزادے سے طاہرہ کا نکاح پڑھا دیا۔ اب وہ پاکستان میں ہے۔ کبھی کبھی مجھے خط لکھتی رہتی ہے اور یہ تاکید کرتی ہے کہ کبھی چھوٹی بہن سائرہ بانو کا پتہ چلے تو اُسے اطلاع دی جائے۔"

میں نے طاہرہ باجی کا پتہ لے کر خط و کتابت شروع کر دی جب میرا پاسپورٹ تیار ہو گیا اور باہر ممالک کا دورہ کرنے کا وقت آیا تو سب سے پہلے میں اپنے شوہر کے ساتھ پاکستان گئی اور وہاں اپنی طاہرہ باجی سے ملاقات کی۔ ہمیں اُمید نہیں تھی کہ خونی رشتے پھر کبھی مل سکیں گے اور ملیں گے تو پہچان لیں گے —— لیکن جب ملے تو ہم گلے مل کر خوب روئے۔ پھر میں نے اپنا پتہ بتایا اور باجی سے اور بہنوئی سے کہا کہ کبھی وہ ہمارے ہاں بھی آئیں۔ اُن کے ہاں کچھ روز رہنے کے بعد پھر ہم یورپ کے دورے پر چلے گئے۔ وہاں پیرس، سوئٹزرلینڈ، استنبول اور لندن میں میرے شوہر کے بنک اکاؤنٹ تھے اور وہاں کروڑوں ڈالر جمع تھے۔ پھر لاکرز میں ہیرے جواہرات بھی رکھے ہوئے تھے اور ہر شہر میں ایک بنگلہ موجود تھا —— جو ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔ یہ ساری چیزیں نواب صاحب نے میرے نام لکھ دیں۔

ان دنوں میں دنیا کی سب سے خوش قسمت عورت تھی۔ میں اب تک جتنی چیزوں اور خوشیوں سے محروم تھی وہ سب کی سب میں نے پالی تھیں بلکہ اس سے زیادہ مجھے مل رہا تھا۔ میرے پاس اتنی دولت تھی کہ میں جو چاہتی وہ خرید سکتی تھی۔ میرے پاس اتنی محبت تھی کہ میں نے اپنے شوہر کو دل و جان سے جیت لیا تھا۔ ہم پیار و محبت میں اس طرح گم رہے کہ سال دو سال کیسے گزر گئے ہمیں پتہ ہی نہ چلا۔ ہمیں ایک دوسرے کی صورت کے سوا کوئی تیسری صورت نظر ہی نہیں آتی تھی۔

پھر تیسری صورت کے آثار پیدا ہوئے۔ میرے پاؤں بھاری ہو گئے۔ میں نے نواب صاحب کو یہ خبر سنائی تو وہ خوشی سے [illegible] ان دنوں ہم ہندوستان واپس آ گئے تھے لیکن میری بدنصیبی [illegible] بھی ہو چکا تھا کیونکہ نواب صاحب بیمار رہنے لگے تھے۔ [illegible] علاج ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر بدلے جا رہے تھے لیکن ان کی صحت دن [illegible] بگڑتی جا رہی تھی۔ پھر میری خوش نصیبی بدنصیبی میں یوں بدل [illegible] ایک رات وہ مجھے روتا بلکتا چھوڑ کر اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنی جلدی میرا سہاگ اجڑ جائے [illegible] میں حواس باختہ ہو کر حویلی کے در و دیوار کو دیکھتی تھی اور سوچ [illegible] یہ کیسے ممکن ہے۔ جو محبت مجھے بھرپور انداز میں ملتی رہی وہ ختم کیسے ہو گئی ہے کیا میرے نصیب میں اتنی سی خوشیاں [illegible] تھیں کہ خواب کی طرح مجھے نواب صاحب کی محبت ملی۔ پھر [illegible] بھیانک تعبیر کی طرح تقدیر نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ [illegible] محبت کی آغوش میں بے فکری سے سو رہی تھی۔ آنکھ کھلی تو [illegible] دنیا میں مصائب سے گزرنے کے لیے پھر ایک بار خود کو تنہا [illegible]

میرے پاس بے انتہا دولت تھی، وفادار ملازم تھے [illegible] تحفظ کر سکتی تھی۔ مجھے دشمنوں کا خوف نہیں تھا لیکن اپنی [illegible] اولاد کے لیے پریشان تھی کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے باپ [illegible] سے محروم ہو گئی۔ میں کس طرح اس کی پرورش کی ذمے داریوں کو [illegible]

میں اتنی سی بات پر پریشان ہو رہی تھی اور یہ بھول گئی تھی [illegible] سے بڑی مصیبتیں بھی آ سکتی ہیں۔ ایک روز فون کی گھنٹی بجی تو [illegible] ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے کسی کے قہقہے [illegible] آواز آئی۔ میں نے پوچھا۔ کون ہے؟ دوسری طرف سے [illegible] "تمھارا پرانا عاشق، کیا تم مجھے آواز سے پہچان سکتی ہو؟"

میں سکتے میں رہ گئی۔ میں نے کبیر بیدل کی آواز پہچان [illegible] وہ کہہ رہا تھا۔ "بیگم صاحبہ! اب تو تم بڑی اونچی چیز ہو گئی [illegible] جیسے دولت مند کے سامنے بھی اتنی قیمتی چیز ہو کہ میں [illegible] تمھیں پکڑنا چاہوں تو نہیں پکڑ سکتا۔ مگر ہاں، ہمارا تمھارا [illegible] ہے، ہم ایک ہو سکتے ہیں۔"

میں نے غصے سے چیخ کر کہا۔ "بے غیرت، اپنی ناپاک [illegible] بند کرو۔ میں تم پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔"

دوسری طرف سے قہقہہ لگانے کے بعد کہا گیا۔ "تم [illegible] کرو گی کیونکہ میرے پاس نکاح نامہ موجود ہے۔ شادی کی [illegible] بھی میرے پاس ہیں اور میں نے تمھیں طلاق نہیں دی [illegible]

تم میری بیوی ہو اور اگر تم نے نواب سلامت علی سے نکاح پڑھایا تو وہ ناجائز تھا۔"

میں نے حقارت سے کہا۔ "کبیر بیدل! تم کس خوش فہمی میں ہو۔ میں بھی قانون اور مذہب کو سمجھتی ہوں۔ تم غیر مسلم ہو اور تم سے میرا نکاح جائز نہیں تھا۔ اس لیے وہ نکاح نامہ اور وہ تصویریں سرے سے ہی غلط ہیں۔"

کبیر بیدل نے کہا۔ "ہاں، تم کسی حد تک نکاح نامے کو غلط کہہ سکتی ہو مگر ان تصویروں کو غلط نہیں کہہ سکتیں اور اس وقت کو جھٹلا نہیں سکتیں جب تم کوٹھے پر بیٹھی تھیں اور وہ تصویریں اس بات کی گواہ ہیں کہ تم میرے ساتھ پتہ نہیں کتنی راتیں گزار چکی ہو۔ سنا ہے کہ تم ماں بننے والی ہو۔ میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ جو اولاد تم پیدا کرنے والی ہو وہ میری ہے۔"

میں نے آخ تھو کہہ کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ میں نے اس وقت اس پر تھوک تو دیا تھا لیکن میرے اندر گھبراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ میں جانتی تھی کہ شیطان جان سے نہیں مارتا مگر ہلکان کرتا ہے۔ وہ مجھے بدنام کر سکتا تھا۔ میری ہونے والی اولاد کو بھی وہی بدنامی ملتی۔ جواب کیسے دیا جائے۔ کیسے اُسے جھٹلایا جائے۔ میں تمام دن پریشان رہی۔

مگر ابھی یہ پریشانی کافی نہیں تھی۔ ابھی اس میں اور اضافہ ہونا تھا۔ تقدیر اور زیادہ مجھ سے مذاق کرنا چاہتی تھی۔ اسی شام ملازم نے آکر کہا۔ "ایک صاحب ملنے آئے ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

ملازم نے کہا۔ "انھوں نے نام نہیں بتایا۔ میرا خیال ہے کہ نواب صاحب کے پرانے شناساؤں میں سے ہیں۔"

میں نواب صاحب کے شناساؤں اور دوستوں کی بڑی عزت کرتی تھی۔ یہ سوچ کر میں ڈرائنگ روم میں اس سے ملنے گئی تو اُسے دیکھتے ہی ایک دم سے ٹھٹھک گئی۔ ڈرائنگ روم میں بختاور بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی مسکرا کر بولا۔ "بیگم صاحبہ آداب! آپ نے مجھے پہچان تو لیا ہو گا۔"

میں نے غصے اور حقارت سے پوچھا۔ "تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

اس نے جواب دیا۔ "میں تمھارا شوہر ہوں، سرتاج ہوں، مجازی خدا ہوں۔ میں تو تمھاری خواب گاہ میں بھی آ سکتا ہوں۔"

میں نے غصے سے چیخ کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ سیدھی طرح یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میں ملازموں سے دھکے دے کر نکلوا دوں گی۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ذرا سہولت سے باتیں کریں بیگم صاحبہ! میں جانتا ہوں کہ آپ بہت اونچی ہو گئی ہیں، اتنی دولت مند ہو گئی ہیں کہ ہم جیسوں کو دھکے دے کر اس دنیا سے بھی نکال سکتی ہیں لیکن یہ نہ بھولیں کہ میں آپ کا شوہر ہوں۔ میرے پاس نکاح نامہ موجود ہے اور میں نے آپ کو طلاق نہیں دی تھی۔ طلاق حاصل کیے بغیر آپ دوسری شادی نہیں کر سکتی تھیں لیکن آپ نے نواب صاحب سے شادی رچائی جو کہ سراسر غلط ہے۔"

"مذہب کی رو سے میں اس بات کی حق دار تھی۔ اتنے طویل عرصے تک تم نے میرے نان نفقے کی ذمے داری پوری نہیں کی تھی، میری خبر نہیں لی تھی۔ مجھے تنہا بے یار و مددگار چھوڑ گئے تھے اس لیے میں دوسری شادی کر سکتی تھی۔"

"لیکن میں بھی مجبور تھا۔ میں ٹی بی سینیٹوریم کا سرٹیفکیٹ پیش کر سکتا ہوں کہ میں اس قدر بیمار تھا کہ تمھاری خبر نہیں لے سکتا تھا۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم ٹی بی کے مریض نہیں تھے۔"

"ہاں، یہ جھوٹ سہی لیکن جھوٹا سرٹیفکیٹ پیش کیا جا سکتا ہے۔ میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ سینی ٹوریم سے واپس آ کر جب میں نے نائکہ سے تمھارا مطالبہ کیا تو پتہ چلا تم وہاں سے بھاگ گئی ہو۔ میں تقریباً ڈھائی برس سے تمھیں تلاش کر رہا ہوں اور تم یہاں نواب صاحب کی بیگم بنی بیٹھی ہو اور پتہ نہیں اُسے کیسے مار ڈالا۔ اب اسکی دولت پر عیش کرنے کا ہمیں موقع مل گیا ہے۔ بہرحال تم نے جو کچھ بھی کیا ہے۔ اس میں میرا بھی حصہ ہے۔ تمام جھگڑوں کو بھول جاؤ۔ مجھ سے جو کوتاہی ہوئی اسے بھی فراموش کر دو۔ ہم دونوں پھر میاں بیوی کی حیثیت سے نواب صاحب کی دولت پر عیش کرتے ہوئے

ساری زندگی گزار دیں گے۔"

"شیطان کے بچے! تم کسی طوائف سے نہیں بلکہ بیگم نواب سلامت علی سے بات کر رہے ہو۔ یہاں تمھیں اتنے جوتے پڑیں گے کہ آئندہ اِدھر کا رخ کرنا بھول جاؤ گے۔ میں بات بڑھانا نہیں چاہتی۔ سہولت سے سمجھا رہی ہوں کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا۔ "سوسائٹی میں میری بھی بہت زیادہ عزت ہے اس لیے میں یہاں سے بے عزت ہو کر نکلنا نہیں چاہتا لیکن جانے سے پہلے تمھیں یہ بتا دوں کہ ہونے والی اولاد میری ہے اور میرے نام سے اس دنیا میں پہچانی جائے گی۔ میں یہ ثابت کر دوں گا کہ نواب صاحب سے شادی ہونے کے بعد بھی تم مجھ سے چھپ چھپ کر ملتی رہی ہو اور میری خوشامد کرتی رہی ہو کہ میں اپنی اور تمھاری شادی کا ذکر نواب صاحب سے نہ کروں۔ تم یہ راز چھپانے کے لیے اس راز کی قیمت مجھے دیا کرتی تھیں اور اس قیمت کے بدلے میں نے تمھیں وہ اولاد دی ہے جسے تم جنم دینے والی ہو۔"

"بکواس مت کرو۔ شادی سے پہلے میں نے تین ماہ عدت کے طور پر گزارے تھے۔ تین ماہ تک میرے کسی سے تعلقات نہیں رہے۔ پھر میری شادی نواب سلامت علی سے ہوئی۔ میں جس بچے کی ماں بننے والی ہوں اس کے باپ کا نام صرف نواب سلامت علی ہی ہو سکتا ہے۔ تمھارا دعویٰ جھوٹا اور غلط ہے۔"

"غلط سہی لیکن غلط کو صحیح ثابت کرنا مجھے آتا ہے۔ اگر میں قانوناً صحیح ثابت نہ کر سکا اور عدالت کے ذریعے تمھاری اولاد کو حاصل نہ کر سکا تو پھر غیر قانونی طور پر ایک دن اس بچے کو اٹھا کر لے جاؤں گا کیونکہ وہ میرا ہے اور میرے پاس رہے گا۔ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔ میں سکتے کے عالم میں کھڑی رہی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان دشمنوں سے کس طرح نجات پاؤں، کس طرح اپنے ہونے والے بچے کی حفاظت کروں۔ یہ تو نواب صاحب کے مرتے ہی آندھی طوفان کی طرح میرے پیچھے پڑ گئے تھے اور مجھے ایک تنکے کی طرح پھر اسی دلدل میں پہنچانا چاہتے تھے جہاں سے میں بڑی مشکلوں کے بعد نکل کر آئی تھی۔

اس رات فکر اور پریشانی کے باعث میری بھوک مر گئی۔ میں کچھ کھانا نہیں چاہتی تھی۔ بوڑھی ملازمہ نے سمجھایا کہ ایسے دنوں میں مجھے اچھی طرح کھانا پینا چاہیے اور خوش رہنا چاہیے۔ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں ہر طرح سے اپنے بچے کی حفاظت کرنے کی کوشش کروں گی اور اسے دشمنوں سے دور رکھوں گی۔

اس رات میں کروٹیں بدل بدل کر بہت دیر تک سوچتی رہی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ پھر مجھے اپنی طاہرہ باجی کا خیال آیا۔ میں فوراً ہی بستر سے اٹھ کر خط لکھنے بیٹھ گئی۔ خط میں، میں نے پوری تفصیل سے اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ کس طرح دشمنوں میں گھری ہوئی ہوں، اگر وہ میری مدد کرنا چاہتی ہوں تو بچے کی ولادت سے پہلے یہاں پہنچ جائیں اور پیدا ہوتے ہی بچے کو اپنے ساتھ لے جائیں تاکہ دشمنوں کا سایہ بھی اس پر نہ پڑ سکے۔

ایسا خط لکھتے وقت میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ میں اپنے بچے کو پیدا ہونے سے پہلے ہی جدا کرنے کی تدبیریں کر رہی تھی اور ایسی تدبیریں سوچنے پر اور ان پر عمل کرنے پر مجبور تھی۔ بچپن ہی سے مجبوریاں میرے مقدر میں لکھ دی گئی تھیں۔ کبھی غنڈوں بدمعاشوں . . . . کی طرف سے مجبور کی گئی، کبھی اسی مجبوری کے سائے میں بازار میں لا کر بیچی گئی۔ کبھی نائکہ نے مجبور کیا، کبھی نکاح نامے پر مجھے مجبور کیا گیا۔ قدم قدم پر اتنی مجبوریاں مجھے جکڑتی رہی تھیں کہ میں نے تھک ہار کر سمجھ لیا تھا کہ اب میں پتھر بن گئی ہوں۔ اب کوئی مجبوری مجھے رُلا نہیں سکے گی۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ماں کیا ہوتی ہے۔ جب ماں بننے کا وقت آیا تب سمجھ میں آیا کہ اولاد کیسے رُلاتی ہے۔

دوسری صبح میں نے خط طاہرہ باجی کے نام پوسٹ کیا اور انتظار کرنے لگی۔ ایک روز میں حویلی کے ایک دریچے کے باہر باغیچے میں دیکھ رہی تھی اور اپنے حالات پر غور کر رہی تھی۔ تب میں نے دیکھا کہ کتنی ہی سفید پوشش کنیزیں اپنے کاندھے اور سر پر بڑے بڑے تھال اُٹھائے میری حویلی کی طرف چلی آ رہی تھیں۔ تھالوں پر خوشنما خوان پوش پڑے تھے۔ میں سمجھ گئی کہ میرے لیے تحائف آئے ہیں۔ نواب صاحب کی اکثر عید، بقرعید یا دوسرے خاص موقعوں پر دوسرے نوابوں کے ہاں سے ایسے ہی تحائف آیا کرتے تھے۔ لیکن اس روز ایسے تحفے بھیجنے کا کوئی موقع محل کوئی تُک سمجھ میں نہیں آئی۔

میں اوپری منزل سے اتر کر نیچے بڑے ڈرائنگ روم میں آئی۔ اس وقت تک وہ کنیزیں اندر داخل ہو گئی تھیں۔ سب ایک دوسرے کے پیچھے قطار بنا کر آئی تھیں۔ میں نے پوچھا "یہ سب کیا ہے؟"

ایک خواجہ سرا نے دونوں ہاتھوں کی تالی بجا کر کہا۔ "بیگم صاحبہ! پہلے آپ دیکھ تو لیں کہ آپ کے لیے کیسے تحائف آئے ہیں۔"

اس نے کنیزوں کو اشارہ کیا۔ وہ ایک ایک خوان پوش اٹھا کر دکھلانے لگیں۔ خواجہ سرا کہتا جا رہا تھا "یہ ریشم اور کمخواب کے تھان ہیں اور یہ ڈھاکے کی ململ ہے اور یہ نئے موسم کے پھل اور خشک میوے ہیں۔"

میں حیرانی سے دیکھتی جا رہی تھی۔ پھر میں نے پوچھا۔ "لیکن یہ سب کیا ہے؟ کس نے بھیجا ہے؟"

تب خواجہ سرا نے ادب سے آگے بڑھ کر مجھے ایک رقعہ پیش کیا اور کہا۔ "یہ سیٹھ حشمت بیگ نے آپ کے نام لکھا ہے۔"

حشمت بیگ کا نام سن کر میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ میں نے فوراً ہی اس کے ہاتھ سے اس رقعے کو جھپٹ کر اور پھر کھول کر پڑھا۔ اس میں سیٹھ حشمت نے لکھا تھا۔

"بیگم سائرہ بانو! مجھے خوشخبری مل چکی ہے۔
میں اس خوشی کے موقع پر یہ تحائف بھیج رہا ہوں۔
بچے کے لیے بھی ریشم اور کمخواب کے تھان ہیں۔ تمھیں
ان دنوں خشک میوے زیادہ استعمال کرنے چاہئیں
اور اچھی سے اچھی خوراک کھانی چاہیے۔ میں چاہتا ہوں
کہ میرا بچہ صحت مند اور خوبصورت ہو۔"

یہ پڑھتے ہی میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں نے اس کاغذ کے پرزے پرزے کرتے ہوئے چیخ کر کہا۔ "نکل جاؤ یہاں سے لے جاؤ یہ چیزیں۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے ان چیزوں کو ٹھوکریں مارنی شروع کر دیں۔ اس خواجہ سرا کو بھی دو چار ہاتھ جماتے۔ میرے ملازم میری آوازیں سن کر اندر آ گئے تھے۔ میں نے انھیں حکم دیا۔ "اس خبیث کی پٹائی کر کے یہاں سے نکالو اور ان سب چیزوں کو میری حویلی کے احاطے سے باہر پھینک دو۔"

میں غصے میں تلملاتی ہوئی وہاں سے چلی آئی۔ اپنی خواب گاہ میں پہنچتے ہی مجھے رونا آ گیا۔ تب مجھے پتہ چلا کہ میں غصے میں نہیں تھی کیونکہ غصے میں رونا نہیں آتا۔ پریشانیاں رُلاتی ہیں اور پریشانی میں ایک اضافہ یہ ہو گیا تھا کہ حشمت بیگ بھی میرے ہونے والے بچے کا دعوے دار بن رہا تھا۔ میں دل ہی دل میں اسے کوستی رہی اور بددعائیں دیتی رہی لیکن میری طرح کتنی ہی عورتیں بازار میں بیٹھ کر روتی ہیں، گڑگڑاتی ہیں، اپنے لیے دعا مانگتی ہیں، دشمنوں کو بددعا دیتی ہیں مگر کسی کا کچھ نہیں بگڑتا اور ان بے چاریوں کو دعاؤں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود دعا ایک ایسا سہارا ہے، ایسی امید ہے کہ کچھ حاصل نہ ہونے کے باوجود بار بار دعائیں لبوں پہ آتی ہیں۔ اس وقت بھی میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہی تھی کہ بلا سے مجھ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں لیکن میرا بچہ ان دشمنوں سے محفوظ رہے۔ کسی طرح جلد سے جلد میرا لکھا ہوا خط میری باجی کے پاس پہنچ جائے اور وہ میرے پاس چلی آئیں۔ پھر میں ان دشمنوں کو ایسا فریب دوں گی کہ وہ مجھے تو پالیں گے لیکن میرے بچے تک کبھی نہیں پہنچ سکیں گے۔

پتہ نہیں میں کب تک خیالوں میں گم رہی۔ فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ پھر جیسے ہی ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے حشمت بیگ کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "بیگم سائرہ بانو! ملازم تو بے چارے مار کھانے کے لیے ہی ہوتے ہیں۔ گالیاں سنتے ہیں، مار کھاتے ہیں، پھر بھی ہماری خدمت کرتے رہتے ہیں۔ ان پر ہاتھ اٹھا کر کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں اپنے بچے سے دستبردار ہو جاؤں گا، کبھی نہیں۔ جب تم میرے ہاں آتی تھیں اور جب بھنگ کے نشے میں مدہوش ہوتی تھیں تو اس وقت میں نے تمھاری کیسی کیسی تصویریں اتاری ہیں، وہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ جب دیکھو گی اور دنیا والے دیکھیں گے تو یہ تسلیم کر لیں گے کہ تمھارے ہونے والے بچے کا باپ میں ہی ہوں۔ تم اچھی طرح غور کر لو۔ سوچ لو کہ میری دشمنی کتنی مہنگی پڑ سکتی ہے۔ میں پھر کبھی فون کروں گا۔"

یہ کہہ کر دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ میں خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ میرے حوصلے جواب دے رہے تھے۔ ایک نہیں، تین تین دشمن میرے ہونے والے بچے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے تھے۔ میرا سکون برباد ہو گیا تھا۔ مجھے کسی طرح کہیں بھی چین نہیں ملتا تھا۔ میں کہیں بیٹھتی تو بے قرار ہو کر اٹھ جاتی تھی۔ اٹھ کر ٹہلنے لگتی تھی۔ ٹہلتے ٹہلتے تھک جاتی تو بستر پر گر جاتی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں۔ کیسے یہ مصیبت کے دن گزاروں۔

ولادت میں ایک ماہ کا وقت رہ گیا۔ آٹھ ماہ گزر چکے تھے اور نویں مہینے کسی دن بھی ولادت ہو سکتی تھی۔ ایسے ہی وقت طاہرہ باجی کا خط پہنچا کہ وہ فلاں دن، فلاں تاریخ کو اور فلاں گاڑی سے دہلی اسٹیشن پہنچیں گی۔ میری بوڑھی خادمہ میرا بہت خیال رکھتی تھی اور میری پریشانیوں کو سمجھتی بھی تھی۔ اس نے مشورہ دیا کہ ولادت کے لیے چپ چاپ اس کے گاؤں چلی جاؤں۔ یہاں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور وہاں بچہ ہو تو میں وہ بچہ اپنی بہن کے حوالے کر دوں۔

میں نے اس سے پوچھا۔ "میری بہن دہلی اسٹیشن پہنچے گی۔ وہاں سے گاؤں کس طرح بہن کو بلایا جائے گا؟"

بوڑھی خادمہ نے کہا۔ "کرم دین نواب صاحب کا بہت ہی وفادار ملازم ہے۔ میں اسے ایک عرصے سے جانتی ہوں۔ میں اسے رازدار بنا لوں گی۔ وہ آپ کو پہلے میرے گاؤں چھوڑ آئے گا اس کے بعد واپس دہلی آ کر آپ کی بہن کو گاؤں تک پہنچا دے گا۔"

اس دوران تینوں دشمنوں کی طرف سے دھمکیاں برابر ملتی جا رہی تھیں۔ ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ میں کسی کو بچے کا باپ تسلیم کروں اور اس طرح میرے بچے کے ناتے سے وہ نواب صاحب کی دولت پر عیش کریں۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ تینوں اس بات سے واقف تھے کہ نواب صاحب کی حویلی کے تہہ خانے میں بے شمار دولت چھپا کر رکھی گئی ہے۔ جسے وہ دوسرے ممالک پہنچاتے رہے تھے۔ سونے کی اینٹوں کا بھی انہیں علم تھا۔

الگ الگ وہ سب ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ اور کسی طرح اس دولت تک پہنچنا چاہتے تھے۔

میری خواب گاہ میں رکھا ہوا ٹیلیفون میرے لیے مصیبت بن گیا تھا اسی ٹیلیفون کے ذریعے سجاد، کبیر بیدل اور سیٹھ حشمت بیگ رابطہ قائم کرتے رہتے تھے۔ اور مجھے پریشان کرتے رہتے تھے۔ میں نے سوچا کیوں نہ اس ٹیلی فون کو اٹھا کر پھینک دوں اور اس کا کنکشن کاٹ دوں تاکہ کوئی مجھے آواز نہ دے سکے۔ ان ہی سوچوں کے دوران ایک روز رگھو کا ٹیلی فون موصول ہوا۔

" ہیلو ! بیگم سائرہ بانو ! مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی اونچی ہستی ہو۔ بہرحال کار کے حادثے میں، میں تمہیں اپنے گھر علاج کے لیے لے آیا تھا۔ میں نے تم سے ہمدردی کی تھی لیکن تمہاری وجہ سے پولیس والوں نے میرے گھر پر چھاپہ مارا۔ تمہارے ساتھ چوری کا کتنا ہی سامان یہاں سے لے گئے۔ اور مجھے جیل بھیج دیا۔ میں چھ ماہ تک جیل میں رہ کر واپس آیا۔ اور اس وقت تمہیں بالکل ہی بھلا بیٹھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم میرے لیے اتنی اہم ہوسکتی ہو۔ اب پتہ چلا ہے کہ نواب صاحب مر چکے ہیں۔ اور تم ان کے بچے کی ماں بننے والی ہو۔ مجھے بچے سے کوئی دلچسپی تو نہیں ہے۔ لیکن جو نقصان تمہاری وجہ سے مجھے ہوا ہے۔ وہ پورا کر دو۔ ورنہ میں تمہارے بچے کو اٹھا کر لے جاؤں گا۔"

میں نے غصے سے کہا " آئندہ اگر تم نے ایسی دھمکی دی تو میں تمہیں پھر جیل بھجوا دوں گی۔"

" میں پھر جیل سے باہر آجاؤں گا جیل کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں مجھ کو تاحیات قید کر کے رکھا جائے میں کوئی اتنا بھاری جرم نہیں کرتا کہ عمر قید ہو جائے۔ تم مجھے جیل بھیجو گی میں واپس آجاؤں گا۔ کبھی نہ کبھی تمہارا بچہ میرے ہاتھ چڑھے گا یا تم میرے ہتھے چڑھو گی تو میں اپنا سارا نقصان پورا کرلوں گا۔"

میں نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔ کیونکہ اسی رات میں ایک بیل گاڑی میں کرم دین کے ساتھ بیٹھ کر راتوں رات اس شہر سے نکل گئی تھی۔ اور اپنی بوڑھی خادمہ کے گاؤں دوسری صبح پہنچ گئی تھی۔ وہاں میں محفوظ تھی۔ کرم دین وہاں سے پھر واپس دہلی گیا اور طاہرہ باجی کے دیئے ہوئے وقت کے مطابق دہلی اسٹیشن پہنچ گیا۔ وہاں سے باجی کو میرے پاس لے آیا۔ اپنی باجی سے مل کر اطمینان ہوا کہ اب میرے ہونے والے بچے کو بھرپور تحفظ حاصل ہو جائے گا۔ لیکن دل میں رہ رہ کر یہ درد بھی اٹھنے لگتا تھا۔ کہ جسے جنم دینے والی ہوں وہ بچہ پیدا ہوتے ہی مجھ سے بچھڑ جائے گا۔ اور پتہ نہیں میں کب اس بچے کا منہ دیکھ سکوں گی۔ دیکھ سکوں گی بھی یا نہیں۔ زندگی اور موت کا بھروسہ نہیں ہوتا اس زندگی میں مجھے کبھی اپنے بچے کی صورت دیکھنی نصیب ہو۔ اس کی میں دل ہی دل میں دعائیں مانگتی رہتی تھی۔"

مرجانہ ڈائری پڑھ رہی تھی اور میں اس کے دماغ میں بیٹھا اس کی سوچ کے ذریعے ڈائری کی پوری روداد سنتا جا رہا تھا یہاں تک پڑھ لینے کے بعد مرجانہ رک گئی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد والا صفحہ سادہ تھا۔ اس نے ڈائری کے اس ورق کو الٹ کر دیکھا تو دوسری طرف لکھا ہوا تھا۔

" آج میں نے ایک بہت ہی خوبصورت سی بیٹی کو جنم دیا ہے ماشاء اللہ بڑی صحت مند ہے۔ اور اس کی جسامت دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اچھی قد آور بھی نکلے گی۔ بالکل اپنے باپ پر جائے گی۔ اتنی حسین بیٹی جیسی بیٹی کو اپنے سے جدا کرتے ہوئے میرا دل کٹ رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ کہ میں کس دل سے اسے الگ کروں۔ ایسا لگتا ہے۔ جیسے میں اپنے جسم کا ایک حصہ کاٹ کر اپنی بہن کو دے رہی ہوں اور مجھے ایسا کرنا ہی ہوگا۔"

اس کے بعد ڈائری کا صفحہ پھر سادہ تھا۔ مرجانہ نے اس ورق کو الٹ کر دیکھا۔ تو پھر دوسری طرف لکھا ہوا تھا " آج بچی کو پیدا ہوئے تیسرا دن ہے۔ اب میں ڈائری بند کرنے والی ہوں کیونکہ آج میں اس ڈائری کو میں اپنی بیٹی کے ساتھ روانہ کر دوں گی۔ میری یہ داستان باجی کے پاس امانت کے طور پر رہے گی۔ تاکہ جب میری بچی جوان ہو باشعور ہو اور دنیا کو سمجھنے لگے تو یہ ڈائری پڑھ کر اپنی ماں کے دکھ بھی سمجھ سکے۔ اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو اور اس ڈائری کے ذریعے اپنی ماں کے دشمنوں کا چہرہ بھی دیکھ لے۔

میرے دل میں رہ رہ کر یہ خیال آتا ہے۔ کاش کہ میں ایک بیٹے کو جنم دیتی اور میری باجی اس بیٹے کو اتنا شہ زور بناتی کہ وہ بڑا ہو کر دشمنوں سے گن گن کر بدلے لیتا۔ اپنی ماں کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئی ہیں۔ اور جو جانوروں جیسا سلوک کیا گیا ہے وہی سلوک میرا بیٹا ان سے کرتا۔ مگر اللہ کی مرضی کے آگے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ خدا کو یہی منظور تھا کہ میں ایک بیٹی کو جنم دوں اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہوگی۔ ایسی بات نہیں ہے کہ میں بیٹی کو جنم دے کر مایوس ہوں یہ تو کفر ہے۔ پھر یہ کہ میری بچی اتنی اچھی، اتنی خوبصورت ہے کہ میں اسے دیکھ کر مایوس ہو ہی نہیں سکتی۔ مجھے اس پر اتنا پیار آرہا ہے کہ اسے اپنی سگی بہن کے حوالے کرتے ہوئے بھی اندر سے ماتم کر رہی ہوں اور اس ماتم کو میں ہی سمجھ سکتی ہوں۔ کوئی دوسرا دیکھ نہیں سکتا۔ آج میں دل پر پتھر رکھ کر باجی کو اس کے حوالے کر دوں گی۔ اور باجی اسے لے کر سے پاکستان چلی جائیں گی۔"

ڈائری کے باقی اوراق سادہ تھے۔ مرجانہ نے اسے بند کیا وہ اندر ہی اندر غصے، جوش اور جذبے سے ابل رہی تھی۔ اور اپنی مٹھیاں بھینچ کر سوچ رہی تھی " میں بیٹی نہیں ہوں۔ امی نے مجھے بیٹی بنا دیا۔ لیکن میں بیٹا ہوں اور امی کی یہ حسرت ضرور پوری ہوگی کہ ان کے دشمنوں سے گن گن کر بدلے لیے جائیں۔ میں ان کے ساتھ ایسا جانوروں جیسا سلوک کروں گی کہ ان کی آئندہ نسلیں مجھے یاد کرتی رہیں گی۔"

اچانک وہ اپنی خالہ کی آواز سن کر چونک گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کی طاہرہ خالہ دروازے پر کھڑی ہوئی تھیں اور اب اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں " کیا ڈائری پڑھنے کے بعد میری بیٹی کو غصہ آرہا ہے۔"

" ہاں میں بیان نہیں کر سکتی کہ اس وقت میری کیا حالت ہے۔ میں ان دشمنوں کو کچا چبا جاؤں گی مجھے ان کا پتہ معلوم ہونا چاہیے اور میں جتنی جلدی ہو سکے اپنی امی سے جا کر ملنا چاہتی ہوں۔ آپ اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتی ہیں؟"

" تم جو چاہو گی وہ ہو جائے گا۔ فی الحال دوسرے کمرے میں چلو اور تھانے کے انچارج کے سامنے اپنا بیان دے دو۔ وہ تمام دشمن جو تمھیں گھیرنے آئے تھے انھیں حوالات بھیج دیا گیا ہے۔"

مرجانہ نے بیزاری سے کہا " خالہ جان میرا دل نہیں چاہتا کہ ابھی میں کسی سے جا کر ملوں اور خواہ مخواہ کے بیانات دوں۔ آپ ان لوگوں سے کہیں کہ ان مجرموں کے خلاف جو چاہیں وہ کارروائی کریں۔"

اس کی خالہ نے سمجھایا " بیٹی یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ قانونی کارروائی تو پوری کرنی ہی پڑتی ہے تم تھوڑی دیر کے لیے چلو اور مختصر سا بیان دے کر ان سے نجات پالو۔ پھر ہم اطمینان سے بیٹھ کر تمھاری امی کے متعلق گفتگو کریں گے اور میں تمھیں بتاؤں گی کہ وہاں تک پہنچانے کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ تمھارے خالو اس سلسلے میں پوری تفصیل سے تمھیں کچھ بتا سکیں گے۔"

اچانک میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں جس کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اس کے دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ پھر مجھے دروازے کے اس پار سے شہناز کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی " تم اتنی دیر سے کمرے کے اندر بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ تمھاری آواز بھی سنائی نہیں دے رہی ہے اور یہ کوئی سونے کا وقت نہیں ہے۔ بھوک سے میری حالت خراب ہے۔ تمھارا وہ غلام ہوٹل سے کھانا لے آیا ہے۔ باہر آجاؤ۔"

میں نے کمرے کے اندر سے کہا " تم میز پر کھانا لگاؤ۔ میں ابھی آرہا ہوں۔"

وہ میری آواز سننے کے بعد مطمئن ہو کر میز پر کھانا لگانے کے لیے چلی گئی۔ میں تھوڑی دیر تک چپ چاپ بیٹھا رہا۔ جب میں خیال خوانی کے ذریعے ایک جگہ بیٹھے ہی بیٹھے ہزاروں میل دور چلا جاتا ہوں تو ماحول یکسر بدل جاتا ہے۔ پلک جھپکتے ہی کچھ ہوتا ہے اور پلک جھپکتے ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔ اتنی دیر میں مرجانہ کے ماحول میں موجود تھا۔ وہاں سے آتے ہی مجھے شہناز کا ماحول مل گیا۔ اس کے لیے ذرا سا ذہنی طور پر اپنے آپ کو آمادہ کرنا پڑتا ہے ورنہ پہلے والے ماحول کا تاثر دماغ پر قائم رہے تو موجودہ ماحول میں آدمی کچھ کر نہیں پاتا۔

جب میں چند لمحوں تک خاموش بیٹھا رہا تو مجھے شہناز کے ماحول کی ایک ایک بات یاد آئی۔ یہ بھی یاد آیا کہ ہم دن کے وقت غلام کے پاس ہوٹل میں اس سے ملنے گئے تھے اور وہاں میں نے غلام سے کہا تھا کہ میرے ساتھ شہناز کوٹھی میں آکر رہے اور رات کا کھانا بھی ہمارے لیے لے آئے۔ ادھر میں نے شہناز کی سوچ پڑھی تھی تو وہ اس بات پر پریشان تھی کہ میں خوشبو کا طلسم سیکھ لینے کے بعد اب اسے زیر کر رہا ہوں اور وہ کترانا چاہتی تھی اور مجھ سے دور رہنا چاہتی تھی لیکن جب میں خوشبو میں نہایا ہوا اس کے پاس جاتا تھا تو وہ مسحور ہو جاتی تھی۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ ابٹن کا وہ ڈبہ جو میرے ہاتھ لگ گیا تھا کسی طرح حاصل کر لے گی اور یوں مجھے اس سحر سے محروم کر دے گی اور اس طرح مجھ سے نجات پالے گی۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر کمرے سے باہر جاتے وقت میں نے مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ تھانے کے انچارج کے سامنے بیٹھی ہوئی بیان دے رہی تھی اور اس کے آس پاس اس کی خالہ اور خالو بیٹھے ہوئے تھے۔ میں پھر وہاں سے واپس آگیا۔ ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگایا جا رہا تھا۔ شہناز ایک طرف کھڑی ہوئی ہلکے آسمانی رنگ کی ساڑھی میں غضب ڈھا رہی تھی۔ جوڑے پر پھولوں کی وینی سجا رکھی تھی۔ گورے گورے گلابی رنگ پر ہلکا میک اپ بھلا لگ رہا تھا۔ آنکھوں میں کاجل کی دھار تھی۔ وہ مجھ سے کترانا چاہتی تھی لیکن بناؤ سنگھار سے باز نہیں آئی تھی۔ یہ عورتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ مردوں سے دور بھاگنا چاہتی ہیں اور انھیں لبھانے کے لیے بناؤ سنگھار بھی کرتی ہیں۔ اگر وہ بناؤ سنگھار کسی مرد کے لیے نہیں تھا۔ کسی کو دکھانے کے لیے نہیں تھا تو پھر کس لیے تھا۔ وہ سادگی سے بھی تو گھر کی چار دیواری کے اندر رہ سکتی تھی مگر عورت کی کمزوری یہی ہے کہ وہ نمائش کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔

میں نے اُس کے قریب پہنچ کر کہا "تمھیں پاکر بھی یقین نہیں آتا کہ اس حسن کے ذرّے ذرّے کو میں نے پالیا ہے۔ تم سچ مچ قیامت ڈھا رہی ہو۔"

وہ کترانا چاہتی تھی۔ مجھ سے دُور دُور رہنا چاہتی تھی مگر خوشبو سحر زدہ کر رہی تھی۔ اِس لیے وہ کسمسا کر رہ گئی۔ میں نے مسکرا کر کہا "تمھاری بے بسی پر ہنسی آتی ہے کیونکہ اب سے کچھ عرصہ پہلے تمھیں میری بے بسی پر ہنسی آیا کرتی تھی اور تم دُوسرے لوگوں کو بھی اپنا عاشق بنا کر اپنے پیچھے لگا کر بہت خوش ہوا کرتی تھیں جو تم نے کیا وہی تمھارے ساتھ ہو رہا ہے۔ چلو، اب بیٹھ جاؤ مجھے بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

وہ میرے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ہم نے کھانا شروع کیا۔ سامی میز پر بیٹھی ایک پیالے میں دودھ پی رہی تھی۔ غلام نے میری طرف ایک ڈش بڑھائی۔ میں نے وہ ڈش شہناز کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اطمینان سے کھاؤ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ مجھ سے جلد ہی نجات مل جائے گی۔"

اُس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ ایسی چیز ہے جسے کوئی آسانی سے چھوڑنا پسند نہیں کرے گا۔ میں نے کہا "یقین کرو میں کل یا پرسوں تک یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

پھر میں نے غلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم کل ہی میرا پاسپورٹ بھی لے جانا اور ویزا لگوا لینا۔ میں تمھیں شاید تھوڑی دیر کے بعد بتا سکوں کہ ہم کب روانہ ہونے والے ہیں۔ ویسے اُمید تو یہی ہے کہ کل یہاں سے پیرس کے لیے چل پڑیں گے۔"

شہناز کھانا کھاتی رہی اور کچھ سوچتی رہی۔ پھر اُس نے کہا "طارق، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم پہلے کیا تھے، اَب کیا ہو گئے ہو۔ پل بھر میں فیصلے بدلتے ہو اور اتنے بڑے بڑے فیصلے کرتے ہو اور چشم زدن میں اتنی دولت حاصل کر لیتے ہو کہ میں حیران رہ جاتی ہوں۔ کل کے اور آج کے طارق میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں تمھارے بارے میں اکثر سوچتی ہوں تو گھنٹوں سوچتی رہ جاتی ہوں۔ تمھارے اندر یہ انقلاب کیسا آگیا ہے؟ تم تو وہی تھے نا جو میری خوشامدیں کرتے تھے اور میرے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے میرے سامنے کبھی کوئی ضد نہیں کرتے تھے۔ اگر اُس جاپانی ڈاکٹر نے تمھاری جان بچالی تھی تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ اس نے تمھیں ایک نیا دماغ، ایک نئی [illegible] اور ایک نیا حوصلہ دیا ہے جو تمھیں کچھ سے کچھ بنا [illegible] میرا دل کہتا ہے کہ تم وہ طارق نہیں ہو جو کبھی میرا شوہر [illegible]"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میں تمھیں یقین [illegible] سکتا بس چپ چاپ کھاؤ اور جیسے گزر رہی ہے [illegible] گزارتی جاؤ۔ میں کل تک کا مہمان ہوں۔ اس کے بعد [illegible] متعلق سوچنا بھی چھوڑ دو گی۔"

ہم کھانا ختم کرنے کے بعد باہر آئے۔ باہر [illegible] ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ میں نے شہناز سے کہا "کیا خیال ہے تھوڑی سی آؤٹنگ ہو جائے؟"

"ہاں میرا دل چاہ رہا ہے کہ کہیں گھوم پھر [illegible]"

میں نے گیراج سے کار نکالی۔ سامی کو غلام کے [illegible] چھوڑا۔ پھر ہم دونوں کار میں بیٹھ کر تفریح کے لیے نکل [illegible] راستے میں شہناز نے مجھ سے پوچھا "کیا واقعی تم کل [illegible] جاؤ گے؟"

"ہاں ارادہ تو کچھ ایسا ہی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھارے پاس اتنی [illegible] سے آگئی ہے۔ آخر یہ یک بیک تمھیں پیرس جانے کی [illegible] سوجھ رہی ہے؟"

"سُنا ہے کہ پیرس بہت ہی حسین جگہ ہے [illegible] کی عورتیں بھی بے حد حسین ہوتی ہیں۔"

اُس نے مجھے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا "[illegible] سے دل بھر گیا ہے کیا؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ لیکن تم کبھی کسی کے ساتھ وفا [illegible] سکتیں تم مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہو۔ اس بات کو [illegible] اچھی طرح سمجھ رہا ہوں جب تک میرے پاس آمیش کا [illegible] ذبہ ہے میں تمھیں تسخیر کرتا رہوں گا۔ جب وہ ختم ہو جا[illegible] تو پھر میرا جادو تم پر نہیں چل سکے گا۔ یعنی میں تمھیں اپنی شخصیت سے اپنی باتوں سے، اپنی صلاحیتوں سے، اپنی مردانگی سے نہیں جیت رہا ہوں بلکہ ایک خوشبو کا سہارا لیے ہوئے ہوں اور یہ مجھے بھی پسند نہیں ہے۔ مرد اور عورت اگر ہم مزاج ہو جائیں۔ آپس میں سمجھوتہ ہو۔ ایک دوسرے کو پسند کریں تو اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ یہ زبردستی کا سودا ٹھیک نہیں ہے۔ اِس لیے آج کی رات ہماری آخری رات ہوگی۔"

وہ چپ رہی کچھ سوچتی رہی۔ میں خاموشی سے [illegible] کی سوچ کو پڑھنے لگا۔ مجھے یہ جان کر حیرانی ہوئی کہ وہ [illegible]

متعلق تذبذب میں گرفتار تھی۔ اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ مجھے جانے سے روک دے پھر دوسری بار وہ سوچ رہی تھی "نہیں میں اس شخص کے سامنے نہیں جھکوں گی۔ یہ بہت زیادہ پُراسرار ہوگیا ہے میرے حواس پر چھا رہا ہے۔ اگر یہ دُور ہو رہا ہے تو اچھی بات ہے۔ جب یہ نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔ مجھ سے بہت دُور چلا جائے گا تو اس کی شخصیت کا جو تاثر مجھ پر ہے وہ رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا۔ تب میں نارمل ہو کر اپنے مزاج کے مطابق اپنے انداز میں زندگی گزاروں گی۔"

اس کے اندر میرے متعلق ایک جنگ جاری تھی۔ میں اُس کے دماغ سے نکل کر سیٹی بجانے لگا۔ ایک انگریزی دھن سیٹی پر گنگنانے لگا۔ ہماری کار اس وقت تک کلفٹن پہنچ گئی تھی۔ میں ڈرائیو کرتا ہوا کار کو ویران ساحل کی طرف لے گیا۔ دَور بہت دُور ایک دوسری کار بھی کھڑی ہوئی نظر آئی۔ میں نے اس کار کے قریب لے جا کر اپنی گاڑی روک دی۔ اُس کار میں کوئی نہیں تھا۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی رومانی جوڑا ادھر آیا ہے اور ویران ساحل پر چاندنی رات سے لطف اندوز ہو رہا ہوگا۔

"کیا خیال ہے؟" میں نے شہناز سے پوچھا "آؤ ہم بھی ٹھنڈی ریت پر ذرا چہل قدمی کریں۔"

وہ کار کا دوسرا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ میں بھی کار سے باہر نکل آیا۔ پھر ہم دونوں سمندر کے ساحل پر آ گئے اور ٹھنڈی ریت پر آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ میں نے شہناز کو اپنے سے قریب کر لیا۔ پھر ہم دونوں شرابیوں کے سے انداز میں ڈگمگاتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ چاند اپنا نور برسا رہا تھا۔ سمندر کی لہریں یوں تو شور مچاتی ہوئی لگتی ہیں لیکن اس وقت ہماری قربت سے گنگنا رہی تھیں۔ بڑا ہی خوب صورت رُومانی ماحول تھا۔ وہ رُک گئی۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ میرے رُو بہ رُو ہوگئی۔ سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا تو اُس کی آنکھیں جیسے نشے میں ڈوب رہی تھیں۔ اُس نے بڑے ہی جذباتی انداز...... میں لرزتی ہوئی آواز میں کہا "نہ جاؤ۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "کہاں نہ جاؤں؟"

"پیرس، اتنی دُور کیوں جا رہے ہو۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ تم جاؤ گے تو میں بالکل ویران ہو کر رہ جاؤں گی۔"

میں نے مسکرا کر کہا "یہ تم نہیں بول رہی ہو میرے بدن سے اٹھنے والی خوشبو تمھیں بولنے پر مجبور کر رہی ہے۔"

وہ ہولے سے انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں شاید تم محسوس نہیں کر رہے ہو۔ اس کھلی فضا میں سمندر کے کنارے جبکہ اتنی تیز ہوا چل رہی ہے۔ خوشبو کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ جب تم کار میں بیٹھو گے یا گھر کی چار دیواری میں رہو گے تو پھر یہی خوشبو متاثر کرنے لگے گی۔ ابھی تو تم خوشبو سے خالی ہو۔ یقین نہ ہو تو ذرا چپ ہو کر اپنے بدن کی خوشبو کو خود ہی محسوس کرنے کی کوشش کرو۔"

میں نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔ گہری گہری سانسیں لے کر خوشبو کو سُونگھنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ واقعی بہت معمولی سی مہک میرے بدن میں رہ گئی ہے۔ گویا اِس وقت شہناز میری خوشبو سے متاثر نہیں ہے۔ میں نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ ہولے سے مسکرائی شرما کر نظریں جھکائیں۔ پھر بولی "تم نے ابھی کہا تھا کہ میں خوشبو سے متاثر ہوں۔ نہیں میں تمھاری شخصیت سے تمھاری مردانگی سے اور تمھاری صلاحیتوں سے متاثر ہوں اور آج زندگی میں پہلی بار یہ تسلیم کرتی ہوں کہ میں تم سے ہار گئی۔"

میں اُسے کھینچ کر سانسوں کی دہلیز پر لے آیا۔ تھوڑی دیر کے لیے ہمارے درمیان گزرنے والا وقت ٹھٹک کر رہ گیا۔ سمندر کی لہریں ہمارے پیار کے انداز پر شور مچاتے ہوئے آنے لگیں اور ہمارے قدموں سے لپٹ لپٹ کر واپس جانے لگیں۔ چاند ہمارے سر پر تاج بنا ہوا تھا اور اپنی چاندنی ہم پر لٹا رہا تھا۔

پھر شہناز کے قدم ریت پر سے اکھڑ گئے۔ جہاں ہم کھڑے ہوئے تھے وہاں سمندر کی لہریں پہنچتی تھیں اور ہمیں بھگو دیتی تھیں۔ اِس لیے میں خشک ساحل کی طرف ایک خوبصورت بوجھ سنبھالے جانے لگا۔ ارادہ تھا کہ ٹھنڈی ٹھنڈی ریت کے بستر پر ہم تھوڑی دیر چاندنی رات کا لطف اٹھائیں گے۔

چلتے چلتے اچانک ہی میں ٹھٹک گیا۔ کہیں سے دھیمی دھیمی سی آواز آ رہی تھی "مجھے بچاؤ۔ مجھے آزاد کرو۔ میں تمھیں منہ مانگی قیمت ادا کروں گا۔ تمھاری تین خواہشیں پوری کروں گا۔ میں جن ہوں۔ مجھے آزاد کر دو۔"

میں نے آواز سن کر حیرانی کے ساتھ شہناز کی طرف دیکھا۔ وہ بھی حیران حیران سی اس آواز کو سُن رہی تھی۔ پھر ہماری نگاہیں سامنے ریت کے ایک چھوٹے سے ٹیلے پر گئیں۔ وہاں ٹیلے کے ساتھ ایک چھوٹی سی بوتل رکھی ہوئی تھی۔ وہ بوتل چمڑے کے خول میں چھپی ہوئی تھی۔ وہیں سے آواز آ رہی تھی "مجھے بچاؤ"

مجھے آزاد کردو۔ میں تمھاری تین خواہشیں پوری کروں گا۔"
یا حیرت! اس لمحے الف لیلہ کی کہانیاں یاد آگئیں۔ ایک بہت ہی پرانی فلم بغداد کے چور میں بھی میں نے یہ منظر دیکھا تھا کہ سمندر کے کنارے سابو نامی ایک چور کو ایسی ہی ایک بوتل نظر آتی ہے اور اس میں ایک جن قید ہوتا ہے جو گڑگڑا کر کہتا ہے کہ مجھے بوتل سے آزاد کردو۔ پھر میں تمھاری تین خواہشیں پوری کروں گا۔"

اس وقت بھی بالکل یہی منظر تھا۔ ہمارے سامنے ذرا فاصلے پر وہ بوتل پڑی ہوئی تھی اور اس میں سے آواز آرہی تھی "مجھے آزاد کردو۔ خدا کے لیے مجھے آزاد کردو میں تمھارا احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

اس وقت شہناز کی عجیب حالت تھی۔ وہ خوفزدہ بھی تھی اور خوشی سے مجھ سے لپٹ کر کہہ رہی تھی "اس جن کو آزاد کردو۔ میں نے الف لیلہ کی کہانیوں میں کہیں پڑھا ہے کہ ایک جن کو بوتل میں قید کردیا گیا تھا۔ اگر ہم اسے آزاد کردیں گے تو یہ ہماری تین بڑی بڑی خواہشیں پوری کرے گا تم میرے پاس ہو تو مجھے کسی جن کا خوف نہیں ہے میں تمھارے پیچھے کھڑی رہوں گی۔"

میں نے کہا "شہناز مجھے ذرا سوچنے دو۔ الف لیلوی دور گزر چکا ہے۔ یہ بیسویں صدی ہے۔ اس زمانے میں جبکہ انسان چاند پر پہنچ رہا ہے، تو ہم یہ کیسے تسلیم کرلیں کہ ایک جن بوتل میں بند ہو کر ہمارے پاس آگیا ہے۔"

میں آگے بڑھ کر بوتل کے قریب پہنچ کر ریت پر دوزانو ہوگیا۔ شہناز بھی میرے پیچھے پیچھے آکر بیٹھ گئی تھی۔ میں نے بوتل کو اٹھا کر دیکھا تو واقعی اسی میں سے آواز آرہی تھی۔ میں نے کان لگا کر سنا تو آواز بہت ہی صاف اور واضح تھی۔ اندر سے جیسے کوئی جن بول رہا تھا "مجھے آزاد کردو۔ مجھے ایک بار آزاد کردو۔ میں تمھاری تقدیر بدل دوں گا۔ تمھیں اس دنیا کا سب سے امیر کبیر انسان بنادوں گا۔ مجھے آزاد کردو۔"

میں نے بوتل کو اِدھر اُدھر سے اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس کے منہ پر ایک بہت ہی موٹا سا کارک لگا ہوا تھا۔ بوتل کے اندر کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ کیونکہ اس کے اوپر چمڑے کا ایک غلاف منڈھا ہوا تھا۔ میں نے اس غلاف کو ہٹانے کی پوری کوشش کی لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اس چمڑے کے غلاف کو بوتل سے چپکا دیا گیا ہے۔ اندر کچھ نظر نہیں آتا تھا لیکن یہ حیرانی کی بات تھی کہ بوتل میں سے آواز کیسے آرہی ہے اور کوئی جن کیسے بول رہا ہے۔ صرف ایک کارک کے ذریعے اس کے منہ کو بند کیا گیا تھا اسے ایک جھٹکے سے کھولتے ہی سارا راز فاش ہوسکتا تھا۔

شہناز نے میرے بازو کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا "کیا دیکھ رہے ہو۔ کیا سوچ رہے ہو۔ دیر نہ کرو۔ اس بوتل کو کھول دو۔ یقیناً ہماری تقدیر بدلنے والی ہے۔ میں تصور میں دیکھ رہی ہوں کہ میں دنیا کی سب سے امیر کبیر عورت بن گئی ہوں۔ طارق خدا کے لیے دیر نہ کرو۔ اس بوتل کا ڈھکنا کھول دو۔"

میں نے ایک نظر شہناز پر ڈالی۔ اس کی بیقراری کو محسوس کیا۔ کچھ تجسس میرے اندر بھی موجود تھا میں دیکھنا چاہتا تھا کہ بوتل میں جن کیسے بند ہوجاتا ہے۔ پھر میں نے اس بوتل کو ایک ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑا۔ پھر اس کے کارک کو کھینچنا چاہا لیکن وہ بڑی سختی سے بند کیا گیا تھا۔ اگر وہ ڈھیلا ڈھالا ہوتا تو میرا خیال ہے کہ جن کب کا نکل کر وہاں سے آزاد ہوچکا ہوتا۔

بہرحال ایک بار میں نے پوری قوت سے زور لگا کر اس کارک کو کھینچا تو بوتل یکبارگی کھل گئی۔ کھلتے ہی ڈھیر سارا دھواں تیزی سے نکلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی جیسے بادل گرجتا ہو، بہت زور کے قہقہے لگانے کی آواز آئی جیسے جن قہقہے لگا رہا تھا "ہو ہو ہو ہو ہا ہا ہا ہا میں آزاد ہوگیا۔ اب میں آزاد ہوگیا ہوں۔"

یک بیک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے اندر سے جان نکل گئی ہے۔ میں وہاں سے ہٹنا چاہتا تھا لیکن جہاں تھا وہیں رہ گیا تھا جس پوزیشن میں میں دوزانو بیٹھا ہوا تھا اور بوتل کو پکڑے ہوئے تھا۔ اسی پوزیشن میں میں بوتل کو پکڑے دوزانو بیٹھا رہ گیا تھا۔ اپنی مرضی سے حرکت نہیں کرسکتا تھا۔ بوتل سے نکلنے والے دھوئیں کی بو میرے نتھنوں میں رینگ رہی تھی۔ اس بو کا ہی یہ اثر تھا کہ میں حرکت کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ بالکل ایک پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت ہوگیا تھا۔ اتنا احساس رہا کہ میری آنکھیں اپنے سامنے کا نظارہ دیکھ سکتی ہیں اور میری آنکھوں کی پتلیاں دائیں بائیں حرکت کرسکتی ہیں لیکن میری گردن نہیں ہل رہی تھی اور میرے کان سمندر کی لہروں کا شور بھی سن رہے تھے۔ میں ہونٹوں کو حرکت دے کر اپنی زبان کو ہلا کر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن جسم کے یہ سارے اعضاء بے حس و حرکت ہوگئے تھے۔

جسمانی حرکات و سکنات کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے۔ دماغ جیسا کہتا ہے ویسے ہی جسم حرکت کرتا ہے۔ اب دماغ اس قابل تو نہیں رہا تھا کہ میرے جسم کو حرکت دے سکتا لیکن میں محسوس کررہا تھا کہ میرا دماغ بالکل کند ہونے کے باوجود سوچنے کے قابل ہے اور اپنے سامنے کے نظاروں کو محسوس کرسکتا ہے۔ آنکھوں کے ذریعے دیکھ سکتا ہے اور کانوں کے ذریعے لہروں کا شور سن سکتا ہے اور سوچ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ میرے ساتھ کیا ہورہا ہے اور میں حرکت کیوں نہیں کرسکتا ہوں۔ یہ بھی سمجھ میں آرہا تھا کہ یقیناً یہ اس بوتل سے نکلنے والے دھوئیں کی وجہ سے ہی ہورہا ہے۔

پتہ نہیں اب آگے کیا ہونے والا تھا اور میرے پیچھے جو شہناز بیٹھی ہوئی تھی وہ کہاں تھی۔ کیا ہوگئی تھی اس کی بھی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اگر میں اس قدر بے حس و حرکت ہوگیا تھا تو اُسے میرے سامنے آکر مجھے جھنجھوڑنا چاہیے تھا۔ مجھ سے میری حالت پوچھنی چاہیے تھی لیکن وہ بھی پتہ نہیں کہاں گم ہوگئی تھی یا ہوسکتا ہے کہ میری طرح میرے پیچھے گم صم بیٹھی رہ گئی ہو۔

میں بہت دیر تک یونہی بیٹھا رہا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ کچھ ہو بھی نہیں رہا تھا۔ چاروں طرف گہری خاموشی اور ویرانی تھی۔ کوئی آدم زاد ادھر سے گزرتا ہوا نظر نہیں آتا تھا۔ اگر کوئی آواز تھی تو وہ سمندر کی تھی جو ہمارے کانوں میں بج رہی تھی اور نشتر کی طرح چبھ رہی تھی۔

بوتل سے تمام دھوئیں کے خارج ہوجانے کے بعد اب وہاں سے جن کو نکلنا چاہیے تھا لیکن نہ تو جن نظر آیا اور نہ ہی اس کی آواز اب سنائی دے رہی تھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ دھوئیں کے ساتھ فضا میں تحلیل ہوگیا ہے۔ بڑی دیر ہوگئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ جہاں سے میں نے بوتل اٹھائی تھی وہاں ریت کا ایک ٹیلہ تھا۔ وہ ریت کا ٹیلہ اِدھر اُدھر سے پھٹنے لگا جیسے قبر پھٹ رہی ہو۔ پھر اس میں سے ایک انسانی چہرہ نمودار ہوا۔ وہ ناک پر رومال رکھے ہوئے تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے دائیں طرف آنکھوں کی پتلیاں گھما کر دیکھیں تو اُدھر سے بھی ایک ٹیلہ پھٹ گیا تھا اور اس میں سے بھی ایک آدمی باہر نکل رہا تھا۔ میں نے بائیں طرف آنکھوں کی پتلیاں گھمائیں تو وہاں بھی یہی منظر نظر آیا۔ وہاں سے تیسرا آدمی نمودار ہورہا تھا۔ اب میری سمجھ میں آگیا کہ یہ لوگ ریتیلی زمین پر گڑھا کھودنے کے بعد وہاں چھپے ہوئے تھے اور اس وقت کا انتظار کررہے تھے کہ جب جن کی آواز ختم ہوجائے اور بوتل سے نکلنے والا دھواں پوری طرح فضا میں تحلیل ہوکر نابود ہوجائے تو وہ لوگ نکل سکیں اور اب وہ لوگ ناک پر رومال رکھے نکل رہے تھے۔

پھر ایک رومال والے نے دوسرے کو کچھ اشارہ کیا۔ دوسرے آدمی نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ سے وہ بوتل لے لی پھر ناک سے رومال ہٹا کر سونگھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے اثبات میں سر ہلا کر دوسرے آدمیوں کو یہ اشارہ دیا کہ اس بوتل کی بو بالکل خارج ہوچکی ہے اور خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے اشارے کو پاکر باقی دو آدمیوں نے بھی اپنی ناک پر سے رومالوں کو ہٹا لیا۔ اس کے بعد ایک شخص نے جیب سے چاقو نکال کر بوتل پر چڑھتے ہوئے چمڑے کے غلاف کو کاٹنا شروع کیا۔ وہ غلاف کٹ گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں بوتل نہیں تھی بلکہ بوتل کا خول تھا۔ بوتل کے نچلے حصے میں ایک چھوٹا سا کیسٹ ریکارڈر رکھا ہوا تھا۔ جہاں سے اس جن کی آواز سنائی دے رہی تھی بوتل کے درمیانی حصے کے اوپر ایک چھوٹی سی ٹنکی بنی ہوئی تھی۔ جس میں سے دھواں خارج ہوا تھا۔ اب وہ بوتل بیکار ہوگئی تھی۔ ان لوگوں نے کیسٹ ریکارڈر کو اپنے قبضے میں رکھ کر بوتل کو ایک طرف پھینک دیا۔ پھر ان میں سے ایک آدمی نے میرے قریب میرے روبرو دوزانو بیٹھ کر مسکراتے ہوئے کہا "ہیلو مسٹر فرہاد، ہم جانتے ہیں کہ تم فرہاد علی تیمور ہو مگر افسوس کہ جس انداز میں ہم نے تمھیں پھانسا ہے اس کے بعد تم کچھ دیر تک خیال خوانی کے قابل نہیں رہوگے اور جب خیال خوانی کے قابل ہوجاؤگے تو سوائے میرے اور کسی کو ٹریپ نہیں کرسکوگے۔ میں تمھارے سامنے قربانی کا بکرا بن کر آیا ہوں۔ تم چاہو مجھے کتنی بھی اذیتیں دے لینا۔ فی الحال میں تمھیں یہاں سے لے جاؤں گا۔"

پھر اس نے اپنے دو ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا وہ دونوں میرے دائیں بائیں آکر کھڑے ہوگئے پھر انھوں نے میری بغل میں ہاتھ ڈال کر مجھے اٹھا کر کھڑا کردیا۔ میں اس قابل نہیں رہا تھا کہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوسکتا۔ وہ دونوں بیساکھیوں کی طرح میرے ساتھ تھے۔ پھر انھوں نے مجھے دوسری طرف گھما دیا۔ تب میں نے شہناز کی طرف دیکھا۔ وہ بھی میری طرح دوزانو بیٹھی ہوئی تھی۔ بالکل پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت تھی اور میری طرح اپنی مرضی سے حرکت

نہیں کر سکتی تھی۔ ان تینوں میں سے وہی ایک آدمی بول رہا تھا اور وہی اُن کا لیڈر بھی تھا۔ اُس نے شہناز کو بڑی حیرانی اور بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "کمال ہے فرہاد صاحب دنیا کا سارا حسن سمٹ کر آپ کے پاس چلا آتا ہے واقعی اتنی حسین دوشیزہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ دیکھتے ہی چلے جاؤ۔"

اُس نے آگے بڑھ کر شہناز کو دونوں ہاتھوں سے اُٹھا کر کھڑا کر دیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "فرہاد صاحب آپ اطمینان رکھیں۔ یہ آپ کی امانت ہے اور ہم آپ کی امانت میں خیانت نہیں کریں گے۔ یہ چاہے کتنی ہی حسین اور پُرشباب ہو۔ ہمیں تو صرف آپ سے واسطہ ہے۔"

یہ کہتے ہی اُس نے شہناز کو ایک جھٹکے سے اُٹھا کر اپنے شانے پر ڈال لیا اور آگے بڑھنے لگا۔ اُس کے دونوں ساتھی مجھے دو طرف سے گھسیٹ کر وہاں سے لے جانے لگے۔ میں اور شہناز اس قابل نہیں تھے کہ اپنے قدموں سے چل سکتے۔ اِسی لیے ہمارے ساتھ یہ سلوک ہو رہا تھا۔

وہ ہمیں اس کار کے پاس لے آئے جو ہماری کار کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ اَب پتہ چلا کہ وہ خالی گاڑی انھی لوگوں کی تھی اور انھوں نے ہم سے پہلے یہاں پہنچ کر ہمارے لیے جال بچھایا تھا۔ انھوں نے ہماری کار کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اس سیٹ پر مجھے اور شہناز کو زبردستی اندر ٹھونس دیا۔ پھر وہی لیڈر شہناز کے دوسری طرف جا کر بیٹھ گیا۔ یعنی شہناز میرے اور اُس کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک دوسرا آدمی بیٹھ گیا۔ تیسرا آدمی اپنی گاڑی میں چلا گیا۔ اس کے بعد وہاں سے دونوں گاڑیاں اسٹارٹ ہو کر واپس مڑ گئیں اور شہر کی طرف جانے لگیں۔

راستے میں مَیں نے اپنی دماغی صلاحیتوں کو آزمانے کی کوشش کی جو شخص ہمارے ساتھ بیٹھ کر مسلسل بولتا جا رہا تھا میں اُس کے لب و لہجے کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر میرا دماغ کچھ ایسا کمزور ہو گیا تھا کہ میری یادداشت میں اُس کا لب و لہجہ نقش نہیں ہو رہا تھا اور میں بجاً یا خیال خوانی کے ذریعے کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ میں اپنی خیال خوانی کی صلاحیتوں کو تھوڑی دیر تک استعمال نہیں کر سکوں گا۔

آدھ گھنٹے بعد وہ گاڑیاں ایک کوٹھی کے سامنے پہنچیں، اس کوٹھی کا بڑا گیٹ ہمارے لیے کھول دیا گیا۔ گاڑی گیٹ سے گزرنے لگی۔ گیٹ کے ایک طرف اس کوٹھی کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں کی پتلیوں کو اُس طرف گھما کر اس نمبر کو پڑھنے کی کوشش کی اور گاڑی وہاں سے گزرتے گزرتے میں نے اس نمبر کو پڑھ لیا۔ اس کو یاد رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

دونوں گاڑیاں کوٹھی کے پورچ میں پہنچ کر رُک گئیں پھر اسی طرح ہماری کار کا پچھلا دروازہ کھول کر اُن لوگوں نے ہمیں سہارا دیا اور وہاں سے اُٹھا کر اس کوٹھی کے اندر لے گئے میں دو آدمیوں کے کاندھے پر تھا۔ ایک میرا اوپری حصہ اپنے کاندھے پر رکھا ہوا تھا۔ دوسرے نے میری ٹانگوں کو اپنے اُوپر رکھ لیا تھا۔ اس طرح وہ مجھے اُٹھائے ہوئے ایک بڑے سے بیڈ روم میں لے کر آئے۔ وہ کمرہ بڑی خوب صورتی سے سجا ہوا تھا اور وہاں آرام و آسائش کا ہر سامان موجود تھا۔ مجھے اور شہناز کو وہاں ایک بڑے سے پلنگ پر ڈال دیا گیا۔

اس کے دونوں ساتھی اس کمرے سے باہر چلے گئے اُن کے جانے کے بعد اُس نے مجھے مخاطب کیا۔ "مسٹر فرہاد اپنے سامنے والی کھڑکی کو دیکھو۔"

میرا سر تکیے پر رکھا ہوا تھا اور میں بآسانی سامنے والی کھڑکی کو دیکھ سکتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کھڑکی کا شٹر اُوپر سے نیچے گر گیا تھا۔ وہ کھڑکی بند ہو گئی تھی اور اس آدمی کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ کھڑکی اب ایئر ٹائیٹ ہے۔ یعنی تم یہاں چیخو گے تو تمھاری آواز باہر نہیں جائے گی اور باہر کی آواز اندر نہیں آئے گی۔ اسی طرح دوسری کھڑکیاں اور دروازے بھی بند ہو جائیں گے۔ میں تمھیں یہ بات سمجھا رہا ہوں تاکہ تم لوگ خواہ مخواہ چیخ کر اپنی انرجی برباد نہ کرو۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کے پاس گیا پھر پلٹ کر بولا۔ "میں باہر جا کر اس دروازے کو بند کر رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد ایئر کنڈیشنڈ آن ہو گا اور تم دونوں نارمل ہو جاؤ گے۔ یعنی اپنی مرضی سے حرکت کر سکو گے اور اس وقت تم چاہو گے تو خیال خوانی کے ذریعے مجھے پریشان کر سکو گے اور میری جان بھی لے سکو گے۔"

یہ کہنے کے بعد وہ ہنستا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ پھر اس کمرے کا دروازہ بند ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے اور شہناز نے ہلکی سی ٹھنڈک محسوس کی۔ کمرہ اب ٹھنڈا ہو رہا تھا

اور اس کے ساتھ ہی ہلکی ہلکی سی خوشبو کمرے کی محدود فضا میں پھیل گئی تھی۔ وہ خوشبو ایسی تھی کہ ہمارے دماغ کو معطر بھی کر رہی تھی اور متاثر بھی کر رہی تھی۔ بوتل سے نکلنے والے دھوئیں کا جو اثر ہم پر ہوا تھا وہ اثر زائل ہونے لگا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو حرکت دی مٹھیاں بھینچیں پھر ہتھیلی کو کھولا تو محسوس ہوا کہ اب میں اپنی مرضی سے حرکت کر سکتا ہوں۔ اس بات کا یقین ہوتے ہی میں آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

شہناز کروٹ بدل کر یہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ حرکت کر سکتی ہے یا نہیں۔ جب اُسے یقین ہو گیا تو وہ بھی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر پوچھنے لگی "یہ ہم کہاں آ کر پھنس گئے ہیں۔ طارق اَب کیا ہو گا؟"

مجھے طارق کہنے کے بعد اُس نے چونک کر مجھے دیکھا اور ذرا پیچھے ہٹ کر بولی۔ "نہیں تم طارق نہیں ہو، میرا شبہ درست نکلا۔ وہاں سمندر کے کنارے وہ شخص تمھیں فرہاد علی تیمور کہہ رہا تھا۔ یہاں بھی اُس نے مسٹر فرہاد کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ تم فرہاد علی تیمور ہو، بولو، یہ سچ ہے نا؟"

میں نے اپنے اُوپر گہری سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں یہ کم بخت مجھے اور کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ تم یقین کرو میں طارق محمود ہوں اور میری حرکتیں کچھ ایسی ہو گئی ہیں اور میں کچھ ایسی جی داری سے دشمنوں کا مقابلہ کرنے لگا ہوں کہ دوسروں کو مجھ پر فرہاد کا شبہ ہونے لگا ہے۔ یہ لوگ مجھے گرفتار کر کے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ فرہاد ہوں یا فرہاد کے دھوکے میں وہ کسی اور کو پکڑ لائے ہیں۔ تم دیکھتی رہنا جب انھیں یقین ہو جائے گا کہ میں وہ نہیں ہوں جو یہ سمجھ رہے ہیں تو یہ ہمیں فوراً ہی آزاد کر دیں گے۔"

وہ یقین نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ جب سے میں اُس کی زندگی میں آیا تھا تب سے وہ شبہے میں مبتلا تھی کہ طارق محمود کے نام کے اور چہرے کے پیچھے کوئی دوسری شخصیت چھپی ہوئی ہے۔ میری یقین دہانی کے باوجود وہ مجھے بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ میں نے اُسے نظر انداز کر کے سب سے پہلے اس لیڈر کے دماغ میں جھانکنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ مجھے اُس کا لب و لہجہ یاد نہیں رہا ہے اس لیے میں اُس کے دماغ میں جھانک کر نہیں دیکھ سکتا پھر میں نے اس کوٹھی کا نمبر یاد کیا تو مجھے حیرانی ہوئی۔ میں وہ نمبر بھی بھول چکا تھا۔ جب میرا دماغ نارمل نہیں تھا اور میں دماغی کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت کا یاد کیا ہوا نمبر ذہن سے محو ہو گیا تھا۔ میں نے دو تین بار ذہن پر زور ڈال کر یاد کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی ناچار میں نے یہ کوشش ترک کر دی۔

جتنی دیر تک میں اس کوشش میں مصروف رہا تھا۔ اتنی دیر تک شہناز مجھے گھور گھور کر دیکھتی رہی تھی اور مجھے جیسے نگاہوں سے ٹٹول رہی تھی۔ جب میں نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔ "دیکھو مجھ سے چھپنے کی کوشش نہ کرو۔ میں خوب سمجھتی ہوں۔ اس وقت تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے کسی کو ٹریپ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

میں نے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "شہناز میں اِس وقت بہت پریشان ہوں۔ میں تمھیں یقین نہیں دلا سکتا کہ میں طارق محمود ہوں۔ لہٰذا اس مسئلے کو کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھو۔ میں اس وقت یہ سوچ رہا ہوں کہ کس طرح ان کے جال سے نکلا جا سکتا ہے مجھے ذرا غور کرنے دو اور اپنے مسئلے میں مجھے نہ الجھاؤ۔ ابھی تو اُن لوگوں کو بھی یقین دلانا ہے کہ میں فرہاد نہیں ہوں۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ میں سوچنے لگا کہ اس شخص کو گئے ہوئے تقریباً بیس منٹ گزر چکے ہیں۔ بیس منٹ کے عرصے میں ہم بالکل نارمل ہو چکے تھے۔ اَب اس شخص کو واپس آ جانا چاہیے تھا۔ لیکن وہ واپس نہیں آیا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ کیا بات ہو سکتی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کمرے میں ڈکٹا فون جیسی چیزیں موجود ہوں اور ہماری باتیں کسی دوسرے کمرے میں سُنی جا رہی ہوں اور ان باتوں سے اندازہ لگایا جا رہا ہو کہ واقعی میں فرہاد علی تیمور ہوں یا نہیں۔ میں نے تو اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی تھی کہ انکار کرتا رہوں لیکن شہناز کی ضد اور یہ دلیل کہ وہ ایک عرصے سے مجھ پر شبہ کر رہی ہے اور مجھے اپنا شوہر تسلیم نہیں کرتی ہے۔ یہ بات دشمنوں کو یقین دلا سکتی تھی کہ میں شہناز کا شوہر طارق محمود نہیں ہوں بلکہ فرہاد ہوں یا پھر کوئی دوسرا شخص ہوں جو طارق محمود کے نام کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔

تقریباً پون گھنٹے کے بعد اس کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہی لیڈر اپنے ہاتھ میں ایک ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ اُس ٹرے میں کافی کی پیالیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اُس نے ہمارے سامنے ایک چھوٹی سی تپائی پر اس ٹرے کو رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگ یہ کافی پی لیں

تو طبیعت کچھ اور بحال ہو جائے گی۔ پھر ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

میں نے کافی کی ایک پیالی اٹھا کر شہناز کی طرف بڑھا دی۔ پھر دوسری پیالی اٹھا کر اس کا ایک گھونٹ پینے کے بعد اس لیڈر سے کہا: "مسٹر تمہیں یہ کیسے شبہ ہوا کہ میں فرہاد علی تیمور ہوں کیا میری صورت اس سے ملتی جلتی ہے؟"

وہ مسکرا کر بولا: "آپ بہت چالاک بلکہ مکار ہیں۔ میری گستاخی معاف کیجیے گا۔ آپ کے لیے مکار جیسا لفظ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ آپ چاہیں تو مجھے اس گستاخی کی سزا دینے کے لیے ذہنی اذیتیں پہنچا سکتے ہیں۔"

میں نے کافی کا دوسرا گھونٹ پینے کے بعد کہا۔ "تم چاہتے ہو کہ میں خیال خوانی کروں اور تمہیں ذہنی اذیتیں پہنچاؤں مگر میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ تم دھوکا کھا گئے ہو۔ میں فرہاد نہیں ہوں۔"

"تم اس عورت کے شوہر نہیں ہو۔ ابھی میں نے تم دونوں کی گفتگو سنی ہے۔ یہ تم پر شبہ کر رہی ہے کہ تم طارق محمود نہیں ہو بلکہ فرہاد ہو۔"

میں نے کہا: "ہاں یہ تمہاری زبان سے فرہاد کا نام سن کر اپنے شبہے کو یقین میں بدلنا چاہتی ہے ویسے ایک طرح سے اس عورت کا شبہ درست ہے۔ میں اس کا شوہر طارق محمود نہیں ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں فوراً ہی شہناز کے دماغ میں پہنچ گیا اور اس کی سوچ میں کہنے لگا: "مجھے ان دونوں کے درمیان ابھی کچھ نہیں بولنا چاہیے۔ میں چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہوں گی۔ بعد میں اس شخص سے نمٹ لوں گی جو میرا شوہر بنا ہوا ہے۔"

شہناز کو اس طرح سمجھانے کے دوران اس لیڈر نے مجھ سے سوال کیا: "تو پھر تم کون ہو؟"

میں نے کہا: "میں اس کے شوہر طارق محمود کا ایک دوست ہوں۔ میں نے جب شہناز کو پہلی بار دیکھا تو اس پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ میری نیت یہی تھی کہ میں کسی طرح اسے حاصل کر لوں لیکن یہ عورت بہت مغرور تھی۔ اپنے شوہر کے سوا کسی کو لفٹ نہیں دیتی تھی۔ میں نے ہر طرح سے اسے آزمایا۔ طرح طرح کے لالچ دیے کہ یہ کسی طرح میری ہو جائے لیکن اس نے مجھے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ پھر پچھلے دنوں اس کا شوہر طارق محمود پیر[illegible] میں بھی اس کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ وہاں میں [illegible] پلاسٹک سرجری کے ماہر کی خدمات حاصل کیں اور [illegible] طارق محمود کی تصویر دکھا کر ایسا ہی چہرہ بنانے کے [illegible] اس کے لیے مجھے بیس ہزار ڈالر خرچ کرنے پڑے [illegible] میں کامیاب ہو گیا۔ قسمت بھی مجھ پر مہربان تھی۔ [illegible] طارق محمود ایک حادثے کا شکار ہو گیا اس حادثے کی [illegible] میں نے شہناز تک پہنچنے نہیں دی اور خود ہی طارق [illegible] بن کر اس کے پاس چلا آیا اور جب سے آیا ہوں [illegible] تب سے یہ شبہ میں مبتلا ہے کہ میں وہ نہیں ہوں لیکن [illegible] چونکہ صورت شکل سے اور قد و قامت سے طارق محمود [illegible] لگتا ہوں اور چونکہ مجھ پر میک اپ کا شبہ بھی نہیں [illegible] سکتا۔ اس لیے شہناز نے مجھے شوہر کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا۔"

میری بات سننے کے بعد اس لیڈر نے کہا: "آپ بڑی باتیں بنا رہے ہیں یعنی شہناز کے سامنے ہی یہ ساری حقیقتیں اگل رہے ہیں۔ جس کو دھوکا دیا اس کے سامنے راز فاش کر رہے ہیں میں کیسے یقین کر لوں؟"

"تم یقین کر دیا کرو۔ میں شہناز کے سامنے یہ ساری باتیں کھل کر اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میرا مقصد پورا ہو چکا۔ اب یہ مجھ سے بدظن ہو جائے۔ مجھے چھوڑ دے تو مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں اپنے ارادوں میں کامیاب ہو چکا۔"

وہ ٹہلنے کے انداز میں ایک صوفے کی طرف جاتے ہوئے بولا: "مسٹر تم جو کوئی بھی ہو۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تمہیں کچھ دنوں کے لیے یہاں قید کر کے رکھنا ہے اور تمہاری نگرانی میں تنہا کروں گا۔ تنہا اس لیے کہ تمہیں کھانا پہنچانے اور تمہارے آرام کا خیال رکھنے کے لیے یہاں ایک آدمی کی ضرورت ہو گی اور وہ فرائض میں انجام دوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میرا انجام بہت بھیانک بھی ہو سکتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھوں مر سکتا ہوں لیکن مرنے سے پہلے میں تمہیں اتنا بتا دوں کہ اگر تم فرہاد علی تیمور ہو تو میرا نام ......"

وہ ذرا رک کر شہناز کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: "اگر تمہاری شہناز کے ن کا نقطہ نیچے لایا جائے تو میرا نام بن جاتا ہے یعنی میرا نام شہباز ہے۔ میں بہت مفلسی کے دن گزار رہا تھا۔ یہاں کراچی شہر میں آ کر روزگار کے لیے بھٹک رہا تھا تب مجھے ایک شخص نے یہ کام سونپ دیا کہ مجھے کس

طرح تمہیں جال میں پھانسنا ہے اور جال میں پھانسنے کے بعد یہاں لا کر کچھ عرصے تک قید رکھنا ہے۔"

میں نے پوچھا: "تمہیں یہ تو بتایا گیا ہو گا کہ مجھے کس لیے یہاں قید میں رکھا جا رہا ہے؟"

اس نے کہا: "میں تفصیل نہیں جانتا مگر اتنا معلوم ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تم کسی جزیرے میں گئے تھے اور اس جزیرے کو تم نے خالی کرایا تھا۔ اب وہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہاں جو لوگ دوبارہ آباد ہوں گے اور اپنا کاروبار شروع کریں گے، ان میں کسی کے دماغ تک تم نہ پہنچ سکو۔ اس لیے بڑی احتیاط برتی جا رہی ہے۔ کوئی ایسا آدمی وہاں جزیرے میں نہیں رکھا جا رہا ہے جس کا تعلق پاکستان سے ہو اور جو کبھی تمہارے قریب سے گزر چکا ہو۔ اس جزیرے میں جب تم تھے اور وہاں جتنے لوگوں سے تمہارا واسطہ رہا تھا۔ وہ سب وہاں سے ہٹا دیے گئے ہیں۔ اب بالکل نئے لوگ ہیں اور تم ان کے دماغ تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا: "جب ایسی بات ہے تو مجھ سے کس بات کا خطرہ ہے۔ اول تو میں فرہاد نہیں ہوں۔ اگر ہوں تو اتنی احتیاط برتنے کے بعد مجھے قید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس نے کہا: "میں سمجھتا ہوں کہ شاید ابھی اس جزیرے کی آبادی مکمل نہیں ہوئی ہے اور وہاں ان لوگوں کا کاروبار شروع نہیں ہوا ہے یا پتہ نہیں کیا بات ہے۔ وہ جب تک اس جزیرے میں مطمئن نہیں ہو جائیں گے اپنی حفاظت کے لیے تمام انتظامات مکمل نہیں کر لیں گے۔ اس وقت تک تمہیں قید میں رکھا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ ان لوگوں کو مرجانہ نامی لڑکی کے عاشق ایک جن پر شبہ ہے جو وہاں موجود تھا شاید اس جن کے وجود پر کوئی یقین نہیں کر رہا ہے۔ سب یہ سمجھتے ہیں کہ فرہاد علی تیمور کا کارنامہ ہے۔ اس لیے وہ لوگ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں اور شبہے کے طور پر مجھے کچھ عرصے تک قید رکھنا چاہتے ہیں کہ میں یہاں رہوں اور کسی کے دماغ کو نہ پڑھ سکوں اور وہ اپنے حفاظتی انتظامات مکمل کر لیں۔ چلو کوئی بات نہیں ہے۔ میں دو چار روز یہاں قید میں اپنی زندگی گزار لوں گا۔ پھر شہناز جیسی حسین ساتھی میرے ساتھ ہے۔ وقت گزر ہی جائے گا۔"

شہباز نے قریب آ کر دونوں پیالیوں کو ٹرے پر رکھا پھر اس ٹرے کو اٹھا کر جانے لگا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے پلٹ کر کہا: "میری زندگی تمہارے رحم و کرم پر ہے۔ اگر تم فرہاد ہو تو کسی وقت بھی ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے ہلاک کر سکتے ہو۔ یہ میں نے بہت بڑا خطرہ مول لے لیا ہے لیکن میرے بیوی بچے اب سکھ چین سے زندگی گزار رہے ہیں۔ مجھے اتنا بڑا خطرہ مول لینے کے سلسلے میں اتنی بڑی رقم دی گئی ہے کہ اب میرے بچے اچھی تعلیم حاصل کر سکیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ دروازہ کھولتے ہوئے باہر چلا گیا اور دروازہ اسی طرح بند ہو گیا۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانکتے ہوئے اس کی سوچ میں کہا: "میرے بچے ابھی کہاں ہوں گے کس حال میں ہوں گے؟"

اس کی سوچ بتانے لگی کہ اسی شہر میں اس کے بیوی بچے ایک اچھے سے کرائے کے مکان میں رہ رہے ہیں۔ میں نے پھر اس کی سوچ کو کریدنا شروع کیا اور یہ معلوم کیا کہ ہم جس کوٹھی میں قید کیے گئے ہیں اس کا نمبر کیا ہے۔ کیا اس کے بیوی بچوں کو یہ علم ہے کہ وہ فلاں نمبر کی کوٹھی میں اس وقت موجود ہے۔

فلاں نمبر کی کوٹھی کی سوچ کا سلسلہ ایسا تھا کہ وہ اپنے ذہن میں نمبر کو دہرانے لگا۔ میں نے اس کوٹھی کے نمبر کو ذہن نشین کر لیا اور یہ بھی معلوم کر لیا کہ یہ کوٹھی سوسائٹی کے ایک علاقے میں ہے۔

اسی وقت مجھے شہناز کی آواز سنائی دی۔ وہ مجھے گھورتے ہوئے کہہ رہی تھی: "میں بہت دیر سے تمہیں دیکھ رہی ہوں تم چپ چاپ بیٹھے خیال خوانی میں مصروف ہو۔ اب کوئی بہانہ کرو گے کہ تم کوئی دوسری باتیں سوچ رہے تھے۔"

میں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا: "شہناز خدا کے لیے عقل سے کام لو۔ تم شبہ کر رہی ہو۔ میرے سوچنے پر بھی پابندی لگا رہی ہو اور وہ شہباز کہیں دوسرے کمرے میں بیٹھا ہوا ہماری گفتگو سن رہا ہے اور اس کا شبہ یقین میں بدل جائے گا کہ میں واقعی خیال خوانی کر رہا ہوں اور میں ہی فرہاد علی تیمور ہوں۔ تم کیوں خواہ مخواہ دوسروں کو یقین دلا رہی ہو جبکہ میں وہ نہیں ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کی سوچ میں کہنے لگا: "واقعی میں غلطی کر رہی ہوں۔ ابھی شہباز کی باتوں سے پتہ چل گیا ہے کہ وہ ہماری باتیں سنتا رہا تھا اس وقت بھی وہ ہماری باتیں سن رہا ہو گا۔ اب یہ فرہاد ہو یا

کوئی اور ہو' مجھے اس وقت اس مسئلے پر بحث نہیں کرنا چاہیے۔ تم موجود ہو یا نہیں ؟ "
وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ میں بعد میں اس سے اس سلسلے میں باتیں کرلوں گی "

وہ سر جھکائے اپنی سوچ کو سن رہی تھی۔ میں نے بلند آواز سے کہا " اب تم اس وقت سر جھکائے سوچ رہی ہو تو کیا میں بھی یہ سمجھ لوں کہ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے کسی کے خیالات پڑھ رہی ہو۔ خاموش ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ سارے لوگ ہی ٹیلی پیتھی جاننے لگے ہوں "

وہ بولی " تمام لوگوں کی بات نہیں ہے۔ کسی خاص آدمی پر مثلاً تم پر شبہ کیا جا رہا ہے۔ تم پر شبہ نہیں ہوگا تو کسی اور آدمی پر فرہاد کا شبہ ہوگا۔ ایک وہی شخص ایسا ہے جس کی وجہ سے ٹیلی پیتھی کا خیال دماغ میں آتا ہے۔ میں گھنٹوں اس طرح سوچتی رہوں تو کوئی یقین نہیں کرے گا کہ میں ٹیلی پیتھی جانتی ہوں اور کسی کے خیالات پڑھ رہی ہوں "

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا " آدھی رات گزر چکی ہے۔ اب ہمیں سوجانا چاہیے "

یہ کہہ کر میں بستر پر لیٹ گیا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ پھر میں نے فوراً ہی اٹھتے ہوئے کہا " مجھے دروازے کو اندر سے بند کردینا چاہیے۔ یہ شہباز بغیر اطلاع دیے ہوئے چلا آتا ہے "

یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ اسی وقت کھڑکی آپ ہی آپ کھل گئی۔ پھر دروازہ بھی آپ ہی آپ کھل گیا۔ پھر دروازے اور کھڑکیاں بند ہوگئیں۔ اس کے بعد اس کمرے میں شہباز کی آواز سنائی دی " مسٹر فرہاد ' آپ دروازے کو اندر سے بند کریں گے تب بھی وہ کھل جائے گا۔ اس کا میکنزم کچھ ایسا ہے جسے میں یہاں سے کنٹرول کرتا ہوں۔ لہٰذا آپ سوئیں ضرور لیکن شرافت کے ساتھ اس لیے کہ میں کسی بھی وقت کمرے میں آسکتا ہوں "

میں نے پوچھا " جب ہم سو ہی جائیں گے تو تم ہمارے کمرے میں آکر کیا کرو گے ؟ "

اس نے جواب دیا " کمرے میں خاموشی رہے گی تو رات بھر یہ پتہ نہیں چلے گا کہ تم لوگ سو رہے ہو یا کمرے سے کسی طرح فرار ہوگئے ہو۔ حالانکہ فرار ہونے کے تمام راستے مسدود کردیے گئے ہیں۔ تمہارے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ تم اکثر ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہو۔ اس لیے تمہاری طرف سے محتاط رہنے کے لیے میں کبھی کبھی کمرے میں آکر دیکھوں گا کہ

میں کھڑے ہو کر سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر پہلے میں شہباز کے ذہن کو اچھی طرح کرید چکا تھا اور یہ معلومات حاصل کی تھیں کہ میں شہباز کو کوئی نقصان پہنچا کر بھی وہاں سے فرار نہیں ہوسکتا کیونکہ شہباز جس طرح میرے کمرے کے دروازے اور کھڑکیوں کو کسی میکینزم کے ذریعے کنٹرول کرتا تھا اسی طرح کوٹھی کے بیرونی دروازے اور کھڑکیاں بند رکھی گئی تھیں اور ان دروازے اور کھڑکیوں کو خود شہباز نہیں کھول سکتا تھا۔ میں اگر شہباز کو مجبور کردیتا تو کمرے سے نکل سکتا تھا لیکن کوٹھی کے باہر نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے بیرونی دروازے مقفل تھے اور یہ دروازے کس طرح کھولے جاسکتے ہیں یہ خود شہباز بھی نہیں جانتا تھا۔

میں واپس آکر بستر پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد شہناز بستر پر رینگتے ہوئے میرے قریب آکر لیٹ گئی پھر سرگوشی میں بولی " میں تمہارے پاس لیٹنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ تم ایک دم سے اجنبی بن گئے ہو لیکن میں یہ معلوم کرکے رہوں گی کہ تمہاری اصلیت کیا ہے۔ دیکھو میں بالکل ہی سرگوشی میں بات کررہی ہوں ہماری آواز شہباز تک نہیں جائے گی تم صرف اتنا بتا دو کیا تم فرہاد ہو ؟ "

میں نے دھیمی سرگوشی میں جواب دیا " میں طارق محمود کا دوست صفدر ہوں۔ تم پہلے بھی مجھ سے مل چکی ہو اور یاد کرو کہ میں نے تم سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ میں نے تمہیں طرح طرح کے لالچ دیے تھے لیکن تم نے مجھے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ اب دیکھ لو کہ میں نے تمہیں کس طرح حاصل کیا ہے اور یقین کرلو کہ میں وہی صفدر ہوں "

میرا یہ جواب سن کر وہ ایک دم سے اچھل کر بیٹھ گئی۔ پھر نفرت سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی " اچھا تو تم وہی صفدر ہو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنا بڑا فراڈ کرو گے۔ میں کبھی تم سے متاثر نہیں ہوئی اور تم طارق کا روپ بدل کر مجھے متاثر کررہے ہو لیکن میں اب تمہیں ہاتھ لگانے کا موقع بھی نہیں دوں گی اور نہ ہی کبھی تمہارے قریب آؤں گی "

یہ کہہ کر وہ بستر سے اٹھی اور طنطناتی ہوئی صوفے پر جاکر بیٹھ گئی۔ میں نے سوچا چلو اچھا ہے کہ وہ مجھ سے نفرت کرکے ہی ذرا دور رہے تو مجھے ذرا کچھ سوچنے کا موقع ملتا رہے گا اور میں خیال خوانی کے ذریعے یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا

میں نے ایک سگریٹ سلگایا۔ پھر اس کے کش لگاتا ہوا غلام کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک کمرے میں سامی کے ساتھ بستر پر لیٹا ہوا تھا اور اسے سہلاتے ہوئے آپ ہی آپ باتیں کررہا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا " فرمائیے آقا۔ آپ کہاں ہیں ابھی تک واپس کیوں نہیں آئے ؟ "

میں اسے ساری روداد سنانے لگا۔ وہ چپ چاپ سنتا رہا۔ پھر جب میری باتیں ختم ہوگئیں تو اس نے کہا " ٹھیک ہے میں نے اس کوٹھی کا نمبر ذہن نشین کرلیا ہے۔ میں اس علاقے میں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں "

" نہیں غلام، تم اس شہر میں بالکل اجنبی ہو اور یہ کام تم تنہا نہیں کرسکو گے۔ یہ کوٹھی باہر سے مقفل ہے۔ دروازے کے تالوں کو کھولنے یا توڑنے کے اوزار تمہارے پاس نہیں ہیں۔ میں تمہیں اپنے ایک دوست مراد وادا کے پاس لے چلتا ہوں۔ تم سامی کو اٹھا لو اور باہر نکل جاؤ اور کسی ٹیکسی میں بیٹھ کر لالوکھیت کی طرف جانے کے لیے ڈرائیور سے کہو۔ اس کے بعد میں تمہارے دماغ کو کنٹرول کرتا رہوں گا "

وہ میری ہدایات پر عمل کرنے لگا۔ سامی کو لے کر کوٹھی کا دروازہ لاک کرنے کے بعد وہ باہر آگیا اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر مراد وادا کے گھر کی طرف جانے لگا۔ میں اس کے دماغ میں موجود تھا اور وہ میری رہنمائی کے مطابق اُدھر جا رہا تھا۔ پھر وہ مراد وادا کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اتنی رات کو وہ اپنے گھر ہی میں موجود تھا۔ دستک سننے کے بعد اس کا ایک جوان بیٹا باہر آیا تو میں نے غلام کی زبان سے کہا " میں طارق محمود کا دوست ہوں اور تمہارے باپ کو اس کا پیغام پہنچانے آیا ہوں۔ ان سے کہو کہ مجھ سے دو باتیں کرلیں "

لڑکا اندر چلا گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اسے ڈرائنگ روم میں بلایا گیا۔ مراد وادا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا " ہاں بھئی کہو، کیا بات ہے۔ میں نے اس بلی کو تو پہچان لیا ہے۔ یہ طارق کی بلی ہے اور میرے پاس بھی رہ چکی ہے "

غلام نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا " مسٹر طارق اس وقت دشمنوں کی قید میں ہیں اور انہیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے "

یہ سنتے ہی مراد وادا اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ کہنے لگا۔ " کہاں ہے طارق اسے کہاں قید کیا گیا ہے ؟

غلام نے اسے کوٹھی کا نمبر اور وہ جگہ بتائی اور وہاں کے تمام حالات بتائے کہ کس طرح کوٹھی کو باہر سے مقفل کیا گیا ہے اور جو شخص اندر سے پہرہ دے رہا ہے وہ بھی اس دروازے کو کھولنا نہیں جانتا ہے۔ اس دروازے کو کھولنے کے لیے یا اس کا تالا توڑنے کے لیے کچھ اوزار ساتھ لے جانا پڑیں گے۔

مراد وادا نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا " میں کیسے یقین کرلوں کہ تم مجھ سے سچ کہہ رہے ہو، ہوسکتا ہے کہ میرے لیے جال بچھایا جا رہا ہو "

غلام نے سامی کو سہلاتے ہوئے کہا " یہ بلی میں ثبوت کے طور پر لایا ہوں "

" طارق کو قید کرنے کے بعد اس کی بلی پر قبضہ جمایا جاسکتا ہے اور مجھے پھانسنے کے لیے بطور ثبوت اس بلی کو لایا جاسکتا ہے "

" آپ کو اس طرح یقین آسکتا ہے کہ جب تک آپ طارق کو وہاں سے آزاد کرا کر نہیں لائیں گے اس وقت تک میں آپ ہی کی قید میں رہوں گا۔ اگر یہ بات جھوٹ ہوئی تو آپ کے آدمیوں کو حق پہنچے گا کہ وہ مجھے گولی مار دیں "

مراد وادا راضی ہوگیا۔ وہ غلام کو اپنے آدمیوں کے حوالے کرنے کے بعد میری طرف آنے والا تھا۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے میں نے شہناز کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے مسلسل گھور رہی تھی۔ میرے سوچنے کے انداز پر سوچ رہی تھی۔ کیا میں خیال خوانی میں مصروف ہوں۔ اس کے دماغ میں جو بات بٹھا دی گئی تھی وہ اسی کے مطابق مجھے فرہاد سمجھ رہی تھی اور پھر جب یہ خیال آتا کہ میں وہی صفدر ہوں جو کبھی اس کا عاشق تھا اور اب دھوکا دے کر میں نے اسے حاصل کرلیا ہے تو اسے غصہ آنے لگتا تھا۔ جب میں نے اسے مسکرا کر دیکھا تو اس

نے نفرت سے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "کیا ادائیں ہیں۔ کبھی محبت سے گلے لگاتی ہو، کبھی نفرت سے منہ پھیر لیتی ہو۔ شہباز نے ابھی کہہ دیا ہے کہ ہمیں یہ رات شرافت سے گزارنی چاہیے۔ اگر وہ ایسا نہ کہتا تو میں تمھیں بڑے پیار و محبت سے منا لیتا، چلو بہت رات ہو گئی ہے۔ اب یہاں آ کر سو جاؤ۔"

وہ غصّے سے اُٹھ کر طنطناتی ہوئی میرے پاس آئی پھر دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی "تم یہاں سے اُٹھ جاؤ اور اُس صوفے پر جا کر سو جاؤ۔ میں یہاں سونا چاہتی ہوں۔"

میں نے بات نہیں بڑھائی۔ وہاں سے اُٹھ کر ایک تکیہ لے کر صوفے پر آ گیا۔ وہاں تکیہ سرہانے رکھ کر لیٹ گیا۔ وہ بولی "مجھے اتنی روشنی میں نیند نہیں آئے گی۔ کمرے کی لائٹ آف کر دو۔"

اُس کی بات ختم ہوتے ہی شہباز کی آواز سنائی دی وہ کہہ رہا تھا "لائٹ آف نہیں ہو گی۔ کمرے میں اندھیرا ہو جائے گا تو میں کیسے معلوم کروں گا کہ تم دونوں موجود ہو یا نہیں۔ اِس لیے تمام رات کمرے کی بتی جلتی رہے گی۔"

وہ دوسرے کمرے میں بیٹھا ہوا بول رہا تھا۔ اُس کی باتیں سن کر شہناز نے ذرا پریشانی کا اظہار کیا۔ پھر میری طرف سے منہ گھما کر دوسری طرف کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے بھی اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ اب مجھے مرجانہ کی خبر لینی تھی۔

دوسرے ہی لمحے میں مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ اُسے اپنی ماں سے ملنے کی بے چینی تھی۔ وہ سو نہیں سکتی تھی۔ اِس لیے آتی رات کو بھی اپنی خالہ اور خالو کے ساتھ بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھی۔ اپنی امّی کے متعلق ایک ایک بات پوچھتی جا رہی تھی اور بڑی دلچسپی سے اُن کی باتیں سنتی جا رہی تھی۔ پھر اُس نے پوچھا "کیا میری امّی کو اُن چاروں بدمعاشوں کا پتہ معلوم ہے۔"

اُس کے خالو نے جواب دیا "تمھاری امّی کو تو کیا، ہمیں بھی اُن چاروں کا پتہ معلوم ہے کیونکہ تمھاری حفاظت کرنے کی خاطر ہمیں دشمنوں سے ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔ اس لیے ہم ہمیشہ یہ معلومات حاصل کرتے رہتے تھے کہ کون شخص کہاں ہے اور کس طرح زندگی گزار رہا ہے.......... اور کس طرح تمھاری امّی کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ ساری باتیں ہم وقتاً فوقتاً معلوم کرتے رہتے ہیں۔"

مرجانہ نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا "آپ مجھے چاروں کا پتہ بتائیں۔ میں اپنے ذہن میں یاد رکھوں گی۔ مجھے اُن سے اچھی طرح نمٹنا ہے۔"

اُس کے خالو نے کہا "بیٹی! میں نے ابھی دیکھا کہ تم واقعی ایک اچھی فائٹر ہو۔ تم نے باتوں باتوں میں دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیے لیکن یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ تم ایک لڑکی ہو کر تنہا اُن بدمعاشوں کا سامنا کرو۔ وہ چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں اور جب انھیں معلوم ہو گا کہ تم وہی لڑکی ہو جسے تمھاری امّی نے اُن لوگوں سے چھپا کر جنم دیا تھا تو پھر وہ تمھیں حاصل کرنے کے لیے یا تمھیں ختم کرنے کے لیے یا تم سے کوئی فائدہ اُٹھانے کے لیے ہر ممکن طریقے سے ٹریپ کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"دیکھیے انکل! میں بچپن سے کانٹوں پر چلتی آئی ہوں۔ میں جانتی ہوں مصیبتیں کیا ہوتی ہیں۔ یہ مجھے پریشان کرنے والی چیزیں نہیں ہیں۔ میں اپنے حالات سے نمٹنا چاہتی ہوں۔ آپ مجھے اُن کا پتہ بتا دیں۔ پھر آپ دیکھیے کہ میں کیا کرتی ہوں۔ انشاء اللہ وہ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔"

اُس کے خالو یا انکل نے کہا "اچھا تو سنو۔ بختاور جو سب سے بڑا دشمن ہے وہ پاکستان میں ہی ہے اور اُس کا قیام لاہور میں ہے۔"

یہ بات سن کر مرجانہ صوفے پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ پھر بولی "میرا ایک دشمن مجھ سے اتنا قریب ہے مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں کل ہی لاہور جاؤں گی۔"

"دیکھو بیٹی، تم پھر جوش میں آ رہی ہو۔ تمھیں اتنی جلدی کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔"

"نہیں انکل آپ مجھے اس کا پتہ بتا دیں۔ پھر میں آپ پر یہ ثابت کر دوں گی کہ دشمن میرے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں۔"

"یہی تو مصیبت ہے بیٹی کہ تم دشمنوں کو کمزور سمجھتی ہو۔ مانا کہ تم شہ زور ہو لیکن دوسرے تم سے اگر جسمانی طور پر کمزور ہوں گے تو ذہنی طور سے اس قدر چالاک مکار ہوں گے کہ تم اُن کی ذہانت کے آگے مجبور ہو جاؤ گی۔"

"جب ایسی بات ہو گی تو دیکھا جائے گا۔ اس وقت میں آپ سے کہوں گی کہ آپ میری کچھ مدد کریں فی الحال میں اکیلی اُن سے نمٹنا چاہتی ہوں۔ پلیز آپ اُن کا پتہ بتا دیں۔"

اُس کے انکل نے بختاور کا پتہ بتایا۔ میں سن رہا تھا اور اس پتے کو ذہن نشین کر رہا تھا۔ پھر اُس کے انکل نے کہا "بیٹی حشمت بیگ ان دنوں پیرس میں ہے جب تم اپنی امّی سے ملنے جاؤ گی تو وہیں اُس سے ملاقات ہو جائے گی۔ باقی دو دشمن کبیر بیدل اور رگھو دہلی میں ہیں۔ ان سے ملنے کے لیے تمھیں ہندوستان جانا ہو گا۔"

"میں انھیں عبرتناک سزا دینے کے لیے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکتی ہوں۔ بہرحال جب تک آپ پیرس جانے کے لیے میرے پاسپورٹ وغیرہ کا انتظام کریں گے۔ اس وقت تک میں لاہور سے ہو کر آ جاؤں گی۔ وہاں دیکھوں گی کہ بختاور کیا چیز ہے۔"

میں اس کی باتیں سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ پیرس جانے سے پہلے اب مجھے بھی لاہور جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ ویسے تو وہ بڑی خود سر تھی کسی کی مدد قبول کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن میں اُس کی مدد کرنا چاہتا تھا اور اس بہانے لاہور بھی پہنچنا چاہتا تھا۔ لاہور میری اپنی جگہ ہے جہاں میں نے بچپن گزارا۔ جہاں میں نے ٹیلی پیتھی کا علم سیکھا۔ جہاں میں نے اس دنیا کو سمجھنے کا سب سے پہلا سبق حاصل کیا۔ پھر مجھے اپنے پنڈ شاہ کوٹ بھی جانا تھا جہاں میں پیدا ہوا تھا۔ مجھے بہت سی باتیں بہت سے رشتے یاد آ رہے تھے۔ شاہینہ زرینہ اور پھوپھی خاص طور پر یاد آ رہی تھیں لیکن میں اُن کے دماغوں میں جھانک نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ ایک عرصے تک میں نے انھیں بھلائے رکھا تھا۔ اُن کے لب و لہجہ کو بھول گیا تھا۔ اُن کا تصور کرتا اور تصور کے ذریعے اُن کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتا تو اُن کے چہرے بھی واضح نہیں ہوتے۔ اب اُن کی صورتیں بھی میرے تصور میں دھندلا گئی تھیں۔

رات کے ایک بجے کتّوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیں۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرا خیال مراد دادا کی طرف گیا کہ وہ آیا ہو اور وہاں کوٹھی کے احاطے میں بندھے ہوئے کتّے شاید بھونک رہے ہوں۔ میں نے فوراً ہی مراد دادا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو واقعی وہ کوٹھی کے احاطے تک پہنچ گیا تھا اور اس احاطے میں کچھ گوشت کے ٹکڑے پھینک رہا تھا تاکہ کتّے وہ زہر ملا گوشت کھا کر آرام سے لیٹ جائیں اور وہ اندر آ سکے۔ تھوڑی دیر میں نے پھر کان لگا کر سنا تو اب کتّوں کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ مراد دادا احاطے کی دیوار پر چڑھ گیا تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کے دو ساتھی بھی تھے اور وہ تینوں احاطے کی دیوار پار کر کے اندر آ گئے تھے اور اب کوٹھی کے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اُسی وقت کسی کے للکارنے کی آواز سنائی دی "ہالٹ! اُدھر کون ہے؟"

مراد دادا وغیرہ وہاں دبک کر بیٹھ گئے اور آواز کی سمت کا تعین کرنے لگے کہ کدھر سے انھیں للکارا گیا ہے میں للکارنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک ریوالور تھا اور اُس کے آس پاس دو آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ یعنی مراد دادا کی طرح وہ بھی تین تھے۔ اگر اُن کا ٹکراؤ ہو جاتا تو اچھی گھمسان کی لڑائی ہوتی۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ رات کے اس وقت وہاں ہنگامہ برپا ہو اور علاقے کے لوگ جمع ہو جائیں پھر پولیس والے بھی پہنچ جائیں۔ میں نے اس ریوالور والے کے دماغ کو کنٹرول کیا اور اُسے اپنے قابو میں رکھ کر کوٹھی کے بڑے دروازے تک لے آیا۔ اُس کے پاس اس دروازے کی چابی تھی۔ اُس نے چابیوں کا گچھا جیب سے نکال کر اس میں سے ایک چابی کے ذریعے دروازے کو کھولا اور اپنے ساتھیوں سے بولا کہ تم دونوں یہاں کھڑے رہو اور دیکھو کہ احاطے میں کون لوگ داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں اندر جا کر دیکھتا ہوں کہ ہمارا قیدی کمرے میں موجود ہے یا نہیں۔

یہ کہہ کر وہ اندر آیا۔ اندر شہباز کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے حیرانی سے کہا "تم یہاں کیوں آئے ہو۔ باہر جاؤ۔ کیا تمھیں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اندر صرف میں پہرہ دوں گا۔"

ریوالور والے نے کہا "مجھے سب معلوم ہے۔ باہر کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ میں اندر قیدی کو دیکھنے آیا ہوں۔"

شہباز نے حیرانی سے پوچھا "تمھیں کیا ہو گیا ہے تمھیں سختی سے ہدایت دی گئی تھی کہ میرے سامنے زبان نہیں کھولو گے اور باتیں نہیں کرو گے۔ اگر ہمارا وہ قیدی فرہاد علی تیمور ہے تو یقیناً وہ میرے دماغ کے ذریعے تمھاری آواز بھی سن چکا ہو گا اور تمھارے دماغ پر بھی قابض ہو جائے گا۔"

ریوالور والے نے کہا "میں تم سے بہتر سمجھتا ہوں کہ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ مجھے اس کمرے میں جانے دو۔"

اسی وقت میں شہباز کے دماغ میں پہنچ گیا۔ شہباز نے اچانک ہی اُس کے ریوالور والے ہاتھ پر ایک ٹھوکر ماری۔ ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل کر دُور جا گرا۔ پھر شہباز اُس سے لپٹ گیا۔ دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے اور اپنا اپنا زور آزمانے لگے۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر جی دار تھے اور دیر تک لڑتے رہنے کے قابل تھے مگر میں دیر تک یہ تماشہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُن کی لڑائی کے دوران میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر وہ ریوالور فرش پر جہاں پڑا ہوا تھا وہاں پہنچ کر میں نے ریوالور کو اپنے قبضے میں لیتے ہوئے کہا "بس اب لڑائی جھگڑا بند کرو اور اچھے بچوں کی طرح میرے سامنے سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔"

اسی وقت باہر سے کچھ ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کچھ لوگ آپس میں لڑ پڑے ہوں۔ شہناز بھی کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی کوٹھی کے بیرونی کھلے ہوئے دروازے سے مراد دادا دوڑتا ہوا اندر آیا پھر ہم سب کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھنے کے بعد اُسے اطمینان ہوا۔ پھر اُس نے کہا "خدا کا شکر ہے کہ تم خیریت سے ہو۔ مجھے تمہاری گرفتاری کی اطلاع مل گئی تھی۔"

مراد دادا کی باتیں سن کر شہباز نے کہا "اچھا، تو اس طرح ثابت ہو گیا کہ آپ فرہاد علی تیمور ہیں۔ آپ کو بڑی رازداری سے یہاں قید کیا گیا تھا۔ یقیناً آپ نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنے ساتھی کو اطلاع دی ہوگی۔"

میں نے کہا "تم لوگ اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتے ہو، یہ نہیں جانتے کہ مجھ جیسا آدمی اپنے آگے پیچھے اپنے دوستوں کو رکھتا ہوگا۔ میرا ایک ساتھی ہمیشہ میرے تعاقب میں رہتا ہے کہ مجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو وہ میری مدد کر سکے۔ اسی ساتھی نے مراد دادا کو جا کر اطلاع دی تھی کہ مجھے فلاں کوٹھی میں قید کیا گیا ہے۔ یقین نہ ہو تو پوچھ لو۔ یہ اُسی کی اطلاع پر میری مدد کو پہنچے ہوئے ہیں۔"

مراد دادا نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں، مجھے تمہارے ایک حبشی دوست نے آ کر اطلاع دی تھی۔ میں نے اُسے حراست میں رکھا ہے کہ کہیں وہ مجھے دھوکا نہ دے رہا ہو۔ بہر حال ابھی میرے آدمی اُسے چھوڑ دیں گے۔"

شہناز اب مجھے بڑی دلچسپی سے اور غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اُسے نظر انداز کرتے ہوئے کہا "مراد دادا، میں شہناز کو لے کر یہاں سے جا رہا ہوں۔ میرے جانے کے بعد تم ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی خون خرابہ ہو اور تم کسی پولیس کیس میں ملوث ہو جاؤ۔ بس چپ چاپ چلے آنا۔ میں کل صبح تم سے ملاقات کروں گا۔"

مراد دادا نے کہا "بیشک تم چلے جاؤ۔ باہر میری گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔ وہ گاڑی تم لے جا سکتے ہو۔"

میں شہناز کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے چلتے ہوئے مراد دادا کے پاس آیا۔ پھر ریوالور اُسے دے کر باہر نکل گیا۔ مراد دادا نے اونچی آواز میں اپنے ساتھیوں کو کہا تھا کہ طارق اپنی وائف کے ساتھ باہر نکل رہا ہے اُسے جانے دیا جائے۔

میں شہناز کا ہاتھ پکڑ کر کوٹھی کے احاطے سے نکلا چلا گیا۔ احاطے کے باہر ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی جس میں مراد دادا آیا تھا۔ میں اس ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر شہناز کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مراد دادا کے ساتھیوں نے ڈرائیور سے کہا ہمیں ہماری کوٹھی تک پہنچا دے۔

ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ کچھ دُور جانے کے بعد شہناز نے میرے قریب کھسک کر کہا "میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ تمہارا حبشی دوست غلام ہوگا۔ جس نے جا کر مراد دادا کو اطلاع دی ہو گی۔"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں غلام نے اطلاع دی تھی۔"

شہناز نے پوچھا "غلام کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم یہاں قید کیے گئے ہیں۔ یہ بات تو تم مراد دادا وغیرہ کے سامنے کہہ سکتے ہو حقیقتاً ہم دونوں تفریح کے لیے کلفٹن کی طرف گئے تھے اور غلام کو اس بلی کے ساتھ اپنی کوٹھی میں چھوڑ دیا تھا۔"

"تم تو ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔ خواہ مخواہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میں فرہاد علی تیمور ہوں۔"

وہ میرے اور قریب ہو گئی۔ پھر بڑی محبت سے میرے شانے پر سر رکھ کر کہا "اب میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔ بس میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم فرہاد ہو اور اس بات کا اعتراف کرو یا نہ کرو لیکن میں تمہیں فرہاد ہی سمجھتی رہوں گی۔ جس طرح ہم اس قید سے نکل کر آئے ہیں، یہ کارنامہ فرہاد کا ہی ہو سکتا ہے۔"

"میں تمہیں بولنے سے روک سکتا ہوں لیکن سوچنے سے نہیں روک سکتا۔ تم میرے متعلق کچھ بھی سوچ سکتی ہو اور مجھے کوئی بھی نام دے سکتی ہو۔"

ویسے عام انسانوں کی کوئی شخصیت کوئی قدر نہیں

...میں شہناز کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اب وہ اپنے ...میں نہیں تھی۔ اپنے آپ کو بھولی ہوئی تھی۔ میں نے ...کے ہاتھوں سے دیا سلائی کی ڈبیہ کو کھلوایا۔ پھر ایک ...نکال کر اُسے سلگا دیا۔ تیلی کے سلگتے ہی میں نے ...کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اُس نے چونک کر اپنے ہاتھ ...جلتی ہوئی تیلی دیکھی تو چیخ مار کر اس تیلی کو چھوڑ دیا۔ ...کے چیخ مارتے ہی غلام نے منتر پڑھنا بند کر دیا تھا۔

اب وہ لال انگاروں جیسے دیدے پھیلائے شہناز کو ...دیکھ رہا تھا جیسے کوئی جادوگر اپنی کامیابی پر سُرخ ...وں سے مسکرا رہا ہو۔ پھر اُس نے کہا "یہ تیلی تمہارے ...تک پہنچ سکتی تھی۔ میں اپنے جادو کے زور سے تمہارے ...میں آگ لگا سکتا تھا لیکن میں نے خود کو روکے رکھا۔ ...ہو تو میں اور بہت کچھ دکھا سکتا ہوں۔"

شہناز نہیں نہیں کی گردان کرتی ہوئی پیچھے گئی اور ...پر گر پڑی۔ وہ بُری طرح سہمی ہوئی تھی۔ پھر وہاں ...کر وہ غلام کو دیکھتے ہوئے بولی "بس میں نے غلطی ...تمہیں یہ جادو کا تماشہ دکھانے کے لیے کہا۔ آیندہ ...تم دونوں کے منہ نہیں لگوں گی۔ میں جا رہی ہوں خدا ...لیے مجھے پریشان نہ کرو اور جتنی جلد ہو سکے تم دونوں ...سے چلے جاؤ۔"

یہ کہتے ہوئے اور تیزی سے چلتے ہوئے وہ ڈرائنگ ...سے چلی گئی اور اپنی خواب گاہ میں پہنچنے کے بعد دروازے ...اندر سے بند کر دیا۔ جب میں نے دروازے پر پہنچ کر ...دستک دی تو وہ کہنے لگی "بس اب ہماری دوستی ختم ہو ...گئی ہے۔ مجھے پریشان نہ کرو۔ اب صبح ہونے والی ہے۔ ...نیند آ رہی ہے، سونے دو۔"

میں اُس کے خیالات پڑھ سکتا تھا۔ میں نے ایسی ...غرض عورت اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔ وہ ہر ...اپنا مزاج بدل دیتی تھی۔ بالکل گرگٹ کی عادت رکھتی ...تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ مجھ پر ہزار جان سے فدا ہو رہی ...تھی، چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ مجھے لاہور جانے سے بھی ...منع کر رہی تھی اور یہ معلوم ہوتے ہی کہ سارا کارنامہ غلام ...کا ہے اور وہ کالا جادو جانتا ہے اور میں فرہاد علی تیمور ...نہیں ہوں وہ ایک دم بدل گئی تھی اور میں اُس کے دل ...سے ایک دم اُتر گیا تھا۔

میں وہاں سے پلٹ کر غلام کے پاس آ گیا۔ اُسے ...ساری باتیں سمجھائیں کہ شہناز کا دماغ کیسے بدل گیا ہے۔

چونکہ اُس نے کالے جادو کا مظاہرہ کیا ہے اِس لیے اب وہ اُسے بھی اپنی کوٹھی میں برداشت نہیں کر سکے گی۔ لہٰذا کل سے اُسے کسی ہوٹل میں رہنا ہوگا۔

❋

طیارے کی سیڑھی سے اُترتے وقت میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے میں اپنی کسی بچھڑی ہوئی محبوبہ سے ملنے آیا ہوں۔ جب میں نے سیڑھی سے اُتر کر لاہور کی زمین پر قدم رکھا تو پتہ چلا کہ زمین کی کشش کیا ہوتی ہے۔ احساس ہوا کہ یہ میری زمین ہے۔ یہ میرا لاہور ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی شخص اگر چار دن لاہور میں گزار کر چلا جائے اور دوبارہ واپس آئے تو اسی جذبے سے سوچے گا کہ لاہور میرا شہر ہے۔ یہ شہر اگرچہ بہت بڑا نہیں ہے لیکن اس میں اتنی وسعت ہے جیسے ماں کی گود میں ہوتی ہے۔ یہاں ایسی محبت ملتی ہے جیسے وہ محبت لہو کے رشتوں میں ڈوب کر آتی ہو اور اتنا خلوص ملتا ہے جتنی کہ مٹھائیاں نہیں ملتی ہوں گی۔

میرے شانے سے ایک سفری بیگ لٹکا ہوا تھا اور ساتھی میرے بازوؤں میں تھی۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا اور سر پر ہیٹ تھی۔ میں وہاں سے چلتا ہوا لاؤنج میں پہنچا تاکہ اپنا سوٹ کیس لے سکوں۔ میرا حلیہ ایسا تھا جیسے میں کسی بیرونی ملک سے آ رہا ہوں اور کراچی پہنچنے کے بعد کراچی سے لاہور تک کا سفر... کیا ہے۔ مجھے کسٹم والوں نے شبہ کی نظروں سے دیکھا۔ میں خود یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ اچانک ایک شخص میرے پاس آیا اور اُس نے مجھ سے سرگوشی کی "مسٹر اگر آپ کے سامان میں کوئی ایسی چیز ہو کہ جس کے لیے آپ چیکنگ نہ کرانا چاہتے ہوں تو میں آسانی سے سوٹ کیس پار کر سکتا ہوں۔"

میرے سوٹ کیس میں ایسا کوئی سامان نہیں تھا جس کے لیے میں قابلِ گرفت ٹھیرایا جاتا۔ میرے جس بریف کیس میں قیمتی ہیرے تھے وہ بریف کیس میں نے غلام کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "بھائی، میرا سوٹ کیس بہت بڑا ہے اور تم اُسے کسٹم والوں سے کیسے پار کر سکو گے؟"

اُس نے مسکرا کر کہا "جناب، یہ ہمارا کام ہے۔ ہم تو آپ لوگوں کے خادم ہیں۔ بس پانچ ہزار دے دیں۔ آپ کا سوٹ کیس باہر پہنچ جائے گا۔"

میں نے کچھ سوچ کر کہا "پانچ ہزار تو بہت ہیں، میں

تمھیں دو ہزار دے سکتا ہوں۔"

وہ بحث کرنے لگا اور ذرا سی دیر میں دو ہزار پر راضی ہوگیا۔ میں نے دو ہزار روپے نکالے اور اُسے دیتے وقت اُس کے دماغ پر قابض ہوگیا۔ اُس نے وہ روپے لے کر اپنی جیب میں رکھے۔ پھر وہ جانا ہی چاہتا تھا کہ میں نے اُسے پلٹا دیا۔ اب وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ اُس نے وہ روپے نکال کر میرے ہاتھ میں دیے۔ میں نے اُسے جیب میں رکھا پھر اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ذرا سا چونکا۔ پھر جھجکتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا "بس میں ابھی پار کرادوں گا" یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا کسٹم آفیسروں کے پاس پہنچ گیا۔ میں اُس کے دماغ میں جھانک رہا تھا۔ وہاں جا کر اُس نے ایک آفیسر سے کہا کہ وہ ہزار کی آسامی ہے اور یہ اُس کے سامان کی سلپ ہے۔

میرے سامان کی سلپ دیکھنے کے بعد اس سوٹ کیس میں چاک کا نشان لگا دیا گیا۔ یعنی یہ کہ اس سوٹ کیس میں کچھ نہیں ہے۔ اُسے لے کر وہ شخص واپس آیا اور میرے حوالے کردیا۔ میں وہ سوٹ کیس لے کر اُس کا شکریہ ادا کرتا ہوا وہاں سے چل پڑا۔

اچانک اُس نے پیچھے سے آواز دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ پریشان ہو کر اپنی جیبیں ٹٹول رہا تھا اور میرے قریب آتے ہوئے بول رہا تھا "وہ روپے کہاں ہیں جو تم نے دیے تھے؟"

"میں کیا جانوں، تم مجھ سے روپے لے کر ادھر گئے تھے تم سمجھو کہ وہ کہاں گئے۔"

"تعجب ہے۔ میں نے تو تمھارے سامنے اسی جیب میں رکھے تھے۔ پھر پتہ نہیں مجھے ایسا لگا تھا کہ ایک پل کے لیے ذہنی طور پر غافل ہوگیا ہوں۔ اس کے بعد میں تمھارے پاس سے چلا گیا تھا۔ لیکن اب دیکھ رہا ہوں کہ وہ روپے نہیں ہیں۔ کیا تم کوئی جادو جانتے ہو؟"

"تم کیسی احمقوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ میں نے تمھیں پیسے دیے۔ اپنا مال لیا اور اب جا رہا ہوں۔ جادو ٹونے والی باتیں اس دور میں بیوقوف لوگ ہی کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر میں جانے لگا۔ وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے بولا "دیکھو مسٹر یہ نہ سمجھنا کہ تمھارا سوٹ کیس کسٹم والوں سے پار ہوگیا۔ میں اب بھی تمھیں مصیبت میں ڈال سکتا ہوں۔"

میں نے بڑے اطمینان سے کہا "ٹھیک ہے تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ میں ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جا رہا ہوں۔ ہو سکے تو مجھے جانے سے روک دو۔"

یہ آخری جملہ میں نے اُردو زبان میں کہا تھا۔ وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا کیونکہ اب تک وہ مجھے غیر ملکی سمجھ رہا تھا۔ پھر اُس نے تعجب سے پوچھا "کیا ہوا اُردو بول لیتے ہو؟"

"ہاں میں پاکستانی ہوں اور تمھیں پاکستانی کہتے ہوئے مجھے شرم آرہی ہے۔ تم لوگ کیسے لالچی اور..."

وہ بگڑ کر بولا "اے خبردار! مجھے حرام خور کہنا۔ گالی برداشت نہیں کروں گا۔"

"تعجب ہے کہ گالی برداشت نہیں کرتے ہو اور حرام کی کھاتے ہو۔ حرام کھانے والوں کو تو حرام خور ہی کہا جاتا ہے۔ میں نے صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ تم لوگ کیسی دھاندلیاں کرتے ہو، تمھیں دو ہزار روپے دیے تھے۔ میرے سوٹ کیس میں کچھ نہیں ہے۔ میں یہ معلوم کرتا ہوں کہ یہ لوگ تمھارے جیسے ایجنٹوں کو باہر بھیجتے ہیں اور اُن سے سمجھوتہ باہر ہی باہر کر لیتے ہیں کہ اتنی رقم دی جائے گی تو مال کسٹم سے پاس کر دیا جائے گا۔"

اُس نے بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا "تمھارے سوٹ کیس میں کچھ نہیں ہے۔ کیا تم مجھے بیوقوف سمجھتے ہو کہ مجھے تم نے ایسے ہی دو ہزار روپے دے دیے ہوں گے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "مسٹر، وہ دو ہزار روپے اب تمھارے پاس ہیں کہاں؟ میں ایک عمل جانتا ہوں۔ اس عمل کے ذریعے میں نے دو ہزار روپے تم سے واپس لے لیے ہیں۔"

ایسا کہتے وقت میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہ دو ہزار کی گڈی نکال کر اُسے دکھائی۔ اُس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ پھر اُس نے کہا "اچھی بات ہے۔ تم اپنی بات لے کر جاؤ۔ میں دیکھوں گا کہ تم کیسا عمل جانتے ہو۔ یہ رقم تم سے واپس لے کر رہوں گا۔"

میں نے اونہہ کہہ کر حقارت سے اُسے دیکھا۔ پلٹ کر ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں نے اُس کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ ٹیکسی اسٹینڈ پر تقریباً ٹیکسیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ کتنے ہی ڈرائیور میری طرف لپکے "کم آن صاحب، کم آن۔"

وہ لوگ بھی مجھ کو غیر ملکی سمجھ کر انگریزی میں بول کہہ رہے تھے۔

میں نے بھی بگڑے ہوئے انگریزوں کی طرح اُن سے کہا "میں میکلوڈ روڈ جانا چاہتا ہوں۔ میرا ارادہ لاہور ہوٹل میں جانے کا تھا۔" یہ سن کر ایک ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔ "کم آن نفٹی رو پینر، کم آن ففٹی رو پینر۔"

میں نے حیرانی سے اپنی زبان میں پوچھا "پچاس روپے کیا تم لوگ مجھے میکلوڈ روڈ یا لاہور ہوٹل تک پہنچانے کے پچاس روپے لو گے؟"

میری زبان سے اپنی ہی ملک کی زبان سن کر وہ ٹھٹک گیا۔ پھر بولا "بادشاہو، تم تو اپنے ہی بندے ہو، چلو پچاس نہیں چالیس دے دینا۔"

"تمھیں میٹر کے مطابق پیسہ لینا چاہیے تم اتنی زیادہ رقم کیوں بتا رہے ہو؟"

اُس نے کہا "اجی! اگر ہم قانون کی پابندی کریں اور میٹر کے مطابق چلیں تو ہماری زندگی ایک ہی جگہ ٹھہر کر رہ جائے گی۔ ہم یہاں گھنٹوں ہوائی جہاز کا انتظار کرتے ہیں تب کہیں ہمیں ایک پسنجر ملتا ہے۔"

"گھنٹوں کیوں انتظار کرتے ہو۔ تم پاکستانی ہو۔ دوسرے ملکوں کے لوگوں کی طرح وقت کی پابندی سیکھو۔ وقت کے مطابق ایئرپورٹ آؤ۔ وقت کے مطابق دوسرے اسٹاپ سے سواریاں اٹھایا کرو۔ باہر کے ممالک کے ٹیکسی ڈرائیور بھی میٹر سے زیادہ ایک پیسہ بھی نہیں لیتے۔ تم لوگوں کو شرم آنی چاہیے۔ جو غیر ملکی ہمارے ملک میں آتے ہیں وہ تم لوگوں کے ذریعے غلط تاثر لے کر ہمارے ملک سے باہر جاتے ہیں۔"

"باؤ جی تم تو تقریر کرنے لگے۔ اوئے امام دینا۔ یہ سواری پکڑ لے۔ تیرے جیسی ایمان داری کی باتیں کرنے والا پسنجر ہے۔"

اُس کی باتیں سن کر دُور ایک ٹیکسی والا میری طرف چلتا ہوا آیا۔ پھر بولا "آؤ باؤ جی، صد بسم اللہ۔ کہاں جانا ہے میں لیے چلتا ہوں۔"

پہلے ٹیکسی ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے کہا "جاؤ جاؤ یہ امام دینا تمھیں اور زیادہ ایمان داری سکھائے گا، ساری زندگی اسے یاد رکھو گے۔"

میں اُس کے لہجے سے سمجھ گیا کہ امام دینا کوئی بڑا ہی خطرناک قسم کا ٹیکسی ڈرائیور ہے جو مسافروں کو تکلیف پہنچایا کرتا ہوگا اور مسافر اُس سے پناہ مانگتے ہوں گے۔ میں انجان بن کر امام دینا کے پیچھے چلتا ہوا ٹیکسی تک پہنچا۔

اُس نے ڈگی کھول کر میرے سوٹ کیس کو رکھا اور میں گاڑی کے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

جب ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی تب میں نے امام دینا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو میرا خیال غلط نکلا۔ واقعی وہ ایمان دار آدمی تھا اور اس بات پر پریشان ہو رہا تھا کہ وہ مجھ جیسے مسافر کو کس طرح اُس کی منزل تک بخیریت پہنچا دے گا کیونکہ اکثر مسافروں سے ہمدردی کرنے اور اُن سے ایمان داری سے پیش آنے کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دوسرے ٹیکسی ڈرائیور اُسے بدنام کرتے تھے۔ بدنام کرنے کے لیے یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ وہ سواریوں کو اپنے گھر لے جاتا ہے اور اپنی جوان بیٹی اُن کے حوالے کر دیتا ہے۔

ایمان داروں کو بڑی ذلتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پتہ نہیں خدا کی کیا مرضی ہوتی ہے کہ سب سے زیادہ غریب اور ایمان والے ہی آزمائے جاتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ میں اُس کے کس طرح کام آسکتا ہوں۔ کچھ سوچنے کے بعد میں نے اُس سے کہا "امام دین! تم کب سے ٹیکسی چلا رہے ہو؟"

وہ مجھے بتانے لگا کہ تقریباً دس برس سے وہ یہ گاڑی چلا رہا ہے اور مغل پورہ کے ایک محلے میں اپنی جوان بیٹی اور بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔ میں نے کہا "میں یہاں ایک یا دو دن تک رہوں گا اور جب تک یہاں رہوں گا مجھے گاڑی کی ضرورت پڑتی رہے گی۔ کیا تم دن اور رات میرے لیے گاڑی ریزرو رکھ سکتے ہو۔ تمھاری روز کی جو دہاڑی ہوتی ہے اُس سے میں تمھیں کچھ زیادہ ہی دوں گا۔"

"باؤ جی! ہم تو حکم کے بندے ہیں اور آپ مجھے زیادہ کیا دیں گے۔ میں حلال کھانے کا عادی ہوں۔ مجھ سے کسی سے زیادہ رقم لی نہیں جاتی۔ جو میری محنت ہوتی ہے وہی میں وصول کرتا ہوں۔ روز جب ایک سو بیس روپے تک کمائی ہو جاتی ہے تو میں ٹیکسی کھڑی کر دیتا ہوں۔ ساٹھ روپے مالک کو دیتا ہوں، چالیس روپے کا تیل جل جاتا ہے اور بیس روپے میں ہم میاں بیوی اور بچی کا گزارہ ہو جاتا ہے۔ آدمی اگر کرنا چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا لیکن لوگوں کو زیادہ سے زیادہ کمائی کا لالچ پڑ گیا ہے جس کی وجہ سے ہمارے ہاں چوری، بے ایمانی اور اسمگلنگ کا کاروبار زور پکڑتا جا رہا ہے۔"

میں نے اُس کی باتوں سے متاثر ہو کر کہا: "امام دین تم ایک ٹیکسی ڈرائیور ہو۔ دُنیا والوں کی نظروں میں ایک معمولی انسان ہو لیکن تمھاری طرح ہر معمولی آدمی ایماندار بن جائے اور حلال کی روزی پر صبر کر لے تو ہمارے ملک کا بول بالا ہو جائے جو تھوڑے بہت چور، بدمعاش اور لالچی انسان رہ جائیں گے۔ انھیں قانون سیدھا کر لے گا مگر دُکھ کی بات تو یہ ہے کہ قانون کے محافظ بھی مجرموں کی سرپرستی کرتے ہیں افسوس!"

امام دین نے لاہور ہوٹل کے سامنے ٹیکسی کھڑی کر دی۔ پھر وہاں سے اُتر کر اُس نے ڈگی کھولی تاکہ میں اپنا سوٹ کیس نکال سکوں۔ میں نے سوٹ کیس لیتے ہوئے کہا: "تم اپنا میٹر آن رکھو۔ میں ابھی ہوٹل کا کمرہ کرائے پر حاصل کرنے کے بعد واپس آؤں گا تو دوسری جگہ چلوں گا۔ اگر تم چاہو تو کچھ ایڈوانس رقم مجھ سے لے لو۔"

"نہیں باؤجی، میں آدمی کو اُس کی زبان سے پہچانتا ہوں اور مولا کے بھروسے پر دوسروں پر بھروسہ کر لیتا ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ ایسے میں آدمی کو وقتی طور پر نقصان تو پہنچتا ہے مگر اللہ اُس کا صلہ دیتا ہے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "تمھارے جیسا سیدھا سادہ اور ایماندار ٹیکسی ڈرائیور میں نے اور نہیں دیکھا۔"

"نہیں باؤجی، ایماندار لوگ ہیں۔ تھوڑے ہیں، اس لیے نظر نہیں آتے ہیں۔"

میں سوٹ کیس اُٹھا کر ہوٹل کے اندر داخل ہوا۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر میں نے اپنے لیے ایک سنگل کمرہ بک کرایا۔ پھر اس کمرے میں پہنچ کر سوٹ کیس کو رکھا۔ سوٹ کیس میں سے نقد پچاس ہزار روپے نکال کر اپنے سفری بیگ میں رکھے اور سامان کو اٹھا کر واپس ہوٹل کے باہر آ گیا۔ امام دین میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اگلی سیٹ پر اُس کے پاس ہی بیٹھتے ہوئے کہا: "چلو!"

میں نے اُسے بختاور کی کوٹھی کا پتہ بتایا۔ وہ اُس طرف چل پڑا۔ میں نے مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھ لیا تھا۔ وہ ابھی اسلام آباد اور لاہور کے درمیان کار کے ذریعے سفر کر رہی تھی۔ وزیر آباد سے آگے نکل چکی تھی اور کچھ دیر بعد گوجرانوالہ پہنچنے والی تھی۔ یعنی لاہور پہنچنے میں ابھی اُسے ایک ڈیڑھ گھنٹہ لگ سکتا تھا۔ اس سے پہلے میں بختاور تک پہنچنا چاہتا تھا۔

راستے میں امام دین نے کہا: "مجھے ساڑھے پانچ بجے تک اپنے گھر پہنچنا ہے۔ میں نے اپنی گھر والی سے کہا تھا کہ آج اُسے اور اپنی بیٹی کو اُس کی بہن یعنی اپنی سالی کے گھر پہنچا دوں گا۔ وہ ٹیکسی کا انتظار کرتی ہوں گی۔"

میں نے کہا: "تم مجھے اس کوٹھی تک پہنچا کر چلے جاؤ۔ وہاں سے اُن لوگوں کو چھوڑنے کے بعد ہوٹل چلے آنا یا ہو سکے تو اسی کوٹھی کی طرف سے ہوتے ہوئے ہوٹل کی طرف جانا۔ اگر میں کوٹھی کے پاس ہوا تو تمھیں روک لوں گا ورنہ ہوٹل میں ملاقات ہوگی۔"

باتیں کرنے کے دوران میں نے پانچ ہزار روپے کی گڈیاں بیگ سے نکال کر اپنے اور اُس کے درمیان چپ چاپ سیٹ پر رکھ دی۔ جب کوٹھی کے سامنے وہ گاڑی رکی تو میں دروازہ کھول کر گاڑی سے [illegible] پھر باہر نکلتے ہی میں نے امام دین کے دماغ کو پوری طرح کنٹرول میں لیا تو اُس نے اپنے بازو میں رکھی ہوئی نوٹوں کی گڈیوں کو اٹھا کر ڈیش بورڈ کو کھولا اور اس میں رکھ دیئے۔ روپے رکھنے کے بعد ڈیش بورڈ کو بند کر دیا۔ پھر وہ پوزیشن میں آ گیا جس پوزیشن میں میں نے اُس کے دماغ کو کنٹرول میں لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اُس کو آزاد چھوڑ دیا۔ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے وہ بھی ذرا سا چونک گیا کہ ابھی وہ ذہنی طور پر کیسے غافل ہو گیا تھا۔ پھر مجھے دیکھ کر مجھے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا: "پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

میں نے کہا: "اچھی بات ہے، اب تم جاؤ۔ انشاءاللہ یہیں پر ملاقات ہوگی۔ نہ ہو سکے تو ہوٹل میں پہنچ کر انتظار کرنا۔"

وہ وہاں سے گاڑی اسٹارٹ کر کے چلا گیا۔ میں سامنے والی کوٹھی کو دیکھنے لگا۔ وہاں ایک نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ میں نے قریب جا کر پڑھا تو بختاور کا نام لکھا ہوا تھا۔ کوٹھی بہت ہی شاندار تھی۔ احاطے میں باغیچہ بھی بہت خوبصورت تھا۔ رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے لیکن وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔ میں سوچتا ہوا کوٹھی سے ذرا دور جانے لگا کہ بختاور یا اس کوٹھی کے کسی رہنے والے سے کیسے ملاقات کی جائے یا اُن کے [illegible] جائیں اور اُن کے عادات و اطوار کے متعلق کچھ [illegible] تھوڑی دور جانے کے بعد مجھے ایک پھیری والا نظر آیا۔ وہ کینو اور کیلے فروخت کر رہا تھا۔ میں نے اُس سے

کیلوں کی قیمت پوچھی۔ پھر اُسے پچاس روپے کا ایک نوٹ دے کر کہا: "وہ جو سامنے والی کوٹھی ہے اور جس کا نمبر ۳۵ ہے وہاں جا کر پچاس روپے کے پھل دے آؤ۔ باہر باغیچے میں کوئی نہیں ہے۔ اندر جا کر کال بیل کا بٹن دبانا یا دستک دینا۔ گھر کوئی نہ کوئی باہر آئے گا اُسے یہ پھل دے دینا۔"

اُس نے خوش ہو کر کہا کہ ابھی وہ جا کر اس کوٹھی میں پچاس روپے کے پھل پہنچا دے گا۔ میں مطمئن ہو کر آگے بڑھ گیا لہٰذا اس کوٹھی میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا وہ پھل والا پھلوں کا کاغذی تھیلا پکڑے ہوئے کال بیل کے بٹن کو دبا رہا تھا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ ایک بیگم صاحب نے پوچھا: "کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟"

پھل والے نے کہا: "بیگم صاحبہ، یہ آپ کے لیے پھل لایا ہوں۔"

بیگم نے کہا: "ہم نے تو پھل نہیں منگائے اور نہ ہی ہم اُن کی قیمت دیں گے۔"

"مجھے آپ کی کوٹھی کے ایک صاحب نے پھلوں کی قیمت دے دی ہے۔"

بیگم نے حیرانی سے پوچھا: "کس صاحب نے دی ہے۔ کون ہے وہ؟"

"پتہ نہیں بیگم صاحبہ، وہ تو ادھر جا رہے تھے۔ انھوں نے کہا تھا کہ میں یہ پھل آپ کے ہاں پہنچا دوں۔"

بیگم نے ناگواری سے کہا: "ہم کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتے جس نے ہمارے لیے پھل بھجوائے ہوں۔ ہم یہ پھل نہیں لے سکتے۔ انھیں واپس لے جاؤ۔"

"مگر میں انھیں واپس کہاں لے جاؤں۔ وہ صاحب تو پتہ نہیں کہاں نکل گئے ہوں گے اور انھوں نے مجھے پچاس روپے دیئے ہیں۔"

"انھوں نے پچاس دیئے ہوں یا پانچ ہزار۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ چلو جاؤ، بھاگ جاؤ یہاں سے۔ پتہ نہیں کیا بلا اُٹھا کر لے آئے ہو۔ ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

بیگم نے ڈانٹ ڈپٹ کر اُسے وہاں سے بھگا دیا۔ میرا کام بن گیا تھا۔ میں بیگم کے دماغ میں پہنچ چکا تھا۔ انھوں نے پھل والے کو ڈانٹنے کے بعد دروازے کو اندر سے بند کر لیا تھا اور بڑبڑاتی ہوئی ایک بہت بڑے ڈرائنگ روم سے گزر رہی تھیں۔ اوپری منزل کے زینے سے ایک نوجوان لڑکی اُترتی ہوئی آ رہی تھی۔ اُس کی گود میں ایک ننھی سی

دُنیا کے حیرت انگیز فن

تحریر شناسی

کی مدد سے دُوسروں کی شخصیت کو کھلی کتاب کی طرح پڑھیے

اُردو میں پہلی بار

تحریر شناسی کے فن پر ایک نادر اور رہنما کتاب

تحریر اور شخصیت

یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ...

- یہ شخص کس کام کے لیے موزوں ہے؟
- کیا یہ حالات سے لڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟
- کیا اسے جلد غصہ آتا ہے؟
- کیا یہ جھوٹ بولنے کا عادی ہے؟
- کیا اس کے ساتھ شادی کی جا سکتی ہے؟
- کیا اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟
- کیا یہ ایماندار اور ہمدرد ہے؟
- اس کا جنسی رویہ کیسا ہے؟
- اس میں بُرائیاں زیادہ ہیں یا اچھائیاں؟
- اور ایسی دُوسری بہت سی باتیں۔

قیمت ۱۵ روپے
ڈاک خرچ: ۴/ روپے

ہر شخص کے لیے یکساں طور پر کارآمد کتاب۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ نفسیات پوسٹ بکس ۹۴۴ کراچی

بچی تھی۔ اسے دیکھ کر بیگم نے کہا: "بہو! اُدھر اپنے انکل کے کمرے میں نہ جانا۔ وہ مصروف ہیں۔ اگر بچی کو لے جاؤ گی تو وہاں کام میں مداخلت ہو گی۔"

یہ کہہ کر وہ ایک کمرے میں داخل ہوئیں۔ پھر اس کمرے کے دروازے کو بھی اندر سے بند کر دیا۔ اس کمرے میں ایک بوڑھا شخص بیٹھا ہوا شراب سے شغل کر رہا تھا۔ بیگم نے بڑبڑاتے ہوئے کہا: "آپ کو کتنی بار منع کیا ہے کہ اب اس عمر میں تو پینا چھوڑ دیں۔ ایک بیٹے کی شادی ہو گئی۔ بہو آ گئی۔ بہو نے ایک پوتی کو جنم دیا ہے اب وہ بچی بھی کچھ عرصے میں بڑی ہو جائے گی۔ پھر وہ آپ کے متعلق کیا سوچے گی؟"

اس بوڑھے نے ہنستے ہوئے کہا: "بہو تو سمجھ ہی گئی ہے کہ میں روز شام کو اپنے کمرے میں بند ہو کر پیتا ہوں اور تم میری مصروفیت کا بہانہ کر کے اُسے یہاں آنے سے روک دیتی ہو۔ رہ گئی ہماری پوتی تو بڑی ہو کر وہ بھی سمجھ لے گی کہ اُس کے دادا پینے کے عادی ہیں اور جب عادت ہی ٹھہری تو ایسی عادت والوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔"

بیگم ناگواری سے منہ بناتی ہوئی اس کمرے کی ایک کھڑکی کے پاس گئیں اور وہاں کا پردہ تھوڑا سا ہٹا کر کھڑکی کے پار دیکھنے لگیں ادھر پائیں باغ نظر آ رہا تھا۔ وہ کوٹھی کا پچھلا حصہ تھا۔ وہاں کوئی پانچ چھ نوجوان جوڈو کراٹے کی مشق کرنے میں مصروف تھے۔ بیگم نے پلٹ کر اپنے بوڑھے شوہر سے کہا: "میرا بیٹا بہت اچھا فائٹر ہے۔ پانچ پانچ جوانوں سے تنہا مقابلہ کرتا ہے اور ثابت اینٹوں کو ایک ٹھوکر سے توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ ہاتھ کی کھڑی ہتھیلی سے پتھروں کو بھی توڑ دیتا ہے۔"

بوڑھے نے شراب کا ایک گھونٹ پینے کے بعد کہا۔ "وہ صرف تمہارا نہیں میرا بھی بیٹا ہے۔"

بیگم نے آگے بڑھ کر کہا: "ہاں، ہے تو آپ کا بھی بیٹا لیکن اُسکی پرورش میں میرا دخل ہے۔ میں نے اُسے اس قابل بنایا ہے۔ اگر میں اُسے ڈھیل دے دیتی تو وہ آپ ہی کے نقشِ قدم پر چلتا۔ یاد ہے دہلی میں آپ کس طرح طوائفوں کے چکر میں پڑے ہوئے تھے بلکہ میں نے تو سنا تھا کہ کسی طوائف سے شادی بھی کر لی تھی۔"

وہ ڈھٹائی سے بولا: "ہائے بیگم! کیا زمانہ یاد دلایا ہے کاش میری جوانی پھر لوٹ آتی۔ پھر وہی رنگ رلیاں ہوتیں لیکن اب تو تمہاری جیسی بوڑھی بیوی کو بھی حسرت سے دیکھ کر رہ جاتا ہوں اور غم غلط کرنے کے لیے شراب کا سہارا لیتا ہوں۔ بڑھاپے میں بس شراب ہی ساتھ دیتی ہے۔"

بیگم نے ناگواری سے کہا: "ہاں آپ جیسے عیاش لوگ ایسا سوچتے ہیں ورنہ دنیا جہاں کے شریف آدمی اپنی بیویوں کے ساتھ جوانی سے لے کر بڑھاپے تک یوں ہی وقت گزارتے ہوئے اس دنیا سے گزر جاتے ہیں۔"

وہ بوڑھا شرابی بختاور تھا۔ اُس نے اپنی بیگم کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کیونکہ جوانی کے ذکر سے وہ سا[illegible] بانو کے متعلق سوچتا ہوا اُس کی بیٹی تک پہنچ گیا تھا اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اب تک مرجانہ کا پتہ کیوں نہیں چل سکا۔ کرم دین نے اُس سے ملاقات کی تھی اور اُسے بتایا تھا کہ وہ ان دنوں کراچی میں ہے اور کسی وقت بھی کرم دین اُسے لاہور لا سکتا ہے یا بختاور کو کراچی لے جا کر اس کی نشاندہی کرا سکتا ہے۔ کرم دین یہ جھانسہ دے کر اُس سے سو روپے اینٹھ کر لے گیا تھا اور اس کے بعد پھر اسکی شکل نہیں دکھائی دی تھی۔

میں نے اُس کے دماغ سے جو معلومات حاصل کیں وہ یہ تھیں کہ بختاور کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کی شادی ہو گئی تھی اور اسی کی بیوی نے ایک بچی کو جنم دیا تھا۔ یعنی بختاور کی ایک ننھی سی پوتی تھی۔ دوسرا بیٹا ابھی شادی سے انکار کر رہا تھا کیونکہ وہ جوڈو کراٹے کا شوقین تھا اور اس فن میں وہ بلیک بیلٹ حاصل کر چکا تھا۔ تیسری ایک نوجوان لڑکی تھی جو اس وقت کوٹھی میں موجود نہیں تھی۔ اپنی سہیلیوں کے ساتھ کہیں باہر گئی ہوئی تھی اور ڈنر کے وقت سے پہلے لوٹ کر آنے والی تھی۔ میں نے بختاور کا فون نمبر معلوم کیا پھر اُس کے دماغ سے نکل آیا۔

خیال خوانی کے دوران میں آہستہ آہستہ چلتا رہا تھا چلتے چلتے پتہ نہیں کتنی دُور آ گیا تھا۔ پھر وہاں سے لوٹ کر ایک ریستوران میں بیٹھ کر چائے کا آرڈر دیا۔ اس کے بعد مرجانہ کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ وہ اب لاہور پہنچنے ہی والی تھی۔ پچھلی سیٹ پر اپنے خالو کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی جنہیں وہ انکل کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کار چلا رہا تھا۔ اس وقت اُس کے اور انکل کے درمیان اُسی جن کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں جو [illegible] سے اُس پر عاشق ہو گیا تھا۔ اُس کے انکل اس بات سے انکار کر رہے تھے کہ کوئی جن ایسا بھی ہو سکتا ہے جو [illegible] پر عاشق ہو کر اُس کی مدد کر رہا ہو۔ اس سائنسی دور میں ایسی باتیں بڑی مضحکہ خیز لگتی ہیں۔

مرجانہ نے کہا: "انکل میں آپ کو قائل کر دوں گی۔ ذرا صبر کریں۔ وہ جن کسی نہ کسی وقت پھر مجھ سے رابطہ قائم کرے گا تو آپ کو اس کا ثبوت مل جائے گا۔"

اُس کی بات ختم ہوتے ہی میں اُس کے انکل کے دماغ پر قابض ہو گیا پھر بولا: "لو مرجانہ، میں حاضر ہو گیا ہوں تم یاد کرو اور میں نہ آؤں، یہ عشق کی توہین ہے۔"

مرجانہ نے چونک کر اپنے انکل کو دیکھا پھر گھور کر بولی۔ "تم آتے ہی عشق کی باتیں کرنے لگے؟"

میں نے اُس کے انکل کی زبان سے کہا: "خیر تم ناراض ہوتی ہو تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے رفتہ رفتہ تم مجھ سے محبت کرنے لگو گی۔ بہرحال میں اُس وقت کا انتظار کروں گا۔ لو، ابھی میں تمہارے انکل کو کسی نہ کسی طرح ایک جن کے وجود کا یقین دلاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اُس کے انکل اپنی جیبیں ٹٹولنے لگے۔ ایک جیب سے انہوں نے چھوٹی سی نوٹ بک نکالی۔ پھر اپنا قلم نکال کر اس نوٹ بک کے ایک صفحے پر لکھنے لگے: "مائی ڈیئر مرجانہ! میں تمہارا تابعدار جن ہوں اور تمہیں معلومات فراہم کر رہا ہوں کہ بختاور کے دو جوان بیٹے اور ایک جوان بیٹی ہے۔ بڑے بیٹے کی شادی ہو چکی ہے اور اُس کی بیوی نے ایک ننھی سی بچی کو جنم دیا ہے جس کی عمر تقریباً چار ماہ ہے بختاور کا منجھلا بیٹا جوڈو کراٹے کا ماسٹر ہے۔ اُس نے بلیک بیلٹ حاصل کیا ہوا ہے۔ اُس کی جوان بیٹی بہت آزاد خیال ہے اور اس وقت اپنی سہیلیوں کے ساتھ کہیں تفریح کے لیے گئی ہے۔ ڈنر کے وقت تک اپنے گھر واپس آئے گی۔"

یہ باتیں نوٹ بک کے ایک صفحے پر لکھوانے کے بعد میں نے بختاور کا فون نمبر بھی لکھوا دیا۔ پھر اُس کے نیچے لکھوایا: "بختاور سے براہِ راست نہ ٹکرانا۔ خواہ مخواہ قانون کی زد میں آ جاؤ گی۔ ذرا صبر سے اور سہولت سے کام لو۔ تمہارا انتقام پورا ہو گا لیکن سوچ سمجھ کر۔ فی الحال تم اپنے انکل کے ساتھ وہاں جا کر قیام کرو۔ جہاں وہ تمہیں لے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد میں تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

اتنا لکھوانے کے بعد میں اُس کے انکل کے دماغ سے نکل آیا۔ اُس کے انکل کو ایک دماغی جھٹکا سا لگا۔ وہ چونک کر اپنے ہاتھ میں اس چھوٹی سی نوٹ بک اور قلم کو دیکھنے لگے۔ مرجانہ نے مسکرا کر کہا: "انکل آپ کیا دیکھ رہے ہیں میں نے کہا تھا نا کہ جن کا ایک وجود ہے۔ وہ ابھی آپ کے اندر سما گیا تھا اور آپ سے اُس نے کچھ باتیں لکھوائی ہیں۔ لائیے، ذرا دیکھوں تو کیا لکھا ہے؟"

اُن دونوں نے اس نوٹ بک کو اپنے درمیان رکھ کر ایک ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ پھر اُس کے انکل نے حیران ہو کر کہا: "یہاں تو بختاور کے متعلق پوری معلومات لکھی ہوئی ہیں لیکن کیا یہ معلومات صحیح ہو سکتی ہیں؟"

مرجانہ نے یقین سے کہا: "بالکل صحیح ہوں گی۔ سو فیصد صحیح ہوں گی۔ اس جن نے اتنی بار میری مدد کی ہے کہ میں ان معلومات پر شبہ نہیں کر سکتی۔ آپ کو کچھ دیر بعد یا صبح تک پتہ چل جائے گا کہ یہ سب کچھ درست ہے۔"

اُس کے انکل نے حیرانی سے کہا: "کمال ہے۔ اس نوٹ بک کے صفحے پر میرے ہی ہاتھ کی تحریر ہے اور میں اپنی تحریر کو خوب پہچانتا ہوں اُسے میں نے ہی لکھا ہے۔ اگر کوئی جن مجھ میں سما گیا تھا اور اُسی نے یہ سب کچھ لکھا ہے تو مجھے اس پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا ہو گا اور اپنے آپ کو سمجھانا ہو گا کہ اس دنیا میں ایسا بھی ہو سکتا ہے۔"

وہ بولی: "آپ خود کو سمجھاتے رہیں۔ ویسے یہ معلومات حاصل ہوتے ہی مجھے ایک تدبیر سوجھ گئی ہے۔"

"کیسی تدبیر؟"

"یہی کہ جو کچھ میرے ساتھ کیا گیا۔ وہی میں اس بچی کے ساتھ کروں گی۔ جو بختاور کی ننھی سی پوتی ہے۔ میں اُسے اُٹھا کر لے جاؤں گی۔"

اُس کے انکل نے کہا: "بیٹی! یہ غیر قانونی حرکت ہو گی۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔"

"انکل! میرے ساتھ اور میری والدہ کے ساتھ بھی بہت سی غیر قانونی حرکتیں کی گئیں۔ کوئی اُن کو پوچھنے والا اور اُن کی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ انھوں نے جیسی زندگی گزاری ہے، اُس کے متعلق میں سوچتی ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ آپ مجھے نصیحت نہ کریں۔ قانون کا واسطہ نہ دیں۔"

"ٹھیک ہے، میں قانون کا واسطہ نہیں دوں گا لیکن تم اپنی ماں کی ممتا کو سمجھ رہی ہو تو اس عورت کی ممتا کو بھی سمجھو جس کی بیٹی کو تم اُٹھا کر لے جاؤ گی۔"

"میں کسی غلط نیت سے نہیں لے جاؤں گی۔ میرا فرض ہو گا کہ میں اس بچی کی حفاظت کروں۔ اُن لوگوں نے مجھے بے آسرا چھوڑ دیا تھا۔ میری ماں کو مجبور کیا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ دے مگر میں اس بچی کو نہیں چھوڑوں گی۔ اس

"ننھی کے ساتھ انصاف کروں گی لیکن اُس کے بڑوں کی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں گی۔"

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ بیرا میرے لیے چائے لے آیا تھا۔ پینے میں مصروف ہو گیا تھا۔ آدھی پیالی پینے کے بعد ہی میں نے محسوس کیا کہ ریستوران آہستہ آہستہ خالی ہو رہا ہے اور باہر جانے والے لوگ میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا تو ایک لحیم شحیم شخص دونوں ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے کھڑا تھا۔ اُس کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ خونخوار آنکھوں سے وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے دو چمچے کھڑے ہوئے تھے۔

میں اس خونخوار قسم کے بدمعاش کو نہیں جانتا تھا اس لیے میں سر جھکا کر پیالی کی باقی چائے پینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا تو وہ میرے قریب آ چکا تھا اور میز کے دوسری طرف بیٹھتے ہوئے اُس نے ایک لمبا سا چاقو نکال لیا تھا۔

میں نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اُس کا بایاں ہاتھ میز پر رکھا ہوا تھا اور وہ دائیں ہاتھ سے چاقو دکھاتے ہوئے کہہ رہا تھا "مسٹر وہ دو ہزار روپے میرے سامنے رکھ دو اور میری محنت کا صلہ بھی ہزار روپے چاہیے یعنی کل تین ہزار روپے مجھے دے دو۔ تمھاری جان چھوٹ جائے گی۔"

میں نے پوچھا "تم کس بات کے تین ہزار روپے مانگ رہے ہو؟"

"دو ہزار روپے اس شخص کے جسے تم نے ایئرپورٹ پر دھوکا دیا اور اُس سے مال پاکڑا لیا۔ ایک ہزار میرے یعنی یوں سمجھ لو کہ غنڈہ ٹیکس کے ہیں۔ میں اُس کے لیے کام کر رہا ہوں۔ دو ہزار روپے پہنچاؤں گا تو مجھے بھی میری محنت کا صلہ ملنا چاہیے۔"

میں نے پوچھا "اچھا تو تم غنڈہ ٹیکس وصول کرنا چاہتے ہو۔ اگر میں تمھاری مطلوبہ رقم نہ دوں تو؟"

"تو یہاں سے تمھاری لاش اٹھانے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ یہاں اس علاقے میں میرے نام سے دہشت طاری ہو جاتی ہے۔"

اُس کی یہ بات سنتے ہی میں اُس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اُس کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی اوندھی میز پر رکھی ہوئی تھی۔ اُس نے دائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے چاقو کو بھرپور انداز میں اپنی ہتھیلی پر مارا تو چاقو کی نوک ہتھیلی کو پار کرتی ہوئی لکڑی کی میز میں پیوست ہو گئی۔ اُسی وقت میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو اُس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اُس کے ہاتھ سے چاقو کا دستہ چھوٹ گیا تھا۔ دروازے پر کھڑے ہوئے اُس کے دو ساتھی میری طرف لپک رہے تھے۔ میں نے فوراً ہی اُس چاقو کو اپنی گرفت میں لے کر اُس کی ہتھیلی سے باہر نکالا۔ پھر للکارتے ہوئے کہا "خبردار آگے نہ بڑھنا۔ ورنہ میں تمھارے غنڈے استاد کی گردن کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

وہ دونوں سہم کر پیچھے ہٹنے لگے۔ اُسی وقت میں نے پھر بدمعاش کے دماغ پر قابض ہو کر چاقو اُس کی دائیں ہتھیلی میں پیوست کر دیا۔ چاقو اُس کی ہتھیلی کے پار ہو کر پھر لکڑی کی میز میں دھنس گیا۔ اب اُس کی دونوں ہتھیلیاں زخمی تھیں۔ بائیں ہتھیلی سے خون بہہ رہا تھا اور دائیں ہتھیلی چاقو کے ساتھ میز سے چپکی ہوئی تھی۔

میں نے اٹھ کر اپنے شانے سے سفری بیگ کو لٹکاتے ہوئے کہا "اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں سیر پر سوا سیر بھی پیدا کیے ہیں۔ تم جیسے بدمعاشوں کو بدمعاشی کرتے وقت یہ سوچنا چاہیے اور آج کے واقعے سے کچھ عبرت حاصل کرنا چاہیے۔"

یہ کہہ کر میں آگے بڑھنے لگا۔ دونوں بدمعاش تذبذب میں تھے کہ کیا کریں۔ استاد کے پاس جا کر اُس کی جان بچائیں یا مجھ پر حملہ کریں۔ میں نے اُن کے قریب رُک کر کہا "اگر تم دونوں کو بھی حسرت ہے تو مجھ پر حملہ کر کے دیکھ لو۔ میں تم دونوں کا بھی یہی حشر کروں گا۔ ورنہ ایک طرف ہٹ جاؤ اور مجھے راستہ دو۔"

وہ دونوں ایک طرف ہٹ کر تیزی سے اپنے استاد کی طرف جانے لگے۔ میں ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ باہر ہوٹل کا مالک سہما ہوا کھڑا تھا۔ میں نے جیب سے چائے کی قیمت نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھی اور اُس سے کہا "افسوس ہے کہ پولیس اور قانون کے ہوتے ہوئے یہاں ایسے تماشے ہوتے ہیں۔ ویسے کیا آپ مجھے کوٹھی نمبر سولہ کا راستہ بتا سکتے ہیں؟"

ہوٹل کے مالک نے کچھ سوچ کر قریب کھڑے ہوئے ایک رکشہ ڈرائیور کو بلایا اور اُسے اس کوٹھی کا راستہ بتانے کے بعد بولا کہ صاحب کو وہاں تک پہنچا دو۔

میں اُس کا شکریہ ادا کر کے رکشہ میں بیٹھ گیا۔ پھر وہ رکشہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ کوٹھی نمبر سولہ

اس جگہ کا پتہ تھا جہاں ابھی مرجانہ اپنے انکل کے ساتھ پہنچنے ہی والی تھی۔ اِس کوٹھی میں اُس کے انکل کے ایک بھائی صاحب رہتے تھے اور اُن کی فیملی تھی۔ مرجانہ وہیں قیام کرنے والی تھی۔ میں رکشہ میں بیٹھا دائیں بائیں دیکھتا جا رہا تھا۔ میرے ذہن میں اپنے چچا کی کوٹھی کا پتہ محفوظ نہیں تھا۔ ان دنوں میں نے اپنی پھوپھی کو بھی اتنی دولت دی تھی کہ وہ زرینہ کے ساتھ ایک کوٹھی خرید کر رہنے لگی تھیں۔ میں اس کوٹھی کا بھی نمبر اور پتہ بھول گیا تھا۔ اسی لیے میں دائیں بائیں دیکھتا جا رہا تھا۔ اِس خیال سے کہ شاید کوئی ایسی کوٹھی نظر آ جائے جسے دیکھ کر گزری ہوئی کچھ باتیں یاد آ جائیں اور ان یادوں کے حوالے سے میں اُن کوٹھیوں کو پہچان لوں۔

رکشے والے نے مجھے سولہ نمبر کی کوٹھی کے سامنے پہنچا دیا۔ میں نے اُسے منہ مانگا کرایہ دے کر رخصت کر دیا۔ پھر مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر معلوم کرنے لگا کہ اب وہ کتنے فاصلے پر ہے۔ پتہ چلا کہ وہ لاہور شہر میں داخل ہو گئی ہے اور اُن کی گاڑی مال روڈ پر سے گزر رہی ہے۔ میں کوٹھی کے سامنے والے راستے پر ٹہلنے لگا۔ اس وقت میرے دماغ میں میرے رشتے دار اِدھر سے اُدھر بھٹک رہے تھے اور بھٹک بھٹک کر یاد آ رہے تھے۔ جب رشتوں کو یاد کرنے کی بات آتی ہے تو پہلے وہ لوگ یاد آتے ہیں۔ جن سے بے انتہا محبت ہوتی ہے۔ مجھے اپنی پھوپھی سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اس کے بعد ایک بہت ہی پیاری سی شخصیت تھی جسے میں بہت چاہتا تھا اور وہ تھی میری چچازاد بہن شاہینہ۔ شاہینہ کو میں نے گود میں کھلایا تھا۔ ایک ماں کی طرح اُس کی پرورش کی تھی۔ میری چچی اتنی فیشن ایبل تھیں کہ اُسے دودھ نہیں پلاتی تھیں۔ اپنی صحت اور جسم کی خوب صورتی کو برقرار رکھنے کے لیے اُسے میرے پاس چھوڑ کر چلی جاتی تھیں۔ کیونکہ وہ مجھے اپنا بھتیجا نہیں بلکہ ملازم سمجھتی تھیں۔ میں نے کئی برس تک ایک ملازم کی طرح اپنے ہی چچا کے گھر میں زندگی گزاری تھی۔ وہاں میں نے بہت سے ایسے کام کیے جو میرے مزاج کے خلاف تھے۔ ہر ایک کی خدمت کرتا تھا لیکن شاہینہ کے کام آ کر مجھے دلی خوشی ہوتی تھی۔ اس ننھی سی بچی کو میں نے صرف گود میں پالا ہی نہیں تھا بلکہ صبح شام جب بھی اُسے بھوک لگتی اُسے فیڈر سے دودھ پلاتا تھا۔ ایک ماں کی طرح اس کی پرورش کرتا تھا۔ ایک باپ کی طرح اُسے پیار دیتا تھا۔ جب وہ جوان ہوئی تو صرف وہ ایک ایسی ہستی تھی جو مجھے بہن کا پیار دیتی تھی اور میری قدر کرتی تھی۔

افسوس کہ ایسے پیارے پیارے رشتوں کے چہرے اتنے برسوں میں دھندلا گئے تھے۔ اگر اُن کے چہرے واضح ہوتے اُن کی آنکھیں مجھے یاد ہوتیں تو میں ان آنکھوں میں جھانک کر اُن کے دماغوں تک پہنچ جاتا اور اُن سے رابطہ قائم کر لیتا۔

جب تک میں اُن سے دُور رہا۔ سنگدل بنا رہا اور اُن کی یادوں کو اور اُن کی محبت کو ذہن سے جھٹکتا رہا۔ کیونکہ میں ایسی ایسی مہمات سے گزر رہا ہوں کہ اپنے پیاروں کو ان حالات میں بھلانا ہی پڑتا ہے۔ نہ بھلائیں تو اُن کی یادیں عذاب جان بن جاتی ہیں اور مشکل مراحل میں وہ اس قدر یاد آتے ہیں کہ ان مراحل سے گزرنا دشوار ہو جاتا ہے اور انسان پست ہمت ہو کر اپنے رشتوں کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ بہرحال اب لاہور پہنچ کر خصوصاً پھوپھی اور شاہینہ سے ملنے کی بہت زیادہ بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں انھیں کہاں تلاش کروں۔ اس وقت کوئی تدبیر سوچنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ کیونکہ مرجانہ اب بالکل قریب پہنچ رہی تھی۔

میں نے مرجانہ کے انکل کے دماغ پر قابض ہو کر اُس سے کہا "مرجانہ! میں پھر آ گیا ہوں اور تمھیں یہ اطلاع دے رہا ہوں کہ طارق محمود لاہور پہنچا ہوا ہے۔ میں اُسے بھٹکا کر اس کوٹھی کی طرف لے آیا ہوں جہاں تم ابھی پہنچنے والی ہو۔ وہ تمھیں کوٹھی کے سامنے ہی ملے گا۔ میں پھر واپس جا رہا ہوں اور وہاں جا کر طارق محمود کے اندر سما جاؤں گا۔ ہماری ملاقات وہیں ہو گی۔"

تھوڑی دیر بعد ہی اس راستے کے ایک سرے پر اس کار کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں۔ میں کوٹھی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ کار آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی میرے سامنے آ کر رک گئی۔ اُس کا دروازہ کھول کر مرجانہ باہر نکلی پھر بولی "طارق تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

میں نے مسکرا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا "میں طارق نہیں تمھارا وہ ہوں۔"

مرجانہ نے مجھے غصے سے دیکھا۔ پھر جلد ہی اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے بولی "اگر تم کسی انسان کے جسم میں سما گئے ہو تو انسانوں کی طرح گفتگو کرو۔ دیکھو میرے انکل قریب آ رہے ہیں۔ اُن کے سامنے تو عشق نہ جتانا۔ یہ باتیں سمجھانے کی ہوتی ہیں یا خود سمجھنے کی؟"

پھر وہ اپنے انکل سے مخاطب ہو کر بولی "انکل ان

سے ملیے۔ یہ انسان کے رُوپ میں تو طارق محمود ہیں لیکن اس وقت وہی حضرت ہیں۔ جن کی موجودگی کا ثبوت میں آپ کو دے چکی ہوں۔"

اُس کے انکل نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں نے مسکرا کر کہا: "میں ابھی تقریباً گھنٹہ بھر پہلے آپ کے اندر سما گیا تھا اور آپ نے کار میں بیٹھ کر اپنی نوٹ بک میں معلومات لکھی تھیں۔ میں وہی ہوں اور سمجھتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے مل کر خوشی ہوئی ہو گی۔ حالانکہ جن بھوتوں سے مل کر کسی کو خوشی نہیں ہوتی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولے: "بھئی آپ بڑے دلچسپ جن ہیں۔ آپ سے مل کر واقعی خوشی ہو رہی ہے۔ تشریف لائیے اسے اپنا ہی گھر سمجھیں۔"

میں نے ان دونوں کے ساتھ کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوتے ہوئے کہا: "میں ایک شرط پر چل رہا ہوں اور وہ یہ کہ کوٹھی کے اندر آپ جو بھی آپ کے رشتہ دار ہوں، اُن کے سامنے یہ نہ ظاہر کیا جائے کہ میں کوئی جن ہوں۔ میں ——— طارق محمود بن کر ہی۔۔۔ آپ لوگوں سے باتیں کرتا رہوں گا۔ میرا تعارف طارق محمود کی حیثیت سے کرایا جائے۔"

وہ راضی ہو گئے۔ کوٹھی کے اندر اُن کے جتنے رشتے دار تھے طارق محمود کی حیثیت سے اُن سے میرا تعارف کرایا گیا۔ مرجانہ بہت بے چین تھی اور تنہائی میں مجھ سے اور بھی معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی کہ بختاور کے پاس کیسے پہنچا جائے اور اُس کی پوتی کو کیسے حاصل کیا جائے۔ وہ اس سلسلے میں میری مدد بھی حاصل کرنا چاہتی تھی۔ حالانکہ اس کا مزاج ایسا نہیں تھا۔ وہ ایسی خود سر تھی کہ خود ہی سارے کام کر لیا کرتی تھی اور مشکل مراحل سے تنہا گزر جانے کی عادی تھی لیکن میں نے ایک گھنٹہ پہلے اُس کے انکل کے ذریعے نوٹ بک میں یہ لکھوا دیا تھا کہ اُسے دانشمندی سے کام لینا چاہیے اور ابھی بختاور کا سامنا نہیں کرنا چاہیے ورنہ خواہ مخواہ قانونی گرفت میں آ جائے گی۔ اُس کے انکل نے بھی یہی سمجھایا تھا۔ اس لیے وہ مصلحتاً میری مدد حاصل کرنا چاہتی تھی۔

اَب اُس نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ بختاور کی پوتی کو اٹھا کر لے آئے گی اور اُسے بتائے گی کہ اپنے خاندان کی کوئی بچی اغوا کر لی جائے یا ماں سے الگ کر دی جائے تو پورے خاندان والے کتنے بڑے المیے سے دوچار ہوتے ہیں۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ بچی کے غائب ہونے سے کیا ردِعمل ہوتا ہے۔

مرجانہ کو کچھ دیر تک رشتے داروں کے درمیان بیٹھنا پڑا۔ ایک بزرگ بتا رہے تھے کہ اب سے تقریباً کوئی اٹھارہ برس پہلے کرم دین اُن کے ہاں آیا کرتا تھا اور ہر ماہ مرجانہ کی پرورش کے سلسلے میں پانچ سو روپیہ لے جایا کرتا تھا۔ مرجانہ یہ باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ کیونکہ وہ بھی بچپن میں لاہور شہر ہی میں پلی بڑھی۔ پرورش پاتی رہی تھی لیکن اُسے یہ نہیں معلوم تھا کہ کرم دین یہیں اسی کوٹھی میں آ کر اُس کے نام پر پیسے اینٹھتا رہتا تھا۔

رات کے کھانے تک باتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ کرم دین سے باتیں شروع ہوئی تھیں۔ بختاور تک پہنچ گئیں۔ اُن کے رشتہ داروں نے پوچھا کہ اب مرجانہ کا کیا ارادہ ہے۔ مرجانہ کے انکل نے کہا: "ارادہ بڑا ہی خطرناک ہے۔ جو سلوک مرجانہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ وہی سلوک مرجانہ اُن کے ساتھ کرنا چاہتی ہے۔ بختاور کے خاندان میں ایک ننھی سی بچی ہے جو بختاور کی پوتی ہے۔ مرجانہ اُس بچی کو اُٹھا کر یہاں لانا چاہتی ہے اور یہاں کچھ عرصے چھپا کر رکھنا چاہتی ہے اور یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ اُس بچی کے غائب ہونے سے وہاں کیا ردِعمل ہوتا ہے۔ مرجانہ بختاور کو ایک عبرت ناک سبق سکھانا چاہتی ہے۔"

اس کوٹھی میں رہنے والی عورتوں نے دبی زبان سے اعتراض کیا کہ ایک بچی کو اُس کی ماں سے جُدا نہیں کرنا چاہیے۔ وہاں بھی مرجانہ نے یہی دلیل پیش کی: "جو بوتا ہے ویسا ہی کاٹتا ہے۔ انھوں نے میری ماں سے جُدا ہونے پر مجبور کیا تو کیا میں اُن کے ساتھ وہی سلوک نہیں کر سکتی۔ اگر نہیں کر سکتی اور یہ غیر انسانی سلوک ہے تو پھر میرے ساتھ ایسا کیوں کیا گیا۔ جب تک ظالموں کو احساس نہ دلایا جائے اور اُن کی غلطیوں کو ان کے ہی آگے نہ دہرایا جائے، اس وقت تک انھیں عقل نہیں آئے گی اور میں کونسا اس بچی پر ظلم کرنے جا رہی ہوں۔ میں اتنی سنگدل نہیں ہوں۔ میں اِس بچی کو یہاں لا کر آپ ہی لوگوں کے حوالے کروں گی۔ یہیں وہ بچی رہے گی تو آپ دیکھ لیجیے گا کہ اس کے ساتھ میں کتنی محبت سے پیش آتی ہوں جتنا تو اس بچی کے بڑوں سے ہے۔"

کھانے کے بعد میں سگریٹ سلگاتا ہوا باہر آ گیا۔

میں بختاور کے دماغ میں جھانکنے لگا اور اُس کے پورے خاندان کے افراد کو دیکھنے لگا۔ وہ لوگ اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ہوئے رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ بختاور کی جوان بیٹی بھی واپس آ گئی تھی اور وہ سب ہنس بول رہے تھے۔ ڈائننگ ٹیبل کے ایک گوشے میں بختاور بیٹھا ہوا ذرا چُپ چُپ سا تھا۔ بہو اور بیٹی کے سامنے شراب پینے کے بعد وہ بہت کم بولتا تھا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلا جاتا تھا۔ یہ اُس کی روز کی عادت تھی۔ میں فرداً فرداً وہاں ہر ایک کے لب و لہجے کو یاد کر کے ہر ایک کے دماغ میں پہنچنا چاہتا تھا تاکہ وقتِ ضرورت اُن تک پہنچ سکوں۔ بختاور اور اُن کی بیوی تک میں پہنچ ہی چکا تھا۔ اُن کے بعد میں نے اُن کے چھوٹے بیٹے کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ وہی لڑکا تھا جس نے جوڈو کراٹے میں بلیک بیلٹ حاصل کیا تھا اور اچھا خاصا خطرناک فائٹر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد میں نے اُس کی نوجوان بہن کے دماغ میں پہنچ کر اُس کے خیالات پڑھے۔ وہ ماڈرن قسم کی لڑکی تھی اور کچھ مغرور بھی تھی لیکن اپنی بھابی سے بہت پیار کرتی تھی۔ میں اُس کی بھابی یعنی بختاور کی بہو کے دماغ میں پہنچنا چاہتا تھا لیکن وہ وہاں سے اُٹھ کر جا چکی تھی۔ کیونکہ کمرے میں چھوٹی بچی رو رہی تھی اور اُس کا شوہر بھی اُٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ دو میاں بیوی ایسے تھے کہ جن کے دماغوں تک میں اس وقت نہ پہنچ سکا۔

پھر اُسی وقت مرجانہ میرے پاس آ گئی۔ اُس نے مجھے تنہا دیکھ کر کہا: "کیا، تم میرے انتظار میں کھڑے ہو؟"

"میں انتظار نہ بھی کروں، تب بھی تم میری تلاش میں یہاں آئی ہو، کیا یہ جھوٹ ہے؟"

وہ مسکرا کر بولی: "تم واقعی دل کی باتیں سمجھ لیتے ہو۔ بہرحال میں یہ پوچھنے آئی ہوں کہ بختاور کے گھر تک کیسے پہنچا جائے، کیا تم اس کوٹھی تک پہنچ سکتے ہو؟"

"ہاں پہنچ بھی سکتا ہوں اور تمھیں پہنچا بھی سکتا ہوں اور تمھارے لیے وہاں سے اِس بچی کو اٹھا کر لا بھی سکتا ہوں میں تمھارے لیے کیا نہیں کر سکتا۔ کاش کہ تم میرے لیے کچھ کر سکو۔"

"میں تمھارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟"

میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا: "محبت!"

وہ پھر غصے سے تلملا گئی اور مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

"کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ میں تمھارا منہ نوچ لوں مگر پھر یہ سوچ کر چپ رہنا پڑتا ہے کہ تم اپنے منہ سے نہیں بول رہے ہو۔ افسوس میں اس وقت بہت مجبور ہوں اور تم سے دشمنی مول نہیں لے سکتی۔ کیا تم کوئی دوسری بات نہیں کر سکتے؟"

"میرے پاس محبت کے سوا اور کوئی دوسری بات نہیں ہے۔ یہی محبت ہے جو مجھے تمھارے پاس کھینچ کر لے آئی ہے۔ کاش کہ تم آئینہ دیکھ کر یہ سمجھ سکتیں کہ تم ایک خطرناک فائٹر ہونے کے ساتھ ایک بے حد حسین لڑکی بھی ہو اور کسی کے بھی دل پر حکومت کر سکتی ہو۔"

وہ ہونٹوں کو بھینچ کر پھر ایک گہری سانس چھوڑ کر بولی: "میں تم سے جھگڑا نہیں کرنا چاہتی۔ خدا کے لیے میری تعریفیں نہ کرو۔ میں اُن لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی تعریفیں سُن کر خوش ہو جاتی ہیں۔ مجھے مرد کہو تو میں خوش ہو جاؤں گی۔ عورت سمجھ کر تعریف کرو گے تو تمھیں اپنا دشمن سمجھوں گی۔ بہرحال ہم موضوع سے ہٹ کر باتیں کر رہے ہیں۔ ہمیں اِس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اس بچی کو کس طرح یہاں لا سکتے ہیں؟"

میں نے کہا: "یہ میرا کام ہے۔ تم میرے ساتھ وہاں تک چلنا اور اس بچی کو لے کر چلی آنا۔ نہایت آسانی سے سارا کام ہو جائے گا یہ بہت بڑا مسئلہ نہیں ہے۔"

وہ چند لمحوں تک مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی: "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ہمیشہ کے لیے میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ مجھ سے دور چلے جاؤ۔ کبھی میری مدد کے لیے نہ آؤ۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا: "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اتنا زبردست کام کرنے کے لیے جا رہی ہو۔ میری مدد کے بغیر کوئی قدم اُٹھاؤ گی تو قانون کی گرفت میں آ جاؤ گی یا دشمنوں کے چنگل میں پھنس جاؤ گی۔"

وہ اونہہ کہہ کر بولی: "تم کیا مجھے بزدل، کم ہمت اور ڈرپوک سمجھتے ہو۔ اگر تم نہ ہوتے تو کیا میں یہ کام انجام نہیں دے سکتی تھی؟ کیا مجھ میں صلاحیتیں نہیں ہیں؟"

"میں اتنا جانتا ہوں کہ تم میری مدد کے ذریعے خوشبو کے جزیرے سے واپس آئی تھیں اور میری مدد کے بغیر کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکتیں۔ ادھر بختاور کے گھر جاؤ گی تو کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گی۔"

اُس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "آؤ شرط لگاؤ۔ اگر میں تنہا وہاں جا کر اس بچی کو لے آؤں اور

بختاور کے ساتھ وہی سلوک کروں جو میرے ساتھ کیا گیا ہے اور اُسے ایک عبرتناک سزا دیتی رہوں تو وعدہ کرو کہ تم ہمیشہ کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو گے۔"

"میں جینا چھوڑ سکتا ہوں۔ تمھیں نہیں چھوڑ سکتا۔ تم خواہ مخواہ شرط نہ لگاؤ۔ اگر تم میری مدد قبول نہیں کرو گی تب بھی میں چپ چاپ تمھارے کام آتا رہوں گا۔ میں کبھی یہ برداشت نہیں کروں گا کہ تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ اور میں خاموش تماشائی بنا رہوں۔"

وہ غصے سے طنطناتی ہوئی کوٹھی کے اندر چلی گئی۔

اس وقت مجھے وہ ٹیکسی ڈرائیور امام دین یاد آگیا۔ میں نے اُس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ ہوٹل کے سامنے ٹیکسی روکے میرا منتظر تھا۔

میں نے اُس کے خیال کو ٹیکسی کے ڈیش بورڈ کی طرف منتقل کیا تو وہ کچھ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ پتہ نہیں وہ پانچ ہزار روپے ڈیش بورڈ میں کہاں سے آ گئے تھے۔ میں نے ونڈ اسکرین کو صاف کرنے کے لیے ایک صافی ڈیش بورڈ کے اندر رکھی تھی۔ جب میں نے صافی نکالنے کیلئے اُسے کھولا تو روپے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ دماغ پر بہت زور دیا کہ یہ روپے کہاں سے آسکتے ہیں۔ کیا کسی مسافر نے بھول سے رکھ دیے ہیں لیکن میرا دماغ کہتا ہے کہ کوئی مسافر ایسا نادان یا بیوقوف نہیں ہوگا کہ روپے اپنی جیب میں، اپنے پرس میں یا اپنے بیگ میں رکھنے کے بجائے میرے ڈیش بورڈ میں رکھے۔ پھر یہ خیال آتا ہے کہ یہ چوری کی رقم ہو اور کسی مسافر نے اپنے آپ کو گرفت سے بچانے کے لیے روپے میرے ڈیش بورڈ میں چھپا دیے ہوں۔"

پانچ ہزار روپے پانے کے بعد بھی اُس کا دماغ نہیں ڈگمگایا تھا۔ وہ اس کھوج میں تھا کہ وہ روپے کس کے ہو سکتے ہیں اور وہ اُن روپوں کو کس طرح اُن کے مالک تک پہنچا سکتا ہے۔ وہ سوچنے لگا "میری گھر والی ضد کر رہی ہے کہ یہ اللہ کی دین ہے۔ اُس نے دیا ہے تو ہمیں رکھ لینا چاہیے۔ اتنے روپے سے ہم اپنی بیٹی کی شادی دھوم دھام سے کر سکتے ہیں لیکن میں ڈرتا ہوں۔ پتہ نہیں، یہ روپے حرام کے ہیں یا حلال کے۔ کہاں سے آئے ہیں، کس نے رکھ دیے ہیں۔ اللہ کی دین یوں نہیں ہوتی۔ وہ محنت کرنے والوں کو دیتا ہے اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر مانگتے رہنے سے کبھی روپوں کی بارش نہیں ہوتی۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔ پھر آج کیسے ہو گیا؟"

میں اس کی سوچ میں اُسے قائل کرنے لگا کہ وہ روپے اُسے رکھ لینے چاہئیں۔ بہت دیر تک میں اس کے ساتھ اُلجھا رہا اور وہ انکار کرتا رہا۔ آخر میں نے کسی حد تک اُسے قائل کر دیا کہ وہ یہ روپے کچھ عرصے تک امانت کے طور پر اپنے پاس رکھے گا۔ اگر اُس کا کوئی دعوے دار پیدا نہ ہوا تو پھر وہ اس رقم کو اپنی بیٹی کی شادی میں صرف کرے گا۔ اس بات کے لیے وہ راضی ہو چکا تھا۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔

آدھی رات کے بعد مرجانہ نے اپنا لباس تبدیل کیا۔ ایک پتلون اور بنیان پہن لی تاکہ چلنے پھرنے اور بھاگنے دوڑنے میں آسانی رہے۔ میں اس کے ساتھ کار میں بیٹھ کر اس کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کار میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کوٹھی کے قریب پہنچ کر میں نے اُسے بتایا "دیکھو، یہی وہ کوٹھی ہے۔ میں گاڑی کو گھما کر یہاں کھڑی کرتا ہوں، تم یہاں بیٹھی رہنا۔ میں اپنا کام کر کے آجاؤں گا۔"

اُس نے سختی سے کہا "نہیں، تم نہیں جاؤ گے، میں جاؤں گی اور تم یہاں بیٹھے رہو گے۔ میں تمھیں دکھانا چاہتی ہوں کہ یہ کام میں بھی کر سکتی ہوں۔"

میں نے کار کو ایک یوٹرن دے کر کوٹھی کے سامنے روک دیا اور اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھا رہا۔ مرجانہ کار سے نکل کر کوٹھی کے احاطے کی طرف جانے لگی۔ میں نے بختاور اور اُس کی بیوی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو بختاور سو چکا تھا اور اُس کی بیوی کھڑکیاں اور دروازے بند کر رہی تھی۔ جب مرجانہ کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی تو اس وقت بختاور کی بیوی بیرونی دروازے کو بند کرنے آ رہی تھی۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ پھر اُسے گھما کر اُس کے کمرے میں پہنچا دیا تاکہ وہ دروازہ بند نہ کر سکے۔ ادھر مرجانہ اپنے پرس میں تالا کھولنے کا سامان لے کر آئی تھی لیکن جب وہ دروازے پر پہنچی تو اُسے حیرانی ہوئی کہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دبے قدموں چلتی ہوئی اُس دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ سامنے ایک بہت بڑا ڈرائنگ روم تھا اور ایک زینہ اُوپر کی طرف چلا گیا تھا۔ میں اُسے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ بختاور کی بہو اور بیٹا اُوپر والے کمرے میں رہتے ہیں۔ بچی بھی انھی کے پاس ہی ہوگی۔

وہ دبے قدموں چلتے ہوئے ڈرائنگ روم کو عبور کرتے ہوئے زینے تک پہنچ گئی۔ پھر زینے پر بھی دبے قدموں چڑھنے لگی۔ اُس نے سر پر ایک کالی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ اُس

ٹوپی کو سامنے کی طرف کھینچ دینے سے وہ نقاب بن جاتی تھی۔ زینے پر چڑھتے وقت اُس نے اس ٹوپی کو کھینچ کر نقاب بنا لیا تھا اور اپنے چہرے کو چھپا لیا تھا تاکہ کسی سے سامنا ہو تو کوئی اس کو قانون کے سامنے شناخت نہ کر سکے۔

وہ اُوپر پہنچ گئی۔ اُوپر ایک کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر اُس نے دیکھا۔ ایک اچھا قد آور، لحیم شحیم نوجوان بستر پر سو رہا تھا۔ زیرو پاور کی روشنی میں وہ دھندلا دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔ مرجانہ نے اندازہ لگایا کہ وہی نوجوان جوڈو کراٹے کا ماہر ہے۔ وہ دبے قدموں وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ دوسرے کمرے کی کھڑکی سے اُس نے جھانک کر دیکھا تو ایک بڑے سے پلنگ پر میاں بیوی سو رہے تھے اور بیوی کے پاس ہی ایک چھوٹی سی گٹھڑی پڑی ہوئی تھی۔ یقیناً وہ گٹھڑی ننھی سی بچی تھی جسے ڈھانپ کر سلایا گیا تھا۔

مرجانہ نے اپنے پرس میں سے ایک چھوٹا سا تار نکالا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اس تار کی مدد سے دروازہ کھولنا چاہتی تھی۔ خواہ مخواہ اتنی تکلیفیں برداشت کر رہی تھی۔ اگر وہ میری مدد قبول کر لیتی تو میں اس گھر کے مکینوں کے ذریعے ہی تمام دروازوں کو کھلوا سکتا تھا جیسا کہ بیرونی دروازے کو میں نے بیگم کے ذریعے کھلوایا تھا لیکن وہ میری مدد حاصل نہیں کرنا چاہتی تھی اور اس وقت میری مجبوری یہ تھی کہ میں اس کمرے میں سونے والے میاں بیوی کے دماغ تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ اُن کے لب و لہجے کو سنا نہیں تھا ورنہ میں انھیں ٹریپ کرنے کے بعد دروازہ کھلوا دیتا۔

بہرحال ذرا سی کوشش کے بعد مرجانہ نے دروازے کو کھول لیا۔ بڑی شاطر اور ضدی لڑکی تھی۔ جس بات کا ارادہ کرتی تھی، اُسے پورا کر کے ہی رہتی تھی۔ وہاں بھی کمرے میں پہنچنے کے بعد وہ پاؤں دبا دبا کر چلتے ہوئے بستر تک پہنچ گئی۔ پھر اُس نے آہستگی سے بچی کو اُٹھا لیا۔ بچی ذرا سا کسمسائی مگر گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ صرف وہی نہیں بلکہ ماں باپ بھی گہری نیند سو رہے تھے۔ وہ ایسی ہی دبے قدموں چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ پھر وہ زینے کے اُوپری حصے تک پہنچی۔ اسی وقت جانے کیسے وہ بچی اُٹھ گئی اور رونے لگی۔ اُس کے رونے کی آواز رات کے سناٹے میں گونجنے لگی۔

مرجانہ بدحواس ہونے والی لڑکی نہیں تھی لیکن اب دبے قدموں چلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اُسے تیزی سے زینے اُترتے ہوئے دوڑنے کی ضرورت پیش آئی۔ دوڑنے کے دوران قدموں کی چاپ بھی گونجنے لگی۔ بچی کا شور اور قدموں کی دھمک ایسی تھی کہ بیگم اپنے کمرے سے دوڑتی ہوئی باہر آئیں۔

ایک بھاگنے والی نقاب پوش عورت کی گود میں بچی کو دیکھ کر وہ چیخنے چلانے لگیں اور اُس کے پیچھے دوڑنے لگیں لیکن اس کے قریب پہنچنے سے پہلے مرجانہ کوٹھی سے باہر آ گئی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی میں نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ وہ دوڑتے ہوئے کار کی پچھلی سیٹ کی طرف گئی اور دروازہ کھولتے ہوئے بولی "چلو۔"

میں نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کوٹھی کی طرف دیکھا تو بیگم چیختی چلاتی باہر آ گئی تھیں۔ اسی وقت اُوپری منزل سے کسی نے چھلانگ لگائی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہی بلیک بیلٹ والا نوجوان ہوگا۔ کار ڈرائیو کرنے کے دوران میں نے اس بلیک بیلٹر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو واقعی وہی تھا اور تیزی سے دوڑتا ہوا گیراج میں پہنچ گیا تھا اور کار میں بیٹھ کر اُسے اسٹارٹ کرتے ہوئے ریورس کر رہا تھا اور اُسے کوٹھی کے احاطے سے باہر نکال رہا تھا۔

میں نے مرجانہ سے کہا "بچی کو فوراً چپ کراؤ۔ وہ کوٹھی والا نوجوان ہمارا تعاقب کر رہا ہے اور وہ کسی وقت بھی کار کی رفتار بڑھا کر ہماری کار کے قریب آسکتا ہے۔ بچی کے چیخنے چلانے سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ اغوا کی جانے والی بچی اسی کار میں ہے۔"

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی بچی کو چپ کرانے کی کوشش کرنے لگی۔ کبھی ہو ہو کبھی ہا ہا کی آوازیں نکالنے لگی اور کبھی پریشان ہو کر کہنے لگی "اب چپ بھی ہو جاؤ، خدا کے لیے رونا بند کرو۔ جتنا رونا ہے، گھر پہنچ کر رو لینا۔ میں تمھیں وہاں لے جا کر فیڈر سے دودھ پلاؤں گی، جھولا جھلاؤں گی۔ بہت اچھی بیٹی ہے۔ شاباش چپ ہو جاؤ۔"

میں نے اگلی سیٹ سے کہا "بچے زبان نہیں سمجھتے۔ وہ تمھاری بات بھلا کیا سمجھے گی۔ اُسے کسی اور طرح سے چپ کراؤ۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ وہ تعاقب کرنے والا ہماری کار کے قریب آجائے۔ میری کوشش تو یہی ہے کہ میں اُسے ڈاج دینے کی کوشش کروں۔ اسی لیے میں مختلف گلیوں سے گزر رہا ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ

بچے کیسے چپ کرائے جاتے ہیں۔ میں نے کبھی کسی بچے کو گود میں لے کر نہیں کھلایا ہے۔"

میری نظریں ونڈ اسکرین کے پار تھیں۔ میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ گیئر بدل رہا تھا اور بولتا بھی جا رہا تھا۔ "بیشک تم نے کسی بچی کو گود میں نہیں کھلایا ہوگا لیکن عورتوں کی کچھ تو سوجھ بوجھ تم میں ہوگی کہ بچوں کو کس طرح گود میں لیا جاتا ہے اور روتے ہوئے بچوں کو کس طرح ہنسایا جاتا ہے یا چپ کرایا جاتا ہے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی اچانک بچی چپ ہوگئی۔ میں نے تھوڑی دیر تک انتظار کیا کہ شاید وہ دوبارہ روئے گی لیکن وہ خاموش رہی۔ میں نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ چپ کیسے ہوگئی۔ تعجب ہے، تم نے کیسے اسے چپ کرالیا؟"

وہ پچھلی سیٹ سے مجھے ذرا ڈانٹ کر بولی۔ "بس تم کار ڈرائیو کرتے رہو اور پیچھے پلٹ کر نہ دیکھنا۔"

بچی حیرت انگیز طور پر یوں چپ ہوگئی تھی جیسے کار کی محدود فضا میں اُسے اُس کا پسندیدہ کھلونا مل گیا ہو یا اچانک اُس کی بھوک مٹا دی گئی ہو یا کسی نہ کسی طرح اُس کی ضد پوری کر کے اُسے بہلا دیا گیا ہو۔ مرجانہ نے بڑی سختی سے مجھے پیچھے پلٹ کر دیکھنے سے منع کیا تھا۔ میں نے سوچا کہ عقب نما آئینے کا رُخ بدل کر دیکھوں۔ پھر میں نے ارادہ بدل کر ٹیلی پیتھی کے آئینے میں دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اُس نے بچی کو سینے سے چمٹا رکھا تھا۔

مرجانہ کے سامنے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اُسے مجبوراً ایسا کرنا پڑا تھا لیکن ایسا کرنے کے بعد وہ عجیب سی جذباتی الجھنوں میں گرفتار ہوگئی۔ اُسے عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ بچی نے اُس کے سینے سے لگ کر اُس کے اندر کی عورت کو جھنجوڑنا شروع کر دیا تھا۔ مرجانہ فطرتاً عورت کم اور مرد زیادہ تھی یعنی اُس کے مزاج میں عورت پن نہیں تھا۔ اگر ہوگا بھی تو اُس کے اندر کہیں تہہ بہ تہہ چھپا ہوگا جو کہ آج ایک ننھی سی بچی کے ذریعے ظاہر ہو رہا تھا۔

وہ لڑکی جو ابھی ماں نہ بنی ہو اور شادی بھی اُس کی نہ ہوئی ہو، ایسی صورت میں اُسے زندگی کے کسی موڑ پر ماں کا رول ادا کرنا پڑے اور ایک بچی کو چپ کرانا پڑے اور اُسے اپنے سینے سے لگانا پڑے اور اپنی سوئی ہوئی ممتا کا دروازہ کھول دینا پڑے تو اس کے کیا احساسات اور تاثرات ہوتے ہیں۔ ان باتوں کو وہی لڑکی سمجھ سکتی ہے۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ بچی کو جنم دینے والی ماں نے اب تک اُسے اپنے سینے سے لگا کر دودھ پلایا ہوگا۔ مرجانہ اُسے اپنے دل کی دھڑکنیں پلا رہی تھی۔

ایسے موقع پر میں مرجانہ کو چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کے اندر کے عورت پن کو بیدار رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے راستہ بدل دیا۔ کوٹھی کی طرف جانے کے بجائے ایک لمبے راستے پر ہولیا تاکہ زیادہ سے زیادہ مرجانہ کو اس بچی کے ساتھ لگے رہنے کا موقع ملے۔

اس وقت وہ بچی دو ماؤں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ ایک ماں تو اُس کی اپنی تھی۔ بختاور کی بہو جو ممتا سے مجبور ہو کر اُدھر تڑپ رہی ہوگی۔ اِدھر مرجانہ تھی جو ماں نہیں تھی اور جو ماں کے جذبوں کو اب سمجھنے لگی تھی۔ عورت کیا ہوتی ہے؟ اس کے اندر سے اس سوال کا جواب اُبھر رہا تھا اور وہ اس جواب کو تسلیم کر رہی تھی کہ عورت خواہ کتنی ہی کوشش کرے۔ وہ مرد کا لباس تو پہن سکتی ہے۔ مرد کے انداز میں بول سکتی ہے۔ مرد کے انداز میں چل سکتی ہے، مرد کے انداز میں جوڈو کراٹے سیکھ کر بلیک بیلٹ حاصل کر کے فولادی جسم بنا سکتی ہے لیکن اپنے اندر کے عورت پن کو کچل نہیں سکتی۔ زندگی کے کسی نہ کسی مقام پر نسوانیت اُبھر ہی آتی ہے۔

میں مرجانہ کو اُس کے حال پر چھوڑ کر بختاور کے ہاں پہنچ گیا تاکہ دوسری ماں کے تڑپنے کا اندازہ کر سکوں۔ بختاور، اُس کی بیوی، اُس کا بیٹا، اُس کی بہو سب کے سب ڈرائنگ روم میں آکر جمع ہوگئے تھے اور اس بات پر تبصرہ کر رہے تھے کہ وہ بچی کیوں اغوا کی گئی؟ کون اُسے لے گیا ہے۔ آخر بچی کو چرانے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ جبکہ آنے والا چور یا آنے والی چور اُس کے گھر سے قیمتی سامان چرا کر لے جا سکتی تھی۔

وہ لوگ آپس میں بحث کر رہے تھے اور اس بات کی اُمید رکھتے تھے کہ اُن کا فائٹر بیٹا اس بچی کو واپس لے آئے گا لیکن ماں کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ بختاور کی بہو رو رو کر اپنا بُرا حال کر رہی تھی۔ فریاد کر رہی تھی۔ بین کر رہی تھی۔ میں نے بختاور کے دماغ کے ذریعے اُس کی آواز، اُس کے لب و لہجے کو سُن لیا۔ پھر اُس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کا دماغ میرا جانا پہچانا ہے۔ اُس کے لب و لہجے کو میں پہچانتا ہوں لیکن بھول چکا ہوں۔

میرے اندر اضطراب پیدا ہونے لگا۔ آخر بختاور کی بہو کون ہے؟ میں یہ جلد از جلد معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے میں بختاور کے بڑے بیٹے کے دماغ میں پہنچا تو پتہ چلا کہ اُس کا نام زبیر ہے۔ زبیر کا نام سُنتے ہی میرے اندر ہلکی سی تھرتھراہٹ پیدا ہوئی۔ پھر میں نے زبیر کے دماغ سے جیسے ہی شاہینہ کا نام سُنا، یک بیک میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ گاڑی پھر آگے نہیں بڑھتی، اچانک ہی ایک جھٹکے سے رُک گئی۔ پچھلی سیٹ سے مرجانہ نے چیخ کر پوچھا۔ "یہ کیا حرکت ہے تم نے اس طرح گاڑی کیوں روک دی؟"

میں جیسے مرجانہ کی آواز نہیں سُن رہا تھا۔ وہ اپنی لاڈلی بہن شاہینہ کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ وہ میرے چچا کی لڑکی تھی اور وہ ہستی تھی جسے میں نے گود میں کھلایا تھا۔ جسے میں نے سینے سے لگا کر فیڈر سے دودھ پلایا تھا۔ وہ میری گود میں پلی تھی اور آج میں نے اُس کی گود اُجاڑ دی تھی۔ یہ ایسا زبردست المیہ تھا اور ایسا جھنجوڑ دینے والا واقعہ تھا کہ میں تھرّا کر رہ گیا۔ اپنے آپ میں نادم ہو کر فوراً ہی میں نے یو ٹرن لیا اور اسی کوٹھی کے راستے پر گاڑی کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

مرجانہ پوچھ رہی تھی کہ اب تم کہاں جا رہے ہو لیکن میں جیسے اپنے آپ میں نہیں تھا۔ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ اور ڈرائیونگ کرتا جا رہا تھا۔ "وہ میری بہن ہے۔ وہ میری عزیز ترین ہستی ہے۔ وہ پہلی لڑکی ہے جس سے مجھے خونی رشتوں کی محبت ملی۔ جسے میں نے ماں کا اور باپ کا پیار دیا۔ اُس نے مجھے بیٹی اور بہن کی محبت دی۔ میں نے آج اُس کی گود اُجاڑ دی ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ تم ابھی اور اسی وقت اس بچی کو اُس کی گود میں پہنچاؤ گی۔"

پچھلی سیٹ سے مرجانہ کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہی تھی۔ "کیا تم جن نہیں ہو؟"

"ہاں ہاں، میں جن ہوں۔ تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟"

ایسا کہتے وقت میں ذرا سا گھبرا گیا تھا کہ پتہ نہیں میں نے شاہینہ کی محبت میں اور جذبات کی رو میں بہہ کر کیا کچھ کہہ دیا تھا۔ وہ مجھے یاد نہیں رہا تھا۔

مرجانہ نے پوچھا۔ "اگر تم جن ہو تو بختاور کی بہو تمہاری بہن یا بیٹی یا جو کچھ بھی ہو۔ اُس سے رشتہ کیسے ہوگیا؟ کیا اس بچی کی ماں جنات کی فیملی سے ہے؟"

میں چکرا کر رہ گیا۔ اس وقت شاہینہ کی محبت، اُس کے آنسو اور اُس کی ممتا کی تڑپ مجھے ایسے کھینچ رہی تھی کہ میرا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ سارا دھیان اس کی طرف لگا ہوا تھا۔ مجھ سے فوراً ہی کوئی ایسا جواب نہ بن پڑا کہ جس کے ذریعے میں مرجانہ کی تسلی کر دوں۔ بنکاک میں جب میں نے طارق محمود کا روپ اختیار کیا تھا، تب سے بڑی کامیابی کے ساتھ فرہاد کی شخصیت کو چھپاتا آرہا تھا۔ اس دوران صرف ممی ایک ایسی ہستی تھیں، جن کے سامنے میں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا تھا ورنہ کوئی مجھے پہچان نہیں سکا تھا۔ حتیٰ کہ شہناز آخر وقت تک ضد کرتی رہ گئی لیکن میں نے یہ اعتراف نہیں کیا کہ میں فرہاد ہوں اور اس بات پر میں نے اُسے ناراض بھی کر دیا تھا اور وہ مجھ سے دُور بھی ہوگئی تھی جس کا اب مجھے افسوس نہیں تھا۔

میں نے سنبھل کر بات بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ بختاور کی بہو طارق محمود کی بہن ہے اور یہ بات سراسر غلط ہوگی کہ ہم جسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں یعنی میں طارق محمود کے اندر سمایا ہوا ہوں تو میں اُس کا نقصان کروں۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی اس کا نقصان برداشت نہیں کرو گی۔"

وہ بولی۔ "میں بہت دیر سے اس کشمکش میں مبتلا ہوں کہ اِس بچی کو اٹھا کر میں نے اچھا کیا ہے یا بُرا؟ میرا دل کہہ رہا ہے کہ مجھے ایک ماں کی گود سے اُس کی بچی کو لے کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ میں نہ جانے اندر سے کیا محسوس کر رہی ہوں۔ میں اُسے بیان نہیں کر سکتی۔ یقین کرو کہ کئی بار میرے دماغ میں بھی یہ بات آئی کہ میں اس بچی کو واپس لے جا کر دے دوں۔ اب تم خود ہی گاڑی موڑ کر اس طرف جا رہے ہو تو میں ضد نہیں کروں گی، تم سے جھگڑا نہیں کروں گی۔ جو حالات پیش آئیں گے، اُن سے نمٹ لوں گی اور دیکھوں گی کہ بختاور سے کسی دوسرے انداز میں کس طرح انتقام لیا جا سکتا ہے۔"

میں نے اطمینان کا سانس لے کر اُس کا شکریہ ادا کیا تو وہ بولی۔ "شکریہ تو بعد میں ادا کرنا لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ جب تم نے بختاور کی فیملی کے متعلق پوری معلومات حاصل کر لی تھیں اور انکل کے ذریعے وہ معلومات نوٹ بک میں لکھوا کر مجھ تک پہنچائی تھیں تو کیا اس وقت تمہیں یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ بختاور کی بہو طارق محمود کی بہن ہے؟"

"ہاں! اس وقت مجھے پتہ نہیں چل سکا تھا۔ میں سرسری معلومات حاصل کر کے تمھارے پاس پہنچ گیا تھا۔"

"اگر وہ سرسری معلومات تھیں تو اب اچانک یہاں کار میں بیٹھے بیٹھے تمھیں وہاں کے متعلق مزید معلومات کیسے حاصل ہو گئیں کہ وہ عورت یعنی اس بچی کی ماں کا رشتہ طارق محمود سے ہے؟"

وہ بار بار ایسے سوالات کر رہی تھی جن سے میں اُلجھ جاتا تھا۔ واقعی اُس نے بڑے نکتے کی بات بیان کی تھی۔ میں نے جواب دیا: "میں جن ہوں اور کسی وقت بھی وہاں جا کر معلومات حاصل کر سکتا ہوں اور یہ معلومات ابھی میں نے یہاں بیٹھے بیٹھے حاصل کی ہیں۔"

تھوڑی دیر کے لیے ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی۔ میں نے اُس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو بچی کسمسا رہی تھی اور وہ اُسے سنبھال رہی تھی۔ اُس کے ساتھ ہی سوچتی جا رہی تھی: "اگر بختاور کی بہو طارق محمود کی بہن ہے تو یقیناً طارق محمود ابھی اُس سے ملاقات کرنا پسند کرے گا۔ جن کا فرض ہے کہ وہ بچھڑے ہوئے بھائی بہن کو ایک دوسرے سے ملا دے۔"

اُس کی سوچ پڑھ کر میں نے بھی یہی سوچا کہ مجھے ہر صورت میں اپنی بہن سے ملنا چاہیے۔ ایک مدت کے بعد ہمارا سامنا ہونے والا تھا۔

سامنا ہونے کی بات آئی تو اچانک مجھے یاد آیا کہ میں تو اپنے اصلی روپ میں نہیں ہوں۔ شاہینہ مجھے اپنے بھائی جان یعنی فرہاد کے چہرے سے پہچانتی ہے۔ طارق محمود کا چہرہ اُس کے لیے اجنبی ہوگا۔ وہ کبھی تسلیم نہیں کرے گی کہ میں ہی اُس کا بھائی جان ہوں۔

میں عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ ایک تو اُس کو دیکھنے کے لیے دل تڑپ رہا تھا۔ دوسرے یہ مجبوری تھی کہ میں طارق محمود کے روپ میں تھا اور اپنی بہن کا بھائی ہونے کے باوجود اجنبی تھا۔ تیسری اور سب سے اُلجھن والی بات یہ تھی کہ مرجانہ میری اور شاہینہ کی ملاقات کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ ہماری ملاقات ہونا چاہیے۔ ایسے میں میں مرجانہ کے سامنے اُس سے ملاقات بھی نہیں کر سکتا تھا اور اپنا رشتہ بھی نہیں جتا سکتا تھا اور اُدھر میں نے یہ ظاہر کیا تھا کہ شاہینہ طارق محمود کی بہن ہے۔ اس طرح میں انکار بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مجھے اپنی بہن سے اس وقت نہیں ملنا ہے۔ کوئی مجبوری یا اعتراض کام آنے والا نہیں تھا۔

میں نے گاڑی کو گلیوں میں اِدھر سے اُدھر موڑ کر راستے کو اور طویل کر دیا تاکہ کچھ سوچنے اور سمجھنے کا موقع مل جائے۔ پھر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ شاہینہ کے سامنے جانا ابھی اِس لیے کارآمد نہ ہوگا کہ وہ مجھے پہچان نہیں سکے گی جواباً اس کی طرف سے سرد مہری ہو گی۔ ابھی مجھے ذرا صبر کر لینا چاہیے اور اُس سے ملاقات سے کترانا چاہیے۔

یہ سوچ کر میں نے مرجانہ سے کہا: "میرا اس کوٹھی میں ابھی جانا مناسب نہیں ہے کیونکہ تم بچی کو چرا کر لائی ہو اور میں ایک چور کی حیثیت سے اپنی بہن کے سامنے جانا نہیں چاہتا۔ میں کسی دوسرے وقت چلا جاؤں گا اور اس وقت چیلے کی طرح کار میں بیٹھا رہوں گا۔ تم بچی کو لے جا کر اُن کے حوالے کر دینا۔"

وہ بولی: "بیشک! میں نے بچی کو چرایا ہے لیکن جب میں اُسے واپس لے جا کر دوں گی تو یہ چوری کا الزام مجھ پر سے دُھل جائے گا اور وہ تمھاری بڑی احسان مند ہوگی۔ ایک تو بھائی کی محبت، دوسرے تمھارے ذریعے بچی کی واپسی، یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ وہ اور زیادہ تمھاری عقیدت مند بن جائے گی۔ اِس لیے تمھیں وہاں جانے پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔"

میں اندر ہی اندر کچھ بدحواس سا ہو گیا۔ یہ مرجانہ زادہ کر ایسی باتیں نکال رہی تھی کہ جن کا معقول جواب میرے پاس نہیں ہوتا تھا اور مجھے ٹھیر ٹھیر کر سوچنا پڑتا تھا کہ جواباً کیا کہنا چاہیے۔ اُس وقت بھی میں چپ رہا تو وہ بولی: "میں دیکھ رہی ہوں کہ تم میری ہر بات کا جواب دینے سے پہلے بہت دیر کے لیے چپ ہو جاتے ہو۔ پھر بہت کچھ سوچنے سمجھنے کے بعد جواب دیتے ہو۔ ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا۔ تم تو جن ہو۔ آج تمھاری حاضر دماغی کو کیا ہو گیا ہے۔ مجھے تو صاف طور سے یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو اور رہ رہ کر باتیں بنا رہے ہو۔"

"تم پتہ نہیں کیوں ایسا سوچ رہی ہو۔ میں تم سے کچھ نہیں چھپا رہا ہوں۔ بہرحال وہ کوٹھی اب قریب آ رہی ہے۔ تمھیں وہاں تنہا جانا چاہیے۔"

"دیکھو میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ایک چیز وہاں سے چرا کر لائی ہوں۔ دوبارہ اُسے واپس کرتے وقت جھجک محسوس ہو رہی ہے۔ میں بزدل اور ڈرپوک نہیں ہوں لیکن مجھے شرمندگی سے بچانے کے لیے تمھارا

ساتھ ہونا ضروری ہے۔ تم ساتھ رہو گے تو میں بختاور کے سامنے سر اٹھا سکوں گی۔ تم چلنے پر مجبور کر سکتے ہو اور میری طرف سے یہ کہہ سکتے ہو کہ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا اس لیے تمھارے ساتھ اس بچے کو واپس کرنے آ گئی ہوں۔"

لیکن میں نے وہاں جانے سے سختی سے انکار کیا اور کہا: "مجھے طارق محمود سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف ہمدردی کے طور پر کہہ سکتا تھا کہ وہ بچی اُس کی بہن کو واپس ملنا چاہیے کیونکہ ہم اُسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اگر تم تنہا نہیں جاؤ گی۔ بچے کو واپس نہیں کرو گی تو میں آئندہ اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔"

ایسا کہتے ہوئے میں نے کوٹھی کے سامنے کار کو روک دیا۔ وہ چند لمحوں تک غصے سے خاموش بیٹھی تلملاتی رہی، اُس کی بات نہ ماننے پر اُسے غصہ آ گیا تھا۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکلی اور تیز قدموں سے چلتی ہوئی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو گئی۔ وہاں کوٹھی کے لان میں بختاور اور اُس کی بیوی کھڑے ہوئے اب تک اپنے تعاقب کرنے والے بیٹے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ کسی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ آگے بڑھے پھر اُس کی گود میں بچی کو دیکھ کر بختاور کی بیوی لپکی: "ہائے میری بچی، تم کون ہو؟ میری بچی کہاں تھی۔ تم اُسے کہاں سے لا رہی ہو؟"

مرجانہ نے ایک ہاتھ اُٹھا کر اُسے روکتے ہوئے کہا۔ "بس آگے نہ بڑھو۔ اس بچی کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ میں اُسے اُس کی ماں کے حوالے کروں گی۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ کر کوٹھی کے اندر جانے لگی۔ شاہینہ کو اُس کے ساس سسر نے اندر بھیج دیا تھا تاکہ اُس کے رونے پیٹنے کی آواز دُور دُور تک نہ پھیلے۔ اس کے ساتھ اُس کا شوہر زبیر بھی تھا۔ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں تھے۔ زبیر اُسے تسلی دے رہا تھا: "شاہین! حوصلہ رکھو۔ ہمارا منصور اُس کے تعاقب میں گیا ہوا ہے۔ تم مطمئن رہنا۔ وہ جلد ہی ہماری بچی کو لے کر واپس آئے گا۔"

ایسا کہتے ہی اُس نے آہٹ سن کر دروازے کی طرف دیکھا۔ شاہینہ نے بھی سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ پھر مرجانہ کی گود میں بچی کو دیکھتے ہی اچھل کر کھڑی ہوئی اور چیختی دوڑتی مرجانہ کے پاس آئی پھر بچی کو چھین کر اپنے سینے سے لگا کر رونے لگی۔

مرجانہ گُم سُم کھڑی اپنے دل اور روح کی گہرائیوں سے لطف یہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ بچی کو لے جا کر بختاور سے انتقام لیتی تو اُس کے دل کو اور اُس کے ضمیر کو اتنا سکون نہ ملتا جتنا کہ بچی کو اُس کی ماں کی گود میں واپس پہنچا کر حاصل ہو رہا ہے۔ زبیر نے اُس سے کہا: "آپ ہماری محسنہ ہیں۔ آپ نے ہم پر اتنا بڑا احسان کیا ہے جسے ہم زندگی بھر نہیں بھلا سکیں گے۔"

اُسی وقت بختاور اور اُس کی بیوی اندر پہنچ گئے۔ بختاور کی بیوی نے یہ بات سنتے ہی اپنے بیٹے سے کہا: "اے بیٹا، تم کس کا احسان مان رہے ہو۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہی لڑکی بچی کو اُٹھا کر لے گئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے میں نے بھاگنے والی لڑکی کو اسی لباس میں دیکھا تھا۔ یہی پتلون اور بنیان پہنے ہوئے تھی۔"

شاہینہ اپنا رونا بھول گئی۔ یوں بھی اُسے بچی مل گئی تھی۔ اُس کے کلیجے سے لگ گئی تھی۔ اِس لیے اب وہ تعجب سے مرجانہ کو دیکھ رہی تھی۔ زبیر بھی اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بختاور نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "کیوں لڑکی کیا یہ سچ ہے کہ تھوڑی دیر پہلے تم ہی اس بچی کو اُٹھا کر لے گئی تھیں؟"

مرجانہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "ہاں میں نے ہی اُسے چرایا تھا اور میں ہی اُسے واپس لے آئی ہوں۔"

شاہینہ نے حیرانی سے پوچھا: "تم اُسے کیوں اُٹھا کر لے گئی تھیں؟"

مرجانہ جواب دینے سے پہلے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ڈرائنگ روم کے وسط میں پہنچی۔ پھر وہاں سے پلٹ کر بولی: "تمھارے اس سوال کا جواب دینے کے لیے مجھے اپنی اور ایک شیطان صفت انسان کی بہت لمبی چوڑی داستان سنانی پڑے گی۔ لہٰذا میں اس کی ابتدا کرتے ہوئے تمھارے سسر سے مخاطب ہوتی ہوں۔ کیوں بختاور، کیا تم مجھے پہچان سکتے ہو؟"

بختاور نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا: "یہ کیا بکواس ہے۔ میں تمھیں کیوں پہچانوں گا، کیسے پہچانوں گا۔ بھلا میرا تمھارا کیا رشتہ ہے؟"

"بہت گہرا رشتہ ہے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ جو رشتہ تم مجھ سے قائم کرنا چاہتے ہو اُس پر تو میں تھوکتی ہوں لیکن تمھارے خاندان والوں کو بتاتی ہوں کہ میں مرجانہ ہوں اور تمھاری بیٹی ہوں۔"

یہ سنتے ہی جیسے اس ڈرائنگ روم میں ایک دھماکا سا

ہوا۔ بیگم بختاور چیخ کر بولیں "یہ کیا بکواس کر رہی ہے لڑکی! تو میرے شوہر کی بیٹی کیسے ہو سکتی ہے؟"

مرجانہ نے کہا "اپنے شوہر سے پوچھو کہ یہ سائرہ بانو کے شوہر ہیں یا نہیں۔ آج سے تقریباً اکیس برس پہلے انھوں نے میری والدہ سے نکاح کیا تھا یا نہیں اس کا جواب تم خود اپنے شوہر سے طلب کرو۔"

بختاور چکرا کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے مرجانہ کو دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیس برس تک جس لڑکی کے ذریعے وہ سائرہ بانو کی بے انتہا دولت حاصل کرنے کے خواب دیکھتا رہا جس کے لیے وہ سائرہ بانو کو پریشان کرتا رہا اور یہاں آنے کے بعد بھی کرم دین کے ذریعے مرجانہ تک پہنچنا چاہتا رہا۔ وہی مرجانہ، وہی ننھی سی بچی ایک دم سے پہاڑ جیسی اونچی ہو کر اس کے سامنے پہنچ جائے گی اور اس کے خاندان والوں کے سامنے اسے بے نقاب کرنا شروع کر دے گی۔ ایسا اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور یہ سب کچھ ہو گیا تھا۔

بیگم نے پوچھا "آپ خاموش کیوں ہیں۔ اسے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔ جواب دیجیے۔ کیا آپ نے مجھ سے چھپ کر کوئی شادی کی تھی؟"

وہ چپ چاپ مرجانہ کو دیکھتا رہا۔ سنجیدگی سے سوچتا رہا۔ اس کی نگاہوں کے تیور بدلتے رہے۔ وہ شاید کوئی منصوبہ بنا رہا تھا۔ میں اس سے پہلے کہ اس کے دماغ کو پڑھتا، اس کے بیٹے یعنی شاہینہ کے شوہر زبیر نے بھی پوچھا "اباجان آپ خاموش کیوں ہیں؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟ کیا یہ لڑکی آپ کی بیٹی ہے؟"

بختاور آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بڑی ڈھٹائی سے بولا "ہاں جوانی میں ہر انسان سے غلطی ہوتی ہے۔ مجھ سے بھی یہ غلطی ہوئی۔ میں نے تمہاری ماں سے چھپ کر ایک طوائف سے شادی کی تھی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی مرجانہ نے چیخ کر کہا۔ "ذلیل کمینے میری ماں کو طوائف کہا تو میں یہاں تیری بوٹی بوٹی کر دوں گی۔"

زبیر نے غصے سے کہا "لڑکی تم بہت گستاخ اور بدتمیز ہو میرے سامنے میرے باپ کو گالیاں دے رہی ہو۔ اپنی زبان پر قابو رکھو ورنہ میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

مرجانہ نے کہا "ابھی تو تم میرا احسان مان رہے تھے اور یہ احسان تمہیں ماننا چاہیے کہ میں نے تمہاری بیٹی واپس کر دیا۔ ورنہ تمہارے باپ نے مجھے جس طرح در بدر ٹھوکریں کھلائی ہیں جس طرح مجھے میری ماں کی گود سے جدا کیا ہے وہی انتقام میں تمہاری بیٹی سے لینے والی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ ان کی پوتی کو بھی ان سے اور تم سے اور اس بچی کی ماں سے جدا کر دوں اور بیس برس تک جس طرح میں اپنے لہو کے رشتوں سے جدا رہی اپنی ماں کی گود کے لیے تڑپتی رہی اسی طرح یہ بچی بھی تڑپتی رہے اور تم لوگ اس کے لیے روتے بلکتے رہو۔"

اس کی باتیں سن کر شاہینہ نے بچی کو اپنے سینے کے ساتھ چپکا لیا۔ جیسے وہ پھر بچھڑنے والی ہو یا مرجانہ اسے چھین کر لے جانے والی ہو۔ شاہینہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی تھی اور ایک صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ زبیر نے کہا "ٹھیک ہے تم نے بچی کو واپس لا کر ہم پر واقعی احسان کیا ہے لیکن میں تمہیں سمجھاتا ہوں کہ بڑوں کے سامنے گستاخی نہ کرو۔ ان کے سامنے ادب سے باتیں کرو۔"

"تم اپنے باپ کو بھی سمجھاؤ کہ وہ بھی میرے بڑوں کی عزت کرے اور میری ماں کو طوائف نہ کہے۔ اگر میری ماں کو وہ طوائف کہہ کر گالی دیتے ہیں تو یہ گالی تمہارے باپ کو بھی پڑتی ہے کہ وہ ایک طوائف کے قدموں پر جھکے تھے۔ دوسری بات یہ کہ یہ تمہارے اباجان اچھی طرح جانتے ہیں کہ میری والدہ سائرہ بانو کوئی طوائف زادی نہیں تھیں بلکہ بہت ہی شریف خاندان سے ان کا تعلق تھا۔ فرقہ وارانہ فسادات میں چند غنڈوں نے انھیں اغوا کیا تھا اور دہلی کے ایک بالاخانے پر انھیں پہنچا دیا تھا۔ میں پوچھتی ہوں تمہاری جوان بہن کو ابھی کوئی اٹھا کر بالاخانے میں لے جا کر بٹھا دے اور وہاں تمہاری بہن اپنی شرافت کے بل بوتے پر ہزاروں مصائب جھیل کر بھی شریفانہ زندگی گزارنے کی کوشش کرے اور کوئی بختاور جیسا آدمی اسے شریفانہ زندگی کے سبز باغ دکھا کر نکاح پڑھانے کے بعد اس کی عزت سے کھیل لے تو کیا تمہاری بہن طوائف زادی کہلائے گی یا ہر حال میں وہ شریف زادی ہی رہے گی!"

اس کی باتیں سن کر سب کو چپ لگ گئی۔ سب اپنی اپنی جگہ کچھ نہ کچھ سوچ رہے تھے اور اس کی باتوں کی سچائی کو اور اس کے دل کے درد کو سمجھ رہے تھے۔ آخر زبیر نے سر ہلا کر کہا "تم درست کہتی ہو۔ میں اباجان سے پوچھتا ہوں کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا اور اگر ان سے غلطی ہوئی تھی

تھی تو اس غلطی کو نبھانا عین شرافت ہوتی لیکن اباجان آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ آپ نے اس رشتے کو کیوں نہیں نبھایا؟"

بیگم نے کہا "زبیر تم بیٹے ہو باپ نہیں ہو کہ اپنے باپ سے سوال کر رہے ہو۔ انھوں نے اگر ماضی میں کوئی غلطی کی تھی تو ماضی کے ساتھ وہ غلطی دفن ہو چکی ہے۔ اب گڑے مُردے اکھاڑنا مناسب نہیں ہے۔ یہ لڑکی آج اتنے عرصے کے بعد یہاں محض اس لیے آئی ہے کہ تمہارے باپ کی دولت اور جائداد میں سے اپنا حصہ حاصل کرے۔"

مرجانہ نے حقارت سے اونہہ کہا۔ پھر نفرت سے بختاور کو دیکھتے ہوئے بولی "چپ کیوں کھڑے ہو؟ اپنی بیگم کو جواب دو کہ میں تمہاری بیٹی بننے کے لیے یہاں آئی ہوں۔ تمہاری جائداد میں سے حصہ لینے آئی ہوں، یا تم میری دولت اور جائداد پر قبضہ جمانے کے لیے مجھے اپنی بیٹی ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

زبیر نے پوچھا "یہ کیا بات ہوئی؟"

مرجانہ نے کہا "یہی بات ہے۔ اب حقیقت مجھ سے سنو کہ میں تمہارے باپ کی بیٹی نہیں ہوں۔ تمہارے باپ نے میری ماں سے شادی کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا تھا۔ پھر تقریباً دو یا تین برس کے بعد میں پیدا ہوئی۔ میں نواب سلامت علی کی بیٹی ہوں اور ان کی جائز بیٹی ہوں۔ میری والدہ نواب سلامت علی کی منکوحہ تھیں۔ اب بیوہ ہو گئی ہیں لیکن جب میری ماں نے مجھے جنم دیا تو تمہارا باپ اور دوسرے کئی بدمعاش مجھے اپنی بیٹی بنانے اور میرے باپ ہونے کا دعویٰ کرنے کے لیے میری ماں کو پریشان کرنے لگے اور جانتے ہو کیوں؟ صرف اس لیے کہ میں اس قدر دولت مند ہوں کہ تم لوگ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔ میری ماں اگر چاہتی تو اپنی بے انتہا دولت سے تم جیسے سیکڑوں غنڈوں کو خرید سکتی تھیں۔

میں نے تھوڑی دیر کے لیے خیال خوانی ختم کر دی کیونکہ کوٹھی کے احاطے کے گیٹ کے پاس ایک کار آ کر رکی تھی۔ پھر اس میں سے وہی نوجوان بلیک بیلٹر یعنی بختاور کا دوسرا بیٹا منصور باہر آیا۔ اس نے میری کار کی طرف دیکھا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا میری ڈرائیونگ سیٹ کے پاس آ کر بولا "کون ہو تم؟"

میں نے کہا "میں جو کوئی بھی ہوں۔ تمہارا دوست ہوں۔ گھر میں جاؤ۔ وہ بچی واپس آ گئی ہے۔ ہم اسے واپس لائے ہیں۔"

"تم کہاں سے واپس لائے ہو۔ وہ بچی تمہیں کہاں سے ملی تھی؟"

"تم پولیس آفیسر بن کر سوالات نہ کرو۔ کوٹھی میں چلے جاؤ وہاں تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

اس نے مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر کار میں بیٹھ کر اسے ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی کے پورچ تک گیا۔ وہاں وہ کار سے نکل کر دوڑتا ہوا کوٹھی کے اندر پہنچا۔ اس وقت بیگم اپنے شوہر سے کہہ رہی تھیں "ٹھیک ہے جب یہ لڑکی آپ کی بیٹی نہیں ہے تو قصہ ختم کیجیے اور اس سے کہہ دیجیے کہ اب یہ یہاں سے چلی جائے۔"

بختاور نے کہا "نہیں بیگم، تم نہیں سمجھتی ہو۔ یہ لڑکی میری بیٹی ہے اور میں یہ ثابت کروں گا۔ اس کی ماں کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔"

مرجانہ نے کہا "میں تمہاری بیٹی نہیں ہوں۔ تم کیا ثابت کرو گے۔ میں تو تمہارا وہ حشر کروں گی کہ ساری دنیا تمہارا بھیانک انجام دیکھ کر سبق حاصل کرے گی۔ تم مجھے مجبور نہ کرو کہ میں تمہاری پوتی کو واپس کرنے کے بعد تمہاری بیٹی کو اٹھا کر یہاں سے لے جاؤں۔"

منصور وہاں پہنچ چکا تھا۔ یہ سنتے ہی وہ غصے سے للکار کر بولا "تم کون ہو؟ یہاں کیا کرنے آئی ہو اور ہمارے گھر میں آ کر ہمیں دھمکا رہی ہو کہ تم ہماری بہن کو یہاں سے اٹھا کر لے جاؤ گی۔ میں تمہارے ہاتھ توڑ کر رکھ دوں گا۔"

مرجانہ نے حقارت سے پوچھا "کیا تم نے لڑکیوں پر اپنی مردانگی کا رعب جمانے کے لیے جوڈو کراٹے کا آرٹ سیکھا ہے؟"

وہ حیرانی سے بولا "کیا تم میرے متعلق جانتی ہو؟"

"میں تمہارے بارے میں کیا تمہارے باپ کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتی ہوں اور جو کچھ جانتی ہوں۔ وہ سارا کچا چٹھا ابھی میں یہاں تمہارے خاندان والوں کے سامنے سنا چکی ہوں۔"

زبیر نے کہا "منصور تم ابھی آئے ہو۔ اس لیے یہاں کے بدلے ہوئے حالات کے متعلق نہیں جانتے۔ میں مختصر طور پر تمہیں بتا دوں کہ اس لڑکی کا تعلق کسی نہ کسی طرح ہمارے اباجان سے ہے اور جیسا کہ ان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے اباجان خواہ مخواہ اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں کہ اس لڑکی کو اپنی بیٹی ثابت کریں اور یہ محض اس لیے کہ یہ لڑکی بے انتہا دولت مند ہے۔"

منصور نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ابھی بچی کا اغوا ایک مسئلہ

بنا ہوا تھا اور یہ بچی واپس آگئی۔ کیسے واپس آگئی؟ کیا یہی لڑکی اُسے واپس لائی ہے؟"

زبیر نے کہا: "ہاں، اس نے اُسے اغوا کیا تھا اور یہ خود ہی واپس لے آئی۔ اغوا کرنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ یہ اباجان سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ کیونکہ آج سے بیس سال پہلے اباجان نے بھی اس لڑکی کو اس کی ماں کی گود سے جُدا کر دیا تھا۔"

منصور اپنے باپ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ بختاور نے کہا: "ہاں، یہ درست ہے۔ یہ میری بیٹی ہے اور اس کی ماں اسے تسلیم نہیں کرتی تھی اور مجھے چیلنج کرتی تھی کہ میں اسے اپنی بیٹی ثابت نہیں کر سکوں گا۔ اسی لیے اُس نے پیدا ہوتے ہی اس لڑکی کو کسی دوسرے کے حوالے کر دیا تھا تاکہ میں اسے تلاش نہ کر سکوں۔ بہرحال آج یہ اتنی مدت کے بعد میرے سامنے جوان ہو کر آ گئی ہے۔ میں اس کی ماں کے چیلنج کو پورا کروں گا اور یہ ثابت کروں گا کہ یہ میری بیٹی ہے۔"

مرجانہ نے حقارت سے اُس کی طرف تھوکتے ہوئے کہا: "میں تم پر تھوکتی ہوں اور تمہارے پورے خاندان والوں کے سامنے چیلنج کرتی ہوں کہ میں تمہیں یہاں سے پیرس لے جاؤں گی اور وہاں اپنی ماں کے سامنے تمہاری ایسی درگت بناؤں گی کہ تم مرنا چاہو گے، مر نہیں سکو گے۔ خودکشی کرنا چاہو گے، میں تمہیں خودکشی کرنے کا موقع نہیں دوں گی۔ تمہیں تڑپ تڑپ کر زندہ رہنے پر مجبور کروں گی۔"

منصور نے مرجانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "یہ درست ہے کہ میرے اباجان نے تمہیں تمہاری ماں کی گود سے الگ کر کے تم پر ظلم کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم ہمارے سامنے ہمارے باپ کو چیلنج کرو اور اُسے اذیتیں دینے کی دھمکیاں دو۔ ہمارے جیتے جی تم انھیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکو گی۔"

مرجانہ نے سنجیدگی سے اور تلخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "منصور تم یقیناً بلیک بیلٹر ہو لیکن میرے سامنے بچے ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ کسی بھی وقت تم میرے مقابلے میں آؤ۔ آؤ گے تو شرمندگی اٹھاؤ گے اس لیے میرا اور تمہارے باپ کا جو معاملہ ہے، اس میں تم لوگ مداخلت نہ کرو۔ مجھے اس بڈھے سے بات کرنے دو۔ میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ یہ کب تک پیرس روانہ ہو سکیں گے۔ میں دو ایک روز میں یہاں سے جانے والی ہوں۔"

بختاور نے کہا: "میں تمہارا پابند تو نہیں ہوں کہ تمہارے کہنے سے پیرس چلا جاؤں مگر ہاں میں تمہاری ماں سے وہاں جا کر ملنا چاہتا ہوں۔ تمہیں پا لینے کے بعد اسے ساتھ پیرس لے جانا چاہتا ہوں تاکہ میں تمہاری ماں کو دکھا سکوں کہ میں نے تمہیں حاصل کر لیا ہے۔"

مرجانہ نے کہا: "چلو یہی سہی میں تمہارے کہنے پر تمہارے ساتھ پیرس چلوں گی۔ کوئی جھگڑے کی بات نہیں ہے۔ وہاں جا کر تصفیہ ہو گا۔ بولو، منظور ہے؟"

بختاور نے کہا: "ہاں مجھے منظور ہے۔ میں کل ہی سے کوشش کرتا ہوں کہ دو چار روز میں میرے جانے کا انتظام ہو جائے۔ اس لیے کہ میرا کاروبار پھیلا ہوا ہے، اُسے سمیٹ کر اور اپنے دونوں لڑکوں کو سمجھا کر یہاں سے جانا ہو گا۔"

"اچھی بات ہے، میں تم سے فون پر بات کروں گی۔" یہ کہہ کر مرجانہ وہاں سے جانے لگی۔ شاہینہ نے اُسے آواز دی: "رُک جاؤ، میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔"

مرجانہ نے رُک کر پھر اس کی طرف پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا: "شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرے دل میں ایک انسانی ہمدردی پیدا ہوئی کہ بچے کو اس کی ماں کی گود سے جُدا نہیں کرنا چاہیے۔ اس ہمدردی کے تحت میں نے تمہاری بچی تمہیں واپس کر دی۔"

شاہینہ نے کہا: "تمہارا نام کیا ہے؟"

مرجانہ نے اپنا نام بتایا۔ پھر شاہینہ نے کہا: "مرجانہ تم ہمارے ہاں عجیب انداز میں آئی ہو۔ پہلے چور بن کر آئیں۔ پھر محسنہ بن گئیں۔ اب میرا اور میرے شوہر کا اور اس گھر والوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ تمہیں کم از کم ایک پیالی چائے کے لیے پوچھیں لیکن تم میرے سسر کے لیے ایک زبردست چیلنج بن کر آئی ہو، تم دونوں میں بہت پرانی دشمنی بھی ہے اور شاید کوئی رشتہ بھی ہے۔ ان حالات میں مجھے تم سے چائے کے لیے پوچھنا چاہیے یا نہیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ اگرچہ یہ میرا، میرے شوہر کا گھر ہے لیکن یہ میرے ساس اور سسر کا بھی گھر ہے اور میری حیثیت یہاں ایک بہو کی ہے۔ کیا تم میری مجبوریاں سمجھ رہی ہو؟"

مرجانہ نے مسکرا کر کہا: "ہاں میں سب کچھ سمجھتی ہوں۔ تم بہت اچھی ہو اور میں تمہیں اس اچھائی کے صلے میں یہ

بتا دوں کہ میں تمہارے بھائی طارق محمود سے بہت جلد تمہیں ملاؤں گی۔"

شاہینہ نے چونک کر کہا: "طارق محمود میرا بھائی۔ نہیں نہیں اس نام کا تو میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔"

میں اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے پہلو بدلنے لگا کیونکہ میں پہلے سے اس بات کے لیے تیار نہیں تھا کہ مرجانہ کی زبان پر میرا نام آئے گا تو میں خیال خوانی کے ذریعے اُسے کنٹرول کر لوں گا۔ اُس نے تو یک بیک میرا نام شاہینہ کے سامنے لیا تھا اور شاہینہ کسی طارق محمود کو بھائی کی حیثیت سے نہیں جانتی تھی۔

مرجانہ نے پوچھا: "کیا تمہارا کوئی ایسا بچھڑا ہوا بھائی نہیں ہے جس کا نام طارق محمود ہو؟"

شاہینہ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "نہیں میرا ایک مدتوں سے بچھڑا ہوا بھائی ہے جس کا نام فرہاد علی تیمور ہے۔ اُسے ساری دنیا جانتی ہے اور شاید تم بھی جانتی ہو گی۔"

شاہینہ کی زبان سے فرہاد علی تیمور کا نام سن کر مرجانہ چونک گئی پھر بولی: "ہاں یہ نام میں نے بارہا سنا ہے کیا فرہاد تمہارا بھائی ہے؟"

اُس نے کہا: "ہاں وہ میرا ایسا بھائی ہے جس نے مجھے بچپن سے گود میں پالا ہے۔ اُس نے مجھے ماں بن کر اپنے سینے سے لگا کر فیڈر سے دودھ پلایا ہے۔ جبکہ میری ماں مجھے بھوکا چھوڑ کر چلی جاتی تھی۔ اُس نے باپ بن کر مجھے شفقت دی ہے۔ میں ایسے بھائی کو کبھی بھول نہیں سکتی اور میں جانتی ہوں کہ جب بھی میرے بھائی جان کو میری یاد آئے گی تو وہ مجھ سے ملنے ضرور آئیں گے۔"

شاہینہ کی باتیں سن کر میں تڑپ رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ ابھی دوڑ کر جاؤں اور اُسے گلے لگا کر کہوں: "میری پیاری بہن میں ہی تمہارا بھائی جان ہوں۔ مجھے پہچانو۔"

لیکن افسوس وہ مجھے پہچان نہیں سکے گی۔ میرا چہرہ ایسا بدلا ہوا ہے کہ یہ چہرہ اتر نہیں سکتا۔ میرا اصل چہرہ مجھے مل نہیں سکتا۔ ممی نے پیشین گوئی کی تھی کہ مجھے میرا اپنا چہرہ مل جائے گا۔ پتہ نہیں کب ملے گا۔ آج میں شدت سے اپنی اصل صورت کی تمنا کر رہا تھا۔

دوسری طرف یہ پریشانی بھی تھی کہ شاہینہ نے بالکل وہی بات کہی تھی جو تھوڑی دیر پہلے میں نے طارق محمود کی حیثیت سے یا ایک جن کی حیثیت سے دہرائی تھی یعنی یہ کہ شاہینہ میری گود میں پلی بڑھی ہے اور یہی بات شاہینہ نے بھی کہی تھی۔ اب مرجانہ کا شبہ یقین میں بدل جائے گا کہ میں اُس سے بہت کچھ چھپا رہا ہوں۔ اُدھر میں جو بات طارق محمود بن کر کہہ رہا ہوں وہی بات فرہاد علی تیمور کے حوالے سے شاہینہ کہہ رہی تھی۔

مرجانہ نے اُس سے پوچھا: "کیا تمہارے بھائی جان کی کوئی تصویر تمہارے پاس ہے؟"

شاہینہ نے جواب دیا: "جب بھائی جان مجھ سے بچھڑے تھے تو اُن دنوں کی کوئی تصویر میرے پاس نہیں ہے مگر ہاں پچھلے دنوں میرے شوہر ملایا اور بنکاک بزنس کے سلسلے میں گئے تھے۔ وہاں اخبارات میں اُن کی تصویریں شائع ہو رہی تھیں میرے شوہر وہ تصویریں لے آئے تھے۔ وہی میرے پاس رکھی ہوئی ہیں۔"

مرجانہ نے کہا: "میں نے تم پر یہ احسان کیا ہے کہ تمہاری بچی تمہیں واپس کر دی۔ اب اس احسان کے بدلے میں چاہوں گی کہ تم مجھے فرہاد کی تصویر دکھا دو۔ میں نے بڑی شہرت سُنی ہے۔ آج میں اس مشہور شخص کی صورت بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

زبیر نے کہا: "ٹھیک ہے، تم یہاں بیٹھو۔ میں ابھی تصویر لے کر آ رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر زبیر زینے طے کرتا ہوا اُوپر جانے لگا۔ بیگم نے کہا: "یہ کیا ہو رہا ہے جو لڑکی تمہارے باپ کو چیلنج کر رہی ہے۔ تم لوگ اسے یہاں بٹھا کر اپنوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔"

زبیر نے زینے کے اُوپر سے کہا: "امّی، یہ ٹھیک ہے کہ اباجان اور مرجانہ کے درمیان ایک چیلنج ہے لیکن یہ بھی تو دیکھیے کہ آپ کی پوتی آپ کو واپس مل گئی ہے۔ اس کے صلے میں ہم مرجانہ کو ایک تصویر دکھا کر یہاں سے رخصت کر سکتے ہیں تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟"

یہ کہہ کر وہ اُوپر چلا گیا۔ میں مرجانہ کی سوچ پڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ جو طارق محمود اُس کے ساتھ اتنے دنوں سے لگا ہوا ہے وہی فرہاد ہو سکتا ہے۔ اگر تصویر دیکھ لی جائے تو ہو سکتا ہے کہ تصویر سے حقیقت کھل جائے اور پھر وہ تصویر لا کر مجھے دکھائے گی کہ لو دیکھو یہ تمہاری تصویر ہے۔ تم طارق محمود نہیں، فرہاد علی تیمور ہو۔ مرجانہ یہی سب کچھ سوچ کر تصویر کا مطالبہ کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں زبیر اوپر سے نیچے آیا۔ اُس کے

ہاتھ میں ایک بڑے سائز کی تصویر تھی۔ اُس نے اُسے مرجانہ کی طرف بڑھا دیا۔ مرجانہ نے تصویر کو دیکھا تو کچھ مایوس ہو گئی کیونکہ وہ فرہاد علی تیمور کا چہرہ تھا۔ طارق محمود کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُسی وقت ڈرائنگ روم میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ منصور نے آگے بڑھ کر ٹیلیفون کا ریسیور اُٹھایا۔ پھر ہیلو کہہ کر دوسری طرف کی آواز سننے لگا۔ پھر اُس نے حیرانی سے پوچھا: "آپ کون ہیں اور آپ کیسے جانتے ہیں کہ مرجانہ نام کی لڑکی ہمارے ہاں موجود ہوگی؟"

میں منصور کے دماغ میں جھانک کر دیکھنے لگا تو پتہ چلا کہ مرجانہ کے انکل اپنی کوٹھی سے فون کر رہے تھے کیونکہ کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور ہم بچی کو لے کر وہاں نہیں پہنچے تھے۔ انھیں اندیشہ تھا کہ ہم گرفتار نہ ہو گئے ہوں یا کسی مصیبت میں نہ پھنس گئے ہوں۔ اسی لیے وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ مرجانہ وہاں ہے یا نہیں؟ بہرحال، مرجانہ نے جب منصور کی زبان سے اپنا نام سنا تو بولی۔ "کس کا فون ہے؟ کون میرا نام لے رہا ہے؟"

منصور نے ریسیور آگے بڑھاتے ہوئے کہا: "آپ خود ہی بات کر لو۔"

مرجانہ نے آگے بڑھ کر ریسیور لیا تو پھر انکل کی آواز پہچان کر بولی: "ہاں یہاں سب خیریت ہے اور میں بختاور سے باتیں کر رہی ہوں اور اب اُس کی بہو سے آخری گفتگو کرنے کے بعد یہاں سے رخصت ہونے ہی والی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں گی۔ آپ اطمینان رکھیں۔ میں خیریت سے ہوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ شاہینہ نے اُس سے پوچھا: "مرجانہ! ابھی تم کسی طارق محمود کا ذکر کر رہی تھیں کہ وہ میرا بھائی ہے۔ کیا تم اس شخص کو جانتی ہو۔ وہ کس طرح میرے بھائی بننے کا دعویٰ کر رہا ہے؟"

مرجانہ نے اُس کے پاس آ کر مسکراتے ہوئے کہا: "اب اس بات کو بھول جاؤ کہ میں نے کسی طارق محمود کا ذکر کیا تھا۔ بہرحال اب میں جا رہی ہوں۔ خدا نے چاہا تو پھر کبھی ملاقات ہوگی۔ ابھی تو تمھارے سسر سے بڑی لمبی ملاقاتیں ہوا کریں گی اور ان ملاقاتوں کا جو انجام ہوگا وہ تم لوگوں کو معلوم ہوتا رہے گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے اچٹتی ہوئی نظروں سے بختاور کو دیکھا۔ پھر تیز قدموں سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم سے کوٹھی کے احاطے سے نکلی پھر کار کے پاس آ کر اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر میرے شانہ بشانہ بیٹھ کر بولی: "چلو اب ہم کہیں ایسی جگہ چلیں گے جہاں اطمینان سے میں تمھارا حلیہ بگاڑ سکوں۔"

میں نے انجان بن کر حیرانی سے پوچھا: "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تم میرا حلیہ کیوں بگاڑو گی۔ میں نے کیا قصور کیا ہے؟"

وہ غصے سے گھورتے ہوئے بولی: "کیا تم جن ہو؟"

"بے شک میں جن ہوں اور کئی بار یہ ثابت کر چکا ہوں۔"

"ہاں تم نے بڑی صحیح معلومات فراہم کی تھیں بختاور کے خاندان کی تفصیل بتائی تھی لیکن یہ کیسے بھول گئے کہ شاہینہ تمھاری بہن ہے؟"

"میں جن ہوں۔ شاہینہ میری نہیں، طارق محمود کی بہن ہے۔"

"تم بکواس کرتے ہو۔ شاہینہ، فرہاد علی تیمور کی بہن ہے اور جو دعویٰ تم نے طارق محمود کے متعلق کیا تھا۔ وہی بات شاہینہ فرہاد علی تیمور کے متعلق کہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو فرہاد علی تیمور تمھارے اندر کہیں چھپا ہوا ہے اور وہ جن بن کر میری مدد کر رہا ہے یا پھر شاہینہ غلط کہہ رہی ہے یا تم جن ہو کر بھی غلط معلومات حاصل کر رہے ہو۔ کہیں نہ کہیں کوئی اتنی زبردست غلطی ہو گئی ہے کہ اب تمھارے جن بننے کا بھانڈا پھوٹنے ہی والا ہے۔ بہتر ہے کہ تم مجھے زیادہ نہ الجھاؤ اور جو سچ ہے وہ میرے سامنے بیان کر دو۔"

میں نے کوئی جواب دینے سے پہلے گاڑی اسٹارٹ کی۔ پھر اُسے آہستہ آہستہ آگے بڑھانے لگا۔ مرجانہ نے کہا: "تمھاری خاموشی بتا رہی ہے کہ تم پھر جھوٹ بول کر مجھے فریب میں مبتلا کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہو۔"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "نہیں، اب میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ میں سوچ رہا ہوں، پتہ نہیں ہمیں آئندہ کب تک ایک ساتھ رہنا ہے کیونکہ میں تمھیں تمھاری دلیری کی وجہ سے بہت پسند کرتا ہوں۔ اسی لیے میں نے خوشبو کے جزیرے میں جن بن کر تمھاری مدد کی تھی۔ ہاں میں صاف صاف کہہ دوں کہ کسی جن کا ایسا وجود نہیں ہے جو تم پر عاشق ہو۔ یہ میں ہی شرارتیں کر رہا تھا۔"

اُس نے مجھے بڑی توجہ سے اور ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا: "تم جن نہیں ہو تو یقیناً اب تک جو کچھ بھی ہوتا رہا وہ ٹیلی پیتھی کا ہی کمال تھا۔ اس اعتبار سے کیا تم فرہاد علی تیمور ہو؟"

میں نے ہاں کرتے ہوئے سر ہلایا۔ وہ پھر میرے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے بولی: "کیا تم نے میک اپ کے ذریعے خود کو چھپایا ہوا ہے؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "نہیں، میرے چہرے پر پلاسٹک سرجری کی گئی ہے۔ میرے بہت سے ایسے دشمن تھے جو قدم قدم پر میرے لیے عذاب جان بنے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی طاقتیں میری جان لینے کے درپے تھیں۔ اس لیے میں نے مستقل اپنے چہرے کو بدل دیا تھا۔ ارادہ تھا کہ کبھی اپنے اصل چہرے کی طرف نہیں آؤں گا لیکن آج اپنی بہن شاہینہ کو پا کر مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے کتنی بڑی غلطی کی۔ مجھے مستقل طور سے اپنے چہرے کو نہیں بدلنا چاہیے تھا۔ بس اب ایک اُمید ہے۔ میری ایک ممی نے پیش گوئی کی تھی کہ مجھے جلد ہی اپنا اصلی چہرہ واپس مل جائے گا تو میں سمجھتا ہوں کہ اب وہ وقت آنے ہی والا ہے۔"

مرجانہ نے پوچھا: "وہ وقت کیسے آئے گا۔ تمھارا چہرہ پھر کیسے بدل جائے گا؟"

"اس وقت میرے اندر شاہینہ کو اپنی بہن کو پا لینے کی ایسی لگن پیدا ہوئی ہے کہ اب میں اپنے اصل چہرے کے ساتھ ہی اُس کے سامنے جانا چاہتا ہوں تاکہ وہ مجھے پہچان کر میرے سینے سے لگ جائے۔ میں اس بچی کو پالنا چاہتا ہوں جسے میں سینے سے لگا کر فیڈر سے دودھ پلایا کرتا تھا اور اسی بہن کی خاطر اب میں پیرس جاؤں گا اور وہاں پلاسٹک سرجری کے ذریعے پھر فرہاد علی تیمور کا چہرہ اپناؤں گا اور وہاں سے واپس لاہور آؤں گا پھر اپنی بہن سے ملاقات کروں گا۔"

میں روانی میں بولتا جا رہا تھا اور وہ میرے سامنے بیٹھی میرا منہ تکے جا رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا: "میں نے تمھارے بارے میں بہت کم سُنا ہے۔ میرا استاد دانشور تمھاری بہت تعریفیں کیا کرتا تھا۔ پھر میں نے خوشبو کے جزیرے سے لے کر یہاں تک تمھارے جتنے کارنامے دیکھے ہیں اب تمھاری اصلیت معلوم کر لینے کے بعد ان کارناموں کو اپنے ذہن میں دہرا رہی ہوں، انھیں یاد کر رہی ہوں تو واقعی حیران ہو رہی ہوں تم ناقابلِ تسخیر ہو۔ ایک ایسی ہستی ہو جو آسیب کی طرح ذہن پر دماغوں پر چھا جاتی ہے۔ ایسی بلا جو کسی کے پیچھے پڑ جائے تو مرنے کے بعد ہی پیچھا چھوڑتی ہے اور میں دیکھ رہی ہوں کہ تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔"

میں نے کن انکھیوں سے اُس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرانے لگی۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی: "اور مجھے اس بات پر اعتراض نہیں ہے۔ میں تمھاری دوستی کو قبول کرتی ہوں۔ حالانکہ میں نے بڑا ہی پکا ارادہ کیا تھا کہ کبھی کسی مرد کو دوست نہیں بناؤں گی۔ بولو، منظور ہے دوستی؟"

میں نے مسکرا کر کہا: "نیکی اور پوچھ پوچھ! میں تو جن بن کر ہی تم پر عاشق ہو گیا تھا۔"

وہ ایک دم سے بھڑک کر بولی: "اے خبردار! مجھ سے عشق نہ جتانا۔ دوستی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تم پر عاشق ہو گئی ہوں اور تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ محبت ایک مختلف جذبہ ہوتا ہے جو میرے دل میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہاں دوستی نبھانے کی کوشش کروں گی۔"

ہم اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ وہاں مرجانہ کے انکل اور دوسرے رشتہ داروں نے اس بچی کے متعلق سوالات کیے۔ مرجانہ ایک جگہ بیٹھ کر ساری روداد سنانے لگی۔ اُس نے بتایا کہ چوری کرنے کے بعد اُس کے دل میں ممتا جاگ گئی تھی اور بچے کے لیے بہت زیادہ محبت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے اسی گھڑی فیصلہ کر لیا کہ اُسے ماں کی گود سے جُدا نہیں کرے گی۔ لہٰذا اُس نے بچی کو لے جا کر واپس کر دیا ہے۔

مرجانہ کے اس اقدام پر سبھی لوگ خوش تھے اور اُسے مبارک باد دے رہے تھے اور اُس کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے کہ اللہ نے چاہا تو بختاور اپنے کیے کی سزا خود بھگتے گا۔ تم نے بچی کو اُس کی ماں کی گود میں واپس پہنچا کر بہت بڑی انسانیت کا ثبوت دیا ہے۔

کچھ دیر تک وہاں باتیں کرنے کے بعد مرجانہ تنہائی ملتے ہی مجھ سے کہنے لگی: "یہ سب کچھ تو ہو گیا لیکن میں اس بختاور سے انتقام کیسے لوں گی؟ یہ بات طے ہے کہ یہ پیرس جائے گا اور میں پیرس پہنچ کر اُس کی ایسی مرمت کروں گی کہ وہ زندہ رہ کر ساری زندگی مرنے کی تمنا کرتا رہے گا لیکن اب میں کیا کروں؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ دشمن میرے سامنے ہے اور مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔"

میں نے پوچھا: "تو پھر تم کیا چاہتی ہو۔ کیا اُس کی مرمت کی جائے؟"

"مشکل تو یہ ہے کہ وہ بوڑھا ہے۔ مجھ سے کمزور ہے۔ اُس پر ہاتھ اُٹھاتے وقت میرا دل مجھے ملامت کرے گا۔"

کیونکہ کمزور پر ہاتھ اٹھانا دلیری نہیں ہے۔ دوسری طرف اس کا جوان بیٹا بلیک بیلٹر ہے۔ مانا کہ وہ ایک اچھا فائٹر ہوگا لیکن پھر بھی وہ میرے سامنے بچہ ہی ہے۔ میں اس پر بھی ہاتھ نہیں اٹھانا چاہتی۔ وہ تو ایک دو ہاتھ میں ہی زمین پر لیٹ جائے گا۔"

"اچھا تو تم یہ چاہتی ہو کہ بختاور کو اذیتوں میں مبتلا کیا جائے اور اسے تڑپایا جائے۔ اس طرح کہ اس پر ہاتھ اٹھانے کی بھی نوبت نہ آئے۔"

وہ خوش ہو کر بولی: "ہاں میں یہی چاہتی ہوں۔ ابھی تمھاری بات سن کر یہ بات ذہن میں آئی کہ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایسا کر سکتے ہو۔"

"ہوں۔" میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: "میں بختاور کو ذہنی اذیتوں میں مبتلا کر سکتا ہوں لیکن تمھاری تشفی کیسے ہوگی کیونکہ انتقام اسی کو کہتے ہیں کہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دشمن کے تڑپنے کا تماشہ دیکھا جائے۔"

مرجانہ نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "یہ بات تو ہے۔ میری تسلی اسی وقت ہوگی جب میں اپنی آنکھوں سے دشمن کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کی خواہش کرتے ہوئے دیکھوں۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ ٹیلی پیتھی کا یہ تماشہ مجھے دکھا سکو؟"

"ممکن نہیں ہے کیونکہ ایک وقت میں میں دو کام نہیں کر سکتا۔ یعنی یہ کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ادھر میں بختاور کو اپنا معمول بناؤں اور ادھر تمھیں وہ تماشہ دکھاؤں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جب بختاور کچھ اذیتیں اٹھانے لگے تو تم فون کے ذریعے رابطہ قائم کرو۔ تمھیں پتہ چل جائے گا کہ وہ کس کرب سے گزر رہا ہے۔ اس کے علاوہ کل صبح تم پھر کسی بہانے سے اس کے گھر چلی جانا۔ میں وہاں تمھارے سامنے اس کے تڑپنے کا تماشہ دکھاؤں گا۔ اس طرح تمھاری تسلی ہو سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کل صبح کی بات کل دیکھی جائے گی۔ ابھی تو اس کم بخت کو ذرا سا سبق سکھاؤ۔ میں تھوڑی دیر بعد فون کر کے اس کی خیریت پوچھوں گی۔"

میں نے کہا: "اچھا، ذرا دیر کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ میں اب بختاور کے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے چپ سادھ لی اور بختاور کے دماغ میں پہنچ گیا۔ مرجانہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی، رہ رہ کر میرا منہ تکتی رہی۔ پھر میں نے اس سے کہا: "چلو ہو گیا۔ اب تم ڈرائنگ روم میں جا کر ٹیلیفون کے ذریعے رابطہ قائم کرو اور اسے بتاؤ کہ تم مرجانہ بول رہی ہو کیونکہ اس وقت وہ لوگ تمھیں بہت یاد کر رہے ہیں۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا: "مجھے کیوں یاد کر رہے ہیں؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "اس لیے کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک بختاور تمھارا نام لے لے کر دیوار سے سر ٹکرا رہا تھا اور اپنے گناہوں کا اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کر رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ مرجانہ میری بیٹی نہیں ہے۔ میں دولت کے لالچ میں اسے اپنی بیٹی بنانا چاہتا ہوں۔ ہائے میں کتنا کم ظرف ہوں۔ یہ کہتے کہتے وہ کئی بار دیوار سے سر ٹکرا چکا ہے۔ اس کا جوان بیٹا جو بلیک بیلٹر ہے اسے بار بار سنبھال رہا ہے۔"

وہ خوشی سے میرا ہاتھ پکڑ کر بولی: "تم بھی میرے ساتھ وہاں چلو۔"

میں نے اس کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے کہا: "اگر تم اسی طرح میرے ہاتھ کو پکڑے رہو تو میں تمھارے ساتھ جہنم میں بھی جانے کے لیے تیار ہوں۔"

اس نے یک بیک میرے ہاتھ کو جھٹک دیا۔ پھر بولی: "زیادہ شوخی نہ دکھاؤ۔ چلنا ہے تو چلو۔" یہ کہہ کر وہ پاؤں پٹختی ہوئی ڈرائنگ روم کی طرف جانے لگی۔ میں بھی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اس نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا اور بختاور کا فون نمبر ڈائل کرنے لگی۔ اتنی رات ہو گئی تھی کہ گھر کے دوسرے افراد اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے تھے۔ صرف ہم دونوں ہی ایسے مہمان تھے کہ میزبانوں کو سلا کر جاگ رہے تھے۔

ٹیلیفون کا رابطہ قائم ہوتے ہی میں ان دونوں کی باتیں سننے لگا۔ مرجانہ نے ہیلو کہہ کر پوچھا: "کون بول رہا ہے؟"

دوسری طرف سے بیگم بختاور کی آواز سنائی دی: "میں بیگم بختاور ہوں۔ تم کون ہو؟"

مرجانہ نے کہا: "ابھی مجھے زور زور کی ہچکیاں آ رہی تھیں۔ میں نے سنا ہے کہ جب کوئی بہت زیادہ کسی کو یاد کرتا ہے تو جسے یاد کیا جاتا ہے اسے بہت ہچکیاں آتی ہیں۔ میں نے یہی معلوم کرنے کے لیے فون کیا ہے کہیں تمھارا شوہر مجھے یاد تو نہیں کر رہا ہے؟"

بیگم بختاور نے چیخ کر کہا: "ارے تم تو وہی لڑکی ہو۔ کیا نام ہے تمھارا، ہاں یاد آیا، مرجانہ! ابھی مرجانہ مرجانہ کہہ کر میرے شوہر دیواروں سے سر ٹکرا رہے تھے۔"

مرجانہ نے کہا: "جب وہ مرجانہ کہہ کر دیواروں سے سر ٹکرا رہے ہیں تو انھیں مر جانے دو۔ تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔"

بیگم نے کہا: "ائے تمھارے منہ میں خاک وہ کیوں مریں۔ تم مر جاؤ۔"

مرجانہ نے کہا: "لو میں مر گئی۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ پھر مجھ سے بولی: "اب ذرا دیکھو تو کہ بیگم کا کیا حال ہے۔" میں نے بیگم کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ فون کا رابطہ ختم ہونے پر بوکھلا گئی تھیں۔ کیونکہ انھیں مرجانہ کی ضرورت تھی اور وہ غصے میں مرجانہ سے ایسی بات کہہ گئی تھیں جس سے دوستی نہیں، دشمنی ہی بڑھ سکتی ہے۔ بیگم کے بڑے بیٹے زبیر نے پوچھا: "امی کیا بات ہے۔ کس کا فون تھا۔ آپ کیسے گرس رہی تھیں؟"

"ارے بیٹا، میں کیا بتاؤں اسی مرجانہ کا فون تھا۔ مجھے کتنا کچھ چاہیے تھا۔ غصے میں کچھ اور کہہ گئی ہوں۔ اب اس نے ادھر سے ریسیور رکھ دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے کیسے رابطہ قائم کروں اور اسے کیسے یہاں بلایا جائے؟"

زبیر نے کہا: "امی آپ کو تو بہت جلدی غصہ آ جاتا ہے۔ مصلحت اندیشی سے کام لینا چاہیے تھا۔ آپ جانتی ہیں کہ ابا جان کی حالت بگڑتی جا رہی ہے۔ یہ دماغی مریض بنتے جا رہے ہیں۔ ان کا علاج کوئی ڈاکٹر نہیں کر سکے گا۔ شاید مرجانہ آ کر یہ کہہ دے کہ اس نے ان کے گناہوں اور غلطیوں کو معاف کر دیا ہے۔ تو ان کے ضمیر کو اطمینان ہوگا اور ان کو دماغی سکون ملے گا۔"

"بیٹا میں تو یہی چاہتی ہوں کہ کسی طرح تمھارے باپ کو آرام آ جائے لیکن میں کیا کروں۔ بس بوکھلاہٹ میں اسے برا بھلا کہہ گئی۔"

دوسرے بیٹے منصور نے بھی اپنی ماں کو ذرا سخت لہجے میں کہا کہ ایسے وقت مرجانہ سے ایسی باتیں کرنی چاہیے تھیں۔ پھر شاہینہ نے کہا: "ٹھیک ہے میں یہاں فون کے پاس بیٹھی رہتی ہوں۔ اب اگر کال آئے گی تو میں ہی اسے اٹینڈ کروں گی۔"

میں نے مرجانہ سے کہا: "اس وقت شاہینہ ٹیلی فون کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ وہاں تمام گھر والوں کو یہ توقع ہے کہ شاید تم انھیں پھر فون کرو گی۔"

مرجانہ نے فون ریسیور پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "میں شاہینہ سے گفتگو کرتی ہوں۔"

میں نے ریسیور پر مرجانہ کے ہاتھ کے اوپر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "نہیں، میرا دل سینے میں مچل رہا ہے کہ میں اپنی بہن سے باتیں کروں۔ میں اس کے سامنے نہیں جا سکتا اور نہ ہی اپنا اصلی چہرہ دکھا سکتا ہوں کم از کم اس سے کسی بہانے گفتگو تو کر سکتا ہوں۔ میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ میری وہ بہن مجھے کسی اجنبی کی صورت میں بھائی کی حیثیت سے قبول کرتی ہے یا نہیں؟"

یہ کہہ کر میں نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے شاہینہ کی مدھر آواز سنائی دی: "ہیلو، میں بیگم زبیر بول رہی ہوں۔"

میں نے مسکرا کر کہا: "یعنی کہ تم شاہینہ بول رہی ہو؟"

اس نے پوچھا: "جی ہاں، آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں۔ آپ کون ہیں؟"

میں نے بڑے پیار سے کہا: "میری بہن اپنے بچھڑے ہوئے بھائی جان کی آواز پہچان سکتی ہو تو پہچان لو اور بتاؤ کہ میرا نام کیا ہو سکتا ہے؟"

ادھر چپ لگ گئی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس کا دماغ میری طرف پرواز کرنے لگا تھا۔ اس کا بچھڑا ہوا بھائی میں ہی تھا۔ پھر وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی: "میرے ایک ہی بھائی جان ہیں اور وہ ہیں فرہاد علی تیمور۔ آپ کون ہیں؟"

"میں وہی ہوں بہنی، جو بہن کے رشتے کو بیٹی بنا کر اپنی گود میں پالتا رہا۔ میں وہی ہوں شاہینہ۔ بولو تو میں اپنی اور تمھاری مقدس محبت کی پوری داستان سنا دوں۔ ایک ایک دن کا واقعہ مجھے یاد ہے کہ میں اپنی بہن کے ساتھ کیسے رہتا تھا۔ اور میری بہن مجھے کتنی شدت سے چاہتی تھی!"

وہ میری باتیں سنتے سنتے دور ماضی میں کھو گئی تھی۔ اسے ایک ایک واقعہ یاد آ رہا تھا کہ اس کی ماں یعنی کہ میری چچی جان مجھ پر کیسے ظلم کرتی تھی۔ جب شاہینہ بڑی ہوئی تو میرے اور اس کے مقدس پیار پر تہمت لگائی گئی۔ ہمیں گناہ کی طرف دھکیلنے کی لاشعوری طور پر کوشش کی گئی۔ لیکن ہم پاک تھے، اور پاک ہی رہے۔

زبیر کی آواز سنائی دی۔ وہ شاہینہ سے پوچھ رہا تھا: "کیا بات ہے شاہینہ۔ فون پر کون ہے؟"

شاہینہ نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا: "ایک صاحب خود کو میرا بھائی بتا رہے ہیں۔ یعنی فرہاد بھائی۔ اور وہ میرے ماضی کی ایک ایک بات مجھے یاد دلا رہے ہیں۔ ان کے لب و لہجے سے بھی ایسا پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی گم شدہ آواز ہے۔ ایک عرصے کے بعد جسے میرے کان سن رہے ہیں۔"

زبیر نے کہا: "تم جذبات میں بہہ جاتی ہو۔ بھائی کی محبت میں کوئی غلطی بھی کر سکتی ہو۔ کوئی غلط آدمی تمھیں بہکا سکتا ہے۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جو شخص تم سے ابھی فون پر بات کر رہا ہے۔ وہ تمھارا بھائی جان فرہاد علی تیمور ہے۔ لاؤ ریسیور مجھے دو۔ میں بات کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسور لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے فون پر کہا: "زبیر مجھے مخاطب نہ کرنا۔ میں بغیر دیکھے ہوئے اتنی دور بیٹھے ہوئے یہ کہہ سکتا ہوں کہ ابھی تم نے شاہینہ کے سامنے بے یقینی ظاہر کی ہے کہ جو شخص فون پر باتیں کر رہا ہے۔ اس کے پاس فرہاد علی تیمور ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ اور یہی باتیں کرنے کے لیے تم نے ریسور شاہینہ کے ہاتھ سے لیا ہے۔ اب تم خود ہی سوچو کہ یہ باتیں مجھے کیسے معلوم ہو سکتی ہیں۔ یہ تو صرف فرہاد علی تیمور ہی جان سکتا ہے۔"

زبیر نے قائل ہو کر کہا: "جی ہاں، آپ درست فرماتے ہیں آپ کی باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ ہی فرہاد بھائی ہیں لیکن آپ اتنی دور کیوں ہیں۔ آپ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے۔ ہمارے پاس آپ کی تصویر ہے۔ اگرچہ آپ کو شاہینہ سے بچھڑے ہوئے کافی مدت گزر چکی ہے۔ تاہم تصویر سے آپ پہچانے جا سکتے ہیں۔"

میں نے کہا: "زبیر یہی تو مجبوری ہے کہ میں سامنے نہیں آ سکتا اگر آؤں گا تو تم لوگ مجھے پہچان نہیں سکو گے۔ اس لیے کہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے میرا چہرہ بدل گیا ہے۔ کوئی یقین نہیں کرے گا میں ہی فرہاد علی تیمور ہوں۔"

زبیر نے پوچھا: "اب اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے آپ کا چہرہ بدل گیا ہے؟"

"تم کتنے ثبوت چاہو گے۔ ابھی تو میں نے ٹیلی پیتھی کا ایک مظاہرہ کیا ہے اس سے پہلے جو تمہارے ابا جان دیواروں سے سر ٹکرا کر مرجانہ کے نام کا ورد کر رہے تھے۔ تو اس میں بھی میری ٹیلی پیتھی کا ہاتھ تھا۔ میں ہی انہیں یہ سزا دے رہا تھا۔"

"کیا کہا آپ نے۔ آپ سزا دے رہے ہیں میرے ابا جان کو؟ مگر کیوں؟"

"اس لیے کہ انہیں جتنی بھی سزا دی جائے۔ جتنی بھی اذیتیں پہنچائی جائیں کم ہیں۔ انہوں نے مرجانہ پر ایسے مظالم ڈھائے ہیں۔ اور اس کی والدہ کو ایسا ذلیل کیا ہے۔ اس طرح بدنام کیا ہے کہ شرافت اسے گوارا نہیں کر سکتی۔ کسی بھی مہذب آدمی کو تمہارے باپ سے باتیں کرتے ہوئے شرم آئے گی میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں۔ ہو سکے تو باپ اور بیٹے کے رشتے کو بھولنے کی کوشش کرو۔ ایک منصف بن کر سوچو کہ تمہارے باپ کو کیا سزا ملنی چاہیے۔ سزا کے بارے میں سوچو اور انصاف کو معافی کی توقع نہ رکھو کیونکہ مرجانہ انہیں کسی صورت میں معاف نہیں کرے گی۔"

"اگر آپ واقعی ہمارے فرہاد بھائی ہیں تو یہاں آکر باتیں کریں تمام باتیں سہولت سے طے ہو جائیں گی۔"

"نہیں زبیر! میری دو بڑی مجبوریاں ہیں جس کی وجہ سے میں ابھی نہیں آ سکتا۔ پہلی مجبوری یہ ہے کہ تمہارے باپ کی موجودگی میں میں اور مرجانہ اب تم لوگوں سے ملاقات نہیں کریں گے۔ کیونکہ تم لوگوں کا رشتہ ایسا ہے کہ تم فریاد کرو گے گڑگڑاؤ گے انسانی ہمدردی کا واسطہ دو گے تو میں کسی حد تک شاہینہ کی خاطر نرم پڑ جاؤں گا۔ مگر مرجانہ کبھی نہیں مانے گی۔ وہ انتقام لے گی۔ اور اپنی زندگی کی آخری سانس تک انتقام کے متعلق ہی سوچتی رہے گی۔ میری دوسری مجبوری یہ ہے کہ میرے پاس میرا اپنا اصلی چہرہ نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں بہت جلد اپنی اصلی صورت میں لوٹ آؤں گا۔ مجھے اس دن کا انتظار ہے۔ اور جس دن ایسا ہو گا۔ اسی دن میں سب سے پہلے آکر اپنی شاہینہ سے ملوں گا۔ اس کے بعد یہاں اور بھی رشتے دار اور دوست واحباب ہیں سبھی سے ملاقات کرنا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کرنے کے لیے مجھے دوبارہ پلاسٹک سرجری کروانے کے لیے... پیرس جانا ہو گا۔ پیرس سے میں بہت جلد واپس آؤں گا۔ تب تم سے شاہینہ سے ملاقات ہو گی۔"

شاہینہ اپنے شوہر کے سر سے سر جوڑے ہوئے ریسور سے کان لگا میری باتیں سن رہی تھی۔ اس نے جلدی سے ریسور اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: "بھائی جان، آپ جو کوئی بھی ہوں۔ میں آپ کو بھائی جان سمجھ کر مخاطب کر رہی ہوں۔ اور آپ کی باتوں سے یہ اندازہ لگا رہی ہوں کہ آپ میرے سسر صاحب کو اذیتوں میں مبتلا کرنے کے بعد کترا رہے ہیں۔ اگر آپ واقعی میرے بھائی ہیں۔ تو میں آپ سے اپنا حق مانگتے ہوئے یہ درخواست کرتی ہوں کہ انہیں بچائیں۔ اگر آپ نے انہیں مرجانہ کی دشمنی سے محفوظ نہ رکھا تو جب بھی آپ اپنی اصلی صورت کے ساتھ میرے سامنے آئیں گے۔ تو میں آپ سے ناراض رہوں گی۔"

زبیر نے دھیمی سرگوشی میں شاہینہ سے کہا: "تم بھائی سے کہو کہ وہ یہاں آکر باتیں کریں۔ ان کی صورت خواہ اجنبی جیسی کیوں نہ ہو۔ ہم انہیں فرہاد بھائی سمجھ کر ہی باتیں کریں گے۔"

شاہینہ نے یہ سنتے ہی ریسور پر مجھ سے کہا: "بھائی جان۔ میں آپ سے بہن کے ناتے ضد کرتی ہوں کہ آپ اسی وقت میرے پاس چلے آئیں۔ میں آپ سے روبرو باتیں کروں گی۔ آپ کا انکار نہیں سنوں گی۔ اور انکار کرنے سے پہلے میں ریسور رکھ رہی ہوں بس آپ فوراً چلے آئیں۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریسور رکھ دیا۔ میں اپنے ریسور کو دیکھنے لگا مرجانہ نے پوچھا: "کیا ہوا؟"

میں نے اسے بتایا: "شاہینہ ضد کر رہی ہے۔ اور مجھے اپنے پاس بلا رہی ہے۔ کہتی ہے کہ روبرو باتیں ہوں گی۔"

مرجانہ نے کہا: "باتیں خواہ کچھ بھی ہوں۔ رشتہ کتنا ہی نازک ہو یا کتنا ہی مقدس ہو۔ یاد رکھنا فرہاد۔ میں انتقام لینے سے باز نہیں آؤں گی۔"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "میں جانتا ہوں۔ تمہارے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم انتقام لو گی۔ میں تمہارے راستے میں حائل نہیں ہونا چاہوں گا۔ چلو، ہم اسی وقت چلتے ہیں۔۔ دیکھتے ہیں کہ ہماری یہ بحث کس نتیجے پر پہنچتی ہے۔ اور تمہارے انتقام کا مسئلہ کس طرح حل ہوتا ہے۔"

ہم دونوں ڈرائنگ روم سے باہر آئے۔ کار پورچ میں کھڑی ہوئی تھی۔ ہم اس میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہونے لگے۔ اسی وقت ایک کمرے کی کھڑکی کھلی۔ پھر مرجانہ کے انکل کی آواز سنائی دی: "کیا بات ہے۔ تم دونوں کو نیند نہیں آ رہی ہے۔ اتنی رات کو پھر کہاں جا رہے ہو؟"

مرجانہ نے کہا: "انکل آپ آرام سے سوتے رہیں، فکر نہ کریں۔ ہم جلد ہی واپس آ جائیں گے۔ ایک ضروری کام سے جا رہے ہیں۔"

یہ کہہ کر مرجانہ نے مجھ سے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں نے انکار کرتے ہوئے کہا: "نہیں تم کار چلاؤ گی اور میں ذرا خیال خوانی میں مصروف رہوں گا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ بختاور کیا کر رہا ہے۔"

مرجانہ کار ڈرائیو کرنے لگی۔ میں بختاور کے دماغ میں پہنچ گیا اس وقت وہ ٹیلی فون ڈرائنگ روم سے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے جا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا: "مجھے ضروری کال کرنی ہے۔ کوئی میرے کمرے میں نہ آئے۔"

یہ کہہ کر وہ ٹیلی فون کو اپنے بیڈ روم میں لے گیا۔ پھر اس کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اس کے بعد وہ ریسور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ اس کے ارادے مرجانہ کے لیے بہت ہی خطرناک ہیں۔ اس کا ایک دوست تھا جو اس کی طرح شرابی کبابی تھا اور پیشہ اسمگلنگ تھا۔ اسمگلنگ کا پیشہ کرنے والا وہ دوست اچھے خاصے غنڈے پال کر رکھتا تھا۔ اب بختاور انہی غنڈوں کی خدمات حاصل کر رہا تھا اور اپنے دوست کو سمجھا رہا تھا کہ اب سے تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس کی کوٹھی کو چاروں طرف سے گھیر لیا جائے اور مرجانہ نام کی لڑکی کے ساتھ جو کوئی بھی ہو گا۔ دونوں کو گھیر کر یا تو ختم کر دیا جائے یا انہیں کسی طرح اغوا کیا جائے۔ اس طرح کہ وہ ان کی گرفت میں آ سکیں اس کے بعد وہ مرجانہ سے نمٹ لے گا

میں بختاور کے شرابی دوست کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ریسور رکھنے کے بعد دوبارہ اسے اٹھا کر اپنے غنڈوں کے لیڈر سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے اس لیڈر کو وہی حکم دیا جیسا کہ بختاور چاہتا تھا۔ اس فون کے رابطے سے میں غنڈوں کے اس لیڈر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ لیڈر اب اپنے غنڈوں سے رابطہ قائم کرنے کے لیے گھر سے نکل پڑا تھا۔

میں نے مرجانہ سے کہا: "ذرا لمبے راستے سے کوٹھی کی طرف چلیں اتنی جلدی کوٹھی میں نہ پہنچیں کیونکہ معاملہ ذرا سنگین ہوتا جا رہا ہے۔"

مرجانہ نے پوچھا: "کیسا معاملہ، سنگینی کیسی ہے؟"

"میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں گا۔ ابھی ایک بدمعاش کا تعاقب کر رہا ہوں۔ تھوڑی دیر خاموش رہو۔"

یہ کہہ کر میں پھر اس لیڈر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اب وہ اپنے ایک ماتحت کے گھر پہنچ کر اس سے باتیں کر رہا تھا اور اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ اپنے دو چار ساتھیوں کو بلا کر لے آئے۔ میں ان دونوں کے یعنی کہ لیڈر اور اس کے ماتحت کے دماغوں میں باری باری جھانکتا رہا۔ وہ لوگ جہاں جہاں گئے اور جن سے رابطہ قائم کیا ان تمام لوگوں کے دماغوں کو پہچانتا رہا اور ان کے دماغوں میں پہنچنے کے لیے جگہ بناتا رہا۔ پھر میں نے دماغی طور پر کار میں حاضر ہو کر مرجانہ سے کہا: "بس اب کوٹھی کی طرف چلو۔ کام بن گیا ہے۔"

اس نے گاڑی کا رخ کوٹھی کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ کیا بات ہے؟"

میں نے اسے ساری باتیں بتائیں کہ بختاور کس طرح ہمارے اطراف جال بچھا رہا ہے۔ مرجانہ نے کہا: "وہ بڑا ہی کمینہ آدمی ہے اس کا بیٹا اور اس کی بہو اس کی جان بچانے کی خاطر ہمیں صلح کے لیے اپنے پاس بلا رہے ہیں اور وہ بدمعاشی سے اب بھی باز نہیں آ رہا ہے۔ اب بتاؤ کیا ارادہ ہے؟"

"بس چلتی چلو، ہم ان کی کوٹھی میں جائیں گے دیکھیں گے کہ وہ ہمارا کیا بگاڑ لیتے ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولی: "واہ مزہ آ گیا۔ مجھے ساتھی بھی ملا ہے تو میرے ہی جیسا جی دار ہے۔ جب جان بوجھ کر خطرات میں چھلانگ لگائی جاتی اور ایسے وقت اپنے ساتھی کی حمایت بھی حاصل ہو تو مزہ آ جاتا ہے۔"

ہماری کار کوٹھی کے پورچ میں پہنچ کر رک گئی۔ مرجانہ نے کار کا ہارن دیا۔ پھر ہم گاڑی سے نکل آئے۔ ہارن کی آواز سنتے ہی شاہینہ دوڑتی ہوئی باہر آئی۔ اس کے پیچھے زبیر بھی تھا پھر وہ مرجانہ کے ساتھ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ ایک جگہ کھڑی رہ گئی اور مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اسے انتظار تھا کہ اس کے فرہاد بھائی جان آ رہے ہیں۔ تصور میں وہی فرہاد کا چہرہ تھا جو تصویر میں نظر آتا تھا۔ مگر مجھے دیکھتے ہی وہ مایوس ہو گئی۔ میں

اس کے لیے اجنبی تھا۔ میں نے برآمدے کی سیڑھی پر چڑھتے ہوئے کہا" شاہینہ! میں تمہارا بھائی ہوں۔ میں نے کہا تھا نا کہ تم مجھے پہچان نہیں سکوگی۔ بہرحال مجھے اس کا گلہ نہیں ہے۔ یہ تمہاری بھی مجبوری ہے۔ جب تم مجھے میرے اصلی چہرے کے ساتھ دیکھو گی تو انشاءاللہ ایک دن اپنے بھائی جان کے سینے سے آکر لگ جاؤ گی۔"

وہ گہری سنجیدگی سے بولی" میں اپنے بھائی جان کے لیے تڑپ رہی ہوں۔ جب بھی میں آپ کے چہرے پر اپنے بھائی جان کا چہرہ دیکھوں گی تو وہ دن میری زندگی میں سب سے زیادہ خوشی کا دن ہوگا۔ اس روز میں آپ کے دھڑکتے ہوئے سینے میں باپ کی دھڑکنیں محسوس کروں گی۔ آپ کی آغوش میں پہنچ کر ماں کی گود میں پہنچ جاؤں گی اور آپ کا پیار ایک بھائی کا مقدس پیار ہوگا۔ اس دن کا انتظار کرنے کے لیے ہمیں صبر کرنا چاہیے۔ آئیے اندر تشریف لائیے۔ وہاں گھر کے دوسرے لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں۔"

زبیر نے بھی ہاتھ کے اشارے سے اندر چلنے کے لیے کہا" میں اور مرجانہ شانہ بہ شانہ چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ وہاں بختاور اور اس کی بیوی ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس صوفے کے پیچھے ان کا قد آور بلیک بیلٹر بیٹا کمر پر دونوں ہاتھ رکھے بڑی شان سے کھڑا ہوا تھا۔ میں اور مرجانہ ان کے بالکل سامنے مگر ان سے دور ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ زبیر نے کہا" یہاں ہم دوستانہ ماحول میں باتیں کریں گے اور سمجھدار انسانوں کی طرح لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرتے ہوئے کوئی ایسا راستہ نکالیں گے کہ جس سے مرجانہ کی بھی تسلی ہو جائے۔"

مرجانہ نے کہا" میری تسلی اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک کہ میرے انتقام کی آگ نہیں بجھے گی۔"

زبیر نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا" ابھی اباجان ہم سے کہہ رہے تھے کہ وہ جو اتنی دیر تک دیوار سے سر ٹکراتے رہے تھے اور مرجانہ کا نام لے کر چیختے رہے تھے تو یہ کوئی ٹیلی پیتھی کا کمال نہیں تھا۔ آپ فرہاد علی تیمور نہیں ہیں بلکہ آپ لوگ یہاں ہمیں دھوکا دینے کے لیے آئے ہیں، اور اسی لیے ٹیلیفون پر بھی ہم سے رابطہ قائم کیا تاکہ ہم مجبور ہو کر آپ لوگوں کو یہاں بُلائیں۔"

میں نے پوچھا" اگر یہ ٹیلی پیتھی کا کمال نہیں تھا تو تمہارے اباجان دیواروں سے سر کیوں ٹکرا رہے تھے؟"

بختاور نے کہا" میں بتاتا ہوں۔ میں شام سے بہت زیادہ پی رہا تھا اور مجھے بہت زیادہ نشہ ہو گیا تھا۔ اس نشے کی وجہ سے میں نے ایسی حرکتیں کی ہیں۔ اگر تم واقعی فرہاد علی تیمور ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔"

شاہینہ نے کہا" ہاں، بھائی جان! اگر آپ واقعی میرے بھائی جان ہیں تو کوئی ایسا ثبوت پیش کریں جس سے ہم میں سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔"

میں نے کہا" میری بہن! میں نے اگر ضرورت محسوس کی تو ضرور ثبوت پیش کروں گا۔ فی الحال یہ سمجھ لو کہ میں فرہاد علی تیمور نہیں ہوں۔ ایک عام سا آدمی ہوں اور میرے ساتھ یہ ایک عام سی لڑکی ہے جو مظلوم ہے جس پر بختاور نے ظلم کیا ہے۔ ہم فریادی بن کر آئے ہیں اور انصاف چاہتے ہیں۔ تم لوگ شرافت تہذیب اور انسانیت کی حدود میں رہ کر کیا انصاف کرو گے، ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

زبیر نے کہا" آپ لوگوں کو قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے۔ آپ لوگ میرے اباجان کے خلاف جو بھی قدم اٹھائیں گے وہ غیر قانونی ہوگا۔ آپ لوگوں کو صبر سے کام لینا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ ظالم کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے۔"

مرجانہ نے کہا" نہیں ظالم کرتا ہے، مگر بھرتا نہیں ہے۔ مظلوم کی زندگی وہ بھر کرتا رہتا ہے جیسا کہ آج بیس برس ہونے کو آئے۔ آج تک تمہارا باپ میرے پیچھے پڑا رہا، اور کرم دین کے ذریعے معلومات حاصل کرتا رہا تاکہ کسی طرح مجھ تک پہنچ جائے اور مجھے کسی طرح اپنی بیٹی بنا کر میری دولت اور جائیداد پر قبضہ جمائے۔"

زبیر نے کہا" یہ باتیں ہم تمہاری زبان سے پہلے بھی سُن چکے ہیں۔ اسے بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں صرف اتنا سمجھانا چاہتا ہوں کہ قانون کے مطابق تم لوگوں کو کسی بھی شریف گھر میں گھس کر ایسی کوئی ناز یبا حرکت نہیں کرنی چاہیے اور ہمارے بزرگوں سے کوئی گستاخی نہیں کرنی چاہیے۔"

میں نے کہا" زبیر! اگر تمہارا انصاف یہی ہے کہ تمہارے باپ کو قانون قدرت پر چھوڑ دیا جائے تو کیوں نہ تمہارے باپ کا فیصلہ قانون کے مطابق کیا جائے۔ تمہارے باپ نے یہ اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے سائرہ بانو سے شادی کی تھی اور مرجانہ ان کی بیٹی ہے۔ یہ اپنا تحریری بیان دے دیں۔ ہم عدالت میں یہ ثابت کریں گے کہ یہ غلط ہے اور بختاور لالچ کے تحت مرجانہ اور اس کی والدہ کی زندگی برباد کر رہا ہے پھر قانون کے مطابق جو سزا ہوگی تو وہ تماشہ کیا تم دیکھ سکوگے؟"

شاہینہ نے کہا" اتنی لمبی چوڑی باتیں کرنے کا کوئی

فائدہ نہیں ہے۔ آپ لوگ اپنے اپنے تحفظ کے لیے اور اپنی اپنی باتوں کو جائز قرار دینے کے لیے بڑی بڑی بحثیں کر سکتے ہیں میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ ہمارے درمیان یہاں سمجھوتے کی بات ہونی چاہیے۔"

" شاہینہ! تم میری بہن ہو۔ میں تمہارے کہنے پر شاید بختاور کو معاف کر دیتا اور مرجانہ بھی کسی حد تک نرم پڑ جاتی لیکن تمہیں نہیں معلوم ہے کہ یہ بوڑھا شخص کس قدر چالباز ہے۔ تم لوگوں نے ہمیں یہاں صلح کے لیے بُلایا ہے اور یہ شخص ہمیں غنڈوں کے ذریعے گھیر کر ہماری جان لینا چاہتا ہے۔ اس سے پوچھو کہ یہ تھوڑی دیر پہلے یہاں ڈرائنگ روم سے ٹیلیفون اپنے کمرے میں لے جا کر کس سے باتیں کر رہا تھا اور کس طرح غنڈوں کو ہمارے لیے ہدایات دے رہا تھا؟"

میری یہ بات سنتے ہی بختاور چونک کر سیدھا ہو کر صوفے پر بیٹھ گیا اور بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ زبیر نے پوچھا" اباجان! کیا یہ سچ ہے؟"

بختاور نے ڈھٹائی سے کہا" یہ جھوٹ ہے۔"

میں نے کہا" زبیر! تم اور منصور باہر جا کر دیکھو اس وقت تمہاری کوٹھی کے چاروں طرف غنڈے اور بدمعاش پھیلے ہوتے ہیں اور یہ سب تمہارے باپ کی طرف سے آئے ہوتے ہیں۔"

اسی وقت ڈرائنگ روم میں ایک نوجوان لڑکی داخل ہوئی۔ وہ بختاور کی بیٹی تھی۔ بیگم نے اسے دیکھتے ہی کہا" سلمیٰ! میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم ڈرائنگ روم میں نہ آنا۔"

سلمیٰ نے آگے بڑھتے ہوتے اور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا" میں اپنے کمرے میں رہ نہیں سکی۔ میرے دل میں بے چینی تھی کہ ذرا فرہاد علی تیمور کو دیکھوں۔ مگر یہ صاحب تو کوئی اور ہیں۔"

زبیر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا" اچھی بات ہے، میں باہر جا کر دیکھتا ہوں کہ غنڈے وہاں موجود ہیں یا نہیں؟"

وہ جانا ہی چاہتا تھا کہ بختاور نے ڈانٹ کر کہا" زبیر! میں حکم دیتا ہوں کہ تم ڈرائنگ روم سے باہر قدم نہیں نکالو گے۔"

زبیر نے کہا" مگر کیوں اباجان! اگر تصدیق کر لی جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ کیا آپ نے واقعی غنڈوں کو یہاں آنے کی دعوت دی ہے؟"

" ہاں، یہ درست ہے۔ تمہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ دونوں اب یہاں سے زندہ واپس نہیں جائیں گے۔ میں نے انہیں گھیرنے اور ان کی مرمت کرنے کے پورے انتظامات کر لیے ہیں۔"

منصور نے آگے بڑھتے ہوئے کہا" اباجان! آپ نے خواہ مخواہ اتنی زحمت کی۔ آپ کا بیٹا اس قابل ہے کہ اکیلا ان دونوں کی مرمت کر سکتا ہے اور ان کو ایسا سبق سکھا سکتا ہے کہ پھر کبھی آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔"

اس کی بات سن کر مرجانہ اپنی جگہ سے اٹھی اطمینان سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم کے باہری دروازے تک گئی، اور اس دروازے کو بند کر کے اندر سے چٹخنی چڑھا دی۔ اس کے بعد وہاں سے پلٹ کر بولی" اس دروازے سے باہر کا کوئی آدمی اندر نہیں آئے گا۔ منصور میں تنہا تمہارے سامنے ہوں۔ آؤ اور اپنی حسرت پوری کرو۔ میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ تم ابھی بچے ہو۔ تم نے بلیک بیلٹ اپنی کمر سے باندھ کر یہ سمجھ لیا ہے کہ بہت بڑے فائٹر ہو۔ جب تک تمہیں ٹھوکریں نہیں لگیں گی، اس وقت تک تمہارے سر سے غرور نہیں اترے گا۔"

اگر میں چاہتا تو مرجانہ کو اس مقابلے سے روک سکتا تھا کیونکہ منصور کتنا ہی خطرناک فائٹر ہو، پھر بھی وہ مرجانہ کے فولادی جسم سے ٹکرا نہیں سکتا تھا اور نہ ہی اس کی طرح لڑنے کا تجربہ رکھتا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ منصور کو کچھ سبق ملنا چاہیے ورنہ یہ اور زیادہ مغرور ہوتا جائے گا۔ مرجانہ کے ذہن کو میں پڑھ چکا تھا۔ وہ منصور سے مقابلہ میں فاتح بننے کے لیے نہیں، اس کی گوشمالی کے لیے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس وقت تک وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہو گئے تھے۔ صوفوں کے درمیان کافی جگہ تھی۔ وہ بڑی آسانی سے پینترے بدل کر ایک دوسرے پر حملے کر سکتے تھے۔

پھر منصور پینترے بدل بدل کر کراٹے کے پوز بنانے لگا۔ اس کے پوز بنانے کے انداز میں بڑی جارحیت تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ سچ مچ بہت ہی خطرناک قسم کا حملہ کرنے والا ہے۔ اس کے مقابلے میں مرجانہ بڑی سہولت سے آہستہ آہستہ اس کے جواب میں پینترے بدل رہی تھی۔ پھر اچانک ہی منصور نے کراٹا لڑنے والوں کی طرح چیخ ماری۔ پھر پوز بناتا ہوا تیزی سے بڑھتا ہوا مرجانہ پر حملہ آور ہوا۔ اس نے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے متواتر دو چار حملے کیے لیکن تمام حملوں کو مرجانہ روکتی چلی گئی اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتی گئی۔ جب

پیچھے ہٹنے کی جگہ نہ رہی تو اس نے یکبارگی منصور کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف ایک جھٹکے سے گھما دیا۔ وہ اس بات کے لیے تیار نہیں تھا بڑی آسانی سے گھوم گیا۔ گھومتے ہی مرجانہ نے اس کی کمر پر ایک زبردست لات ماری۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے کی طرف ڈگمگاتا ہوا صوفے پر بیٹھی ہوئی اپنی ماں کے آگے جا کر گرا اور اس کا سر ماں کی گود میں پہنچ گیا۔

مرجانہ نے حقارت سے کہا "ابھی تمہاری عمر یہی ہے ماں کی گود میں ہی رہو تو بہتر ہے۔"

وہ یکبارگی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پلٹ کر خونخوار نظروں سے مرجانہ کو دیکھنے لگا۔ پہلی بار حملہ کرتے وقت اس کے دماغ میں یہی بات تھی کہ مقابلے میں ایک لڑکی ہے۔ قد آور ہے اچھی ڈیل ڈول والی ہے پھر بھی معمولی حملے سے وہ چاروں شانے چت ہو جائے گی لیکن اب اسے پتہ چلا تھا کہ مرجانہ کتنی پھرتیلی ہے۔ اس بار اس نے پھر پینترے بدل کر لڑنے کے پوز بنائے۔ ایسا لگتا تھا جیسے پھر کھڑی ہتھیلیوں سے حملہ کرے گا لیکن یکبارگی اس نے مرجانہ پر چھلانگ لگائی۔ فلائنگ کک مارنے کا ارادہ تھا لیکن مرجانہ نے نیچے بیٹھ کر اس کو ایک ہاتھ سے ہلکا سا ٹھونکا دیا۔ چونکہ وہ فلائنگ کک کی وجہ سے فضا میں اڑتا ہوا آ رہا تھا چنانچہ اس کے ایک ہاتھ کے معمولی سے ٹھونکے سے دوسری طرف اڑتا ہوا گیا اور ایک صوفے سے ٹکراتے ہوئے دوسری طرف الٹ گیا۔

اس کی ماں ایک دم سے سینہ پیٹتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی "ہائے! یہ میرے بیٹے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے تاؤ دلانے کے لیے کہا "منصور! بڑی شرم کی بات ہے۔ ایک لڑکی سے ہار رہے ہو۔"

منصور ایک دم سے جھنجھلا کر فرش پر سے اٹھا صوفے کو پھلانگتا ہوا، دوڑتا ہوا مرجانہ کو مارنے کے لیے اس طرح آیا کہ غصے میں پینترا ہی بھول گیا۔ لڑائی کے وقت پینترا بھولنے والے اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے۔ ان کی شامت آ جاتی ہے۔ مرجانہ نے پھر اس کا ایک ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف گھماتے ہوئے اور لات رسید کرتے ہوئے کہا "بے وقوف کے بچے! میں تم پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہتی۔ اگر ایک ہاتھ بھی پڑ گیا تو تم اسے برداشت نہیں کر سکو گے۔ اب باز آ جاؤ اور یہ سمجھ لو کہ مجھ سے جیتنے کے لیے ابھی تمہیں ایک عمر درکار ہے اور ابھی بڑی مشقوں کی ضرورت ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی منصور نے پھر پلٹ کر پینترا بدل کر اس پر چھلانگ لگائی تھی۔ وہ ایک طرف ہٹ گئی۔

منصور پھر فضا میں اڑتا ہوا میرے پاس آ کر گر گیا۔ میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا "اٹھو شاباش۔ ابھی تم میں جان باقی ہے۔"

اس نے جھنجھلا کر ایک الٹا ہاتھ میری طرف گھمایا۔ وہ مجھے مارنا چاہتا تھا لیکن میں پیچھے کی طرف ہٹ گیا۔ اس کا وار خالی گیا۔ مرجانہ نے آگے بڑھ کر اس کی ٹانگ کھینچی اور پھر اسے پکڑ کر گول چکر دینے لگی۔ چکر دیتے دیتے اسے فضا میں ایک دم سے اچھال دیا۔ منصور چیخیں مارتا ہوا صوفوں کے دوسری طرف دور جا کر وہاں رکھے ہوئے ایک ٹی وی سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑا۔ بڑی شدید چوٹیں آئی تھیں۔ پھر بھی مرجانہ کافی رعایت برت رہی تھی۔ اس نے اب تک اپنا ہاتھ نہیں دکھایا تھا اور ہی دور سے ایک بچے کی طرح اسے کھلا رہی تھی۔ شاہینہ نے پریشان ہو کر کہا "مرجانہ! بس کرو۔ یہ تو خون خرابہ شروع ہو گیا ہے۔"

مرجانہ نے کہا "بس تو تمہارے دیور کی طرف سے ہو گا۔ میں تو بالکل سیدھے سادے انداز میں اپنی جگہ کھڑی ہوئی ہوں۔ تمہارا دیور ہی لپک لپک کر مجھے مارنے آتا ہے۔ تم لوگ اسے کیوں نہیں روکتے؟"

زبیر، بختاور اور بیگم سبھی منصور کی طرف دوڑتے ہوئے گئے اور اسے سمجھانے لگے کہ اسے سمجھ بوجھ سے کام لینا چاہیے میں نے شاہینہ سے کہا "میری بہن! تم یہاں کے تماشے دیکھ رہی ہو۔ تم نے صلح کے لیے مجھے بلایا تھا۔ مجھے بہن کے رشتے کا واسطہ دے کر کہا تھا کہ میں تمہارے سسر کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاؤں لیکن دیکھ لو، تمہارے سسر نے ہمارے لیے دشمنوں کی ایک فوج باہر بلا کر رکھی ہے۔ ایسی صورت میں اب تمہیں اپنے الفاظ واپس لینا چاہئیں اور آئندہ بہن اور بھائی کے رشتے کا حوالہ نہیں دینا چاہیے۔ میں اس بوڑھے، ذلیل آدمی کو تھوڑی سی سزا دے کر یہاں سے جاؤں گا اور تم دیکھ لو گی کہ میں فرہاد علی تیمور ٹیلی پیتھی کے ذریعے کس طرح اسے ناچ نچاتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں بختاور کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ پھر اسے زینے کی طرف دوڑانے لگا۔ وہ اوپر زینے کی طرف دوڑتے ہوئے چڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا "میں بہت ہی ذلیل اور کمینہ آدمی ہوں۔ میں نے ان لوگوں کو جو صلح کے لیے یہاں آتے ہیں، ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ غنڈوں کو یہاں بلایا ہے۔ میں اپنی اس غلطی کی سزا خود بھگتنے جا رہا ہوں۔"

یہ کہتے کہتے وہ زینے کی اونچائی پر یعنی اوپر منزل پر

پہنچ گیا تھا۔ پھر وہ لڑکھڑا کر وہاں سے گرا اور اوپر سے لڑھکتا ہوا نیچے زینے کی طرف آنے لگا۔ بیگم اور شاہینہ چیخنے لگیں۔ زبیر دوڑتا ہوا اپنے باپ کو سنبھالنے کے لیے گیا لیکن اس وقت تک بختاور پختہ زینے سے لڑھکتا ہوا لہولہان ہوتا ہوا نیچے فرش پر آ کر ٹھہر گیا تھا اور گہری گہری سانسیں یوں لے رہا تھا جیسے دم نکلنے والا ہو۔

دوسری طرف منصور اپنی ضد سے باز نہیں آ رہا تھا۔ وہ ایک لڑکی سے مار کھا کر اپنی توہین محسوس کر رہا تھا اور کسی نہ کسی طرح مرجانہ کو ایک ہاتھ منہ پر رسید کرنا چاہتا تھا۔ اس کی حسرت رہ گئی تھی کہ اس کا کوئی داؤ کامیاب ہو جائے۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور اپنی چوٹوں کو سہلانے کے بعد آہستہ آہستہ مرجانہ کی طرف کراٹے کا پوز بناتے ہوئے بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر وہ اس کے عین مقابل آ کر کھڑا ہو گیا تب مرجانہ نے کہا "تم اس طرح باز نہیں آؤ گے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم پر ہاتھ اٹھاؤں؟"

اس نے گالی دے کر کہا "تم کیا ہاتھ اٹھاؤ گی۔"

گالی سنتے ہی مرجانہ بھڑک گئی۔ اس نے اچانک ہی کراٹے کا پوز بناتے ہوئے چیخ مارتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے ہوئے ایک ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا تو منصور ایک دم سے گھوم کر چکرا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہاتھ نہیں تھا لوہے کی سلاخ تھی جو اس کے منہ پر لگی تھی۔

میں نے شاہینہ سے کہا "بیٹے! تم اپنی نند سلمیٰ کو لے کر دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔ اب باہر کے غنڈے اندر آنے والے ہیں۔"

شاہینہ نے حیرانی سے پوچھا "دروازہ تو اندر سے بند ہے، غنڈے کیسے آئیں گے؟"

میں نے مسکرا کر کہا "میں خود انہیں بلاؤں گا۔ تم اندر چلی جاؤ۔"

وہ آگے بڑھ کر سلمیٰ کا ہاتھ تھام کر ہم سے دور ہوتی چلی گئی۔ پھر ڈرائنگ روم کے دور افتادہ گوشے میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہاں دوسرا دروازہ تھا۔ اس دروازے کو پار کر کے وہ کوٹھی کے اندرونی حصے میں جا سکتی تھی لیکن تماشہ دیکھنے کے لیے کھڑی ہو گئی تھی۔ سلمیٰ بھی اس تماشے میں دلچسپی لے رہی تھی۔ اسے بھائی کے مار کھانے اور باپ کے زخمی ہونے کا افسوس نہیں تھا۔ شاید وہ دونوں کے کرتوت جانتی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ ان کے ساتھ مناسب سلوک کیا جا رہا ہے۔

میں نے ڈرائنگ روم کے بیرونی دروازے کے پاس پہنچ کر اس کی چٹخنی گرا دی۔ پھر دروازے کو کھولتے ہوئے بدمعاشوں کے لیڈر کو آواز دی "اندر آ جاؤ، مسٹر بختاور تم لوگوں کو بلا رہے ہیں۔"

یہ کہہ کر میں پیچھے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ان کا لیڈر کمرے میں داخل ہوا۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ میری مرضی کے مطابق آگے بڑھتا ہوا ڈرائنگ روم کے وسط میں چلا گیا۔ اس کے پیچھے اس کے ماتحت یکے بعد دیگرے آنے لگے۔ وہ تعداد میں دس تھے۔ جب وہ لوگ اندر پہنچ گئے تو میں نے مرجانہ کو اشارہ کیا۔ وہ میرے پاس آ گئی۔ پھر ہم دونوں فوراً ہی باہر نکل کر دروازے کو بند کرتے ہوئے اور باہر سے اس کی چٹخنی لگا کر کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ مرجانہ نے کار اسٹارٹ کی اور اپنی کوٹھی کی طرف ڈرائیو کرنے لگی۔ وہاں بختاور کی کوٹھی میں بدمعاشوں کا لیڈر میری مرضی کے مطابق اپنے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ وہ ڈرائنگ روم میں چپ چاپ کھڑے رہیں جب تک وہ کوئی حکم نہ دے۔ کوئی حرکت نہ کرے۔

مرجانہ کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ جب ہم ذرا دور نکل گئے تو میں نے اس لیڈر کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس کے بعد پھر میں نے ان کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ مرجانہ کہہ رہی تھی "بڑا مزہ آیا آج کے تماشے میں۔ واقعی وہ دونوں باپ بیٹے ہمیں کبھی نہیں بھولیں گے۔"

"مزہ تو بہت آیا مگر یہ بتاؤ میری قربت میں مزہ آیا یا نہیں؟"

وہ خوش ہو کر بولی "تمہارا جواب نہیں ہے۔ اوّل تو میں کسی سے دوستی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اب دوستی ہوئی ہے تو یہ میرے معیار اور میرے مزاج کے مطابق ہے۔ فرہاد! میں نے تمہاری بہت تعریفیں سنی تھیں۔ تم ویسے ہی ہو، شاید آئندہ ملاقاتوں میں پتہ چلے کہ تم اس سے بھی اچھے ہو کوشش کرو کہ میرے ساتھ اچھے بن کر رہو۔ مجھے چھچھورا پن پسند نہیں ہے۔"

"چھچھورے پن سے تمہاری مراد کیا ہے؟"

"یہی کہ جہاں ایک مرد اور عورت ملتے ہیں وہاں دوستی کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ عشق و محبت شروع ہو جائے، اور پھر اس کے بعد اس محبت کی آخری منزل یہ ہو کہ جسمانی تعلقات قائم ہو جائیں۔ تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو تو میرے دماغ کو پڑھ کر بھی معلوم کر سکتے ہو۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ مجھے مرد اور عورت کے روایتی تعلقات سے سخت نفرت ہے۔ میں خود ایک مرد ہوں اور مرد کی طرح زندگی گزارتی رہوں گی۔"

اس لمحے مجھے رومانہ یاد آگئی۔ جب اس سے پہلی بار ملاقات ہوئی تھی تب وہ ایک اسمگلر کی حیثیت سے زندگی گزار رہی تھی اور جوڈو کراٹے کی ماہر تھی۔ ایسی ہی سخت جان تھی جیسی کہ مرجانہ اب نظر آرہی ہے۔ دونوں کا مزاج بھی ایک جیسا تھا۔ وہ بھی مردوں کی طرح زندگی گزارنا چاہتی تھی اور واقعی اوپر سے فولاد کی طرح سخت تھی۔ پہلے تو میں نے یہی سمجھا تھا کہ محبت کی آنچ اسے پگھلا نہیں سکے گی، لیکن رفتہ رفتہ میری قربت کی حرارت نے اسے موم کردیا تھا۔

مرجانہ نے پوچھا "کیا سوچ رہے ہو؟"

"انسان فطرت کے خلاف زندگی نہیں گزار سکتا۔ تم چاہے جتنی بھی فولاد بن جاؤ، عورت ہی رہو گی۔ ساری عمر مرد کی طرح زندگی نہیں گزار سکو گی۔ تمہاری زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا موڑ آئے گا جب تمہارے اندر کی عورت بیدار ہونا چاہے گی۔ جیسے اب سے چند گھنٹے پہلے تمہارے اندر پہلی بار ممتا پیدا ہوئی تھی۔"

وہ بولی "کیا تم بحث کرکے مجھے قائل کرنا چاہتے ہو کہ مجھے مرد سے عورت بن جانا چاہیے؟"

"مرد سے عورت نہیں، عورت سے ہی عورت بننا چاہیے لیکن ابھی یہ بات تمہارے مزاج کے خلاف ہے اس لیے میں ضد نہیں کروں گا اور نہ ہی اس پر مزید بحث کروں گا۔ اس موضوع کو اب ختم کرو۔ وہ دیکھو، ہماری کوٹھی آگئی۔"

اس نے کار کو کوٹھی کے احاطے میں پہنچا کر روک دیا۔ پھر ہم گاڑی سے باہر آئے۔ کوٹھی کے برآمدے میں چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا۔ ایک ملازم وہاں جاگ رہا تھا۔ اسے ہمارا ہی انتظار تھا۔ مرجانہ نے ایک طرف لے جاکر مجھ سے کہا "اگر تم کہو تو میں تمہاری فرہاد والی شخصیت اپنے انکل پر ظاہر کردوں کیونکہ ان لوگوں نے تمہیں کوئی معمولی آدمی سمجھ کر تمہارے لیے برآمدے میں بستر بچھایا ہے۔"

"آدمی کو ہر طرح کی زندگی گزارنی چاہیے۔ برآمدے میں انسان ہی سوتے ہیں، بلکہ فٹ پاتھ پر بھی سوتے ہیں۔ میری زندگی میں اگر کوئی ایسا موقع آیا تو میں فٹ پاتھ پر بھی سوکر دکھا دوں گا۔ انسان کو ہر حال میں خوش رہنا چاہیے۔ ویسے میری اصلیت اب کسی پر ظاہر کرنے کی حماقت نہ کرنا۔"

"لیکن تم نے تو شاہینہ کے پورے خاندان والوں کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کردیا ہے۔"

میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "یہ محبت بھی ایک عجیب چیز ہے۔ پھر یہ محبت اگر ماں کی، بہن کی یا بیٹی کی ہو تو اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ شاہینہ سے برسوں کے بعد ملا تھا۔ نہیں، مجھے کیا ہوگیا۔ میں اپنے آپ کو کنٹرول نہیں کرسکا۔ مجھے خود کو ظاہر نہیں کرنا تھا لیکن میں یہ آزمانا چاہتا تھا کہ شاہینہ مجھے اجنبی کی حیثیت سے قبول کرتی ہے یا نہیں۔ میں جسمانی اعتبار سے اجنبی بن کر گیا اور دماغی اعتبار سے فرہاد بن کر اس کے سامنے خود کو پیش کرتا رہا مگر افسوس کہ اس نے مجھے بھائی کی حیثیت سے پوری طرح قبول نہیں کیا۔ اس کی الجھن بھی درست تھی۔ ویسے بات یہ ہو رہی تھی کہ مجھے خود کو ظاہر نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن میں نے جو کچھ بھی کیا وہ بہن کی محبت تھی جس نے مجھے بے نقاب کردیا۔ بہرحال اب تم جاکر سو جاؤ، رات کے دو بج رہے ہیں۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں ایئر کنڈیشنڈ ــــــ کمرے کے آرام دہ بستر پر رات گزاروں اور تم یہاں برآمدے میں پڑے رہو۔ میں نے جب تک تمہاری اصلیت کو نہیں جانا تھا اس وقت تک تمہارے ساتھ بہت ہی بدتمیزی سے پیش آتی رہی لیکن تمہاری اصل شخصیت کے پیش نظر اب میں شرمندگی محسوس کرتی ہوں۔ میں تمہیں یہاں نہیں سونے دوں گی۔"

"تم پھر اس بات کو اہمیت دے رہی ہو۔ جاؤ... شاباش، اپنے بیڈ روم میں جاکر آرام سے سو جاؤ۔ صبح ملاقات ہوگی۔"

وہ بولی "نہیں، میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے اور وہ یہ کہ جس بیڈ روم میں میرے لیے سونے کے انتظامات کیے گئے ہیں۔ تم وہاں جاکر سو جاؤ۔"

"اور تم کہاں سوؤ گی؟"

"میری فکر نہ کرو۔ میں اتنے بڑے گھر میں کسی بھی عورت کے پاس جاکر سو جاؤں گی، کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔"

وہ ضد کرکے مجھے کوٹھی کے اندر لے آئی۔ جس خوابگاہ کو اس کے لیے مخصوص کیا گیا تھا وہاں اس نے مجھے چھوڑ دیا پھر یہ کہہ کر رخصت ہوگئی کہ صبح ملاقات ہوگی۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کردیا۔ پھر بستر پر بیٹھ کر جوتے اتارنے کے بعد آرام سے لیٹتے ہوئے میں نے مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ باہر برآمدے پر بچھے ہوئے میرے بستر پر جاکر لیٹ گئی تھی۔ اس طرح وہ اس گھر کے مکینوں کو اپنے انکل کو یہ احساس دلانا چاہتی تھی کہ طارق محمود جیسا بھی ہے اسے اجنبی یا غیر سمجھ کر برآمدے میں جگہ نہیں دینی چاہیے۔

اس کمرے میں تنہائی اور سکون ملا تو میں نے شاہینہ

[دم]اغ میں پہنچ کر اپنی پھوپھی وغیرہ کے بارے میں معلومات [حاص]ل کیں۔ شاہینہ کے بعد پھوپھی مجھے سب سے زیادہ عزیز [تھیں] کیونکہ ان دنوں میں، جب میں بہت غریب تھا محتاج [تھا]، پھوپھی نے میرا ساتھ دیا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ پھوپھی [کا] انتقال ہوچکا ہے۔ یہ معلوم کرکے مجھے واقعی صدمہ ہوا۔ [میر]ی پھوپھی کی لڑکی زرینہ کی شادی شاہینہ کے بھائی ظہیر [سے] ہوئی تھی۔ ظہیر میرے اپنے چچا کا لڑکا تھا۔ بہت ہی مغرور [اور] حاسد قسم کا جوان تھا لیکن میں نے ٹیلی پیتھی سیکھنے کے بعد [اس پ]ر پہلا عمل کیا تھا اور... خیال خوانی کے ذریعے اسے [نی]ک کردیا تھا۔ وہ اونچی سوسائٹی کا رسیا تھا۔ میں نے اس [کے ب]رعکس اسے عبادت گزاری میں لگادیا تھا۔ پھر اس کے [دل م]یں زرینہ کے لیے چاہت پیدا کی تھی۔ اب پتہ چلا کہ ان [کی] شادی کے بعد اب تک زرینہ ظہیر کے پانچ بچوں کی ماں بن [چک]ی ہے۔ شاہینہ کی ایک بڑی بہن یعنی میری چچازاد بہن غزالہ تھی، [جو] ابتدا ہی سے غلط راستے پر چل رہی تھی۔ ایک بار اپنے کمرے [میں] مجھے بلاکر پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ جب میں اس کے حسن [و] جوانی سے متاثر نہ ہو سکا تو اس نے مجھے چچا اور چچی کے سامنے [بر]ی طرح بدنام کیا تھا کہ میں اس کی عزت لوٹنے اس کے [کمر]ے میں آیا تھا۔ یہ ایسی بدنامی تھی کہ اسی دن سے میں نے چچا [کا] گھر چھوڑ دیا تھا اور پھوپھی کے ہاں پناہ لی تھی۔ پتہ چلا کہ غزالہ [آز]ادی روش ہے اور وہ ایک چھوٹی سی کوٹھی میں رہتی ہے۔ [ظہ]یر اسے پانچ ہزار روپے ماہانہ خرچ کے لیے دیتا ہے اور اس [نے] اس نے غزالہ سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اگر اس نے [آئن]دہ چھ ماہ میں شادی نہیں کی۔ اپنا الگ گھر نہیں بسایا تو وہ [اس] کے ماہانہ اخراجات بند کردے گا۔

یہ ہمارے خاندانی حالات تھے۔ ہمارے خاندان میں سب سے زیادہ قابل عزت شاہینہ تھی۔ اس کے بعد ظہیر بھی قابل تعریف تھا کیونکہ اس نے اپنی روش بدل دی تھی اور اچھی گھریلو زندگی زرینہ کے ساتھ گزار رہا تھا۔ ایک غزالہ ایسی تھی جو ہمارے خاندان کی بدنامی کا باعث بنی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا، پھر کسی وقت اس سے نمٹ لوں گا۔ مجھے اپنے پیدائشی مقام شاہ کوٹ کی طرف بھی جانا تھا۔ وہاں بھی بہت سے منہ بولے بہت سے رشتے تھے جو میرے والد اور والدہ کے وقت سے مجھے اپنا سمجھتے تھے لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا کہ میرا چہرہ تبدیل ہو جاتا اور میں اپنی اصلی شکل میں دنیا والوں اور خصوصاً اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب کے سامنے ظاہر ہوتا۔

ان لوگوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد میں نے سونے سے پہلے ممی اور سونتی کے دماغوں میں جھانک کر دیکھا۔ آدھی رات ہوگئی تھی۔ وہ دونوں گہری نیند سو رہی تھیں۔ ممی نے سونتی کو ہسپتال سے اپنے ہاں لاکر رکھا تھا اور دونوں ایک ساتھ رہتی تھیں۔ میں نے ان کے خوابوں میں پہنچ کر انہیں بتایا کہ میں خیریت سے ہوں۔ جب وہ بیدار ہوں گی تو انہیں یہ خواب یاد آئے گا اور میری طرف سے یہ یقین دہانی ہوگی کہ میں اگرچہ ان لوگوں سے رابطہ قائم نہیں کر رہا ہوں تاہم میں بالکل خیریت سے ہوں اور جلد ہی ان سے باتیں کروں گا۔ پھر میں نے سونے سے پہلے اپنے دماغ کو ہدایات دیں اور آنکھیں بند کرکے نیند کی وادیوں میں پہنچ گیا۔

میں نے اپنے دماغ کو تین گھنٹے تک خوابیدہ رہنے کی ہدایت کی تھی۔ پانچ بجے صبح بیدار ہونے کا وقت مقرر کیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ دوسروں کے گھر میں ہوں اور ان کی اجازت کے بغیر مرجانہ کی ضد پر خوابگاہ میں سو رہا ہوں لہٰذا صبح اٹھتے ہی میں باہر نکل جاؤں گا۔ صبح پانچ بجے میری آنکھ کھلی تو سب سے پہلے میں نے مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ ارادہ تھا کہ میں اسے نیند سے بیدار کروں اور اسے خوابگاہ میں واپس بھیج دوں۔

اس وقت گھر کے اندر کسی ننھے سے بچے کے رونے کی آوازیں آرہی تھیں اور اس کی ماں شاید اسے چپ کرا رہی تھی۔ یہ ایسی بات تھی کہ اس کے تسلسل سے مرجانہ کا ذہن اس ننھی سی بچی کی طرف چلا گیا جو اس کے سینے سے لگی تھی اور رو رہی تھی۔ چپ نہیں ہونا چاہتی تھی اور اسے چپ کرانے کے لیے مرجانہ نے جو جتن کیے تھے، اب وہ یاد آرہے تھے اور اس کے سینے میں ایسی تڑپ، ایسی کشش، ایسا جذبہ بیدار ہو رہا تھا کہ اگر وہ ننھی سی بچی ابھی موجود ہوتی تو اسے اپنے سینے سے لگا لیتی اور ایک ماں کے سے انداز میں اسے چپ کرانے کی کوشش کرتی ــــــ وہ عجیب جذباتی انداز میں سوچ رہی تھی۔ پھر اس نے اچانک ہی اپنے ذہن کو جھٹک دیا۔

وہ جیسے ہوش میں آکر سوچنے لگی۔ یہ میں کیا سوچنے لگتی ہوں۔ ایک بچی مجھے بار بار کیوں یاد آجاتی ہے۔ میں کیوں ممتا بھرے انداز میں ایسا سوچنے لگتی ہوں۔ کیا فرہاد سچ کہہ رہا تھا کہ کوئی بھی انسان فطرت کے خلاف زندہ نہیں رہ سکتا۔ مرد کو مرد کی طرح اور عورت کو عورت کی طرح زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ نہ گزاری جائے تو زندگی کے کسی موڑ پر میرے اندر وہ عورت بن پیدا ہوجائے گا جو قدرت کا عطیہ ہے اور فطرت کا تقاضہ ہے۔ خیالات کی رو میں بہنے کے دوران وہ پھر چونک گئی،

اور سوچنے لگی۔ اُف! یہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔ جب ایسا وقت آئے گا۔ جب میری زندگی میں کوئی ایسا موڑ آئے گا جو کہ فطرت کے عین مطابق ہوگا اور قدرت کو یہی منظور ہوگا تو دیکھا جائے گا۔ میں ابھی سے کیوں سوچ رہی ہوں۔ ابھی میں کسی طرح بھی اس بات پر قائل نہیں ہوسکتی کہ مجھے عورت بن کر رہنا چاہیے۔ نہیں، میں مردوں کی طرح زندگی گزاروں گی۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔

وہ بڑی مستقل مزاج تھی۔ اپنے فیصلے پر ڈگمگانے والی لڑکی نہیں تھی۔ اسے اتنی جلدی قائل کرنا ممکن نہیں تھا۔ غسل خانے سے نکل کر میں کمرے میں آگیا۔ میں نے مرجانہ سے کہا "چلو اب اٹھو، جاکر غسل وغیرہ سے فارغ ہوجاؤ۔ پھر ہم آئندہ کا منصوبہ بنائیں گے۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولی "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کچھ سوچ رکھا ہے۔ پہلے سے کوئی منصوبہ تمہارے ذہن میں ہے۔"

میں نے کہا "ہاں میں نے بڑی سنجیدگی سے غور کیا ہے کہ میں اپنی موجودہ صورت کے ساتھ نہ تو شاہینہ سے مل سکتا ہوں نہ بہن کی محبت حاصل کرسکتا ہوں اور نہ ہی اپنے دوسرے رشتہ داروں اور دوست احباب سے ملاقات کرسکتا ہوں کوئی مجھے نہیں پہچانے گا۔ بہتر ہے کہ میں یہاں سے ابھی چلا جاؤں اور پلاسٹک سرجری کے بعد دوبارہ لاہور واپس آؤں۔ پھر یہاں رہ کر کچھ عرصہ اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب میں وقت گزاروں گا۔ میری زندگی تو ہنگاموں سے معمور رہے۔ ہنگامے تو ہوتے ہی رہیں گے یہ میرا پیچھا چھوڑنے والے نہیں ہیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی "شاید میں بھی اپنی تقدیر میں یہی لکھا کر آئی ہوں کہ قدم قدم پر کوئی مصیبت کھڑی رہے اور میں اس سے نمٹ کر آگے اور آگے بڑھتی رہوں اور تجربات کا خزانہ حاصل کرتی رہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ میں باہر لان میں ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ اس کے انکل اور دوسرے رشتے دار بھی وہاں اچھی خاصی تعداد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے گھر کے سارے مرد ہی فوجی تھے اس لیے وہاں کے بڑے اور بچے سبھی صبح جلد اٹھ جانے کے عادی تھے۔ اس وقت لان میں چائے کا دور چل رہا تھا۔ میں بھی اس میں شریک ہوگیا۔

چائے پینے کے دوران میں نے ان لوگوں کو پچھلی رات کے واقعات سنائے لیکن ٹیلی پیتھی کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی یہ بتایا کہ شاہینہ اور اس کے سسرال والے فرہاد علی تیمور کی ٹیلی پیتھی کا تماشہ بھی دیکھ چکے ہیں۔ میں نے صرف اتنا کہا ہم ان لوگوں پر سبقت حاصل کرکے یہاں تک آنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ میری باتیں سن کر وہاں بیٹھی ہوئی عورتوں نے مجھے سمجھایا کہ ہمیں آئندہ ایسی کسی مہم پر نہیں جانا چاہیے اور اب جو کچھ ہوچکا ہے، آئندہ ہمیں ان کو بجاؤں سے انتقام لینے کے لیے یا تو قانونی کارروائی کرنی چاہیے یا صبر کرلینا چاہیے۔

اسی وقت مرجانہ بھی نہادھوکر وہاں آگئی۔ عورتوں نے اسے بھی نصیحتیں کیں تو اس نے مسکرا کر کہا "ٹھیک ہے میں آپ لوگوں کی نصیحتوں پر غور کروں گی۔" اس وقت اس نے ہلکے آسمانی رنگ کا شلوار سوٹ پہنا ہوا تھا۔ دوپٹہ گردن سے پیٹ کے نیچے کی طرف جھول رہا تھا۔ وہ بہت ہی حسین اور اسمارٹ لگ رہی تھی۔ چائے پینے کے دوران اس نے پوچھا "طارق! کیا ارادہ ہے؟"

میں نے کہا "ہوٹل میں اپنا سامان چھوڑ کر آیا ہوں اور میرا خیال ہے کہ مجھے جلد ہی یہاں سے کراچی جانا ہوگا۔ میں تھوڑی دیر بعد اپنا پروگرام بتاسکوں گا۔"

مرجانہ نے کہا "پھر چلو، ہوٹل سے تمہارا سامان اٹھا لاتے ہیں۔"

انکل نے کہا "بیٹی! ناشتہ تو کرلو۔ اس کے بعد جانا۔"

مرجانہ نے کہا "نہیں انکل! ہم علی الصبح شہر کی سیر کریں گے اس کے بعد کسی اچھے سے ریستوران میں ناشتہ کریں گے۔ اجازت ہو تو آپ کی کار لے جاؤں؟"

انکل نے مسکرا کر کہا "بیٹی! گاڑی تمہاری ہی ہے جب چاہو جہاں چاہو لے جاؤ۔"

اس نے چائے ختم کی۔ پھر میں اس کے شانہ بشانہ چلتا ہوا گاڑی تک آیا۔ اس نے پوچھا "کیا تم کار ڈرائیو کروگے؟"

"نہیں، تم کروگی۔" پھر میں نے آہستگی سے کہا "میں ذرا خیال خوانی میں مصروف رہوں گا۔ کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

اس نے سر ہلا کر کہا "او۔کے، سامنے بیٹھ جاؤ، میں ڈرائیو کرتی ہوں۔"

ہم دونوں کار میں بیٹھ گئے۔ کار اسٹارٹ ہوکر احاطے سے باہر نکلی۔ پھر اس نے پوچھا "ہمیں کہاں جانا ہے؟"

میں نے کہا "بس گھومتی پھرتی رہو۔ جہاں کوئی اچھا سا ریستوران نظر آئے وہاں گاڑی روک دینا۔ ناشتہ کریں گے۔ اس کے بعد ہوٹل جاکر میں اپنا سامان لے آؤں گا۔"

وہ خاموشی سے کار ڈرائیو کرنے لگی۔ میں نے سب سے پہلے غلام سے رابطہ قائم کیا۔ پھر اس سے پوچھا "بتاؤ کہ تم نے پیرس جانے کے سلسلے میں کیا انتظامات کیے ہیں؟"

اس نے بتایا ہے کہ پاسپورٹ میں مُہریں لگ چکی ہیں اور ...م آج یا کل کسی دن بھی روانہ ہوسکتے ہیں۔"

میں نے کہا "ٹھیک ہے۔ تم معلوم کرو کہ کل کونسی فلائیٹ ...رس جاتی ہے۔ پہلے معلومات حاصل کرو۔ میں ابھی تم سے ...دبارہ رابطہ قائم کروں گا۔"

اس سے رابطہ ختم کرنے کے بعد میں نے بجاؤں کی خیریت ...لوم کی تو پتہ چلا کہ اس کے سر اور چہرے پر پٹیاں بندھی ہوئی ...یں۔ بازو کی ہڈیاں بھی جیسے تڑخ گئی تھیں۔ کمر میں بھی خاصی ...رٹ آئی تھی کیونکہ وہ زینے کی بلندی سے لڑھکتا ہوا نیچے آیا ...ا اور لہولہان ہوگیا تھا۔ اسی لیے وہ سر سے پاؤں تک زخموں ...ے چور تھا۔

اس کے بعد مجھے اس ٹیکسی ڈرائیور امام دین کا خیال آیا ...ے میں نے اپنے لیے انگیج کیا ہوا تھا۔ میں نے اس کے دماغ ...ں جھانک کر دیکھا تو وہ پھر صبح سے ٹیکسی لے کر ہوٹل کے ...سامنے آکر کھڑا ہوگیا تھا۔ وہ بڑا ہی فرض شناس تھا اور اپنی ...بان کا پاس رکھتا تھا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ...یکسی میرے لیے ریزرو رکھے گا اور وہ ایسا ہی کر رہا تھا۔ باربار ...ر ہوٹل کے کاؤنٹر پر میرے متعلق پوچھ رہا تھا۔ ہوٹل والے ...ے جواب دیا کہ اس کمرے کا مسافر کل سامان رکھنے کے بعد ...ے واپس نہیں آیا ہے۔ اس بات نے امام دین کو اور پریشان ...کردیا تھا۔

میں نے مرجانہ سے کہا "بہتر ہے کہ پہلے ہم ہوٹل چلیں۔ ...اس راستے پر گاڑی موڑ دو۔ میں تمہیں گائیڈ کرتا جاؤں گا۔"

اس نے گاڑی کو دوسرے راستے پر موڑ دیا۔ پھر پوچھا۔ ...تم نے ارادہ کیوں بدل دیا۔ پہلے ہوٹل کیوں جارہے ہو؟"

میں نے اسے امام دین کے متعلق ساری باتیں بتائیں تو وہ ...سن کر حیران ہوئی اور بولی "اس دور میں بھی ایسے شریف اور ...دیانت دار لوگ موجود ہیں جو غریبی کے باوجود کسی لالچ میں مبتلا ...نہیں ہوتے اور ایک ہی رات میں امیر بن جانے کے خواب نہیں ...دیکھتے۔"

اس کی باتوں کے دوران میں ذرا دیر کے لیے غلام کے پاس ...پہنچ گیا تھا۔ اس نے اتنی دیر میں ٹیلیفون کے ذریعے فلائیٹ ...کے متعلق معلومات حاصل کرلی تھیں اور اس نے کہا تھا کہ کل ...رات کو نو بجے برٹش ایئرویز کا ایک طیارہ یہاں سے لندن جائے ...گا اور راستے میں پیرس میں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرے گا۔ اگر ...اجازت ہو تو اسی طیارے میں سیٹ ریزرو کرائی جائے، کیونکہ ...معلومات کے مطابق اس طیارے میں سیٹیں حاصل ہوسکتی تھیں۔ میں نے اسے انتظار کرنے کے لیے کہا۔ پھر مرجانہ کو مخاطب کیا۔

"مرجانہ! میں نے ابھی غلام کے ذریعے معلومات حاصل کی ہیں۔ میرے پیرس جانے کے تمام انتظامات مکمل ہوچکے ہیں اور میں کل یہاں سے روانہ ہوسکتا ہوں۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

اس نے کہا "بہتر یہی ہوتا کہ ہم دونوں ایک ساتھ یہاں سے روانہ ہوتے۔ میں نہیں جانتی کہ میرا پاسپورٹ کب تک تیار ہوگا؟ ویسے ابھی میں انکل سے معلوم کروں گی۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم یہاں سے ایک ساتھ سفر کریں۔ اگر میں پہلے وہاں پہنچ جاؤں اور اپنے چہرے کے لیے پلاسٹک سرجری کے سلسلے میں معلومات حاصل کرتا رہوں اور اس کے انتظامات کرتا رہوں تو اس عرصے میں تم وہاں پہنچ جاؤ گی۔ پھر ہماری ملاقات ہوجائے گی۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ میری امی وہاں کہاں رہتی ہیں۔ تم مجھ سے کہاں آکر ملوگے؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم پھر بھول گئیں۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگی میں تمہاری سوچ کے ذریعے معلوم کرلوں گا کہ تم کب اور کس وقت کس مقام پر موجود ہو۔" وہ بھی ہنسنے لگی۔

اس وقت تک گاڑی ہوٹل تک پہنچ گئی۔ وہاں واقعی امام دین کی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے کار سے اتر کر اس کے پاس پہنچ کر کہا "امام دین! کیا حال ہے؟"

وہ مجھے دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑا۔ دروازے سے باہر آتے ہوئے بولا "باؤجی! آپ نے تو پریشان کردیا۔ ہم سوچ رہے تھے کہ غنڈے بدمعاشوں نے آپ کو کہیں گھیر لیا ہے یا آپ گم ہوگئے ہیں۔ بڑے بُرے بُرے خیالات آرہے تھے خدا کا شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں۔"

میں نے جیب سے دو سو روپے نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا "یہ کل سے لے کر آج تک کی تمہاری دہاڑی ہے۔ اسے رکھ لو اور اب مجھے ٹیکسی کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے کار مل گئی ہے۔"

اس نے کہا "باؤجی! میں نے تو آپ کو کہیں گھمایا پھرایا نہیں ہے۔ ایک ہی بار ٹیکسی میں بٹھایا تھا۔ اس کے دو سو روپے نہیں ہوتے۔"

میں نے کہا "لیکن تم کل سے آج تک گاڑی ریزرو رکھے ہوئے ہو۔ اس کے دو سو روپے ہوتے ہیں۔ زیادہ بحث نہ کرو، رکھ لو۔"

یہ کہہ کر میں نے دو سو روپے اس کی جیب میں ٹھونس دیے۔ پھر واپس گاڑی میں بیٹھ گیا۔

مرجانہ نے پوچھا: "کیوں؟ ہوٹل کے اندر نہیں جاؤ گے؟"
میں نے جواب دیا: "میں ابھی ہوٹل سے سوٹ کیس لانا نہیں چاہتا کیونکہ ہوٹل کا کمرہ ریزرو رہنا چاہیے۔ پچھلی رات تمہیں سونے کے لیے بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ برآمدے میں سونا پڑا تھا۔ آج میں ہوٹل میں رات گزاروں گا اور کل صبح کی فلائیٹ سے کراچی کے لیے روانہ ہو جاؤں گا تاکہ وہاں سے کل رات کو پیرس کے لیے روانہ ہو سکوں۔ یہ ابھی کا پروگرام ہے۔ ہم آئندہ اس پر بحث کریں گے اور کسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ کل مجھے یہاں سے روانہ ہونا چاہیے یا نہیں؟"
مرجانہ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "اول تو میں تمہیں یہاں سے تنہا جانے نہیں دوں گی۔ ہم ساتھ چلیں گے۔ لیکن اگر یہ ضروری ہے کہ تم مجھ سے پہلے پیرس پہنچ کر اپنی پلاسٹک سرجری کے لیے انتظامات کرو تو پھر آج رات میں تمہیں اپنے سے دور رہنے نہیں دوں گی۔ ہم آج رات جاگتے رہیں گے۔ گھومیں گے پھریں گے پھر کہیں بیٹھ کر خوب باتیں کریں گے۔ اس کے بعد تم کل یہاں سے روانہ ہو جانا۔ اس طرح مجھے تسلی ہو گی کہ میں نے تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزار لیا ہے۔"
میں نے خوش ہو کر کہا: "میں بھی تم جیسا دوست پا کر بہت خوش ہوں اور تمہارے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ تم انتظار کرو، میں اپنا سوٹ کیس لے آتا ہوں۔"
یہ کہہ کر میں ہوٹل کے اندر داخل ہوا۔ منیجر نے بھی مجھے دیکھتے ہی پریشانی کا اظہار کیا اور پوچھا کہ میں کل سے کہاں غائب ہو گیا تھا؟
میں نے اسے الٹا سیدھا جواب دیا۔ پھر اس سے کہا کہ پورٹر سے میرا سوٹ کیس منگوا دیں، میں ہوٹل کا کمرہ چھوڑ رہا ہوں۔ کرایہ میں پیشگی ادا کر چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پورٹر میرا سوٹ کیس لے آیا اور باہر جا کر گاڑی کی ڈگی میں رکھ دیا۔
وہاں سے ہم کسی اچھے ریستوران کی تلاش میں چل پڑے۔ تاکہ ناشتہ کیا جائے۔ میکلوڈ روڈ سے گزرتے وقت اچانک ایک فٹ پاتھ کی دکان پر نظر پڑی وہاں پوریاں تلی جا رہی تھیں اور بہت سے لوگ بھیڑ لگائے ادھر ادھر کھڑے ہوئے یا کہیں فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے کھا رہے تھے۔ میں نے وہاں کار روک دی۔ مرجانہ نے پوچھا: "کیا بات ہے؟"
میں نے مسکرا کر کہا: "آج فٹ پاتھ کا ناشتہ کیا جائے۔ لاہور کی پوریاں اور آلو چھولے کی بھاجی بہت ہی لذیذ ہوتی ہے۔ ذرا کھا کر دیکھو۔ تم تو یہاں بچپن گزار کر گئی ہو۔ ایک عرصے بعد یہاں کھاؤ گی تو مزہ آ جائے گا۔"
میں نے کار سے باہر نکل کر دکاندار کو پوریوں کا آرڈر دیا اور دوسری طرف لسی والے کو دو گلاس لسی تیار کرنے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد ہماری مطلوبہ چیزیں کار میں پہنچ گئیں اور ہم اگلی سیٹ پر بیٹھ کر کھانے لگے۔ مرجانہ نے کہا: "واقعی مزہ آ گیا۔"
"تم سے زیادہ مزہ مجھے آ رہا ہے کیونکہ میں برسوں غیر ملکی کھانے کھاتا رہا ہوں۔ یہاں پاکستان آنے کے بعد اب مجھے اپنے ملک کے کھانے نصیب ہو رہے ہیں۔"
مرجانہ نے پوچھا: "تم نے بجاور کے متعلق کچھ نہیں بتایا؟"
میں اسے بتانے لگا کہ وہ کس طرح سر سے پاؤں تک بری طرح زخمی ہے۔
مرجانہ نے کہا: "اسے تو اور زیادہ سزا ملنی چاہیے۔"
میں نے کہا: "ایک تو اس کی عمر زیادہ ہے۔ دوسرے اس میں برداشت کرنے کی قوت نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اس وقت اس بری طرح زخمی ہے کہ اسے مزید اذیتیں نہیں پہنچائی جا سکتیں۔ اگر ہم نے کچھ اور اسے تکلیف پہنچائی تو وہ مر جائے گا۔ اور ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسے مار ڈالا جائے۔ اسے تو زندہ رکھ کے ہی تڑپانا چاہیے۔"
مرجانہ نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "ہاں، میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ ویسے ایک مسئلہ ہے کہ وہ پیرس جانے کے لیے راضی ہو گا یا نہیں۔ کیا تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے وہاں جانے کے لیے مجبور کر سکو گے؟"
میں نے کہا: "ہاں، جب ایسا وقت آئے گا اور وہ پیرس جانے سے انکار کرے گا تو تم تنہا پیرس چلی آنا۔ میں اس سے نمٹ لوں گا اور اسے اس قدر مجبور کر دوں گا کہ وہ دوڑتا ہوا تمہارے پاس آئے گا اور تمہاری والدہ کے قدموں میں گر جائے گا۔"
"فرہاد! تم کتنے اچھے ہو۔ تم نے میری کتنی ہی مشکلیں آسان کر دیں۔ تم نے قدم قدم پر مجھ پر احسانات کیے اور ہمیشہ آڑے وقت پر کام آتے رہے اور کئی بار میری جان بچائی ہے۔ میں تمہارے جیسے ہمدرد کو پا کر اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھ رہی ہوں اور یہ سمجھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری کسی نیکی کا یہ انعام دیا ہے کہ مجھے تم مل گئے ہو۔"
ناشتہ کرنے اور لسی پینے کے بعد ہم شالا مار باغ کی طرف گئے۔ ہم نے بہت دیر تک بہت اچھا وقت گزارا۔ مرجانہ بظاہر اس قدر تنگ مزاج تھی اور کسی کو لفٹ نہیں دیتی تھی لیکن میرے ساتھ بڑی ہی بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھی۔ شالا مار باغ

کا ماحول کچھ اتنا اچھا تھا کہ وہاں پہنچ کر آپ ہی آپ مرجانہ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا تھا اور ہم دونوں بڑی دیر تک گھومتے رہے۔ اس کے بعد ہم گھر واپس آ گئے۔ پروگرام یہ تھا کہ پہلے نیند پوری کریں گے، اس کے بعد پھر تفریح کے لیے نکلیں گے۔
میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ اس کا ساتھ نہ چھوڑوں لیکن یہ سوچ کر کہ آج ساری رات اس کے ساتھ جاگنا ہے، میں بیڈ روم میں پہنچ کر سو گیا۔ شام کو چار بجے ہم بیدار ہوئے اور نہانے اور کپڑے بدلنے کے بعد پھر اسی کار میں بیٹھ کر ہم دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ فی الحال ہماری زندگی میں کوئی ہنگامہ نہیں تھا۔ بڑے سکون اور اطمینان سے اپنا وقت ایک ساتھ گزار رہے تھے۔ ہماری اس دوستی میں ایک چھپا چھپا سا رومانس تھا۔ ایک ان کہی محبت تھی جو ابھی تک ہم میں سے کسی کی زبان پر نہیں آئی تھی۔ ہمارے لیے ساتھ گزرنے والا ایک ایک لمحہ بہت ہی حسین اور خوشگوار تھا۔
میرے دل میں ہوس نہیں تھی کہ مرجانہ سے دوسری لڑکیوں کی طرح کھلم کھلا عشق شروع ہو جائے اور پھر من و تو کی منزلیں سر ہو جائیں۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بات مرجانہ کی تھی اور زندگی کے اس مقام پر پہنچ کر مجھے صبر کرنا آ گیا تھا اور تحمل سے محبت کی منزلیں طے کرنا میں نے سیکھ لیا تھا۔ اسی لیے بڑے اطمینان سے مرجانہ کے ساتھ وقت گزار رہا تھا اور کسی چھچھورے انداز میں عشق کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔
ہم نے وہاں کی تاریخی عمارتوں کی سیر کی۔ ایک گھنٹے تک وہاں گھومتے رہے۔ مرجانہ نے خوشبو کے جزیرے کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ اس وقت مجھے یاد آیا تو میں نے بتایا کہ کراچی میں مجھے شہباز نامی ایک شخص نے گھیر لیا تھا اور شہناز کے ساتھ مجھے ایک کوٹھی میں قید کر دیا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس کا تعلق خوشبو کے جزیرے سے تھا اور اب وہاں جو لوگ آباد ہو رہے تھے وہ چاہتے تھے کہ جزیرے میں ایسے ہی لوگ آئیں جن کے ذہنوں تک فرہاد نہ پہنچ سکا ہو یا مرجانہ سے انہوں نے کبھی بات چیت نہ کی ہو۔ انہیں پورا یقین ہے کہ جن کا قصہ فراڈ ہے۔ حقیقتاً اس کے پیچھے ٹیلی پیتھی کام کر رہی ہے۔
مرجانہ نے کہا: "میں خود بھی یہی سمجھتی تھی لیکن ٹیلی پیتھی کے متعلق اور تمہارے متعلق میری معلومات زیادہ نہیں تھیں۔ میں کبھی کبھی شبہ میں مبتلا ہوتی تھی۔ پھر اس جن کا عمل یعنی تمہارا عمل کچھ ایسا تھا کہ کبھی کبھی یقین کرنا پڑتا تھا۔"
میں نے کہا: "بہرحال، وہ لوگ اس خوشبو کے جزیرے کو دوبارہ آباد کر رہے ہیں اور اس طرح آباد کر رہے ہیں کہ ہم ادھر کا رخ کبھی نہ کر سکیں اور کسی صورت سے بھی وہاں نہ پہنچ سکیں اور جو لوگ پہلے خوشبو کے جزیرے میں تھے ان میں سے ایک ایک آدمی کو وہاں سے نکال دیا گیا ہے اور جو نئے لوگ آباد ہو رہے ہیں، وہ پچھلے لوگوں سے تعلقات قائم نہیں کرتے ہیں۔ نہ ان سے باتیں کرتے ہیں، نہ ہی ان سے ملاقاتیں کرتے ہیں اس طرح انہوں نے خوشبو کے جزیرے کو ٹیلی پیتھی سے بالکل الگ رکھا ہے اور ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں کہ فرہاد یا کوئی دوسرا شخص ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس جزیرے تک کبھی نہ پہنچ سکے۔"
باتوں کے دوران ہم وہاں سے کار میں بیٹھ کر راوی کی سیر کرنے کے لیے گئے۔ راوی کے پل کو پار کرنے کے بعد مجھے اچانک وہ جگہ یاد آئی جہاں میں بیٹھ کر ٹیلی پیتھی کی مشقیں کیا کرتا تھا۔ میں نے مرجانہ سے کہا: "ادھر دیکھو۔ ادھر دور بہت دور ایک جنگل ہے جہاں گھنے درخت ہیں وہاں بالکل ویرانی اور سناٹا ہوتا ہے۔ وہیں بیٹھ کر میں نے ٹیلی پیتھی کی مشقوں کو آگے بڑھایا تھا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں ایک بار پھر اس جگہ جاؤں اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ ایک عقیدت ہے اس جگہ سے کیونکہ وہیں سے میں نے یہ عروج حاصل کیا ہے۔"
مرجانہ نے گاڑی کو ایک طرف پارک کرتے ہوئے کہا۔
"اگر تمہاری یہ خواہش ہے تو چلو وہاں تک ہم پیدل چلتے ہیں۔"
ہم گاڑی کو وہاں لاک کر کے آگے بڑھ گئے اور ادھر جانے لگے جہاں کبھی میں اپنی جوانی کا، اپنی تعلیم کا اور ٹیلی پیتھی کی مشق کا ابتدائی وقت گزارا کرتا تھا۔ ہم تیزی سے ادھر بڑھنے لگے کیونکہ ہم اندھیرا ہونے سے پہلے وہاں سے واپس آ جانا چاہتے تھے۔ گرمیوں کا موسم تھا اس لیے تاریکی دیر سے پھیلتی تھی۔ ہمیں اطمینان تھا کہ ہم اندھیرا ہونے سے پہلے واپس آ جائیں گے۔ کچھ دور تیزی سے چلنے کے بعد مرجانہ نے مجھ سے پوچھا: "تم صرف ٹیلی پیتھی کی صلاحیت رکھتے ہو یا لڑنے کے فن سے بھی واقف ہو؟"
میں نے کہا: "میں نے بھی جوڈو کراٹے کی باقاعدہ مشقیں کی ہیں اور جب کبھی ٹیلی پیتھی کام نہیں آتی ہے تو اپنی جسمانی قوت کا اور اپنی لڑاکا صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا ہی پڑتا ہے ورنہ میں مار دھاڑ سے پرہیز کرتا ہوں۔"
وہ مجھے چھیڑنے کے لیے بولی: "اونہہ! تم تو بس یونہی باتیں بناتے ہو۔ اچھا، میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم میں کتنی پھرتی ہے میں آگے بھاگ رہی ہوں، ذرا مجھے پکڑ کر دکھاؤ تو۔" یہ کہتے ہی وہ دوڑنے لگی۔ میں نے اس کے پیچھے دوڑنا شروع کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بڑی پھرتیلی اور تیز طرار تھی۔ اس نے باقاعدہ

لڑنے کی اور اسپورٹس کے ہر شعبے کی اچھی خاصی تربیت حاصل کی تھی۔ وہ تیزی سے بھاگ رہی تھی اور میں بھی بھاگ رہا تھا۔ اس میں اور مجھ میں ایک فرق تھا۔ سگریٹ اور دوسری دلچسپیوں نے میرا اسٹیمنا ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرجانہ کے مقابلہ میں دوڑتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ میں اس سے بہت پیچھے رہ جاؤں گا۔

بہر حال ہم آگے پیچھے دوڑتے ہوئے جلد ہی اس جگہ پہنچ گئے جہاں میں مشقیں کیا کرتا تھا۔ وہاں چاروں طرف درختوں کے جھنڈ تھے جیسے قلعے کی دیواریں کھڑی ہوں۔ بیچ میں کھلا میدان تھا۔ وہاں پہنچ کر میں نے مرجانہ کو آواز دی کہ وہ رک جائے۔ وہ ٹھہر گئی۔ پھر ہنستے ہوئے بولی "دیکھو تم مجھ سے زیادہ ہانپ رہے ہو اور کتنے پیچھے رہ گئے ہو۔"

میں نے ہانپتے ہوئے کہا "ہاں تم درست کہتی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بہت زیادہ سگریٹ پیتا ہوں۔ اس لیے سانس پھول رہا ہے اور پچھلے دنوں میں نے بہت سی لڑکیوں سے عشق کیے ہیں۔ اب سوچ رہا ہوں کہ توبہ کرنا چاہیے۔"

وہ مجھے گھور کر بولی "اچھا، تو تم ہوس پرست ہو۔ ایسی باتیں کہتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔"

"ہاں شرم تو آتی ہے اسی لیے میں نے توبہ کی ہے۔"

وہ مجھے بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ پھر آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی "اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو اور وعدہ کرو کہ آئندہ کسی لڑکی سے دوستی نہیں کرو گے۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا "میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کسی سے دوستی نہیں کروں گا۔"

"اور اگر دوستی کرو گے تو میں تمہاری دشمن بن جاؤں گی۔"

"مجھے تمہاری دشمنی منظور نہیں ہے۔ میں کبھی ایسا نہیں کروں گا۔"

وہ بڑی مستقل مزاج اور مضبوط قوتِ ارادی کی مالک تھی۔ اس نے میری طرف گہری نظروں سے دیکھا۔ پھر بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی "فرہاد! کیا یہ ضروری ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت اگر دوستی کریں تو وہ دوستی جسمانی تعلقات پر ختم ہو۔ کیا کبھی ایسی دوستی نہیں نبھائی جا سکتی جو کسی بھی غرض یا مقصد سے بالاتر ہو اور اس میں کوئی بھی لالچ چھپا ہوا نہ ہو۔ آؤ ہم ایسی دوستی کر کے دیکھتے ہیں کہ ہمیں کہاں تک کامیابی حاصل ہوتی ہے۔"

"مرجانہ! میری معلومات کے مطابق آج تک دنیا میں کسی مرد اور عورت نے ایسی دوستی نہیں کی جو کسی تعلقات پر میرا مطلب ہے کہ جو جسمانی تعلقات پر ختم نہ ہوئی۔"

وہ بولی "تمہاری معلومات محدود بھی ہو سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں کچھ لوگوں نے ایسی زندگی گزاری ہو اور اگر ہم نہ گزار سکیں اور تمہارے کہنے کے مطابق فطرت کا تقاضا ہو اور قدرت کو یہ منظور ہو کہ میں اپنے اندر کی عورت کو بیدار کروں تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس مقام پر پہنچ کر میں تمہارے لیے عورت بن جاؤں گی لیکن ابھی ضد نہ کرنا۔ ابھی میرے ایک مخلص دوست بن کر رہو اور وعدہ کرو کہ گناہوں سے توبہ کرو گے اور آئندہ کسی کو بری نظر سے نہیں دیکھو گے۔"

میں نے مسکرا کر کہا "ٹھیک ہے۔ تم جیسی رہنما مجھے مل گئی ہے۔ قدم قدم پر تم مجھے ٹوکتی رہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ سنبھلتا چلا جاؤں گا۔"

وہ تھوڑی دیر تک میری آنکھوں میں جھانکتی رہی پھر بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی "میں نے جوڈو کراٹے کا فن والٹورڈ کی سے سیکھا ہے۔ اس نے مجھے فولاد بنا دیا ہے۔ ایسے ایسے داؤ پیچ بتائے ہیں کہ مجھے اتنی سی عمر میں بہت زیادہ تجربہ کار بنا کر رکھ دیا ہے۔ صرف لڑنے کے فن میں نہیں بلکہ دنیا کو سمجھنے کا سلیقہ بھی وہ سکھاتا رہا ہے۔ ایک بار اس نے مجھ سے کہا تھا۔ بیٹی! تم بہت عرصے تک لڑکا بنی رہیں اور مجھ سے بھی خود کو چھپاتی رہیں۔ اب جبکہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم ایک لڑکی ہو تو میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں مرد ہو کر یہ بات کر رہا ہوں کہ جب بھی کوئی مرد محبت کی قسم کھائے تو کبھی اس کی زبان پر بھروسہ نہ کرنا۔ مرد کسی بھی موقع پر، کسی بھی مرحلے پر اپنی محبت کا مزاج نہیں بدل سکتا ہے۔"

میں نے ماسٹر سے پوچھا تھا "کیا سارے مرد دھوکے باز ہوتے ہیں۔"

اس نے جواب دیا تھا "نہیں۔ سارے مرد ایسے نہیں ہوتے لیکن مرد جب ایک عورت کے قریب آ جاتا ہے تو پھر وہ اس عورت کے ساتھ وعدہ نہیں نبھاتا کیونکہ وہ اس کے لیے پرانی ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کسی نئی کی تلاش میں نئے وعدے کرنے کی سوچتا ہے۔"

میں نے مرجانہ کی باتیں سن کر مسکراتے ہوئے پوچھا "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میرے وعدوں پر بھروسہ نہیں کرو گی۔"

اس نے جواب دیا "بھروسہ اس وقت تک کرتی رہوں گی جب تک کہ تمہارے لیے شجرِ ممنوعہ بنی رہوں گی۔ جس دن تمہاری باتوں کے فریب میں آ جاؤں گی یا تمہاری محبت سے زیر ہو جاؤں گی تو اس وقت سے تم پر شبہ کرنے لگوں گی۔ پھر تمہارے وعدوں پر مجھے بھروسہ نہیں رہے گا۔"

ایسا کہتے ہوئے اس نے بڑی آہستگی سے اپنے بازو میری گرفت سے چھڑا لیا اور ایک طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "اچھا تو یہی وہ جگہ ہے جہاں تم ٹیلی پیتھی کی مشقیں کیا کرتے تھے۔"

میں نے کہا "تم کتنی خوبصورتی سے موضوع کو بدل رہی ہو۔"

وہ ذرا دور جا کر پلٹ کر بولی "ہاں تم مجھے یہاں یہ جگہ دکھانے لائے تھے یا اپنے مطلب کی باتیں کرنے۔"

"میں نے سوچا، جگہ تو دکھاؤں گا ہی۔ ساتھ میں کچھ محبت کی باتیں ہو جائیں تو کیا مضائقہ ہے۔"

"اس کا جواب میں دے چکی ہوں کہ اگر میرے دل میں محبت پیدا ہو گی تو وقت کے ساتھ ساتھ ہو گی۔ اگر کوئی ایسا مرحلہ آیا تو تم میری محبت کو جیت لینا۔ ابھی تو اس موضوع کو ختم کر دو اور مجھے بتاؤ کہ تم کہاں بیٹھ کر مشقیں کیا کرتے تھے۔ یہاں تو اتنی کھلی جگہ ہے۔ اتنی کھلی جگہ پر شمع کیسے جلائی جاتی ہو گی۔ وہ تو ہوا سے بجھ جاتی ہو گی۔"

میں نے کہا "ٹیلی پیتھی کی ابتدائی مشق شمع بینی ہے جب میں نے شمع بینی کی مشق مکمل کر لی تھی تو اس کے بعد التسخیر کی مشقیں شروع کی تھیں۔ اس کے لیے مجھے یہاں آنا پڑتا تھا۔"

مرجانہ نے پوچھا "یہ التسخیر کیا چیز ہے۔"

میں نے کہا "کسی دیوار پر یا کسی درخت پر ایک چھوٹا سا نقطہ بنا دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے ٹھیک سامنے بیٹھ کر اسے دیکھتے ہوئے اس پر نگاہیں جماتے ہوئے اس طرح دیکھا جاتا ہے کہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور دماغ کی ساری سوچیں اس نقطے پر مرکوز کر دیتے ہیں۔ یہ مشق اتنی تندہی سے اور اتنی لگن سے کرتے ہیں کہ آہستہ آہستہ وہ نقطہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ پھر اس نقطے کو بڑھایا جاتا ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑھنے والا نقطہ اوجھل ہوتا جاتا ہے اس نقطے کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے۔"

ایسا کہتے وقت میں چاروں طرف اس درخت کو تلاش کر رہا تھا۔ اچانک مجھے وہ درخت نظر آ گیا۔ میں نے چونک کر کہا "مرجانہ! وہ دیکھو، وہی ہے وہ درخت، جہاں میں نے نشان لگایا تھا۔ آؤ دیکھو۔ وہ نشان یہاں سے نظر آ رہا ہے۔"

میں اس کو درخت کے قریب لے گیا۔ وہاں ایک سیاہ دائرہ بنا ہوا تھا۔ میں نے کہا "دیکھو یہ پہلے ایک چھوٹا سا نقطہ تھا۔ اسے بڑھاتے بڑھاتے میں نے چاند کے دائرے کے برابر کر دیا تھا اور یہ چاند کے برابر والا دائرہ بھی میری نگاہوں کے سامنے آ کر اوجھل ہو جاتا تھا اور یہی سیاہ دائرہ روشنی میں تبدیل ہو جاتا تھا۔"

مرجانہ بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ اس نے حیرانی سے پوچھا "اتنا بڑا دائرہ نگاہوں کے سامنے کیسے اوجھل ہو جاتا تھا اور جب ایسا ہوتا تھا تو یہ سیاہ دائرہ روشنی میں کیسا ہو جاتا تھا۔"

میں نے کہا "میں یہ الفاظ میں نہیں سمجھا سکتا۔ اس پر تو عملی تجربہ کیا جائے تب ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ ہاں مجھے یاد آیا۔ ایک دن میں اس جگہ سے بری طرح زخمی ہو کر ایک جادوگرنی کے پاس پہنچ گیا تھا۔"

مرجانہ نے حیرانی سے پوچھا "جادوگرنی کے پاس۔"

"ہاں اس جادوگرنی کا نام جیمیا تھا۔ مجھے ایک شخص یہاں سے زخمی حالت میں اٹھا کر لے گیا تھا۔"

"تم زخمی کیسے ہو گئے تھے۔"

"ایک دن میں یہاں بیٹھا مشق کرنے میں بے حد مصروف تھا۔ میں نے اس چاند کے دائرے میں اس قدر توجہ مبذول کر دی تھی کہ مجھے آس پاس کا ہوش نہیں رہا تھا لیکن آہٹ پر توجہ بٹ جایا کرتی ہے۔ اسی وقت میں نے آہٹ سنی تو آنکھیں کھل گئیں۔ میں نے اٹھ کر دیکھا تو ادھر سے دو شخص ہاتھ میں ہاکی لیے آ رہے تھے۔ پھر پیچھے میں نے دیکھا تو ادھر سے بھی کچھ لوگ لاٹھیاں لیے میری طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر تو یوں ہوا کہ چاروں طرف سے ایک ایک دو دو شخص ہاتھ میں کچھ نہ کچھ کوئی نہ کوئی ہتھیار پکڑے میری طرف بڑھنے لگے۔ وہ مجھے چاروں طرف سے گھیر کر مارنا چاہتے تھے اور ان میں قیصر نامی میرا ایک بدترین دشمن تھا۔"

میری باتیں سنتے سنتے اچانک ہی مرجانہ نے چیخ کر کہا۔ "وہ دیکھو۔ تمہارے وہی دشمن ہاکی لیے نظر آ رہے ہیں۔"

میں نے چونک کر دیکھا تو ایک طرف سے دو آدمی ہاکی لیے ہماری طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو پیچھے بھی تین آدمی لاٹھی لیے ہوئے تھے۔ پھر دائیں بائیں بھی کچھ لوگ نظر آئے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں لاٹھی یا ہاکی ضرور تھی۔ وہ سب لوگ چند قدم آگے بڑھنے کے بعد رک گئے۔ ہمیں چاروں طرف سے انہوں نے گھیر لیا تھا اور ان سب کے چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔

اس کا یہ مطلب تھا کہ یہ لوگ مجھے فرہاد کی حیثیت سے جانتے ہیں یا مجھ پر شبہ کر رہے ہیں اور میری ٹیلی پیتھی سے محفوظ رہنے کے لیے پہلے ہی محتاط ہو کر میرے سامنے آئے ہیں۔ ان کی یہ احتیاط کام آ رہی تھی کیونکہ میں کسی کی آنکھوں میں جھانک کر ان کے دماغوں تک نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ ان کی آنکھیں

نقاب کے چھوٹے چھوٹے سوراخوں کے پیچھے تھیں۔

اس سے پہلے کہ ہم ان سے کوئی سوال کرتے، اسی وقت ایک قہقہہ سنائی دیا۔ پھر ان کے پیچھے سے ایک شخص نکل کر ہم سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ وہ شہباز تھا۔ وہی شہباز جس نے کراچی میں کلفٹن کے ساحل پر بوتل کے جن کا تماشا دکھا کر مجھے پھانس لیا تھا اور میرے ساتھ شہناز کو بھی ایک کوٹھی میں لے جا کر قید کر دیا تھا۔

میں نے مرجانہ سے کہا "مرجانہ! میں سمجھ گیا ہوں۔ یہ لوگ کون ہیں۔ یہ وہی شہباز ہے جس نے مجھے کراچی کی ایک کوٹھی میں شہناز کے ساتھ قید کیا تھا اور میں اپنے ایک حبشی دوست کی مدد سے بچ نکلا تھا۔ آج اس نے پھر مجھے گھیرا ہے۔"

شہباز نے تائید میں سر ہلا کر کہا "فرہاد صاحب! آپ یوں کہیں کہ آپ کو گھیرا نہیں ہے بلکہ میں خود کو قربانی کا بکرا بنا کر ایک بار پھر آپ کے سامنے آگیا ہوں۔ آپ چاہیں تو مجھے ذہنی اذیتیں دے کر مار سکتے ہیں لیکن ان نقاب پوشوں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ دیکھئے، میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ آپ فرہاد ہوں یا نہ ہوں ہم اپنی تسلی کے لیے آپ کو کچھ عرصے تک قید کرنا چاہتے ہیں تاکہ خوشبو کے جزیرے میں جو آبادی قائم ہو رہی ہے اور جو بڑے پیمانے پر اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اس میں کوئی مداخلت نہ ہو۔ چونکہ آپ کی طرف سے خطرہ ہے اس لیے آپ کو ہم اپنی حراست میں رکھنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ خاموشی سے چلنا پسند کریں گے؟"

میں نے کہا "شہباز! میں کئی بار تمہیں یقین دلا چکا ہوں کہ میں فرہاد علی تیمور نہیں ہوں۔ تم لوگ کیوں خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا کہ مجھے تم کو حراست میں لینے والا کام دینے والے کیوں تمہارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں لیکن تمہارے ساتھ مجھے مرجانہ کا فوٹو بھی دیا گیا تھا۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اس وقت مرجانہ بھی تمہارے ساتھ ہے۔ یک نہ شد دو شد، اب میں مرجانہ کو بھی تمہارے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"دیکھو، شہباز! میں کل یہاں سے پیرس کے لیے روانہ ہونے والا ہوں اور وہاں مجھے بہت ضروری کام ہے۔ مرجانہ بھی جانے والی ہے۔ تم ہمیں حراست میں رکھ کر وہاں جانے سے اپنا کام کرنے سے نہ روکو۔ تم چلے جاؤ یا ہماری نگرانی کرتے رہو اور یہ دیکھو کہ ہم واقعی یہ ملک چھوڑ کر جاتے ہیں یا نہیں۔ جب ہم پیرس چلے جائیں گے تو تم لوگوں کو ہماری ذات سے کوئی اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ بولا "ہاں میرے پاس بھی کچھ ایسی ہی باتیں لکھی ہوئی تھیں کہ تم دونوں کو پاکستان سے باہر کسی دور دراز علاقے میں پہنچا دیا جائے۔ اگر تم لوگ پیرس جانا چاہتے ہو تو میں ابھی معلوم کرتا ہوں کہ تم لوگوں کو پیرس بھیجا جا سکتا ہے یا نہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹا سا ٹرانسمٹر نکال کر اسے آن کر کے رابطہ قائم کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کسی سے رابطہ قائم ہوا تو اس نے کہا "میں شہباز بول رہا ہوں اور اس وقت ہم نے طارق محمود کے ساتھ مرجانہ کو بھی گھیر رکھا ہے۔ یہ دونوں یہاں سے کل پیرس روانہ ہونے والے ہیں اور ہم سے درخواست کر رہے ہیں کہ انہیں حراست میں نہ لیا جائے بلکہ انہیں کل پیرس روانہ ہونے کا موقع دیا جائے۔ اگر آپ انہیں اپنے طور پر پیرس پہنچا سکتے ہیں تو مجھے بتائیں، میں اسی کے مطابق عمل کروں گا۔"

ٹرانسمٹر پر کسی نے جواب دیا "تم گدھے ہو۔ اس وقت اگر طارق محمود کے سامنے باتیں کر رہے ہو تو وہ میری آواز اسی وقت سن چکا ہو گا جب میں نے ہیلو کہہ کر رابطہ قائم کیا تھا۔ خدا کرے کہ طارق محمود فرہاد نہ ہو۔ اگر ہوا تو وہ میرے بھی دماغ تک پہنچ گیا ہو گا اور اب میں احتیاطاً یہ ٹرانسمٹر رکھ کر اور اپنے عہدے سے دستبردار ہو کر گھر میں جا کر بیٹھ جاؤں گا اور یہ تحریری ہدایات دے دوں گا کہ کوئی مجھ سے ملاقات نہ کرے اور نہ ہی فون پر گفتگو کرے۔ بہرحال پیرس جانے کا معاملہ یہ ہے کہ طارق محمود اور مرجانہ کو کسی صورت سے چھوڑا نہ جائے۔ انہیں حراست میں لے کر اسی جگہ پہنچا دیا جائے جہاں تم سے کہا گیا تھا۔ ہم تھوڑی دیر بعد فیصلہ کریں گے کہ انہیں کہاں پہنچانا چاہیے۔ اوور اینڈ آل۔"

ادھر وہ ٹرانسمٹر پر باتیں کر رہا تھا۔ ادھر میں نے مرجانہ کو جاپانی زبان میں مخاطب کیا۔ میں جانتا تھا کہ مرجانہ نے ماسٹر والشو رد کی سے یہ زبان سیکھی ہے۔ جب میں نے اسے جاپانی میں مخاطب کیا تو وہ چونک کر بولی "کیا تم جاپانی جانتے ہو؟"

میں نے کہا "یہ ان باتوں کا موقع نہیں ہے۔ میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس وقت کیا کیا جائے۔ کیا خاموشی سے خود کو حراست میں دے کر دو چار روز قید میں گزارے جائیں یا ان سے مقابلہ کیا جائے۔ مقابلے میں ہمیں شکست بھی ہو سکتی ہے اور کامیابی بھی ہو سکتی ہے۔"

مرجانہ نے کہا "ہم خود کو حراست میں نہیں دیں گے۔ گو ان سب کے ہاتھوں میں لاٹھیاں اور بلکیاں ہیں۔ ہم نہتے ہیں۔ پھر بھی میں کوشش کروں گی کہ کسی سے لاٹھی چھین لوں۔

زخم تو آئیں گے لیکن میں چوٹیں برداشت کرنے کی عادی ہوں۔ تم اپنی خیر مناؤ۔"

"میں بالکل تیار ہوں۔ ذرا انتظار کرو۔ ہم ابھی شروع ہو جائیں گے۔"

شہباز ہم دونوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا "یہ تم لوگ کس زبان میں باتیں کر رہے ہو؟"

میں نے اس سے پوچھا "تم لوگ کراچی میں تھے، یہاں کیسے آگئے ہو؟"

اس نے جواب دیا "ہماری معلومات بہت وسیع ہیں۔ میں تمہارا پیچھا کرتا رہا ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ تم لاہور جانے والی فلائیٹ میں سوار ہو رہے ہو تو میں بھی دوسری فلائیٹ سے یہاں چلا آیا۔ میرے مالکان بڑے ذرائع رکھتے ہیں۔ ان کے لئے تمہارے متعلق یا کسی بھی دشمن کے متعلق معلومات حاصل کرنا بہت آسان ہے۔ بہرحال تم چل رہے ہو؟"

میں نے کہا "ہاں مگر ہمارا ایک کام کر دو۔ ہمارے لئے اپنے ان آدمیوں سے دو لاٹھیاں مانگ کر لے آؤ۔"

یہ کہتے ہی میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ پلٹ کر کھڑے ہوئے اپنے لوگوں کے پاس گیا۔ وہ چاروں طرف سے ہمیں گھیرے ہوئے تھے۔ اس نے دو آدمیوں سے کہا کہ اسے دو لاٹھیاں دے دیں۔ ان لوگوں نے پہلے تو انکار کیا، ذرا ہچکچائے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ تم سب میرے کرائے کے لوگ ہو۔ میں جو حکم دوں گا، وہی کرنا ہو گا۔ لاؤ لاٹھیاں میرے حوالے کرو۔ دو آدمیوں نے دو لاٹھیاں اس کے حوالے کر دیں۔ اس نے انہیں ایک ایک ہاتھ میں تھام لیا۔ پھر چلتا ہوا ہمارے پاس آیا۔ میں نے اور مرجانہ نے فوراً ہی اس کے ہاتھوں سے لاٹھیاں چھین لیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر کہا "بیٹے! اب تم اپنی خیریت مناؤ۔" اور یہ کہتے ہی ہم لاٹھیاں چلاتے ہوئے اس بھیڑ سے نکلنے کی کوشش کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں اچھا خاصا جھگڑا شروع ہو گیا تھا۔ وہ چاروں طرف سے پینترے بدل بدل کر ہم پر حملے کر رہے تھے اور ہم بھی ان کے حملوں کو روک کر حملہ کرتے جا رہے تھے۔

میں اور مرجانہ لڑنے کے جدید داؤ پیچ سے واقف تھے۔ اگر کراٹے یا اسی قسم کی فری اسٹائل لڑائی ہوتی تو ہم ان سب پر بھاری پڑ جاتے۔ لیکن وہاں دیسی لاٹھی بازی ہو رہی تھی اور ہم اس فن سے واقف نہیں تھے۔ لیکن ایسے اناڑی بھی نہیں تھے کہ لاٹھیاں ہاتھ میں آجانے کے بعد اپنا بچاؤ نہ کر سکیں۔ وہاں جو لڑائی ہو رہی تھی اس میں ہماری دفاعی کوششیں تھیں۔ ہم ان پر جارحانہ حملے نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی حملہ کرنا آسان تھا۔ تھوڑی سی دیر میں کتنی ہی چوٹیں کھانے کے بعد میں نے سوچا کہ مرجانہ کو بھی اچھی خاصی لاٹھیاں پڑ رہی ہوں گی۔ کیونکہ کبھی کبھی اس کے منہ سے کراہنے کی آوازیں آجاتی تھیں۔ آخر میں نے سوچا کہ اس طرح ہم بچ کر نہیں نکل سکیں گے۔ زخموں سے چور ہو جائیں گے اور وہ ہمیں نیم مردہ کرنے کے بعد یہاں سے گھسیٹ کر لے جائیں گے۔

میں نے سوچا کہ میری اصلی شخصیت کچھ لوگوں پر ظاہر ہو چکی ہے۔ پھر یہ کہ جب میں پیرس جا کر اصلی شکل میں آؤں گا تو ہمیشہ میک اپ میں چھپا نہیں رہ سکوں گا۔ اس کے بعد تو لوگ مجھے اس چہرے سے پہچانتے ہی رہیں گے۔ تو اب اپنے آپ کو کیوں چھپاؤں۔ کیوں نہ اپنی ٹیلی پیتھی کو استعمال کروں۔

یہ سوچتے ہی میں نے شہباز کے دماغ پر قابض ہو کر لڑتے لڑنے والوں کو چیخنے پر مجبور کیا تو وہ چیخ چیخ کر کہنے لگا "ارے کم بختو! یہ کیا کر رہے ہو؟ لڑائی جھگڑا بند کرو۔ میں نے تم لوگوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ اتنی زبردست جنگ شروع کر دینا۔ ان لوگوں کو چھوڑ دو اور میرے ساتھ بھاگ چلو!"

اس کی باتیں سن کر لڑنے والوں کے ہاتھ سست پڑ گئے۔ وہ اسے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ شہباز نے ایک طرف بھاگتے ہوئے کہا "آؤ، آؤ میرے ساتھ آؤ۔ ان لوگوں کو یہیں چھوڑ دو۔"

وہ سب کرائے کے بدمعاش تھے اور شہباز کے حکم پر عمل کرنے کے لئے آئے تھے۔ اب اس کا دوسرا حکم سن کر اس کے ساتھ جانے پر مجبور ہو گئے۔ کیونکہ انہیں صرف اپنے معاوضے سے مطلب تھا۔ لہٰذا اس کا حکم مانتے ہوئے وہ اس کے پیچھے چلے گئے اور ہمیں تنہا چھوڑ دیا۔ کچھ دور جا کر ایک شخص نے آہستگی سے پوچھا "شہباز جی! یہ کیا بات ہے۔ آپ نے تو حکم دیا تھا کہ چاہے انہیں زخمی کرنا پڑے لیکن قابو کرنا ہے۔ پھر آپ نے انہیں چھوڑ کیوں دیا؟"

میں ابھی تک شہباز کے دماغ میں موجود تھا۔ اس نے کہا "بس میری مرضی ہے۔ تم لوگ چپ چاپ میرے ساتھ چلتے رہو۔ میں تمہیں تمہاری باقی رقم بھی ادا کر دوں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔" وہ ایک طرف بڑھنے لگا۔

میں نے مرجانہ کا ہاتھ تھاما اور چپ چاپ وہاں سے تیزی سے اپنی کار کی طرف جانے لگا۔ میں خاموش تھا کیونکہ دماغی طور پر شہباز سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ہمارے کار تک پہنچنے سے پہلے وہ میری دماغی گرفت سے آزاد ہو۔ پھر ہمارا پیچھا کرے۔

تھوڑی دور آگے جانے کے بعد میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تو وہ چلتے چلتے ٹھٹک گیا۔ پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا "یہ میں کہاں آگیا ہوں۔ تم لوگ یہاں میرے ساتھ ساتھ کہاں جا رہے ہو۔ وہ دونوں کہاں ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ طارق محمود اور مرجانہ کدھر گئے؟"

ایک شخص نے کہا "باؤ جی! تم عجیب آدمی ہو۔ پہلے تو ان کے ساتھ لڑنے مرنے کے لئے یہاں لے کر آئے۔ جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو تم نے حکم دیا کہ ہم انہیں نقصان نہ پہنچائیں اور واپس تمہارے ساتھ چلیں۔ اب ہم

تمہارے ساتھ چل رہے ہیں۔"

شہباز اپنا سر کھجا کر سوچتے ہوئے بولا "اچھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھ پر ٹیلی پیتھی کا اثر ہوا ہے۔ ارے مشکل ہو گئی۔ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ دیکھو! وہ لوگ ابھی دُور نہیں گئے ہوں گے۔ چلو، ان کا پیچھا کرو۔"

ان میں سے ایک آدمی نے کہا "او بھائی جان! پہلے ٹھیک سے سوچ لو کہ ہمیں ان کا پیچھا کرنا چاہئے یا نہیں۔ اب کے تو ہم ان دونوں کا سر توڑ دیں گے۔ بولو، اجازت ہے؟"

اس نے کہا "بالکل اجازت ہے.... آخر تم لوگوں کا منہ دیکھنے کے لئے تو میں تم کو یہاں نہیں لایا ہوں۔ منہ مانگا معاوضہ دے رہا ہوں۔ چلو، جلدی دوڑ کر جاؤ اور انہیں تلاش کرو۔"

وہ دوڑ کر جانے لگے۔ اسی وقت میں شہباز کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ فوراً ہی چیخ کر بولا "ارے ارے کہاں جا رہے ہو، واپس آؤ، میری بات سنو۔"

دوڑنے والے رُک گئے۔ پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ بولا "بھئی میں کیا کروں؟ میں نے غلطی سے یہ حکم دیا تھا۔ کوئی بات نہیں، اب وہ لوگ چلے گئے ہیں تو جانے دو۔ واپس آ جاؤ، ہم اپنے اپنے گھر چلیں گے۔"

ان میں سے ایک بدمعاش نے کہا "ارے، تم تو کوئی پاگل کے بچے معلوم ہوتے ہو۔ کبھی یہ حکم دیتے ہو، کبھی وہ حکم دیتے ہو۔ سیدھی طرح ایک بات کیوں نہیں بولتے۔"

میں نے پھر شہباز کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ چکرا کر رہ گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اپنے ساتھی بدمعاشوں سے اس نے پوچھا "یہ کیا ہوا؟ کیا میں نے پھر تم لوگوں کو رُکنے کا حکم دیا تھا؟"

"ہاں!" ایک شخص نے کہا "پہلے تم نے ہمیں جانے کا بھی حکم دیا پھر رُکنے کا حکم دیا۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

اس نے کہا "تم لوگ میری بات نہ مانو۔ جو حکم دوں اس پر عمل نہ کرو۔ سیدھی طرح دوڑتے ہوئے جاؤ اور انہیں تلاش کر کے پکڑ کر لے آؤ۔"

ایک بدمعاش نے کہا "بھئی کمال کی بات کرتے ہو۔ خود ہی کہتے ہو کہ تمہاری بات نہ مانیں۔ تمہارا کوئی حکم نہ مانیں۔ پھر کہتے ہیں دوڑ کر انہیں پکڑنے جائیں پھر بھلا ہم یہ حکم کیوں مانیں؟"

اس نے کہا "بھئی تم لوگ سمجھتے کیوں نہیں۔ وہ لوگ دور نکل جائیں گے۔ جاؤ یہاں سے، ان کا پیچھا کرو۔"

وہ پلٹ کر جانا ہی چاہتے تھے کہ میں پھر اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ پتھر اٹھا کر اپنے ساتھیوں کو مارتے ہوئے بولا۔ "مارے کم بختو، اگر میں پاگل ہوں تو کیا تم لوگ بھی پاگل ہو۔ میں اگر کسی کی جان لینے کا حکم دوں تو کیا تم جان لے لوگے۔ شریف آدمیوں کی طرح واپس چلو اور میرا حکم مانو کہ میں اس خون خرابے سے رہنے کے لئے کہہ رہا ہوں۔"

وہ سارے بدمعاش گھور گھور کر غصے سے اسے دیکھنے لگے پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس پاگل کے پیچھے سے اپنے معاوضے کی باقی رقم لے کر، اس کی اچھی طرح پٹائی کر کے یہاں سے چلے جانا چاہئے اور پھر وہ اپنے فیصلے پر عمل کرنے لگے۔ میں شہباز کے دماغ سے نکل آیا۔

ہم بڑی تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ مرجانہ نے مجھ سے پوچھا "کیا میں تم سے بات کروں؟"

"ہاں! بولو، کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"کہنا تو کچھ نہیں چاہتی۔ صرف یہ سوچتی ہوں کہ جب تم خاموش رہتے ہو تو کہیں ٹیلی پیتھی میں مصروف نہ رہتے ہو۔ اس لئے میں جاننا چاہ رہی تھی کہ ایسے وقت تمہیں مخاطب کرنا چاہئے یا نہیں۔"

"تم کسی بھی وقت مخاطب کر سکتی ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ خیال خوانی کا سلسلہ چند سیکنڈ کے لئے ٹوٹے گا۔ پھر میں تمہیں بتا دوں گا کہ میں یونہی خاموش ہوں یا خیال خوانی میں مصروف ہوں۔ ویسے ابھی تک میں شہباز کو کنٹرول کر رہا تھا۔ میں نے وہاں ایسا چکر چلایا ہے بس اس سے ایسی پاگل پن کی حرکتیں کرائی ہیں کہ اس کے بدمعاش غنڈے خود اس کے دشمن بن گئے ہیں اور اپنے معاوضے کی رقم وصول کرنے کے بعد اس کی پٹائی کر رہے ہیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی "آج بہت دنوں کے بعد بڑی زبردست پٹائی ہوئی ہے۔ والٹو روکی میری پٹائی ایسے ہی کرتا تھا کبھی کنکروں کے ڈھیر پر، کبھی فولادی ذرات کے ڈھیر پر داؤ پیچ سکھاتا تھا میں گرتی تھی اور زخمی ہوتی تھی۔ ویسے لاٹھیاں خوب پڑی ہیں۔ مگر وہ والٹو روکی کے ساتھ کی جانے والی مشقیں یاد آ گئیں۔ مجھ پر تو زیادہ اثر نہیں ہو سکا تھا۔ تم اپنی سناؤ۔"

"میں نے تمہاری طرح فولاد بننے کی مشقیں تو نہیں کی ہیں لیکن زندگی میں ایسے فولادی راستوں سے گزر کر آیا ہوں کہ بے حس ہو چکا ہوں۔ اب چوٹیں لگتی ہیں تو اتنا اثر نہیں ہوتا۔ ہر چوٹ قابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔ میں بھی ٹھیک ہی ہوں۔"

اس وقت تک کافی اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ہم بھٹکتے ہوئے اپنی کار کے پاس پہنچ گئے۔ میں نے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا "اب میں ڈرائیو کروں گا۔ تم میرے پاس بیٹھو۔" وہ دوسری طرف کا دروازہ کھول کر میرے پاس والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ پھر ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستے میں مرجانہ نے اپنے بدن کو سہلاتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے کہا "مار کھا کر مزا آ گیا۔ لیکن اگر تم ٹیلی پیتھی سے کام نہ لیتے تو اس وقت تک ہمارا کچومر نکل چکا ہوتا، یا تو وہ ہمیں مُردہ کر کے چھوڑ جاتے یا نیم مُردہ کر کے گھسیٹ کر وہاں سے لے جاتے اور پھر پتہ نہیں، ہمارا کیا حشر ہوتا۔ ویسے تم بھی خوب ہو۔"

"خوب کا کیا مطلب ہوا؟"

"مطلب یہ کہ پہلے میں اپنے آپ کو خوب سمجھتی تھی۔ اپنے اوپر اتنا اعتماد تھا کہ اگر مقابلے پر دس دشمن ہوں تو میں تنہا ان سے مقابلہ کرونگی لیکن ہتھیار کے ساتھ ہوں تو یہ نہیں سوچا تھا کہ میرا کیا حشر ہوگا۔ اب تم ملے ہو تو یہ سوچنے کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ تم تو ہتھیار والوں کو بھی تنہا کر کے بھگا دیتے ہو۔ اس لئے اگر میں خوب ہوں تو تم بہت خوب ہو۔ دونوں کی جوڑی خوب ملی ہے۔"

"بھئی کمال ہے۔ تم اس لفظ خوب کا استعمال خوب کر رہی ہو۔"

وہ ہنسنے لگی۔ میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا "مرجانہ تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزر رہا ہے۔ ایسا وقت میں نے بہت کم گزارا ہے کہ میرے ساتھ ہنگامے بھی رہے ہوں اور آسودگی بھی ملتی رہی ہو۔ تمہارے ساتھ کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود ایک ایسی اپنائیت ہے۔ ایک ایسا اپناپن ہے جس کی وجہ سے میں آسودگی کا لفظ استعمال کر رہا ہوں۔"

"میرے احساسات بھی کچھ ایسے ہی ہیں۔ میں سوچ رہی ہوں اگر تم مجھے کل چھوڑ کر چلے جاؤ گے تو پیرس میں تم سے ملاقات ہونے تک میں اپنے آپ کو بالکل تنہا تنہا سی محسوس کروں گی۔ میرا دل نہیں لگے گا۔ اگر تم اسے عشق نہ کہو بلکہ دوستی سمجھو تو میں یہ کہوں گی کہ تمہارے بغیر میرا دل نہیں لگے گا۔"

"میں دوستی کے اس جذبے سے بہت خوش ہوں۔ تم سے بچھڑنے کے بعد یہ خیال مجھے تسکین پہنچاتا رہے گا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو۔ مجھے یاد کر رہی ہو۔ دوست یہی چاہتا ہے کہ دوسرا دوست اسے یاد کرتا رہے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں بھی تمہیں برابر یاد کرتا رہوں گا اور پیرس میں تمہارا شدت سے انتظار کروں گا۔"

ہمارے درمیان تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر میں نے اس سے پوچھا "کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی "تعجب ہے، سوچ پڑھنا جانتے ہو اور پھر بھی پوچھ رہے ہو؟"

"ہاں، جو میرے بالکل اپنے ہوتے ہیں۔ میں ان کی سوچ نہیں پڑھتا۔ میں سوچتا ہوں۔ پتہ نہیں کہ میرے اپنے نہ جانے اپنی کیسی کیسی ذاتی باتیں سوچ رہے ہوں گے۔ اس لئے میں ان کے دماغ میں نہیں جھانکتا۔"

"یہ تمہاری بہت اچھی عادت ہے۔ اب مجھے یہ سوچ کر جھجک نہیں محسوس ہوگی کہ پتہ نہیں، تم کب میرے دماغ میں جھانک رہے ہو۔ چلو لگے ہاتھوں یہ وعدہ کر لو کہ آئندہ میرے دماغ میں آنے سے پہلے مجھ سے اجازت لے لیا کرو گے۔"

"ٹھیک ہے۔ وعدہ کرتا ہوں۔ میں تم سے اجازت لے کر ہی تمہاری سوچ پڑھا کروں گا۔"

وہ بات بدل کر بولی "ایک بات ہے، فرہاد! کہ مار کھانے کے بعد بھوک بہت زور کی لگی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

میں نے کہا "ہاں، مجھے بھی بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے بھی خوب مار کھائی ہے۔"

وہ قہقہے لگانے لگی۔ میں بھی ہنسنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہم میکلوڈ روڈ سے گزر رہے تھے۔ میں نے کہا "کسی اونچے ہوٹل میں کھانے کے بجائے کیوں نہ ہم فٹ پاتھ پر کھائیں۔ یہاں کی نہاری بہت مشہور ہے۔"

وہ راضی ہو گئی۔ میں نے ایک جگہ گاڑی روک دی اور ہوٹل کے ملازم کو بلا کر روٹی نہاری لانے کا آرڈر دیا۔ پھر ہم باتیں کرنے لگے ایسی باتیں میں زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی سے کر رہا تھا۔ کیونکہ ان باتوں میں محبت تو تھی لیکن محبت کے پیچھے کوئی ہوس نہیں تھی۔ بڑی ہی سیدھی سادھی سی محبت تھی۔ لگاوٹ تھی اور ہم بڑی سادگی سے اس رشتے کی ابتدا کر رہے تھے۔

روٹی اور نہاری کی پلیٹیں آ گئیں۔ ہم نے کھانا شروع کر دیا۔ میں نے کہا "مرجانہ، جب ہم اپنے ملک سے باہر جائیں گے تو ہمارے ملک کا یہ لذیذ کھانا ہمیں نصیب نہیں ہوگا۔ اس لئے جب تک یہاں رہو، اپنے ہی ملک کے کھانے کھاتی رہو۔"

وہ بولی "مجھے تو انگریزی کھانے بالکل پسند نہیں ہیں۔ سوچتی ہوں کہ پیرس جانے کے بعد مجبوراً وہ کھانے زہر مار کرنے ہوں گے۔"

"تمہیں رفتہ رفتہ اُن کھانوں کی بھی عادت ہو جائے گی۔"

کھانا ختم کرنے کے بعد ہم نے بل ادا کیا۔ پھر دوسری جگہ جا کر چائے پی۔ اس کے بعد ہم پھر کار میں بیٹھ کر تفریح کے لئے نکل گئے۔ ہماری تفریح یہی تھی کہ ہم کار میں بیٹھ کر شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی سڑکوں پر گھوم رہے تھے۔ کسی کلب میں جا کر وقت گزارنا نہیں چاہتے تھے۔ ہماری خواہش تھی کہ ہم بالکل تنہا رہیں۔ تنہائی کے لئے سمندر کا ساحل نہیں تھا، راوی کا کنارا تھا مگر وہاں ہم دشمنوں سے نمٹ کر آئے تھے اور دوبارہ وہاں جانا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا ایک کار ہی ایسی جگہ تھی جہاں ہمیں تنہائی میسر ہو رہی تھی۔ جہاں ہم کھل کر آپس میں باتیں کر سکتے تھے۔ کوئی تیسرا ہماری باتیں سننے والا نہیں تھا۔

مرجانہ نے کہا "پرسوں رات جب سے میں نے اپنی امّی کی لکھی ہوئی ڈائری پڑھی ہے تب سے میرے اندر انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔ میں جب بھی تنہا ہوتی ہوں تو یہ سوچتی ہوں کہ دشمنوں سے ایسا انتقام لوں کہ وہ سارے کے سارے میری امی کے سامنے موجود ہوں اور میری امی کے سامنے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ان سے ہمدردی کی بھیک مانگتے ہوں اور میں اس وقت ان سے کہتی رہوں کہ ایک ماں کو اس کی اولاد سے جدا کرنے کا یہی انجام ہوتا ہے جو تم لوگ بھگت رہے ہو۔"

میں نے کہا" میں تمہارے جذبات کو سمجھتا ہوں۔ ایک تو تم نے پیدا ہونے کے بعد سے اب تک اپنی امی کی صورت نہیں دیکھی اور ان کے حالات معلوم بھی ہوئے تو وہ ایسے دردناک تھے کہ جیسے تم تو کیا دنیا کی کوئی اولاد بھی برداشت نہ کرتی۔ تمہارا غصّے سے بھڑکنا ایک لازمی بات ہے؟

"ہم ایسی تدبیر کریں گے کہ سارے دشمن ایک ہی دن میری امّی کے سامنے حاضر ہو سکیں اور میں ایک ساتھ ان تمام لوگوں کو امّی کی آنکھوں کے سامنے سزا دے سکوں۔"

میں نے تسلّی دینے کے انداز میں کہا" اطمینان رکھو، یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمہارے ایک ایک دشمن کو پیرس بلاؤں گا۔ اگر تم کبیر بیدی اور رگھو سے ملنے اور ان سے انتقام لینے کے لئے ہندوستان جاؤ گی تو یہ بڑا لمبا چکّر ہو گا۔ وہاں جانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ بس کچھ ایسا سلسلہ کرنا ہو گا کہ ہمارا کوئی آدمی ان سے جا کر ملاقات کرے اور میں اپنے اس آدمی کے ذریعے ان کے دماغوں تک پہنچ جاؤں گا۔ پھر انہیں تگنی کا ناچ نچانا میرا کام ہو گا۔"

"میں انکل سے کہوں گی کہ وہ خود ہندوستان جائیں یا اپنے کسی سمجھ دار آدمی کو کبیر بیدی اور رگھو کے پاس بھیجیں۔ ان کے پتے ہمارے پاس موجود ہیں۔ جب وہ وہاں جائیں گے تو تم ان سے رابطہ قائم کر لینا۔"

"لیکن جو بھی شخص جائے، وہ میرے یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے مجھ سے ملاقات کرے تاکہ میں اس کے لب و لہجے کو یاد رکھ سکوں اور اس کے ذریعے کسی وقت بھی اس کے دماغ میں پہنچ سکوں۔"

"ٹھیک ہے، کل صبح انکل سے اس سلسلے میں کوئی آخری بات طے کر لی جائے گی۔"

رات کے ایک بجے مرجانہ نے کہا" اب میں گاڑی ڈرائیو کروں گی۔ تم میری سیٹ پر آ جاؤ۔ تمہیں زیادہ ڈرائیونگ نہیں کرنی چاہئے۔ ہم دونوں ہی تھکے ہوئے ہیں۔ اس لئے دونوں کو وقت بانٹ کر ڈرائیونگ کرنا چاہئے۔"

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ گئی۔ میں اس کی جگہ چلا گیا۔ ہمارے درمیان موضوعات بدلتے جا رہے تھے۔ مرجانہ نے کہا" اب اپنے رومانس کی کچھ داستانیں سناؤ۔ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ تمہاری زندگی میں کتنی لڑکیاں آئی ہیں اور تم کتنوں سے متاثر ہوتے رہے ہو؟"

میں نے کہا" ہاں۔ رات گزارنے کے لئے اور ایک ساتھ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی داستان چھیڑی جائے تو میں تمہیں تین لڑکیوں کی داستان خصوصیت سے سناؤں گا۔ کیونکہ ان تینوں نے ہی مجھے متاثر کیا اور تینوں اپنی اپنی جگہ بے حد خطرناک بھی تھیں اور بہت زیادہ محبت کرنے والی بھی۔ ایک سونیا ہے، دوسری رومانہ تھی جو اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ تیسری رس ونتی ہے جو ٹیلی پیتھی کے علم میں مجھ سے زیادہ مہارت رکھتی ہے اور ان دنوں وہ برما میں میری ایک ممّی کے پاس بیمار پڑی ہوئی ہے۔"

میں نے پہلے اسے سونیا کے متعلق بتایا۔ پوری داستان سننے کے بعد مرجانہ نے کہا" اس میں شبہ نہیں کہ وہ محبت کرنے والی عورت ہے لیکن بہت زیادہ مغرور ہے اور تم سے جس انداز میں اب پیچھا چھڑا رہی ہے تو اس کا جوابی ردِّ عمل یہی ہونا چاہئے کہ تم بھی اب اس کا خیال چھوڑ دو۔"

"میں چھوڑ چکا ہوں اور جب سے خوشبو کے جزیرے سے آیا ہوں میں نے اس سے رابطہ قائم نہیں کیا ہے اور یہ مصمم ارادہ ہے کہ آئندہ اس سے رابطہ نہیں رکھوں گا۔ لیکن ....."

"لیکن کیا؟" اس نے پوچھا۔

"یہی کہ جب میں پیرس پہنچوں گا تو وہ ضرور مجھ سے ملاقات کرنے آئے گی۔"

"اسے کیسے معلوم ہو گا کہ تم پیرس میں ہو؟"

"تم یہ بھول گئی ہو کہ اس کے پاس سونگھنے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ وہاں وہ میری بُو پا لے گی تو تیر کی طرح میری طرف آئے گی۔"

مرجانہ نے پوچھا" جب وہ تم سے نفرت کرنے لگی ہے یا تم سے پیچھا چھڑانے لگی ہے تو پھر وہ تمہارے پاس کیوں آئے گی؟ کیا یہ تمہاری خوش فہمی نہیں ہے؟"

"نہیں، یہ خوش فہمی نہیں ہے۔ وہ محض اس وجہ سے آئے گی کہ میری بُو پاتے ہی اسے تجسس ہو گا کہ میں یہاں پیرس میں کیا کر رہا ہوں۔ میری کسی ملک میں یا کسی شہر میں بھی آمد ایسی ہوتی ہے کہ میرے ساتھ ساتھ ہنگامے بھی چلے آتے ہیں۔ وہ اسی تجسس کی بنا پر مجھ سے ملنے یا مجھے دُور ہی سے دیکھنے کے لئے ضرور آئے گی۔"

اسی لمحے مرجانہ کے اندر ایک ذرا سا عورت پن پیدا ہو گیا۔ وہ عام عورتوں کی طرح جیسے جلتے ہوئے بولی" پھر تو بڑے گلے شکوے ہوں گے۔ وہ رُوٹھے گی تم مناؤ گے اور پھر تمہارے درمیان دوستی ہو جائے گی۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا" یہ بات نہیں ہے۔ تم بھول رہی ہو۔ ذرا میری طرف دیکھو۔ میرا چہرہ دیکھنے کے بعد کیا تم یہ کہہ سکتی ہو کہ میں فرہاد ہوں۔ وہ مجھے بُو سے پہچان کر آئے گی لیکن جب طارق محمود کا چہرہ دیکھے گی تو مایوس ہو جائے گی۔ میں اسے فریب میں مبتلا رکھوں گا۔ وہ میرے اندر کے چھپے ہوئے فرہاد کو نہیں پا سکے گی، خاصہ دلچسپ تماشہ ہو گا۔ وہ پریشان ہوتی رہے گی۔"

"اس کی پریشانیوں سے تم لطف حاصل کرو گے؟"

"ہاں! مزہ تو آئے گا۔"

"جس سے دلی لگاؤ ہوتا ہے۔ اسی کو پریشان کر کے لطف حاصل کیا جاتا ہے؟"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ اب مجھے دلی لگاؤ نہیں رہا۔"

"وعدہ کرو کہ تم کسی بھی مصلحت کی بنا پر دوبارہ اس سے دوستی نہیں کرو گے؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ وہ جس انداز میں مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ اب میرا اور اس کا ساتھ نہیں نبھے گا۔ اسی لئے میں نے خیال خوانی کا رشتہ بھی ختم کر دیا تھا۔ اب اگر پیرس میں ملاقات ہو گی تو وہ بہت ہی مختصر ملاقات ہو گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس سے دوبارہ دوستی نہیں کروں گا۔"

"تم نے تین لڑکیوں کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ اب بتاؤ باقی دو کون ہیں؟"

میں اسے رومانہ کے متعلق بتانے لگا کہ وہ پہلے پہل جب مجھ سے ملی تو بالکل مرجانہ کی طرح مرد بنی ہوئی تھی۔ مرجانہ تو پھر بھی عورتوں کا لباس پہن لیتی ہے لیکن رومانہ کبھی عورتوں کا لباس نہیں پہنتی تھی ہمیشہ مردانہ لباس میں مرد بن کر رہتی تھی اور مردوں کی طرح باتیں کرتی تھی اور مردوں کی طرح سمندر کی لہروں سے مردانہ وار کھیلتی تھی۔ جوڈو کراٹے کی تو ایسی ماسٹر تھی کہ کوئی اس کے مقابلے پر ٹھہرتا نہیں تھا۔ وہ حسین بھی تھی اور سنگین بھی۔ کسی معاملے میں بھی عورتوں کی طرح جھک کر دوسروں کا کوئی فیصلہ قبول نہیں کرتی تھی۔

مرجانہ نے رومانہ کی موت پر بہت زیادہ ہمدردی کا اظہار کیا اور اس سے بہت زیادہ عقیدت بھی ظاہر کی اور یہ تسلیم کیا کہ رومانہ سونیا سے ہزار درجہ بہتر تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ رومانہ اس وقت زندہ ہوتی تو شاید مرجانہ اس کی ایسی تعریفیں نہ کرتی۔ چونکہ اب وہ میرے پاس واپس نہیں آ سکتی تھی۔ اس لئے مرجانہ تعزیتی انداز میں افسوس بھی کر رہی تھی اور ہمدردی بھی۔

دیر تک جاگنے کے سبب چائے کی طلب ہو رہی تھی لیکن دو بج چکے تھے اور لاہور کے تمام ہوٹل بند ہو چکے تھے۔ ہم ادھر اُدھر چائے کے لئے بھٹکتے رہے۔ پھر ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ وہاں ہمیں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں چائے مل گئی۔ وہیں ہم نے کار روک کر چائے پی۔ چائے کے دوران مرجانہ نے کہا" اب تیسری کے متعلق بتاؤ۔"

میں رس ونتی کے متعلق بتانے لگا کہ اس میں دو خوبیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ بے حد حسین ہے۔ دوسری خوبی یہ کہ... ٹیلی پیتھی کے علم کو ڈوب کر حاصل کیا ہے اور یوگا کی بے انتہا مشقیں کی ہیں۔ جس کی وجہ سے ٹیلی پیتھی کے سلسلے میں وہ مجھ سے بھی سبقت لے جاتی ہے۔ پچھلے دنوں دشمنوں نے اس کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا۔ اسے ایسی دوائیں دیں اور ایسے انجکشن لگائے کہ وہ دماغی طور پر بالکل بے کار ہو گئی۔ کچھ عرصے تک تو اپنا ماضی بالکل ہی بھولی رہی لیکن ٹیلی پیتھی کا علم اب بھی بھولی ہوئی ہے اس کا دماغ اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ وہ خیال خوانی کے قابل نہیں رہی ہے ان دنوں ممّی کی پناہ میں ہے۔

مرجانہ نے پوچھا" اور تم اس بیمار حسینہ کی عیادت کے لئے خیال خوانی کی پرواز کرتے ہو؟"

"تم خود ہی بتاؤ۔ کیا اتنے دنوں کے تعلقات بھلائے جا سکتے ہیں یا ختم کئے جا سکتے ہیں۔ پھر ایسی صورت میں جبکہ وہ میری بہترین دوست ثابت ہوتی رہی اور آج جبکہ وہ بے یار و مددگار ہے اور بیمار ہے تو کیا میں اس کی خبر گیری نہ کروں؟"

"نہیں، ضرور کرو۔ میں منع نہیں کرتی لیکن وہی بات کہ رشتہ جو ہے وہ دوستی کی حد تک رہنا چاہئے۔ دوستی کی حد سے آگے بڑھنے سے دوستی کا خلوص پھر باقی نہیں رہتا۔ دوستی میں دوست کو کچھ دے کر اس سے کچھ لینے کی توقع نہیں کرنی چاہئے۔ تم محبت دیتے ہو تو جواب میں جسم نہ مانگو۔ اس لئے کہ جسم سے محبت نہیں ہوتی۔ ایک وقتی جذبہ ہوتا ہے۔ میں دعویٰ تو نہیں کرتی لیکن آخری حد تک یہ کوشش کروں گی کہ تمہارے ساتھ ایسی دوستی ہو، ایسی دوستی ہو کہ تم میری ذات سے کسی قسم کی توقع کرنا بھول جاؤ۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا" عیسائیوں میں راہب ہوتے ہیں اور ہندوؤں میں برہمچاری جو کبھی کسی عورت کی طرف مائل نہیں ہوتے اور بچپن سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک تنہا زندگی گزار دیتے ہیں۔ اگر لوگوں کی بھیڑ میں رہیں بھی تو عورتوں سے دور رہتے ہیں۔ کیا تم مجھے برہمچاری بنانا چاہتی ہو؟"

"نہیں، میں یہ نہیں چاہتی لیکن جس طرح ایک شریف عورت کو زندگی گزارنے کے لئے ایک مرد کافی ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک مرد کے لئے صرف ایک عورت کافی ہونا چاہئے۔ اس لئے اگر تم رس ونتی سے شادی کر لو گے تو میں کبھی اعتراض نہیں کروں گی۔ کبھی بُرا نہیں مانوں گی۔ لیکن صرف عشق کرو گے؟ تو میں اس عشق کو ہوس کا نام دوں گی اور اس سلسلے میں تم جتنے دلائل دو گے انہیں میں قبول نہیں کروں گی۔ کیونکہ جہاں شادی نہیں ہوتی، وہاں اعتماد کا رشتہ قائم نہیں ہوتا جہاں عورت کو مرد کے ساتھ ساری زندگی کا تحفظ حاصل نہیں ہوتا اور اس مرد سے اسے اولاد نہیں حاصل ہوتی تو پھر وہاں محبت نہیں ہے، صرف وقتی رشتے کی ہوس ہوتی ہے۔"

مجھے توقع نہیں تھی کہ مرجانہ مجھے رس ونتی سے شادی کرنے کا مشورہ دے گی۔ میں سمجھ رہا تھا جس طرح اس نے سونیا سے حسد اور جلاپے کا اظہار کیا تھا۔ اسی طرح رس ونتی کے لئے بھی ویسی حاسدانہ رویّہ رکھے گی۔ یہ میری خوش فہمی تھی۔ میں اس کے مزاج کو سمجھ نہیں پایا

رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اس کے خیالات نہیں پڑھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں چوری چھپے اس کی سوچ نہیں پڑھوں گا۔ اس لئے میں اپنے وعدے کے مطابق عمل کر رہا تھا۔ لیکن اس کی اس بات نے کہ مجھے رس ونتی سے شادی کر لینا چاہئے، مجھے الجھا دیا تھا۔ وہ سونیا کے معاملے میں عام عورتوں کی طرح حاسد نظر آئی لیکن رس ونتی کے معاملے میں اس نے بڑی فراخدلی کا ثبوت دیا۔ جھوٹ اور بے اعتمادی کہاں نہیں ہوتی۔ میں نے اس کے اصل مزاج کو سمجھنے کے لئے اپنے وعدے کے خلاف اس کے خیالات کو پڑھنا شروع کر دیا۔ تب مجھے پتہ چلا کہ وہ خود بھی تو مردانہ خصوصیات رکھتی تھی اور رس ونتی کے حسن و شباب کی جو میں نے تعریف کی تھی۔ اس نے اس کو ایسی باتیں کرنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

لیکن میں مرجانہ سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ تم مجھے شادی کا مشورہ دے رہی ہو اور خود ایسی حرکتیں کرتی رہتی ہو جو کہ عام لڑکیاں کبھی نہیں کرتیں۔ اس دنیا میں بہت کم ایسی لڑکیاں ہیں جو تمہاری طرح مرد بن کر رہتی ہیں اور مرد بن کر سوچتی ہیں۔

رس ونتی کے متعلق اس کی سوچ اگر میں اس کو بتاتا تو اسے شبہ ہو جاتا کہ میں نے اس کے خیالات پڑھ لئے ہیں۔ اس لئے میں نے وہ بات نہیں چھیڑی۔

رات کو ہم تین بجے کوٹھی میں واپس آ گئے۔ کیونکہ راستے میں پولیس کی ایک گشتی جماعت نے ہمیں روکا تھا اور کہا تھا کہ ہمیں اتنی رات کو یوں گھومنا نہیں چاہئے۔

میں نے کوٹھی کے احاطے میں پہنچ کر گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی۔ پھر ہم بلغیچے میں آ گئے۔ اسی وقت کوٹھی کا دروازہ کھلا اور مرجانہ کے انکل باہر آئے اور ناراضگی سے بولے "مرجانہ! تم صبح سے غائب ہو۔ کم از کم ہمیں اطلاع تو دینا چاہئے تھا کہ کہاں رہ گئی تھیں۔ ہم بے حد پریشان ہو رہے تھے۔"

"انکل! آپ خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ میں کسی کی دھونس میں آنے والی لڑکی نہیں ہوں۔ لڑنا بھی جانتی ہوں۔ پھر میرے ساتھ ایک جن کا سایہ ہے۔ تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟"

"بیٹی! بے شک تمہارے پاس اپنے تحفظ کے بہت سے ذرائع ہیں۔ اس کے باوجود دشمنوں کو کمتر نہیں سمجھنا چاہئے۔ میں ایک فوجی آدمی ہوں۔ اس لئے جب بھی محاذ پر لڑتا ہوں تو اپنے دشمنوں کو شہہ زور سمجھتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ جو چالاکی میں کھیلنا چاہتا ہوں، جو داؤ میں آزمانا چاہتا ہوں، وہی داؤ وہ آزما سکتے ہیں۔ اس طرح اگر سوچا جائے تو ذہانت بڑھتی ہے اور نت نئے داؤ پیچ اور تحفظ کی تدابیر ذہن میں آتی ہیں۔ بہرحال مجھے اطمینان ہوا کہ تم واپس آ گئی ہو۔ آئندہ کبھی اتنی دیر کے لئے جانے کا پروگرام ہو تو وقتاً فوقتاً اپنی خیریت سے باخبر کرتی رہنا۔"

اس نے کہا "انکل! طارق یہاں سے کل کراچی چلے جائیں گے۔ ہو سکے تو صبح ان کے لئے ایک سیٹ ریزرو کرا لیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنا ایسا کوئی آدمی ہمیں دیں جسے ہندوستان بھیجا جا سکے۔ وہاں وہ کبیر بیدی اور رگھو سے ملے گا اور ان کے متعلق مزید معلومات حاصل کر کے میرے پاس آئے گا۔ میں ان کے پاس جانے سے پہلے ان کے متعلق پوری معلومات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

انکل نے پوچھا "کیوں؟ تمہارا جن تو ساری معلومات حاصل کر لیتا ہے۔ پھر کیا کبیر بیدی اور رگھو کے متعلق کچھ نہیں معلوم کر سکے گا؟"

مرجانہ نے کہا "معلوم کر لے گا لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ہمارا کوئی آدمی وہاں جائے۔ وہ جن اس آدمی کے اندر موجود رہے گا۔ اور وہ آدمی جو اوپری معلومات حاصل کر سکے گا۔ اس کے مقابلے میں میرے ساتھ رہنے والا جن ان کے اندرونی معاملات کے متعلق سارا تفصیلات حاصل کر لے گا۔ اب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے۔"

"ہاں! اب بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں کل تک کسی شخص کا انتظام کروں گا۔ جو ہندوستان جا سکے۔ اور کچھ؟"

"شکریہ انکل! آپ میری وجہ سے بڑی زحمتیں اٹھاتے ہیں اس وقت بھی آپ کو میری ہی خاطر جاگنا پڑا۔"

"کوئی بات نہیں بیٹی! ہم تو تمہارے لئے برسوں پریشان رہے ہیں اب تمہیں پانے کے بعد کھونا نہیں چاہتے۔ بس اسی لئے مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ بہرحال تین بج کر پندرہ منٹ ہو گئے ہیں۔ اتنی رات تک جاگتے رہے ہو، جا کر تم دونوں سو جاؤ۔"

وہ بولی "انکل ہمیں نیند نہیں آ رہی ہے۔ طارق کل یہاں سے چلے جائیں گے اس لئے آج رات ہم جاگ کر باتیں کرتے ہوئے گزارنا چاہتے ہیں۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔ ویسے بیٹا، تم سے ایک بات کرنی ہے۔ ذرا ادھر آؤ۔"

وہ ایک طرف بڑھ گئے۔ مرجانہ ان کے پیچھے گئی۔ میں ان کے دماغ میں جھانک کر دیکھنے لگا۔ وہ مرجانہ سے دھیمی آواز میں کہہ رہے تھے "بیٹی! کیا تم طارق محمود میں دلچسپی لے رہی ہو۔ میرا مطلب ہے کہ اسے پسند کر رہی ہو؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، انکل! طارق بہت اچھا انسان ہے۔ وہ میرا بہت اچھا دوست ہے اور میں بھی بہت اچھی دوست بن کر رہنا چاہتی ہوں۔ اس سے آگے اور کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

"ہوں، یہی تو میں سوچ رہا تھا کہ جس پر جن کا سایہ ہو، وہ

لڑکی کسی انسان کو پسند نہیں کر سکتی۔ اگر پسند کر لے تو اس سے محبت نہیں کر سکتی۔ محبت کر لے تو شادی نہیں کر سکتی۔ اس پر حاوی رہنے والا اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔"

مرجانہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ رہی تھی۔ اس نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا "جن کے متعلق آپ کی یہ معلومات پرانی ہیں۔ ویسے آج کل جنات بھی بڑی ترقی کر گئے ہیں۔"

میں دماغی طور پر واپس آ گیا۔ پھر میں نے بختاور کی خبر لی۔ بختاور کو وہ آرام سے سو رہا تھا۔ پتہ چلا کہ چوٹوں کی تکلیف میں کچھ کمی آ گئی ہے لیکن وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہے۔ بستر پر پڑا رہتا ہے اور اس کا بڑی تندہی سے علاج کیا جا رہا ہے۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ کو ٹرانس میں لے کر ہدایات دیں کہ اسے اب جاگنے کے بعد پیرس جانے کے متعلق سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔ اور پیرس جانے کے انتظامات کرنے چاہئیں۔ گھر والے اعتراض کریں یا کوئی رکاوٹ پیش آئے تو اس کی پروا نہیں کرنا چاہئے۔

اس کے خوابیدہ دماغ سے نکلنے والی سوچوں نے یہ وعدہ کیا کہ وہ پیرس جانے کے انتظامات کل ہی سے شروع کر دے گا اور کسی رکاوٹ کی پروا نہیں کرے گا۔

مرجانہ میرے پاس واپس آ گئی۔ اس کے انکل کوٹھی میں چلے گئے تھے۔ اس نے آتے ہی پوچھا "تم ہماری خیال خوانی میں مصروف تھے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ گھور کر بولی "میں نے منع کیا تھا۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ میری اجازت کے بغیر تم میرے دماغ میں نہیں آؤ گے اور نہ ہی میرے خیالات پڑھو گے۔"

میں نے کہا "میں تم سے سچ کہوں یا جھوٹ؟"

وہ بولی "سچائی دوستی کی بنیاد ہے۔ اگر یہ بنیاد نہ رہے تو دوستی کی عمارت کھڑی نہیں رہ سکتی۔"

"تو پھر سنو! میں نے تمہارے دماغ کے ذریعے تمہارے انکل کی باتیں سنیں۔ کیونکہ وہ جب باتیں کرنے کے لئے تمہیں ایک طرف لے گئے تو مجھے کچھ شک ہوا تھا کہ شاید وہ میرے خلاف کچھ بولیں لیکن وہ اس موضوع پر بات کر رہے تھے کہ جس پر جن عاشق ہو جائے اس پر کوئی انسان عاشق نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی اس سے محبت کر سکتا ہے اور نہ ہی اس سے شادی کر سکتا ہے۔ تم نے اس بات کا بڑا اچھا جواب دیا تھا اور میں مطمئن ہو کر تمہارے دماغ سے اسی وقت واپس آ گیا تھا۔"

"دیکھو! تم یہاں جھوٹ بول رہے ہو۔ تم اس کے بعد بھی ہماری باتیں سن رہے تھے۔"

"نہیں مرجانہ! میں اسی وقت تمہارے دماغ سے واپس آ گیا تھا۔ کیونکہ مجھے بختاور کا خیال آ گیا تھا۔ میں نے سوچا جب تک تم اپنے انکل سے باتیں کر رہی ہو، اس وقت تک میں بختاور کو ٹرانس میں لے کر اسے مجبور کر دوں کہ وہ اب صرف پیرس جانے کے متعلق سوچے اور وہاں جانے کی تیاریاں کرے۔ جتنی بھی رکاوٹیں سامنے آئیں۔ گھر والے اعتراض کریں، وہ کسی کی بھی پروا نہ کرے۔ میں ابھی اسے ٹرانس میں لے کر یہی باتیں سمجھا رہا تھا اور وہ اس بات پر راضی ہو گیا ہے کہ وہ کل ہی سے پیرس روانہ ہونے کی تیاریاں شروع کر دے گا۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ اسے وقتاً فوقتاً ٹرانس میں لے کر مجبور کرتے رہنا چاہئے۔ اسی طرح وہ جلد پیرس پہنچے گا اور تم آئندہ میری مرضی کے بغیر میرے خیالات نہیں پڑھو گے۔ کیوں؟ ٹھیک ہے نا۔ ایک بار پھر وعدہ کرو۔"

"میں وعدہ کر چکا ہوں اور ایک ہی وعدہ کافی ہوتا ہے۔"

اس نے کچھ اس طرح وعدہ کرنے کے لئے کہا تھا کہ مجھے اس پر ترس آ گیا۔ واقعی ایک دوست کے دماغ میں بغیر اجازت نہیں پہنچنا چاہئے۔ جب ہم کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہیں ہو سکتے، دوسروں کی باتیں کچھ اور ہیں کیونکہ جن سے ہماری دشمنی ہوتی ہے، جن سے ہمیں نمٹنا پڑتا ہے۔ ان کے دماغوں پر تو بغیر اجازت قابض ہوا جا سکتا ہے لیکن مرجانہ جیسی دوست کے دماغ میں واقعی بغیر اجازت نہیں پہنچنا چاہئے۔ اس کے اپنے نجی معاملات ہیں، ذاتی سوچیں ہیں۔ ان کے متعلق مجھے معلومات حاصل نہیں کرنی چاہئیں۔ اس کا حق ابھی مجھے نہیں پہنچتا ہے۔

ہم ایک گھنٹے تک باغیچے میں ٹہلتے رہے۔ بڑی اچھی اچھی باتیں کرتے رہے۔ ایک دوسرے کی باتوں میں دلچسپی بھی لیتے رہے اور متاثر بھی ہوتے رہے۔ بس جی چاہتا تھا کہ ہم پوری رات باتیں کرتے رہیں اور ساری دنیا کو بھول جائیں۔

بے شک مرجانہ ایک نئے انداز سے مجھے دوستی کرنے یا محبت کرنے کا درس دے رہی تھی۔ آج میری زندگی کا پہلا دن تھا کہ میں اتنی آہستگی سے مرجانہ کی محبت میں اس دوستی کو نبھا رہا تھا۔

صبح چار بجے جبکہ گھر والے بیدار ہو رہے تھے، ہم سونے کے لئے اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ میرے لئے ایک کمرہ مخصوص کیا گیا تھا انہیں احساس ہو گیا تھا کہ مرجانہ مجھے برآمدے میں سوتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ میں نے سونے سے پہلے اس بار ممی اور رس ونتی سے رابطہ قائم نہیں کیا پتہ نہیں کیوں، میرا دل چاہتا تھا کہ میں مرجانہ کے سوا کسی اور کے متعلق نہ سوچوں اور نہ کسی سے باتیں کروں اور جو تھوڑا وقت مل جائے، اس میں اپنی نیند پوری کرنے کے بعد دوبارہ بیدار ہو جاؤں تو بیداری کا

وہ لمحہ بھی مرجانہ کے متعلق سوچتے ہوئے گزرے۔ بیشک، وہ بڑے اچھے انداز میں میرے دل و دماغ پر اپنا قبضہ جما رہی تھی۔

دوسرے دن دس بجے میری آنکھ کھلی۔ میں تھوڑی دیر تک بستر پر پڑا رہا۔ مرجانہ یاد آ رہی تھی میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اس کے خیالات پڑھوں۔ لیکن میں نے اس خواہش کو ذہن سے جھٹک دیا اور اس بات کا مصمم ارادہ کرنے لگا کہ مجھے اس سے دیانت داری کرنا چاہئے۔ میں نے اب تک بڑے فراڈ کئے ہیں۔ سونیا، رُدمانہ اور رونتی جیسی محبت کرنے والی ہستیوں کے ساتھ میں نے وفا بھی کی اور دغا بھی۔ ان کی مصیبتوں میں کام بھی آتا رہا اور ان سے جھوٹ بھی بولتا رہا کبھی کبھی مصلحتاً دھوکہ بھی دیتا رہا لیکن مرجانہ کے لئے میں نے سوچا کہ اس سے جو وعدہ کیا ہے اس پر مجھے عمل کرنا چاہئے اور اس کی اجازت کے بغیر اس کے خیالات نہیں پڑھنے چاہئیں۔

یہ سوچ کر میں نے مرجانہ کے دماغ پر دستک دیتے ہوئے کہا: "ہیلو مرجانہ! کیا میں تمہارے پاس دماغی طور پر حاضر ہو سکتا ہوں؟"

وہ مسکرا کر بولی "ہاں! آ جاؤ، ابھی میں تمہارے متعلق ہی سوچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی آنکھ کھلی ہے۔ مگر سچ سچ بتاؤ، اس سے پہلے تو تم میرے دماغ میں نہیں تھے؟"

"مجھے تمہاری دوستی کی قسم۔ میں ابھی تمہارے پاس آیا ہوں میں بغیر اجازت کبھی تمہارے خیالات نہیں پڑھوں گا۔ تم کسی طرح بھی مجھے آزما سکتی ہو۔"

اس نے مطمئن ہو کر پوچھا: "ناشتے کی میز پر کب آ رہے ہو؟"

"بس، غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کوئی ڈھنگ کا لباس پہنوں گا اور آ جاؤں گا۔"

"کون سا لباس پہنو گے؟"

"تم بتاؤ، تمہاری پسند کے مطابق پہنوں گا۔"

"وہ جو کراچی میں تم نے ایک بار نیوی بلو کلر کا سوٹ پہنا تھا، مجھے وہ بہت پسند ہے۔ وہی پہن کر آج ایئرپورٹ تک میرے ساتھ چلنا۔ میں تمہیں اسی سوٹ میں دیکھ کر الوداع کہوں گی۔"

میں نے کہا: "میرا بھی تو کچھ حق ہوتا ہے کہ میں تم سے ایسی ہی کوئی خواہش کروں۔"

وہ جھجکتے ہوئے بولی "کیسی خواہش؟ کیا چاہتے ہو تم؟"

"میں چاہتا ہوں کہ تم بھی ہلکے آسمانی رنگ کا ریشمی شلوار سوٹ پہنو۔ بہت اچھی لگو گی۔"

وہ مسکرا کر بولی: "اچھی بات ہے۔ میں اب باتھ روم میں جا رہی ہوں۔ خدا حافظ!"

تقریباً ایک گھنٹے بعد تیار ہو کر میں ڈائننگ ٹیبل پر پہنچا تو جانہ وہاں موجود تھی اور اپنے ہاتھوں سے کچن سے ناشتہ لا کر میز پر رکھ رہی تھی۔ پتہ چلا کہ ملازم بازار گیا ہوا ہے۔ ہم دونوں وہاں بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگے۔ مرجانہ نے بتایا "دو بجے کی فلائیٹ سے سیٹ ریزرو ہو چکی ہے اب تمہاری روانگی میں صرف تین گھنٹے رہ گئے ہیں۔ ہم ابھی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور کار میں بیٹھ کر تھوڑی دیر گھومیں گے۔ دو بجے سے پہلے ایئرپورٹ پہنچ جائیں گے۔ وہاں تمہارا سامان پہنچ جائے گا اور انکل بھی تمہیں سی آف کرنے کے لئے وہاں آ جائیں گے۔ پروگرام ٹھیک ہے نا؟"

مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ناشتہ کرنے کے بعد ہم کار میں بیٹھ کر پھر آوارہ گردی کے لئے نکل گئے۔ کل سے یہی ہو رہا تھا اور اس میں یکسانیت کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ کیونکہ ایک عورت کی قربت، اس کا حسن، اس کا مزاج، اس کی باتیں، اس کی ادائیں ایسی ہوتی ہیں کہ لمحہ بہ لمحہ رنگ بدلتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اس لئے کبھی یکسانیت کا احساس نہیں ہوتا۔

دو بجے سے کچھ پہلے ہم ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ وہاں اس کے انکل اور دوسرے دو چار عزیز بھی آئے تھے۔ وہاں میرا سامان بھی آ گیا تھا۔ سامان کیا صرف ایک سوٹ کیس تھا اور ایک بیگ تھا جسے میں شانے سے لٹکاتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹی اٹیچی نظر آئی میں نے پوچھا یہ کیا ہے اس پر مرجانہ مسکرانے لگی۔ انکل نے کہا "مرجانہ کا سامان ہے۔"

میں نے پلٹ کر اس کی طرف حیرانی سے دیکھا تو وہ بولی: "ہاں میں بھی تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔"

میں نے تعجب سے پوچھا: "کیا مطلب؟ تم میرے ساتھ کیا جاؤ گی؟"

وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی "ہاں، ابھی جاؤں گی۔ تمہیں حیرانی کیوں ہے؟ کیا مجھے تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہئے؟"

"نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ مگر تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟"

"میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتی تھی۔ اب بتاؤ سفر کیسا لگے گا؟"

"اب کیا پوچھتی ہو۔ میں تو چاہتا ہوں کہ سفر کبھی ختم نہ ہو۔"

ہم لاؤنج سے گزر کر رن وے کی طرف بڑھنے لگے جہاں طیارہ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا "تو یہ ثابت ہو گیا کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا اور تم میرے بغیر یہاں نہیں رہ سکتی تھیں۔ اس لئے میرے ساتھ جا رہی ہو۔"

"جی نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" وہ اپنے دلی جذبات چھپاتے ہوئے بولی "تم کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہونا۔ میں تو ایک ضرورت کی وجہ سے جا رہی ہوں۔"

"کیسی ضرورت؟"

"تمہیں یاد ہوگا کہ میں خوشبو کے جزیرے سے بہت سے ہیرے جواہرات سونے کی اینٹیں اور نقد ڈالرز لے کر آئی تھی۔ وہ سب زرینہ کے والد کے پاس امانت کے طور پر رکھے ہوئے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہاں بینک میں اکاؤنٹ کھول کر کچھ نقد روپیہ وہاں رکھ دوں۔ لاکرز لے کر کچھ جواہرات وہاں رکھوں، کچھ پنڈی لے آؤں اور خالہ جان کے پاس رکھوں۔ کیا خیال ہے؟"

"ہاں، اچھی بات ہے اپنے مال و دولت کی تو حفاظت کرنی پڑتی ہے لیکن تم یہ تاثر کیوں دینا چاہتی ہو کہ میری وجہ سے نہیں، مال و دولت کی حفاظت کے لئے تم کراچی میرے ساتھ جا رہی ہو۔"

وہ مسکرا کر بولی "چلو، تمہارا دل رکھنے کے لئے کہہ دیتی ہوں کہ تمہارے بغیر بھی نہیں رہ سکتی تھی اس لئے میں نے سوچا کہ یہ موقع مناسب ہے، تمہارا ساتھ بھی رہے گا اور میرا کام بھی ہو جائے گا۔ ایک دو دن میں وہاں سے واپس آ جاؤں گی۔ انکل سے ساری باتیں طے ہو چکی ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ دو دن کے اندر میرا پاسپورٹ حاصل کر لیں گے اور ایک ایسے آدمی کا بندوبست کریں گے جو ہندوستان جا کر زبیدی اور رگھو سے ملاقات کر سکے۔ یہ بتاؤ کہ جو شخص بھی یہاں سے جائے گا تم اس کے دماغ میں کیسے پہنچو گے؟ کیا میرے ذریعے؟"

ہم جہاز کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے دروازے تک پہنچ گئے تھے۔ ایک ایئر ہوسٹس نے ہمیں آگے بڑھنے کے لئے راستہ بتایا۔ ہماری سیٹیں دکھائیں۔ پھر ہم وہاں بیٹھ گئے۔ میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ جب تم اس سے باتیں کرو گی تو میں تمہارے ذریعے اس کے دماغ میں پہنچوں گا۔ پھر اسے یاد رکھوں گا اور جب بھی وہ ہندوستان جائے گا تو میں اس کے ساتھ لگا رہوں گا۔"

جب جہاز کی پرواز کا وقت آیا تو ہم نے اپنے اپنے سیفٹی بیلٹ باندھ لئے۔ تھوڑی دیر بعد جہاز خاصی بلندی پر پہنچ گیا تو میں نے بیلٹ کھولتے ہوئے کہا "تم میری خاطر لاہور سے کراچی جا رہی ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ وقت ایک ساتھ گزرے۔ میں سوچتا ہوں کہ جب میں پہنچوں گا تو وہاں سے پیرس روانہ ہونے کے لئے دو چار گھنٹے کا وقت ملے گا اور یہ دو چار گھنٹے تمہارے ساتھ گزارنے سے تسلی ہو گی۔"

"ابھی میں یہی سوچ رہی تھی۔ کیا تم میری سوچ پڑھ رہے تھے؟"

وہ مجھے گھور کر ناراضگی سے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا "دیکھو، یہ عجیب اتفاق ہے۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے تمہارے دماغ میں ابھی جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ میں اپنے طور پر سوچ رہا تھا۔ ایسا ہوتا ہے کہ دو انسان ایک جگہ بیٹھے ہوئے ایک ہی وقت میں کبھی کبھی ایک ہی بات سوچتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہی ایک بات دونوں کی زبان سے بیک وقت نکلتی ہے۔ کیا ایسا تمہارے ساتھ کبھی نہیں ہوا؟"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی "ہاں، ایسا ہو سکتا ہے۔ چلو اس بار بھی معاف کرتی ہوں۔"

"بھئی! یہ تو بڑی مصیبت ہو گئی۔ اگر آئندہ کبھی ایسا ہوا کہ میں نے ایک بات تم سے کہہ دی اور وہی بات تم اس وقت سوچ رہی ہو گی تو تمہارا شبہ یقین میں بدل جائے گا کہ میں تمہارے خیالات پڑھتا ہوں۔ بائی گاڈ! مرجانہ، میں تمہیں بہت چاہتا ہوں اور کبھی یہ نہیں چاہوں گا کہ خیال خوانی کر کے، وعدہ خلافی کر کے تمہیں ناراض کر دوں۔ تم دور چلی جاؤ اور میں تنہا رہ جاؤں نہیں، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ نہ میں تمہیں چھوڑوں گا اور نہ ہی تم سے کئے ہوئے وعدے کو توڑوں گا۔ بہرحال ذرا خاموش بیٹھو۔ میں غلام سے رابطہ قائم کر کے اسے کہتا ہوں کہ وہ آج کا ٹکٹ کینسل کر دے۔ میں کل یا پرسوں کراچی سے پیرس کے لئے روانہ ہوں گا۔"

وہ ایک دم سے خوش ہو کر بولی: "سچ! کیا تم میرے لئے ایک دو دن اور رک جاؤ گے؟"

میں نے کہا: "کیوں نہیں۔ تم چاہو تو میں پیرس ہی نہ جاؤں۔ تمہارے ساتھ چپک جاؤں لیکن تم خود ہی سوچو نا، کہ اگر میں پہلے ہی وہاں پہنچ کر اپنے لئے پلاسٹک سرجری کے سلسلے میں انتظامات کر لوں تو یہ بہتر ہوگا کہ نہیں؟"

"ہاں یہ بہتر ہوگا۔ میں تمہیں زیادہ روکنا نہیں چاہتی۔ بس ایک دن اور رک جاؤ۔ پھر کل چلے جانا۔"

اس سے باتیں کرنے کے بعد میں نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں اور غلام کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک ہوٹل کے کمرے میں بیٹھا ہوا سامی سے باتیں کر رہا تھا اور جو باتیں سامی سے کر رہا تھا ان کا جواب خود دے رہا تھا۔ تنہائی میں انسان ایسی ہی پاگلوں جیسی حرکتیں کرتا ہے۔ میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر بولا "فرمائیے آقا! کیا آپ یہاں پہنچ رہے ہیں؟"

میں نے کہا: "ہاں، اس وقت میں طیارے میں ہوں اور تقریباً ساڑھے چار یا پانچ بجے تک کراچی کے ایئرپورٹ پر ملوں گا۔ تم وہاں آ جانا۔"

"جی آقا! میں سامی کو لے کر پہنچ جاؤں گا اور کوئی حکم؟"

"کیا تم نے پیرس جانے کی تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔ ٹکٹ کنفرم ہو چکے ہیں؟"

"جی ہاں، ٹکٹ کنفرم ہو چکے ہیں۔ لیکن میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"

میں نے کہا: "کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"آقا! یہاں میرے ملک کا ایک آدمی ملا۔ وہ بتا رہا تھا کہ میرے قبیلے کے لوگوں پر مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں۔ وہ بہت سے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں۔ میں یہ سن کر بے چین ہو گیا ہوں۔ ایسے وقت مجھے وہاں جانا چاہئے۔ اور ان کی کچھ مدد کرنا چاہئے۔"

"بے شک تمہیں جانا چاہئے۔ میں تمہیں روکوں گا نہیں۔ ایسا کرو کہ تم افریقہ جانے کے لئے ٹکٹ تبدیل کرا لو اور میری سیٹ بھی کینسل کرا دو۔ میں آج نہیں کل یہاں سے روانہ ہونا چاہتا ہوں۔ تم معلوم کرو کہ کل کون سا طیارہ جا رہا ہے۔ کل نہ ہو سکے تو پرسوں تک ضرور سیٹ ریزرو ہو جانی چاہئے۔ میں تھوڑی دیر بعد تم سے رابطہ قائم کروں گا تو مجھے معلومات حاصل کر کے بتا دینا۔"

اس سے رابطہ ختم کرتے ہی میری نظریں دور ایک سامنے والی سیٹ کی طرف گئیں۔ وہاں سے ایک نہایت ہی خوبصورت دوشیزہ اٹھ کر شاید باتھ روم کی طرف جا رہی تھی۔ وہ ذرا تیزی سے چلتی ہوئی میرے قریب سے گزر گئی۔ میں چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہ گیا اور اسے پہچان بھی لیا۔ وہ میرے چچا کی بڑی صاحبزادی غزالہ تھی۔ یعنی شاہینہ کی بڑی بہن تھی۔ وہ دور سے دوشیزہ نظر آئی تھی لیکن جب وہ میرے قریب سے گزری تو پتہ چلا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ اس کے چہرے پر ایک اچھی خاصی عمر والی عورت کی سی پختگی تھی بھویں مصنوعی تھیں، شاید پلکیں بھی مصنوعی ہوں۔ چہرے پر گہرا میک اپ تھا جیسے کہ عمر کو چھپانے کی کوشش کی گئی ہو۔ بدن کسا ہوا لگ رہا تھا جیسے خوب مضبوطی سے باندھ کر رکھا گیا ہو۔

میں اس کے دماغ تک پہنچ کر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ غزالہ اس جہاز سے کیوں سفر کر رہی ہے۔ کیا وہ تنہا ہے یا کوئی ساتھ ہے کیا اس کی حرکتیں پہلے ہی کی سی ہیں۔ لیکن یہ سب معلوم کرنے کے لئے میں اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ میں نے اس کے چہرے کو اس کی آنکھوں کو بغور نہیں دیکھا تھا۔ وہ فوراً ہی میرے قریب سے گزر گئی تھی اور پھر اس سے بچھڑے ہوئے اتنی مدت گزر گئی تھی کہ مجھے اس کا لب و لہجہ بھی یاد نہیں تھا۔ اور نہ ہی میں نے پہلے کبھی اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تھا کہ وہ مجھے یاد رہ جاتی۔ وہ تو رشتے کی پہچان تھی کہ میں نے اسے ایک ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔

میں نے مرجانہ سے کہا: "دیکھو، ابھی یہاں سے ایک عورت گزر کر ادھر باتھ روم کی طرف گئی ہے۔ میں نے اسے پہچان لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میرے چچا کی بڑی صاحبزادی غزالہ ہے یعنی شاہینہ کی بڑی بہن ہے جس سے تم مل چکی ہو۔ اب میں غزالہ کے دماغ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ تم یہاں سے جاؤ اور ادھر ٹوائیلٹ کی طرف، اس سے سامنا ہو تو کسی طرح اسے چھیڑ کر گفتگو کرو۔ جب وہ تم سے باتیں کرے گی تو میں اس کے دماغ تک پہنچ جاؤں گا۔"

وہ اٹھنے سے پہلے بولی: "ٹھیک ہے، میں جا رہی ہوں۔ ہم دس بجے ہم لوگوں نے ناشتہ کیا تھا اور اب تین بجنے والے ہیں۔ بھوک لگ رہی ہے۔ کیا میں ایئر ہوسٹس سے کچھ کھانے کی فرمائش کروں۔ تم کھاؤ گے؟"

"ہاں! بھوک تو مجھے بھی لگی ہے۔ کھانے کے لئے بھی کہہ دینا۔"

مرجانہ میرے پاس سے اٹھ کر باتھ روم کی طرف جانے لگی۔ میں اس کے دماغ میں موجود رہا۔ جب وہ ٹوائیلٹ کے پاس پہنچی تو غزالہ ایک ٹوائیلٹ کے اندر جا چکی تھی اور دروازہ بند ہو چکا تھا۔ مرجانہ نے اس دوران میں ایک ایئر ہوسٹس سے کھانے کی فرمائش کی۔

ایئر ہوسٹس نے مسکرا کر کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ تم اور تمہارا ساتھی بے وقت کھانے کے عادی ہو۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ بس آج مجبوراً ہم وقت پر نہ کھا سکے ویسے کیا مل جائے گا کھانے کے لئے؟"

"بس ہلکا پھلکا سا ناشتہ ہو گا اور کافی مل جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ کراچی پہنچنے تک اس سے تسلی ہو جائے گی۔"

مرجانہ نے مسکرا کر کہا: "شکریہ، تم بہت خوبصورت ہو۔"

وہ مسکرا کر بولی: "شکریہ کا مطلب تو سمجھ میں آ گیا کہ یہ ناشتے کا معاوضہ ہے مگر یہ خوبصورتی کی تعریف کیوں کی؟"

"اس لئے کہ حسن تعریف کے لئے ہی ہوتا ہے۔ میں کسی بھی حسین عورت کو دیکھتی ہوں تو اس کا نام ضرور پوچھتی ہوں۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

وہ بولی: "میرا نام شکیلہ ہے۔"

اسی وقت باتھ روم کا دروازہ کھلا اور غزالہ باہر نکلی۔ مرجانہ نے اس کی طرف دیکھ کر ایئر ہوسٹس سے کہا: "شکیلہ! ذرا ان کو بھی دیکھو۔ یہ بھی کتنا حسین ہیں۔ میں ان کا بھی نام پوچھ کر رہوں گی۔"

غزالہ ان دونوں کو اپنے متعلق باتیں کرتے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ مرجانہ نے اس کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: "ہیلو مس! میرا نام مرجانہ ہے۔ کیا میں تمہارا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

غزالہ نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے اور رسمی طور پر مسکراتے ہوئے کہا: "میرا نام غزالہ ہے۔ ویسے تم میرا نام کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"میں ہر حسین عورت کا نام پوچھتی ہوں اور اپنے ذہن میں محفوظ رکھتی ہوں۔ یہ میری ہابی ہے۔ میں دیکھتی رہتی ہوں کہ خوبصورت عورتوں کے نام بھی خوبصورت ہوتے ہیں یا نہیں؟"

مرجانہ خوب باتیں بنا رہی تھی۔ میں اس کے دماغ سے نکل کر غزالہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ پوچھ رہی تھی: "تمہیں میرا نام کیسا لگا؟"

مرجانہ نے جواب دیا: "بہت خوبصورت۔ تم جتنی حسین ہو

اس اعتبار سے تمہارا نام غزالہ ہی ہونا چاہئے تھا۔"

غزالہ مسکراتے ہوئے اپنی سیٹ کی طرف جانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد میرے قریب سے گزر کر اپنی سیٹ پر پہنچ گئی۔ وہاں اس کا ایک ساتھی بیٹھا ہوا تھا۔ غزالہ نے اسے بہلانے کے لئے مسکراتے ہوئے کہا: "تم پھر پریشان ہو کر سوچنے لگے ہو۔"

اس کے ساتھی نے کہا: "سوچنا ہی پڑتا ہے میرے کیرئیر کا سوال ہے۔ ساری عمر کی ملازمت بھی جائے گی اور نیک نامی بھی نہیں رہے گی۔ مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہنا پڑے گا۔ میں تمہارے ساتھ دوستی کر کے بری طرح پھنس گیا ہوں۔"

"اگر میں اتنی بری ہوں تو میرا ساتھ چھوڑ دو۔ کیوں میرے پیچھے لگے ہوئے ہو؟"

غزالہ نے ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے منہ پھیر لیا۔ اس کا ساتھی اسے منانے لگا۔ میں چپ چاپ ان کے دماغ کو پڑھ رہا تھا۔ ان کے متعلق معلومات حاصل کر رہا تھا۔ کبھی اس کے اور کبھی اس کے دماغ کو ٹٹولتا جا رہا تھا۔ مرجانہ واپس آ کر اپنی جگہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھی اور سمجھ گئی تھی کہ میں خیال خوانی میں مصروف ہوں۔

غزالہ کا ساتھی کسی بحری جہاز کا ایک آفیسر تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ غزالہ کے دماغ میں کسی اور کی سوچ سمائی ہوئی تھی۔ جیسے میں کسی کے دماغ میں پہنچ کر اس دماغ والے کو ہدایت دیتا ہوں۔ اسی طرح کوئی غزالہ کو سوچ کے ذریعے ہدایات دے رہا تھا اور یہ ایسی بات تھی کہ جس نے مجھے چونکا دیا تھا۔

کوئی اور بھی تھا جو ٹیلی پیتھی جانتا تھا اور اس وقت سوچ کے پروں کے ذریعے پرواز کرتا ہوا اس طیارے میں پہنچا ہوا تھا اور اس نے غزالہ کو اپنی معمولہ بنایا ہوا تھا۔

میں تھوڑی دیر تک غزالہ کے دماغ میں چپ چاپ بیٹھا ہوا اس اجنبی خیال خوان کی سوچ کو سنتا رہا۔ وہ غزالہ کو ہدایات دے رہا تھا اور میں اس کی سوچ کے لب و لہجے کو اپنے ذہن میں نقش کر رہا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ غزالہ اور اس آفیسر کے درمیان جو کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ اسے تو میں تھوڑی دیر بعد معلوم کر لوں گا۔ ابھی سب سے زیادہ ضروری یہ تھا کہ میں اس ٹیلی پیتھی جاننے والے کے دماغ میں پہنچ جاؤں۔

پھر میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا اور چپ چاپ اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے لگا۔ سب سے پہلے میں نے یہ معلوم کیا کہ وہ اس طیارے میں کس کس کے دماغ تک پہنچ چکا ہے۔ پتہ چلا کہ غزالہ جس کسی سے بھی باتیں کرتی رہی ہے۔ جس کسی سے بھی ملتی رہی ہے، ہر اس شخص کے دماغ میں وہ پہنچتا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مرجانہ کے دماغ میں بھی پہنچ چکا ہے کیونکہ مرجانہ اس سے مل چکی تھی۔

اس بات کا علم ہوتے ہی میں نے فوراً ہی تھوڑی دیر کے لئے خیال خوانی کا سلسلہ منقطع کیا۔ پھر ایک کاغذ نکال کر اس پر لکھا: "مرجانہ مجھے اس وقت تک مخاطب نہ کرنا اور بات کرنے پر مجبور نہ کرنا جب تک کہ میں تم سے مخاطب نہ ہونا چاہوں۔"

وہ کاغذ لکھ کر میں نے مرجانہ کی طرف بڑھا دیا۔ مرجانہ نے اسے پڑھا۔ پھر اسے موڑ کر پرس میں ڈال لیا۔ اسی وقت ایئر ہوسٹس ہمارے لئے ناشتے کی ٹرے لے آئی تھی۔ اور ایک میرے اور ایک مرجانہ کے سامنے رکھ دی۔ وہ مشغول ہو گئی۔ میں نے بھی کھانا شروع کر دیا لیکن خاموش رہا اور اس ٹیلی پیتھی جاننے والے کے دماغ میں پہنچتا رہا۔

قارئین کو یاد ہو گا کہ جن دنوں میں ملایا میں تھا اور پھر ملایا سے بنکاک گیا تھا۔ اس عرصے میں میرا اور رس وتی کا یہ خیال تھا کہ ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا بھی ٹیلی پیتھی جاننے والا موجود ہے جو مونا نامی ایک حسین دوشیزہ کے دماغ میں چھپا رہتا تھا اور وہ ہمارے ہی ڈر سے چھپا رہتا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ٹیلی پیتھی میں پوری مہارت نہیں رکھتا ہے۔ اسے اس بات کا اندیشہ تھا کہ میرے یا رس وتی کے ہتھے چڑھے گا تو ہم اس کے دماغ کو بری طرح متاثر کریں گے اور اسے ٹیلی پیتھی کا عمل کرنے کے قابل نہیں رکھیں گے۔ آج اتنے عرصے کے بعد وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا مجھ پر ظاہر ہو گیا تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی یہ علم نہیں تھا کہ میں اس کے دماغ میں چپ چاپ جا پہنچا ہوں۔

اس کا نام اے ڈی فرینک تھا۔ وہ ایک بڑی طاقت کا آدمی تھا اور اس بڑے ملک کے لئے جاسوسی کے فرائض انجام دیتا تھا۔

چونکہ ایڈی فرینک ملایا میں رہ کر مونا کے دماغ میں اکثر چھپا رہتا تھا۔ اس لئے مونا کے ذریعے میرے لب و لہجے تک پہنچ چکا تھا اور میرے رس وتی کے دماغ تک پہنچ گیا تھا۔ لیکن ہمیں چھیڑنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ چپ چاپ معلومات حاصل کرتا رہتا تھا کہ ہم کہاں ہیں؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ پچھلے دنوں بنکاک میں جب میں نے اپنی موت کا ڈرامہ کھیلا تھا تو اس وقت بھی صرف ایڈی فرینک یہ جانتا تھا کہ میں زندہ ہوں اور بڑی طاقتوں سے چھپنے کے لئے موت کا ڈرامہ کھیل کر خود کو چھپا رہا ہوں۔

یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایڈی فرینک نے میرے زندہ ہونے کی بات اس حکومت کو نہیں بتائی جس کا وہ ایجنٹ تھا۔ دراصل ایڈی فرینک دوہری چالیں چلنے والا اور بہت ہی خود غرض انسان تھا۔ وہ صرف اپنی آمدنی، اپنا منافع اور اپنا عیش و آرام دیکھتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ہمیشہ اپنی حفاظت کا خیال رکھتا تھا۔ وہ ایک حکومت کا تابع فرمان ہونے کے باوجود اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ کبھی رس وتی سے اور فرہاد علی تیمور سے چھیڑ نہ کرے۔ کبھی ان کے مقابلے میں نہ آئے ورنہ وہ مارا جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے بھی اپنی حکومت کو یہ اطلاع دی تھی کہ فرہاد شاید مر چکا ہے۔ کیونکہ اس کے دماغ تک

اب میں نہیں پہنچ سکتا۔ اس نے یہی رپورٹ دی تھی جس میں شبہ کی گنجائش نکلتی تھی۔ یعنی اس نے کہا تھا کہ جس طرح رسونتی یوگا کے ذریعے سانس روک کر اپنے دماغ کے تمام دروازے بند کر دیتی ہے اور کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا اس کے دماغ تک پہنچنا چاہے تو پہنچ نہیں سکتا اور یہی تاثر قائم کرتا ہے کہ شاید رسونتی مر چکی ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ فرہاد نے بھی یوگا کی مشقیں کی ہوں اور اپنے دماغ کو ساکت کر لیا ہو۔ اپنے دماغ کے تمام دروازے بند کر لئے ہوں اس لئے وہ فرہاد کے دماغ تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ یہ مشکوک قسم کی رپورٹ دینے کے بعد وہ اپنی ذمہ داریوں سے بچ نکلا تھا۔

ادھر ایک عرصے سے ایڈی فرینک کو میری کوئی خبر نہیں تھی کیونکہ وہ اس قدر مصروف تھا کہ میری خبر رکھنے کی اسے فرصت نہیں مل رہی تھی۔ پھر یہ کہ میں اس کے لئے کسی نقصان کا باعث نہیں بنا تھا۔ نہ وہ مجھے چھیڑ رہا تھا اور نہ میں اسے۔ آج پہلی بار میں اس ٹیلی پیتھی والے دماغ سے متعارف ہوا تھا۔

میں نے ناشتہ ختم کرنے کے بعد کافی کی پیالی اٹھا کر کہا۔ "مرجانہ! اب ہم باتیں کر سکتے ہیں۔"

اس نے پوچھا: "تم نے مجھے خاموش رہنے کے لئے کیوں کہا تھا؟ اتنی دیر سے تم کیا معلومات حاصل کر رہے تھے؟"

"میں بتاؤں گا تو تم یہ سن کر حیران رہ جاؤ گی کہ ایک اور ٹیلی پیتھی جاننے والا اپنی ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس جہاز میں موجود ہے۔"

مرجانہ نے حیرانی سے پوچھا: "کیا واقعی کوئی اور بھی ٹیلی پیتھی جاننے والا یہاں ہے؟"

"ہاں! جس غزالہ سے تم نے تعارف حاصل کیا تھا۔ وہ اس پر جن کی حیثیت سے سوار ہے اور اسے اپنی معمولہ بنا کر اس سے اپنا کام نکال رہا ہے۔ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے یہ سن لو کہ جب سے ہم نے خوشبو کا وہ جزیرہ خالی کرایا ہے، اس وقت سے ہمارے دشمنوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ لاہور میں تو تم نے دیکھ ہی لیا تھا کہ شہباز نے کرائے کے غنڈوں کے ذریعے ہمیں کیسے گھیرا تھا۔ وہ لوگ کسی طرح ہمیں پکڑ کر کہیں قید کرنا چاہتے ہیں اور ہر صورت سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ میرے پیچھے فرہاد علی تیمور چھپا ہوا ہے یا نہیں!"

"وہ شخص جو خیال خوانی کے ذریعے اس طیارے میں موجود ہے۔ کیا تم اس کے دماغ تک پہنچ گئے ہو؟"

"ہاں، میں نے اسے پہچان لیا ہے۔ بہت عرصے سے وہ میرے اور رسونتی کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور ہمارے بارے میں ہمارے متعلق اطلاعات جمع کرتا رہتا تھا۔ وہ بعض اداروں کا ایجنٹ بھی ہے اور اس کے علاوہ وہ ذاتی طور پر کچھ دوسرے دھندے بھی کرتا ہے۔"

مرجانہ نے پوچھا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب چاہے تمہارے دماغ میں پہنچ سکتا ہے۔"

"ہاں! یہ مجبوری ہے۔ یہ آج سے بہت پہلے ہی میرے دماغ میں پہنچا ہوا تھا لیکن ان دنوں مجھ سے غفلت برت رہا تھا۔ اپنے معاملات میں الجھا ہوا ہے۔ اسے علم نہیں ہے کہ میں اس جہاز میں موجود ہوں۔ پہلے خوشبو کا جزیرہ خالی کرنے کے بعد شہباز ہی ہمارے پیچھے نہیں تھا بلکہ اس ٹیلی پیتھی جاننے والے ایڈی فرینک کو بھی مجبور کیا جا رہا تھا کہ کسی طرح وہ اس ٹیلی پیتھی جاننے والے کو پکڑنے کی کوشش کرے جو جن بن کر ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے۔"

مرجانہ نے کہا: "یہی بات ہے تو ایڈی فرینک نے یقیناً معلوم کیا ہوگا کہ تمہی جن بن کر میرے ساتھ رہتے آئے ہو۔"

"ہاں! اس نے شبہ کے طور پر میرے دماغ میں جھانک کر دیکھا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں نے ہی ان لوگوں سے یہ جزیرہ خالی کرایا ہے اور میں ہی تمہارے ساتھ جن بن کر رہتا ہوں۔"

"تو پھر اس نے دشمنوں کو تمہاری اصلیت بتا دی ہوگی؟"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "نہیں، اس نے میرے دشمنوں کو میرے متعلق کچھ نہیں بتایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھ سے اور رسونتی سے زندگی کے کسی موڑ پر بھی چھیڑ کرنا نہیں چاہتا۔ شاید اس طرح وہ چاہتا ہے کہ اگر کبھی وہ ہماری گرفت میں آئے تو ہم اسے دوست سمجھ کر یا اس کے احسان مند ہو کر اسے معاف کر دیں۔ وہ ٹیلی پیتھی کے علم میں رسونتی سے اور مجھ سے کمتر ہے۔ اس وجہ سے وہ ہم سے سہما ہوا رہتا ہے۔"

مرجانہ نے پوچھا: "وہ تم سے رابطہ قائم کر کے دوستی کیوں نہیں کر لیتا؟"

"میں نے کہا نا کہ وہ ٹیلی پیتھی کے علم میں ہم سے کمتر ہے اور احساسِ کمتری میں بھی مبتلا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ جس دن وہ ہمارے پاس آئے گا ہم اسے ٹریپ کر لیں گے اور اسے اپنا ماتحت بنا کر رکھیں گے۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ میں ابھی تک اس سے بے خبر ہوں اور اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"کیا اسے اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ کبھی تم نے اپنے آپ کو فرہاد کی حیثیت سے ظاہر کر دیا تو ایڈی فرینک کے باس اس سے باز پرس کریں گے کہ اس نے جان بوجھ کر فرہاد سے غفلت برتی تھی اور جان بوجھ کر اپنے آقاؤں سے تم کو چھپاتا رہا تھا۔"

میں نے جواب دیا: "میں یہ تمام باتیں اس کے دماغ سے معلوم کر چکا ہوں۔ وہ میرے دماغ میں چپ چاپ جھانک کر یہ معلوم کر چکا ہے کہ میں اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اسی لئے میں نے پلاسٹک سرجری کے ذریعے اپنے آپ کو چھپا لیا ہے۔ اسے اطمینان ہے کہ میں چھپا رہوں گا اور اس کی بات بھی رہ جائے گی اور اگر کبھی میری طرف سے ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ ہوگا اور اس کے باس اس سلسلے میں پوچھیں گے تو وہ

کہہ دے گا کہ فرہاد تو ہو نہیں سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا ٹیلی پیتھی جاننے والا پیدا ہو گیا ہو اور اس کے دماغ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے کیونکہ جب تک وہ اجنبی ٹیلی پیتھی والا خود کو ظاہر نہیں کرے گا، ایڈی فرینک اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ پھر اسی طرح اس نے [illegible] اپنے حکمرانوں کو میرے متعلق غلط رپورٹ پیش کی ہے۔"

مرجانہ نے پریشان ہو کر کہا: "یہ ٹیلی پیتھی جاننے والے کی ایک نئی مصیبت آ گئی ہے۔ وہ میری مرضی کے بغیر میرے دماغ میں جھانکتا رہے گا اور میرے خیالات پڑھتا رہے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں اسے ایسا کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔ اگر اس نے تمہارے دماغ میں جھانکنے کی کوشش کی تو میں اسے بتا دوں گا کہ میں اس کے دماغ تک پہنچ گیا ہوں۔ لہٰذا وہ ٹیلی پیتھی کا حربہ استعمال کرنے کے لئے میری اور تمہاری طرف کبھی رخ نہ کرے ورنہ میں اسے سخت سزائیں دوں گا۔"

"تم ابھی دیکھو۔ کیا وہ میرے دماغ میں جھانک رہا ہے؟ مجھے تو بڑی بے چینی سی لگ جاتی ہے۔ ایک دم سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی چور اپنے گھر میں گھس آیا ہو۔ اسی طرح اپنے دماغ میں کوئی گھس آئے تو کتنا برا لگتا ہے اور پرائیویسی کا احساس نہیں رہتا۔ سوچ سوچ کر اور سہم سہم کر سوچنا پڑتا ہے کہ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا سب کچھ پڑھ رہا ہوگا۔ پلیز! ذرا دیکھو تو میرے دماغ میں جھانک رہا ہے یا نہیں؟"

میں نے اس کی تسلی کے لئے آنکھیں بند کیں اور ایڈی فرینک کے پاس پہنچ گیا۔ وہ غزالہ کے ساتھ مصروف تھا یعنی کبھی غزالہ کے دماغ میں اور کبھی آفیسر کے دماغ میں جھانک رہا تھا اور اپنے معاملات میں مصروف تھا۔

میں نے مرجانہ کو مخاطب کر کے کہا: "میں ابھی ایڈی فرینک کے پاس سے آ رہا ہوں۔ وہ اپنے معاملات میں مصروف ہے اور تمہاری طرف توجہ نہیں ہے۔"

"ابھی تو توجہ نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ تو کسی وقت بھی ہمارے دماغ میں پہنچ سکتا ہے۔ فرہاد! [illegible] چھپا نہیں لگ رہا ہے۔ تم اگر مجھے پرسکون دیکھنا چاہتے ہو، میری خوشی چاہتے ہو، میرا اطمینان چاہتے ہو تو ایڈی فرینک سے رابطہ قائم کرو اور اسے دھمکی دو کہ وہ آئندہ کبھی ہماری طرف رخ نہ کرے۔"

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ ابھی ایڈی فرینک سے رابطہ قائم کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا کہ میں اس کے بارے میں سب کچھ معلوم کر چکا ہوں۔

لیکن مرجانہ واقعی اس فکر میں مبتلا ہو گئی تھی کہ دوسرا کوئی بھی اس کے خیالات پڑھ سکتا ہے۔ میں نے اس کی تسلی کے لئے، اس کے اطمینان کے لئے مجبور ہو کر آخر رابطہ قائم کر ہی لیا۔

جب میں نے اسے ہیلو ایڈی فرینک کہہ کر مخاطب کیا تو وہ ایک دم سے چونک گیا۔ اپنی خیال خوانی بھول گیا۔ میں نے کہا: "کیوں، کیا تم مجھے میرے لب و لہجے سے پہچان رہے ہو؟"

وہ فکر مند ہو کر بولا: "آپ! میں سمجھ رہا ہوں۔ آپ فرہاد صاحب ہیں..."

"ہاں! میں وہی ہوں جس کے دماغ میں تم چھپ چھپ کر پہنچا کرتے تھے اور جسے تلاش کرنے میں رسونتی بھی ناکام رہی تھی۔ تم نے اتنے عرصے تک بڑی خوبصورتی سے اپنے آپ کو چھپا رکھا تھا۔"

اس نے کہا: "دیکھئے! فرہاد صاحب۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو میں نے آپ کو آپ کے دشمنوں سے بھی چھپا رکھا ہے۔ میں اپنی تنظیم کا وفادار رہا ہوں مگر آپ کی خاطر میں نے بے وفائی کی ہے۔ اپنے حاکموں کو غلط رپورٹ دی ہے کہ میں فرہاد صاحب کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا یہی رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ فرہاد علی تیمور زندہ نہیں ہے۔ میری یہی رپورٹ اب تک کام آ رہی ہے اور وہ آپ کو مردہ سمجھ رہے ہیں۔ خوشبو کے جزیرے میں جو کچھ ہوا اس کے ذریعے پھر شبہ پیدا ہونے لگا تھا کہ آپ زندہ ہیں۔ لیکن میں نے پھر یقین دلایا کہ وہ آپ نہیں ہیں بلکہ کوئی اور ٹیلی پیتھی جاننے والا ہے۔ میں نے کتنی ہی بار آپ کی طرف سے ان کے خیالات موڑ دیئے ہیں۔"

"ہاں میں ابھی تمہارے پاس آنے سے پہلے تمہارے دماغ کو پوری طرح ٹٹول چکا ہوں اور یہ ساری باتیں معلوم کر چکا ہوں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم نے میری حمایت میں بہت کچھ کیا ہے لیکن اس لئے کیا ہے کہ مجھ سے اور رسونتی سے دشمنی مول لینا نہیں چاہتے۔ تم نے سوچ رکھا تھا کہ کبھی تم گرفت میں آؤ گے تو اپنے انہی احسانوں کا بدلہ ہم سے چاہو گے۔ لہٰذا میں اس کے جواب میں تم سے دشمنی نہیں کروں گا اور نہ ہی کسی معاملے میں تمہیں چیلنج کروں گا کیونکہ میں ساری باتیں معلوم کر چکا ہوں کہ تم اس علم میں بہت پیچھے ہو اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تم حد سے زیادہ شراب پیتے ہو۔ تمہارا دماغ تمہارے قابو میں نہیں رہتا۔ جب دماغ اپنے ہی قابو میں نہ ہو تو خیال خوانی مستحکم نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ تم ہمارے مقابلے میں ہمیشہ ناکام رہو گے۔ اور تم شراب کے اس قدر عادی ہو کہ اسے چھوڑ بھی نہیں سکتے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا: "آپ کو تو سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ بس اتنی ہی عرض ہے کہ آپ میرے معاملات میں مداخلت نہ کریں اور میں آپ کے معاملے میں ٹانگ نہیں اڑاؤں گا۔ ہمیشہ دور ہی دور رہوں گا۔"

میں نے کہا: "اس وقت میری ایک ساتھی مرجانہ اسی طیارے میں میرے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ تم اس وقت اس کے دماغ میں پہنچے تھے جب وہ غزالہ سے ٹوائلٹ کے پاس باتیں کر رہی تھی۔"

اس نے کہا: "ہاں! وہاں ایک لڑکی غزالہ ہے اس کا نام پوچھ رہی تھی۔ لیکن میں نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی"۔

میں نے کہا: "یہ دیبا مرجانہ ہے جو خوشبو کے جزیرے میں میرے ساتھ تھی۔ تم ابھی اس کے پاس پہنچ کر اسے یقین دلاؤ کہ آئندہ کبھی اس کے دماغ میں نہیں جھانکو گے اور نہ ہی کبھی میری طرف رُخ کرو گے۔ اگر تم نے ہم دونوں میں سے کسی کی طرف بھی کبھی رُخ کیا تو اس کا نتیجہ تمہارے حق میں بہت بُرا ہو گا"۔

ایڈی فرینک نے کہا: "میں وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی بھولے سے بھی آپ لوگوں کی طرف نہیں آؤں گا۔ اور ابھی میں مس مرجانہ کی طرف پہنچ کر ان سے معافی مانگتا ہوں اور ان کو یقین دلاتا ہوں کہ ان کے دماغ میں کبھی نہیں جھانکوں گا۔ وہ میری طرف سے مطمئن رہیں"۔

اس کی باتیں سُننے کے بعد میں نے مرجانہ سے کہا: "دیکھو ایڈی فرینک تمہارے پاس آ کر کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔ اس کی باتیں سُن لو تمہیں اطمینان ہو جائے گا"۔

یہ کہہ کر میں تھوڑی دیر کے لئے غزالہ کی طرف متوجہ ہو گیا وہ اپنے ساتھی سے باتیں کرنے میں اور اپنے ناز نخرے دکھانے میں مصروف تھی۔ اس کا ساتھی آفیسر ایک بوڑھا آدمی تھا اور نوجوان غزالہ کے ناز و انداز ایسے تھے کہ وہ اس پر ہزار جان سے عاشق ہو کر اس وقت اس کے ساتھ لاہور سے کراچی کی طرف سفر کر رہا تھا اور اس کی اسی عاشق مزاجی یا ایک نوجوان لڑکی کی چاہت نے اسے مصیبتوں میں مبتلا کر دیا تھا۔

مرجانہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: "ایڈی فرینک مجھ سے وعدہ کر رہا ہے کہ کبھی میرے دماغ میں نہیں جھانکے گا۔ میں اس کی بات پر یقین کرتی ہوں لیکن تم سے بھی یہ وعدہ لے رہی ہوں کہ تمہیں وقتاً فوقتاً ایڈی فرینک کے دماغ میں جھانک کر اور اس کے ذہن کو کُرید کُرید کر یہ معلوم کرنا ہو گا کہ کہیں وہ تم سے چھپ چھپ کر ہمارے دماغ سے کچھ معلومات تو حاصل نہیں کر رہا ہے"۔

"تم اطمینان رکھو۔ وہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ وہ ایک بہت ہی بزدل آدمی ہے۔ پتہ نہیں کیسے ٹیلی پیتھی سیکھ لی ہے اور سیکھنے کے بعد اس علم کو شراب میں ڈبو رہا ہے۔ اور اپنے دماغ کو کمزور کرتا جا رہا ہے۔ وہ ہم سے سہما ہوا ہے۔ کبھی ہمارے خلاف کوئی حرکت نہیں کرے گا"۔

مرجانہ کو اطمینان دلانے کے بعد میں نے ایڈی فرینک کے پاس پہنچ کر پوچھا: "کیوں مسٹر! اس آفیسر کے ساتھ کیا "چکر" چلا رہے ہو۔ مجھے شروع سے تفصیلات سناؤ"۔

وہ کہنے لگا: "جناب! آپ نے غزالہ کو دیکھا ہے۔ وہ بے حد حسین اور پُرکشش ہے۔ ہم اپنے مقاصد کے لئے ایسی لڑکیوں کو پھانستے ہیں جو دولت کی لالچی ہوتی ہیں۔ غزالہ ان میں سے ایک ہے۔ ایسی لڑکیاں دولت کی خاطر اپنے ملک کے خلاف جاسوسی کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتی ہیں۔ غزالہ بھی ہمارے ایجنٹوں میں سے ایک ہے جو رشوت کے طور پر اپنے حسن و شباب کو پیش کرتی ہے اور اس طرح بڑے اہم راز اگلوا لیتی ہے"۔

میں نے دُور اس سیٹ کی طرف گھوم کر دیکھا جدھر غزالہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنی دُور سے صرف اس کے سر کے بال نظر آ رہے تھے۔ لیکن وہ تصور کی نگاہوں کے سامنے مجھے پوری کی پوری نظر آ رہی تھی۔ وہ شروع سے تباہی کے راستے پر چل رہی تھی لیکن میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ خود کو تباہ کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ملک کو بھی تباہ کرنے کے لئے ایسے اقدامات کرے گی کہ دولت کے لئے اپنے ہی ملک کے افسروں کو پھانسا کرے گی۔ پہلے وہ تفریح کے طور پر گناہ کرتی تھی۔ اب دولت کی خاطر کر رہی تھی۔

میں نے پوچھا: "کیا تم ہمارے ملک کا کوئی فوجی راز معلوم کر رہے ہو؟"

"نہیں، وہ آفیسر جو اس وقت غزالہ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اس کا نام اشرف انصاری ہے۔ وہ فوج سے ریٹائر ہو چکا ہے۔ ہمارے اس کام نہیں آ سکتا کہ کوئی فوجی راز ہم تک پہنچا سکے۔ لیکن ہمارا ملک صرف فوجی راز کے پیچھے نہیں بھاگتا بلکہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم کسی بھی ترقی پذیر ملک کے عوام کو ذہنی اور جسمانی طور پر اس طرح بیمار بنا کر اور اپنا محتاج بنا رکھ سکتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک کے لوگ ذہنی بیماری میں مبتلا رہیں اور اس کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کو منشیات کا عادی بنا دیا جائے"۔

وہ پھر ذرا رُک کر کچھ سوچتے ہوئے بولا: "اشرف انصاری فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد ایک صوبے کے ہیلتھ آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ ہم اس ہیلتھ آفیسر کے ذریعے نقلی دوائیں بازاروں میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے ہم اشرف انصاری کو پھانس رہے ہیں۔ جب ہم نے اسے پھانسنے کی ابتدا کی تو پتہ چلا کہ یہ بے حد ایماندار اور فرض شناس آفیسر رہ چکا ہے اور اب بھی بڑی مشکل سے ہمارے ہتھے چڑھے گا۔ اس کے لئے غزالہ جیسی حسین عورت کا چارہ پھینکنا چاہئے"۔

"غزالہ اسے کیسے پھانس رہی ہے؟"

ایڈی فرینک نے جواب دیا: "ہر انسان کی کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے۔ اشرف انصاری اب بوڑھا ہو چکا ہے۔ اس بڑھاپے میں انسان کی جوانی تو نہیں رہتی مگر ہوس باقی رہتی ہے۔ اس عمر میں بھی آرزو ہوتی ہے کہ کوئی حسین عورت مل جائے۔ اور غزالہ اس کی آرزو کے مطابق اسے مل گئی۔ وہ ہمارے ملک میں تین ماہ رہ کر آئی ہے۔ وہاں دوسری لڑکیوں کی طرح اسے بھی ٹریننگ دی گئی ہے کہ کس طرح بڑے لوگوں کی نفسیات کو سمجھ کر انہیں ٹریپ کرنا چاہئے۔ غزالہ نے ابتدا میں اشرف انصاری کو دُور ہی دُور سے لبھانا شروع کیا۔ ایسے اشارے دیئے جیسے وہ شرمیلی عورت ہے اور اشرف انصاری کی طرف بڑھتے ہوئے ہچکچا رہی ہے۔ بالآخر

اشرف انصاری خود ہی اس کی طرف بڑھنے لگا اور یہ اس سے بڑے ہی میٹھے انداز میں کترانے لگی"۔

ایک ہفتے بعد غزالہ نے یہ رپورٹ پیش کی کہ اشرف انصاری اس پر فریفتہ ضرور ہے اور وہ اس کے عشق میں مبتلا ضرور ہو گیا ہے لیکن وہ بڑا ہی بااصول آدمی ہے اور اگر اس سے یہ کہا جائے کہ لاہور سے کراچی چلو تو وہ میری بات ماننے سے اس لئے انکار کر دیتا ہے کہ یہ اس کے معمول کے خلاف بات ہو گی۔ اس وقت وہ اپنے روز کے معمولات میں بھی تبدیلی کرنے کے حق میں نہیں رہتا تھا۔ غزالہ کی رپورٹ پڑھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ مجھ سے کام لیا جائے اور میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے اشرف انصاری کو غزالہ کی ہر بات کے آگے جھکا دیا کروں۔

جب مجھے یہ کام سونپا گیا تو میں نے غزالہ سے رابطہ قائم کیا۔ غزالہ نے مجھے بتایا کہ اشرف انصاری نے اب تک اسے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ وہ خود بھی اس کا موقع نہیں دیتی ہے۔ اس نے طرح طرح کے بہانوں سے اپنے آپ کو ایک نہ حاصل ہونے والی پُرکشش چیز بنا کر رکھا ہے۔

فرہاد صاحب! میں اکثر آپ کے دماغ میں چپ چاپ جھانک کر دیکھتا رہتا ہوں اور آپ کے طریقۂ کار کو سمجھتا رہتا ہوں۔ جن دنوں آپ خوشبو کے جزیرے میں جن بن کر مرجانہ کی مدد کر رہے تھے میرے دماغ میں بھی یہ بات آئی کہ میں بھی جن بن کر اشرف انصاری کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کروں۔ میں نے غزالہ کو سمجھایا کہ آئندہ وہ اسے آغوش میں لینا چاہے تو غزالہ یہ راز بیان کرے کہ اس پر ایک جن عاشق ہے اور اگر کوئی شخص اسے جبراً حاصل کرے گا یا اسے اپنی آغوش میں لے گا تو اس کے نتائج بُرے نکلیں گے۔ اگر اشرف انصاری ان باتوں پر یقین نہ کرے اور غزالہ کو حاصل کرنا چاہے تو غزالہ اس کی آغوش میں چلی جائے گی۔ اس کے بعد پھر اشرف انصاری سے نمٹ لیا جائے گا"۔

میں نے ایڈی فرینک سے پوچھا: "تم نے جن بن کر کون سا رول ادا کیا؟"

اس نے کہا: "یہی بتانے جا رہا ہوں۔ جب اشرف انصاری نے غزالہ کو سمجھانے کے باوجود کہ وہ جن کی محبوبہ ہے، اس کی بات نہ مانی۔ تب میں نے اپنا رول ادا کرنا شروع کیا۔ میں نے اشرف انصاری کی جوان بیٹی کے دماغ میں پہنچ کر اسے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ اس پر جنونی حالت طاری کر دی اور یہ ظاہر کیا کہ اس پر جن سوار ہو گیا ہے۔ تمہارے ہم وطن جھاڑ پھونک کے ذریعے جن کو یا بھوت کو بھگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح کتنے ہی عاملوں کو بُلا کر اس لڑکی کے سر سے جن اتارنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن میں بدستور اسے پریشان کرتا رہا اور جب بھی کوئی عامل اس لڑکی سے یہ کہتا تھا کہ جن کو اس کا پیچھا چھوڑ دینا چاہئے تو جواباً پھر اس لڑکی کی زبان سے یہی کہتا تھا۔ میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ اس لئے کہ اس کے باپ نے میری محبوبہ کو ہاتھ لگایا ہے۔

آخر ایک عامل نے اس لڑکی سے پوچھا کہ کس طرح جن اس کا پیچھا چھوڑ سکتا ہے تب میں نے اس لڑکی کی زبان سے کہا کہ میں تنہائی میں اشرف انصاری سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ میری اس خواہش کے مطابق لڑکی کو ایک کمرے میں بند کیا گیا پھر اشرف انصاری اس بند کمرے میں اپنی بیٹی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا: "بیٹے، تم بتاؤ کہ مجھ سے تنہائی میں کیا کہنا چاہتی ہو؟"

میں نے اس لڑکی کی زبان سے کہا: "میں تمہاری بیٹی نہیں، میں اس وقت ایک جن ہوں اور تمہاری بیٹی کے اندر سمایا ہوا ہوں۔ میں تمہارا اور تمہاری بیٹی کا پیچھا ایک ہی شرط پر چھوڑ سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم نے چونکہ میری محبوبہ غزالہ کو خراب کیا ہے۔ لہٰذا اب غزالہ کے اندر میں سمایا رہوں گا اور غزالہ جو کچھ کہے گی اس پر تمہیں بلا چون و چرا عمل کرنا پڑے گا۔ اگر تم اس کے کہنے پر عمل نہیں کرو گے اور انکار کرو گے تو میں تمہاری بیٹی کی جان لے لوں گا۔ اسے تڑپا تڑپا کر اسی طرح اذیتیں دے دے کر مار ڈالوں گا۔ اس پر بھی تم نے ہماری بات نہ مانی تو میں تمہاری دوسری اولاد کو بھی اپنا شکار بناؤں گا"۔

اسی روز اشرف انصاری نے غزالہ سے ملاقات کی اور اسے ساری بات بتائی کہ کس طرح اس کی بیٹی پر سوار ہونے والے جن نے غزالہ کا حوالہ دیا ہے کہ جو کچھ غزالہ کہے گی۔ اس پر مجھے عمل کرنا چاہیے۔ تب غزالہ نے کہا: "میں پہلے ہی تمہیں منع کرتی تھی مگر تم باز نہیں آئے۔ اب اس کا نتیجہ دیکھ لو۔ وہ جن اب بھی مجھ میں آ کر سما جاتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ میں تمہیں اس بات پر مجبور کروں کہ جتنی دواؤں کی دکانیں ہیں وہاں نشہ آور دواؤں کو عام کر دیا جائے کسی ڈاکٹری نسخے کی ضرورت نہ رہے۔ نسخے کے بغیر ہی جو لوگ نشہ حاصل کرنا چاہیں وہ مختلف انجکشن اور گولیاں حاصل کر کے نشے میں ڈوب سکتے ہیں"۔

اشرف انصاری نے یہ سُن کر حیرانی سے کہا: "یہ تو بہت بڑا جرم ہے۔ پورے معاشرے کو تباہ کرنے والی بات ہے۔ میں ایک ذمہ دار افسر ہوں۔ ایسا نہیں کر سکتا۔ میں تو اکثر پولیس کے ساتھ چھاپے مارتا ہوں کہ کوئی دکان دار غیر قانونی طور پر نشہ آور دوائیں فروخت نہ کرے اور تم مجھے ایسا کرنے کے لیے کہہ رہی ہو"۔

غزالہ نے کہا: "میں نہیں کہہ رہی۔ وہ جن کہہ رہا ہے اگر

تم میری بات نہیں مانو گے تو تمھاری لڑکی پر پھر مصیبتیں نازل ہوں گی اور وہ دماغی مریضہ بن کر رہ جائے گی۔"

اشرف انصاری تذبذب میں مبتلا ہو گیا۔ ہماری بات مانتے وقت اس کا ضمیر اُسے ملامت کرتا تھا۔ میں نے اس کے ضمیر کی پختگی دیکھی تو پھر اُس کی بیٹی کو پریشان کرنا شروع کیا۔ آخر اُس نے شکست مان لی۔ غزالہ سے کہہ دیا کہ وہ اس کی فرمائش کے مطابق ایسے اقدامات کرے گا کہ دوائیں فروخت کرنے والے دکانداروں کو چھوٹ مل جائے گی اور وہ پولیس کے چھاپوں کو خاطر میں لائے بغیر نشہ آور دوائیں فروخت کریں گے۔

پھر یہی ہونے لگا۔ تمام دکانوں سے نشہ آور دوائیں نسخوں کے بغیر فروخت ہونے لگی ہیں۔ پھر جب لاہور میں یہ بات عام ہو گئی تو اب ہم نے سوچا کراچی جیسے بڑے شہر میں بھی یہی کیا جائے۔ یہی سوچ کر غزالہ اب اشرف انصاری کو اپنے ساتھ لاہور سے کراچی لے جا رہی ہے۔"

ایڈی فرینک کی تمام باتیں سننے کے بعد میں نے اُس سے کہا۔ "ایک طرف تو تم میری حمایت کرتے ہو بلکہ مجھ پر احسان کیا ہے کہ دشمنوں کو میری خبر نہیں ہونے دی۔ دوسری طرف تم میرے دوست ہو کر میرے ہی ملک کو نقصان پہنچا رہے ہو۔ یہ کیسی دوغلی حرکتیں ہیں۔ کیا میں اس بات پر کبھی تم سے خوش رہ سکتا ہوں؟"

وہ بولا۔ "میں ساری دنیا سے اپنی فطرت کو اور اپنی اندرونی سوچ کو چھپا سکتا ہوں۔ آپ سے چھپا نہیں سکتا۔ آپ میرے دماغ کو کرید کرید کر معلوم کر لیں گے کہ میں ہمیشہ ہی دوغلی حرکتیں کرتا آیا ہوں۔ جس حکومت کا نمک کھا رہا ہوں اُس کا بھی وفادار نہیں ہوں۔ اگر وفادار ہوتا تو آپ کے متعلق انھیں بہت پہلے ہی اطلاعات فراہم کر دیتا۔ اسی طرح جب بھی میں اپنی حکومت کا کام کرتے وقت کبھی اپنے منافع کو کسی دوسری طرف زیادہ حاصل ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں تو میں اسی طرف زیادہ توجہ دیتا ہوں اور اپنے فرائض کو پس پشت ڈال دیتا ہوں۔ یہی بات آپ کے ساتھ ہوئی۔ ایک طرف تو میں آپ کا وفادار بنا رہا بلکہ دوسری طرف یہ سوچا کہ شاید آپ کو کبھی اس بات کا علم نہیں ہو گا کہ نشہ آور دواؤں کو آپ کے دو بڑے شہروں میں پھیلانے کا سہرا میرے سر ہے اس لیے میں بے خوف ہو کر یہ حرکتیں کر رہا تھا۔ اب جبکہ آپ درمیان میں آ گئے ہیں تو میری کیا مجال ہے کہ اب آگے ایک قدم بھی بڑھا سکوں لیکن میری ایک مجبوری کا آپ خیال کریں۔"

میں نے پوچھا۔ "وہ مجبوری کیا ہے؟"

"میری حکومت کے بڑے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام میری ہی ٹیلی پیتھی کے باعث ہو رہا ہے۔ اگر میں اُسے روک دوں گا۔ اشرف انصاری کو اپنا معمول نہیں بناؤں گا تو حکومت کے سامنے مجھے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ آپ مجھے بتائیں کہ میں انھیں کس طرح سمجھاؤں اور کیسے یہ بتاؤں کہ آیندہ میں اشرف انصاری کو ٹریپ نہیں کر سکوں گا۔"

"یہ بڑی آسان سی بات ہے۔ کوئی مجبوری تمھاری نہیں ہو سکتی۔ تم اُن سے یہ کہہ دینا کہ جب بھی تم اشرف انصاری کو ٹریپ کرنا چاہتے ہو تو کوئی انجانی سی قوت آڑے آ جاتی ہے اور تمھاری ٹیلی پیتھی کو ناکام بنا دیتی ہے۔ تم پریشان ہو کہ اس قوت کو کیسے معلوم کرو کہ وہ کیا چیز ہے اور یہ بات تمھاری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ تم اسی قسم کے ہزاروں بہانے کر سکتے ہو۔ بہرحال یہ سن لو کہ اشرف انصاری کراچی پہنچنے کے بعد دوسری فلائیٹ سے پھر اپنے خاندان میں واپس چلا جائے گا۔ اور آیندہ تم اس کی بیٹی کو یا اس کے خاندان کے کسی بھی فرد کو اپنا نشانہ نہیں بناؤ گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اپنے آفیسرز سے کسی طرح نمٹ لوں گا اور اشرف انصاری تو کیا آیندہ میں آپ کے ملک کا رُخ بھی نہیں کروں گا۔ اب اجازت ہو تو میں غزالہ کے ذریعے اشرف انصاری کو یہ خوش خبری سنا دوں کہ آیندہ اُس کی بیٹی دماغی مریضہ نہیں بنے گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے جو کچھ کرنا ہو گا میں کر لوں گا۔ اب تم ہمیشہ کے لیے میرے ملک سے واپس چلے جاؤ۔ آج کے بعد میں تمھیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے یہاں دیکھنا نہیں چاہتا۔ ہاں یاد آیا تم میرا ایک کام کر سکتے ہو؟"

"فرمائیے۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ خوشبو کے جزیرے میں جو نئے لوگ آباد ہو رہے ہیں وہ کون لوگ ہیں۔ کس قسم کے انجینئر اور کاروباری اہمیت کے لوگ ہیں اور وہاں کون سا دھندا ہونے والا ہے۔ وہی جواب سے پہلے ہوتا آیا تھا یا کچھ اور۔ میں یہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں اور تم ان معلومات کا ذریعہ بن سکتے ہو۔"

"فرہاد صاحب آپ یقین کریں کہ خوشبو کے جزیرے سے مجھے بالکل الگ رکھا گیا ہے۔ میں وہاں کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ ہاں اگر کبھی کوئی ایسا موقع آیا کہ میری ڈیوٹی وہاں لگائی گئی یا کوئی ایسا کیس اُلجھ گیا یا کوئی ایسا فرد میرے

سامنے سے گزر گیا جو کہ اس خوشبو کے جزیرے سے تعلق رکھتا ہو تو ـــــ میں آپ تک اس شخص کو پہنچا دوں گا۔ آپ اُس کے دماغ کے ذریعے خوشبو کے جزیرے میں پہنچ جائیں گے۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ میں آپ کی خاطر اس کھوج میں لگا رہوں گا۔"

"شکریہ ایڈی فرینک۔ امید ہے کہ تم میرا یہ کام ضرور کرو گے۔ اچھا۔ خدا حافظ۔"

اس سے رابطہ ختم کرنے کے بعد میں نے مرجانہ کو وہ تمام باتیں بتائیں جو کہ ایڈی فرینک سے طے پا چکی تھیں۔ مرجانہ یہ سن کر خوش ہوئی کہ خوشبو کے جزیرے کے متعلق معلومات بیٹھے بٹھائے کسی دن حاصل ہو جائیں گی۔ دوسرا اطمینان اور خوشی یہ تھی کہ ایڈی فرینک اب اس کی مرضی کے بغیر اُس کے دماغ میں نہیں جھانکے گا۔ میں نے دور بیٹھی ہوئی غزالہ کی طرف دیکھا۔ میں ابھی غزالہ اور اشرف انصاری کو چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اب تو وہ کراچی پہنچنے کے بعد ہی لاہور واپس بھیجے جا سکتے تھے اور میں کراچی پہنچ کر ذرا غزالہ کی خبر لینا چاہتا تھا۔"

مرجانہ نے میرے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "فرہاد تم کتنے باکمال ہو۔ یہاں بیٹھے ہی بیٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک اتنے بڑے جرم کو ختم کر دیا جو لاہور سے کراچی تک پھیلنے والا تھا۔ نشہ آور دوائیں جو عام ہونے والی تھیں تم نے اس کو روک دیا۔ واقعی تمھارا علم کمال کا ہے۔"

میں نے کہا۔ "افسوس تو اس بات کا ہے مرجانہ کہ لوگ برائی کی ابتدا کرتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ برائی کرنا اور اسے پھیلانا نہایت ہی آسان ہوتا ہے لیکن اس کی روک تھام کرنا اور بڑھتی پھیلتی ہوئی برائیوں کو جڑ سے ختم کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کے لیے برسوں لگ جاتے ہیں۔ اب جن لوگوں کو رشوت لینے کی عادت پڑ گئی ہے۔ جو لوگ نشہ آور دوائیں فروخت کرتے ہیں اور چھاپہ مارنے والے پولیس والے بھی برائے نام چھاپہ مارتے ہیں اور رشوت لے کر اس کیس کو ختم کرتے ہیں تو میں کہاں کہاں کس کس کے دماغ میں جھانک کر دیکھتا رہوں گا اور اُن کی اصلاح کرتا رہوں گا۔ یہ تو ناممکن سی بات ہے کہ اپنے ملک کے سات کروڑ لوگوں کے دماغوں میں فرداً فرداً جھانک کر انھیں انسان بنا دوں۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ سات کروڑ میں کوئی بھی انسان نہیں ہے۔ نہیں، اُن میں تو میں اور تم دونوں ہیں میری طرح تمھاری طرح اور بھی بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اپنے ساتھ اپنے ملک اور اپنی قوم کی بھلائی چاہتے ہیں اور جو اخلاقی ضابطے کی پابندی کرتے ہیں۔ قانون کا احترام کرتے ہیں۔ اُس کے باوجود جو جرائم پھیل رہے ہیں جیسا کہ میں نے کہا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے کہ میں اُن کو تنہا روک سکوں۔"

اتنا کہہ کر میں چپ ہو گیا۔ ایک اشرف انصاری کو تو واقعی میں کراچی سے واپس لاہور بھیج سکتا تھا۔ اُس کے ذریعے کراچی میں بڑھنے والے جرائم کو روک سکتا تھا لیکن لاہور کے کتنے ہی بزنس مین کراچی جاتے ہیں اور کراچی کے کتنے ہی بزنس مین لاہور آتے ہیں۔ اُن کے درمیان کاروباری رابطہ ہوتا ہے۔ رابطوں کے تسلسل سے جرائم اور رشوت خوری اور منافع کا لالچ بڑھتا اور پھیلتا جاتا ہے ایسا ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ جب تک کہ لوگ حب الوطنی کو اور تہذیب کو اور اچھے طریقوں کو سمجھنے کی از خود کوشش نہ کریں اور اس پر عمل نہ کریں۔

تقریباً پانچ بجے ہم کراچی پہنچ گئے۔ غلام سامی کے ساتھ ہمیں لینے آیا تھا۔ میں غلام کے ساتھ ہوٹل میں ٹھہرنے کے لیے جا رہا تھا لیکن مرجانہ نے کہا۔ "پہلے ہم زرینہ کے گھر جائیں گے اور اس کے والدین سے ملاقات کریں گے تاکہ انھیں یہ بتا دیں کہ جو امانت میں نے اُن کے پاس رکھی ہے اُسے کل میں بنک میں رکھنا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد میں تمھارے ساتھ ہوٹل چلوں گی۔ کیونکہ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم کہیں رہو اور میں کہیں رہوں اور اس طرح ساری رات گزر جائے تو پھر میرا یہاں آنے کا فائدہ ہی کیا ہو گا جبکہ ہم ساتھ وقت گزار نہیں سکیں گے۔"

مرجانہ کی خواہش کے مطابق میں نے غلام سے کہا کہ وہ تنہا ہوٹل جا کر ہمارے لیے ایک ڈبل روم حاصل کرے۔ ہم رات کو کسی وقت وہاں پہنچیں گے۔ میں نے سامی کو اس سے لے لیا۔ پھر ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر زرینہ کے گھر پہنچ گئے۔ وہاں زرینہ کے والدین نے ہمارا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ زرینہ کے والد نے اصرار کیا کہ وہ ہمیں کھلائے پلائے بغیر یہاں سے جانے نہیں دیں گے۔ لہٰذا ہم رات کے کھانے تک وہاں ٹھہر گئے۔ مرجانہ کچھ دیر کے لیے زرینہ کے ساتھ اس کی خواب گاہ میں چلی گئی۔ میں سمجھتا تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ مرجانہ نے مجھے اُس کے دماغ میں جھانکنے سے منع کیا تھا۔ اس لیے میں نے اپنے وعدے کو برقرار رکھتے ہوئے زرینہ کے دماغ میں جھانکنا شروع کیا۔

وہ دونوں خواب گاہ میں پہنچ کر ایک دوسرے کے

لگے لگ رہی تھیں۔ زرینہ شکایت کر رہی تھی کہ مرجانہ تم نے مجھے کیسا روگ لگا دیا ہے کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ راتوں کو کروٹ بدل بدل کر بڑی دیر بعد سونے کے قابل ہو سکتی ہوں۔ بڑی دیر سے نیند آتی ہے۔ جب تک نیند نہیں آتی۔ تم یاد آتی رہتی ہو۔ آج تو میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔

مرجانہ نے کہا "مجبوری ہے۔ میرا جانا ضروری ہے کیونکہ طارق کل یہاں سے پیرس روانہ ہونے والے ہیں۔ میں ایک رات، ایک دن ان کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔"

زرینہ نے جاسوسانہ انداز میں پوچھا "اچھا تو تم نے طارق سے دل لگا لیا ہے۔ اسی لیے مجھے بھول گئی ہو۔"

مرجانہ نے ناراضگی سے کہا "خبردار، آئندہ ایسی باتیں میرے متعلق نہ سوچنا۔ ہمارے درمیان دوستی ہے۔ اس سے آگے اور کچھ نہیں ہے۔ ہاں، کل جب طارق روانہ ہو جائے گا تو میں یہاں ایک رات تمہارے پاس گزاروں گی۔ اب تو خوش ہو نا۔"

رات کو کھانے کے بعد ہم زرینہ کے گھر سے ایک ٹیکسی میں روانہ ہوئے۔ پھر میں نے ٹیکسی کے ڈرائیور کو ایک ہوٹل کے سامنے رکنے کے لیے کہا۔ مرجانہ نے پوچھا "کیا غلام اسی ہوٹل میں ٹھیرا ہوا ہے؟"

"نہیں، یہاں غزالہ اور اشرف انصاری ٹھیرے ہوئے ہیں۔ آؤ میں بتاتا ہوں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

ہم ٹیکسی سے اتر گئے۔ میں نے ڈرائیور کو کرایہ دے کر اسے رخصت کر دیا۔ ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے مرجانہ سے کہا "میں غزالہ کے سامنے جانا نہیں چاہتا۔ مجھے یہ سوچ کر شرم آتی ہے کہ میرے خاندان میں اس کے جیسی ایک فاحشہ لڑکی بھی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اسے قتل کر دوں۔ یوں بھی اس کو سزائے موت ملنی چاہیے کیونکہ وہ ملک و قوم کی غدار ہے لیکن میں نہ تو اسے قتل کر سکتا ہوں اور نہ اس کے سامنے جا کر بات کرنا چاہتا ہوں۔ تم وہاں جاؤ۔ میں تمہارے دماغ میں موجود رہوں گا اور تمہیں گائیڈ کرتا رہوں گا کہ تمہیں وہاں کیا بولنا ہے۔ میں یہاں لابی میں بیٹھا تمہارا انتظار کرتا رہوں گا۔ تم یہاں سے کمرہ نمبر ۳۲ کے دروازے پر پہنچ کر دستک دو۔"

وہ وہاں سے چلی گئی۔ میں سامی کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور اس کے ملائم روئیں دار بدن کو سہلانے لگا۔ ایک بیرے نے آکر پوچھا "کیا چاہیے۔"

میں نے اسے کافی کا آرڈر دیا۔ وہ چلا گیا۔ وہ ایک متوسط درجے کا ہوٹل تھا۔ جس کی دوسری اور تیسری منزل پر مسافروں کے لیے رہائشی کمرے بنے ہوئے تھے اور نیچے کھانے کے لیے میزیں بچھی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد مرجانہ نے وہاں پہنچ کر کمرہ نمبر ۳۲ کے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے اشرف انصاری کی آواز سنائی دی۔ "کون ہے؟"

مرجانہ نے جواب دیا "میں آپ کے لیے فی الحال اجنبی ہوں لیکن آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ دروازہ کھولیے۔"

غزالہ نے ناگواری سے کہا "پتہ نہیں کون ہے۔ یہ چھوٹے ہوٹلوں میں ٹھیرنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ خواہ مخواہ لوگ آکر ڈسٹرب کرتے ہیں۔ اسے کسی طرح ٹال دیا جائے۔"

اشرف انصاری نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ٹالنے کے لیے بھی دروازہ کھولنا ہی پڑے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھول کر کچھ پوچھنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی مرجانہ تیر کی طرح کمرے میں داخل ہو گئی۔ اشرف انصاری نے غصے سے پوچھا "یہ کیا حرکت ہے۔ تمہیں اجازت کے بغیر ہمارے کمرے میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔"

مرجانہ نے کہا "میں اجازت کی محتاج نہیں ہوں۔ میں وہ جن ہوں جو ان دنوں تمہاری بیٹی کو پریشان کر رہا ہے۔ دروازہ بند کر دو اور آرام سے میری باتیں سنو۔"

جن کا ذکر سنتے ہی اشرف انصاری نے دروازے کو بند کر دیا۔ غزالہ نے مسکراتے ہوئے مرجانہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "اچھا تو تم اس لڑکی کے اندر سما کر آئے ہو۔"

غزالہ جیسے ہی قریب پہنچی، مرجانہ نے ایک ہلکا سا طمانچہ اس کے گال پر رسید کیا۔ ہلکا اس لیے کہ غزالہ مرجانہ کا بھاری بھر کم ہاتھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اگر اس کا سخت ہاتھ پڑتا تو غزالہ کا منہ ٹیڑھا ہو جاتا۔ وہ چکرا کر بے ہوش ہو جاتی۔

مرجانہ نے اسے طمانچہ مارنے کے بعد کہا "تم اول درجے کی فاحشہ ہو۔ مجھ سے دور ہی رہو۔ میں تمہاری قربت برداشت نہیں کر سکتی۔ تم ملک اور قوم کی غدار ہو۔ تم نے اشرف انصاری کو اپنے جال میں پھانس کر جرائم پھیلانے کا جو منصوبہ بنایا ہوا ہے اس میں اب تمہیں کامیابی نہیں ہو گی۔"

ہلکا سا طمانچہ کھانے کے بعد غزالہ کی آنکھوں کے سامنے "تارے ناچنے لگے تھے۔ سر چکرانے لگا تھا۔ وہ ایک کرسی پر گر پڑی تھی۔ پھر اس نے کراہتے ہوئے کہا "تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے تو تمہارے ہی کہنے پر ایسا کیا تھا۔"

مرجانہ نے اشرف انصاری سے کہا "مسٹر اشرف،

تمہارے لیے شرم سے ڈوب مرنے کی بات ہے کہ تم اپنے ملک میں نشے کا زہر پھیلا رہے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے اپنی بیٹی کی جان بچانے کے لیے غلط راہ پر چلنا منظور کر لیا لیکن اگر تم فرض شناس ہوتے تو اپنی بیٹی کی زندگی کو بھی داؤ پر لگا دیتے لیکن ایسا نہ کر سکے اور کیوں نہ کر سکے اس کی وجہ تمہاری اخلاقی کمزوری ہے۔ اگر تم اس عورت کے جال میں نہ پھنستے تو تمہاری بیٹی پر بھی یہ مصیبت نہ آتی۔ تم کسی امتحان میں مبتلا نہ ہوتے۔"

اشرف انصاری شرم سے پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر پسینہ پونچھتے ہوئے کہا "میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو لیکن تم میرے لیے قابل احترام ہو کہ مجھے لعن طعن کر رہی ہو۔ میری غلطیوں کی نشاندہی کر رہی ہو۔ میں سچ مچ قابل معافی نہیں ہوں۔ مجھے بڑی بھاری سزا ملنی چاہیے مگر میں کیا کروں۔ میں باپ ہوں۔ اولاد کو سزا ملے تو برداشت نہیں کر سکتا۔ اپنی جان پر کھیلنے کی بات آئے تو اس سے دریغ نہیں کروں گا اور نہ ہی کبھی کیا ہے۔ ایک بار میں اس عورت کے جال سے نکل جاؤں اور میری بیٹی پر اور میرے گھر والوں پر کوئی آنچ نہ آئے تو پھر میں اپنی غلطیوں کی تلافی کروں گا۔ مگر ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔"

"ایسا ہو سکتا ہے۔ تمہیں اپنی غلطیوں کی تلافی کا موقع مل سکتا ہے۔ اسی لیے میں تمہارے پاس آئی ہوں یہ یقین دلانے کے لیے کہ آئندہ تمہاری بیٹی دماغی مریضہ نہیں بنے گی اور نہ ہی تمہارے گھر کے کسی فرد پر کسی طرح کی آنچ آئے گی۔ کوئی تم سے دشمنی نہیں کر سکے گا۔ تم دوسری فلائیٹ سے لاہور واپس جاؤ اور جہاں جہاں تم نے نشہ آور دوا فروخت کرنے کے لیے چھوٹ دی ہے۔ وہاں سختی سے ان کا محاسبہ کرو اور رشوت لینے والے افسروں کا بھی محاسبہ کرو۔ جس قدر تم اپنی غلطیوں کی تلافی کر سکتے ہو، کرتے رہو۔ اگر ایسا کرتے رہو گے تو میں تمہیں اس بات کا یقین دلاتی ہوں کہ تم کسی کی بھی دشمنی کا شکار نہیں ہو سکو گے۔ میں درپردہ تمہاری حفاظت کرتی رہوں گی۔"

اشرف انصاری نے اسے بڑے احسان مندی سے دیکھا۔ پھر بے یقینی سے بولا "بیٹی، تم کون ہو۔ تم ایسے دعوے کیسے کر رہی ہو جبکہ میری بیٹی پر کسی طرح کا جناتی عمل ہوتا رہا ہے۔ کیا تم جادو ٹونے جانتی ہو؟"

مرجانہ نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں، یہ کوئی جناتی عمل نہیں تھا اور نہ ہی میں جادو جانتی ہوں۔ آپ اچھے خاصے

تعلیم یافتہ انسان ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ باتیں اب پرانی ہو گئی ہیں کہ کسی لڑکی پر جن سوار ہو جاتا ہے۔ نہیں جو کچھ بھی تمہاری بیٹی کے ساتھ ہوا وہ ٹیلی پیتھی کا عمل تھا۔ میں نے اس ٹیلی پیتھی کا توڑ کر دیا ہے اور اسی لیے تمہیں یقین دلانے آئی ہوں کہ اب بے فکر ہو کر واپس جاؤ۔ تمہیں یا تمہارے خاندان والوں کو کچھ نہیں ہو گا۔"

"بیٹی، تم کون ہو؟ مجھے اس قدر حوصلہ دے رہی ہو۔ اب جبکہ تم نے مجھے یقین دلایا ہے تو میں بے یقینی سے کام نہیں لوں گا اور یہ نہیں پوچھوں گا کہ تمہارا دعویٰ اگر غلط ہو گیا تو میری بیٹی کا کیا بنے گا۔ دشمن پھر پریشان کریں گے لیکن اب مجھے ان باتوں کی پروا نہیں ہے۔ تم نے یہ بات درست کہی کہ وطن کے لیے اپنی بیٹی کی زندگی کو داؤ پر کیوں نہیں لگا سکتا۔ میں دوسری فلائیٹ سے واپس جاؤں گا اور تمہارے کہنے کے مطابق اپنی غلطیوں کی تلافی کرتا رہوں گا۔ ویسے مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

"جب آپ نے مجھے بیٹی کہا ہے تو میں بیٹی ہی ہوں لیکن کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں جو راز میں رکھی جاتی ہیں۔ میں اپنے متعلق زیادہ کچھ نہیں بتا سکتی۔ جب آپ گھر پہنچیں اور آپ کو پتہ چلے کہ آپ کے یہاں امن و امان ہے اور آپ کی بیٹی کو کوئی پریشانی نہیں ہے اور آپ اپنی غلطیوں کی تلافی کر رہے ہیں ایسے جرائم کی روک تھام کرتے جا رہے ہیں تو ایسے وقت مجھے یاد کر لیجیے گا تب مجھے اس نیکی کا صلہ مل جائے گا۔" پھر وہ غزالہ سے مخاطب ہوئی۔ "میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ دو دن کے اندر یہ ملک چھوڑ کر کسی دوسرے ملک چلی جاؤ۔ میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتی۔ یہاں تم نے جتنے جرائم اور گندگی پھیلائی ہے۔ اس کی سزا دینا نہیں چاہتی لیکن اپنے ملک میں تمہیں برداشت بھی نہیں کروں گی۔"

غزالہ نے سہمے ہوئے انداز میں کہا "مجھے ایسی سزا نہ سناؤ۔ میں اپنا وطن چھوڑ کر کہاں جا سکتی ہوں۔"

"خبردار، تم پاکستان کو اپنا وطن نہ کہنا۔ تمہاری جیسی غدار لڑکیاں جو جسم بیچ کر ملک کو بیچتی پھرتی ہیں۔ ان کا یہ وطن نہیں ہو سکتا۔ تم نے جہاں تین مہینے تک ٹریننگ حاصل کی ہے اور بڑے بڑے افسروں کو پھنسانے کے گر سیکھے ہیں اسی ملک میں جاؤ۔ تمہیں وہاں پناہ ملے گی۔ یہاں ہم تمہارا وجود برداشت نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو۔ اگر تم نے دو دن کے اندر یہ ملک نہ چھوڑا تو تمہیں وہی ذہنی اذیتیں پہنچائی جائیں گی جو اشرف انصاری کی بیٹی کو پہنچائی جاتی

تھیں۔ نمونہ ابھی دیکھ لو۔ دیکھو! ایک، دو، تین۔"
تین کہتے ہی میں نے غزالہ کے ذہن کو ہلکا سا جھٹکا دیا تو وہ چیخ مار کر ہڑبڑا کر اِدھر سے اُدھر ڈگمگا گئی۔ کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے اُس نے کئی پہلو بدل لیے۔ پھر میں نے اُس کے دماغ کو جھٹکا دے کر اُسے کرسی پر سے کھڑا کر دیا پھر دوسرے جھٹکے میں کرسی پر بٹھا دیا۔ ساتھ ہی میں اُسے چیخنے کا موقع نہیں دے رہا تھا کیونکہ ہوٹل کا ماحول تھا۔ اُس کے چیخنے چلانے پر وہاں بھیڑ لگ جاتی۔ وہ سر کو تھام کر بڑی شدت کی تکلیف سے کراہ رہی تھی۔ مرجانہ نے پوچھا "کہو کیسے مزاج ہیں۔ کیا تمہارا وہ ایڈی فرینک تمہیں ان ذہنی اذیتوں سے بچا سکتا ہے۔ اگر بچا سکتا ہے تو دو دن کے اندر اُسے اپنے ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا۔ میں دیکھوں گی کہ وہ ایڈی فرینک میرے مقابلے میں کیسے ٹھہرتا ہے۔ ویسے یاد رکھو، صرف دو دن۔ دو دن کے بعد اگر تم یہاں رہیں تو یہاں تمہاری قبر کا نشان بھی نہیں ہو گا۔"
یہ کہتے ہی مرجانہ وہاں سے پلٹ کر دروازے کے پاس گئی۔ پھر اُسے کھول کر باہر جانا چاہتی تھی کہ اشرف انصاری نے التجا آمیز لہجے میں اُسے مخاطب کیا "بیٹی، ذرا رُک جاؤ، مجھے یہ تو بتاؤ کہ میں پھر اپنی محسنہ سے کیسے مل سکتا ہوں۔"
"شاید ہم کبھی نہ مل سکیں۔ یہ ہماری پہلی اور آخری ملاقات ہے لیکن اِس جن کی طرح ہمیشہ تمہارے آس پاس موجود رہوں گی۔ کسی نے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ بُری طرح پچھتائے گا۔"
یہ کہہ کر وہ دروازہ بند کرتے ہوئے وہاں سے آنے لگی۔ میں اشرف انصاری کے دماغ میں موجود تھا۔ مرجانہ کے جاتے ہی اُس نے غصّے سے غزالہ کو دیکھتے ہوئے کہا "اب تم بتاؤ کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔ تم نے واقعی مجھے جان بوجھ کر پھانسا تھا۔ تمہیں مجھ سے محبت نہیں تھی اور یہ میری بدترین حماقت تھی کہ میں اخلاقی پستی میں گر پڑا۔ اپنے خاندان کا، اپنی عزت کا، اپنے بڑھاپے کا میں نے خیال نہیں کیا۔ اب وہ لڑکی مجھے یقین دلا کر گئی ہے تو مجھے خدا پر بھروسہ ہے کہ اب مجھ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ تم ابھی یہاں سے نکل جاؤ۔ آئندہ اپنی منحوس صورت نہ دکھانا۔"
غزالہ نے غصّہ دکھاتے ہوئے کہا "آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"
اشرف انصاری نے اُسے گالی دیتے ہوئے کہا "اُس لڑکی نے تمہیں طمانچہ مارا تھا تو بڑی عزت ہوئی تھی تمہاری۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں جوتے ماروں۔ یہاں سے چلی جا۔"
اُس نے ایک جھٹکے سے اُٹھ کر اپنی ایچی سنبھالی۔ پھر پاؤں پٹختے ہوئے اس کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں نے ایڈی فرینک سے رابطہ قائم کیا۔ اُس نے اپنے دماغ میں مجھے موجود پاتے ہی کہا "فرمائیے، کیا حکم ہے؟"
میں نے کہا "ایڈی۔ یہ جو تمہاری ایجنٹ غزالہ ہے اُسے میری طرف سے وارننگ مل چکی ہے کہ یہ ہمارا ملک ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے۔ میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں کہ دو دن کے اندر اُسے ہمارے ملک سے باہر جانے پر مجبور کر دو۔ دو دن کے بعد میں اسے اپنے وطن کی کسی گندی نالی میں بھی دیکھنا پسند نہیں کروں گا۔"
ایڈی نے کہا "میں آپ کے حکم پر عمل کروں گا لیکن براہِ راست غزالہ کو یہ ملک چھوڑنے کے لیے نہیں کہوں گا ورنہ مجھے اپنے اوپر والوں کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا کہ میں نے غزالہ کو کیوں مجبور کیا تھا اور جو کھیل یہاں کھیلا جا رہا تھا اُسے کیوں بند کر دیا۔ میں کسی دوسری طرح اُسے مجبور کروں گا اور ذہنی پریشانی میں مبتلا کروں گا تاکہ وہ دو دن کے اندر یہاں سے چلی جائے۔"
میں نے کہا "تم اُسے یہاں سے بھگانے کے لیے خواہ کوئی بھی طریقہ اختیار کرو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا کام ہو جانا چاہیے۔ بس، میں جا رہا ہوں۔"
یہ کہہ کر میں نے اُس سے رابطہ توڑ دیا۔ مرجانہ اُس وقت تک میرے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں نے ایڈی فرینک کو غزالہ کے سلسلے میں کیا کام سپرد کیا ہے۔ اُس کے بعد میں نے کافی کا بل ادا کیا اور مرجانہ کے ساتھ اس ہوٹل میں آ گیا جہاں غلام نے ایک کمرہ ہمارے لیے بھی بک کروا لیا تھا۔
میں مرجانہ کے ساتھ اس کمرے میں پہنچ گیا۔ وہ ڈبل بیڈ کا کمرہ تھا۔ مرجانہ نے کہا "یہاں تو ایک ہی بیڈ ہے۔"
"بات تو بالکل ٹھیک ہے۔ ہاں میں نے یہ سوچ کر یہ کمرہ ریزرو کرایا ہے کہ تمہارا مزاج مردانہ ہے۔ تمہارے اندر عورت پن نہیں ہے نہ ہی ہم میں اور کوئی رشتہ ہے۔ ہم دونوں دوست ہیں اور ہمارے درمیان بے لوث دوستی ہے۔ نہ کسی سے کچھ لینا نہ کسی کو کچھ دینا۔ ہم بڑی شرافت سے یہاں رات گزار سکتے ہیں۔"
وہ بولی "ہاں گزار تو سکتے ہیں لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم شرافت سے رات گزارو گے؟"
"تم کوئی کمزور لڑکی تو ہو نہیں کہ میں بدمعاش بن کر تم پر [illegible]

[illegible]ب آ سکوں۔ پھر یہ کہ ہمیں آج کی رات یہ آزما لینا چاہیے [illegible]ہم ایک ساتھ کتنے عرصے تک چل سکتے ہیں۔ کیا ایک ساتھ [illegible]ایک کمرے میں گزارہ کر سکتے ہیں۔"
"یعنی کہ تم مجھے چیلنج کر رہے ہو کہ میں ایک مرد کی طرح تمہارے ساتھ یہاں رات نہیں گزار سکتی۔ میرے اندر عورت [illegible] موجود ہے اور میں تمہارے جذبے اثر آ جاؤں گی یا تم سے ایک [illegible] رات میں محبت کرنا شروع کر دوں گی تو آؤ۔ میں یہ ثابت [illegible]کے دکھا دوں کہ میں کتنی مستقل مزاج ہوں۔"
میں نے بستر پر گرتے ہوئے پوچھا "اب کیا ارادہ ہے [illegible]ونا چاہتی ہو یا پچھلی رات کی طرح جاگنے کا پروگرام ہے؟"
اس نے پوچھا "کیا تمہیں نیند آ رہی ہے؟"
"نیند تو نہیں آ رہی ہے۔ میں ابھی کافی رات تک جاگ [illegible]ا ہوں لیکن کل صبح تمہیں بینک جانا ہے۔ اپنا اکاؤنٹ [illegible]ونا ہے۔ لاکر حاصل کر کے اُس میں اپنے قیمتی ہیرے جواہرات [illegible]کھنے ہیں۔ بہت سے ایسے کام ہیں جنہیں کل نمٹانا ہے تو [illegible]بہتر یہ ہو گا کہ ہم کچھ دیر تک جاگتے رہیں۔ باتیں کرتے رہیں۔ [illegible]پھر سو کر صبح جلدی اٹھ جائیں۔"
وہ بستر کے سرے پر بیٹھ گئی۔ میں نے آرام سے اپنے [illegible] پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا "تم بھی آرام سے لیٹ جاؤ اور [illegible]یں کرتی رہو اسی طرح نیند آ جائے گی۔"
وہ لیٹنے سے پرہیز کر رہی تھی حالانکہ بستر اتنا چوڑا تھا کہ [illegible]م بآسانی ایک دوسرے سے دور رہ کر لیٹ سکتے تھے لیکن [illegible] بستر کے سرہانے جا کر وہاں ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئی۔ پھر [illegible]ں "دراصل مرد کو عورت کے لیے اور عورت کو مرد کے لیے [illegible] ایسا راز بنا دیا گیا ہے جس کی تہہ تک پہنچنے کے لیے [illegible] بے قرار رہتے ہیں۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ دونوں ہی [illegible] ہیں اور دونوں ہی ایک دوسرے کے رفیق بن کر اور [illegible]کسی لالچ کے بغیر دوست بن کر رہ سکتے ہیں اور کسی مقام پر [illegible]تعلقات استوار کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ بھی [illegible]سکتا ہے۔ نہ ضرورت پیش آئے تو بدستور دوستی نبھائی جا [illegible]سکتی ہے۔ اس قسم کے خیالات اور جذبات ہوں تو مرد اور [illegible]عورت کے درمیان کبھی جھجک نہ رہے۔"
میں نے تائید میں سر ہلایا۔ دراصل وہ ان باتوں سے [illegible] دماغ میں یہ بات بٹھانا چاہتی تھی کہ وہ بحیثیت [illegible]عورت کوئی راز نہیں ہے اور مجھے اُسے راز کے طور پر دیکھنا [illegible] چاہیے۔ اس کے متعلق سوچنا نہیں چاہیے بلکہ شرافت [illegible] چپ چاپ سو جانا چاہیے۔
ہم کافی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔ میرا بھی یہی حال تھا۔ ہم ایک دوسرے کی ضرورت اس طرح محسوس کر رہے تھے کہ نیند میں ڈوب کر ایک دوسرے سے الگ نہیں ہونا چاہتے تھے۔ کوشش یہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت جاگتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے اور ایک دوسرے کی باتیں سنتے ہوئے اور ایک دوسرے کو پسند کرتے ہوئے گزار دیں۔
میں اُس کے دماغ میں جھانک کر اس کے چور خیالات کو نہیں پڑھ سکتا تھا۔ یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ بحیثیت ایک عورت میرے ساتھ بند کمرے میں ایک ہی بستر پر گھبرا رہی ہے، شرما رہی ہے یا اسی طرح سونے سے کترا رہی ہے۔ مجھ پر اخلاقی پابندی تھی کہ میں اُس کے خیالات نہ پڑھوں اس لیے میں پرہیز کر رہا تھا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ عام عورتوں سے بالکل الگ تھلگ تھی اور وہ عورت کی حیثیت سے خوف زدہ نہیں تھی اور نہ ہی میرے ساتھ بند کمرے میں شرما رہی تھی۔ ایسا ہوتا تو وہ بند کمرے میں کبھی نہ رہتی۔ اُسے اپنے آپ پر اعتماد تھا۔ وہ دلیر تھی اور اپنے اوپر اتنا بھروسہ کرتی تھی کہ اُس کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو تو وہ اس بات سے نمٹ سکے۔ ویسے زبردستی کا تو میری طرف سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
ہم بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ میں زیادہ دیر نہ سو سکوں بلکہ ایک گھنٹے کے بعد ہی میری آنکھ کھل جائے۔ یہ ہدایت دے کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ چونکہ نیند آ رہی تھی۔ اِس لیے فوراً ہی سو گیا۔ حسبِ ہدایت ایک گھنٹے کے بعد میری آنکھ کھلی تو میں نے کن انکھیوں سے مرجانہ کی طرف دیکھا تو وہ بستر پر نہیں تھی۔
کمرے میں آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر بعد نظر آئی۔ پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد نظر آئی۔ پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ یعنی وہ پلنگ کے سامنے ہی اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔ میں اُسے مخاطب کرنے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اتنے میں وہ خود ہی پلنگ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے سر گھما کر میری طرف دیکھا تو میں نے فوراً ہی آنکھیں بند کر لیں۔
اگر میں اُس کے خیالات پڑھتا تو مجھے اس کے رات جاگنے کی وجہ اور اس کی اندرونی بے چینی کا سبب معلوم ہو جاتا لیکن میں دوست کی حیثیت سے اپنا وعدہ نبھا رہا تھا اور خیال خوانی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ انسان کو اتنا شعور

رکھنا چاہیے، اتنا تجربہ ہونا چاہیے اور مشاہدے کی گہرائی اتنی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے سامنے والے انسان کو اُس کی حرکتوں سے اُس کی باتوں سے اُس کی چال ڈھال سے پہچان سکے کہ اُس کے دل میں کیا ہے۔

میری آنکھیں بند تھیں۔ میں نے کچھ سوچ کر ذرا سی حرکت کی جیسے نیند میں کسمسا رہا ہوں۔ وہ ذرا محتاط ہو کر بیٹھ گئی۔ پھر نیم دراز ہو گئی تاکہ میری آنکھ کھلے تو یہ ظاہر کرے کہ وہ سو رہی ہے۔ پھر میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں تو اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

میں چاہتا تو اُس کے دماغ پر قابض ہو کر اُسے گہری نیند سُلا سکتا تھا تاکہ وہ رات کو جاگنے اور بے چین ہونے سے محفوظ رہ سکتی لیکن میں اُس کے دماغ تک پہنچنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ کچھ سوچ کر میں بستر سے اُٹھ گیا۔ پھر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ اُس کے بعد میں نے سوچا کہ مجھے غلام کے پاس جا کر سو جانا چاہیے تاکہ اس کمرے میں وہ تنہا اطمینان سے اپنی نیند پوری کر سکے۔ یہ سوچ کر میں دروازے کی طرف جانے لگا۔ اُسی وقت مرجانہ کی آواز سنائی دی "سنو، کہاں جا رہے ہو؟"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اُس نے پھر پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں کہ غلام کے کمرے میں جا کر اُس کے ساتھ سو جاؤں۔ یہاں تمھیں تنہائی ملے گی تو تم آرام سے اور اطمینان سے سو سکو گی۔"

وہ بولی۔ "مجھے تمھاری طرف سے اطمینان ہے۔ بس میں نہیں سمجھتی کہ میرے اندر ایسی کیا پریشانی ہے کہ میں سو نہیں سکتی۔ تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

"مرجانہ میں یہاں رہوں گا تو تم سو نہیں سکو گی۔"

"تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ میں سو نہیں سکتی۔ تم یہاں رہ کر تو دیکھو۔ ہاں یاد آیا کیا تم میرے خیالات پڑھ رہے تھے؟"

"تمھاری دوستی کی قسم۔ میں تمھارے دماغ میں بالکل نہیں جھانکتا ہوں۔ میں کبھی وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔ مجھے تمھاری دوستی عزیز ہے۔ میں یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ میں تو سو رہا تھا۔ اچانک آنکھ کھل گئی تو میں نے محسوس کیا تم یہاں تنہا اطمینان سے سو سکتی ہو۔ میری موجودگی تمھیں رات بھر جگاتی رہے گی۔ یہی سوچ کر میں جا رہا ہوں۔"

"تم جاؤ گے تو میں تنہا رہ جاؤں گی۔ تمھارے یہاں رہنے تک میں ایک لمحے کے لیے بھی تم سے دُور ہونا نہیں چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ ایک ایک پل تمھارے ساتھ گزرے۔ اب اس کے لیے جو کچھ بھی ہو اُسے میں بھگت رہی ہوں۔"

"نہیں میں اپنی دوستی کو تمھارے لیے عذاب بنانا نہیں چاہتا۔ ایک طریقہ ہے اگر تم مجھے اپنے دماغ تک پہنچنے کی اجازت دو تو میں ابھی تمھیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے تھپک کر سُلا دوں گا۔"

وہ سر جھکا کر بولی "ہاں۔ میں سونا چاہتی ہوں۔ میں سکون چاہتی ہوں اور سکون نیند کے دوران ہی میسر ہوتا ہے۔"

وہ پلٹ کر بستر کے سرے پر بیٹھ گئی۔ پھر آہستگی سے لیٹ گئی۔ میں ایک کرسی پر اُس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور اُس سے بولا "تم آنکھیں بند کر لو۔ ابھی دیکھتے ہی دیکھتے تمھیں نیند آ جائے گی۔"

اُس نے سنجیدگی سے مجھے مسکرا کر دیکھا۔ اپنا ایک ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اُس نے میرے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام کر کہا۔ "ہاں میں ایسی اعتماد کے ساتھ اس یقین کے ساتھ سونا چاہتی ہوں کہ تمھارا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے اور میرے سونے کے بعد بھی تم اس کمرے سے نہیں جاؤ گے۔ وعدہ کرتے ہو نا؟"

"ہاں وعدہ کرتا ہوں۔ اب آنکھیں بند کر لو۔"

اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں اُس کے دماغ میں پہنچ کر خیال خوانی کے ذریعے اُسے تھپکنے لگا۔ آہستہ آہستہ اُسے نیند کی طرف مائل کرنے لگا۔ صرف دو منٹ کے بعد ہی وہ گہری نیند سو گئی۔ حُسن کی دلکشی اور بڑھ جاتی ہے جب وہ خوابیدہ ہوتا ہے۔ اُس وقت مرجانہ کے چہرے سے بڑا ہی سکون اور اطمینان جھلک رہا تھا۔ اب اُسے اس کا دھڑکا نہیں تھا کہ کوئی مرد اُس کے قریب ہے اور کوئی اُس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ وہ نہایت اطمینان سے خیال خوانی کے ذریعے سو گئی تھی۔ دوسرے لفظوں میں اُس نے مجھے غیر شعوری طور پر یہ احساس دلایا تھا کہ دیکھو، میں تم پر کتنا اعتماد کرتی ہوں کہ تمھاری خیال خوانی کی لوریاں سن کر تمھارے پاس سو گئی ہوں۔

میں کرسی پر سے اُٹھ کر پلنگ کی پائنتی گھومتا ہوا دوسری طرف آیا۔ پھر اُسی پلنگ پر آرام سے لیٹ گیا۔ لیٹنے کے بعد میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ آرام سے سوتا رہوں اور جب کوئی کمرے کے اندر مداخلت ہو تو میری آنکھ کھل جائے ورنہ صبح سات بجے تک سوتا رہوں گا۔

صبح وقتِ مقررہ پر میری آنکھ کھل گئی۔ مرجانہ میری طرف رُخ کیے مجھے ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔ نظریں ملتے ہی وہ مسکرانے لگی۔ میں نے پوچھا "تم کب سے جاگ رہی ہو؟"

"بس ابھی تھوڑی دیر پہلے آنکھ کھل گئی تو تمھیں اپنے پاس دیکھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے میرے اعتماد کو مجروح نہیں کیا۔ فرہاد، تم بہت اچھے ہو۔"

ہم نے نو بجے تک نہا دھو کر لباس تبدیل کیا۔ پھر ناشتہ کرنے کے بعد زرینہ کے ہاں پہنچ گئے کیونکہ وہاں سے نقد رقم اور میرے جواہرات لے کر بینک کی طرف جانا تھا۔

زرینہ بھی مرجانہ کے ساتھ جانا چاہتی تھی لیکن اُس کے والد نے انکار کرتے ہوئے کہا "نہیں میں مرجانہ کے ساتھ جاؤں گا کیونکہ مجھے اُس سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

ہم اُن کی کار میں بینک کی طرف روانہ ہوئے۔ میں کار ڈرائیو کر رہا تھا اور پچھلی سیٹ پر زرینہ کے والد مرجانہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا "مرجانہ تم میری زرینہ کی طرح ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھیں زمانے کی تھوڑی سی اونچ نیچ سمجھا دوں کیونکہ یہاں تمھارا کوئی بزرگ نہیں ہے۔ ایک تمھاری ماں ہے جس سے تم ملنے کے لیے پیرس جاؤ گی۔ اس سے پہلے تم سے یہ سوال کرنے والا اور جواب مانگنے والا کوئی نہیں ہے کہ کل رات تم نے کہاں گزاری۔ تم جوان لڑکی ہو، ننھی سی بچی نہیں ہو کہ کہیں بھی جا کر ایک پوری رات گزار کر آ جاؤ تو کوئی اُس کا بُرا نہ منائے۔"

مرجانہ نے جواب دیا۔ "بے شک یہ بُرا ماننے والی بات ہے۔ دُنیا والے اسے اچھا نہیں سمجھیں گے اور آپ بھی دنیا والوں میں شامل ہیں لیکن میں یقین دلاتی ہوں کہ میں اور طارق بہت اچھے دوست ہیں۔ ہمارے درمیان کوئی ایسا تعلق نہیں جس پر میں شرمندہ ہوں۔ ہم نے نہایت شرافت کے ساتھ پچھلی رات گزاری ہے۔"

"بے شک تم نے ایسا کیا ہو گا لیکن کیا یہ یقین کرنے والی بات ہے کہ تم ہوٹل میں ایک نوجوان لڑکے کے ساتھ رہیں اور صبح وہاں سے آئیں تو صرف تمھاری زبان سے کہہ دینے سے کیا دنیا والے یقین کر لیں گے۔ اگر میں تمھاری بات پر یقین کر بھی لوں تو کیا تہذیب اسے گوارا کرتی ہے۔ میری ہی بیٹی جس پر مجھے بہت زیادہ اعتماد ہے۔ میں بہت ہی اعتماد کرتے ہوئے کیا زرینہ کو کسی ہوٹل میں رات گزارنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔ کیا میری غیرت اسے گوارا کرے گی۔ خواہ زرینہ کتنی ہی پاکباز کیوں نہ ہو اسی طرح تم کتنی ہی پاکباز ہو میں اسے تسلیم کروں گا لیکن یہ خلافِ تہذیب بات ہے۔"

میں نے کہا۔ "انکل آپ بہت اچھی باتیں سمجھا رہے ہیں لیکن ہم ایسی دوستی کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں کہ اس سے تہذیب پر حرف نہیں آ سکتا۔ ہمیں اپنے ضمیر کو جواب دینا ہے اور ہم اُس کے سامنے جوابدہ ہیں اور ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہم نے ایسی کوئی غلطی نہیں کی کہ جس کی وجہ سے ہمیں ضمیر کی عدالت میں شرمندہ ہونا پڑے۔"

انکل نے کہا "اگر تم دونوں کو اپنے اوپر اتنا اعتماد ہے۔ تم دونوں کی دوستی اتنی مستحکم ہے تو پھر یہ رشتے والی دوستی کیوں۔ کیوں نہ تہذیب کے مطابق، مذہبی احکامات کے مطابق اور قانون کے مطابق تم دونوں شادی کر لو۔"

"شادی!" مرجانہ نے ذرا پریشان ہو کر کہا۔ "ہم نے کبھی شادی کے متعلق سوچا ہی نہیں ہے۔ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں انکل، ہم دوست ہیں صرف دوست۔ یعنی کہ جیسے دو مرد آپس میں دوست ہوتے ہیں یا دو عورتیں آپس میں سہیلیاں ہوتی ہیں اور اُن سہیلیوں کے درمیان یا ان دوستوں کے درمیان کوئی ہوس نہیں ہوتی، کوئی بُرائی نہیں ہوتی بس ایسی ہی ہماری دوستی ہے۔"

"تم بڑی مضحکہ خیز بات کہہ رہی ہو۔ آگ اور پانی یکجا رہیں اور اس آگ کے ذریعے پانی بھاپ بن کر نہ اُڑے یا اس پانی کے ذریعے آگ نہ بجھے تو یہ نہ ماننے والی باتیں ہیں۔ شیر اور بکری کو کبھی کسی نے ایک گھاٹ پانی پیتے نہیں دیکھا۔ مرد اور عورت کو ایک گھاٹ باندھنے کے لیے کچھ مذہبی پابندیاں ہیں کچھ اخلاقی ضابطے ہیں اور اُن پر عمل کرنا پڑتا ہے لیکن تم ایسی بے تکی باتیں کر رہی ہو جس پر دنیا کا کوئی بھی سمجھ دار آدمی یقین نہیں کرے گا۔"

"انکل میں کسی کو یقین دلانا بھی نہیں چاہتی۔ میں اپنے اندر بالکل آئینہ ہوں اور آئینہ رہوں گی۔"

"ٹھیک ہے، تم یقین نہ دلاؤ۔ تم اپنے اندر آئینہ بن کر رہو لیکن اُوپر سے دنیا والوں کو بہت سے دھبے نظر آئیں گے اور ان دھبوں کے ساتھ جب تم میرے گھر میں داخل ہو گی تو تم سوچو بیٹی کہ میں ایک جوان بیٹی کا باپ ہوں۔ وہ دھبے میری بیٹی تک پہنچیں گے۔ بدنامیاں بڑھیں گی۔"

"میں سمجھ گئی انکل میں آج سے آپ کی دہلیز پر نہیں آؤں گی۔"

"دیکھو، بُرا ماننے کی بات نہیں ہے۔ میں نے ایک بزرگ کی حیثیت سے سمجھایا ہے۔ مجھے تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں اچھی بات کہوں۔ اب بھی میں یہ کہتا ہوں کہ تمھیں طارق مبارک ہو اور زندگی کے کسی موڑ

پر بھی جب تم طارق سے شادی کرو تو دُلھن بن کر پہلے میرے پاس آنا۔ میں تمھاری پیشانی چوم کر تمھیں مبارک باد دوں گا اور ایک باپ کو اپنی بیٹی کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیے۔ جیسی شفقت سے پیش آنا چاہیے اسی طرح میں تمھارے ساتھ پیش آؤں گا۔"

زرینہ کے والد کی باتیں سُنتے ہی فوراً میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ اگر میں آج شام کو یہاں سے چلا گیا تو مرجانہ یہاں تنہا رہ جائے گی اور اُسے آج کی رات گزارنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ آج کی رات زرینہ کے ہاں تو اب وہ جائے گی نہیں اور کسی ہوٹل میں اُس کا تنہا ٹھہرنا اس لیے مناسب نہیں تھا کہ تنہائی میں وہ میرے متعلق بہت زیادہ سوچے گی اور بڑی مضطرب ہو کر رات گزارے گی۔

یہ سوچتے ہی میں نے غلام سے رابطہ قائم کیا پھر اس سے کہا۔ "غلام تم ابھی پی آئی اے کے کاؤنٹر پر جا کر معلوم کرو۔ دوپہر کی فلائیٹ سے اگر لاہور کے لیے ایک سیٹ ریزرو ہو سکتی ہے تو مرجانہ کے لیے ریزرو کرا لو۔"

غلام کو یہ ذمہ داری سونپ کر میں مطمئن ہو گیا۔ ہم ایک بجے تک بینک کے کاموں میں مصروف رہے۔ مرجانہ نے اپنے نام سے اکاؤنٹ کھول لیا تھا اور لاکر حاصل کر کے کچھ قیمتی ہیرے جواہرات وہاں رکھ دیے تھے۔ باقی اُس کی اٹیچی میں موجود تھے وہاں سے واپس ہوتے وقت بینک سے باہر آ کر مرجانہ نے کہا۔ "انکل آپ نے ہمیں بہت اچھی باتیں سمجھائی ہیں لیکن ہم فی الحال اپنے طور پر مجبور ہیں جس دن آپ کی خواہش کے مطابق ہم اس دوستی کی انتہائی منزل تک پہنچ جاؤں گی یعنی آپ لوگوں کی خواہش کے مطابق دُلھن بن جاؤں گی تو آپ کے پاس ضرور آؤں گی۔ اُس وقت تک کے لیے خدا حافظ۔"

زرینہ کے والد ہمیں دعائیں دے کر چلے گئے۔ میں نے ایک ٹیکسی والے سے ایئرپورٹ چلنے کے لیے کہا۔ مرجانہ نے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر میرے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "ہم ایئرپورٹ کیوں جا رہے ہیں؟"

"اس لیے کہ میں نے غلام کے ذریعے تمھارے لاہور جانے کا بندوبست کیا ہے۔ ڈھائی بجے کی فلائیٹ میں تمھارے لیے ایک سیٹ ریزرو ہو چکی ہے۔ غلام ہوٹل سے تمھاری اٹیچی لے کر ایئرپورٹ پہنچ چکا ہے۔"

اُس نے حیرانی سے مجھے دیکھا۔ پھر بولی۔ "کیا اس طرح میں اچانک تم سے جُدا ہو جاؤں۔ تم نے یوں میرے جانے کا انتظام کیوں کیا؟"

"اس لیے کہ شام کو میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا اس کے بعد تم یہاں تنہا رہو گی۔ میں نہیں چاہتا کہ تم تنہا ہوٹل میں رات گزارو اور کل یہاں سے لاہور جاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ تم تنہا ساری زندگی گزار سکتی ہو لیکن آج میں یہ نہیں چاہتا کہ رات کی تنہائی میں تم میرے متعلق زیادہ سے زیادہ سوچو اور پریشان ہو کر رات گزارو۔ یہاں سے تم لاہور جاؤ گی تو وہاں رشتے داروں میں تمھارا دل کچھ تو بہل جائے گا۔"

یہ کہتے ہی میں نے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "ہمیں سوچ کے ذریعے بات کرنی چاہیے کیونکہ ٹیکسی ڈرائیور ہماری باتیں سن رہا ہے۔"

مرجانہ کی آنکھوں میں ایسی اُداسی چھا گئی تھی کہ اب سے پہلے میں نے اُسے ایسا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجھ سے بچھڑنا نہیں چاہتی تھی۔ سوچ کے ذریعے بولی۔ "فرہاد۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ پہلے تمھیں رخصت کروں گی اور اپنی آنکھوں سے جاتے ہوئے دیکھوں گی۔ اس کے بعد میں یہاں سے جاؤں گی لیکن یہ بات اُلٹ گئی۔ اب تم مجھے رخصت کر رہے ہو میرا دل نہیں لگے گا۔"

میں نے بھی سوچ کے ذریعے کہا۔ "مرجانہ تم تو بڑے حوصلے والی لڑکی ہو۔ عورت کم مرد زیادہ ہو۔ اس وقت مرد بننے کی ضرورت ہے۔ اپنے آپ کو کمزور نہ بناؤ۔ ہم بہت جلد پیرس میں ملیں گے۔"

میں نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر مضبوطی سے تھام لیا۔ وہ بولی۔ "میں بچپن سے تنہا اور بے یار و مددگار رہی ہوں۔ میں اپنے ماضی کی طرف پلٹ کر دیکھتی ہوں تو تمھیں پانے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ آج تک میں نے کسی کو اتنا نہیں چاہا کسی کو اپنا نہیں سمجھا۔ کیونکہ جو بھی رشتے ملے وہ عارضی تھے۔ ملتے تھے اور بچھڑ جاتے تھے۔ کچھ خود غرض ثابت ہوتے تھے۔ کچھ کو تقدیر نے جُدا کر دیا۔ میں اتنی بڑی دنیا میں ایک تو اپنی ماں کے لیے تڑپتی ہوں اور دوسرے تم ہو تمھارے جانے کے بعد میں تمھیں بہت یاد کروں گی۔ ایسا محسوس ہو گا جیسے میں نے بہت کچھ پا کر کھو دیا ہے۔"

"یہ بھی تو یقین ہو گا کہ آج کھونے کے بعد پھر پیرس میں پا لو گی۔"

میں اُسے حوصلہ دیتا رہا۔ اُسے اُمید دلاتا رہا کہ ہم پھر ملیں گے۔ ایئرپورٹ پہنچ کر بھی اس کا ہاتھ میرے ہاتھوں میں رہا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اُسے میرا ہاتھ چھوڑ کر جانا پڑا۔ وہ چلی گئی۔ اُسے لے جانے والا جہاز جب تک آسمان پر نظر آتا رہا اور نقطے میں تبدیل ہوتا رہا اور پھر نظروں سے

اوجھل نہ ہو گیا اس وقت تک میں آسمان کو تکتا رہا۔

بے شک مرجانہ نے بھی مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ اس کی ایک خاص وجہ تھی اور وہ یہ کہ اب تک جتنی بھی لڑکیوں سے میرے تعلقات رہے وہ جلد ہی انتہا کو پہنچ گئے لیکن مرجانہ ایسی لڑکی تھی جو بڑے سلیقے سے بڑی آہستگی سے اور بڑے پیار سے مجھے یہ تاثر دے رہی تھی کہ عورت کی دوستی اور عورت کی محبت صرف جسمانی تعلقات تک محدود نہیں ہوتی۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو پیار کی انتہا تک پہنچاتا ہے۔ اگر جسمانی تعلقات کا لالچ نہ رہے اور ان تعلقات کو پس پشت ڈال کر اُسے ایک خاص وقت کے لیے نظر انداز کر دیا جائے جیسا کہ میں نظر انداز کر رہا تھا اور جسمانی تعلقات کی بات سوچتا ہی نہیں تھا۔ مجھے مرجانہ کی دوستی عزیز تھی۔ میں اُسے ہر حال میں اپنائے رکھنا چاہتا تھا۔

دوسرے دن غلام افریقہ جانے والا تھا۔ شام کے وقت وہ مجھے ایئرپورٹ پر الوداع کہنے آیا۔ میں اُس سے رخصت ہو کر سامان کو لے کر طیارے میں سوار ہو گیا۔ پھر وہ طیارہ پیرس کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں میں نے مرجانہ کے دماغ پر دستک دی۔ وہ میرا ہی انتظار کر رہی تھی۔ کہنے لگی "میں اتنی جلدی میں تم سے رخصت ہوئی کہ بہت سی باتیں طے نہ کر سکی کہ جدائی کے دوران ہم کس طرح ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھیں گے۔"

"یہی پوچھنے کے لیے میں نے تم سے دماغی رابطہ قائم کیا ہے۔ ایسا کرتے ہیں کہ تم کوئی وقت مقرر کر لو۔ اس وقت میں بلا ناغہ تم سے دماغی رابطہ قائم کیا کروں گا۔ تم اپنی خیریت کی اطلاع دینا۔ میں اپنی خیریت سے تمھیں آگاہ کروں گا۔"

وہ بولی۔ "میں وقت کیا مقرر کروں۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ دور ہونے کے بعد بھی تم اسی طرح میرے دماغ میں موجود رہو اور ہمیشہ بولتے رہو اور میں سنتی رہوں لیکن وہاں تمھاری اپنی مصروفیات ہوں گی اور یہاں میری مصروفیات ہیں۔ چاہتی ہوں کہ صبح اُٹھتے ہی ایک بار مجھے ضرور مخاطب کرو۔ پھر دوپہر کو کھانے کے وقت۔ پھر شام کو کھانے کے وقت اور پھر ایک بار سونے سے پہلے ہم دماغی طور پر ملا کریں گے باتیں کریں گے۔ پھر رخصت ہو جایا کریں گے۔ کیوں ٹھیک ہے۔"

میں نے کہا۔ "ہاں یہ ٹھیک ہے۔ تم جتنی بار مجھے بلانے کے لیے کہو گی اتنی بار آؤں گا۔"

"فرہاد میں حیران ہو کر سوچنے لگتی ہوں کہ میں تمھیں اتنا کیوں چاہنے لگی ہوں۔ پہلے تو میں مردوں کے سائے سے بھی نفرت کرتی تھی۔ تم چلے گئے ہو تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میں بالکل خالی خالی سی ہو گئی ہوں اور ہر لمحے انتظار کر رہی ہوں جیسے تم اچانک واپس آ جاؤ گے اور مجھے یہاں نگاہوں کے سامنے آ کر حیران کر دو گے اور کہو گے۔ دیکھو تم انتظار کر رہی تھیں میں آ گیا۔"

میں نے کہا۔ "مرجانہ، تمھیں محبت کے نام سے چڑ ہے لیکن بُرا نہ ماننا تم جن جذبات اور احساسات کا اظہار کر رہی ہو، دراصل اسی کو محبت کہتے ہیں۔ ہاں وہ محبت [illegible] لالچ کی وجہ سے ہو یا ہوس کی وجہ سے ہو تو [illegible] انتظام کر دو۔ تمھیں نہیں کہتا۔ کیونکہ تمھارا مزاج مختلف [illegible] جس میں پاکیزگی ہو اور جس میں [illegible] ہا۔ تم یہاں رہو اور محبت کو تو تم قبول کرو گی نا [illegible] ٹھہر کر جلدی واپس آؤں گا۔ آ رہی ہو" ہال کی طرف چل پڑا۔ وہاں

"جسے تم محبت [illegible] سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ میں اُس ہوں۔ اگر تم اسے محبت کہو [illegible] اُس کی ایک ایک حرکت کو محسوس کر سکتی لیکن میں اپنی طرف سے انجان بھی بنا ہوا تھا۔ میں ہونی جائے جس قدر [illegible] گیا اور مینو اُٹھا کر اپنے لیے کھانے گی۔ فرق صرف اتنا ہو گا کہ یہ دوستی کی سرحد کی معراج کو تم محبت کہہ لو۔ میں تمھیں نہیں روکوں گی۔"

ہم مختلف موضوعات پر بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر میں اُس سے رخصت ہو گیا۔ پیرس کے وقت کے مطابق دس بجے رات کو جہاز پیرس پہنچا۔ جب طیارے کا دروازہ کھلا اور میں دروازے سے باہر سیڑھیاں اُترنے لگا تو اُسی وقت میں نے سونیا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ کسی کاسینو میں جوا کھیل رہی تھی۔ اچانک ہی اُس نے کچھ محسوس کیا۔ وہ ایک دم سے سیدھی بیٹھ کر سر اُٹھا کر فضا میں بُو سونگھنے لگی۔ گہری گہری سانس لینے لگی۔ اُسے اچانک ہی میری بُو کا احساس ہوا تھا اور وہ حیران ہو کر سوچ رہی تھی کہ پیرس میں فرہاد کی بُو کیسے آ گئی، کیا وہ یہاں پہنچ گیا ہے۔

میں سامنے کسٹم چیکنگ کے لیے آگے بڑھ گیا اور وقتاً فوقتاً اس کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ وہ جوئے خانے سے نکل کر کلب کے کاؤنٹر پر آ گئی تھی اور وہاں سے ٹیلیفون پر کسی سے کہہ رہی تھی۔ "ہیلو، میں مڈنائٹ کلب سے بول رہی ہوں، کیبن نمبر سات میں میک اپ کا سامان پہنچا دو۔ میں اپنے چہرے میں ذرا سی تبدیلی کرنا چاہتی ہوں۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "مادام۔ خیریت تو ہے اگر

کسی مہم پر جانا ہو تو حکم دیں ہم آپ کے غلام حاضر ہیں۔"

وہ سختی سے بولی "میں جو کہتی ہوں اس پر عمل کرو۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور اس میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں ہے۔"

سونیا سپر ماسٹر کی تنظیم میں شریک ہو چکی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں ان تخریب کاروں کا دشمن ہوں اور زندگی کے کسی موڑ پر بھی سپر ماسٹر اور ریڈ باور جیسی تنظیموں کا شریک ہونا کبھی پسند نہیں کروں گا۔ اس نے ضد میں آ کر ... مخالفت مول لینے کے لیے اور مجھ سے ہمیشہ متعلق بہت ... کے خیال سے ——— یہ راہ اختیار کی تھی کہ ... ماسٹر کے حوالے کر دیا تھا اور اب اسے گزارنے گی۔

یہ سوچتے ہی میں ... تھی۔ وہ سپر ماسٹر کی تنظیم کی بہت ہی ... اس تنظیم کا ہر فرد بلا چون و چرا ... سے کہا "غلام تم ابھی پی آئی اے کی فلائیٹ سے اگر لاہور کے لیے ایک ... منٹ کے اندر میک اپ ... ہے تو مرجانہ کے لیے ریزرو کرا لو۔"

غلام کریہ ذمہ داری سونپ کر میں ... میں پہنچ گیا تھا اور وہ ... تھی۔ ساتھ ہی سیہ ... بینک کے کاموں میں مصروف ... پیرس میں پہنچ گیا ہے تو ... سے اکاؤنٹ کھلوا ... دماغ میں جھانک رہا ہوگا۔ کیا میری حرکتوں کو سمجھ رہا ہوگا یا میں اس کی بوسونگھنے میں کچھ غلطی کر رہی ہوں۔ بہرحال میں دیکھوں گی کہ اگر وہ فرہاد ہی ہے تو یہاں مجھ سے چھپ کر کیسے رہتا ہے یا چھپ چھپ کر میرے دماغ میں جھانکنے کے باوجود مجھے کس طرح فریب دے سکتا ہے۔ فی الحال مجھے اپنے اصلی چہرے کو چھپا کر اس کی بو تک پہنچنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ کون ہے اور اس کے بدن سے فرہاد کی بو کیسے آ رہی ہے اور وہ فرہاد ہے تو اپنے اصلی روپ میں ہے یا میک اپ میں چھپا ہوا ہے۔

سونیا کو میک اپ میں مہارت حاصل تھی مجھے کسٹم والوں سے نجات حاصل کرنے میں آدھ گھنٹہ لگ گیا۔ اس آدھے گھنٹے میں سونیا نے میک اپ مکمل کر لیا تھا اور اس کے چہرے پر ایسی تبدیلی آ گئی تھی کہ میں اسے سونیا کی حیثیت سے پہچان نہیں سکتا تھا۔ اب وہ کلب سے نکلنے کے بعد اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئی تھی اور کار کے شیشے نیچے کر دیے تھے تاکہ باہر سے ہوا آتی رہے اور میری بو اسے ملتی رہے اور وہ اس سمت کا تعین کرتی رہے جہاں سے بو آ رہی تھی۔

وہ بو کی سمت کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ یعنی کہ مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے ایئر پورٹ کی طرف چلی آ رہی تھی۔ میں اس وقت تک ایک ٹیکسی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا اور ڈرائیور سے کہہ دیا تھا کہ وہ مجھے کسی معیاری ہوٹل میں پہنچا دے۔

میری ٹیکسی چل پڑی تھی۔ سونیا شاید کسی اور راستے سے آ رہی تھی اور ٹیکسی کسی اور راستے سے گزر رہی تھی۔ کیونکہ تھوڑی دیر بعد میں نے سونیا کو سڑک کے کنارے کار روکتے ہوئے دیکھا۔ اب وہ کار روکنے کے بعد کھڑکی کی طرف باہر منہ کیے سونگھ رہی تھی اور یہ محسوس کر رہی تھی کہ بو کی سمت بدل گئی ہے اور وہ بو ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کر رہی ہے۔

یہ معلوم کرتے ہی اس نے کار کو دوسری سڑک پر موڑ دیا اور اس طرف جانے لگی جدھر سے میں ٹیکسی میں بیٹھا گزر رہا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور مجھے پہلے جس ہوٹل میں لے کر گیا وہاں کوئی کمرہ خالی نہیں تھا۔ اس لیے مجھے اسی ٹیکسی میں بیٹھ کر آگے جانا پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سونیا جو قریب آ رہی تھی۔ میں پھر اس سے دور ہوتا چلا گیا۔ وہ اس ہوٹل تک پہنچ کر پھر میری بو کو محسوس کر رہی تھی اور سمت کا تعین کرنے کے بعد وہ پھر آگے بڑھ گئی تھی۔ ہم دونوں کے درمیان آنکھ مچولی کا کھیل جاری تھا اور اس دوران میں میں تین ہوٹلوں سے گزر چکا تھا۔ کہیں بھی کمرہ خالی نہیں ملا تھا۔ آخر ڈرائیور مجھے ایک اور ہوٹل میں لے گیا جس کا نام مونو فائیو اشار تھا۔ وہاں مجھے ایک کمرہ مل ہی گیا۔ میں نے لفٹ کے ذریعے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے سونیا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ مونو فائیو اشار تک پہنچ گئی ہے اور اب وہاں کے کاؤنٹر پر پہنچ کر پوچھ رہی ہے کہ فرہاد علی تیمور نام کا کوئی شخص اس ہوٹل میں آیا ہے یا نہیں۔

کاؤنٹر کیپر نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "جی نہیں اس نام کا کوئی شخص یہاں نہیں ہے۔"

سونیا نے پوچھا "ابھی تھوڑی دیر پہلے کوئی مسافر یہاں آیا ہے؟"

"جی ہاں یہاں تو مسافر آتے جاتے ہی رہتے ہیں۔ آپ کو کس کی تلاش ہے؟"

وہ بولی "میں وہ نام معلوم کرنا چاہتی ہوں جو ابھی پندرہ منٹ کے اندر اس ہوٹل میں آئے ہوں۔"

کاؤنٹر کیپر نے رجسٹر کھولتے ہوئے کہا "یہاں ابھی

... طارق محمود نامی ایک شخص پاکستان سے آیا ہے اور وہ ... نمبر ستائیس کی طرف گیا ہوا ہے۔"

سونیا نے زیرِ لب طارق محمود کا نام بڑبڑایا پھر ... کیپر سے کہا "اچھی بات ہے۔ آپ ذرا ستائیس نمبر ... فون کر کے طارق محمود سے کہیں کہ میں ایک گائیڈ ہوں ... ان سے ملنا چاہتی ہوں شاید انہیں پیرس میں میری ... کی ضرورت پڑے۔"

کاؤنٹر کیپر نے سونیا کو ذرا انتظار کرنے کیلئے کہا تاکہ ... ستائیس نمبر کا مسافر اپنے کمرے میں پہنچ جائے جب ... اپنے کمرے میں پہنچ گیا تو ذرا دیر بعد ٹیلی فون کی ... گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو!"

دوسری طرف سے کاؤنٹر کیپر کی آواز آئی۔ اس ... نے کہا ——— "جناب آپ سے ایک گائیڈ ملنا ... چاہتی ہے۔ کیا آپ ملنا پسند کریں گے؟"

میں نے کہا "اس گائیڈ کا کوئی نام تو ہوگا۔"

کاؤنٹر کیپر نے نام پوچھا۔ پھر مجھ سے کہا "گائیڈ کا ... اس کرسٹوفر ہے۔"

میں نے کہا "اچھی بات ہے۔ میں خود ہی نیچے ... ڈائننگ ہال میں آ رہا ہوں۔ وہیں مل لوں گا۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ دوسری طرف اس نے ... ریسیور رکھتے ہوئے سونیا سے کہا کہ مسٹر طارق یہاں ... ڈائننگ ہال کی طرف آنے والے ہیں۔ آپ سے وہیں ... ملاقات ہو جائے گی۔

سونیا نے کہا "ٹھیک ہے۔ میں ڈائننگ ہال میں ... جا رہی ہوں۔ خود ہی ان سے ملاقات کر لوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ اس ہال کی طرف جانے لگی۔ اس کا ارادہ ... تھا کہ وہ اس ہال کے کسی گوشے میں بیٹھ کر دروازے ... کی طرف دیکھتی رہے گی۔ میری بو اسے بتائے گی کہ میں ... ہال میں داخل ہو چکا ہوں اور کسی ٹیبل کی طرف جا رہا ... ہوں تاکہ وہاں بیٹھ کر کھانے کا آرڈر دے سکوں۔ وہ ... دوری سے مجھے ناپنے کی کوشش کرے گی۔ اگر میں ... میک اپ میں ہوا تو میری اصلیت اگلوانے میں ذرا ... دیر ہوگی مگر وہ مجھے بے نقاب کر کے رہے گی۔

میں سامی کو گود میں لے کر اوپر سے نچلے حصے کی ... طرف آیا۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر میں نے پوچھا "مِس کرسٹوفر ... ہال میں ہیں؟"

کاؤنٹر کیپر نے کہا "وہ ڈائننگ ہال میں موجود ہیں۔ خود ہی آپ سے ملاقات کر لیں گی۔ ویسے جناب آپ کے ساتھ یہ بلی ڈائننگ ہال میں نہیں جا سکے گی کیونکہ وہاں کسی جانور کو لے جانے کی ممانعت ہے۔"

میں نے کہا "لیکن یہ بہت ہی سدھایا ہوا جانور ہے اور اس کی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ ہی کسی چیز کا نقصان ہوگا۔"

"پھر بھی جناب ہوٹل کے کچھ اصول ہیں۔ ہم بڑے مجبور ہیں۔"

میں نے کہا "اچھی بات ہے۔ تو میں اس بلی کو تمہارے پاس چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اس کے لیے دودھ کا انتظام کر دو۔ یہ یہیں اپنا پیٹ بھر لے گی۔"

میں نے سامی کو سہلاتے ہوئے کہا "تم یہاں رہو اور اپنا پیٹ بھرو۔ میں اپنا پیٹ بھر کر جلدی واپس آؤں گا۔"

یہ کہہ کر میں ڈائننگ ہال کی طرف چل پڑا۔ وہاں داخل ہوتے ہی سونیا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ میں اس کے دماغ میں جھانک کر اس کی ایک ایک حرکت کو محسوس کر رہا تھا اور اس کی طرف سے انجان بھی بنا ہوا تھا۔ میں ایک میز پر جا کر بیٹھ گیا اور مینو اٹھا کر اپنے لیے کھانے کا انتخاب کرنے لگا۔

اچانک ہی مجھے اپنے قریب سونیا کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "میرے لیے بھی کھانے کا آرڈر دے دو۔"

میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ میرے سامنے میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھتے ہوئے طنزیہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ جیسے چیلنج کر رہی تھی کہ مجھ سے کہاں چھپو گے۔

میں نے اس کی طرف ذرا حیرانی سے دیکھا۔ پھر اس سے پوچھا "کیا تم ہی مِس کرسٹوفر ہو؟"

"تم خوب پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں۔ انجان بننے کی کوشش نہ کرو۔ تم کتنے بڑے بہروپیے ہو یہ مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔"

میں نے یک بیک اپنے اوپر گہری سنجیدگی طاری کر لی۔ پھر کچھ ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا "مادام معاف کیجیے گا۔ بہروپیا تو آپ نظر آ رہی ہیں کیونکہ فون پر تو مجھے مِس کرسٹوفر کہا گیا ہے مِس کا مطلب وہ لڑکی جس کی ابھی شادی نہ ہوئی ہو لیکن آپ کو دیکھ کر تو پتہ چلتا ہے کہ پتہ نہیں آپ نے کتنی شادیاں کی ہیں۔"

وہ آہستگی سے دانت پیسنے کے بعد بولی "شٹ اپ

بکواس مت کرو۔"

"دیکھیے، مادام! میں آپ کو مس نہیں کہوں گا۔ آپ حد سے زیادہ بڑھ رہی ہیں۔ آپ کس بنا پر مجھے بہروپیا کہہ رہی ہیں؟ کیا آپ مجھے پہلے سے جانتی ہیں؟"

اس نے کہا "تمھیں صرف جانتی ہی نہیں، اچھی طرح پہچانتی بھی ہوں۔ اگر تمھیں چھپنا ہی تھا تو صرف چہرہ چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ اپنا لب و لہجہ بھی چھپایا ہوتا۔ تم فرہاد ہو اور تمھاری سب سے بڑی ناکامی یہ ہے کہ تم بات کرتے وقت اپنے لب و لہجے کو چھپا نہیں پا رہے ہو۔"

"یہ میرا پیدائشی لب و لہجہ ہے مجھے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر یہ کسی فرہاد کا لہجہ ہے، جیسے تم جانتی ہو تو مجھے افسوس ہے کہ اس وقت تم زبردست غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ اور میری ذات سے دھوکا کھا رہی ہو۔"

"دیکھو، فرہاد، سیدھی طرح خود کو ظاہر کردو۔ ورنہ میں تمھارا سر توڑ دوں گی۔"

میں یک بیک اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ کرسی پیچھے کی طرف لڑھک گئی۔ پھر میں نے چیخ کر کہا "کیا تم میرا سر توڑ دو گی۔ آخر تم کون ہو۔ کیا یہ شریفوں کا ہوٹل نہیں ہے کیا تمھارے جیسی بدمعاش عورتیں یہاں آکر دھمکیاں دیتی ہیں۔ میں پوچھتا ہوں تم کون ہو۔ یہاں مینجمنٹ کس کے ہاتھ میں ہے۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمھاری جیسی عورتوں کو یہاں داخل ہونے کی اجازت کیسے ملتی ہے؟"

میرے اس طرح اچھلنے، کرسی کے گرنے اور چیخنے کی وجہ سے ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ ہماری طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ سونیا ایک دم سے بوکھلا گئی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ میں اس قدر غصے میں آجاؤں گا۔ میری ایکٹنگ اس وقت ایسی ہی تھی کہ اب اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ یقیناً وہ دھوکا کھا رہی ہے۔ صرف دو باتیں ایسی تھیں جو اسے الجھا رہی تھیں۔ ایک تو میرے جسم کی بو اور دوسرے میرا لب و لہجہ جسے میں نے تبدیل نہیں کیا تھا اور اس کی وجہ یہی تھی کہ میں اسے الجھانا چاہتا تھا۔

ڈائننگ ہال کا سپروائزر تیزی سے ہمارے پاس آگیا تھا۔ میں اس وقت تک غصے میں بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ اس نے آتے ہی مجھ سے خاموش رہنے کی التجا کی۔ سونیا سے کہا "بس یا مادام، تم جو کوئی بھی ہو مگر کون ہو۔ یہاں کیوں آئی ہو کیا تم انھیں دھمکی دے رہی تھیں؟"

اگر اس وقت کوئی سونیا کی جگہ ہوتی تو بری طرح بوکھلا جاتی۔ میری حرکت ایسی تھی کہ وہ وہاں سے بدنام ہوکر اور ذلیل ہوکر نکلنے والی تھی لیکن اس کا نام سونیا تھا اور اس نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا تھا۔ شکست تسلیم کرنا جانتی ہی نہیں تھی۔ اس نے فوراً ہی بات بنائی "جی ہاں، میرا نام مس کرسٹوفر ہے۔ میں پرائیویٹ طور پر بیرونی ممالک سے آنے والوں کے متعلق چھان بین کرتی ہوں۔ یہ شخص پاکستان سے آیا ہے اور یہ بہروپیا ہے۔ اگر یہ طارق محمود کے پاسپورٹ پر آیا ہے تو اس نے یقیناً ماسک میک اپ کیا ہوا ہے اور میں اسے اپنے ساتھ لے جاکر اس کا میک اپ اتارنا چاہتی ہوں اور اپنی حکومت کو بتانا چاہتی ہوں کہ یہ دھوکے سے ہمارے ملک میں آیا ہے۔"

سونیا کو پورا یقین تھا کہ میں میک اپ میں ہوں اور وہ میرا ماسک اتروالے گی۔ اس کے بعد میں خود ہی لوگوں کے سامنے شرمندہ ہوجاؤں گا اور قانون سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ اس کی باتیں سن کر تمام لوگ اب مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے تھے جیسے انھیں شبہ ہو کہ میں کسی بیرونی ملک کا کوئی جاسوس ہوں جو بھیس بدل کر وہاں پہنچا ہوا ہے۔

سونیا نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا "آپ لوگ آرام سے بیٹھ جائیں۔ میں ابھی یہ ثابت کردوں گی کہ یہ بہروپیا ہے۔ شرط یہ ہے کہ آپ تمام لوگ اس شخص پر نظر رکھیں کہ یہ یہاں سے اٹھ کر نہ جاسکے۔ اسے کھانے کا موقع دیا جائے۔ اس وقت تک میں فون کے ذریعے اپنے محکمے کے لوگوں کو یہاں بلاتی ہوں۔ وہ اسے یہاں سے لے جائیں گے اور اس کی اصلیت اگلوالیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ ٹیلیفون کرنے کے لیے چلی گئی۔ میں دوسری کرسی پر بیٹھ کر ویٹر کو کھانے کا آرڈر دینے لگا۔ سب لوگ اپنی جگہ بیٹھ گئے تھے لیکن اب بہت سے مرد اور عورتیں پلٹ پلٹ کر میری طرف دیکھ لیتے تھے۔ میں سونیا کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا۔ وہ کاؤنٹر کے پاس پہنچنے کے بعد ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد پیرس کے ماسٹر موس ٹڑونی سے رابطہ قائم ہوگیا۔ وہ سپر ماسٹر کی تنظیم کا ماسٹر تھا جو پیرس میں رہتا تھا۔ اس نے سونیا کی آواز سنتے ہی کہا "فرمائیے مادام کیا حکم ہے؟"

سونیا نے کہا "یہاں مجھے ایک شخص پر شبہ ہے بلکہ پورا یقین ہے کہ وہ فرہاد علی تیمور ہے۔ آپ اپنے چند آدمیوں کو

یہاں بھیج دیں تاکہ وہ انٹیلی جنیس والے اسے لے جاکر اس کے چہرے سے میک اپ اتار دیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کے چہرے پر ماسک میک اپ ہے۔"

موس ٹڑونی کی آواز آئی "مادام کا جو حکم۔ ہمیں یہ سن کر حیرانی ہوئی ہے اور مسرت بھی ہے کہ فرہاد صاحب ہمارے شہر میں تشریف لائے ہیں۔ ہم انھیں خوش آمدید کہیں گے۔"

وہ سختی سے بولی "خوش آمدید کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ فرہاد سے میں نمٹنا چاہتی ہوں۔ آپ لوگ کوئی مداخلت نہیں کریں گے جو کہہ رہی ہوں اس پر عمل کیا جائے۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر تیزی سے چلتی ہوئی میرے پاس آکر میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گئی اور مجھے گھورنے لگی۔ اس نے ٹیلیفون پر بڑی خوب صورتی سے موس ٹڑونی کو یہ اشارہ دیا تھا کہ انٹیلی جنیس والوں کو بھیجا جائے یعنی موس ٹڑونی کے آدمی ہی انٹیلی جنیس کے آدمی بن کر آنے والے تھے اور مجھے یہاں سے لے جانے والے تھے۔ میں ان باتوں سے انجان بنا رہا۔

تھوڑی دیر بعد میرے سامنے کھانا آگیا۔ میں کھانے میں مصروف ہوگیا۔ سونیا نے میز پر جھکتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ "دیکھو، میں اب بھی تمھیں موقع دے رہی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم کسی مصیبت میں مبتلا ہوجاؤ۔ مجھے تم سے کوئی ہمدردی تو نہیں ہے لیکن میں تمھیں ایک وارننگ دینے کے بعد نقصان پہنچانا چاہتی ہوں اور وارننگ یہ ہے کہ کل صبح ہونے سے پہلے تم پیرس چھوڑ دو اور جہاں سے آئے ہو اسی ملک میں واپس چلے جاؤ۔ میں یہاں تمھارا وجود برداشت نہیں کرسکتی۔"

میں خاموشی سے کھانے میں یوں مصروف رہا جیسے اس کی باتوں کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ وہ چڑ کر بولی "تم خاموش کیوں ہو۔ بولتے کیوں نہیں ہو؟"

"مجھے انٹیلی جنیس والوں کا انتظار ہے۔ مجھے جو کچھ بولنا ہوگا انھی کے سامنے بولوں گا اور میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے کس طرح بہروپیا ثابت کرتی ہو۔"

یہ کہہ کر میں پیرس کے ماسٹر موس ٹڑونی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس نے سونیا کے حکم کی تعمیل تو کی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ سن کر الجھ گیا تھا کہ فرہاد علی تیمور پیرس میں موجود ہے۔ فرہاد کا نام ان کے لیے عذاب جان تھا۔ وہ بہت محتاط ہوگیا تھا اور اس نے فوراً ہی سپر ماسٹر تک یہ خبر پہنچانے کا بندوبست کیا تھا کہ اگر پیرس میں فرہاد کی موجودگی کا ثبوت مل جائے تو موس ٹڑونی کو کس کی حمایت کرنی چاہیے، سونیا کی یا فرہاد کی۔ کیونکہ سونیا فرہاد کے خلاف ہے لیکن سپر ماسٹر کی تنظیم کا کوئی بھی فرد فرہاد کے خلاف نہیں جاسکتا تھا۔ سب کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔

تنظیم کے جتنے ماسٹر تھے وہ براہ راست سپر ماسٹر سے رابطہ قائم نہیں کرسکتے تھے لیکن وہ جو بھی اطلاعات فراہم کرتے تھے وہ سپر ماسٹر تک پہنچ جاتی تھیں اور انتظامات اتنے جدید تھے کہ منٹوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پیغامات کا تبادلہ ہوجاتا تھا جب تک میں کھانے میں مصروف رہا، اس وقت تک موس ٹڑونی کو جواباً یہ حکم ملا تھا کہ اگر فرہاد پیرس میں موجود ہو تو سونیا کو سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ بات نہ بڑھے۔ سپر ماسٹر کو اطلاع پہنچائی جائے گی... اور اگر یہ چاہے گی کہ فرہاد پیرس میں نہ رہے تو فرہاد کو سمجھایا جائے گا اور اس سے رابطہ قائم کرکے اسے پھر ایک بار دوستی کی پیشکش کی جائے گی اور اس بار ہر ممکن طریقے سے اسے اپنا دوست بنا لیا جائے گا۔ دوسری طرف سونیا کو بھی ناراض نہ ہونے دیا جائے۔

موس ٹڑونی نے یہ حکم سننے کے بعد اپنے آدمی میری طرف روانہ کردیے تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو میک اپ اتار کر اصل چہرہ دیکھ سکتے تھے اور ان کے ساتھ اینٹی میک اپ کیمرہ بھی تھا۔ وہ کیمرہ ایسا تھا کہ میک اپ کے آر پار اصل چہرے کی تصویر اتار لیتا تھا۔

سونیا میرے سامنے بیٹھی ہوئی میری ایک ایک حرکت کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہمارے ملک میں کھانے کے دوران کوئی کسی کو اس قدر گھورتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ کھانے میں نظر لگائی جا رہی ہے تم کس لیے گھور رہی ہو، میں اب بھی تمھیں سمجھاتا ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ یہ سراسر پاگل پن ہے کہ کسی شریف مسافر کو اس طرح چھیڑا جائے۔ تم مجھے انٹیلی جنیس والوں کے ساتھ یہاں سے لے جاکر خواہ مخواہ پریشان کرو گی اور تمھیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"تم کتنے معصوم، کتنے سچے ہو، یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں اور یہ بھی جان گئی ہوں کہ اس وقت تم رہ رہ کر میرے خیالات پڑھ رہے ہو؟"

میں نے حیرانی سے پوچھا "یہ خیالات پڑھنا کیا ہوتا ہے؟"

وہ ناگواری سے بولی "دیکھو، میرے سامنے ایکٹنگ نہ کرو۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم بہت اچھے اداکار ہو جب

اپنے آپ کو چھپاتے ہو تو تمھیں تمھارے اندر سے ڈھونڈ نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن تم نے اپنے لہجے پر قابو نہ پاکر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ میں یہ تو سمجھ سکتی تھی کہ تمھارے جسم کی بو نے مجھے دھوکا دیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ایک جیسی بو رکھنے والے دو چار حضرات ہوں اور ان میں سے تم بھی ہو لیکن لب و لہجہ تو ویسا نہیں ہو سکتا اور باتیں کرنے کا وہ تیکھا انداز جس میں طنز چھپا ہوتا ہے، وہ بھی تمھاری گفتگو میں شامل ہے میں کیسے مان لوں کہ تم فرہاد نہیں ہو؟"

"ابھی انٹیلی جنیس والے آکر تمھیں یقین دلا دیں گے کہ میں اپنی پیدائش کے وقت سے طارق محمود ہوں۔"

سونیا کے ماتحت وہاں آچکے تھے اور ڈائننگ ہال کے باہر میرا انتظار کر رہے تھے کیونکہ کھانے کے دوران مداخلت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ آداب اور تہذیب کے خلاف تھا۔ اس لیے وہ باہر بڑی ——— بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے اور میں نہایت اطمینان سے ایک ایک لقمہ چبا چبا کر کھا رہا تھا۔ کھانے میں میں نے کافی وقت صرف کیا۔ پھر میں نے کافی منگائی۔ اسی وقت باہر سے سونیا کے ایک ماتحت نے آکر کہا "جناب! آپ جلدی کھانے سے فارغ ہو جائیں۔ ہمیں اور بھی فرائض انجام دینے ہیں۔"

میں نے لاپروائی سے کہا "آپ کو اپنا فرض ادا کرنا ہے تو باہر انتظار کریں۔ میں کافی پینے کے بعد آؤں گا۔"

وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ ڈائننگ ہال سے باہر آنے کے بعد مجھے ان کے ساتھ میرے ہوٹل کے کمرہ نمبر تائیس میں چلنا ہو گا کیونکہ وہ سامان کی تلاشی لیں گے اور میرا پاسپورٹ چیک کریں گے۔

کھانے کے بعد میں نے ایک سگریٹ سلگایا۔ پھر اس کے کش لگاتا ہوا ٹھیر ٹھیر کر کافی کا ایک ایک گھونٹ پینے لگا۔ سونیا سامنے بیٹھی تلملا رہی تھی۔ مجھے غصے سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا "میں صبر کر رہی ہوں۔ دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم کتنا وقت ضائع کر سکتے ہو اور کب تک خود کو چھپا سکتے ہو۔"

کافی ختم کرنے کے بعد میں نے کھانے کا بل ادا کیا۔ سونیا اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے کہا "ذرا ایک منٹ۔ میں ایک سگریٹ اور سلگا لوں۔"

وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر بولی "کمینے! یہ انداز بالکل فرہاد کا ہے۔ وہ اسی طرح غصہ دلاتا ہے۔ ابھی میں تمھیں دیکھ لوں گی۔"

وہ کھڑی رہی۔ میں نے اطمینان سے ایک سگریٹ سلگایا۔ پھر اس کا ایک کش لگانے کے بعد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد وہاں سے چلتا ہوا ڈائننگ ہال سے باہر آگیا۔ باہر چار ہٹے کٹے جوان میرے منتظر تھے۔ وہ سب میرے پیچھے چلنے لگے۔ ہم ایک لفٹ میں آئے۔ پھر اس کے ذریعے تیسری منزل پر پہنچے۔ اپنے کمرے کے سامنے پہنچ کر دروازہ کھولنے سے پہلے میں نے ایک نوجوان سے کہا "میں اس کمرے میں جانے سے پہلے یہ تقین کرنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگ انٹیلی جنیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اپنا شناختی کارڈ دکھائیں۔"

اس نوجوان نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ پھر ایک ریوالور باہر نکال کر میری طرف نشانہ لیتے ہوئے بولا "چپ چاپ دروازہ کھول کر اندر چلو۔ ہم تمھیں ایسا شناختی کارڈ دکھائیں گے کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔"

میں ریوالور دیکھ کر سہم گیا۔ سونیا مجھے ہر لمحہ بڑے غور سے اور توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ میرے سہم جانے کا انداز ایسا تھا جیسے میں لڑنے والوں میں سے نہیں ہوں جب کہ فرہاد ریوالور وغیرہ کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ بہرحال میں نے دروازہ کھول دیا۔ ہم سب کمرے میں داخل ہوئے۔ پھر ایک ماتحت نے پلٹ کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔

میں نے کمرے کے وسط میں پہنچ کر سہمے ہوئے انداز میں دلیری دکھائی اور کہا "دیکھو میں بزدل نہیں ہوں۔ اگر ہمت ہے تو یہ ریوالور جیب میں رکھ کر مجھ سے مقابلہ کرو۔ میں ایک ایک کی چٹنی بنا کر رکھ دوں گا۔ میں بہت اچھا فائٹر ہوں۔"

سونیا نے تائید میں سر ہلا کر کہا "یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم لاجواب فائٹر ہو۔ میں اس کا بھی تماشا دیکھوں گی کہ تم یہاں چار آدمیوں سے کس طرح لڑتے ہو۔ پہلے میں تمھارا میک اپ تو اتار لوں۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ دو آدمیوں نے میرے پاس آکر میرے دونوں بازوؤں کو پکڑ لیا اور زبردستی کرسی پر بٹھایا۔ تیسرا آدمی آکر میرے چہرے کو ٹٹولنے لگا۔ گردن وغیرہ کو دیکھنے لگا کہ جو ماسک میں نے چہرے پر پہنا ہوا ہے۔ وہ کہاں جا کر ختم ہوتا ہے۔ پھر اس نے سونیا کی طرف دیکھ کر کہا "مادام ماسک نہیں ہے۔ میک اپ بھی نہیں ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ اس کا اصلی چہرہ ہے۔"

سونیا نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میں بے وقوف نہیں بن سکتی یہ شخص اتنا بڑا فراڈ ہے اور ایسا مکار ہے کہ اس کی

بڑی بڑی دیر بعد سمجھ میں آتی ہے۔ چلو، اس کی ابھی تصویر اتار کر مجھے دکھاؤ۔"

جس کے ہاتھ میں کیمرہ تھا۔ اس نے سامنے ہو کر میرا ایک سنیپ لیا۔ پھر باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے بولا "میرے پاس ڈیولپنگ اور پرنٹنگ کا سامان ہے۔ میں ابھی تصویر بنا کر لاتا ہوں۔"

اس کے جانے کے بعد سونیا نے کہا "تم نے کوئی بہت ہی جدید میک اپ کیا ہے جو بظاہر سمجھ میں نہیں آرہا ہے لیکن ابھی ہمارا کیمرہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دے گا۔ چلو، اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ میں تمہاری دلیری کو آزمانا چاہتی ہوں۔"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا "پتہ نہیں، تم مجھے اور کتنی طرح آزماؤ گی۔ میرے لیے جتنی بھی آزمائشیں ہیں۔ جلدی انہیں پوری کر کے یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

میں ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ سونیا کے اشارے پر اس کے تین ساتھی ذرا دور ہو گئے۔ پھر اس نے ایک سے کہا "چلو تم آگے بڑھو اس شخص کی ایسی پٹائی کرو کہ یہ بستر سے دو دن تک اٹھ نہ سکے۔"

اس جوان نے میرے مقابل آکر ذرا پینترے بدلے۔ کراٹے کا انداز بنایا۔ میں سمجھ گیا کہ بہت اچھا فائٹر ہو گا۔ میں اس کے داؤ پیچ دیکھ کر دیکھتا تو پتہ چل جاتا کہ وہ کس زاویے سے اور کس انداز سے حملہ کرنے والا ہے لیکن میں سونیا کو شبہ نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ میں خیال پڑھتے ہوئے لڑ رہا ہوں۔

اس نے اچانک ہی حملہ کیا۔ میں مار کھا گیا۔ دوسری بار وہ حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس بار وہ مار کھا گیا۔ پھر ہم دونوں میں ٹھن گئی۔ کبھی وہ حملہ کرتے ہوئے مجھے پیچھے لے جاتا تھا کبھی میں اس پر تابڑ توڑ حملے کرتا ہوا اسے سونیا کی طرف دھکیل دیتا تھا۔

اس کی پٹائی ہوتے دیکھ کر سونیا نے کہا "میں سمجھ گئی۔ تم ایک کے بس کے نہیں ہو۔ اب دو تم سے لڑیں گے۔"

اس کا حکم سنتے ہی دوسرا بھی میرے مقابلے پر پہنچ گیا۔ اس طرح دو طرفہ حملوں کو روکنا پڑا اور ان کا جواب دینا پڑا۔ لیکن میں ان دونوں سے لڑ رہا تھا۔ اپنے وہ داؤ پیچ استعمال نہیں کر رہا تھا جن سے ظاہر ہو جاتا کہ میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ میں بہت سنبھل سنبھل کر حملہ کر رہا تھا جیسے میرا اس میدان میں کوئی خاص تجربہ نہ ہو۔ تھوڑی بہت جیسی مشق ہے اس لیے میں دو آدمیوں سے لڑتے میں کامیاب ہو رہا ہوں۔

پھر سونیا نے لڑائی کو بند کرنے کا حکم دیا۔ میں باز آنے والا نہیں تھا لیکن اس کے دونوں آدمی پیچھے ہٹ کر ہاتھ باندھ کر چپ چاپ کھڑے ہو گئے۔ ایسے میں میں ان پر حملہ نہ کر سکا۔ اسی وقت وہ فوٹوگرافر باتھ روم سے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گیلی تصویر تھی۔ اس نے تصویر کو سونیا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "مادام اس پر کسی قسم کا میک اپ نہیں ہے۔ اس کا یہ اپنا پیدائشی چہرہ ہے۔ ہم غلطی پر ہیں۔"

سونیا نے اس تصویر کو اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ پھر بڑی حیرانی سے کبھی مجھے اور کبھی تصویر کو دیکھنے لگی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا یہ میرا اپنا اصلی اور پیدائشی چہرہ ہے۔ کیونکہ ایک تو میرے جسم کی بو نے اسے فرہاد کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔ پھر میں نے اپنا وہی لب و لہجہ قائم رکھا تھا۔ تیسرے یہ کہ میری آنکھیں چغلی کھا رہی تھیں کہ اس بدلے ہوئے چہرے پر طارق محمود کے پیچھے فرہاد کی آنکھیں جھانک رہی ہیں لیکن کسی طرح یہ ثابت نہیں ہو رہا تھا کہ ان آنکھوں کے پیچھے فرہاد چھپا ہوا ہے یا یہ آنکھیں فرہاد کی ہیں۔ کوئی ایسا ثبوت نہیں مل رہا تھا اور اس نے ہر طرح کے جتن کر لیے تھے۔ کسی طرح بھی وہ مجھے آمادہ نہ کر سکی کہ میں خود کو فرہاد تسلیم کروں۔

میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا "اب کیا ارادہ ہے کیا اب میرے چہرے کو چھیل کر اس آدمی کو دیکھنا چاہتی ہو۔ جس کی تمہیں تلاش ہے۔"

وہ بڑے ہی الجھے ہوئے انداز میں مجھے دیکھ رہی تھی پھر اس نے بڑی آہستگی سے اور سنجیدگی سے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "تم سب یہاں سے چلے جاؤ۔ اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنا تمام سامان یہاں سے لے جاؤ۔"

اس کے آدمیوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ کیمرہ اور ڈیولپنگ کا تمام سامان وہ اپنے ساتھ لے گئے ——— تھوڑی دیر بعد وہ میرے ساتھ کمرے میں تنہا رہ گئی۔ میں نے پوچھا "تم کس لیے یہاں رک گئی ہو۔ کیا اب بھی کچھ باقی رہ گیا ہے؟"

وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک ایزی چیئر پر بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔ "ہاں، میں بہت پریشان ہوں۔ تم نے مجھے الجھا دیا ہے۔ یہ تو ثابت ہو گیا کہ تم فرہاد نہیں ہو۔ میک اپ میں نہیں ہو۔ تمہارا جو چہرہ میرے سامنے ہے وہی تمہارا اصلی چہرہ ہے لیکن میں اس حقیقت کو کیا کہوں کہ تمہاری آنکھیں بالکل ویسی ہی ہیں اور ان میں وہی گہرائی ہے وہی مقناطیسی کشش ہے جو ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے کی آنکھوں میں ہونی چاہیے۔ تمہارا لب و لہجہ بھی وہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیسے یقین کر لوں کہ تم فرہاد نہیں ہو۔"

"تمہارے یقین کرنے یا نہ کرنے سے میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں طارق محمود ہوں اور طارق محمود رہوں گا۔ اگر تمہیں فرہاد کی تلاش ہے۔ اگر کسی دشمنی کی بنا پر تم اسے ڈھونڈ نکالنا چاہتی ہو تو خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو میں اور کسی مصیبت میں گرفتار نہیں ہونا چاہتا۔ تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔ اگر تم یہاں سے چلی جاؤ۔"

وہ مجھے ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔ میں نے پوچھا "کیا

دیکھ رہی ہو؟"

وہ گہری سنجیدگی سے بولی "تم طارق محمود میرے سامنے ہو لیکن میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں اپنی نگاہوں سے فرہاد کو دیکھ رہی ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ میرے سامنے وہی کھڑا ہوا ہے۔"

"میں تمہارے اس خبط کا کیا علاج کرا سکتا ہوں۔ تم میرے لیے اجنبی ہو اور میں تمہیں یہی مشورہ دے سکتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کوئی نفسیاتی کمپلکس ہے۔ کسی ماہرِ نفسیات سے رجوع کرو۔"

وہ پھر بڑی آہستگی سے، بڑی نرمی سے بولی "مسٹر طارق کیا آپ میرے ساتھ کچھ دیر رہیں گے؟"

میں نے حیرانی سے کہا "تم کوئی پاگل عورت ہو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بدترین دشمن بن کر یہاں آئی تھیں اور اب اچانک دوست بننا چاہ رہی ہو۔ آخر تم کیا ہو۔ یہ سب کیا سلسلہ ہے۔ تم چاہتی کیا ہو؟"

"میں تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتی ہوں۔ جب میرے دل کو پورا اطمینان ہو جائے گا کہ تم وہ نہیں ہو جس کی مجھے تلاش ہے تو پھر میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں گی۔ تمہیں اگر یہ پتہ چل جائے کہ میں کون ہوں اور کتنی اہمیت رکھتی ہوں تو یقیناً تم میری اس پیش کش پر فخر کرو گے۔"

میں نے پوچھا "کون ہو تم۔ ذرا میں بھی تو سنوں۔"

"میرا نام سونیا ہے۔ میں پیرس کی بہت اہم شخصیت ہوں۔ میرے ایک اشارے پر یہاں خونی فسادات برپا ہو سکتے ہیں۔ میرے ایک اشارے پر تمہیں گولی سے اڑایا جا سکتا ہے۔ میں جب چاہوں۔ قانون کی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں لیکن جہاں مجھے نرمی سے اور محبت سے کام نکالنا ہوتا ہے وہاں میں ایسی ہی باتیں کرتی ہوں جیسی کہ اس وقت تم سے کر رہی ہوں۔ اچھی طرح سوچ لو۔ میری پیش کش کو قبول کر لو۔ یہاں جب تک رہو گے، فائدے میں رہو گے۔ تمہاری جیب سے ایک ڈالر بھی خرچ نہیں ہو گا۔ تم میرے خاص مہمان بن کر جہاں چاہو گے وہاں گھومنے کے لیے کار اور چارٹرڈ طیارے وغیرہ سب کچھ مل جائیں گے۔"

میں نے شدید حیرانی سے کہا "مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم اتنی خطرناک ہو کہ جب چاہو خونی فسادات برپا کر سکتی ہو۔ اتنی دولت مند ہو کہ میرے لیے چارٹرڈ طیاروں کا انتظام کر سکتی ہو اور اتنی مہربان ہو کہ مجھ سے دوستی بھی کر سکتی ہو۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے سامنے آئی پھر اپنا ایک ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "لاؤ، اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو۔ میں دوست ہوں اور تمہیں اس بات کا ثبوت دوں گی۔ یہ ہوٹل ابھی، اسی وقت چھوڑ دو اور میرے ساتھ چلو۔ تم میرے مہمان بن کر رہو گے۔ پھر جب یہاں سے جانا چاہو گے، میں تمہیں بڑی شان سے رخصت کروں گی لیکن میری یہ خواہش پوری کر دو کہ میں کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں اور دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم میں اور فرہاد میں کتنی مشابہت اور مطابقت ہے۔"

میں نے پوچھا "مادام سونیا! کیا میں تمہیں کوئی احمق نظر آتا ہوں؟"

اس نے تعجب سے پوچھا "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"یہی کہ تم پہلے دشمن بن کر آئیں۔ اب دوست بن رہی ہو۔ میں اس ملک میں اجنبی ہوں تفریح کے لیے آیا ہوں۔ میں تمہاری جیسی کسی بھی مزاج بدلنے والی عورت سے کیسے دوستی کر سکتا ہوں۔ اگر دوستی نہ بھی کروں تو تھوڑی دیر کے لیے بھی کیسے اعتماد کر سکتا ہوں کہ تم کوئی اچھی ساتھی ثابت ہو گی اور کسی بھی مقام پر پہنچ کر مجھے دھوکا نہیں دو گی۔"

"دھوکے سے مت ڈرو۔ میرا نام سونیا ہے۔ میں جب چاہوں تمہیں کسی دھوکے کے بغیر یہاں سے اٹھوا سکتی ہوں۔ کسی بھی جگہ میں تمہیں پہنچا سکتی ہوں۔ تم انکار کر کے دیکھ لو۔ پھر جو تمہارا انجام ہو گا اور پھر جس انداز میں میں تمہارے ساتھ پیش آؤں گی وہ دوستانہ انداز نہیں ہو گا۔ کچھ اور ہو گا۔"

میں نے اس کے سامنے بڑی پریشانی کا اظہار کیا اور کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہاں پیرس پہنچتے ہی کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ تم ایک بلا کی طرح مجھ سے چمٹ گئی ہو۔ میں تم سے پیچھا چھڑاؤں۔ کوئی تدبیر میرے ذہن میں نہیں ہے اور نہ ہی میں اس اجنبی ملک میں اپنے ذرائع استعمال کر سکتا ہوں۔ ٹھیک ہے۔ میں اس طرح تمہاری پیش کش کو قبول کر سکتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کہیں پر بھی گھومنے پھرنے جا سکتا ہوں۔ تمہارے ساتھ کھا سکتا ہوں۔ لیکن تمہارے ساتھ جا کر کسی کوٹھی یا بنگلے میں نہیں رہوں گا۔ میں اسی ہوٹل میں قیام کروں گا۔ ہمارے درمیان ملاقات کا وقت مقرر ہوا کرے گا اور اس وقت کے مطابق ہم ایک دوسرے سے ملتے رہیں گے۔"

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی "چلو، یہی سہی۔ ابھی میں تمہارے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہوں۔ کیا میرے ساتھ ایک کپ کافی پیو گے؟"

میں نے رسٹ واچ دکھاتے ہوئے کہا۔ "آدھی رات گزر چکی ہے۔ اب اگر میں چائے یا کافی پیوں گا تو رات کو دیر سے نیند آئے گی اور میں وقت پر سونے کا عادی ہوں۔ مجھے آدھے گھنٹے میں سو جانا چاہیے۔ کیوں نہ ہم کل صبح ملاقات کریں۔"

وہ مایوس ہو کر بولی "اچھی بات ہے میں کل صبح سات بجے یہاں تمہیں لینے آؤں گی۔ پھر تمہیں پورا پیرس دکھاؤں گی۔ بولو منظور؟"

میں نے فوراً منظور کر لیا۔ وہ میرے پاس سے پلٹ کر دروازے تک گئی۔ پھر اُسے کھولتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ بڑے غور سے اور بڑی ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ اب بھی اس کا دل کہہ رہا تھا کہ اس کے سامنے فرہاد کھڑا ہے لیکن حقائق بتا رہے تھے کہ اصل میں اس کی نگاہوں کے سامنے طارق محمود ہے۔ وہ مایوس ہو کر باہر چلی گئی۔

میں دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد سونے کے لیے لباس تبدیل کرنے لگا۔ اس دوران میں سونیا کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ وہ ذہنی طور پر بہت زیادہ الجھ گئی تھی۔ اس کا دل کہتا تھا کہ میں فرہاد ہوں اور اس کا کوئی ثبوت نہیں مل رہا تھا۔ اینٹی میک اپ نے بھی اس بات کی گواہی دی تھی کہ میں فرہاد نہیں، طارق محمود ہوں۔ ہوٹل کے باہر کار میں بیٹھ کر اپنے بنگلے کی طرف روانہ ہوتے ہوئے وہ اپنے دل کو ٹٹول رہی تھی کہ اگر وہ طارق محمود ہی ہے تو وہ طارق محمود میں دل چسپی کیوں لے رہی ہے۔

یہ بات سمجھ میں آئی کہ فرہاد کی ایک کاربن کاپی مل گئی ہے۔ صورت ایسی نہیں ہے لیکن چال ڈھال، حرکتیں، باتیں کرنے کا انداز اور آنکھیں سب کچھ فرہاد جیسی ہیں۔

وہ سمجھ رہی تھی کہ فرہاد سے کترانے کے بعد، اس سے ہمیشہ کے لیے رابطہ ختم کرنے کے بعد اب وہ ایک کھلونا تلاش کر رہی تھی۔ ایسا کھلونا جو فرہاد کی طرح اسے بہلا سکے۔ اس کے خیال کے مطابق طارق محمود میں سب خوبیاں تھیں اور طارق اسکے پاس رہ کر اسے بہلا سکتا تھا اور وہ فرہاد کو بھلا تو چکی تھی۔ ہمیشہ کے لیے بھلا سکتی تھی بشرطیکہ طارق اسے بطورِ فرہاد حاصل ہو جاتا۔

یہ خیال آیا تو وہ بڑی سنجیدگی سے یہ تدبیر سوچنے لگی کہ طارق کو کس طرح اپنے زیرِ اثر رکھا جا سکتا ہے۔ اگر وہ دنیا میں تن تنہا ہے اور بڑی دولت کا مالک ہے۔ جہاں چاہے رہ سکتا ہے تو کیا وہ یہاں نہیں رہ سکتا ہے۔ وہ کس طرح طارق کو پاکستان واپس جانے کا راستہ بھلا سکتی ہے کس طرح اسے اپنا محکوم بنا کر اور بظاہر دوست بنا کر رکھ سکتی ہے تاکہ ایک جو کمی کھٹک رہی ہے، وہ دور ہو جائے۔ فرہاد کبھی یاد نہ آئے۔

کار ڈرائیو کرتے وقت اسے بڑی دور کی سوجھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ طارق کی چال، گفتگو، آنکھیں اور قد و قامت سب فرہاد جیسا ہے صرف ایک چہرہ ویسا نہیں ہے۔ اگر وہ اس کے چہرے پر فرہاد کا میک اپ چڑھا دے اور اسے ہمیشہ فرہاد کے روپ میں رکھے تو بڑی آسانی سے یہ کمی پوری ہو جائے گی اور فرہاد اس سے دماغی طور پر رابطہ قائم کرے گا تو وہ اسے اپنے پاس آنے کی دعوت دے گی اور اس سے کہے گی کہ آؤ آ کر دیکھو میں نے دوسرا فرہاد تیار کر لیا ہے اور اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔

اس کے خیالات پڑھتے ہوئے اچانک میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر سونیا کے دماغ میں پلاسٹک سرجری کی بات بٹھا دی جائے کہ وہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے مجھے فرہاد بنا سکتی ہے تو اس طرح ایک تو میں اخراجات سے بچ جاؤں گا۔ دوسرے یہ کہ پلاسٹک سرجری کے سلسلے میں جو انتظامات کرنے ہیں اور جس طرح پلاسٹک سرجری کے ماہرین سے ملاقات کرنی ہے ان سب مصروفیات سے مجھے نجات مل جائے گی۔ سارے انتظامات سونیا کرے گی۔

یہ بات دماغ میں آتے ہی میں نے اس کی سوچ میں کہا "اگر میں طارق کے چہرے پر فرہاد کا میک اپ کیا کروں گی تو اس سے بات نہیں بنے گی۔ میک اپ عارضی ہوتا ہے اور میں عارضی طور پر اس سے بہلتی رہوں گی۔ کسی بھی وقت کسی بھی حادثے کے باعث میک اپ دھل سکتا ہے یا طارق اس میک اپ کو ختم کر سکتا ہے۔ اگر میں پلاسٹک سرجری کے ذریعے اسے مستقل طور پر فرہاد بنوا دوں تو کیسا رہے گا؟"

میں نے اس کے دماغ میں یہ سوال پیدا کر دیا تو اب وہ اسی کے متعلق سوچنے لگی کہ اگر طارق محمود نے دیکھا کہ اس کی شخصیت بدل گئی ہے، چہرہ بدل گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کا مزاج بھی بدل جائے اور وہ راضی خوشی میرے ساتھ رہنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس طرح مجھے ایک مستقل کھلونا مل جائے گا اور میں اسے اپنا غلام بنا کر رکھوں گی۔ جو سلوک میں فرہاد سے نہ کر سکی وہ حاکمانہ رویہ اس کے ساتھ اختیار کروں گی۔

میں نے اسے خوش فہمی میں مبتلا کر کے چھوڑ دیا۔ تاکہ وہ صبح تک پلاسٹک سرجری کے متعلق کسی نتیجے تک پہنچ جائے۔ پھر میں نے بستر پر آرام سے لیٹ کر مرجانہ سے رابطہ قائم کیا۔ وہ میرا ہی انتظار کر رہی تھی۔ اس وقت پاکستانی وقت کے مطابق رات کے سوا تین بجے تھے اور وہ بے چینی اور اضطراب کے باعث سو نہیں سکی تھی۔ رہ رہ کر میری ہی یاد اسے آتی تھی اور اسے جاگنے پر مجبور کرتی تھی۔

میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ شکایت کرنے لگی کہ میں اتنی دیر تک کہاں غیر حاضر رہا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ میرے ساتھ کیا کچھ ہو رہا ہے اور یہاں آتے ہی سونیا نے مجھے الجھا لیا تھا۔ بڑی مشکلوں سے اس سے نجات حاصل کی ہے اور اب آرام سے بستر پر لیٹ گیا ہوں۔ ویسے یہاں زیادہ رات نہیں گزری ہے لیکن اسے تو وہاں سو جانا چاہیے کیونکہ تھوڑی دیر بعد صبح ہو جائے گی۔

وہ بولی "میں کیا کروں۔ میں نے تو بہت کوشش کی لیکن مجھے نیند نہیں آئی۔"

میں نے کہا "چلو اب بہت ہو چکا۔ اب آرام سے لیٹ کر آنکھیں

بند کرلو میں تمہیں سُلا دیتا ہوں۔ صبح کم از کم پانچ گھنٹے تک سوتی رہنا۔ پھر میں تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

اس نے آرام سے لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں میں اسے خیال خوانی کی لوریاں دینے لگا۔ اور اپنی سوچ کے ذریعے تھپک تھپک کر اسے سلانے لگا۔ وہ جلد ہی گہری نیند سو گئی ــــ میری ہدایات کے مطابق اب اُسے دن کے دس بجے تک سوتے رہنا تھا۔

اس کے بعد میں نے می اور رسونتی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہاں صبح ہونے والی تھی اور وہ دونوں بیدار ہو گئی تھیں۔ میں نے تھوڑی دیر تک اُن سے فرداً فرداً گفتگو کی پھر انہیں بتایا کہ یہاں کافی رات ہو چکی ہے اور میں سونے جا رہا ہوں۔ اُن سے اجازت لے کر میں نے اپنے دماغ کو حسبِ معمول ہدایات دیں، اس کے بعد سو گیا۔

صبح چھ بجے میری آنکھ کھلی۔ اس وقت پاکستان میں دس بجے تھے لہٰذا مرجانہ بھی ٹھیک اسی وقت بیدار ہوئی۔ میں نے اسے کہا۔ "ہیلو میں ابھی بیدار ہوا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "میری بھی آنکھ ابھی کھلی ہے۔"

"میں نے یہی وقت مقرر کیا تھا کہ ہم دونوں ایک ساتھ بیدار ہو سکیں پھر صبح اس وقت ہم کچھ باتیں کر سکیں۔ اب میں یہاں پیرس پہنچ گیا ہوں تو سب سے پہلے تمہاری امی کے پاس جا کر ملاقات کرنا چاہتا ہوں میرے پاس اُن کا پتہ محفوظ ہے اور میں دو گھنٹے بعد یہاں سے نکلوں گا۔ تمہیں کوئی پیغام دینا ہو تو بتا دو۔"

وہ بولی۔ "آہ! تم میری امی کے پاس جا رہے ہو یہ میری خوش نصیبی ہوتی کہ میں ان سے ملاقات کرتی لیکن تم مجھ سے الگ نہیں ہو۔ میں سمجھتی ہوں کہ میری آدھی ملاقات ہو جائے گی۔ امی سے کہنا کہ میں اُن سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہوں میرے بارے میں ایک ایک بات پوری تفصیل سے انہیں سُنا دینا اور انہیں بتا دینا کہ انہیں ایک بیٹے کی آرزو تھی جو دشمنوں سے انتقام لے سکے تو مرجانہ بیٹا بن کر ہی زندگی گزار رہی ہے اور اُن کے دشمنوں سے گن گن کر بدلے لے گی۔ اور اُن کی آنکھوں کے سامنے انہیں انجام تک پہنچا دے گی۔"

"تم اطمینان رکھو میں تمہاری داستانِ حیات پوری تفصیل سے انہیں سُناؤں گا۔ وہ بہت خوش ہوں گی بشرطیکہ وہ مجھ پر یقین کریں کہ میں دشمنوں میں سے نہیں ہوں ان کے سامنے کسی فرضی بیٹی کو پیش نہیں کر رہا ہوں۔"

"فرہاد! تمہارے لیے کوئی مشکل نہیں ہے کہ تم انہیں یقین دلا سکو۔ تمہاری ٹیلی پیتھی کس دن کام آئے گی تم انہیں ذہنی طور پر قائل کر سکتے ہو۔"

"ہاں، میں یہی کروں گا۔"

"اچھا انکل کہہ رہے تھے کہ صبح وہ آدمی آنے والا ہے جو میری طرف سے ہندوستان جائے گا اور وہاں کبیر بیدی اور رگھو سے ملاقات کرے گا۔ تو میں ابھی معلوم کرتی ہوں کہ وہ شخص کب آئے گا۔ تم وقتاً فوقتاً میرے دماغ میں جھانکتے رہنا۔ اس طرح تم اس آدمی کے دماغ تک پہنچ جاؤ گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں ٹھیک ہے، تم اب جاؤ میں وقفے وقفے سے تمہارے دماغ میں پہنچتا رہوں گا۔ اور معلومات حاصل کرتا رہوں گا۔"

وہ بستر سے اُٹھ کر باتھ رُوم میں گئی۔ میں بھی باتھ روم میں چلا گیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر کمرے میں آیا۔ لباس تبدیل کرنے لگا اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو ہوٹل والوں کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ سونیا مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ میں نے اُن سے کہا۔ "اچھی بات ہے میں نیچے آ رہا ہوں سونیا کو انتظار کرنے کے لیے کہا جائے۔"

ادھر مرجانہ اس شخص سے ڈرائنگ روم میں میٹھی باتیں کر رہی تھی جو ہندوستان جانے والا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر چکنے سے کہا۔ "میں آ گیا ہوں اور اس شخص کی باتیں سن رہا ہوں۔ اطمینان رکھو اب میں اس کے ساتھ دماغی طور پر ہندوستان پہنچ جاؤں گا۔"

مرجانہ وہاں سے اُٹھ کر اپنی خوابگاہ کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ "اب کیا ارادہ ہے کیا میری امی سے ملنے جا رہے ہو؟"

"ہاں وہاں ہوٹل کے ویٹنگ روم میں سونیا میری منتظر ہے میں اسی کے ساتھ جاؤں گا۔"

اس نے کہا۔ "دیکھو، سونیا سے دوستی بڑھ رہی ہے۔ وہ صبح ہی صبح تمہارے پاس پہنچ گئی ہے۔"

"اسے میرے پاس پہنچنے دو۔ دوستی بڑھے گی کیونکہ اس نے میری مرضی، میرے مزاج اور میرے اصول کے خلاف سپر ماسٹر کی تنظیم میں شرکت کی ہے اور وہاں کی ایک اہم رکن بن گئی ہے میرا اس کا ساتھ ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ تم اطمینان رکھو۔ یہاں پیرس میں جب تک تم نہیں آؤ گی اس وقت تک میں اس کے ساتھ یہ شہر دیکھتا رہوں گا۔ یہاں اس کی وجہ سے بہت سی سہولتیں حاصل ہوں گی مثلاً یہی کہ میں تمہاری امی کا ایڈریس بتاؤں گا تو وہ سیدھا مجھے وہاں پہنچا دے گی ــــ مجھے وہ جگہ زیادہ تلاش نہیں کرنا پڑے گی۔ اچھا، میں چلوں۔"

وہ بولی۔ "ذرا ٹھہرو۔ میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ دیکھو فرہاد، ہر انسان میں خامیوں کے ساتھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں۔ سونیا میں یقیناً خوبیاں ہوں گی جو تمہیں اچھی لگتی ہوں گی۔"

"میں تمہارے خیالات سمجھ رہا ہوں تمہیں اس بات کا شبہ ہے کہ میں شاید سونیا کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔ دیکھو، سونیا میں بہت ساری خوبیاں ہیں۔ آج اگر وہ میری دشمن بن گئی ہے اور میری مخالفت میں، میری ضد میں، میرے ہی دشمنوں کے ساتھ مل کر کام کرنے لگی ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اس کی خوبیاں بھلا دوں یا ان کا ذکر نہ کروں۔ ایسی بات نہیں ہے لیکن میں تم سے ابھی کہہ چکا ہوں کہ چونکہ اب وہ میرے خلاف جا رہی ہے اس لیے میری اور اس کی دوستی پائیدار کبھی نہیں ہو گی، تم اطمینان رکھو۔ میں پھر لنچ کے وقت تمہارے پاس آؤں گا۔"

میں مرجانہ سے رخصت ہو کر سونیا کے پاس آ گیا۔ وہ بولی۔ "تم ایشیائی باشندے وقت کے پابند نہیں ہوتے۔ میں یہاں کتنی دیر سے انتظار کر رہی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "تمہاری طرح اگر میں بھی ضرورت مند ہوتا تو صحیح وقت پر، صحیح مقام پر پہنچ جاتا۔ تم ضرورت مند ہو، مجھ سے ملنا چاہتی ہو اس لیے وقت پر آ گئیں۔ میں ایک شریف آدمی ہوں، رات بھر تمہارے متعلق سوچتا رہا ہوں کہ تم نے ایک پردیسی سے کیسا رویہ اختیار کیا تھا اور یہاں اس اجنبی دیس میں مجھے بہت سنبھل سنبھل کر قدم اٹھانا چاہیے۔ طرح طرح کے وسوسے اور اندیشے میرے دل میں پیدا ہو رہے تھے۔ ایسی حالت میں میں دیر سے سویا اور اب دیر سے اٹھا ہوں۔"

ہم باتیں کرتے ہوتے پارکنگ ایریا میں آ گئے۔ وہاں سونیا نے میرے لیے کار کا دروازہ کھولا۔ میں اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوتے بولا۔ "مجھے ایک بوڑھی خاتون سے ملاقات کرنا ہے۔ میرے پاس ان کا پتہ موجود ہے۔ کیا تم مجھے ابھی وہاں پہنچا سکتی ہو؟"

وہ دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گئی پھر کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولی۔ "ٹھیک ہے۔ میں وہاں لے چلتی ہوں۔ لیکن تمہارے متعلق میں پچھلی رات معلومات حاصل نہ کر سکی کہ تم کون ہو، کیا کرتے ہو اور یہاں کس لیے آئے ہو۔"

میں نے اسے مرجانہ کی والدہ سائرہ بانو کا ایڈریس بتانے کے بعد اپنے بارے میں بتایا کہ میں طارق محمود ہوں۔ میری ایک بیوی ہے جس کا نام شہناز ہے لیکن وہ میرے ساتھ زندگی گزارنا نہیں چاہتی۔ اس لیے میں اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر یہاں چلا آیا ہوں۔

سونیا نے پوچھا۔ "کیا کوئی اور گرل فرینڈ ہے؟"

"ہاں، ایک لڑکی ہے جس کا نام مرجانہ ہے۔ وہ بہترین فائٹر ہے اور فولادی جسم رکھتی ہے۔ اس کے سامنے بڑے بڑے شہ زور پانی ہو جاتے ہیں۔"

وہ بولی۔ "اس کی ایسی تعریفیں نہ کرو کہ میرے دل میں اس سے ملنے کی خواہش پیدا ہو جائے۔ میں ایسی لڑکیوں کی قدر کرتی ہوں۔ کاش وہ پیرس میں ہوتی تو میں اس سے ضرور ملاقات کرتی۔"

"وہ اس وقت پاکستان میں ہے لیکن میرے اندازے کے مطابق دو چار روز میں پیرس آئے گی اور اپنی والدہ سے ملاقات کرے گی۔ میں تمہیں اس سے ضرور ملاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے، مگر بات تمہاری ہو رہی تھی۔ کیا تمہارا کوئی اور اس دنیا میں نہیں ہے؟"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں۔ اور میرا کوئی بھی نہیں ہے۔"

"پاکستان میں تمہاری آمدنی کا ذریعہ کیا ہے؟"

"وہاں میں دولت مندوں سے غنڈہ ٹیکس وصول کرتا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم اپنی ہی لائن کے آدمی ہو۔ میں ایک مشورہ دیتی ہوں، اگر تم اس پر عمل کرو گے تو بے تاج کے بادشاہ بن کر عیش کرو گے۔"

میں نے کہا۔ "سونیا! سچ پوچھو تو میں اسی لیے پاکستان سے باہر نکلا ہوں کہ کسی ملک میں اپنے لیے زیادہ سے زیادہ آمدنی کے ذرائع پیدا کروں۔ خواہ وہ کتنے ہی ناجائز کیوں نہ ہوں۔ میں دولت کمانا چاہتا ہوں اگر ایسا کوئی مشورہ دو تو میں اس پر ضرور عمل کروں گا۔"

"بس تو یوں سمجھو کہ تم صحیح مقام پر پہنچ گئے ہو۔ میں تمہیں دولت کمانے کے مواقع فراہم کروں گی۔ شرط یہ ہے کہ تمہیں میرا ماتحت بن کر رہنا ہو گا جیسا کہ پچھلی رات تم نے دوسرے ماتحتوں کو دیکھا تھا۔"

"مجھے منظور ہے۔ کیا مجھے یہاں کی شہریت مل جائے گی؟"

"اس کی پروا نہ کرو۔ میں دنیا کے جس حصے میں جایا کروں گی۔ تم وہاں میرے ساتھ رہو گے۔"

میں نے خوش ہو کر کہا۔ "پھر تو مزے آ جائیں گے۔"

"ہاں، جب خطرات کا سامنا ہو گا تب تمہیں پتہ چلے گا کہ کتنے مزے آتے ہیں۔ میں بہت ہی پُرخطر زندگی گزارتی ہوں۔ جب دیکھو گے تو میرا خیال ہے کہ شروع میں یقیناً گھبرا جاؤ گے۔"

"شاید تمہیں نہیں معلوم کہ میں کتنے خطرات سے گزر چکا ہوں۔ میں کوئی بزدل آدمی نہیں ہوں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر میں ایسا ہوتا تو تم کبھی مجھے اپنے ساتھ رکھنے کا ارادہ بھی نہ کرتیں۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ میری ریڈنگ کے مطابق تم بہت کام کے آدمی ہو لیکن تمہیں یہاں رہنے کے لیے یا کہیں بھی میرے ساتھ چلنے کے لیے اپنی صورت بدلنی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے میک اپ کرنا آتا ہے۔ میں کتنے ہی روپ بدل سکتا ہوں۔"

"تم نہیں سمجھے۔ میک اَپ تو عارضی ہوتا ہے لیکن بعض ممالک میں بڑی زبردست تفتیش ہوتی ہے اور ایسے ایسے طریقے سے میک اَپ اتارا جاتا ہے کہ وہاں ماسک میک اَپ بھی کام نہیں آتا۔ میں چاہتی ہوں کہ مستقل طور پر تمھارے چہرے کو بدل دیا جائے۔ مجھے جس شخص کی تلاش ہے، اسی شخص کا چہرہ میں تمھارے چہرے پر دیکھنا چاہتی ہوں۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا تم مجھے فرہاد بنانا چاہتی ہو؟"

"ہاں میں تمھیں فرہاد علی تیمور بنا کر اپنے ساتھ رکھوں گی۔ ریڈیاور ہماری مخالف تنظیم ہے۔ جب وہ تمھیں فرہاد کے روپ میں دیکھے گی تو ان کے چھکے چھوٹ جائیں گے اور وہ ہر ممکن طریقے سے ہمارے ساتھ یہ سودا کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم ان کے ساتھ ہو جائیں اور میں اسی بہانے ان کے خاص لوگوں تک پہنچنا چاہوں گی اور مجھے یقین ہے کہ میں ان کے بہت سے رازوں اور بہت سے اہم لوگوں تک پہنچ جاؤں گی بس تمھارا چہرہ تبدیل کرنے کی دیر ہے۔"

میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو میرا پیدائشی چہرہ ہے اسے میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ سب کچھ پلاسٹک سرجری کے ذریعے ہوگا۔"

"پھر تو میں کبھی اپنا چہرہ واپس نہیں پا سکوں گا!"

"ہاں۔ اس کی ضرورت بھی کیا ہے۔ تم فرہاد علی تیمور جیسی مشہور شخصیت کے روپ میں رہو گے اور ہر جگہ تمھاری قدر ہوگی تو تمھیں طارق محمود کے گمنام چہرے سے کیا لینا ہے؟"

وہ مجھے طرح طرح سے اس بات پر آمادہ کرنا چاہتی تھی کہ میں پلاسٹک سرجری کے لیے تیار ہو جاؤں۔ میں نے اپنی الجھنوں کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے جو مجھے اس مسئلے میں الجھا کر رکھ دیا ہے۔ میں اچھی طرح سوچ کر تمھیں جواب دوں گا۔"

وہ بولی۔ "ہاں، ابھی سوچنے کے لیے کافی وقت ہے۔ پلاسٹک سرجری کے لیے ابتدائی مراحل سے گزرنے کے دوران تم سوچتے رہو۔ اگر تم انکار کر دو گے تو یہ معاملہ ختم کر دیا جائے گا ورنہ پلاسٹک سرجری کے آخری مرحلے سے بھی گزر جاؤ گے۔ آج میں تمھیں چہرے کا ایکسرے کرانے کے لیے لے جاؤں گی۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تمھارے چہرے کی ہڈیوں کی ساخت کو دیکھا جائے گا۔ اس کے بعد یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ تم پر فرہاد علی تیمور کا چہرہ بنایا جا سکتا ہے یا نہیں۔"

ہم ایسے علاقے میں پہنچ گئے جہاں پرانے طرز کی رہائشی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ انھی میں ایک عمارت سائرہ بانو کی ملکیت تھی۔ سونیا نے اس عمارت کے گیٹ کے سامنے کار لے جا کر کھڑی کر دی۔ دربان نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ ہم کس سے ملنا چاہتے ہیں؟

میں نے اُسے مرجانہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ میں سائرہ بانو سے ملنا چاہتا ہوں اور ان کی بیٹی کا پیغام پہنچانے آیا ہوں۔

دربان نے کہا۔ "صاحب! وہ تو ابھی ابھی ایئرپورٹ گئی ہیں۔ آج وہ اپنے رشتے داروں سے ملنے پاکستان جا رہی ہیں۔"

یہ بات سن کر میں چونک گیا۔ میں نے پوچھا۔ "پلین کس وقت یہاں سے روانہ ہوگا؟"

"پتہ نہیں صاحب! میں ابھی فون کے ذریعے معلوم کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ گیٹ کے پاس بنے ہوئے کیبن میں گیا اور وہاں سے ریسیور اٹھا کر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھ رہا تھا۔ وہ ایئرپورٹ کی انکوائری آفس سے معلومات حاصل کر رہا تھا۔ معلوم یہ ہوا کہ وہ طیارہ ابھی ابھی روانہ ہوا ہے اور شام تک پاکستان پہنچ جائے گا۔ اس فلائٹ کا نمبر بھی مجھے معلوم ہو گیا۔ وہ دربان ریسیور رکھ کر میرے قریب آیا اور اس نے وہی معلومات فراہم کیں۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر سونیا نے کار واپس موڑ لی۔ ذرا آگے جا کر اس نے پوچھا۔ "کیا یہاں اور بھی کوئی تمھارا ملنے والا ہے؟"

"نہیں۔ اور کوئی نہیں ہے۔ اب تم مجھے جہاں چاہو لے جا سکتی ہو۔"

ایسا کہتے ہوئے میں نے اپنا ایک ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔ وہ ذرا ناراضگی سے بولی۔ "یہ کیا حرکت ہے۔ اپنا ہاتھ ہٹا لو۔ تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔"

"میں اگر تمھیں غلط سمجھ رہا ہوں تو پھر میرا تمھارا ساتھ نہیں ہوگا کیونکہ میں حسین عورتوں کے ساتھ اسی طرح وقت گزارنا پسند کرتا ہوں۔ تم کافی دلکش ہو۔"

"پہلے ہاتھ ہٹاؤ۔ پھر باتیں کرو۔"

میں نے اس کے شانے پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ وہ بولی۔ "آئندہ کبھی میری طرف اس خیال سے نہ بڑھنا۔ ورنہ تمھیں پچھتانے کا بھی موقع نہیں دوں گی۔ میں ایسی باتیں پسند نہیں کرتی ہوں۔ رہ گیا یہ کہ تم ایسی باتوں کے عادی ہو تو میرے ساتھ رہو گے تو میں تمھارے لیے ایک سے ایک حسین لڑکی فراہم کر دوں گی۔ تمھیں کسی بات کی کمی نہیں ہوگی۔"

میں نے کہا۔ "کوئی حسین لڑکی پسند آئے گی تو دیکھا جائے گا۔ ابھی تو تم مجھے پسند ہو، اپنی بات کرو۔"

"میں تمھیں کہہ چکی ہوں کہ میرا خیال دل سے نکال دو اور ایسی باتیں مجھ سے نہ کرو، ورنہ میری دوستی دشمنی میں بدل جائے گی۔"

میں نے اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا۔ "تو پھر یہی سہی۔ میں دشمن بن کر بھی تمھیں پسند کرتا رہوں گا۔ تم نے مجھے پلاسٹک سرجری کے متعلق غور کرنے کا وقت دیا ہے۔ میں بھی تمھیں وقت دے رہا ہوں۔ اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے والا معاملہ ہے۔ میں تمھاری بات مان کر پلاسٹک سرجری کے لیے راضی ہو جاؤں گا، تم میرے ساتھ رشتہ جوڑنے کے لیے راضی ہو جاؤ۔ میں بھی تمھیں وقت دے رہا ہوں۔"

یہ میں جانتا تھا کہ وہ طارق محمود کی شخصیت کے آگے کبھی نہیں جھکے گی اور نہ ہی کسی طور اسے پسند کرے گی لیکن میں اُسے الجھانا چاہتا تھا۔ پلاسٹک سرجری خود میری ضرورت تھی لیکن میں سمجھ چکا تھا کہ اسکی بھی ضرورت ہے اور وہ مجھے فرہاد بنا کر اپنے پاس ایک کھلونے کی طرح رکھنا چاہتی ہے۔ اس لیے میں شرط پیش کر کے اسے الجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ چپ ہو گئی تھی لیکن میں اس کی دماغی کیفیت کو سمجھ رہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر اپنے غصے کو برداشت کر رہی تھی۔ کوئی مرد اس سے اس انداز میں باتیں کرے وہ برداشت نہیں کرتی تھی، اسی وقت اس کے ہاتھ پاؤں توڑ کر رکھ دیتی تھی لیکن میرے ساتھ معاملہ کچھ اور تھا۔ وہ مجھ سے ذرا نرمی سے پیش آ کر اپنا مقصد پورا کرنا چاہتی تھی اور اب یہ سوچ رہی تھی کہ اگر میری یہی شرط ہے تو پھر جبراً پلاسٹک سرجری کے لیے راضی کرے گی اور اس کے لیے مجھے اپنا قیدی بنا کر رکھے گی۔

میں نے اسے خیالات میں غرق دیکھا تو مرجانہ سے رابطہ قائم کر لیا۔ وہ بولی۔ "تم بے وقت کیسے آ گئے؟ لنچ کے وقت ملاقات کرنے والے تھے۔ کیا تم بھی میرے ہی بارے میں سوچتے رہتے ہو؟ مجھے ہی یاد کرتے رہتے ہو؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ رہ رہ کر تم یاد آتی رہتی ہو۔ کبھی یہاں پیرس کی رنگینیوں میں گم ہو جاتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ تم ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔ بہرحال میں تمھیں ایک خوش خبری سنانے آیا ہوں، اور وہ یہ کہ تمھاری امّی شام تک پنڈی پہنچنے والی ہیں۔"

وہ کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک دم سے سیدھی ہو کر بے یقینی سے بولی۔ "کیا سچ کہہ رہے ہو؟"

"بالکل سچ۔ میں ان سے ملنے کے لیے ان کی رہائش گاہ پر گیا تھا تو دربان نے بتایا کہ وہ ابھی کی فلائٹ سے پاکستان گئی ہیں اور میں تمھیں نمبر بتا رہا ہوں۔ تم وہاں انکوائری کرو کہ یہ فلائٹ کب پہنچے گی۔ اندازہ ہے کہ شام تک تم اپنی امّی سے مل سکو گی۔"

وہ خوشی سے کھل رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "امّی اچانک کیوں آ رہی ہیں۔ کیا تم نے معلوم کیا ہے؟"

"مجھے دربان نے بتایا تھا۔ وہ ٹیلیفون کے ذریعے ایئرپورٹ انکوائری آفس سے باتیں کر رہا تھا تو میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا۔ اگر تمھاری امّی اپنی روانگی کی وجہ بتاتیں تو میں اس دربان کے دماغ کو کرید کر وجہ معلوم کر لیتا۔ اب چونکہ میں نے تمھاری امّی کو دیکھا نہیں ہے، ان کی باتیں نہیں سنی ہیں، اس لیے میں ان کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے پتہ نہیں کہ وہ اچانک پنڈی کیوں جا رہی ہیں۔ اب تو تھوڑی دیر کی بات ہے۔ شام تک تمھیں خود معلوم ہو جائے گا۔"

"اوہ فرہاد! تم کتنے اچھے ہو، کتنے باکمال ہو۔ تم نے مجھے بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے اور یہ ٹیلی پیتھی نہ ہوتی تو آن کی آن میں یہ اطلاع مجھ تک کیسے پہنچتی کہ میں شام تک اپنی امی سے ملنے والی ہوں۔"

اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ میں اسے بیس برس کی بچھڑی ہوئی تمام مسرتیں دے کر واپس آ گیا تھا۔ سونیا کار ڈرائیو کر رہی تھی اور اب وہ اپنے خیالات سے چونک گئی تھی۔ پھر کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ کر بولی۔ "سوری۔ میں تمھاری باتوں میں الجھ گئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ تمھاری شرط کو میں قبول کر سکتی ہوں یا نہیں۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "ہاں۔ دنیا میں یہی تو ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کی ضرورت پوری کر کے ہی لوگ زندہ رہتے ہیں۔ تم میری ضرورت پوری کرو، میں تمھاری ضرورت کے مطابق پلاسٹک سرجری کرا لوں گا۔"

"تم بڑی تیزی سے بولتے ہو اور بڑی تیزی سے خود ہی فیصلہ کر لیتے ہو۔ میں نے ابھی یہ نہیں سوچا کہ میں تمھاری بات کس حد تک مان سکتی ہوں۔ بہرحال آج رات تک سوچ کر جواب دوں گی۔ اب یہ شہر دیکھو۔ میں تمھیں ساری جگہیں بتاتی ہوئی چل رہی ہوں۔"

وہ ایک گائیڈ کی طرح بتاتے ہوئے چل رہی تھی کہ ہم کہاں سے گزر رہے ہیں۔ کون سی عمارت ہے، کون سی سڑک کا کیا نام ہے۔ میں سن رہا تھا لیکن رہ رہ کر اس کے دماغ کو بھی ٹٹول رہا تھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ رات تک اگر میں اپنی شرط سے باز نہ آیا تو وہ مجھے قید کر لے گی اور اس وقت تک نہیں چھوڑے گی جب تک پلاسٹک سرجری کے ذریعے میرا چہرہ نہیں بدل جائے گا۔ پھر وہ مجھے کسی قتل وغیرہ کے جرم میں ملوث کر دے گی اور باقاعدہ میری تصویریں اتارے گی جن کے ذریعے مجھے بلیک میل کیا جائے گا کہ اگر میں نے اس کے حکم کی تعمیل نہیں کی تو مجھے قانون کے حوالے کر دیا جائے گا اور پھر مجھے الیکٹرک چیئر پر بیٹھنا ہوگا یا پھانسی کے تختے پر چڑھنا ہوگا۔

وہ ایسی بہت سی تدبیریں سوچ رہی تھی۔ ہر تدبیر کا مقصد یہی تھا کہ وہ مجھے اپنی مٹھی میں رکھے۔ اس نے اس سلسلے میں موس ٹرونی سے کہہ دیا تھا کہ اسے فرہاد کی ایک کاربن کاپی مل گئی ہے۔ صرف چہرے کی کمی ہے۔ اسے پلاسٹک سرجری کے ذریعے پورا کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا پلاسٹک سرجری کا جلد از جلد انتظام کیا جائے۔ موس ٹرونی نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی، جس پر سونیا نے وعدہ کیا تھا کہ لنچ کے وقت وہ مجھے موس ٹرونی کے پاس لے جائے گی اور ہمارا تعارف کرائے گی۔ پھر ماسٹر موس ٹرونی خود ہی دیکھے گا کہ میں فرہاد سے کتنی مشابہت رکھتا ہوں۔

سونیا پیرس کی سیر کراتے ہوئے مجھے وہاں کے ایک بہت بڑے سرجن کے پاس لے گئی جو پلاسٹک سرجری میں بہت زیادہ شہرت کا مالک تھا۔ وہاں گیارہ بجے ملاقات کا وقت پہلے ہی مقرر کر لیا گیا تھا۔ میں سونیا کے ساتھ ویٹنگ روم میں بیٹھا تھا کہ اچانک میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ اتنے بڑے اور تجربے کار ڈاکٹر سے یہ بات چھپی نہیں رہے گی کہ میرے چہرے پر ایک بار پلاسٹک سرجری

ہو چکی ہے۔

میں ایک دم سے پریشان ہو گیا۔ سوچنے لگا کہ کس طرح سونیا سے کوئی بہانہ کر کے وہاں سے واپس چلا جاؤں۔ اگر ڈاکٹر کا سامنا ہوا اور اس نے میرے چہرے کا معائنہ کیا تو ہو سکتا ہے کہ چہرے کو چھو کر یا دیکھ کر وہ معلوم کر لے کہ میرا چہرہ اصلی نہیں ہے۔ یا پھر اُسے ایکسرے کے ذریعے معلوم ہو جاتے اور نہ معلوم ہو سکا تو یہ ہو سکتا ہے کہ سرجری کے مراحل سے گزرتے ہوئے وہ پہچان لے کسی نہ کسی طور میرا راز کھلنے والا تھا اور اس سے بچنے کا یہی طریقہ تھا کہ اسی وقت وہاں سے واپس چلا جاؤں، سونیا سے کوئی بہانہ کر دوں لیکن مصیبت یہ تھی کہ اس وقت کوئی بہانہ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔

ویٹنگ روم میں اور بھی کئی مرد عورتیں اور بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی کے چہرے میں کچھ خرابی تھی، کسی کے ہاتھ پاؤں یا جسم کے کسی حصے میں کوئی ایسا عیب تھا جسے وہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے چھپانے آیا تھا اور بے عیب بننا چاہتا تھا۔ سبھی اپنی باری کا انتظار کرنے کے لیے وہاں آرام سے صوفوں پر بیٹھے تھے۔

ٹیلی پیتھی جاننے والا دماغ اچانک حادثے یا کسی پریشانی کے باعث زیادہ دیر تک بدحواس نہیں رہتا۔ فوراً ہی پُرسکون ہو جاتا ہے۔ ایک ہی بات پر توجہ مرکوز ہو جاتی ہے۔ یہی میرے ساتھ ہوتا ہے۔ ذرا سی دیر میں یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اگر سونیا کو یہ معلوم بھی ہو جائے کہ میں فرہاد ہوں اور یہ چہرہ میرا نقلی چہرہ ہے تو کون سی قیامت آجائے گی۔ مجھے تحمل سے اس بارے میں سوچنا چاہیے۔

پھر میں نے سوچنا شروع کیا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہو سکتا ہے آج پہلی ملاقات میں ڈاکٹر دُور سے میرے چہرے کا معائنہ کرے یا ہاتھ لگائے تو اس کی سمجھ میں نہ آسکے۔ اس کے بعد ایکسرے کا مرحلہ آئے گا تو اس وقت میں دیکھوں گا کہ میرا راز فاش ہوتا ہے یا نہیں۔ اس وقت تک مجھے مطمئن رہنا چاہیے اور ڈاکٹر کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے اور کیا میں اسے اپنے اعتماد میں لے کر اپنے راز کو راز رکھ سکتا ہوں یا نہیں۔

ڈاکٹر کے کمرے میں جانے کے لیے ایک دوسرا دروازہ تھا۔ جو ویٹنگ روم کے اندر سے گزرتا تھا۔ اس دروازے کے پاس ڈاکٹر کی ایک سکریٹری بیٹھی ہوئی تھی اور وہ گاہے گاہے انٹرکام کے ذریعے ڈاکٹر سے رابطہ قائم کرتی تھی۔ ڈاکٹر جو پوچھتا تھا اس کا جواب دیتی تھی۔ پھر وہ رابطہ ختم ہو جاتا تھا لیکن میں اس سکریٹری کے ذریعے ڈاکٹر کے دماغ میں نہیں پہنچ سکا۔ کیونکہ وہ دونوں فرانسیسی زبان میں گفتگو کر رہے تھے اور یہ زبان میرے پلّے نہیں پڑ رہی تھی۔ میں نے سونیا سے پوچھا۔

"کیا تم یہاں کی زبان جانتی ہو؟"

"نہیں۔ آج کل سیکھ رہی ہوں۔"

"کیا ڈاکٹر ہم سے انگریزی میں بات کرے گا؟"

"بیشک۔ وہ انگریز ہے۔ یہاں فرانسیسی لوگوں کے ساتھ وہ ان کی زبان بولتا ہے۔"

سونیا کے ساتھ بیٹھی ہوئی ایک عورت نے کہا "یہ تو بڑی اچھی بات ہے کیونکہ میں بھی صرف انگریزی جانتی ہوں اور اب میرا وقت ہو چلا ہے۔ ڈاکٹر نے مجھے دس چالیس کا وقت دیا تھا اور اب چالیس ہونے میں صرف دو منٹ باقی ہیں۔"

وہ دو منٹ بھی گزر گئے۔ پھر کچھ اور وقت گزر گیا۔ لیکن اس کی باری نہیں آئی۔ کیونکہ جو آدمی پہلے گیا ہوا تھا۔ وہ ابھی تک باہر نہیں آیا تھا۔ اس لیے اس کی باری نہیں آرہی تھی۔ حتیٰ کہ گیارہ بج گئے۔ سونیا نے کہا "گیارہ بجے تو ہمارا وقت ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگ بھی وقت کے پابند نہیں ہوتے۔ مشہور تو یہی ہے کہ یورپ کے لوگ بڑی وقت کی پابندی کرتے ہیں اور اسی میں ان کی کامیابی کا راز ہے لیکن یہ سب کچھ محض باتیں ہیں۔ ہم یہاں کب سے بیٹھے انتظار کر رہے ہیں۔"

ٹھیک گیارہ بجے سونیا کے پاس بیٹھی ہوئی عورت کا نمبر آیا۔ وہ اٹھ کر چلی گئی۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر سیٹ کی پشت پر ٹیک لگا کر کہا "ابھی تو ہمیں اور انتظار کرنا ہوگا۔" یہ کہہ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ سونیا نے میری طرف دیکھا پھر یہ سمجھی کہ میں تھکے ہوئے انداز میں آرام کر رہا ہوں۔ اس لیے وہ ایک دوسری عورت سے مخاطب ہو کر باتیں کرنے لگی۔ میں اس عورت کے دماغ میں تھا۔ جو ڈاکٹر کے کمرے میں گئی تھی۔ اور اب ڈاکٹر سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ دونوں انگریزی میں ہم کلام تھے۔ میں اس کے ذریعے ڈاکٹر کے دماغ میں پہنچ گیا۔

ڈاکٹر کو اعتماد میں لینے کے لیے اس کے مزاج کو سمجھنا ضروری تھا۔ یا پھر اسے اپنی مٹھی میں رکھنے کے لیے اس کی کسی کمزوری کو تلاش کرنا تھا۔ اور کسی کی کمزوری اتنی جلدی نہیں مل جاتی۔ دماغ میں پہنچنے کے بعد بھی ذرا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کے دماغ کو کریدنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر اس کے اندرونی حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اس وقت وہ کاروباری انداز میں اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور مریضوں کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن انسان کے دماغ میں کوئی پریشانی ہو تو وہ سوتے جاگتے بھی اس کا دماغ کسی نہ کسی طرح ابھارتا ہے۔ سوتے وقت اگر گہری نیند میں ہو تو وہ پریشانی خواب کی صورت میں آتی ہے اور کاروباری انداز میں بیٹھا ہو تو وہ کاروبار میں اپنا دماغ تو صرف کرے گا لیکن ساتھ ہی وہ پریشانی بھی غیر شعوری طور پر اس کے دماغ میں موجود رہے گی۔

میں ایسی ہی ایک پریشانی تک پہنچ گیا۔ پریشانی یہ بھی کہ پیرس کے ماسٹر موسیٰ ٹرونی کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ طارق محمود نامی ایک شخص کو پلاسٹک سرجری کے ذریعے تبدیل کرنا ہے اور یہ بات اس ڈاکٹر کے مزاج کے خلاف بھی تھی۔ اور اصول کے خلاف بھی کیونکہ وہ صرف

[illegible] لوگوں کی پلاسٹک سرجری کرتا تھا جن میں کوئی عیب ہوتا تھا۔ وہ ان کے جسمانی عیوب کو اپنے فن کے ذریعے دور کرتا تھا۔ اس طرح انسانیت کی خدمت میں مصروف رہتا تھا۔ اور [illegible] متعلق موسیٰ ٹرونی اور سونیا نے اسے یہ بتایا تھا کہ [illegible] بالکل صحیح و سالم ہوں۔ مجھ میں کوئی عیب نہیں ہے۔ صرف [illegible] باتیں ہیں۔ جن کی بنا پر میرا چہرہ تبدیل کرنا ضروری ہے۔

ڈاکٹر کا نام میکی براڈلے تھا میکی ایسا اس لیے نہیں کرنا چاہتا تھا کہ بہت سے مجرم اپنے آپ کو قانون کی نظروں سے [illegible] کے لیے بھی پلاسٹک سرجری کا سہارا لینے آجاتے تھے۔ [illegible] ایسے لوگ جو صحیح اور سالم ہوتے تھے۔ وہ ان کی سرجری کبھی نہیں [illegible] تھا لیکن وہ میرے سلسلے میں مجبور ہو رہا تھا۔

[illegible] لوگ تخریب پسند ہوتے ہیں۔ اور کسی کو اپنے اشاروں پر نچانا [illegible] ہیں۔ تو اس کے لیے وہ اس کی کمزوری [illegible] کرتے ہیں۔ ڈاکٹر [illegible] کمزوری موسیٰ ٹرونی کے ہاتھ میں تھی۔ اور وہ [illegible] کے ذریعے [illegible] بلیک میل کر رہا تھا۔ میں اس کی کمزوری کو معلوم کرنا ہی چاہتا [illegible] اس نے اپنے ذہن کو جھٹک کر سوچا۔ اُف میں کیا سوچ رہا ہوں [illegible] ایک مریضہ میرے سامنے بیٹھی ہوئی ہے۔ میں اس کو پوری [illegible] ساتھ اٹینڈ نہیں کر رہا ہوں۔ اسی وقت اس کے سامنے [illegible] مریضہ نے کہا "ڈاکٹر آپ کچھ پریشان نظر آتے ہیں۔"

وہ سر تھام کر بولا "ہاں، کچھ ایسی ہی بات ہے۔ آج میں آرام [illegible] ہوں۔ اگر تم کچھ خیال نہ کرو۔ تو کل اسی وقت آجاؤ۔ میں [illegible] سکریٹری سے ٹائم نوٹ کرائے دیتا ہوں۔ کل تمہیں توجہ سے دیکھوں [illegible] باتیں کروں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے انٹرکام کے ذریعے اپنی سکریٹری سے رابطہ [illegible] اس مریضہ کے لیے دوسرے دن کا ٹائم نوٹ کرایا۔ [illegible] دیا کہ مادام سونیا کو یہاں بھیجا جائے۔

[illegible] عورت نے کہا "ڈاکٹر آپ پریشان ہو رہے ہیں۔ مجھے [illegible] نہیں دیکھ سکتے۔ پھر دوسرے مریضوں کو کیوں بلا رہے ہو؟"

ڈاکٹر نے کہا "یہ آخری مریض ہے۔ ان سے کچھ ضروری باتیں [illegible] اس کے بعد میں چھٹی کر دوں گا۔ تم جاؤ۔"

وہ عورت باہر آرہی تھی۔ ادھر سے ہم اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے [illegible] رہے تھے۔ چند لمحوں کے بعد ہم ڈاکٹر کے سامنے میز کے [illegible] کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے ہمیں دیکھتے ہی [illegible] کھولی۔ پھر اسے کھولا تو اوپر ہی میری یعنی فرہاد علی تیمور کی ایک [illegible] تصویر رکھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے تصویر کو دیکھا۔ پھر مجھ پر ایک [illegible] [illegible]

میں نے فوراً ہی اُس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ فرہاد کی تصویر کو دیکھ کر میرے موجودہ چہرے کی ساخت کو سمجھ رہا ہے۔ میکی براڈلے برسوں کا تجربہ کار ڈاکٹر تھا۔ سیکڑوں بگڑے ہوئے چہرے اُس کے ہاتھوں سے بن کر نکلے تھے۔ وہ ہر چہرے کی جلد کے پیچھے ہڈیوں کی مخصوص ساخت کو سمجھ لیتا تھا۔ اس وقت وہ میرے چہرے کو تکنے کے دوران یہی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میرے چہرے کی ہڈیوں پر فرہاد کی صورت منڈھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

یعنی یہ اطمینان ہوا کہ وہ ابھی میرے پلاسٹک زدہ چہرے کو نہیں سمجھ رہا تھا۔ سونیا نے بڑے تحکمانہ انداز میں کہا "ڈاکٹر میں کوئی معمولی عورت نہیں ہوں لیکن آج مجھے عام لوگوں کی طرح تھکا دینے والے ویٹنگ روم میں بیٹھنا پڑا۔"

"مجھے افسوس ہے مادام۔ میں نے ماسٹر موسیٰ ٹرونی سے درخواست کی تھی کہ مجھے آج گیارہ بجے تک سوچنے کا موقع دیا جائے مگر انھوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ آپ اس وقت طارق محمود کے ساتھ یہاں پہنچ جائیں گی۔ میں اپنی ذہنی پریشانیوں کے باعث اس بات کا خیال نہ کر سکا۔ معافی چاہتا ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے لیکن اب یہ کیس سب سے پہلے ہاتھ میں لو۔ جب تک مسٹر طارق کا چہرہ مکمل فرہاد کا چہرہ نہ بن جائے اس وقت تک تم کسی دوسرے کو پلاسٹک سرجری کے لیے اپنے آپریشن تھیٹر میں نہیں لے جاؤ گے۔"

ڈاکٹر میکی نے کہا "مادام! جب ایک چہرے کی سرجری مکمل ہو جاتی ہے تو وہ چہرہ مخصوص مدت کے لیے پٹیوں میں چھپا رہتا ہے۔ سرجری کے بعد ڈاکٹر کا کام بس اتنا ہی رہ جاتا ہے کہ وہ مخصوص مدت کے بعد اس چہرے کو پٹیوں سے آزاد کر دے میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان صاحب کی سرجری کے بعد میں دوسرے کیس نمٹانے کے لیے آزاد ہو جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ کیا ابھی سے کام شروع کر رہے ہو؟"

"جی ہاں میں ابھی انھیں ایکسرے کے لیے دوسرے کمرے میں لے جا رہا ہوں۔ آپ یہاں انتظار کریں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان صاحب کے چہرے کی ہڈیوں پر یہ تصویر والا چہرہ بن سکتا ہے یا نہیں۔ آئیے مسٹر۔"

وہ کرسی سے اٹھ کر ایک دروازے کی طرف بڑھنے

ں بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے چلتا ہوا ایک
یں پہنچا۔ جہاں ایکسرے مشین نصب تھی۔ اس نے
ے کو اندر سے بند کرلیا۔ میں نے پوچھا "ڈاکٹر یہاں
مجرم بھی آتے ہوں گے جو خود کو چھپانے کے لیے پہلے
یں پلاسٹک سرجری کرلیتے ہوں"۔
ڈاکٹر نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے
ی سے کہا "تم اپنے کام سے کام رکھو۔ میں فضول
پسند نہیں کرتا۔ آؤ یہاں مشین کے پاس کھڑے ہوجاؤ"۔
ماسٹر موس ٹروفی کی بلیک میلنگ نے ڈاکٹر کو چڑچڑا
تھا۔ میں نے اس کی ہدایت کے مطابق مشین کے
کھڑے ہو کر اس کی سوچ کے ذریعے اپنے سوال کا
طلب کیا۔ وہ میرے چہرے کی ہڈیوں کا فوٹو
کے دوران سوچنے لگا "ایک بار ایسا مجرم آیا تھا
کے چہرے پر پہلے بھی پلاسٹک سرجری کی گئی تھی میں
مرحلوں میں سمجھ نہ سکا لیکن چہرے کی سرجری کے
قدرتی جلد اور پلاسٹک کی مصنوعی جلد کا فرق معلوم
ہے۔ میں نے اس مجرم کی اصلیت معلوم کرلی تھی"۔
میرے لیے لمحۂ فکر تھا۔ ایکسرے رپورٹ کے باوجود
نہ کھلتا لیکن سرجری کے دوران میں کیسے چھپ سکتا
سوچنے کے لیے میرے پاس کافی وقت تھا۔ اس
میں بخیریت ایکسرے مشین کے پاس سے گزر کر آ
ں پر سونیا نے کہا "چلو میں تمھیں پیرس کے ماسٹر
ں گی۔ وہیں دوپہر کا کھانا کھائیں گے"۔
ں نے پوچھا "تم نے میری درخواست پر غور کیا؟"
ن سی درخواست؟"
بھو انجان نہ بنو۔ تم سمجھ رہی ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں"۔
چھا سمجھ گئی"۔
جھے بھی سمجھا دو"۔
بھو تم جو کچھ چاہتے ہو وہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ
املہ ہے"۔
یا تمھارا دل کہیں اور اٹکا ہوا ہے؟"
ں ایسا تھا مگر اب اُسے ہمیشہ کے لیے دل
دیا ہے اسی فرہاد کو"۔
با اب سمجھا۔ تم مجھے فرہاد کی ڈمی بنا کر اپنے پاس
تی ہو تاکہ اُسے کھونے کا ملال نہ رہے"۔
سی کا ملال نہیں کرتی میں اور قسم کی عورت ہوں"۔
ر مجھے فرہاد کیوں بنا رہی ہو؟"

وہ ہونٹوں کو بھینچ کر چند لمحوں تک خاموش رہی۔
پھر بولی "فرہاد نے مجھے چیلنج کیا تھا کہ میں اس کے بغیر
نہیں رہ سکتی۔ آج اس سے دُور بھاگ رہی ہوں کل پلٹ
کر آجاؤں گی اور میں نے اُسے جواب دیا تھا کہ میں اُسے
دل سے نکال ڈالوں گی"۔
"تم دل سے نکالو گی تو وہ دماغ میں آجائے گا"۔
"ہاں وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ تب میں نے
کہا کہ اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے میں کسی معقول شخص
سے شادی کرلوں گی"۔
میں نے خوش ہو کر کہا "میں معقول ہوں۔ فرہاد کا
چہرہ ملنے کے بعد نہایت ہی معقول نظر آؤں گا۔ تم یقیناً
مجھ سے شادی کرسکتی ہو"۔
اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر جلدی سے ونڈ اسکرین
کے پار دیکھتے ہوئے اور ڈرائیو کرتے ہوئے مجھے ٹالنے
کے لیے بولی "ہوں پلاسٹک سرجری کے بعد یہ فیصلہ کروں
گی۔ ابھی تمھیں صبر کرنا چاہیے"۔
ماسٹر موس ٹروفی کے بنگلے میں سپر ماسٹر کی تنظیم کے
کچھ اہم افراد بھی موجود تھے۔ انھیں اس بات کا تجسس تھا
کہ سونیا جسے فرہاد کا چہرہ دینا چاہتی ہے وہ کون ہے؟
کیسا ہے؟ کیا واقعی اپنے طور طریقے سے گفتگو سے لہجے
سے اور آنکھوں سے فرہاد کی طرح لگتا ہے؟ یہ سب کچھ
دیکھنے کے لیے وہاں تنظیم کے خاص افراد جمع تھے۔ موس
ٹروفی کے دو مہمانوں کی حیثیت سے دو ملکوں کے ماسٹر وہاں
موجود تھے۔ ایک اور اہم شخص وہاں ملازم کی حیثیت سے تھا
اور ہمارے سامنے کھانا وغیرہ لاکر رکھنے والا تھا اور ہمارے کھانے
کے دوران وہ میرے سامنے کھڑا رہ کر میری ایک ایک حرکت
کا جائزہ لینے والا تھا۔
انھیں شبہ تھا کہ جب میری آنکھیں فرہاد کی طرح ہیں
لب و لہجہ اس کی طرح ہے اور چال بھی ویسی ہی ہے تو ممکن
ہے فرہاد ہی کسی طرح طارق محمود کے روپ میں آگیا ہو۔ یہ
باتیں میں نے وہاں جاکر رفتہ رفتہ معلوم کی تھیں جب میں
ماسٹر موس ٹروفی کے یہاں پہنچا تو اس سے آدھ گھنٹہ پہلے
وہ میری مختلف فلمیں چلا کر دیکھ چکے تھے۔ ایسی فلمیں جو
تین چار سال پہلے مجھ سے چھپ کر اتاری گئی تھیں۔ میرا
ریکارڈ رکھنے کے لیے ان لوگوں نے مختلف وقتوں میں
مختلف مقامات پر میری فلمیں تیار کی تھیں۔ ان فلموں کو بھی
انھوں نے دیکھ کر میری حرکات و سکنات کو ذہن میں محفوظ

کیا تھا تاکہ جو طارق محمود آنے والا ہے اُس سے موازنہ کیا جاسکے۔

جب میں وہاں سونیا کے ساتھ پہنچا تو صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی نظر آئیں۔ پانچ یا چھ انتہائی حسین عورتیں تھیں۔ اُن کے لباس بھی اُن کے جسموں پر ایسے سج رہے تھے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے۔ سونیا میری حسن پرستی کو سمجھتی تھی۔ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ طارق محمود ہے یہ بھی ویسا ہی حسن پرست ہے یا صرف اُس کی ذات سے دلچسپی لے رہا ہے۔

اُس نے ہر ایک سے میرا تعارف کرایا۔ میں نے باری باری سبھی سے مصافحہ کیا۔ سب نے مجھ سے مل کر خوشی کا اظہار کیا۔ ایک لڑکی جس کا نام مس کیتھی بتایا گیا۔ اُس نے پُرجوش انداز میں مصافحہ کیا وہ تھی بھی بہت اچھی۔ اس نے مصافحہ کے وقت میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا: "میں بڑی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم ہوٹل میں دو آدمیوں سے تنہا لڑ چکے ہو اور اُنھیں بُری طرح شکست دی ہے جو شکست کھا کر آئے وہ تمھارے لڑنے کے انداز کی تعریفیں کر رہے تھے۔"

میں نے مسکرا کر پوچھا: "کیا تمھیں لڑائی جھگڑے سے بہت زیادہ دلچسپی ہے؟"

وہ جواباً مسکرا کر بولی: "مجھے دلیر مرد پسند ہیں میں ان کی قدر کرتی ہوں۔ اِن سے ملو۔ یہ ہیں ماسٹر ہچکو۔"

میں نے قریب کھڑے ہوئے شخص کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ وہ بہت ہی قد آور پہلوان نما تھا۔ اُس کی جسامت اور اُس کی صحت دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ وہ ایسے فائٹروں میں سے ہے جو اپنے مقابل کو یا تو مار ڈالتے ہیں یا لڑتے لڑتے مر جاتے ہیں لیکن میدان چھوڑ کر بھاگنا گوارا نہیں کرتے۔

میں نے مسکرا کر اُس کی طرف دیکھا تو اُس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے بھی مسکراتے ہوئے اُس سے مصافحہ کیا یوں لگا جیسے میرا ہاتھ کسی آہنی شکنجے میں پھنس گیا ہے۔ اس نے بڑی سفاکی سے باچھیں پھیلا کر دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا: "میں اسکاٹ لینڈ کا ماسٹر ہچکو ہوں۔ میں تمھیں اپنی آواز اِس لیے سُنا رہا ہوں کہ تم فرہاد ہو تو میں تمھیں خیال خوانی کی دعوت دیتا ہوں۔ تم پر حملہ کرتا ہوں۔ اپنی حفاظت کرنا چاہو تو خیال خوانی کے ذریعے کر سکتے ہو اور۔ اگر صرف طاقت کا مظاہرہ کرو گے تو یہاں تمھاری بڑی پسلی ایک ہو جائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے مس کیتھی پسند ہیں لیکن یہ کہتی ہیں کہ میں کسی بہت بڑے مقابل سے لڑ کر دکھاؤں۔ لہٰذا میں کیتھی کو بھی یہ تماشا دکھانا چاہتا ہوں۔ اگر تم اب تک سنبھل چکے ہو تو پھر یہ لو..."

یہ کہتے ہی اُس نے میرے ہاتھ کو ایک زوردار طریقے سے جھٹکا دیا۔ اُس کا چیلنج سُنتے ہی میں سنبھل گیا تھا۔ اس کے باوجود مجھے اُس کی طاقت کا اعتراف کرنا پڑا۔ اُس نے بڑی آسانی سے میرے ہاتھ کو جھٹکا دے کر مجھے اپنے سامنے سے کھینچتے ہوئے اپنی پشت کی طرف پھینک دیا تھا اور میں بالکل جیسے کسی تنکے کی طرح اُڑتا ہوا دُور جا گِرا تھا۔

اس وقت ہم سب ایک بہت بڑے ٹی وی لاؤنج میں تھے۔ وہ ٹی وی لاؤنج اتنا بڑا تھا کہ وہاں دو جنگلی بھینسے آسانی سے ٹکرا سکتے تھے۔ میں فرش پر سے اُٹھتے ہوئے اور اپنی کمر کو سہلاتے ہوئے بولا: "سونیا کیا یہ لنچ کی دعوت ہے؟"

سونیا نے ماسٹر موس ٹروفی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "دیکھو ماسٹر دیکھو، فرہاد بھی مقابلے کے وقت ایسی ہی زندہ دلی کی باتیں کرتا ہے۔ کیا تم مارک کر رہے ہو؟"

موس ٹروفی نے "ہاں" میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "ہاں بالکل ویسا ہی انداز ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس کی جوابی کارروائی کیا ہوگی؟"

اس وقت تک میں تن کر کھڑا ہو گیا تھا اور پینترا بدلتے ہوئے ماسٹر ہچکو کو دیکھ رہا تھا جو بڑے ہی مغرورانہ انداز میں دونوں ہاتھ کمر پر رکھے یوں کھڑا ہوا تھا جیسے مجھے چیونٹی سمجھ رہا ہو اور اتنا اعتماد ہو کہ میں پینترا بدل کر جدھر سے آؤں گا وہ مجھے منہ توڑ جواب دے گا۔

میں اُس کے خیالات کے ذریعے اُس کے حملوں کو بھی سمجھ سکتا تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ اگر میں اُس کے خطرناک حملوں سے بچ جاتا اور جواباً حملے کرتا تو یہ شبہ یقین میں بدل جاتا کہ میں خیال خوانی کے ذریعے اپنی حفاظت کر رہا ہوں اور خیال خوانی کے ذریعے اپنے مقابل کو کمزور بنا کر اُس کی پٹائی کر رہا ہوں۔

اِس لیے میں نے خیال خوانی کا سہارا نہیں لیا۔ پہلا حملہ میں نے یوں کیا کہ اچانک ہی فضا میں اچھل کر اس کی طرف گیا تاکہ اُس کے سینے پر فلائنگ کِک ماروں

لیکن وہ بڑا پھُرتیلا تھا۔ عین وقت پر ایک طرف ہٹ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں فضا میں اُڑتا ہوا دوسری طرف سونیا کے قریب گر پڑا۔ سخت چوٹیں آئیں لیکن میں ایسا کمزور بھی نہیں تھا کہ ایک دو حملوں میں ہی پست ہو جاتا۔ زندگی نے اتنی ٹھوکریں ماری تھیں کہ اب کوئی انسان اپنی ٹھوکروں سے مجھے جھکا نہیں سکتا تھا۔ سونیا نے میری پیٹھ کو سہلاتے ہوئے کہا: "اٹھ جاؤ بیٹے ابھی تو ابتدا ہے۔ ذرا تمھارے ہاتھ پاؤں ٹوٹیں گے تو پتہ چلے گا کہ سونیا کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے کیسی کیسی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔"

میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا: "آہ! اس وقت تم میری پیٹھ سہلاتے ہوئے بوڑھی دادی اماں لگ رہی ہو۔ ذرا پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں ابھی اپنا کچھ تماشا دکھاتا ہوں۔" ابھی میری بات پوری ہوئی تھی کہ کراٹے کا ہاتھ میرے منہ پر پڑا۔ ماسٹر ہچکو میرے سر پر آپہنچا تھا میرے سنبھلنے سے پہلے اس نے دوسرا ہاتھ جمایا۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے ہٹتا گیا۔ پھر اچانک ہی میں نے ایک بیٹھک مار کر اُسے اپنے اوپر لے لیا۔ اُس کے بعد اسے دونوں شانوں پر لے کر اُٹھا اور اس کے ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے اُسے اپنے سر کے اُوپر بلند کر لیا۔ وہ اس اعتماد سے حملہ کر رہا تھا کہ میں کوئی جوابی حملہ نہیں کرسکوں گا۔ جب میں نے اُسے سر سے اُوپر بلند کر لیا تو وہ بوکھلا سا گیا اور میری گرفت میں تڑپنے لگا۔ میں اُسے گول چکر دے رہا تھا پھر دو چار چکر دینے کے بعد میں نے اُسے اُٹھا کر دور پھینک دیا۔

میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ اُسے کس انداز میں کدھر پھینکنا ہے۔ وہ سیدھا سنٹر ٹیبل کے اُوپر جا کر گرا تھا۔ وہ سنٹر ٹیبل شیشے کا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شیشے کو توڑتا ہوا سنٹر ٹیبل کے اندر دھنس گیا تھا اب وہاں سے فوراً ہی اُٹھ کر میرے خلاف پینترا نہیں بدل سکتا تھا کیونکہ وہاں سے نکلنے کے لیے کانچ کے ٹوٹے ہوئے حصّوں پر سے گزرنا پڑتا بہت سے ٹوٹے ہوئے شیشے اُسے زخمی کر چکے تھے۔

سونیا ماسٹر موس ٹروفی سے کہہ رہی تھی: "فرہاد کہا کرتا ہے کہ لڑنے کے لیے صرف جسمانی طاقت کی نہیں مکاری کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھو ماسٹر اس نے کتنی مکاری سے اسے شیشے کے ٹیبل پر پھینکا ہے تاکہ اُس کا جسم بھی زخمی ہو اور وہ اس ٹوٹے ہوئے ٹیبل کے اندر سے فوراً ہی نہ نکل سکے۔"

میں نے جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: "تم لوگوں کو تو میری ہر بات پر اور ہر حرکت میں فرہاد کی جھلک نظر آتی ہے۔ میں کیا کروں؟ کیا اسے جان سے مار ڈالوں؟ پھر اس میں بھی تم لوگوں کو فرہاد کی جھلک نظر آئے گی۔ چلو میں اُسے ختم کر دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں فرش پر جھک کر اس گُل دان کو اٹھانے لگا جو میز پر سے گر پڑا تھا۔ وہ پیتل کا گُل دان تھا۔ میں اُس کے ایک سرے کو مضبوطی سے تھام کر ماسٹر ہچکو کے سر پر پہنچ گیا۔ سونیا نے چیخ کر کہا: "نہیں، خبردار اُسے اور نہ مارنا، ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تم بہت اچھے فائٹر ہو۔"

لیکن اُس کے منع کرنے کے باوجود میں نے ماسٹر ہچکو کے سر پر ایک زوردار ضرب لگائی۔ ہچکو کے حلق سے ایک ہچکی نکلی اور وہ اُٹھتے اُٹھتے پھر اسی میز کے درمیان دھنس کر بے ہوش ہو گیا۔ سونیا نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے کہا: "یہ تم نے کیا کیا؟"

"وہی کیا جو شاید فرہاد نہ کرتا۔ اگر فرہاد گُل دان سے کسی کے سر پر حملہ کرتا ہے تو میں کیا کروں۔ اب وہ کرسی اٹھا کر اس کے سر پر ماروں تاکہ تمھیں یقین ہو جائے کہ میں فرہاد نہیں ہوں۔"

وہ میرے ہاتھ سے گُل دان کو چھینتے ہوئے بولی۔ "ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تم فرہاد نہیں ہو لیکن بائی گاڈ۔ تمھارا ہر انداز فرہاد جیسا ہے اور ہم جو منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اُس کے مطابق اگر تمھارا چہرہ بالکل فرہاد جیسا ہو گیا تو ہم ایک بہت بڑا کھیل کھیلیں گے۔"

میں نے پوچھا: "کیسا کھیل؟"

موس ٹروفی میرے قریب آتے ہوئے بولا: "مسٹر طارق ہم تمھیں فرہاد بنا کر دشمنوں کے ملک میں بھیجیں گے اور مادام سونیا تمھارے ساتھ ہوں گی اور تمھیں قدم قدم پر گائیڈ کریں گی۔ دشمن تمھیں فرہاد علی تیمور سمجھیں گے اور ہم انھیں دھوکے میں رکھ کر اپنے بہت سے مقاصد حل کریں گے۔"

مجھے ہچکچاتے دیکھ کر سونیا نے کہا: "دیکھو، انکار نہ کرنا۔ تم مجھ سے کہہ چکے ہو کہ تم اپنے ملک سے دولت کمانے کے لیے نکلے ہو۔ میں تمھارے لیے دولت کمانے کے راستے ہموار کرتی رہوں گی۔ اتنی دولت ملے گی۔ ایسے عیش و آرام سے رہو گے کہ کبھی تم نے خواب میں سوچا بھی نہیں ہوگا۔"

میں نے کہا: "وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں اپنی ایک دوست سے مشورہ کیے بغیر کسی کام کے لیے یا کسی مہم پر جانے کے لیے ہامی نہیں بھروں گا۔"

سونیا نے مجھے تعجب سے دیکھتے ہوئے کہا: "تعجب ہے۔ تم اتنے دلیر مرد ہو کر ایک عورت سے مشورہ لینا چاہتے ہو۔"

"وہ عورت کم اور مرد زیادہ ہے۔ میری طرح لڑنے کا فن جانتی ہے اور بہت ہی ضدی اور خود سر ہے۔ مجھ کو بہت عزیز سمجھتی ہے اور اسی لیے میں اُس کی قدر کرتا ہوں۔ میں اُس کے مشورے کے بغیر فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"وہ کہاں ہے۔ کیا وہ یہاں آنے والی ہے؟"

"ہاں۔ میں نے شاید تم سے ذکر کیا تھا لیکن جیسا کہ آج تمھیں پتہ چلا ہے صبح اُس کی ماں یہاں سے پاکستان جانے کے لیے روانہ ہو چکی ہے۔ وہاں ماں بیٹی کی ملاقات ہو جائے گی۔ اُس کے یہاں آنے میں اب شاید کچھ روز لگیں گے لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ ماں سے ملاقات کرنے کے بعد وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین رہے گی۔ لہٰذا کسی نہ کسی دن یہاں ضرور پہنچے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ جب وہ یہاں پہنچے گی تو میں اُسے راضی کر لوں گی اور اگر وہ بھی ایسی ہی قابل اور بہترین فائٹر ہے تو ہم اُسے بھی اپنی ٹیم میں شریک کر سکتے ہیں۔"

اس وقت تک ماسٹر، چچکو کو اس ٹوٹے ہوئے ٹیبل کے اندر سے نکال لیا گیا تھا اور اُسے ہوش میں لایا جا رہا تھا۔ پھر ہم سب ڈائننگ روم میں آئے۔ وہاں میز پر کھانا لگایا جا رہا تھا۔ ہم میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ سونیا میرے بائیں آکر بیٹھنا ہی چاہتی تھی کہ اُس سے پہلے کیتھی آکر بیٹھ گئی۔ وہ مجھ سے قریب رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کئی بار میری دلیری کی تعریفیں کر چکی تھی اور اب میرے ساتھ بیٹھ کر بھی وہی باتیں کر رہی تھی۔ میرے دوسری طرف موس تُرِدنی بیٹھا ہوا تھا۔ سونیا کو مجبوراً میز کے دوسری طرف میرے سامنے بیٹھنا پڑا۔

میرے دائیں بائیں کیتھی اور موس تُرِدنی میرے کان کھا رہے تھے۔ اِدھر کیتھی میری وجاہت اور دلیری کی تعریف کر رہی تھی، اُدھر موس تُرِدنی کہہ رہا تھا کہ میں فرہاد کا رول ادا کرنے کے لیے بہت ہی مناسب ہوں جب میرے چہرے پر فرہاد کا چہرہ چڑھ جائے گا تو دشمن مجھے دیکھتے ہی خوف زدہ ہو جائیں گے۔

یہ بعد کی باتیں تھیں۔ اِس لیے میں موس تُرِدنی کے خیالات پڑھنے کے بجائے کیتھی کی باتوں میں دلچسپی لینے لگا۔ کھانے کے دوران سونیا نے مسکراتے ہوئے پوچھا "کیوں طارق تم تو مجھ پر مرمٹے تھے۔ مجھ سے شادی کرنے والے تھے۔ یہ کیتھی سے کیسے دلچسپی لے رہے ہو؟"

میں نے جواباً مسکرا کر کہا "بات اصل میں یہ ہے کہ جب میں نے تم سے شادی کی درخواست کی تھی تو اُس وقت کیتھی کو نہیں دیکھا تھا۔ تم نے کہا تھا کہ مجھے حسین لڑکیوں کی کمی نہیں رہے گی تو پھر ایک حسین لڑکی یہ بھی ہے۔ کیا تمھیں کوئی اعتراض ہے؟"

اُس نے انکار میں سر ہلا کر کہا "مجھے بھلا کیوں اعتراض ہوگا۔ تم کوئی میرے شوہر تو ہو نہیں اور نہ ہی ان معاملات میں کسی کو روکتی یا ٹوکتی ہوں۔ تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔"

میں نے مسکرا کر پوچھا "اگر میری جگہ سچ مچ فرہاد ہوتا تو کیا تم اعتراض نہ کرتیں؟"

اُس کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ اُس کی سوچ نے کہا "فرہاد اگر ایسا کرتا تو میں اُس کا منہ نوچ لیتی۔" لیکن اُس نے بظاہر ناگواری سے کہا "مجھے فرہاد سے کچھ نہیں لینا ہے۔ وہ جہنم میں جائے۔"

کیتھی نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "طارق سونیا بہت مہربان ہیں۔ یہ ہماری محبت پر اعتراض نہیں کریں گی۔ ویسے کھانے کے بعد کیا پروگرام ہے۔ کیا ہم آؤٹنگ کے لیے چلیں گے؟"

مجھے یاد آیا کہ مرجانہ سے رابطہ قائم کرنا ہے، میں نے کہا۔ "نہیں دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد مجھے ذرا سونے کی عادت ہے۔ میں تقریباً دو گھنٹے تک آرام کروں گا۔ اُس کے بعد کوئی پروگرام بناؤں گا۔"

سونیا نے کہا "یہ ایشیائی باشندے بڑے سست اور کاہل ہوتے ہیں۔ دن کا وقت محنت کے لیے ہوتا ہے۔ انسان کو صبح سے شام تک اپنی ضروریات کے لیے یا زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لیے بھاگ دوڑ میں مصروف رہنا چاہیے لیکن یہ لوگ کھانا کھانے کے بعد دو چار گھنٹے سونے میں ضائع کر دیتے ہیں۔ دیکھو طارق میں تمھیں سمجھا دیتی ہوں کہ میرے ساتھ رہنے کے دوران اپنے "ٹائم ٹیبل" کو بدلنا ہوگا۔ یہ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سونے کی عادت ترک کرنے کی کوشش کرو۔"

"کوشش کروں گا۔ فی الحال تو یہ ممکن نہیں ہے میں ابھی یہاں سے اپنے ہوٹل میں پہنچ کر آرام کروں گا۔"

کیتھی نے کہا "ٹھیک ہے میں شام کو چار بجے تمھارے پاس آؤں گی پھر تمھیں پیرس کی سیر کراؤں گی۔"

سونیا نے کہا "کیتھی، ہوٹل میں جاکر طارق کا سامان بھی اٹھوا لینا اور اسے سیر و تفریح کے بعد میرے بنگلے میں لے آنا۔ میں نہیں چاہتی کہ اب یہ ہوٹل میں رہے۔"

لنچ کے بعد میں ماسٹر موس تُرِدنی سے رخصت ہوا۔ سونیا مجھے ہوٹل تک پہنچانا چاہتی تھی لیکن کیتھی میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔ لہٰذا سونیا نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ کیتھی مجھے ہوٹل تک پہنچانے کے دوران بار بار یہ کہتی رہی "دیکھو زیادہ دیر نہ سونا۔ چار بجے تیار ہو جانا۔ میں ضرور آؤں گی۔"

میں نے ہامی بھر لی۔ کیتھی خوش ہو کر وہاں سے چلی گئی۔ میں نے اپنے کمرے میں پہنچ کر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ سامی نے مجھے دیکھتے ہی میاؤں کہا۔ میں سگریٹ سلگا کر آرام سے کرسی پر بیٹھا تو وہ میری گود میں آگئی۔ میں سگریٹ کے کش لگاتا ہوا مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ جب میں نے اُسے مخاطب کیا تو وہ ناراضگی کا اظہار کرنے لگی۔ اُس نے کہا "تم اب آئے ہو۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ لنچ کے بعد مجھ سے رابطہ قائم کرو گے۔"

میں نے کہا "مرجانہ میں لنچ کے بعد ہی تم سے مخاطب ہو رہا ہوں پھر ناراضگی کیسی؟"

"کیوں جھوٹ بول رہے ہو۔ اس وقت شام کے ساڑھے چار بجے ہیں اور یہ کوئی تمھارے لنچ کا وقت ہے؟"

اچانک مجھے یاد آیا کہ یہاں کے اور وہاں کے وقت میں تقریباً تین سوا تین گھنٹے کا فرق ہے۔ میں نے اُس سے کہا "اوہ مرجانہ، مجھ سے تو بڑی بھول ہوئی۔ اس وقت یہاں پیرس میں لنچ کا وقت ہے۔ مجھے واضح کر دینا چاہیے تھا کہ میں یہاں کے لنچ کے بعد بات کروں گا — بہر حال سوری ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی "واقعی میں بھی بھول گئی تھی کہ ہمارے درمیان صرف مقامی دوری نہیں، وقت کی بھی دوری ہے۔ بہرحال میں نے معلوم کیا ہے کہ پیرس سے آنے والا طیارہ یہاں ساڑھے پانچ بجے تک پہنچے گا۔ میں ایئرپورٹ جاؤں گی۔ مجھے تمھاری دی ہوئی اطلاع پر پورا یقین ہے پھر بھی مجھے یقین اِس لیے نہیں آرہا ہے کہ میں نے اپنی امّی کو آج تک نہیں دیکھا اور یہ خواب جیسا لگ رہا ہے۔ ہائے آج وہ ساڑھے پانچ بجے میرے سامنے ہوں گی اور میں اُن کا پُرنور چہرہ دیکھ سکوں گی۔"

"مرجانہ میں تمھارے بے چین جذبوں کو سمجھ رہا ہوں اور اُن مسرتوں کو بھی محسوس کر رہا ہوں جو اب سے ایک گھنٹہ بعد تمھیں ملنے والی ہیں، اس وقت میں بھی تمھاری خوشی میں شریک رہوں گا۔ میری خواہش ہے کہ تمھارے احساسات میرے احساسات رہیں جب تم ماں کے گلے لگو یا ماں تمھیں پیار کرے تو مجھے بھی یوں لگے گا جیسے وہ میری امّی ہیں، انھوں نے مجھے گلے لگایا ہے اور مجھے پیار کیا ہے۔"

"فرہاد، تم نے کتنی اچھی باتیں کہی ہیں، کتنے اچھے جذبے کا اظہار کیا ہے واقعی تم میرے بالکل اپنے ہو۔ تم میری امّی کو اپنی ماں کا درجہ دے رہے ہو۔ اس سے بڑھ کر میرے لیے خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ دیکھو، محبت میں ایسی ہی پاکیزگی ہونی چاہیے۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ جب تک مجھ سے دوستی قائم رہے گی۔ اس وقت تک تم کسی بھی لڑکی سے دلچسپی نہیں لو گے۔ غلط راستے پر نہیں چلو گے۔ یاد ہے نا؟"

مجھ جیسے آدمی کی عادتیں خراب ہو جائیں تو اچھی باتیں یاد کہاں رہتی ہیں۔ میں بھول گیا تھا کہ میں نے مرجانہ سے کیا وعدہ کیا تھا۔ اب اُس نے یاد دلایا تو اچانک ساری باتیں یاد آگئیں کہ اب سستے جذبات کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔ انسان کو مہذب بن کر کسی ایک کے ساتھ ایسی دوستی نبھانی چاہیے جس میں پیار ہو، بے لوث خدمت ہو، بے غرضی ہو اور اتنی اپنائیت ہو کہ ہوس کی گنجائش نہ رہے۔

اچانک مرجانہ نے پوچھا "تم خاموش کیوں ہو، کہاں ہو۔ کیا میرے دماغ سے چلے گئے ہو؟"

میں نے چونک کر کہا "نہیں، میں تمھارے پاس موجود رہوں۔ میں تم سے اپنی غلطی کا اعتراف کروں گا۔ تبھی اپنی عادتیں سدھار سکوں گا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں آتے ہی تم سے کیا ہوا وعدہ بھول گیا تھا۔ اب تم نے یاد دلایا تو مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے وعدے پر قائم رہوں گا اور تم بھی مجھے اسی طرح وقتاً فوقتاً ٹوکتی رہا کرو۔"

اُس نے پوچھا "وعدہ بھولنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہاں سونیا سے گہری وابستگی ہو گئی ہے؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ سونیا ایسی آسان عورت نہیں ہے۔ وہ فرہاد کے سوا کسی کو منہ نہیں لگائے گی۔ یونہی مجھے دھمکیاں دیتی ہے کہ کہیں شادی کر لے گی۔ بہرحال سونیا تو نہیں ایک دوسری خوب صورت لڑکی ہے۔ جس کا نام کیتھی ہے اور وہ دو گھنٹے بعد یہاں مجھ سے ملنے آئے گی۔ میں نے پتہ نہیں کیا کیا سوچ رکھا تھا لیکن تم نے اچھا کیا کہ وقت سے پہلے مجھے میرا وعدہ یاد دلا دیا۔ اب میں تمھاری دوستی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤں گا۔"

"فرہاد، تم بہت اچھے ہو۔"

"اچھی تو تم ہو کہ مجھے اچھا بنا رہی ہو مگر ایک بات

یاد رکھنا میں تمھاری دوستی کی خاطر اپنا راستہ بدل رہا ہوں اس لیے اس راستے کے کسی موڑ پر تم میری بن سکو تو بلا تامل میری بن جانا۔ میں سمجھوں گا کہ مجھے سیدھے راستے پر چلنے کا بہت بڑا انعام ملا ہے تم اتنی پیاری ہو کہ تمھیں پا کر انعام پانے کی خوشی حاصل ہو گی۔"

وہ چپ چاپ سر جھکائے سن رہی تھی۔ زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔ دل میں عجیب سی گڑبڑ مچی ہوئی تھی یعنی وہ اپنی فطرت کے مطابق محبوبیت سے جھکنا نہیں چاہتی تھی لیکن عورت کی فطرت نے اُس کے سر کو جھکا دیا تھا اور اُس کے لبوں پر ہلکے سے تبسم کو بکھیر دیا تھا۔ وہ جلدی سے موضوع بدل کر بولی "امی کی آمد پر مجھے جتنی خوشی ہے اُسے تم ہی میرے اندر رہ کر محسوس کر سکتے ہو۔ کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ اس خوشی کے موقع پر میں چاہتی ہوں کہ بختاور ہمارے پاس پنڈی آئے اور میں امی کے سامنے اُس سے کچھ حساب کتاب کروں۔"

"ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ تم جب چاہو میں اُسے پنڈی پہنچا دوں گا۔"

"آج رات کو میں دل کھول کر امی سے باتیں کروں گی اور کسی تیسرے کی مداخلت برداشت نہیں کروں گی۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ کل صبح بختاور پنڈی میں ہمارے سامنے آئے میں چاہتی ہوں کہ وہ میری امی کے قدموں پر گر کر گڑگڑائے اور اپنی زندگی کی بھیک مانگے۔"

"اچھی بات ہے۔ تم ذرا انتظار کرو۔ میں ابھی بختاور کے پاس سے آ کر تمھیں بتاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے اُس سے رابطہ ختم کیا اور بختاور کے دماغ میں پہنچ گیا۔ بختاور کو میں نے زینے کی بلندی پر سے گرایا تھا اور وہ زینے کے ہر پائیدان پر سے لڑھکتا ہوا فرش پر آیا تھا۔ اُس کے اتنی شدید چوٹیں آئی تھیں کہ وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہا تھا لیکن اب اس قابل ہو گیا تھا کہ اُس وقت کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

میں نے اُس کی سوچ کے ذریعے اُسے قائل کرنا شروع کیا کہ اُسے لاہور سے کچھ دنوں کے لیے پنڈی جانا چاہیے۔ اس طرح آب و ہوا بھی تبدیل ہو جائے گی۔ ماحول بھی بدل جائے گا اور وہاں کسی اچھے ڈاکٹر سے علاج بھی ہو جائے گا۔

اس کی سوچ نے کہا کہ پنڈی میں میرا ایک بہت ہی پرانا دوست ڈاکٹر ہے۔ میں اُس کے زیرِ علاج کچھ روز رہوں گا۔ میرا دل یہاں گھبرا رہا ہے۔ مجھے یہاں سے کچھ دنوں کیلئے چلے جانا چاہیے۔"

میں نے اُس کی سوچ کے ذریعے اُسے پھر قائل کرنا شروع کیا کہ وہ آج رات کو یا کل صبح ہی وہاں سے روانہ ہو جائے۔ جتنی جلدی ممکن ہو اس گھٹن والے ماحول سے فرار حاصل کر لے۔

وہ راضی ہو گیا پھر اُس نے اپنی بیگم کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ بیگم نے حیرانی سے کہا "آپ ایسی حالت میں کیسے جا سکتے ہیں، چلنے پھرنے کے تو قابل نہیں ہیں۔"

وہ ٹہلتا ہوا بولا "کیا میں تمھیں چلتا پھرتا نظر نہیں آ رہا ہوں۔ ویسے میں کچھ دنوں کے لیے تم لوگوں سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ اس ماحول سے دُور رہنا چاہتا ہوں۔ میری آب و ہوا تبدیل ہو گی اور میں وہاں ڈاکٹر عظیم کے زیرِ علاج رہوں گا تو اچھا صحت مند ہو کر آؤں گا۔"

وہ دونوں اس بات پر بحث کرتے رہے۔ آخر بیگم راضی ہو کر بولیں "ٹھیک ہے آپ منصور کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ پتہ نہیں وہ چڑیل جو آپ کی دشمن ہے کب اور کہاں آپ کے سامنے راستہ کاٹنے آ جائے۔ میرا بیٹا بہت اچھا فائٹر ہے۔ وہ اُس کے دانت کھٹے کر دے گا۔"

بختاور نے طنزیہ انداز میں کہا "ہاں اس رات تو تم نے دیکھا ہی تھا کہ کس نے کس کے دانت کھٹے کیے تھے۔ وہ اپنے آپ کو بلیک بیلٹ کہتا ہے لیکن اس لڑکی کو ایک ہاتھ بھی نہ مار سکا۔ اِدھر سے اُدھر گرتا رہا۔ اگر ہم سب نہ روکتے تو پتہ نہیں مرجانہ اُس کا کیا حشر کرتی؟"

بیگم نے کہا "کچھ بھی ہو۔ وہ جوان بیٹا ہے۔ وہ آپ کے سامنے ڈھال بن کر رہے گا۔ میں آپ کو اکیلے نہیں جانے دوں گی۔"

بختاور راضی ہو گیا کہ وہ منصور کے ساتھ کل صبح ہی راولپنڈی کے لیے روانہ ہو جائے گا۔ اُن کی باتیں سننے کے بعد میں نے واپس مرجانہ کے پاس آ کر بتایا "وہ کل صبح لاہور سے روانہ ہو گا اور تین چار گھنٹے بعد پنڈی پہنچ جائے گا۔ میں کسی مقام کا تعین کر کے اُسے وہاں پہنچا دوں گا اور تمھیں بھی بتا دوں گا کہ وہ کہاں مل سکتا ہے۔ تم اپنی والدہ کے ساتھ اُس کے پاس جانا۔ پھر جو تمھارا جی چاہے وہ کرنا۔"

اس وقت مرجانہ ایئرپورٹ جانے کی تیاریاں کرنے والی تھی۔ اُس نے کہا "اب میں لباس وغیرہ تبدیل کروں گی۔ تم یہاں سے جاؤ اور اپنی گھڑی میں وقت دیکھ لو۔ جس وقت میں بتاؤں اسی وقت آنا۔ ایسا نہ ہو کہ پہلے چلے آؤ۔"

"اس وقت میری گھڑی میں پونے دو بجے ہیں۔"

وہ بولی "میری گھڑی میں پورے پانچ بجے ہیں۔ تم ٹھیک ساڑھے پانچ بجے یعنی اپنی گھڑی کے مطابق سوا دو بجے میرے پاس چلے آنا۔ میں تمھارا انتظار کرتی رہوں گی۔"

میں نے اوکے کہہ کر رابطہ ختم کر دیا۔ اب اُس کے پاس جانے کے لیے آدھے گھنٹے کا وقت تھا۔ یہ وقت گزارنے کے لیے میں ممی کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ وہ رسونتی کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھیں میں نے پہلے انھیں مخاطب نہیں کیا۔ چپ چاپ رسونتی کے دماغ میں پہنچ کر سرگوشی کی "ہیلو، رسونتی میں آ گیا ہوں۔"

وہ خوشی سے کھل گئی۔ سوچ کے ذریعے بولی "میں بڑی دیر سے انتظار کر رہی ہوں۔ اتنی دیر تک کہاں رہ جاتے ہو؟"

"بڑی مصروفیت میں وقت گزر رہا ہے تم اپنی سناؤ۔ اب کیسی طبیعت ہے؟"

"اب تو میں پہلے سے بہت بہتر ہوں۔ لان میں خود ہی چل کر آئی ہوں اور اب جی چاہتا ہے کہ ذرا دُور گھومنے کے لیے جاؤں۔ ممی مجھے کار میں بٹھا کر لے جاتی ہیں۔ میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔ اُن کو پا کر مجھ کو محسوس ہوا کہ ماں کیسی ہوتی ہے۔ میں اُن کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔"

"ہاں ممی بہت اچھی ہیں پچھلے دنوں میرے ساتھ رہنے کی ضد کر رہی تھیں۔ میں نے کسی طرح انھیں وہیں برما میں روک دیا۔ تم تو جانتی ہو کہ میری زندگی بنجارے جیسی ہے۔ آج یہاں تو کل وہاں۔ ممی اس بڑھاپے میں میرے ساتھ کہاں کہاں پھرتیں۔ اس لیے میں اُن سے کترا گیا تھا ورنہ میرا ایک گھر ہوتا اور ایک خاندان ہوتا تو اس خاندان کی بزرگ ممی ہی ہوتیں۔ میں انہی کے سائے میں زندگی گزارتا۔"

"فرہاد کب تک بھٹکتے رہو گے۔ اب تو تمھیں ایک گھر بنا لینا چاہیے۔ کیا پھر کوئی نیا رومانس شروع ہو گیا ہے؟"

"نہیں اسے رومانس تو نہیں کہتے ہاں دوستی ضرور ہے۔ میں مرجانہ کا ذکر پہلے بھی کر چکا ہوں اور وہ لڑکی ایسی ہے جس میں عورت پن برائے نام ہے ورنہ فطرتاً اور عادتاً مردوں کی جیسی زندگی گزارتی ہے اور مجھ سے بھی کوئی محبوبانہ رشتہ نہیں بلکہ مردانہ دوستی ہے۔"

رسونتی نے کہا "یاد آیا۔ مرجانہ کے متعلق تم جو کچھ بتا رہے ہو ایسا ہی رومانہ کے ساتھ تھا۔ رومانہ بھی پہلے عورت بننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ مردوں جیسی زندگی گزارتی تھی آخر تمھارے ساتھ رہتے رہتے وہ پگھل گئی۔ میں سمجھتی ہوں کہ ایک دن ایسا آئے گا جب مرجانہ بھی پگھل جائے گی۔ تمھارے ساتھ تو یہی ہوتا رہتا ہے۔ آخر تم کب تک نئی نئی محبتیں اور رشتے قائم کرتے رہو گے؟"

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دے سکتا۔ ممی نے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا "بیٹی تمھارے چہرے پر کبھی مسکراہٹ اور کبھی سنجیدگی آ جاتی ہے۔ جیسے تم فرہاد سے باتیں کر رہی ہو۔ کیا فرہاد موجود ہے؟"

"جی ہاں وہ اس وقت مجھ سے باتیں کر رہے ہیں۔"

میں نے ممی کے پاس پہنچ کر ہیلو کہا تو وہ خوش ہو کر دعائیں دینے لگیں۔ میں نے کہا "ممی، آپ واقعی بہت بڑی فن کار ہیں۔ اپنے علم میں کامل ہیں۔ آپ نے جو پیش گوئی کی تھی — اب وہ پوری ہونے والی ہے میرے چہرے پر دوبارہ پلاسٹک سرجری کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔ میں ایک ماہ کے بعد اپنے اصلی روپ میں آ جاؤں گا۔"

"بیٹے، میں تمھیں اصلی صورت میں دیکھنے کے لیے بے چین ہوں۔ جب سرجری مکمل ہو جائے اور تمھارے چہرے سے پٹیاں کھل جائیں تو تم ہمارے پاس چلے آنا یا پھر ہمیں اپنے پاس بلا لینا۔ میں تمھیں دیکھے بغیر نہیں رہ سکتی میرے دل کی کیا حالت ہے۔ میں زبان سے بیان نہیں کر سکتی۔"

"زبان سے بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے میں تو آپ کے اندر سما کر آپ کی اندرونی کیفیت کو اتنی اچھی طرح معلوم کر سکتا ہوں جتنی اچھی طرح آپ معلوم کر لیتی ہیں۔"

"اچھا بیٹے، اب رسونتی کے پاس جاؤ۔ اُس سے باتیں کرو۔ وہ بیچاری دن رات تمھارا انتظار کرتی رہتی ہے جب تک تم اُس کے دماغ میں نہیں آتے اسے قرار نہیں ملتا۔ میری مانو تو جتنی جلدی ہو سکے، رسونتی کو اپنی دلھن بنا لو، میری بہو بنا دو۔ اس طرح وہ جلدی صحت یاب ہو جائے گی۔"

"ممی، میں شادی کر کے اُسے دلھن بنا کر کہاں رکھوں گا۔ میرا گھر کہاں ہے؟ آپ اپنے علم کے ذریعے معلوم کریں۔ کیا میری تقدیر میں شادی ہے اور اگر ہے تو کس قسم کی لڑکی کے ساتھ ہے کیا میں کبھی اپنا ایک گھر بنا سکوں گا۔ اگر آپ کا علم یہ کہتا ہے تو میں پھر شادی کے متعلق سنجیدگی سے سوچوں گا۔ پہلے آپ مجھے میرے مستقبل کا حال بتائیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں جلد ہی معلوم کروں گی کہ تمھاری ہونے والی دلھن کے متعلق یا تمھارا گھر بسانے کے

متعلق کیا کہتے ہیں۔"

میں رسونتی کے پاس آ گیا۔ وہ میری منتظر تھی۔ میں نے کہا "اب مجھے جانا چاہیے کیونکہ کافی دیر ہو چکی ہے اور ادھر میری مصروفیت ابھی باقی ہے۔"

"آخر ایسی کیا مصروفیت ہے کہ آتے ہو اور چلے جاتے ہو پھر ایک طویل انتظار کا عذاب مجھے سہنا پڑتا ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ تم سے دُور رہ کر میری کیا حالت ہو رہی ہے، ہم کب ملیں گے، فرہاد؟"

"رسونتی، اب تو تمھارا دماغ بالکل نارمل ہو گیا ہے۔ تم ماضی کی تمام باتیں یاد کر چکی ہو۔ تمھیں یہ بھی یاد ہو گا کہ میں شروع ہی سے کس طرح بے گھر بے در رہا ہوں۔ میرے ساتھ اتنے دشمن لگے رہتے ہیں۔ تقدیر میرے پاؤں میں ایسا چکر ڈالتی ہے کہ میں کبھی ایک جگہ ٹھیر نہیں سکتا۔ بہت عرصے کے بعد میں اپنے وطن گیا تھا لیکن وہاں سے بھی نکل جانے کا کوئی بہانہ تقدیر نے ڈھونڈ لیا اور اب ــــ پلاسٹک سرجری کے لیے تقدیر نے مجھے یہاں پہنچا دیا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب میں ایک جگہ رہ نہیں سکتا تو ایک عورت سے کیسے نباہ کر سکتا ہوں۔"

وہ مایوس ہو کر بولی "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کبھی میرے نہیں بن سکو گے۔ صرف محبت کا کھیل کھیل رہے ہو؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔ میں تمھیں مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ میری محبت، میری توجہ تمھارے لیے ہے۔ میں تمھاری بھلائی کے لیے، تمھاری حفاظت کے لیے آخری سانس تک تمھارا بن کر رہوں گا لیکن باقاعدہ ایک شوہر بن کر، ایک گھر والا بن کر شاید کبھی نہ رہ سکوں۔ میں اس معاملے پر غور کروں گا۔ سوچوں گا کہ میں گھر بسا سکتا ہوں یا نہیں؟ اس سلسلے میں ممی بھی اپنے علم کے ذریعے کچھ معلوم کریں گی۔ اس وقت تک انتظار کرو۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ فی الحال مجھے اجازت دو۔ یہاں میرا موجود رہنا ضروری ہے۔"

میں اُسے سمجھانے کے بعد ہوٹل کے کمرے میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ سامی میری گود سے اُٹھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی اُس وقت میرے سامنے رسونتی کا حسین چہرہ گھوم رہا تھا۔ اُس کے حسن کی ایک ایک تفصیل نگاہوں کے سامنے تھی اور اُس کے پیار کی ادائیں بھی مجھے معلوم تھیں کہ وہ مجھے کس قدر چاہتی ہے۔ میں خود اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا مگر مرجانہ سے دوستی بہت مہنگی پڑ رہی تھی اور بے شک وہ مجھے راہِ راست پر لا رہی تھی۔ مجھے کسی ایک ہی کا بننے کے لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار تھا کہ کون میری زندگی میں مستقل آئے گی۔ میں سونیا کے دل کی بات جانتا تھا کہ اُس کے دل میں صرف فرہاد ہی ہے اور کسی دوسرے کی وہاں گنجائش نہیں ہو گی۔ محبت کا جہاں تک تعلق ہے سونیا اب بھی وفادار تھی لیکن اُس کی ضد اور بدمزاجی نے ہمیں ایک دوسرے سے دور کر رکھا تھا۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سونیا بھی تھی، رسونتی بھی تھی اور مرجانہ بھی تھی پر میں شادی کیسے کر سکتا تھا۔ کہاں کر سکتا تھا، کس گھر میں کر سکتا تھا اور اگر میں کوئی گھر بنا لیتا تو پھر وہ گھر دشمنوں کی نظروں میں رہتا۔ کسی وقت بھی وہ اس گھر کے افراد کو یعنی میری بیوی کو اور میرے بچوں کو یرغمال بنا کر میری کمزوریوں سے کھیل سکتے تھے۔ مجھے مستقبل کی بہت سی باتیں سوچ کر شادی سے پرہیز کرنا پڑتا تھا۔

مجھے آدھ گھنٹے بعد مرجانہ کے پاس پہنچنا چاہیے تھا لیکن خیالات کی روانی میں وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا۔ آدھ گھنٹے کے بجائے پون گھنٹہ گزر چکا تھا۔ مرجانہ اپنے گھر سے نکل کر ایئرپورٹ پہنچی ہوئی تھی اور بار بار اپنے دماغ میں کبھی میرا انتظار کرتی تھی اور کبھی اُس کی نگاہیں دُور ایئرپورٹ کے رن وے پر چلی جاتی تھیں جہاں ایک طیارہ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا ایک جگہ پہنچ کر ٹھیر گیا تھا۔ اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں اور وہ اپنے تصور میں اپنی امّی کے نئے نئے تصور بنا رہی تھی۔

میں نے کہا "سوری، مرجانہ۔ مجھے دیر ہو گئی۔"

"کہاں رہ گئے تھے؟"

"بس ذرا ممی اور رسونتی سے باتیں کرنے میں اُلجھ گیا تھا ــــ کس موضوع پر باتیں ہو رہی تھیں۔ یہ میں تمھیں بتا کر ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے کہ ابھی تمھارے جذبات و احساسات کچھ اور ہیں۔ تم اتنی شدت سے ایسی بے چینی سے اس طیارے کے دروازے کو دیکھ رہی ہو جیسے اپنی نگاہوں کے ذریعے اس دروازے کو توڑ کر جہاز کے اندر اپنی امّی کے پاس پہنچ جاؤ گی۔ میں تمھاری بے قراری کو سمجھ رہا ہوں۔"

وہ مسکرائی اور بولی "تم بہت باکمال ہو۔ میرے ایک ایک احساس کو سمجھتے ہو۔ ٹھیک ہے۔ تم اسی طرح موجود رہنا اور دیکھنا کہ میری امّی کیسی ہیں اور یقیناً میری امّی سب سے اچھی ہوں گی۔ ہر اولاد کو اپنی ماں سب سے اچھی لگتی ہے۔" میں نے اُس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ تھوڑی دیر بعد دروازے کے ساتھ زینہ لگ گیا تھا۔ دروازہ کھل گیا تھا۔ مسافر باہر آتے جا رہے تھے۔ مرجانہ کے ساتھ اُس کی خالہ اور خالو کھڑے ہوئے تھے۔

اُن کے ہاتھوں میں دوربینیں تھیں اور وہ انھیں آنکھوں سے لگا کر دیکھ رہے تھے۔ اچانک اُس کی خالہ نے کہا "وہ دیکھو، وہ ہلکے نیلے رنگ کے شلوار سوٹ میں جو خاتون نظر آ رہی ہیں۔ وہ تمھاری امّی ہیں۔"

مرجانہ نے دُوربین سے آنکھیں لگا کر اُدھر دیکھا تو نیلے سوٹ میں ملبوس جو خاتون تھیں وہ دُوربین کے ذریعے عین نگاہوں کے سامنے نظر آ رہی تھیں۔ اُن کے چہرے پر ہلکا ہلکا سا سنجیدہ سا تبسم تھا۔ مسکراہٹ اس لیے تھی کہ وہ اپنی بہن سے ملنے آئی تھیں اور سنجیدگی اس لیے تھی کہ بیس برس تک جُدائی کی سزا بھگتنے کے باوجود اب تک اولاد کا چہرہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ اُن کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ چند لمحوں کے بعد ہی اپنی بچھڑی ہوئی بیٹی کو دیکھنے والی ہیں۔"

خدا خدا کر کے سائرہ بانو کسٹم چیکنگ سے گزر کر ہال سے باہر آئیں۔ مرجانہ سے اب برداشت نہ ہو سکا۔ اس سے پہلے کہ طاہرہ بانو اسے اُس کی امّی سے متعارف کراتیں وہ امّی کہہ کر چیخیں مارتی ہوئی، دوڑتی ہوئی گئی اور اپنی ماں سے لپٹ کر انھیں سینے سے لگا کر اُوپر اُٹھا لیا۔ وہ قدآور تھی اور اُس کے مقابلے میں اُس کی ماں بہت چھوٹی لگتی تھیں وہ بے چاری بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ پھر اُن کی نظر طاہرہ پر پڑی تو طاہرہ بانو نے مسکراتے ہوئے کہا "یہی تمھاری بیٹی مرجانہ ہے۔"

انھیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ اُن کی بیٹی یوں اچانک مل سکتی ہے۔ انھوں نے بے یقینی سے پوچھا "باجی، کیا سچ کہہ رہی ہو۔ کیا یہی میری بیٹی ہے؟"

"ہاں میں کیا تم سے مذاق کروں گی۔ یہ تمھاری بیٹی ہی سینے سے لگی ہے۔ اب ذرا اپنے دل کی دھڑکنوں سے پہچان لو۔"

سائرہ بانو کی آواز سننے کے بعد میں اُن کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ اُن کی عجیب حالت تھی۔ مرجانہ نے انھیں ایسے لپٹا یا ہوا تھا کہ اُن کے دونوں بازو جکڑے ہوئے تھے وہ اپنی بیٹی کو لپیٹ کر اپنی آغوش میں لے نہیں سکتی تھیں اور خوشی کے مارے اُن کے منہ سے کوئی بات بھی نہیں نکل رہی تھی اُن کی سوچ کہہ رہی تھی "ذرا الگ ہٹو۔ ذرا مجھے اپنا چہرہ دیکھنے دو۔ میں دیکھوں گی کہ پیدائش کے وقت تم جیسی تھیں، آج بھی ویسی ہو یا نہیں؟"

میں نے مرجانہ سے سرگوشی میں کہا "یہ تم کیا کر رہی ہو۔ اپنی امّی کو بھی تو موقع دو کہ وہ تمھیں ایک نظر دیکھ سکیں۔ اُن کے ہاتھوں کو آزاد کرو۔ تاکہ وہ تمھیں اپنے سینے سے لگا سکیں۔ تم تو اپنی خوشی میں اُن کی خوشیوں کو بھلا بیٹھی ہو۔"

مرجانہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اُس نے فوراً ہی اپنی امّی کو آزاد کر دیا۔ وہ ذرا الگ ہوئیں۔ اپنی بیٹی کے چہرے کو بڑی محبت اور ممتا سے دیکھا۔ پھر اُس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھونے لگیں۔ یوں ٹٹولنے لگیں جیسے کوئی اندھا کسی چیز کو ٹٹول کر یقین کرتا ہے کہ جو وہ چاہتا تھا وہ اُسے مل رہا ہے یا نہیں؟ پھر یک بیک وہ چیخ مار کر روتے ہوئے اپنی بیٹی سے لپٹ گئیں اور اُس کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

وہ ایک ایسی ماں کے آنسو تھے جو بیس برس سے اپنی بیٹی کو دشمنوں سے چھپاتے آ رہی تھی اور اب بیٹی سامنے آ گئی تھی تو ممتا نہیں مان رہی تھی۔ وہ خوب جی بھر کر رونا چاہتی تھیں اور روتے روتے اپنی بیٹی کی آغوش میں ہی سو جانا چاہتی تھیں۔ بس انھیں ایسے ہی سکون کی ضرورت تھی۔ مرجانہ انھیں تھپک تھپک کر تسلیاں دے رہی تھی انھیں چوم رہی تھی۔ انھیں سمجھا رہی تھی کہ اب وہ خاموش ہو جائیں اور وہاں سے آگے بڑھ کر کار میں بیٹھ جائیں تاکہ راستے میں مزید محبتوں اور جذبوں کا اظہار ہوتا رہے۔

طاہرہ بانو نے بھی سائرہ بانو کو تھپک تھپک کر سمجھایا پھر وہ سب انھیں دونوں طرف سے سنبھال کر وہاں پہنچیں۔ جہاں اُن کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ کار کی پچھلی سیٹ پر مرجانہ اپنی امّی کو ساتھ لے کر بیٹھ گئی۔ اگلی سیٹ پر اُس کی خالہ اور خالو بیٹھ گئے۔ پھر خالو نے کار اسٹارٹ کی اور گاڑی وہاں سے آگے بڑھنے لگی۔

سائرہ بانو نے اب پچھلی سیٹ پر آرام سے بیٹھ کر مرجانہ کو اپنے پاس جھکا لیا تھا اور اُس کے سر کو اپنے سینے سے لگا کر کبھی اُس کے رخساروں کو اور کبھی اُس کے ہونٹوں کو، کبھی اُس کی آنکھوں کو چھو کر دیکھ رہی تھیں۔ اِدھر سے اُدھر چہرے کو سہلا رہی تھیں اور بڑبڑاتی جا رہی تھیں۔ "خدایا مجھے یقین کیوں نہیں آتا کہ میری بیٹی مجھے مل گئی ہے۔"

اگلی سیٹ سے طاہرہ بانو نے پلٹ کر کہا: "میں تمھاری بیٹی کو لے کر آئی ہوں۔ میں نے تمھاری بیٹی سے تعارف کرایا ہے کیا تمھیں مجھ پر بھی یقین نہیں ہے کہ میں نے تمھاری بیٹی کو تم سے ملا دیا ہے ؟"

سائرہ بانو نے کہا: "ہاں اسے سینے سے لگا کر میرے دل کی دھڑکنیں یہی کہہ رہی ہیں کہ مجھے میری بچی مل گئی ہے لیکن اچانک یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ مرجانہ کو تم نے اپنے پاس کیسے بلا لیا اور....."

یہ کہتے کہتے سائرہ بانو ایک دم سے چونک گئیں۔ پھر انھوں نے سوال کیا: "اور تم لوگوں کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آج میں پیرس سے اس فلائیٹ کے ذریعے آ رہی ہوں؟"

طاہرہ بانو نے کہا: "مرجانہ نے مجھے بتایا تھا۔ شاید تمھیں یقین نہ ہو کہ تمھاری بیٹی کے قبضے میں ایک جن ہے جو اُسے غیب کی باتیں بتا دیا کرتا ہے۔ اُسی نے تمھاری بیٹی کو اطلاع دی تھی کہ تم اس وقت طیارے سے یہاں پہنچنے والی ہو۔"

سائرہ بانو نے حیرانی سے اور بے یقینی سے کہا: "باجی! آپ اتنی تعلیم یافتہ ہو کر اس دَور میں ایسی باتیں کر رہی ہیں؟"

مرجانہ کے خالو نے کہا: "بھئی مجھے بھی ان باتوں کا یقین نہیں تھا لیکن اس جن نے اپنی موجودگی کا ایسا ثبوت دیا ہے کہ مجھے یقین کرنا پڑا۔"

مرجانہ نے کہا: "امی! میں آپ کو بھی یقین دلا دیتی ہوں۔ کیا آپ میرے اس جن سے ملنا پسند کریں گی؟"

"بیٹی! میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اچانک مجھے تم کیسے مل گئیں اور مل جانے کے بعد یہ ایک نیا شوشہ چھوڑا جا رہا ہے کہ کوئی جن بھی تمھارے ساتھ رہتا ہے۔ یہ سب آخر کیا چکر ہے ؟"

"امی! میں چاہوں تو ابھی، اسی وقت اس جن سے آپ کی ملاقات کرا سکتی ہوں۔ یعنی وہ اپنے وجود کا ثبوت دے سکتا ہے مگر نظر نہیں آ سکتا لیکن ایسا کروں گی تو آپ ذہنی طور پر اور بھی اُلجھ جائیں گی۔ اس وقت آپ کے لیے یہی حیرانی اور پریشانی کافی ہے کہ میں اچانک آپ کو کیسے مل گئی۔ پہلے تو آپ اس بات کا یقین کریں اور مجھے دل اور دماغ کی گہرائیوں سے اپنی بیٹی تسلیم کر لیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس جن کے متعلق بھی آپ کو یقین آ جائے گا۔"

"نہیں بیٹے! پہلے ہر بات کی وضاحت ہو جانی چاہیے جب ہر معاملہ صاف ہو جائے گا تب پورے اعتماد سے ہم آپس میں ڈھیر ساری باتیں کر سکتے ہیں۔"

مرجانہ نے کہا: "اچھی بات ہے آپ ذرا انتظار کریں میں اپنے اس جن سے مخاطب ہوتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چُپ ہوئی اور سوچ کے ذریعے پوچھنے لگی: "کیوں فرہاد کیا تم موجود ہو ؟"

میں نے کہا: "ہاں جب تم امی کے سینے سے لگی ہوئی تھیں تو اُن کے سینے کی دھڑکنوں کو میں بھی محسوس کر رہا تھا۔ ہم دونوں ایک ساتھ ایک ہی وقت میں ایک ماں کی ممتا کو محسوس کر رہے تھے۔"

وہ خوش ہو کر بولی: "میں چاہتی ہوں کہ تم امی کو اپنی موجودگی کا ثبوت دو اور یہ یقین دلاؤ کہ تمھاری وجہ سے ہمیں اُن کی آمد کی اطلاع ملی تھی اور تم ایک جن ہو جو میرے ساتھ رہتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی یقین دلاتا ہوں۔"

وہ بولی: "مگر ٹھیرو۔ ایک بات یاد رکھو کہ ایک طویل مدت کی جُدائی کے بعد میری امی مجھے ملی ہیں۔ میں اُن سے جھوٹ بولنا اور انھیں دھوکا دینا نہیں چاہتی۔ اگر تم مناسب سمجھو تو میں آج تنہائی میں امی کو بتا دوں کہ تم کون ہو اور میں تمھیں کتنا چاہتی ہوں۔ ہماری امی کو یہ معلوم ہونا چاہیے نا؟"

"میں سوچ کر جواب دوں گا کہ تمھیں امی کو بتانا چاہیے یا نہیں۔ ابھی اپنی امی سے کہو کہ وہ اس وقت سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ پلک جھپکتے ہی وہ سیدھی ہو کر بیٹھ جائیں گی۔ اگر وہ چاہیں تو اس بات کا فیصلہ کر لیں کہ وہ سیدھی ہو کر نہیں بیٹھیں گی لیکن جن انھیں بٹھا دے گا۔"

مرجانہ نے اپنی امی سے یہی بات کہی۔ اُس کی امی نے کہا: "ٹھیک ہے میں ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی ہوں اور اس وقت میں سیدھی ہو کر بیٹھنا نہیں چاہتی۔"

اُن کے ایسا کہتے ہی میں اُن کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں تو میں نے اُن کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ حیرانی سے اپنے آپ کو دیکھنے لگیں۔ مرجانہ نے مسکرا کر پوچھا: "کیوں امی! اب آپ ہی بتائیے کہ آپ کو اس طرح سیدھا کس نے بٹھایا؟"

وہ حیرانی سے بولیں: "بیٹی! مجھے تو کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔ میں آپ ہی آپ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔"

مرجانہ نے کہا: "دیکھیے! اب آپ کا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر ہے۔ آپ ضد کر لیں کہ اپنا ہاتھ وہاں سے نہیں ہٹائیں گی لیکن میں کہتی ہوں کہ آپ وہ ہاتھ اُٹھا کر میرے ہاتھ پر رکھیں گی۔"

انھوں نے کہا: "چلو اس بار بھی آزماتی ہوں اور ضد کرتی ہوں کہ میں اپنا ہاتھ یہاں سے نہیں ہٹاؤں گی۔"

ایسا کہتے ہی میں پھر اُن کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ پھر جب میں نے اُن کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو وہ حیرانی سے اپنے ہاتھ کو مرجانہ کے ہاتھ پر دیکھ رہی تھیں۔ انھوں نے شدید حیرانی سے کہا: "یہ تو کوئی جادوئی تماشا لگتا ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے ؟"

"امی! یہی تو میرے جن کا کمال ہے، وہ جیسا چاہتا ہے ویسے ہی دوسروں سے عمل کراتا ہے اور دوسروں کے بھید مجھ تک پہنچاتا ہے۔"

"بیٹی! میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا بن گئی ہو۔ میں تو تصور میں دیکھتی تھی کہ تم ایک چھوٹی موٹی سی شرمیلی سی لڑکی ہو مگر تم نے تو پہاڑ جیسا قد نکالا ہے اور ہاتھ پاؤں کی مضبوط بھی دکھائی دیتی ہو۔ پھر یہ کہ ایک جن کا ساتھ بھی ہو گیا ہے۔"

طاہرہ بانو نے کہا: "تمھیں یہ سن کر اور تعجب ہو گا کہ تمھاری بیٹی بہترین فائٹر ہے۔ دو چار دشمن تو اس کا کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کے لڑنے کا تماشا دیکھا ہے۔"

سائرہ بانو بڑی حیرانی سے اپنی بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ بیٹی نے مسکرا کر کہا: "امی! آپ نے ڈائری کے آخر میں شدید خواہش ظاہر کی تھی کاش کہ آپ ایک بیٹے کو جنم دیتیں جو آپ کے دشمنوں سے گن گن کر بدلے لیتا۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹی دی مگر بیٹا بنا دیا۔ میں ایسی ہوں کہ جیسا بیٹا بھی نہ ہوتا۔ میں آپ کو دکھاؤں گی کہ آپ کے دشمنوں سے کس طرح انتقام لیتی ہوں۔ میں آپ کی آنکھوں کے سامنے انھیں عبرت ناک انجام تک پہنچاؤں گی۔"

سائرہ بانو خوش ہو کر محبت سے بڑی شفقت سے اپنی بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر اُس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اسے چومتے ہوئے کہنے لگیں: "ہاں بیٹی مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے جیسے خدا نے مجھے بیٹی کے روپ میں ایک بیٹا دیا ہے۔ مجھے اب کسی کی پروا نہیں ہے۔ میں تمھیں اپنے ساتھ پیرس لے جاؤں گی ان دشمنوں سے انتقام لینے کی بات دماغ سے نکال دو۔ کیا فائدہ ہے لڑائی جھگڑے کو بڑھانے سے۔ ہم اطمینان سے بہت دُور جا کر زندگی گزاریں گے۔ کوئی ہمارے راستے میں نہیں آئے گا۔"

اُن کی بات ختم ہوتے ہی جیسے راستہ رُک گیا ہو۔ مرجانہ کے خالو نے اچانک ہی بریک لگا کر گاڑی کو روک دیا۔ سب نے سامنے دیکھا تو ایک گاڑی سڑک پر آڑی کھڑی ہوئی تھی اور اُن کا راستہ روکے ہوئے تھی۔ میں نے سرگوشی میں مرجانہ سے کہا: "خطرہ ہے۔"

اتنی سی دیر میں اس کار کو کتنے ہی لوگوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کچھ کے ہاتھوں میں ریوالور دکھائی دے رہے تھے۔ ایک آدمی نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا: "تم دونوں باہر آ جاؤ۔ اگر کسی نے اعتراض کیا تو ہم بے دریغ فائرنگ شروع کر دیں گے۔"

وہ ریوالور والا مرجانہ اور اُس کی امی کو باہر نکلنے کے لیے کہہ رہا تھا اور اُس کے خالو اور خالہ کو وہیں بیٹھے رہنے کا حکم دیا جا رہا تھا یعنی وہ مرجانہ اور اُس کی امی کو اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتے تھے۔

مرجانہ شکاریوں کے درمیان گھری ہوئی شیرنی کی طرح نتھنے پھلا کر گہری گہری سانس لیتے ہوئے اور گھورتے ہوئے ایک ایک کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اُسے کدھر سے شروع ہونا چاہیے یا ابھی صبر کرنا چاہیے۔

میں نے اُس کی سوچ میں کہا: "دیکھو اپنی طرف سے ابھی کوئی جدوجہد نہ کرنا کیونکہ اُن کے ہاتھوں میں ریوالور ہیں۔ وہ یقیناً نقصان پہنچائیں گے۔ بڑے تحمل سے اُن کے ساتھ چلی جاؤ۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔"

مرجانہ کی سوچ نے کہا: "تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ یہ لوگ کون ہیں اور ہمیں کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔"

"مرجانہ ذرا صبر کرو۔ میں تمھیں سب کچھ بتا دوں گا۔ تم اپنی امی کا حوصلہ بڑھاؤ۔"

وہ اپنی امی کو تسلیاں دینے لگی کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے اور انھیں ان بدمعاشوں کے ساتھ بے جھجک چلنا چاہیے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اللہ حفاظت کرنے والا ہے۔

وہ دونوں ماں بیٹی ان ریوالور والوں کے گھیرے میں چلتی ہوئی دوسری گاڑی تک گئیں۔ پھر ان دونوں کو وہاں پچھلی سیٹ پر بٹھایا گیا۔ اُن کے دونوں طرف دو آدمی ریوالور لے کر بیٹھ گئے۔ اگلی سیٹ پر تین آدمی بیٹھے۔ پھر وہ گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھنے لگی۔ مرجانہ کے خالو کی گاڑی کے پاس کھڑے ہوئے ایک شخص نے ریوالور سے فائر کر کے

اس گاڑی کے پہیے کو بیکار کر دیا۔ تاکہ وہ اُن کا پیچھا نہ کر سکیں۔
اُس کے بعد وہ لوگ وہاں سے فرار ہو گئے۔ گاڑی بھی وہاں سے جا چکی تھی اور اُس کی خالہ اور خالو منہ تکتے رہ گئے تھے۔ میں مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ اب میں اُس آدمی کے دماغ میں تھا جس نے مرجانہ کو گولی مارنے کی دھمکی دی تھی۔ میں اُس کے لب و لہجے کے ذریعے اُس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا اور اب اُس کی سوچ کے ذریعے اُس کے دماغ میں اُس کے مقاصد معلوم کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے مرجانہ کے پاس پہنچ کر کہا "سنو مرجانہ یہ لوگ حشمت بیگ کے آدمی ہیں۔ تحقیق لیں ہے کہ حشمت بیگ یہاں پیرس میں موجود ہے۔ یہ بات تمھاری امّی جانتی ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتیں کہ ان کے یہاں آنے کی خبر حشمت بیگ کو ہے۔ اُس نے بھی اسی فلائیٹ سے آنے کی کوشش کی لیکن اُسے سیٹ نہ ملی۔ اِس لیے وہ دوسرے دن کسی دوسرے طیارے سے وہاں پہنچنے والا ہے۔ جب تک وہ وہاں نہیں پہنچے گا اُس وقت تک تمھیں اور تمھاری والدہ کو قید میں رکھا جائے گا لیکن کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ یہ حشمت بیگ کا حکم ہے کہ تم لوگوں کو اُس کے آنے تک زندہ رکھا جائے۔"

مرجانہ کی امّی سہمی ہوئی تھیں اُنھوں نے کہا "بیٹی، میرے نصیب میں خوشیاں نہیں ہیں۔ میں پہلے ہی جانتی تھی کہ جب بھی تم ملو گی تو دشمن بھی قدم قدم پر ملیں گے اور ہمیں کبھی ایک ساتھ رہنے نہیں دیں گے۔"

مرجانہ نے کہا "امّی، آپ ناحق پریشان ہوتی ہیں۔ یقین کریں یہ کتے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

گالی سن کر ایک شخص نے جھڑک کر کہا "اے اپنی زبان بند رکھو۔ ورنہ منہ توڑ دوں گا۔"

میں نے اُس کے دماغ میں پہنچ کر اُسے مجبور کیا کہ وہ اپنا ریوالور کھڑکی سے باہر پھینک دے۔ اُس نے وہی حرکت کی جب میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو وہ بوکھلا کر اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھنے لگا "ارے میرا ریوالور کہاں گیا؟"

مرجانہ کی طرف بیٹھے ہوئے شخص نے پوچھا "کیا بات ہے؟ تمھارا ریوالور تو تمھارے پاس ہی ہونا چاہیے۔"

میں اُس بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے بھی اپنا ریوالور کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ پھر دونوں کی بوکھلاہٹ نے آگے بیٹھنے والے لوگوں کو متوجہ کیا۔ وہ پوچھنے لگے "تم لوگ یہ کیا کر رہے ہو۔ کیا بات ہے ریوالور کیا ہوئے تمھارے؟"

میں اس بولنے والے کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ مرجانہ خاموش بیٹھی ہوئی یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اُس نے تیسری بار بھی وہ تماشہ دیکھا۔ تیسرے آدمی نے بھی اپنے ریوالور کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا تھا۔ اُس کے پاس بیٹھے ہوئے آدمی نے شدید حیرانی سے پوچھا "ارے ارے یہ تم کیا کر رہے ہو۔ تم نے اپنا ریوالور باہر کیوں پھینک دیا؟"

وہ پریشان ہو کر بولا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟" پھر اُس نے اپنے ساتھی سے کہا "گاڑی روکو۔ میں باہر جا کر اپنا ریوالور اُٹھا لوں۔"

ڈرائیو کرنے والے ساتھی نے پوچھا "یہ آخر کیا تماشہ ہو رہا ہے؟" اُس کی بات سنتے ہی میں اُس کے دماغ میں پہنچ گیا میں نے اُسے گاڑی روکنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ برابر ڈرائیو کرتا رہا۔ اُس کے ساتھی نے چیخ کر کہا۔ "تم گاڑی کیوں نہیں روکتے؟"

اُس نے جواب دیا "چپ چاپ بیٹھے رہو۔ تم لوگ حماقتیں کرتے رہو گے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ راستے میں گاڑی روک دی جائے۔ پیچھے ان کے دو ساتھی رہ گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پولیس کی مدد لے کر آئیں۔ ہمیں جلد سے جلد اپنے ٹھکانے پر پہنچنا چاہیے۔"

اب اس کار کے اندر صرف ایک آدمی کے پاس ریوالور رہ گیا تھا۔ میں ڈرائیو کرنے والے کو چھوڑ کر اس ریوالور والے کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ پھر میں نے اُس کی زبان سے کہا "مرجانہ اب صرف میرے پاس ریوالور رہ گیا ہے اور تم سمجھ گئی ہو گی کہ اب میں کون ہوں۔ لہٰذا تم شروع ہو جاؤ اور اپنی امّی کو دکھاؤ کہ تم بیٹی نہیں بیٹا ہو۔"

اتنا سنتے ہی مرجانہ نے اپنے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص کے پیٹ میں ایک کہنی ماری۔ وہ ایک تکلیف سے تلملا کر سامنے کی طرف جھکنے لگا۔ مرجانہ نے اُسی وقت اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اُسے باہر دھکا دے دیا۔ اُس کی چیخیں سنائی دیں۔ کار چلانے والے نے اچانک ہی بریک لگائے۔ مرجانہ نے فوراً ہی باہر آ کر اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ ڈرائیو کرنے والا باہر نکل کر مرجانہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر اُس نے اُسے ایک لات رسید کی وہ پھر اندر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پھر مرجانہ نے اُس کے ایک ہاتھ کو اپنی طرف

کھینچا اور دروازے کو ایک جھٹکے سے بند کر دیا۔ ڈرائیو کرنے والے کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی کیونکہ اُس کا ہاتھ دروازے سے کچل گیا تھا۔ اس نے پھر دروازے کو کھولا اور ...لے ہوئے ہاتھ کو پکڑ کر اس شخص کو کار کے باہر پھینک دیا۔

اتنی دیر میں دوسری طرف کے دروازے کھول کر باقی دونوں افراد باہر آ گئے تھے اور مرجانہ پر حملہ کرنے جا رہے تھے۔ مرجانہ کی امّی سہمی ہوئی اپنی بیٹی کو لڑتے ہوئے دیکھ رہی تھیں، مرجانہ نے کہا "امّی، آپ کو اب گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں وہ جن ہوں جو مرجانہ کے ساتھ رہتا ہے اور اس وقت اس ریوالور والے کے اندر سمایا ہوا ہوں۔ اب آپ دیکھیے کہ آپ نے جسے جنم دیا تھا وہ بیٹی تھی یا بیٹا ہے؟"

وہ دیکھ رہی تھیں کہ باہر اس پر حملہ کرنے والے چیخیں مار رہے ہیں۔ اس سے بھڑ جانا چاہتے ہیں مگر مرجانہ اس کا موقع نہیں دے رہی ہے۔ ایسی پھرتی سے لڑ رہی ہے۔ جیسے بجلی اِدھر سے اُدھر کوندتی ہے اور واقعی اُن لوگوں پر بجلی ٹوٹ رہی تھی۔

پھر اس ریوالور والے نے ریوالور سائرہ بانو کے حوالے کرتے ہوئے کہا "امّی یہ ریوالور لیجیے۔ میں مرجانہ کا جن ہوں اب اس کے اندر سے نکل رہا ہوں کیونکہ یہ بھی مرجانہ سے مقابلہ کرنے کے لیے جائے گا۔"

سائرہ بانو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن اُنھوں نے حیرت زدہ ہونے کے باوجود وہ ریوالور اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اتنی تو عقل تھی کہ حفاظت کرنے والی چیز کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہیے۔ وہ ریوالور دے کر اندر سے باہر نکل گیا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلا۔ میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا پہلے تو وہ بوکھلایا لیکن اپنے سامنے مرجانہ کو دیکھ کر ہوش آ گیا کہ وہ ایک ایسی دشمن لڑکی ہے جس نے تنہا اُس کے کئی آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے اور اس وقت کمر پر ہاتھ رکھے اُس کے سامنے تن کر کھڑی ہوئی تھی جیسے خاموش نگاہوں سے چیلنج کر رہی ہو کہ آؤ تم بھی اپنی قوت آزما لو۔ اُس نے بوکھلا کر پوچھا "یہ سب کیا ہوا۔ ابھی تو میرے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ کہاں گیا۔ یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

اُس کے جواب میں مرجانہ نے اُس کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف جھٹکا دیتے ہوئے کھینچا۔ پھر اُس کے منہ پر ایک اُلٹا ہاتھ رسید کیا۔ اُس کے منہ سے کراہیں نکلنے لگیں۔ اُسے ایسے لگ رہا تھا جیسے لوہے کی سلاخ منہ پر مار دی گئی ہو۔ پھر مرجانہ نے اُسے چھوڑ دیا۔ چھوٹتے ہی وہ وہاں سے بھاگتا چلا گیا۔ میں نے اُس سے کہا "اب تم گاڑی کو واپس موڑ کر آؤ میں تمھارے انکل کے پاس جا کر انھیں تھانے میں رپورٹ درج کرانے سے روک دوں گا۔ کیا فائدہ ہے۔ پولیس کیس کی وجہ سے معاملہ خواہ مخواہ طول پکڑے گا۔ ابھی تمھیں بہت سے دشمنوں سے نمٹنا ہے۔ کہاں تک رپورٹیں درج کرائی جائیں گی؟"

یہ کہہ کر میں مرجانہ کے انکل کے دماغ میں پہنچا تو وہ اپنی بیگم یعنی طاہرہ بانو کے ساتھ گاڑی سے نکلنے کے بعد پیدل جا رہے تھے تاکہ کسی قریبی تھانے میں رپورٹ درج کرا سکیں۔ میں نے اُن کی زبان سے کہا "بیگم، میرے اندر مرجانہ کا جن سمایا ہوا ہے اور وہ مجھے منع کر رہا ہے کہ میں تھانے میں رپورٹ درج نہ کراؤں اس وقت مرجانہ اپنی امّی کے ساتھ واپس آ رہی ہے۔ ہمیں اپنی کار کے پاس رہنا چاہیے۔"

طاہرہ بانو نے حیرانی سے اپنے شوہر کو دیکھا۔ میں نے اُن کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تو وہ اپنا سر تھام کر حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ طاہرہ بانو نے بتایا کہ ابھی اُن کی زبان سے وہ جن بول رہا تھا۔ طاہرہ بانو نے انھیں ساری باتیں سنائیں تو وہ قائل ہو کر پھر گاڑی کی طرف واپس آنے لگے۔ وہ اس سے پہلے بھی جن کا تماشہ دیکھ چکے تھے اس لیے اُنھوں نے فوراً ہی اس بات کو تسلیم کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد مرجانہ اپنی امّی کے ساتھ وہاں پہنچ گئی۔ اُس نے اپنی خالہ اور خالو کو پچھلی سیٹ پر بٹھا لیا پھر گھر کی طرف چلتے ہوئے وہ واقعات سنانے لگی جو ابھی اُس کے ساتھ پیش آئے تھے۔ وہ لوگ جن کی کارکردگی سے بڑے متاثر تھے۔ پھر سائرہ بانو اپنی بیٹی کے لڑنے کا انداز بھی دیکھ چکی تھیں اِس لیے وہ اپنی بیٹی کی تعریفیں کیے جا رہی تھیں۔ میں نے مرجانہ سے کہا "اب تو میری ضرورت نہیں ہے۔ تمھاری کوٹھی قریب آ گئی ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد تمھارے دماغ میں جھانک کر دیکھ لوں گا کہ تم بخیریت ہو یا نہیں۔ اس کے بعد اب ڈنر کے وقت ملاقات ہو گی۔ اچھا اب خدا حافظ۔"

میری گھڑی میں چار بجنے والے تھے۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر باتھ روم میں گیا۔ سامی کمرے میں گھوم رہی تھی۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں نے لباس تبدیل کیا اور سگریٹ

سلگانے لگا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازے کو کھولا تو سامنے کیتھی مسکرا رہی تھی۔

میں ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ اندر آ گئی۔ میں نے دروازے کو بند کیا تو وہ میرے گلے کا ہار بن گئی۔ بڑے ہی والہانہ انداز میں کہنے لگی: "میں تم سے بے حد محبت کرنے لگی ہوں۔ پتہ نہیں، تم نے کیا جادو کر دیا ہے۔ میں نے کہا تھا نا کہ مجھے دلیر آدمی پسند ہیں۔ تم نے ماسٹر ہچکو کو بڑی زبردست شکست دی تھی۔ اب میں بھی تم سے شکست کھانے آئی ہوں۔"

میں نے اپنی گردن سے اس کے ہاتھوں کو بڑی آہستگی سے ہٹاتے ہوئے کہا: "ڈارلنگ! میں تمھاری محبت کی قدر کرتا ہوں۔ اگر یہ صرف محبت ہو اور کچھ نہ ہو۔"

وہ حیرانی سے بولی: "تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"وہی کہہ رہا ہوں جو ہمارے ایشیا میں شریف لوگ کہتے ہیں کہ بغیر شادی کے کسی عورت کے ساتھ وقت گزارنا بہت بڑا گناہ ہوتا ہے اور میں بچپن ہی سے ایسے گناہوں سے بچتا آ رہا ہوں۔ لہٰذا آج بھی ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔"

وہ بڑے تعجب سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "مجھے یقین نہیں آتا کہ تم اتنے ماڈرن ہو کر اس طرح کی فرسودہ باتیں کرو گے۔ گناہ اور ثواب کوئی چیز نہیں ہے۔ انسان کو ایک بار زندگی ملتی ہے۔ اس زندگی میں وہ جس قدر عیش کر لے۔ وہ کم ہے اور تم اس مختصر وقت کو بھی ضائع کر دینا چاہتے ہو، کیسے بے وقوف ہو تم؟"

یہ کہہ کر وہ ترغیب دینے والی ادائیں دکھانے لگی۔

میں فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔ پھر دروازے سے باہر کھڑے ہو کر اس سے کہا: "سوری کیتھی! مجھے اندر بہت گھٹن سی محسوس ہو رہی ہے۔ آؤ باہر چلیں۔"

اس نے مایوسی سے اور ذرا غصے سے مجھے دیکھا۔ پھر چپ چاپ باہر آ گئی۔ میں نے سامی کو کمرے میں چھوڑ کر دروازے کو لاک کر دیا۔ جب میں ہوٹل سے باہر کھلی فضا میں پہنچا تو زندگی میں پہلی بار ایک روحانی خوشی محسوس کی۔ پہلی بار پتہ چلا کہ اگر اپنے طور پر گناہ سے بچنے کی کوشش کی جائے اور اپنے نفس کو قابو میں رکھا جائے تو بعد میں ضمیر کو کتنا اطمینان، کتنی روحانی مسرتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں مجھے مرجانہ کا احسان مند ہونا چاہیے جس نے مجھے پابند کر دیا تھا کہ میں اپنے وعدے کو نبھاؤں۔ سو زندگی میں پہلی بار میں نے اتنی شرافت سے ایک وعدہ نبھا لیا۔

کیتھی کار ڈرائیو کر رہی تھی اور میں اس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ گاڑی چلاتے ہوئے وہ کوئی حرکت نہیں کر سکتی تھی مگر باتوں ہی باتوں میں مجھے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور مجھے یہ سمجھانا چاہتی تھی کہ گناہ کے خوف کو دل سے نکال دینا چاہیے اور میں بار بار اسے سمجھا رہا تھا کہ میں جنت میں جانا چاہتا ہوں اس لیے گناہ کے راستے پر چل کر جہنم میں پہنچنا نہیں چاہتا۔ وہ میری باتوں سے جھنجلا گئی۔ ایک جگہ کار روک کر پبلک فون بوتھ کے اندر گئی۔ پھر وہاں سے سونیا کو کال کرنے لگی۔ مادام، میں چپ چاپ سنتا رہا، جب رابطہ قائم ہو گیا تو وہ کہنے لگی: "مادام، میں نے طارق کو ہر طرح سے بھڑکاتے اور اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ تو بالکل بے وقوف ہے اور گناہ ثواب کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ آپ کا یہ خیال غلط تھا کہ وہ عیاش ہے اور ڈینگیں مارتا ہے لیکن عملی طور پر بالکل ہی کورا ہے۔"

سونیا نے کہا: "مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ تو مجھ سے بھی عشق کر رہا تھا اور تم پر بھی ہزار جان سے عاشق ہو گیا تھا۔ پھر وہ تم سے کیوں کترا رہا ہے۔ کیا تم نے کوئی کمی کی ہے؟"

"ہرگز نہیں مادام۔ میں نے اپنے تمام صلاحیتیں آزما لی ہیں۔ وہ بالکل ہی میری طرف مائل نہیں ہوتا ہے اور میری طرف کیا بلکہ وہ کسی بھی عورت کی طرف اس وقت تک مائل نہیں ہوگا۔ جب تک اس کے کہنے کے مطابق وہ باقاعدہ شادی نہیں کرے گا۔ عجیب بے وقوف آدمی ہے۔"

"اسے میرے پاس لے آؤ۔"

سونیا نے یہ حکم دے کر ریسیور رکھ دیا۔ کیتھی بوتھ سے باہر آئی اسٹیرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا: "کسے فون کر رہی تھیں؟"

"میری ایک سہیلی تھی۔ چلو ہم مادام کے پاس چلیں۔"

یہ کہہ کر اس نے کار اسٹارٹ کی۔ پھر سونیا کی طرف چلنے لگی۔ میں سونیا کے دماغ میں جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ وہ میرے متعلق سوچ رہی تھی۔ ڈاکٹر کی رپورٹ مل گئی تھی اور اس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ طارق محمود کا چہرہ بالکل پرفیکٹ ہے اور اس پر فرہاد کا چہرہ بآسانی بنایا جا سکتا ہے اور یہ کام کل ہی سے شروع ہوگا۔ لہٰذا کل وہ مجھے ڈاکٹر میکی براڈلے کے ہسپتال میں لے جانے والی تھی۔ وہاں ایک اسپیشل کمرہ ریزرو کرا لیا گیا تھا۔ کیتھی مجھ سے مایوس ہو گئی

تھی۔ اس لیے مجھے سونیا کے پاس چھوڑ کر چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد سونیا نے مجھے گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا: "کیا بات ہے۔ تم تو دوپہر کے وقت کیتھی میں بڑی دلچسپی لے رہے تھے اور کیتھی سے پہلے مجھ میں دلچسپی لے رہے تھے۔ اب وہ تمھاری تمام دلچسپیاں کیسے ختم ہو گئیں؟"

میں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اسے دیکھ کر برسوں پرانے واقعات یاد آنے لگے۔ سوچ کی سیج پر کروٹ کروٹ سونیا کی ادائیں جاگنے لگیں۔ وہ بلاشبہ ایسی تھی کہ اتنی دشمنی یا اختلافات کے باوجود میں ان لمحات کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا: "اس وقت کیتھی سے زیادہ تم پرکشش لگ رہی ہو۔ سنا ہے کہ پرانی شراب میں نشہ زیادہ ہوتا ہے۔"

"بکواس کرو گے تو میں تمھارا سر توڑ دوں گی۔ زیادہ فری ہونے کی کوشش نہ کرو۔"

"تو پھر تم مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔"

"کیا تم مذہبی آدمی ہو اور گناہ اور ثواب کا حساب کرتے رہتے ہو؟"

"ہاں، مذہب ہماری گھٹی میں پڑا رہتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عمل کے وقت ہم اپنے ایمان کو بھول جاتے ہیں لیکن یہ بھی بات ہے کہ جب کبھی سنبھلنے کا موقع آتا ہے تو ہم ایمان کا سہارا ضرور لیتے ہیں اور گناہ و ثواب کے فرق کو بھی سمجھتے ہیں۔"

اس نے مجھے ناگواری سے دیکھا۔ پھر پلٹ کر وہاں سے جانے لگی۔ اس کی چال میں ایسا غرور تھا جو ہر قدم پر چھلکتا تھا۔ بڑے غضب ناک انداز میں چلتی تھی۔ پھر میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: "سونیا! ایک بات کا جواب دو؟"

وہ پلٹ کر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں نے مسکرا کر کہا: "تمھاری اس چال پر تو فرہاد مرتا ہوگا۔"

وہ اچانک ہی ایک دم سے پرسکون ہو گئی۔ نگاہیں کہیں دور بھٹک گئیں۔ چند ساعتوں کے لیے جیسے وہ سونیا نہیں تھی۔ وہ کوئی طاقت ور، مغرور، خطرناک قسم کی فائٹر نہیں تھی۔ ایک معمولی عورت تھی جو اپنے بچھڑے ہوئے لمحات کو بڑے کرب سے یاد کر رہی تھی۔ اس وقت وہ ایسی برہن تھی جو اپنے پیا کے انتظار میں برسوں سے جیتی اور مرتی چلی آ رہی تھی۔

پھر چند ساعتوں کے بعد وہ ایک دم سے چونک گئی۔ میں نے مسکرا کر پوچھا: "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔" یہ کہہ کر وہ وہاں سے جانے لگی۔ میں نے پھر اسے مخاطب کیا تو وہ ٹھہر گئی۔ میں نے کہا: "دیکھو اگر فرہاد سے کوئی اختلاف ہے تو مجھے اپنے دل کی بات بتا دو۔ ہو سکتا ہے کہ میں اختلافات دور کرنے کی کوئی تدبیر بتا دوں۔ میں اپنے آپ کو بہت ذہین سمجھتا ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "یہ تمھارے سامنے الو کا پٹھا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ تمھاری جیسی عورت کے دل میں محبت پیدا کرنا ناممکن ہے۔"

وہ اپنے دماغ میں میرے لب و لہجے کو محسوس کرتے ہی چونک گئی۔ پھر فوراً ہی غصہ دکھاتے ہوئے بولی: "تم پھر آ گئے؟"

میں سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کہا: "میں تو تمھارے پاس ہی ہوں۔ بہت دیر کا آیا ہوا ہوں۔"

وہ بولی: "شٹ اپ۔ میں تم سے نہیں، فرہاد سے کہہ رہی ہوں۔ اس وقت وہ پھر میرے دماغ میں آ گیا ہے۔"

پھر وہ اپنی سوچ کے ذریعے بولی: "فرہاد تم نے دیکھ لیا کہ میں کتنی ضدی ہوں۔ میں نے تم سے دور رہنے کے لیے اور ہمیشہ کے لیے تم سے تمام تعلقات کو ختم کر دینے کے لیے شیرماسٹر کی تنظیم میں شرکت کی ہے۔"

"تم نے بہت اچھا کیا۔ تمھاری جیسی بدمزاج عورت اور کیا کر سکتی تھی۔"

"اور تمھارے جیسے بے وفا، بے مروت اور بے حس انسان سے دور رہنے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"اپنی غلطیوں کا الزام مجھ کو نہ دو۔ ہمارے درمیان محبت اور اپنے تعلقات کے مسائل تھے۔ ہم ان مسائل کو کسی دوسری صورت سے حل کر سکتے تھے لیکن تمھارے دماغ میں یہی بات آئی کہ تم میرے دشمنوں کی تنظیم میں شامل ہو جاؤ اور تم ہو گئیں۔ میرا کچھ نہیں بگڑا۔ مجھے بہت سونیا ملتی رہتی ہیں۔ میں نے تمھاری یاد کو اسی طرح ان لڑکیوں کے درمیان بھلا دیا جیسے کوئی شرابی بوتلوں کے درمیان بیٹھ کر پیتے پیتے اپنے آپ کو مدہوش کر دیتا ہے۔"

"اب تم کیا لینے آئے ہو؟"

"میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم اس احمق طارق محمود کو فرہاد بنانا چاہ رہی ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا اور اسے فرہاد بنا کر کسی دشمن ملک میں لے گئیں تو میرا ریکارڈ خراب ہوگا کہ میں شیرماسٹر کی تنظیم میں شریک ہو گیا ہوں۔ سونیا کے ساتھ رہ کر

میں ریڈ پاور کے خلاف کام کر رہا ہوں جبکہ میں دونوں کے خلاف ہوں اور دونوں کا دوست نہیں ہوں۔ میں بدنامی مول لینا نہیں چاہتا۔ میں تمھیں سمجھا رہا ہوں کہ تم اُسے فرہاد بنا کر اپنا دل بہلانے کے لیے تو اپنے پاس رکھ سکتی ہو لیکن اگر اُسے اپنے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرو گی تو پھر میں تمھاری مخالفت میں کھڑا ہو جاؤں گا۔"

"تم سونیا کو دھمکی دے رہے ہو۔ میں تمھاری ٹیلی پیتھی سے خوف زدہ ہونے والی عورت نہیں ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائیگا۔"

"کیا دیکھا جائے گا۔ وہ تو میں دیکھ ہی رہی ہوں کہ میرے بار بار بھگانے کے باوجود تم پھر میرے پاس دُم ہلاتے ہوئے آجاتے ہو۔"

"دیکھو میرے لیے ایسے الفاظ نہ استعمال کرو۔ تمھارے ساتھ رہنے والے کُتّے تمھارے آگے پیچھے دُم ہلاتے ہوں گے۔ میں تو محض اس لیے آتا ہوں کہ تمھاری چالبازیوں کو سمجھ سکوں۔ تمھاری چالبازیاں میں اس طرح سمجھ سکتا ہوں کہ تمھارے بھگانے کے باوجود تمھارے دماغ میں جھانک کر دیکھوں اور تم اس کے لیے مجبور ہو۔ مجھے دماغ سے نہیں نکال سکتیں کوئی چاہے دل سے نکال دے۔ بہرحال اب میں واپس جا رہا ہوں۔"

وہ چیختے ہوئے بولی۔ "ٹھہرو پہلے میرا جواب بھی سن لو۔ ایسے تم نہیں جا سکتے۔ میں تمھیں کہہ دیتی ہوں۔ تم سن رہے ہو یا نہیں۔"

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوئی لیکن اُسے میری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ پھر جھنجلا کر پکارنے لگی۔ میں اُس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا لیکن وہ کیا اُس کے فرشتے بھی نہیں پہچان سکتے تھے۔ جب وہ اونچی آواز سے پکارنے لگی تو میں نے اُس سے کہا۔ "کیا بات ہے تم فرہاد کو اس طرح کیوں آوازیں دے رہی ہو؟"

اُس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر جیسے اُسے ہوش آگیا۔ وہ خیال خوانی کے ذریعے فرہاد سے باتیں کر رہی تھی اور اس کے سامنے اب فرہاد نہیں بلکہ طارق محمود بیٹھا ہوا ہے۔ وہ جھنجلا کر بولی۔ "یو نانسنس اب تم میرے معاملے میں کچھ نہ بولو۔"

"کیسے نہ بولوں۔ تمھاری حالت ایسی ہو گئی تھی کہ مٹھیاں بھینچی ہوئی ہیں۔ غصّے سے چہرہ بھبھوکا ہو گیا ہے۔ اگر میں تمھیں نہ ٹوکتا تو شاید غصّے کی حالت میں تمھارے منہ سے جھاگ بھی نکلنے لگتا۔"

اُس نے مجھے غصّے سے دیکھا۔ پھر پاؤں پٹختی ہوئی اُس کمرے سے نکل کر اپنی خواب گاہ میں چلی گئی۔ دُور جانے سے کیا ہوتا ہے۔ میں تو پاس ہی رہتا ہوں اور میں اُس کے پاس تھا۔ وہ خواب گاہ میں پہنچ کر اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔ کبھی غصّے سے مٹھیاں بھینچتی تھی۔ کبھی دانت پیسنے لگتی تھی۔ اُسے اس بات کا غصّہ تھا کہ فرہاد نے اس کو چیلنج کیا تھا اور چیلنج یہ کہ وہ طارق محمود کو فرہاد بنا کر اپنا آلۂ کار نہیں بنا سکے گی۔ کسی غلط مقصد کے لیے استعمال نہیں کر سکے گی۔ بلا سے اُسے اپنے پاس کھلونا بنا کر رکھ لے۔

میں انسانوں کے دماغوں میں رہ کر انسانوں کی نفسیات کو خوب سمجھنے لگا ہوں۔ آدمی جو کچھ سوچتا ہے۔ اس کے علاوہ لاشعور میں ایک اور سوچ ہوتی ہے جو اکثر شعوری سوچ کے برعکس ہوتی ہے۔ اس وقت میں سونیا کی اس سوچ کو بھی پڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ یہ تھی کہ پھر کتنے ہی دنوں بعد فرہاد سے رابطہ قائم ہوا تھا اور ایک طرح کی آسودگی محسوس ہو رہی تھی۔ چلو جھگڑا ہی سہی۔ جھگڑے کے بہانے وہ دماغ میں تو آیا تھا۔ کوئی تو ملاقات کا سلسلہ نکلا۔

میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا اس کی سوچ پڑھ رہا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ کب تک یونہی تنہا بیٹھا رہوں گا۔ میں نے ملازم کو بلا کر کہا۔ "مادام سے کہو کہ طارق محمود ڈرائنگ روم میں تنہا بیٹھا ہوا ہے۔"

ملازم نے اپنا ایک کان پکڑتے ہوئے کہا۔ "میں نے دیکھا ہے مادام ابھی غصّے میں ہیں۔ ایسے میں کوئی اُن کے سامنے جانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ بہتر ہے کہ آپ تھوڑی دیر انتظار کریں۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں نے سوچا ابھی تنہائی ہے۔ اچھا موقع ہے کہ میں ڈاکٹر میکی براڈلے سے دماغی رابطہ قائم کروں۔ اُسے قائل کروں کہ وہ سرجری کے دوران میرا بھید نہ کھولے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ میں پہلے اس کی کمزوریاں معلوم کرتا۔

وہاں بیٹھے بیٹھے میں نے جو معلومات حاصل کیں وہ یہ تھیں کہ میکی جب آٹھ برس کا تھا تو اس وقت سے لے کر اٹھارہ برس کی عمر تک جب تک کہ اُس کی مونچھیں نہیں نکلی تھیں اور چہرہ بالکل لڑکیوں جیسا تھا۔ روزی حاصل کرنے کے لیے اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے ایک دکان کے شو کیس میں ایک ڈمی بن کر کھڑا رہتا تھا اور دکان والے اُسے لڑکیوں کا لباس پہنا کر ڈمی بناتے تھے لیکن وہ اتنا نہ کما سکا کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتا۔ اُس کا ضمیر اُسے ملامت کرتا تھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے یا اپنا مستقبل تابناک بنانے کے لیے ناجائز طریقے سے رقم حاصل نہیں کرنا چاہیے۔

اُس نے اٹھارہ برس کی عمر میں اپنے مالک سے التجا کی کہ اب اُسے چھوڑ دیا جائے اور اتنی رقم دے دی جائے کہ وہ میڈیکل کالج میں داخلہ لے سکے اور بہت بڑا ڈاکٹر بن سکے لیکن مالک نے اُس کی درخواست ٹھکرا دی۔

آخر ایک روز تنگ آکر میکی براڈلے نے اپنے مالک کو قتل کر دیا۔ پھر اُس کی رقم اور کچھ قیمتی ہیرے جواہرات لے کر امریکہ چلا گیا۔ وہاں اُس نے پلاسٹک سرجری کے شعبے کو اپنایا اور ایک دن بہت بڑا ڈاکٹر بن کر پیرس چلا آیا۔ اس وقت سے اب تک اسی شہر میں تھا اور اب اُس کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔

لیکن تخریب کار تنظیموں کے افراد ایسے مشہور لوگوں کی کمزوریاں کو تلاش کرتے پھرتے ہیں تاکہ کسی مناسب موقع پر انھیں بلیک میل کیا جاسکے۔ سپر ماسٹر کی تنظیم کے افراد نے بھی یہی کیا۔ موس ٹروفی نے کسی طرح قتل اور چوری کے ثبوت جمع کر لیے اور اُس کی دو تصویریں جب وہ زنانہ لباس پہن کر ڈمی بن کر کھڑا ہوتا تھا۔ وہ تصویریں اور ثبوت اگر منظرِ عام پر آجائیں تو میکی براڈلے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا اور اُس کی برسوں کی شہرت خاک میں مل جاتی۔

ایسی ہی تصویروں کو موس ٹروفی نے اپنے پاس رکھ کر اُسے بلیک میل کیا تھا اور اُسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ میرے چہرے کو پلاسٹک سرجری کے ذریعے تبدیل کر دے۔ ڈاکٹر میکی براڈلے کے متعلق پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد میں نے موس ٹروفی سے رابطہ قائم کیا۔ اُس وقت وہ رات کا کھانا کھا رہا تھا۔ اُس کے دماغ میں بیٹھ کر آہستہ آہستہ اُسے ٹٹولنے لگا اور یہ معلومات حاصل کرنے لگا کہ بلیک میلنگ کا وہ تمام مواد کہاں رکھا ہوا ہے؟

پتہ چلا کہ پیرس میں ایک دس منزلہ عمارت ہے جس کا نام ماسٹر شاور ہے۔ اُس کی پہلی منزل سے لے کر دسویں منزل تک تمام دفاتر اور رہائشی کمرے ایسے ہیں جن میں سپر ماسٹر کی تنظیم کے افراد رہتے ہیں۔ وہاں میک اپ کا سامان، گولہ بارود، آتشی اسلحہ اور دوسری ایسی مشینیں اور ایسے ایسے تخریبی سامان رکھے ہوتے ہیں کہ جن کے ذریعے وہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو بلیک میل کر سکتے ہیں۔ وہاں کی آٹھویں منزل پر ایک اتنا بڑا ریکارڈ روم تھا جس میں سیاستدانوں سے لے کر سرمایہ داروں تک اور دوسری نامور عورتوں سے متعلق بھی بہت کچھ بلیک میلنگ کا مواد رکھا جاتا تھا۔ ہر ایک کی فائل وہاں موجود تھی اور وہ جیسے چاہتے، جب چاہتے بلیک میل کر سکتے تھے۔ اسی ریکارڈ روم میں ایک دراز ایسی تھی جس میں ڈاکٹر میکی براڈلے کو بلیک میلنگ کرنے کا مواد رکھا ہوا تھا اور وہاں سے وہ چیز یا تو ریکارڈ روم کیپر حاصل کر سکتا تھا یا پھر موس ٹروفی اُسے اپنے قبضے میں رکھ سکتا تھا۔ ان دو کے علاوہ کسی تیسرے کو اس ریکارڈ روم میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔

میں نے موس ٹروفی سے اُس کا فون نمبر معلوم کیا پھر وہاں رکھے ہوئے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر اُس کے نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس کے ملازم کی آواز سنائی دی۔ میں نے ڈاکٹر کی آواز کی کسی حد تک نقل کرتے ہوئے کہا۔ "میں مسٹر موس ٹروفی سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میرا نام میکی براڈلے ہے۔ ڈاکٹر میکی براڈلے۔"

مجھے تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا۔ کیونکہ ملازم اس فون کے ذریعے ڈائننگ میز پر رکھے ہوئے فون سے کنکشن ملا رہا تھا۔ پھر ماسٹر موس ٹروفی نے کھانے کے دوران ایک ہاتھ سے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو۔"

میں نے کہا۔ "میں ڈاکٹر بول رہا ہوں۔"

موس ٹروفی نے کہا۔ "بولو۔"

میں نے کہا۔ "کل سے میں مسٹر طارق محمود کے چہرے پر کام شروع کر دوں گا اور سرجری کے ابتدائی مرحلے سے گزروں گا لیکن اس سے پہلے میں پھر ایک بار وہ چیزیں دیکھنا چاہتا ہوں جو تمھارے پاس رکھی ہوئی ہیں۔"

موس ٹروفی نے پوچھا۔ "تم وہ چیزیں دوبارہ کیوں دیکھنا چاہتے ہو۔"

"اِس لیے کہ تم نے نیگیٹو نہیں دکھائے تھے صرف ان کی تصویریں دکھائی تھیں۔ میں دونوں چیزیں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمھارے پاس موجود ہے یا نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی اور کے پاس ان تصویروں کا کچھ حصّہ ہو تو میں دو طرف سے بلیک میل کیا جاؤں۔"

موس ٹروفی نے یقین دلانے کی کوشش کی کہ کسی دوسرے کے پاس ایسا بلیک میلنگ کا مواد نہیں ہے اور موس ٹروفی کے پاس نیگیٹو بھی موجود ہیں لیکن میں نے ڈاکٹر میکی براڈلے بن کر ضد کی کہ میں اسی شرط پر کام شروع کروں گا کہ مجھے آج رات وہ تمام تصویریں نیگیٹو اور پورا ریکارڈ دکھایا جائے۔"

ماسٹر موس ٹروفی نے کچھ سوچ کر کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں ابھی کھانے سے فارغ ہو کر ماسٹر شاور کی طرف جاؤں گا

اور وہاں سے تمھارا ریکارڈ لے کر آؤں گا۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ مجھے کسی طرح دھوکا دے کر وہ ریکارڈ حاصل کر لو گے۔ میرے ساتھ اتنے مسلح گارڈ ہوتے ہیں کہ تمھارا مجھ تک پہنچنا یا مجھ سے فراڈ کرنا یا مجھ سے وہ تمام مواد چھین کر لے جانا بالکل ناممکن ہوگا۔ بہرحال تم آج رات دس اور گیارہ کے درمیان میرے بنگلے میں آجاؤ — وہاں تمھیں ساری چیزیں دکھا دی جائیں گی۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے سونیا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ باتھ روم میں ہے اور منہ ہاتھ دھو کر اب باہر آنا چاہتی ہے تاکہ رات کا کھانا میرے ساتھ کھائے۔ میں صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو میں نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "میں تمھارا کوئی ملازم تو ہوں نہیں کہ یہاں تمھارے انتظار میں بیٹھا رہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ اب میں یہاں سے اُٹھ کر جانے والا تھا۔"

"میں جب غصے میں رہتی ہوں تو کسی کا خیال نہیں کرتی۔ تم کس کھیت کی مولی ہو۔ بہرحال میرے ساتھ رہو گے تو رفتہ رفتہ میرے مزاج کو سمجھنے لگو گے۔ چلو اب کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔ دراصل شام کو کیتھی کے آنے سے پہلے میں نے ڈٹ کر ناشتہ کیا تھا۔ وہ ابھی تک ہضم نہیں ہوا۔ میں اس وقت نہیں کھاؤں گا۔"

یہ کہتے ہوئے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بولی: "ٹھیک ہے۔ نہ کھاؤ مگر بیٹھو تو سہی۔ کہاں جا رہے ہو؟"

"اب میں ہوٹل میں جا کر آرام کروں گا۔"

"میں نے کیتھی سے کہا تھا کہ وہ تمھارا سامان یہاں لے آئے۔ تم یہاں میرے ساتھ رات گزارو گے۔"

میں نے تعجب سے پوچھا: "تمھارے ساتھ رات گزاروں گا۔ کیا مطلب؟"

وہ پہلے تو جھینپ گئی۔ پھر آنکھیں دکھا کر بولی: "اے مجھ سے فری ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ میرا مطلب ہے تم اس بنگلے کے کسی کمرے میں رات گزارو گے۔"

"نہیں۔ اب میں ہوٹل جاؤں گا۔ بس ایک ہی رات کی تو بات ہے۔ کل سے مجھے ڈاکٹر میکی براڈلے کے اسپتال میں رہنا ہوگا۔"

"اچھا میں تمھیں یہاں رکنے کے لیے مجبور نہیں کروں گی لیکن تم ایسے ہی نہیں جا سکتے۔ میرے ساتھ ڈائننگ روم میں بیٹھو۔ وہاں ایک کپ کافی پی لینا۔ اس کے بعد چلے جانا۔ میں تمھیں نہیں روکوں گی۔"

میں اس کے ساتھ چلتا ہوا ڈائننگ روم میں آیا۔ وہ مجھے وہاں بیٹھنے کے لیے کہہ کر پھر واپس چلی گئی۔ ملازم میز پر کھانا لگا رہا تھا۔ میں سونیا کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ وہ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے پوچھا: "ہوشوا کہاں ہے۔ اُسے بلاؤ۔"

چند لمحوں کے انتظار کے بعد ہی ہوشوا نامی شخص کی آواز سنائی دی: "یس مادام، غلام حاضر ہے۔"

"ہوشوا! تم نے آج دوپہر کو ماسٹر کے گھر میں طارق محمود کو اچھی طرح دیکھ لیا ہوگا۔"

"یس مادام، حکم دیجیے۔"

"اُس کی نگرانی کرو۔ ابھی وہ پندرہ بیس منٹ کے بعد میرے بنگلے سے نکلے گا۔ وہ جہاں بھی جائے۔ سائے کی طرح اس کے پیچھے رہو۔ کوئی شک شبہ کی بات ہو تو مجھے فوراً اطلاع دینا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے ہوشوا کے لب و لہجے کو اپنے ذہن میں محفوظ کیا۔ اس کے خیالات پڑھنے کا موقع نہیں تھا۔ سونیا واپس آرہی تھی بلکہ آچکی تھی۔ اس نے مجھے مسکرا کر دیکھا۔ پھر ملازم سے کہا: "صاحب کے لیے ایک کپ کافی لے آؤ، یہ کھانے سے پرہیز کر رہے ہیں۔"

پھر وہ پلاسٹک سرجری کے متعلق مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ملازم کافی لے آیا۔ پندرہ منٹ کے بعد میں کافی [illegible] ختم کر کے اُٹھ گیا: "مجھے جانے کی اجازت دو۔ [illegible] صبح ملاقات ہوگی۔"

سونیا نے کہا: "ہوٹل میں میرا انتظار کرنا۔ میں خود ہی آؤں گی اور تمھیں اپنے ساتھ ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔"

میں نے صبح اس کا انتظار کرنے کا وعدہ کیا۔ پھر بنگلے کے باہر آیا۔ پورچ میں سونیا کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے میرے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ میں وہاں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کار اسٹارٹ ہو کر ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔ سونیا کو میں نے یہی کہا تھا کہ ہوٹل جا رہا ہوں۔ اس لیے اُس کا ڈرائیور مجھے وہاں پہنچانے جا رہا تھا۔ جب میں اس بنگلے کے احاطے سے باہر نکلا تو میں نے دور سڑک کے کنارے ایک کار کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ میں آرام

سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر ہوشوا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ میرا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ ایک جاپانی تھا اور سپر ماسٹر کی تنظیم میں بہت ہی ہوشیار اور چالاک سمجھا جاتا تھا۔ تعاقب کرنے کے فن سے اچھی طرح واقف تھا اور جس کے پیچھے پڑ جاتا تھا۔ اُس کا پیچھا قبر تک نہیں چھوڑتا تھا۔

میں نے ہوشوا کو چھوڑ کر ماسٹر موس ٹرونی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اُس وقت تک وہ کھانے سے فارغ ہو گیا تھا اور اب ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کافی کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس کا ارادہ تھا کہ کافی پینے کے بعد وہ ماسٹر نادر کی طرف جائے گا اور وہاں سے ڈاکٹر میکی براڈلے کو بلیک میلنگ کرنے والے مواد کی پوری فائل لے کر واپس آئے گا۔

دس منٹ بعد میں ہوٹل تک پہنچ گیا۔ سونیا کا ڈرائیور مجھے وہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ میں نے کاؤنٹر پر پہنچ کر اپنے کمرے کی چابی طلب کی۔ پھر وہاں رکھے ہوئے ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھا کر ڈاکٹر میکی براڈلے کا نمبر ملایا۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہو گیا۔ ڈاکٹر نے ہی ریسیور اٹھایا تھا۔ میں نے اُس سے کہا: "ڈاکٹر، میں تمھارا ایک ہمدرد دوست بول رہا ہوں۔ تم جن پریشانیوں میں مبتلا ہو۔ میں ابھی ایک گھنٹے کے اندر تمھیں ان پریشانیوں سے نجات دلا سکتا ہوں۔ تمھاری جو تصویریں اور ثبوت ماسٹر موس ٹرونی کے پاس ہیں۔ وہ میں لا کر تمھیں دے سکتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے پوچھا: "تم کون ہو اور یہ سب باتیں کیسے جانتے ہو؟"

میں نے کہا: "جب میں وہ تصویریں لا کر دوں گا تو پھر اپنے متعلق بتاؤں گا۔ تم مجھے ایک گھنٹے بعد کہاں مل سکتے ہو؟"

"میں ساڑھے نو یا دس بجے تک کسی بھی ہوٹل یا پارک میں ملاقات کر سکتا ہوں یا تم مناسب سمجھو تو میرے بنگلے میں آجاؤ۔"

"میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ تمھارے گھر میں ملاقات کروں۔ تم کسی پارک کا نام بتاؤ۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"میں دس بجے سے سوا دس بجے تک پارک ایونیو کے اوپن ریستوران میں بیٹھا رہوں گا۔ تم وہاں ملاقات کر سکتے ہو۔"

میں نے ریسیور رکھ کر ہوشوا کے دماغ میں دیکھا۔ وہ اپنی کار سے اُتر کر ہوٹل میں داخل ہو رہا تھا۔ میں کاؤنٹر کے پاس سے چلتا ہوا لفٹ کے دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔

جب میں لفٹ کے اندر گیا اور لفٹ اوپر کی طرف جانے لگی تو میں نے ہوشوا کے دماغ میں پھر جھانک کر دیکھا۔ وہ کاؤنٹر کیپر سے پوچھ رہا تھا: "ابھی جو مسافر طارق محمود یہاں سے گیا ہے۔ وہ کس کمرے میں ہے؟"

کاؤنٹر کیپر نے اُسے کمرہ نمبر بتایا اور یہ بھی بتایا کہ میں ابھی اس کمرے کی چابی لے کر گیا ہوں۔ ہوشوا کاؤنٹر سے ہٹ کر لفٹ کے دروازے کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور لفٹ کا انتظار کرنے لگا۔ اس وقت تک میں اوپر پہنچ گیا تھا اور اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازے کو اندر سے بند کر چکا تھا۔ اس کے بعد میں نے ہوشوا کے دماغ پر قابض ہو کر کمرے کے نمبر کو گڑبڑانا شروع کیا۔ میں کمرہ نمبر ستائیس میں تھا اور اُس کے دماغ میں یہ اُلجھن پیدا کر رہا تھا کہ میں کمرہ نمبر اٹھائیس میں ہوں۔ اکتیس میں ہوں یا ستائیس میں ہوں۔ وہاں تین کمرے ایک قطار میں تھے اور اس قطار کے کسی ایک کمرے کے متعلق اب یہ سوچنا اُس کے لیے مشکل ہو رہا تھا کہ میں کس نمبر میں ہوں۔ پھر میں نے یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ طارق محمود کمرہ نمبر اٹھائیس میں ہے۔

وہ اوپر آچکا تھا اور اب اسی قطار میں کبھی ایک کمرے کی طرف جاتا تھا اور کبھی دوسرے کے پاس سے گزر کر تیسرے تک پہنچ جاتا تھا۔ پھر وہ اٹھائیس نمبر کے دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں اس کے دماغ میں یہی بات بٹھانا چاہ رہا تھا کہ طارق محمود اسی کمرے میں ہے۔

ایک بار اُس کے دماغ میں یہ بات آئی کہ پھر نیچے جا کر کاؤنٹر کیپر سے نمبر معلوم کرے لیکن میں نے اُسے جانے نہیں دیا بلکہ اس کی سوچ میں یہ بات بٹھائی کہ کاؤنٹر کیپر نے یہی نمبر بتایا تھا۔ بہتر یہ ہے کہ میں اس دروازے سے کان لگا کر سنوں کہ اندر کسی قسم کی آہٹ سنائی دیتی ہے یا نہیں۔

اس سوچ کے ساتھ ہی وہ دروازے سے جا کر لگ گیا۔ پہلے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُس کاریڈور میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے مطمئن ہو کر اپنے کان اسی دروازے سے لگا دیے۔ اسی وقت میں نے ہولے سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور ایسا کرنے کے دوران ہوشوا کے دماغ پر قابض رہا تاکہ میری آہٹ سن کر مجھے نہ دیکھے۔ میں نے دروازے کو آہستگی سے بند کر دیا۔ اُس کا دماغ بدستور میری مٹھی میں تھا اور میں دبے قدموں سے چلتا ہوا لفٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ایک کوریڈور میں مڑنے کے بعد میں لفٹ کے

سامنے پہنچ گیا۔ پھر جب لفٹ اُوپر آئی تو میں اُس میں داخل ہوگیا۔ اس میں داخل ہوتے ہی میں نے ہوشوا کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔

اُس نے چونک کر سوچا "میں ابھی تک اس دروازے سے کیوں لگا ہوا ہوں۔ آخر کب تک آہٹ سنتا رہوں گا، اندر سے کسی کے چلنے پھرنے کی آواز تو آرہی ہے لیکن وہ طارق ہی ہے۔ اس بات کی تصدیق کیسے کی جائے؟"

یہ سوچتے ہوئے وہ پیچھے ہٹ گیا اور دوسرے کمروں کو دیکھنے لگا سوچنے لگا کہ اُسے اسی جگہ کھڑے رہنا چاہیے جب کوئی بیرا یہاں سے گزرے گا تو اُس کے ذریعے تصدیق کی جائے گی کہ طارق محمود کا کمرہ کون سا ہے۔

اس وقت تک میں لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچ گیا تھا اور ایک جگہ رُک کر دُور سے کاؤنٹر کیپر کو دیکھ رہا تھا۔ جب وہ کسی کام سے کاؤنٹر سے ہٹا اور کوئی فون اٹینڈ کرنے لگا تو میں تیزی سے کاؤنٹر کے سامنے سے گزرتا ہوا اور کاؤنٹر کیپر کی نظروں سے بچتا ہوا ہوٹل کے باہر آگیا۔

فٹ پاتھ کے ساتھ ہی ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اُس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا کہ وہ مجھے ماسٹر ٹاور کی طرف لے جائے۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہوئی اور پھر تیزی سے میری منزل کی طرف جانے لگی۔ ہوشوا اسی کوریڈور میں تینوں دروازوں کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور تینوں دروازوں کو دیکھتا جارہا تھا۔ ابھی تک کوئی بیرا وہاں سے گزرا نہیں تھا اسی لیے اُس نے کمرہ نمبر کی تصدیق نہیں کی تھی۔

میں ماسٹر موس ٹرونی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ماسٹر ٹاور کی عمارت میں پہنچ گیا تھا اور اس وقت ریکارڈ روم کی طرف جارہا تھا۔ میں صحیح وقت پر اُس کے تعاقب میں چل پڑا تھا۔ دوسری طرف ہوشوا کوریڈور سے نکل کر لفٹ کی طرف آگیا تھا۔ وہاں اُس نے لفٹ مین سے معلوم کیا کہ اُس کی ڈیوٹی کب تک رہے گی۔ اُس نے بتایا کہ وہ ابھی آیا ہے اور صبح تک ہوٹل میں رہے گا۔ ہوشوا نے اُسے دس ڈالر دیتے ہوئے پوچھا "تم اُس ایشیائی مسافر کو پہچانتے ہو جس کا نام طارق محمود ہے؟"

لفٹ مین نے سر ہلا کر کہا "جی ہاں جناب! وہ کمرہ نمبر ستائیس میں ہے۔"

"ٹھیک۔ میں کمرہ بھول رہا تھا۔ بہرحال میں نیچے جارہا ہوں۔ جب بھی وہ کمرے سے باہر آئے یا لفٹ کے ذریعے نیچے جائے تو تم مجھے بار میں آکر بتا دینا۔ میں بار کے کاؤنٹر پر بیٹھا رہوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ لفٹ کے ذریعے نیچے آگیا۔ بار کا کاؤنٹر بھی قریب ہی تھا ـــــ وہاں بیٹھ کر لفٹ کے دروازے کو دیکھا جاسکتا تھا۔ ہوشوا مطمئن ہوکر وہاں بیٹھ گیا اور اپنے لیے وہسکی کا آرڈر دینے لگا۔ ہوشوا کے ساتھ اگر اتنا لمبا کھیل کھیلنے کی ضرورت نہ ہوتی تو میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے کب کا اُسے نقصان پہنچا چکا ہوتا۔ اُس کی کار کو کسی درخت سے ٹکرا دیتا کسی فٹ پاتھ پر چڑھا کر اس گاڑی کو کسی دکان کے اندر گھسا دیتا یا ہوشوا کو دماغی طور پر تڑپا کر کے اُس کو راستے سے ہٹا دیتا لیکن ان حالات میں جب وہ سونیا کے سامنے پہنچ کر رپورٹ دیتا تو سونیا کو معلوم ہوجاتا کہ فرہاد نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہوشوا کو راستے سے ہٹا دیا ہے۔ پھر اس کے دماغ میں یہ بات آتی کہ فرہاد نے طارق محمود کی حمایت میں ایسی حرکت کیوں کی جبکہ وہ سرجری کے خلاف نہیں ہے؟

یہی سب کچھ سوچ کر میں ہوشوا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا تھا۔ ماسٹر ٹاور کے قریب پہنچ کر ڈرائیور نے گاڑی روک دی۔ پھر میں نے اُس سے کہا "تھوڑی دیر یہاں گاڑی روکے رہو۔ مجھے ایک شخص کا انتظار ہے۔"

پھر میں ماسٹر موس ٹرونی کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ وہ آٹھویں منزل سے واپس آرہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک فائل اور ایک لفافہ تھا۔ فائل میں کچھ کاغذات تھے جو ڈاکٹر میکی براڈلے سے تعلق رکھتے تھے اور لفافے میں اُس کی تصویریں اور نیگیٹو تھے۔ وہ ان چیزوں کو ایک بریف کیس میں رکھنے کے بعد واپس آرہا تھا۔ جب وہ نیچے پہنچ گیا اور اس عمارت سے باہر آکر اپنی کار کی طرف جانے لگا تو میں نے اُسے اپنی ٹیکسی کی طرف پلٹا دیا۔ اب وہ میری ٹیکسی کی طرف آرہا تھا۔ میں نے پچھلی سیٹ کی کھڑکی کے شیشے کو نیچے کر دیا تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ پھر اُس نے ہاتھ بڑھا کر بریف کیس میری طرف کیا۔ میں نے بریف کیس لے کر ڈرائیور سے کہا "اب چلو۔"

یہ کہتے ہی ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اُسے آگے بڑھا دیا۔ وہ چند لمحے جبکہ میں نے ڈرائیور سے چلو کہا تھا تو اتنی دیر کے لیے میں نے موس ٹرونی کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تھا وہ چونک کر اور بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد اس ٹیکسی کو دیکھ رہا تھا جو آن کی آن میں اُس کے سامنے اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھ گئی تھی۔ اتنی دیر میں، میں پھر اُس کے دماغ پر قابض ہوگیا تھا۔ اس کے بعد میں نے

اُسے سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں دیا۔ اب وہ میری مرضی کے مطابق چلتا ہوا اپنی کار کے پاس جارہا تھا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

بس وہ بیٹھا رہا۔ اُسے کار اسٹارٹ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ گاڑی اسٹارٹ کرے اور اپنے ہوش و حواس میں رہ کر بریف کیس کے متعلق سوچے۔ پھر اُسے خیال آئے کہ اُس نے چشم زدن میں ایک ٹیکسی کو اپنے سامنے اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھتے دیکھا تھا۔ نمبر تو اُس نے نوٹ نہیں کیا ہوگا لیکن ہوسکتا ہے کہ کسی طرح وہ اس ٹیکسی تک پہنچ جائے جس میں، میں بیٹھا ہوا تھا اس لیے میں نے ماسٹر موس ٹرونی کو اس کی کار اسٹارٹ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

پھر ٹیکسی ڈرائیور کی آواز نے چونکا دیا۔ وہ پوچھ رہا تھا "جناب اب کدھر جانا ہے؟"

میں نے موس ٹرونی کو چھوڑ کر ڈرائیور کو پارک ایونیو کی طرف جانے کے لیے کہا۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد میں پارک کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ اِس پارک میں ایک اوپن ریسٹوران تھا۔ میں جب وہاں پہنچا تو دس بج کر پندرہ منٹ ہوئے تھے اور ڈاکٹر میکی براڈلے وہاں سے اٹھ کر جانے ہی والا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ چونک گیا۔ میں نے مسکرا کر کہا "فکر نہ کرو۔ میں نے ہی تمھیں فون کیا تھا۔ یہ دیکھو بریف کیس۔ اِس میں وہ تمام چیزیں موجود ہیں جو تمھاری پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ بیٹھ جاؤ۔ میں تمھیں سب کچھ دکھا دیتا ہوں۔"

میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے ماسٹر موس ٹرونی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ بہت پریشان نظر آرہا تھا۔ میں نے اُس کی سوچ کے ذریعے بریف کیس کے تالے کا نمبر معلوم کیا۔ پھر انھی نمبروں کی ترتیب سے میں نے اس بریف کیس کو کھول لیا "لو ڈاکٹر! ایک ایک چیز کو دیکھ لو۔ تمام چیزیں یہاں موجود ہیں۔"

وہ جلدی سے بریف کیس کو اپنے قریب کھسکا کر اُس میں سے لفافہ نکالنے کے بعد تصویریں نکال رہا تھا۔ جھینپ جھینپ کر کبھی میری طرف دیکھ رہا تھا اور کبھی تصویروں کو دیکھ رہا تھا اور ایک ایک نیگیٹو کو بھی اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے فائل کو کھول کر دیکھا۔ آخر پوری طرح مطمئن ہوکر تمام چیزیں بریف کیس میں رکھنے کے بعد بولا۔

"دوست تم کون ہو اور میری مدد کیوں کررہے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا "آپ کیسا سوال کررہے ہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں طارق محمود ہوں۔"

"یہ تو جانتا ہوں لیکن یہ نہیں جانتا کہ طارق محمود کون ہے۔ کہاں سے آیا ہے اور میری مدد کیوں کررہا ہے؟"

"اِس لیے کہ میں بھی تمھاری مدد کا محتاج ہوں۔"

ڈاکٹر نے اپنا ہاتھ بڑھا کر میرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا "میں تمھارے لیے جان بھی دے سکتا ہوں۔ بولو، کیا چاہتے ہو؟"

"ڈاکٹر میں پہلے بھی ایک بار پلاسٹک سرجری کرا چکا ہوں میں دراصل وہی فرہاد ہوں جس کا چہرہ آپ بنانے والے ہیں۔ دشمنوں سے چھپنے کے لیے میں نے پلاسٹک سرجری کا سہارا لیا تھا۔ سوچتا ہوں۔ سرجری کے دوران جب آپ معلوم کریں گے کہ ایک بار پہلے بھی سرجری ہوچکی ہے تو یہ بات آپ سونیا کو اور ماسٹر موس ٹرونی کو بتادیں گے اور یہی میں نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ انھیں اس بات سے بے خبر رکھیں۔"

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا "بس اتنی سی بات ہے۔ اب تو میں تمھارے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہوں اور کچھ بولو۔ کوئی اور حکم دو۔"

"بس مجھے کچھ اور نہیں چاہیے۔ جتنی جلدی ہوسکے۔ پلاسٹک سرجری کے ذریعے میرا چہرہ مجھے لوٹا دیجیے اور دشمنوں کو اس خوش فہمی میں رکھیں کہ آپ نے فرہاد کی ایک ڈمی اُن کے حوالے کی ہے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

"ڈاکٹر! اب آپ یہاں سے بریف کیس لے کر پہلے اپنے گھر جائیں۔ وہاں اس بریف کیس کو حفاظت سے رکھ دیں۔ اُس کے بعد آپ موس ٹرونی کے پاس جاکر تصویروں اور نیگیٹو کا مطالبہ کریں۔ ظاہر ہے کہ اب وہ نہیں دے سکے گا۔ بہانے بنائے گا۔ آپ زیادہ ضد نہ کریں۔ وہ جو کچھ بھی کہے گا اُس کی بات مان کر واپس آجائیں اور پھر مجھے اپنے زیرِ علاج رکھیں۔ اُن لوگوں کو اِس بات کا شبہ نہ ہونے پائے کہ یہ ساری چیزیں آپ تک پہنچ گئی ہیں۔ ورنہ وہ آپ کے دشمن بن جائیں گے اور آپ کو دوسری طرح نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔"

یہ کہہ کر میں نے اُس سے رخصتی مصافحہ کیا۔ پھر اس اوپن ریسٹوران سے باہر آکر ایک ٹیکسی والے کو روکا اور پچھلی

سیٹ پر بیٹھ کر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔ اب یہ مسئلہ تھا کہ میں ہوٹل کے کمرے میں کیسے پہنچوں یعنی ایسے پہنچنا تھا کہ ہوشوا مجھے نہ دیکھ سکے۔ ایک ہوشوا کی بات ہوتی تو میں اُسے چکّر دے دیتا لیکن وہ لفٹ مین کو بھی مجھ پر نظر رکھنے کے لیے کہہ گیا تھا۔

تیسری بات یہ کہ کاؤنٹر کیپر بھی مجھے دیکھ سکتا تھا اور حیرانی کا اظہار کرسکتا تھا کہ میں کس وقت باہر گیا تھا کہ اب واپس آرہا ہوں۔

میں نے باری باری تینوں کے داغوں میں جھانکنا شروع کیا۔ ہوشوا بار میں بیٹھا پینے میں مصروف تھا اور کبھی کبھی وہ لفٹ کے دروازے کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ کاؤنٹر کیپر اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔ اُس کی سوچ کے ذریعے پتہ چلا کہ اُس کی ڈیوٹی بدل گئی ہے۔ کاؤنٹر پر اب ایک لڑکی ڈیوٹی کے لیے آگئی ہے۔ لفٹ مین بدستور اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔

میں نے سوچ لیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ لڑکی مجھے باہر سے آتے ہوئے دیکھے۔ میں کاؤنٹر کی طرف جانے کے بجائے بار کی طرف جاسکتا تھا اور بار کی طرف سے ہوکر لفٹ کے دروازے تک پہنچ سکتا تھا۔ اس کے لیے مجھے صرف ہوشوا اور لفٹ مین کا سامنا کرنا تھا یعنی کاؤنٹر کیپر کی طرف سے اب کوئی خدشہ نہیں تھا۔

جب ٹیکسی ہوٹل کے سامنے رُکی تو میں نے اُسے کرایہ دے کر رخصت کردیا۔ ہوٹل کے دروازے پر آکر میں نے ذرا دیر کے لیے رُک کر سوچا۔ کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک خوب صورت سی لڑکی فون پر کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ میں دروازے سے ہی دوسری طرف گھوم کر بار میں پہنچ گیا۔ وہاں ہوشوا بیٹھا ہوا پی رہا تھا۔ پشت میری طرف تھی اور وہ کبھی کبھی لفٹ کی طرف دیکھتا تھا۔ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔ جب اُس کا گلاس خالی ہو گیا تو میں نے اُس کے دماغ پر قابض ہوکر اُسے اِس بات کا موقع نہیں دیا کہ وہ ویٹر کو آواز دے کر مزید شراب منگائے بلکہ مزید پینے کے لیے میں نے اُسے اس میز پر سے اُٹھا دیا۔ وہ خود شراب لانے کے لیے بار کاؤنٹر کی طرف جانے لگا۔ جب وہ اس کاؤنٹر کی طرف جارہا تھا تو میں تیزی سے چلتا ہوا لفٹ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اُسی وقت لفٹ نیچے آئی تھی اور اُس کا دروازہ کھلا تھا۔ میں لفٹ کے اندر داخل ہوگیا۔

لفٹ مین مجھے حیرانی سے دیکھ رہا تھا کہ میں کب باہر گیا تھا۔ یہی سوال اُس نے مجھ سے کیا۔ میں نے کہا۔ "میں اس وقت گیا تھا جب تم ڈیوٹی پر نہیں آئے تھے شاید میرے باہر جاتے ہی تم ڈیوٹی پر آئے ہو۔"

اُس نے تائید میں سر ہلایا تو میں نے اپنی جیب سے دس دس ڈالر کے پانچ نوٹ نکالے اور اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے رکھ لو اور میرا ایک کام کرو جب وہ جاپانی آدمی یا کوئی بھی شخص تم سے پوچھے کہ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا یا اس لفٹ میں آیا تھا تو تم صاف انکار کردینا اور یہ کہہ دینا کہ تم نے مجھے دیکھا ہی نہیں۔"

اُس نے پچاس ڈالر لیتے ہوئے خوش ہوکر کہا۔ "جناب آپ اطمینان رکھیں۔ میں کسی سے آپ کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

لفٹ مین نے وعدہ کیا۔ لفٹ اُوپر پہنچ چکی تھی۔ میں مطمئن ہوکر باہر آگیا۔ پھر کوریڈور سے گزرتے ہوئے کمرہ نمبر ستائیس کا دروازہ کھول کر اندر پہنچنے کے بعد دروازے کو بند کردیا۔

اس کے بعد میں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ بستر پر آکر چاروں شانے چت گر پڑا۔ تھکے ہوئے انداز میں تھوڑی دیر تک لیٹا رہا اور چھت کو گھورتا رہا۔ اس وقت میں نے خیال خوانی نہیں کی۔ دماغ کو کسی طرح بھی استعمال نہیں کیا۔ بالکل پُرسکون پڑا رہا۔ پھر تقریبًا پانچ منٹ کے بعد میں نے جوتے اُتارے۔ لباس تبدیل کیا اور سگریٹ سلگا کر ایک کرسی پر آرام سے بیٹھ گیا اور موس ٹرونی کی خبر لینے لگا۔

وہ سخت پریشان تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بریف کیس کہاں چلا گیا۔ کیسے چلا گیا۔ وہ واپس آٹھویں منزل پر گیا تھا۔ ریکارڈ روم میں جاکر ریکارڈ کیپر سے بھی دریافت کیا تھا۔ "کیا میں یہاں سے بریف کیس میں ڈاکٹر میکی براڈلے کا ریکارڈ لے کر گیا تھا؟"

ریکارڈ کیپر نے تصدیق کی اور کہا کہ وہ یہاں سے تمام ریکارڈ لے جاچکا ہے۔ موس ٹرونی کا دماغ کام نہیں کررہا تھا۔ اُس نے اپنے ایک ماتحت کو حکم دیا کہ وہ کار ڈرائیو کرے اور اُسے سونیا تک پہنچائے۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا اور اس بریف کیس کے متعلق گہری سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ اب اُس کی سمجھ میں ایک ہی بات آرہی تھی کہ یہ جو کچھ بھی ہوا ٹیلی پیتھی کی وجہ سے ہوا۔ ورنہ اُس کے ہاتھ کا بریف کیس اُس کی لاعلمی میں غائب نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ اس وقت پورے ہوش و حواس میں تھا۔ باہر آنے کے بعد جب وہ کار کی طرف بڑھ رہا

تھا۔ اُسی وقت وہ گم ہوگیا تھا اور ہوش اُس وقت آیا تھا جب کہ ایک ٹیکسی اُس کے سامنے سے اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر اُس کے ہوش گم ہوگئے تھے۔ اُسے یقین تھا کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے وہ بریف کیس غائب کیا گیا تھا۔

جب میں موس ٹرونی کے دماغ میں پہنچا تو اس وقت وہ سونیا کے پاس پہنچ چکا تھا اور اُسے پوری روداد سُنا رہا تھا۔ سونیا نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بے شک یہ حرکت فرہاد کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ آج وہ ڈنر سے پہلے مجھ سے دماغی رابطہ قائم کرنے کے بعد چیلنج کررہا تھا کہ ہم طارق محمود کو فرہاد کی ڈمی بناکر اُس سے کوئی غلط کام نہیں لے سکیں گے۔"

موس ٹرونی نے کہا۔ "یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ فرہاد نے اس بریف کیس کو میرے پاس سے کیسے غائب کیا ہوگا۔ کسی کو تو اُس نے اپنا آلۂ کار بنایا ہوگا؟"

سونیا نے سر ہلا کر کہا۔ "ہاں یہ سوچنے کی بات ہے۔ وہ کسی کو آلۂ کار بنائے بغیر ٹیلی پیتھی سے کام نہیں لے سکتا تھا پھر اُس نے کس کو آلۂ کار بنایا ہوگا؟"

موس ٹرونی نے چونک کر کہا۔ "وہ طارق محمود کو اپنا آلۂ کار بنا سکتا ہے؟ وہ ہے کہاں؟ وہ تو تمھارے ساتھ یہاں رات کو اِسی بنگلے میں رہنے والا تھا؟"

"نہیں۔ وہ اصرار کرکے ہوٹل چلا گیا تھا لیکن میں نے ہوشوا جیسے ذہین اور چالاک آدمی کو طارق محمود کے پیچھے لگا دیا ہے۔ وہ اُسے اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے گا۔ میں نے اُسے تاکید کی تھی کہ ذرا بھی شبہ کی بات ہو یا وہ ذرا دیر کے لیے بھی نظروں سے اوجھل ہو یا ہوٹل کے کمرے سے نکل کر کہیں جائے تو مجھے فوراً اطلاع دی جائے اور میں سمجھتی ہوں کہ اب تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی ہے۔ طارق محمود یقینًا اپنے ہوٹل کے کمرے میں ہوگا۔ اِس لیے ہوشوا نے مجھے اطلاع نہیں دی ہے۔"

"مادام! میرا دل نہیں مانتا۔ پتہ نہیں کیا بات ہے۔ کیوں نہ ہم ہوٹل میں پہنچ کر طارق محمود کو چیک کرلیں اور یہ بھی دیکھ لیں کہ ہوشوا صحیح طور سے اپنی ڈیوٹی پر ہے یا نہیں۔"

سونیا نے کہا۔ "چلو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ اب میں بھی چاہوں گی کہ طارق محمود ہوٹل میں نہ رہے۔ فرہاد نے شرارتیں شروع کردی ہیں ہوسکتا ہے کہ اگر ابھی اُس نے طارق محمود کو اپنا آلۂ کار نہیں بنایا ہو تو آیندہ بنانا شروع کردے۔"

وہ دونوں میری طرف آرہے تھے کار میں بیٹھ کر ہوٹل کے قریب پہنچنے کے دوران سونیا نے اِس بات کی تصدیق کی کہ میں اسی طرف موجود ہوں۔ کیونکہ اُسے میری بُو مل رہی تھی۔ ہوٹل کے سامنے پہنچ کر اُس نے کہا۔ "طارق یہاں موجود ہے کیونکہ میں اُس کی بُو پارہی ہوں۔" اسی طرح وہ تصدیق کرتی ہوئی کاؤنٹر پر آئی۔ وہاں ہوشوا سے سامنا ہوا۔ اُس نے بتایا "طارق محمود اپنے کمرے میں موجود ہے اور جب سے وہ اندر گیا ہے باہر نہیں آیا ہے۔ میں برابر یہاں بیٹھا ہوا نگرانی کررہا ہوں اور میں نے لفٹ مین کو بھی رشوت دی ہے کہ وہ اُس کے متعلق اطلاع پہنچاتا رہے۔"

سونیا اُس کی باتیں سن کر ہوشوا اور ماسٹر ٹرونی کے ساتھ لفٹ میں داخل ہوئی۔ جب لفٹ اُوپر جانے لگی تو سونیا نے لفٹ مین سے میرے متعلق پوچھا۔ اُس نے انجان بن کر کہا کہ طارق محمود کو اُس نے اُس وقت سے نہیں دیکھا ہے جب مسٹر ہوشوا نے اُسے طارق محمود کے متعلق اطلاعات فراہم کرنے کے لیے کہا تھا۔

وہ لوگ لفٹ سے باہر آکر کوریڈور میں پہنچے۔ پھر وہاں سے ستائیس نمبر کے دروازے کے سامنے پہنچ کر دستک دینے لگے۔ میں اُس وقت بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اُٹھ کر میں نے دروازے کے قریب پہنچتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہے؟"

دوسری طرف سے سونیا نے کہا۔ "سونیا۔"

میں نے دروازے کو کھول دیا۔ وہ تینوں اندر آگئے۔ سونیا گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میرے سراپا کا جائزہ لے رہی تھی۔ کمرے میں بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھ رہی تھی پھر وہ مطمئن ہوکر بولی۔ "میں تمھیں لینے آئی ہوں۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔ تم نے تو کہا تھا کہ میں یہ رات ہوٹل میں گزار سکتا ہوں۔"

"ہاں میں نے کہا تھا لیکن فرہاد کچھ شرارتیں کررہا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ تمھیں یہاں نقصان پہنچائے، میں تمھیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی اور اپنی نگاہوں کے سامنے رکھوں گی۔"

میں کرسی پر بیٹھ کر بڑبڑانے لگا۔ "کیا مصیبت ہے میں جب سے یہاں آیا ہوں تم میرے پیچھے پڑگئی ہو۔ پہلے مجھے فرہاد سمجھ لیا۔ اب طارق محمود تسلیم کیا ہے تو رات کو بھی چین نہیں لینے دیتیں۔ اب یہاں سے مجھے اپنے بنگلے میں لے جانا چاہتی ہو۔ چلو۔ میری قسمت میں بھٹکنا ہی ہے تو میں رات کو بھی تمھارے ساتھ بھٹکتا رہوں گا۔"

میں کرسی سے اُٹھ گیا۔ پھر بڑبڑاتے ہوئے اپنے سامان کو بیگ میں رکھنے لگا۔ اُس کے بعد باتھ روم میں جاکر لباس تبدیل کیا۔ تھوڑی دیر بعد میں سامی کو گود میں لے کر اُن کے ساتھ

ہوٹل سے باہر آتے وقت میں نے سونیا سے پوچھا۔ ”آخر مجھے بھی تو معلوم ہو کہ فرہاد نے ایسی کون سی شرارت کی ہے کہ تم مجھے اپنی پناہ میں رکھنے کے لیے لے جا رہی ہو۔“

کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد سونیا نے مجھے بتایا کہ موسیٰ ٹروفی کا بریف کیس کیسے غائب ہو گیا ہے اور اس بریف کیس میں کیا موجود تھا۔ یہ تمام باتیں بتانے کے بعد سونیا نے مجھ سے کہا۔ ”میں تمہاری ذہانت کا امتحان لینا چاہتی ہوں تم اپنی طرف سے سوچ کر بتاؤ کہ فرہاد نے کس کے ذریعے وہ بریف کیس غائب کیا ہو گا اور اس بریف کیس کو کہاں پہنچایا ہو گا۔“

میں نے کہا۔ ”سیدھی سی بات ہے۔ اس بریف کیس میں جو کچھ بھی تھا اُس کا تعلق ڈاکٹر میکی براڈلے سے ہے۔ وہ سارا سامان میکی براڈلے کے پاس پہنچا یا گیا ہو گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو فرہاد نے اُسے ضائع کر دیا ہو گا۔ جلا کر راکھ کر ڈالا ہو گا۔ تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ وہ تم لوگوں کو میکی براڈلے کی طرف سے کمزور کر چکا ہے۔“

”اتنی سی بات تو میں بھی سمجھ سکتی ہوں لیکن جو اہم سوال ہے وہ یہ کہ فرہاد نے کس کو اپنا آلۂ کار بنا کر اُس بریف کیس کو غائب کیا ہے ؟“

ماسٹر موسیٰ ٹروفی نے ایک ٹیلی فون بوتھ کے پاس کار کو روکتے ہوئے کہا۔ ”مادام، میں ابھی اپنے بنگلے میں فون کر کے معلوم کرتا ہوں کہ ڈاکٹر میکی براڈلے وہاں آیا ہے یا نہیں ؟“

یہ کہہ کر وہ ٹیلی فون بوتھ کے اندر گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد واپس آ کر بولا۔ ”میرے ملازم نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر میرے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا میرا انتظار کر رہا ہے۔ میں نے ملازم سے کہہ دیا ہے کہ اُسے بتا دے کہ میں تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔“

ماسٹر موسیٰ ٹروفی نے سونیا کے بنگلے کے سامنے گاڑی کو روک کر کہا۔ ”مادام، آپ اپنے بنگلے میں رہیں۔ میں اپنے بنگلے میں جا کر ڈاکٹر سے باتیں کرتا ہوں جو کچھ بھی اُس کی باتوں کا نتیجہ نکلے گا اُس سے میں آپ کو آگاہ کروں گا۔“

میں اور سونیا گاڑی سے اُتر گئے۔ موسیٰ ٹروفی وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ ہم بنگلے میں آئے تو سونیا نے کہا۔ ”فرہاد نے اس بلیک میلنگ کے مواد کو بالکل ہی تباہ کر دیا ہے یا کسی گٹر میں پھنکوا دیا ہے۔ وہ ایسی حرکتیں کیوں کر رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر وہ میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے ؟“

میں نے آہستگی سے کہا۔ ”وہ دل سے مجبور ہو گا۔“

وہ بھڑک کر بولی۔ ”کیا کہا تم نے ؟“

”میرا مطلب ہے کہ جب وہ کسی حال میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑ رہا ہے تو یقیناً تم سے محبت کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ تم اس قسم کے غلط کام کرو۔ سچ پوچھو تو میرا دل بھی نہیں چاہتا ہے کہ میں ایسا کروں۔ بس ایک دولت کا لالچ ہے جس کی وجہ سے میں پاکستان سے پیرس آیا اور یہاں تمہارے چنگل میں پھنس گیا۔“

”ابھی کہاں پھنسے ہو۔ ابھی تو ابتدا ہے۔ آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا۔“

وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی۔ پھر بولی۔ ”یہ تمہارا کمرہ ہے۔ یہاں تم رات گزارو گے اور اس دروازے کو میں باہر سے لاک کروں گی۔ تاکہ نہ تم باہر جا سکو نہ فرہاد کسی کو آلۂ کار بنا کر یہاں تمہارے کمرے میں پہنچا سکے۔“

”تم باہر سے کیا لاک کرو گی۔ میں دروازے کو خود ہی اندر سے بند رکھوں گا۔ تاکہ کوئی صبح تک کمرے میں نہ آئے۔“

”نہیں، تم دروازے کو اندر سے بند نہ کرنا۔ میں رات کو کسی وقت بھی یہ دیکھنے آؤں گی کہ تم کمرے میں موجود ہو یا نہیں۔“

”تم میرے کمرے میں رات کو کس وقت آؤ گی کیا بات ہے۔ کیا ارادہ ہے ؟“

وہ گھور کر بولی۔ ”بکواس مت کرو۔ میں اپنے معاملات کو سمجھتی ہوں۔ جاؤ اندر چلے جاؤ۔ میں دروازہ بند کروں گی۔“

میں اپنا بیگ اُٹھائے اندر گیا تو اُس نے دروازے کو بند کیا۔ پھر میں نے لاک کرنے کی آواز سنی۔ اُس کے بعد وہ وہاں سے جانے لگی۔ میں کمرے میں پہنچنے کے بعد بیگ کو ایک طرف رکھ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ سامی اپنی عادت کے مطابق کمرے میں گھوم کر اس ماحول کا جائزہ لینے لگی۔ میں نے آرام سے جوتے اُتارنے اور لباس تبدیل کرنے کے دوران سونیا کے دماغ کو ٹٹولنا شروع کیا۔

اُس کے دماغ سے کچھ نئی معلومات حاصل ہوئیں۔ وہ معلومات یہ تھیں کہ جس کمرے میں میں ٹھہرا ہوا تھا وہاں ایک ایسا آلہ لگا ہوا تھا کہ جس کے ذریعے ٹی وی اسکرین پر مجھے دیکھا جا سکتا تھا اور وہ دوسرا کمرہ سونیا کی خواب گاہ تھی۔ اس کے علاوہ سونیا نے اپنے لیے ایسے حفاظتی انتظامات کیے تھے کہ رات کے وقت کوئی اُس کے بنگلے میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ دروازے اور کھڑکیوں پر کچھ ایسا میکنزم تھا کہ اُس کے قریب آتے ہی چاروں طرف خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ مزید یہ کہ بنگلے کے احاطے میں رات کے وقت

خونخوار کتے چھوڑ دیے جاتے تھے۔ یعنی نہ تو میں باہر جا سکتا تھا اور نہ ہی کوئی دشمن سونیا کو نقصان پہنچانے کے لیے اندر آ سکتا تھا اور میں تو اُس کا دشمن نہیں تھا لیکن وہ اب تک شاید مجھ سے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے مجھے ایسے کمرے میں سونے کے لیے بھیجا تھا جہاں سے میں اُسے نظر آ سکتا تھا اور وہ مجھے ٹی وی کے اسکرین پر جس وقت چاہتی دیکھتی رہتی۔

اُس وقت وہ ایک ایزی چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی اُس کی نگاہیں ٹی وی کے اسکرین پر مجھے دیکھ رہی تھیں دماغ اس گتھی کو سلجھا رہا تھا کہ وہ بریف کیس کیسے غائب ہو گیا۔ کیا واقعی فرہاد نے ایسا کیا ہے اور اگر فرہاد نے ایسا کیا ہے تو اُسے اس بریف کیس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ کیا وہ محض اُسے پریشان کرنے کے لیے ایسا کر رہا ہے۔

ایسا سوچنے کے دوران اُس کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ میں تنہائی میں کیا کرتا ہوں۔ اگر میں خاموشی سے بیٹھا رہتا ہوں۔ مراقبے میں جاتا ہوں یا آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنے لگتا ہوں تو یہ شبہ کیا جا سکتا تھا کہ میں خیال خوانی میں مصروف ہوں اور میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ حالانکہ مجھے اُس وقت خیال خوانی کی ضرورت تھی اور میں فرہاد بن کر سونیا کو چھیڑنا چاہتا تھا۔

میں نے تھوڑی دیر سامی سے دلچسپی لی۔ سنٹر ٹیبل کے نیچے کچھ انگریزی اور کچھ فرانسیسی رسالے اور اخبارات رکھے ہوئے تھے۔ میں نے ایک انگریزی رسالہ اُٹھایا۔ پھر کرسی پر اُسے کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ پڑھنے کا تو محض ایک بہانہ تھا۔ میں تو اُس کے دماغ کو پڑھ رہا تھا۔ وہ سوچتے سوچتے کچھ پریشان ہو کر مجھے دیکھنے لگی تھی کیونکہ اُسے توقع نہیں تھی کہ میں رسالہ پڑھنا شروع کر دوں گا۔ اس طرح تو یہ صحیح طور سے پتہ نہیں چلے گا کہ رسالہ پڑھا جا رہا ہے یا خیال خوانی کی جا رہی ہے۔

میں اُس کے سامنے شبہ سے بالاتر نہیں تھا۔ کیونکہ میری آواز، میرا لب و لہجہ، میری آنکھیں اور میرے بدن کی بو ساری چیزیں ایسی تھیں کہ وہ کسی حال میں بھی میری طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتی تھی۔ جب بھی اُسے آزمانے کا موقع ملتا تو وہ مجھے آزمانے کے لیے اور چھپ چھپ کر دیکھنے کی کوشش کرتی تھی کہ کسی طرح میرے اندر کی چھپی ہوئی اصل شخصیت کو بے نقاب کرے۔

میں نے جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسالے کو میز پر پھینک دیا۔ جیسے میرا دل نہ لگ رہا ہو اور تنہائی میں ابھی نیند بھی نہ آ رہی ہو۔ میں نے جمائی لیتے ہوئے کرسی سے اُٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھا تو بڑا سا ریکارڈ پلیئر نظر آیا۔ میں اُس کے پاس جا کر موسیقی کا کوئی اچھا سا ریکارڈ منتخب کرنے لگا۔ پھر میں نے پلیئر پر ریکارڈ رکھ کر اُسے آن کیا۔ کمرے کی محدود فضا میں موسیقی اُبھرنے لگی۔ وہ موسیقی اتنی تیز تھی کہ رقص کرنے کے جذبے کو اُبھارتی تھی۔ میں آہستہ آہستہ اسٹیپ لے کر ڈانس کرنے لگا۔ ڈانس شروع کرتے ہی میں نے سونیا کو مخاطب کیا۔

”ہیلو سونیا۔ کس سوچ میں ہو ؟“

وہ چونک کر سیدھی بیٹھ گئی۔ ٹی وی کے اسکرین پر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا کہ کہیں میں تو اُسے مخاطب نہیں کر رہا ہوں لیکن ایک ڈانس کرنے والا شخص ایسا نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ میں ڈانس کرنے میں مست ہو رہا تھا۔ دوسری طرف میں نے پھر پوچھا۔ ”اچھا تو تم اس اسکرین پر یہ دیکھ رہی ہو کہ وہ جو بندر ناچ رہا ہے کہیں وہی خیال خوانی نہ کر رہا ہو۔“

وہ بولی۔ ”خبردار، طارق کو بندر نہ کہنا۔ وہی بندر بہت جلد فرہاد بننے والا ہے۔“

”لیکن تم تو وقت سے پہلے ہی اُسے فرہاد سمجھ کر دیکھ رہی ہو۔“

”ہاں۔ کیا تم طارق کے اندر سما کر یہ نہیں دیکھ سکتے کہ اُس کے بدن کی بو تمہارے جیسی ہے۔ اُس کا لب و لہجہ اور اُس کی آنکھیں بھی بالکل تم سے مطابقت اور مشابہت رکھتی ہیں۔ یہ باتیں ایسی ہیں کہ مجھے بار بار اُس پر شبہ ہوتا ہے۔“

”میں طارق کے اندر تھوڑی دیر رہ چکا ہوں اور یہ تو ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے چہرے ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہوں اور یہ بھی اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ دو آدمیوں کی عادتیں بھی تقریباً ایک جیسی ہوتی ہیں لیکن لب و لہجہ بھی ویسا ہی ہو، آنکھیں بھی ویسی ہی ہوں تو یہ واقعی حیرانی کی بات ہے اور تمہارا شبہ اپنی جگہ درست ہے۔ تم نے میری ایک ڈمی تیار کرنے کے لیے بہت ہی موزوں شخص کا انتخاب کیا ہے۔ ٹھہرو، کیوں نہ ہم ایک دوسرے کے سامنے رہ کر خود گفتگو کریں۔“

اُس نے پوچھا۔ ”وہ کس طرح ؟“

”اس طرح کہ میں تمہارے اس بندر کے اندر سماجاتا ہوں اور یہ فرہاد بن کر تم سے باتیں کرے گا۔ دوسرے لفظوں میں میں تم سے مخاطب ہوتا رہوں گا۔“

یہ کہتے ہی میں نے رقص کرنا یکلخت ختم کر دیا اور ایکدم سے ساکت ہو گیا۔ پھر مجھ میں گہری سنجیدگی طاری ہو گئی اور میں اوپر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”ہیلو سونیا۔

میں تمھارے سامنے پہنچ گیا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں مسکرایا۔ سونیا مجھے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی نگاہیں ٹی وی کے اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور طارق محمود کے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں۔ میں نے پوچھا "کیا ٹٹول رہی ہو۔ میں فرہاد تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ تمھیں شبہ ہے نا کہ طارق محمود کے اندر فرہاد چھپا ہوا ہے تو لو اب سچ مچ فرہاد اُس کے اندر آگیا ہے اور جب تم یہاں مجھ سے ملنے آؤ گی تو میں طارق محمود کے اندر سے نکل کر چلا جاؤں گا۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں تم سے ملنے آؤں۔"

"بڑی ضرورت ہے سونیا۔ تم اس گتھی کو سلجھا نہیں سکی ہو کہ ماسٹر موس ٹروتی کے پاس سے وہ بریف کیس کیسے غائب ہو گیا اور میں نے اُسے کہاں پہنچا دیا ہے؟"

"مجھے وہ بریف کیس چاہیے۔ اُسے واپس کر دو۔"

"واپس کہاں سے کروں۔ اُسے تو میں نے آگ لگا دی ہے اور بریف کیس کو ایک گٹر میں پھینک دیا ہے۔"

وہ غصے سے بولی "تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں تمھیں سمجھا رہی ہوں کہ سیدھی طرح وہ چیزیں واپس کر دو۔ وہ ہمارے لیے بڑی اہم ہیں۔"

میں نے طنزیہ انداز میں کہا "ہاں۔ بڑی اہم ہیں اس سونیا کے لیے جو فرہاد کی محبوبہ تھی اور آج بھی ہے لیکن اس کا مزاج اور اُس کی فطرت ایسے بدل گئی ہے کہ اب وہ مجرمانہ زندگی گزارنے لگی ہے۔ پہلے وہ انسانوں کی ہمدرد تھی۔ آج وہ ظالم ہو گئی ہے۔ اُسے اتنا بھی خیال نہیں آیا کہ جو ڈاکٹر پلاسٹک سرجری کے ذریعے عیب والے لوگوں کو بے عیب بنا دیتا ہے۔ اُن کو شرمندگی سے بچاتا ہے۔ چہرے کے نقائص دور کرتا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں کوئی عیب ہو تو انھیں درست کر دیتا ہے۔ اِس طرح وہ انسانی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ایسے انسان کو تم موس ٹروتی کے ساتھ مل کر بلیک میل کر رہی تھیں یہ کتنے شرم کی بات ہے۔ اگر تمھیں میرے شرم دلانے پر بھی شرم نہ آئے تو میں تم پر لعنت بھیجتا ہوں۔"

وہ بولی "انسان کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو۔ اُس کے اندر ایک اچھا انسان ضرور موجود ہوتا ہے۔ وہ اچھا انسان خود بُرے آدمی کو نظر نہیں آتا۔ اُس کے اندر تہہ بہ تہہ کہیں چھپا رہتا ہے لیکن میں اپنے اندر کی سونیا کو پہچانتی ہوں۔ میں آج بھی وہی ہمدرد اور محبت کرنے والی عورت ہوں اور دوسروں کی خاطر جان پر کھیل جانا جانتی ہوں لیکن یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور جو راستہ میں نے بدل دیا ہے۔ اُس کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔"

"اپنی کوتاہیوں اور اپنی غلطیوں کا الزام مجھ کو نہ دو۔"

"میں صحیح کہہ رہی ہوں۔ اگر تم میرا پیچھا چھوڑ دو یا پھر ہمیشہ کے لیے میرے بن جاؤ تو دونوں صورتوں میں میں ابھی سپر ماسٹر کی تنظیم سے علیحدہ ہو جاؤں۔ کوئی مجھے مجبور نہیں کر سکتا کہ میں اُن کی پابند رہوں۔"

"سونیا میں آج بھی تمھارا ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔ تمھیں جتنا میں پہچان سکتی ہوں دنیا کی کوئی عورت نہیں پہچان سکتی۔ تم کبھی کسی ایک عورت کے ہو کر رہ نہیں سکتے۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ مشاہدہ ہے اور میں تمھیں اتنی اچھی طرح جانتی ہوں کہ جتنی اچھی طرح شاید خود کو بھی نہیں پہچان سکتی۔"

"اچھا تو سپر ماسٹر کی تنظیم کو چھوڑنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ میں تمھارا پیچھا چھوڑ دوں۔"

"ہاں۔ اگر تم مجھ سے ہمیشہ کے لیے دُور ہو جاؤ۔ کبھی مجھ سے دماغی رابطہ قائم نہ کرو تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں بالکل تنہا زندگی گزاروں گی اور کبھی تمھارے خیال کو اپنے دماغ میں نہیں آنے دوں گی۔"

"دیکھو سونیا یہ درست ہے کہ میں کبھی کسی ایک عورت کا بن کر نہیں رہ سکتا۔ اب تک کے مشاہدات اور تجربات یہی ہیں کہ جہاں جہاں میں پہنچتا ہوں۔ وہاں کسی نہ کسی لڑکی سے ملاقات ہوتی ہے۔ پھر پہلے اُس سے ہمدردی ہوتی ہے پھر محبت ہوتی ہے۔ پھر تعلقات قائم ہو جاتے ہیں اور اس طرح میں ہرجائی بنتا چلا جاتا ہوں۔"

"آج کل تو مرجانہ تمھارے ساتھ ہے۔ کب تک اُس کا ساتھ رہے گا۔"

"مرجانہ الگ ٹائپ کی لڑکی ہے۔ وہ موم کی طرح پگھلنے والی نہیں ہے۔ بہت محتاط اور بہت ہی ضدی اور سرکش ہے۔ مجھے مجبور کر رہی ہے کہ صرف دوست بن کر رہوں۔ میں نے سوچا ہے کہ میں اُس کی خواہش کے مطابق عمل کر کے دیکھ لوں۔ تم مجھے راہِ راست پر نہ لا سکیں ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے سیدھے راستے پر لے آئے۔"

"میں کہتی ہوں کہ جس دن وہ تمھیں حاصل ہو جائے گی اُس دن تمھارے اندر کا ہرجائی فرہاد پھر اپنے راستے پر چلنے لگے گا۔ بہرحال میں اس موضوع پر بحث نہیں کرنا چاہتی کیونکہ مجھے تمھاری ذات سے اب کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"دلچسپی تو لیتی ہو مگر ظاہر نہیں کرنا چاہتیں۔ یہ بھی بھول جاتی ہو کہ میں تمھارے لاشعور میں پہنچ کر تمھاری چھپی ہوئی اس محبت کو پڑھ لیتا ہوں جو میرے لیے اور صرف میرے لیے مخصوص ہے۔"

"ہاں۔ ایک غلط محبت، ایک غلط جذبہ بھی انسان کے لاشعور میں چھپا ہوتا ہے جسے ہم کچلتے رہتے ہیں۔ میں اس چھپی ہوئی محبت کو بھی ایک دن کچل کر رکھ دوں گی اور یہ اُسی وقت ہو گا کہ میں اچانک ہی کسی سے شادی کر لوں گی اور اپنے آپ کو اُس کے حوالے کر دوں گی تو پھر یہ کانٹا بھی نکل جائے گا کہ میں ابھی تک تمھاری منتظر ہوں۔ وہ دن ایسا ہو گا جب ہمارے ہر قسم کے تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔"

"ہمارے تعلقات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ آج رات میں تمھارے پاس آؤں گا۔"

وہ چونک کر اسکرین پر طارق کے چہرے کو دیکھنے لگی۔ میں نے مسکرا کر کہا "ہاں ابھی میں تمھارے پاس پہنچوں گا اور صبح ہونے کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔"

وہ اندر سے تو ذرا لہراسی گئی۔ ایک مسرت اُس کے اندر دوڑی لیکن اُس نے اس خوشی کے جذبے کو کچلتے ہوئے غصہ دکھاتے ہوئے کہا "خبردار، ایسی باتیں نہ کرنا۔ تم میرے بنگلے میں داخل نہیں ہو سکو گے۔ میں تمھیں بتا دوں ایسے سخت انتظامات ہیں کہ تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گے کیونکہ میرے احاطے میں آزادی سے گھومنے والے خونخوار کتے تمھاری ٹیلی پیتھی سے متاثر نہیں ہوں گے۔"

"تم چاہو تو اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر مجھے خوش آمدید کہہ سکتی ہو۔"

"میں کبھی ایسا نہیں کروں گی۔"

"تم یہ تو جانتی ہو کہ میں تم سے زیادہ ضدی ہوں اور جس بات کا ارادہ کر لیتا ہوں اُسے پورا کر کے رہتا ہوں۔ آج رات میں تمھارے پاس رہوں گا اور مجھے تمھارے حفاظتی انتظامات نہیں روک سکیں گے۔ کوشش کرنا کہ رات بھر جاگتی رہو۔ سونا چاہو گی تو صبح اُٹھ کر پچھتاؤ گی۔"

اُس نے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے ٹی وی اسکرین کو دیکھا۔ پھر کہا "تمھاری باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ تم پیرس میں موجود ہو ——— اسی لیے مجھ تک پہنچ سکتے ہو۔"

"ہاں موجود ہوں لیکن تم مجھے میرے جسم کی بُو کے ذریعے نہیں پا سکو گی۔ تمھیں یہ پتہ نہیں ہے کہ ایک عرصہ ہوا میرا ایک بہت ہی قابل دوست جو کہ بہت ہی تجربہ کار ڈاکٹر ہے۔ اُس نے میرے اندر کے ہارمونز میں تبدیلیاں کی ہیں اور یہ سب کچھ آپریشن کے ذریعے ہوا ہے۔ اس وقت سے میرے جسم کی بُو تبدیل ہو گئی ہے۔"

وہ بے یقینی سے اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپریشن کے ذریعے ہارمونز کی تبدیلی؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں پہلی بار ایسی باتیں سن رہی ہوں۔"

"تم کسی بہت ہی تجربہ کار ڈاکٹر سے پوچھ لینا۔ ہارمونز کی تبدیلی سے جسم کی بُو بدل جاتی ہے۔"

"کیا تم نے محض اپنی بُو کو تبدیل کرنے کے لیے ایسا آپریشن کرایا تھا؟"

"نہیں۔ میرا مقصد کچھ اور تھا۔ میرے قابل دوست نے مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ آپریشن کے ذریعے ہارمونز میں کچھ انقلابی تبدیلی لائے گا تو میں انقلابی قسم کا مرد بن جاؤں گا۔ میں نے یہ منظور کر لیا تھا اور میرے ڈاکٹر دوست نے یہ آپریشن بڑی کامیابی سے کیا تھا اور آج اس بات کا ایک فائدہ یہ بھی پہنچ رہا ہے کہ تم مجھے میری بُو کے ذریعے تلاش کرنے کے قابل نہیں رہیں۔"

میری باتوں کے دوران اُس کے دل میں تجسس پیدا ہوا تو اس نے فوراً ہی ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ پھر چند لمحوں بعد رابطہ قائم ہوتے ہی اُس نے کہا "ڈاکٹر اسٹینلے، میں آپ کو ڈسٹرب کرنے پر نادم ہوں لیکن ایک ضروری معلومات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

ڈاکٹر اسٹینلے کی آواز آئی "بے شک مادام آپ کے لیے تو میں ہر وقت حاضر ہوں۔ فرمایئے۔"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کیا آپریشن کے ذریعے ہارمونز میں تبدیلیاں لائی جا سکتی ہیں؟ اور کیا اُس کے بعد آدمی کی بُو بدل جاتی ہے؟"

"بے شک۔ ہارمونز کی کمی اور بیشی سے انسان کے اندر مردانہ اور زنانہ خاصیتیں پیدا ہوتی ہیں اور آپریشن کے ذریعے ہارمونز کی کمی کو دُور کیا جا سکتا ہے یا ہارمونز کی زیادتی کو کم کیا جا سکتا ہے اور ایسے کامیاب آپریشن کے بعد جسمانی بُو بھی تبدیل ہو جاتی ہے۔"

سونیا نے شکریہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ میں نے مسکرا کر پوچھا "کیوں تمھاری تسلی ہو گئی؟"

وہ ٹی وی کے اسکرین پر طارق کے چہرے کو گھورتے ہوئے بولی "ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پیرس میں موجود

ہو اور میں بُو کے ذریعے تمھیں تلاش نہیں کر سکتی۔"

"ہاں یہی بات ہے اور اس عجیب اتفاق کو دیکھو کہ جو بُو میرے جسم سے خارج ہونی چاہیے اور تم تک پہنچنا چاہیے وہ طارق کے جسم کے ذریعے تم تک پہنچ رہی ہیں۔ قدرت کے بھی عجیب تماشے ہیں۔ میں جس بُو سے نجات پا گیا ہوں اس بُو کا شکار طارق ہے اور تم دھوکا کھا رہی ہو۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اُس نے ریسیور اُٹھا کر کہا۔ "ہیلو، سونیا اسپیکنگ۔"

دوسری طرف سے ماسٹر موس ٹرونی کی آواز سنائی دی۔ "مادام اس وقت ڈاکٹر میکی براڈلے میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے اور قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ اُس کے پاس میرا کوئی بریف کیس نہیں پہنچا ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "ماسٹر، تم میکی براڈلے کو اس سلسلے میں پریشان نہ کرو۔ اس وقت میں فرہاد سے باتیں کر رہی ہوں اور اُس نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اُسی نے تمھارا بریف کیس غائب کیا۔ اُس کے اہم کاغذات اور تصویریں جلا ڈالی ہیں اور بریف کیس کو کسی گٹر میں پھینک دیا ہے اور تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ فرہاد پیرس میں موجود ہے۔"

ماسٹر موس ٹرونی نے حیرانی سے کہا۔ "او گاڈ، فرہاد صاحب پیرس میں موجود ہیں اور ہم اُن سے بے خبر ہیں۔ انھیں یہاں خوش آمدید نہیں کہہ سکتے۔ آپ ہماری طرف سے انھیں پیغام پہنچائیں کہ وہ ہم سے دوستی کریں یا نہ کریں ہم انھیں ایک شاندار دعوت دینا چاہتے ہیں۔ وہ ہم سے ملاقات کریں۔"

سونیا نے کہا۔ "ماسٹر، وہ نہ تو کوئی بچہ ہے اور نہ ہی تعریف و تحسین کا محتاج ہے کہ اپنی شہرت کے لیے اخبارات میں تصویریں چھپوانے کے لیے آپ کی دعوت قبول کرے۔ وہ ابھی مجھے چیلنج کر رہا ہے کہ میں اُسے تلاش نہیں کر سکتی۔ پھر وہ کیسے میری نگاہوں کے سامنے آئے گا۔ کیسے میں اُسے تلاش کروں گی۔ بہرحال میں اُس سے ابھی باتیں کر رہی ہوں۔ تم فون رکھ دو اور میکی براڈلے کو جانے دو۔ اس معاملے میں اُس کا ہاتھ نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر ٹی وی کے اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم نے ساری باتیں سُن لی ہیں۔"

"ہاں۔ اب میں طارق کو چھوڑتا ہوں اور جاتے جاتے یہ تمھیں کہہ دیتا ہوں کہ تمھاری آج کی رات میری ہے صرف میری۔ تم مجھ سے جتنی دُور بھاگنا چاہو بھاگ سکتی ہو اور بھاگتے بھاگتے جہاں جُھک کر دم لو گی وہاں مجھے پاؤ گی۔"

اتنا کہنے کے بعد دوسرے ہی لمحے پھر طارق محمود بن گیا۔ میں نے سَر کو ایسے جھٹکا جیسے کہیں دماغی طور پر گُم ہو گیا تھا اور اب ہوش میں آ گیا ہوں۔ میں نے اپنے آس پاس دیکھا۔ پھر سَر کو تھام کر سوچنے لگا۔ سونیا یہ سب کچھ اسکرین پر دیکھ رہی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ طارق کے اندر سے فرہاد نکل چکا ہے اس لیے اب طارق پریشان ہو کر سوچ رہا ہے۔

میں نے اس کمرے میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کے پاس آ کر ریسیور کو اٹھایا۔ پھر کریڈل کو کھٹکھٹانے لگا۔ اِس عمل سے سونیا کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سونیا نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو۔"

میں نے کہا۔ "مادام سونیا، ابھی ابھی میرے ساتھ عجیب سی بات ہو گئی۔ میں ڈانس کر رہا تھا کہ اچانک ہی کہیں گم ہو گیا۔"

سونیا نے انجان بن کر پوچھا۔ "کون گُم ہو گیا؟ کس کی بات کر رہے ہو؟"

"میں اپنی بات کر رہا ہوں۔ میں ڈانس کرتے کرتے اچانک ہی یوں گم ہو گیا کہ مجھے اپنا ہوش نہ رہا۔ پھر میرا خیال ہے کہ کافی دیر کے بعد میں اپنے آپ میں آیا ہوں اور اپنے آپ کو پہچاننے لگا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری زندگی کے چند لمحے چُرائے گئے ہیں اور چُرانے والا فرہاد ہی ہو سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ فرہاد کسی طرح مجھے آلۂ کار بنا رہا ہے اور وہ میرے اندر سمایا ہوا تھا۔"

وہ بولی۔ "ہاں۔ ابھی وہ میرے پاس بھی آیا ہوا تھا۔ کافی دیر باتیں کرنے کے بعد چلا گیا ہے اور وہ تمھارے پاس سے بھی جا چکا ہے۔ فکر نہ کرو۔ میں دیکھوں گی کہ وہ کیسی شرارتیں کرتا ہے اور میرے خلاف کیسے کامیاب ہوتا ہے۔ میں بہت ضدی ہوں اور اُس کی شرارتوں کا جواب دینا جانتی ہوں۔ تم آرام سے سو جاؤ۔"

میں نے ریسیور کو رکھ دیا لیکن دماغ کے ٹیلی فون پر سونیا کی سوچیں کو سُن رہا تھا۔ وہ ریسیور رکھنے کے بعد پھر ایزی چیئر پر نیم دراز ہو گئی تھی اور اس پہلو سے سوچ رہی تھی کہ فرہاد پیرس میں موجود ہے اور وہ اپنے چیلنج کے مطابق آج رات یہاں آئے گا اور اگر آئے گا تو کس طرح اس کے فرار ہونے کے راستے مسدود کیے جائیں۔ اور کس طرح

اُسے اپنا پابند بنا کر رکھا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اُس کے جسم کی موجودہ بُو کیسی ہے۔ اُسے ایک بار سونگھ لینے کے بعد پھر اُس کی تبدیل شدہ بُو ایسی ہو گی کہ آیندہ اُس کے ذریعے فرہاد کو کہیں بھی تلاش کر لیا کرے گی۔

وہ سوچ رہی تھی۔ "مجھے ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ وہ یہاں آ کر واپس نہ جا سکے اور رہ گئی یہ بات کہ وہ میرے ساتھ رات گزارے گا تو میں اُس کا یہ دعویٰ پورا نہیں ہونے دوں گی۔ وہ بھی یہ جانتا ہے کہ میں کیسی ضدی ہوں اور میرے مزاج اور میری مرضی کے خلاف کچھ کرنا ناممکن ہے۔"

وہ کوئی ایسی تدبیر کرنا چاہتی تھی کہ میرے آنے کا راستہ آسان اور جانے کا راستہ مشکل ہو جائے۔ اِس کے لیے اُس نے سوچ لیا تھا کہ آج خونخوار کتوں کو باندھ کر رکھا جائے گا۔ "تاکہ میں آسانی سے اِس بنگلے کے احاطے میں داخل ہو سکوں اور جتنے میکنیزم ہیں۔ اُن کے کنکشن کو آف رکھا جائے تاکہ کھڑکی اور دروازوں سے گزرتے وقت خطرے کی گھنٹی نہ بجے اور فرہاد آسانی سے بنگلے میں داخل ہو جائے لیکن واپس جاتے وقت اُس کا راستہ کیسے روکا جائے گا؟ یہ تدبیر وہ نہیں سوچے گی۔ اِس لیے نہیں سوچے گی کہ ہو سکتا ہے فرہاد اس وقت بھی اُس کے دماغ کو پڑھ رہا ہو اور اُس کے ساتھ تدبیر کو بھی پڑھ لے۔

یہ سوچ کر اُس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا۔ پھر کسی کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اُس نے کہا۔ "میں مادام بول رہی ہوں۔ تم اپنی آواز نہ سنانا ورنہ فرہاد تمھارے دماغ تک پہنچ جائے گا۔ میں جو حکم دے رہی ہوں خاموشی سے سنو اور اُس پر عمل کرو۔ آج رات میرے بنگلے میں کوئی اجنبی داخل ہو گا۔ اُسے داخل ہونے سے روکا نہ جائے لیکن اس بنگلے کے تمام راستے بند کر دیے جائیں۔ اُسے کسی طرح حراست میں لیا جائے اور اِس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ اُسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ کیونکہ وہ اجنبی فرہاد ہی ہو گا۔ بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

یہ کہہ کر اُس نے ریسیور رکھ دیا اور چپ چاپ اپنے دماغ کو ٹٹولنے لگی کہ وہاں فرہاد موجود ہے یا نہیں۔ اُس نے سوچ کے ذریعے مجھے آواز بھی دی لیکن میں خاموش رہا۔ تب تھوڑی دیر بعد وہ کسی حد تک مطمئن ہو گئی۔

اُس وقت رات کا ایک بجا تھا۔ وہ ان دنوں جلدی سونے اور صبح جلدی اُٹھنے کی عادی ہو گئی تھی۔ اِس لیے اُسے نیند محسوس ہو رہی تھی لیکن وہ میرے انتظار میں جاگنا چاہتی تھی۔ دوسری طرف میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ جاگتی رہے۔ میں اُسے خوابیدہ حالت میں ہی ٹریپ کرنا چاہتا تھا وہ آرام کرسی پر بڑے آرام سے نیم دراز تھی۔ میں بڑی آہستگی سے اُس کی سوچ کے ذریعے اُس کے دماغ کو آہستہ آہستہ تھپکنے لگا۔ اُس کی ایک سوچ اس جدوجہد میں تھی کہ وہ نہ سوئے لیکن دوسری سوچ اُسے تھپک رہی تھی۔ سلا رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آدھے گھنٹے کے اندر اُس کی آنکھ لگ گئی اور وہ گہری نیند میں ڈوب گئی۔

ٹیلی پیتھی ایک ایسا عمل ہے کہ جس کے ذریعے دوسرے کو اپنا معمول بنانے کے لیے اور اپنی مرضی کے مطابق اُس سے کام کرانے کے لیے ہمیشہ اُس کی سوچ کو گرفت میں رکھ کر اُس کے دماغ پر "قابض" رہنا پڑتا ہے۔

ہپناٹزم ایک ایسا علم ہے کہ جس کے ذریعے اپنے معمول کے دماغ پر ہمیشہ "قابض" رہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ایک بار اُسے ٹریپ کرنے کے بعد ٹرانس میں لا کر اُس کو اپنا مطیع اور فرماں بردار بنا کر چھوڑ دیا جاتا ہے پھر وہ جاگتی ہوئی آنکھوں سے اور سوتے ہوئے ذہن سے ہمارا مطیع یا فرماں بردار بن کر وہی کرتا ہے جو ہم اس سے کرانا چاہتے ہیں۔

میں سونیا کو ہپناٹائز کرنا چاہتا تھا تاکہ بعد میں وہ اپنے طور پر عمل کرتی رہے اور میں اُس کے دماغ سے الگ رہوں لیکن اُس کے لیے تھوڑا سا وقت درکار تھا پہلے میں نے خیال خوانی کے ذریعے اُس کے دماغ پر اچھی طرح قبضہ کیا۔ پھر اُسے وہاں سے اٹھایا۔ وہ ایزی چیئر پر سے آہستہ آہستہ اُٹھ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ پھر مختلف کمروں اور کوریڈورز سے گزرتے ہوئے میرے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی۔ اس دروازے کو اسی نے لاک کیا تھا۔ خود ہی اُس نے اُسے کھول دیا۔ پھر میں اُس خواب گاہ سے باہر آ گیا۔ اُس کے بعد میں اُس کے ساتھ چلتا ہوا اُس کی خواب گاہ میں پہنچا۔ وہاں پہنچنے کے بعد میں نے اُسے لیٹ جانے کے لیے کہا۔

جب وہ بستر پر چاروں شانے چت لیٹ گئی تو میں نے بڑی گمبھیر آواز میں کہا۔ "سونیا۔ اس وقت تم خواب کی اسکرین پر مجھے دیکھ رہی ہو اور میری آنکھوں سے آنکھیں ملا رہی ہو۔"

خواب کی حالت میں اُس کے لبوں کو جنبش ہوئی۔ ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگی۔ "ہاں میں تمھاری آنکھوں سے آنکھیں

ملا رہی ہوں۔"

"یہ آنکھیں تمھیں حکم دیتی ہیں کہ تم میرے احکامات کی پابند رہو گی۔"

"میں تمھارے احکامات کی پابند رہوں گی۔"

"تم نے کچھ دیر پہلے ٹیلی فون پر کسی کو یہ بتایا تھا کہ آج رات فرہاد تمھارے بنگلے میں داخل ہونے والا ہے۔ اُس کی نگرانی کی جائے اور اُسے نقصان پہنچائے بغیر ——— حراست میں رکھا جائے۔ میں تم سے پوچھتا ہوں۔ اس شخص کا نام کیا ہے ؟"

"اُس کا نام وارنر ہے۔"

"اب تو وہ نگرانی کے لیے تمھارے بنگلے کے کہیں آس پاس ہوگا اس سے تم فون کے ذریعے رابطہ قائم نہیں کرسکو گی۔"

"ہاں میں فون کے ذریعے رابطہ قائم نہیں کرسکوں گی۔"

"اُس سے رابطہ قائم کرنے کا دوسرا ذریعہ کیا ہے۔"

"میں ٹرانسمٹر کے ذریعے بھی اپنے خاص ماتحتوں سے رابطہ قائم کرتی ہوں۔"

"تمھارا وہ ٹرانسمٹر کہاں رکھا ہوا ہے۔"

"وہ ٹرانسمٹر الماری کے اندر بریف کیس میں ہے۔"

"اس بریف کیس کے لاک کا نمبر بتاؤ۔"

"ڈبل سیون ڈبل او ڈبل ون۔"

نمبر معلوم کرکے میں الماری کے پاس گیا۔ اُس کو کھول کر بریف کیس کو نکالا۔ پھر اس نمبر کے ذریعے بریف کیس کو کھولنے کے بعد ٹرانسمٹر حاصل کرلیا۔ اُس کے بعد میں نے سونیا سے پوچھا کہ وہ کس فریکوئنسی پر وارنر سے رابطہ قائم کرسکتی ہے۔ اُس نے وہ فریکوئنسی بتائی۔ پھر میں نے پوچھا۔ "اگر ماسٹر موس تھرڈ فی وارنر سے ٹرانسمٹر پر بات کرنا چاہے تو کون سا کوڈ ورڈ ——— استعمال کرتا ہے ؟"

سونیا نے وہ کوڈ ورڈ بھی بتایا۔ تب میں نے ٹرانسمٹر آن کرکے اس فریکوئنسی پر خود کو ماسٹر موس تھرڈ فی بنا کر وارنر کو مخاطب کیا۔ "ہیلو وارنر ہیلو سیون آف ماسٹر ٹاور تم سے مخاطب ہے۔ ہیلو وارنر اسپیک ٹو می۔ اوور۔"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ "میں وارنر بول رہا ہوں۔ ماسٹر کیا حکم ہے ؟"

میں نے ماسٹر بن کر کہا۔ "مادام نے تمھیں جو ڈیوٹی سونپی تھی۔ کیا تم اُس کے مطابق عمل کررہے ہو ؟"

"جی ہاں ماسٹر۔ میں اس وقت مادام کے بنگلے کے قریب ہوں اور بہت محتاط ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ محتاط رہو اوور اینڈ آل۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ میں نے ٹرانسمٹر کو آف کرنے کے بعد اُسے بریف کیس میں رکھا۔ پھر اسی نمبر کے مطابق اُسے لاک کرکے الماری میں رکھ دیا۔ اُس کے بعد الماری کو بند کردیا۔ پھر سونیا کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ اُس کے بعد میں نے اُس سے کہا۔ "سونیا، اس وقت تم میری مطیع اور فرماں بردار بنی رہو۔"

"میں تمھاری مطیع اور فرماں بردار ہوں۔"

"ابھی ایک منٹ بعد تمھاری آنکھیں کھل جائیں گی۔"

"ایک منٹ بعد میں اپنی آنکھیں کھول دوں گی۔"

"آنکھیں کھولنے کے بعد صبح پانچ بجے تک جو کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی۔ کانوں سے سنو گی اور جو کچھ تم پر گزرے گی۔ وہ سب تم پانچ بجے کے بعد بھول جاؤ گی۔"

"میں یہ سب کچھ صبح پانچ بجے کے بعد بھول جاؤں گی۔"

"صرف اتنا یاد رکھو گی کہ تمھارے پاس جو شخص آیا تھا وہ فرہاد تھا اور فرہاد جس طرح خاموشی سے آیا تھا۔ اسی طرح خاموشی سے چلا گیا۔"

"میں یاد رکھوں گی کہ میرے پاس فرہاد خاموشی سے آیا تھا اور خاموشی سے چلا گیا۔"

"ابھی صبح پانچ بجے تک تم تمام مکاریوں سے پرہیز کرو گی اور تمھارے دل اور دماغ میں اگر فرہاد کے لیے محبت ہے تو محبت کا اظہار کرو گی۔ نفرت ہے تو صاف طور سے نفرت ظاہر کرو گی۔"

"محبت ہوگی تو محبت ظاہر کروں گی۔ نفرت ہوگی تو نفرت ظاہر کروں گی۔"

"اب وہ ایک منٹ گزرنے والا ہے۔ میں خاموش ہوتا ہوں تم بھی خاموش ہوجاؤ اور اپنے وقتِ مقررہ پر آنکھیں کھول دو۔"

یہ کہہ کر میں خاموش ہوگیا۔ آہستہ آہستہ وقت گزرنے لگا۔ کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ سونیا چاروں شانے چت لیٹی ہوئی تھی۔ اُس کے سینے کا اتار چڑھاؤ بتا رہا تھا کہ اب وہ گہری گہری سانسیں لے رہی ہے اور تھوڑی ہی دیر میں آنکھیں کھولنے والی ہے۔

اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ پہلے اُس کی آنکھیں ہر قسم کے جذبات سے عاری تھیں۔ چہرہ سپاٹ تھا۔ میں نے

مسکرا کر کہا۔ "میں تمھارا فرہاد ہوں۔"

میرا نام سنتے ہی اُس کے لبوں پر مسکراہٹ آئی۔ اُس کے جسم میں ذرا سی حرکت پیدا ہوئی۔ پھر اُس نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر ایک بھرپور انگڑائی لی۔ انگڑائی کا زور ایسا تھا کہ وہ کمان کی طرح خم کھا گئی۔ میں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "اب بتاؤ۔ کیا مجھ سے نفرت کرتی ہو ؟"

اُس نے حیرانی سے پوچھا۔ "میں بھلا تم سے کیوں نفرت کرنے لگی ؟"

یہ کہہ کر وہ اُٹھ گئی۔ آہستہ آہستہ میرے قریب آگئی۔ پھر بولی۔ "تم مجھ میں ہو۔ میں تم میں ہوں۔ تم میری ذات سے الگ نہیں ہو اور اپنی ذات سے کوئی نفرت نہیں کرتا۔ میں تم ——— سے اتنی محبت کرتی ہوں کہ اپنے آپ میں ہی تمھیں پاتی ہوں۔"

"ایسا ہے تو تم نفرت کا اظہار کیوں کرتی ہو ؟"

"میں کیا کروں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ جب میں دیکھتی ہوں کہ تمھیں ہمیشہ کے لیے اپنا نہیں بنا سکتی تو میں غصے میں آجاتی ہوں۔ مجھ میں چڑچڑا پن پیدا ہوجاتا ہے اور میں ضد میں آکر الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگتی ہوں۔ تمھیں بھی باتیں سنانے لگتی ہوں اور اس طرح خواہ مخواہ نفرت کا اظہار ہونے لگتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "یہاں تک تو ٹھیک ہے لیکن یہ کیا بات ہے کہ تم نے میری مخالفت میں سپر ماسٹر کی تنظیم میں رہنا گوارا کرلیا۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں ان لوگوں سے کتنی نفرت کرتا ہوں۔"

"جانتی ہوں۔ سب جانتی ہوں اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر ایسا کیا ہے۔ میں نے پہلے تو بہت سی تدبیریں کیں کہ کسی طرح تم میرے پیچھے چلے آؤ اور آخری تدبیر یہ سوجھی کہ میں برائے نام کسی سے شادی کرلوں تو تم رقابت کی آگ میں جلوگے۔ پھر میں نے سوچا ہوسکتا ہے تم واقعی بے مروّت نکلو اور تم صبر کرکے بیٹھ جاؤ کہ میں کسی کی ہو گئی ہوں تو پھر میری طرف کبھی پلٹ کر بھی نہ دیکھو۔ یہ میں گوارا نہیں کرسکتی تھی۔"

"میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے سپر ماسٹر کی تنظیم میں رہنا کیوں پسند کیا ؟"

"وہی بتا رہی ہوں۔ میں نے سوچا کہ سب سے بہترین ترکیب یہ ہے کہ تمھیں بھڑکایا جائے۔ جب تمھیں یہ پتہ چلے گا کہ میں تمھارے دشمنوں کی تنظیم میں ہوں تو تم میرا پیچھا کروگے۔ دوست بن کر نہ سہی، دشمن بن کر ہی میرے پیچھے پیچھے آؤگے۔ میری مخالفت کروگے۔ میں کوئی کام کرنے جاؤں گی تو تم رکاوٹیں پیدا کروگے۔ اس طرح یہ ہوگا کہ میرا اور تمھارا ساتھ کسی نہ کسی طرح رہے گا۔ اچھے انداز میں نہ سہی بُرے انداز میں ہی لیکن میں تمھیں قریب پاتی رہوں گی۔ یہی میرے لیے بہت ہے اور یہی سوچ کر میں سپر ماسٹر کی تنظیم میں شامل ہوگئی ہوں۔"

"تم اس تنظیم سے کب علیحدہ ہوسکتی ہو۔"

"مجھے علیحدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے جو سوچا تھا۔ وہی ہورہا ہے یعنی تم کسی نہ کسی طرح میرے پیچھے آرہے ہو۔ میں طارق محمود کو تمھاری دشمنی بنا کر اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہوں۔ اُسے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہوں اور تم میرے راستے کی رکاوٹ بننا چاہتے ہو طارق محمود کو آلۂ کار بننے سے روکنا چاہتے ہو۔ یہی میری کامیابی ہے کہ تم میرے ساتھ لگے ہو۔"

"اگر میں حکم دوں تو تمھیں سپر ماسٹر کی تنظیم سے علیحدہ ہونا پڑے گا۔ کیا اس وقت تم میری مطیع اور فرماں بردار نہیں ہو ؟"

"ہاں میں تمھاری تابعدار ہوں۔ جو تم کہو گے اُس پر عمل کروں گی لیکن فرہاد یہ بڑی زیادتی ہے۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں۔ تمھیں حاصل کرنے کے لیے کر رہی ہوں۔ اگر تم سیدھے راستے سے مجھے نہیں مل سکتے تو مجھے ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے دو۔ اگر ٹیڑھا راستہ تمھیں پسند نہیں ہے تو سیدھے راستے سے میرے بن جاؤ۔ کب تک سرابوں کے پیچھے بھاگتے رہو گے اور اپنی عمر ضائع کرتے رہوگے۔"

"جب تک میرے سامنے نئی نئی راہیں کھلتی رہیں گی۔ نئے نئے ہنگامے مجھے بلاتے رہیں گے۔ میں اُن ہنگاموں کی طرف بڑھتا رہوں گا۔ جب تک نئے دوست ملتے رہیں گے اور نئے رشتے، نئی محبتیں ملتی رہیں گی۔ اُس وقت تک میں اُن محبتوں کو حاصل کرتا رہوں گا۔ میرے مقدر میں یہی ہے کہ میں دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک چلتا رہوں اور چلتا ہی چلا جاؤں۔ جہاں تھک کر بیٹھ جاؤں گا وہاں میری موت ہوگی۔ میں کبھی ایک گھر نہیں بنا سکتا کبھی ایک جگہ قیام نہیں کرسکتا۔ جہاں قیام کروں گا وہاں دشمنوں کا ڈیرا ہوگا۔ چاروں طرف سے گھیر لیا جاؤں گا۔ جب تک چلتا رہوں گا۔ حرکت میں رہوں گا۔ دشمن بھی حرکت میں رہیں گے اور ان کے گھیرے ٹوٹتے رہیں گے۔"

"تم باتیں بنانے کو تو بہت کچھ بنا سکتے ہو، اصل مسئلہ اس بات کا ہے کہ مجھے سپر ماسٹر کی تنظیم سے علیحدہ ہونا ہے یا نہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ جس دن تم میرے پاس آ جاؤ گے میرے بن جاؤ گے۔ میں اس تنظیم سے علیحدہ ہو جاؤں گی۔ ورنہ ہم اسی طرح دو مختلف راستوں پر چلتے رہیں گے ایک دوسرے کی کاٹ کرتے رہیں گے۔ شاید ہمارے مقدر میں یہی لکھا ہو کہ دو دشمنوں کی طرح ایک دوسرے کے قریب رہیں اور دشمن ہو کر بھی دل ہی دل میں ایک دوسرے کو چاہتے رہیں۔"

میں نے اس دشمن کو گلے لگا لیا۔ وہ اس وقت سے میری تھی جب سپر ماسٹر پہلی بار میرے مقابل آیا تھا اور ٹیلی پیتھی جاننے والا ماسٹر لوشے میرا پیچھا کرنے اور مجھے گرفت میں لینے کے لیے سونیا کو آلۂ کار بنا رہا تھا۔ اس وقت سے سونیا میری تھی میرے دل و جان کے ساتھ تھی۔ میری ہر مصیبت میں میرے ساتھ رہی۔ دشمنوں کے ہاتھوں اس نے میرے لیے بہت سی تکالیف برداشت کیں۔ دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھا۔ اتنی پرانی رفاقت اور کسی سے نہ تھی۔ برسوں ہوئے میرا اس کا ساتھ چھوٹ گیا تھا اور اب ساتھ ہوا تو یوں لگا جیسے میں اپنے گھر سے نکل گیا تھا اور ایک طویل عرصے کے بعد دوبارہ اپنے گھر میں واپس آ گیا ہوں۔ کچھ ایسی ہی مسرتیں مجھے مل رہی تھیں۔

بعض اوقات میں سوچتا ہوں کہ جب تک میری داستان حیات شائع ہوتی رہے گی۔ لوگ اسے پڑھتے رہیں گے اور میرے متعلق سوالات کرتے رہیں گے کہ میں حسین لڑکیوں سے اتنی جلدی دوستی کر لیتا ہوں اور جب دوستی کر لیتا ہوں تو اسے نباہ کیوں نہیں سکتا۔ اس کا جواب میری سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ میں خود ایک الجھا ہوا ذہن رکھتا ہوں۔ یہاں سے ہزاروں میل دور برما میں رسونتی بیمار پڑی تھی صحت یاب ہونے والی تھی اور اس بات کی منتظر تھی کہ میں اسے جلد ہی ملوں گا۔ اور رسونتی ایسی تھی کہ میں اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ کر علیحدگی اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف مرجانہ سے نئی نئی دوستی تھی اور مرجانہ کو میں عورتوں میں بہت کم شمار کرتا ہوں۔ تیسری سونیا تھی جو اب میری اول بھی تھی اور میری آخر بھی اور ہزار اختلافات کے باوجود اس کے دل کی گہرائیوں میں میں ہی میں تھا۔ فی الحال یہ تین عورتیں ایسی تھیں جن کے متعلق میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کون بہتر ہے۔ کون میری دوستی کے قابل ہے۔ کون میری شریکِ حیات بن سکتی ہے۔

توبہ توبہ یہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ میں اور شریکِ حیات بناؤں۔ اس کا مطلب تو یہی ہے کہ اپنے آپ کو ایک گھر کی چار دیواری میں قید کر دوں۔ بچے پیدا کروں اور انھیں گود میں کھلانا شروع کر دوں۔ یہ تصور ایسا تھا کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے حالانکہ میں موت کے منہ میں پہنچ کر بھی نہیں گھبراتا۔ بیوی اور بچوں سے بہت ڈرتا ہوں۔

بہرحال ابھی تین عدد تھیں۔ کوشش یہ کروں گا کہ کوئی چوتھی نہ ہو۔ یوں بھی مرجانہ سے وعدہ کیا ہے اور اس سے دوستی اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے کہ میں کوئی چوتھا روگ نہ پالوں اور میں یہی کوشش کروں گا۔

تقریباً ساڑھے چار بجے میں نے سونیا سے کہا "اب میرے ساتھ چلو اور جس طرح تم نے پہلے مجھے میرے کمرے میں لاک کر دیا تھا۔ اسی طرح اب دوبارہ مجھے بند کر کے اپنی خواب گاہ میں واپس چلی آؤ۔"

وہ میرے ساتھ اپنی خواب گاہ سے باہر آ گئی۔ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ مجھے جانے دے لیکن وہ میرے حکم کی پابند تھی۔ اس نے مجھے میرے کمرے کے اندر پہنچا کر باہر سے دوبارہ لاک کر دیا۔ وہاں سے وہ چلتی ہوئی اپنی خواب گاہ میں آئی۔ میں خیال خوانی کے ذریعے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ اب وہ آرام سے بستر پر لیٹ جائے۔

وہ اپنے بستر پر چاروں شانے چت لیٹ گئی میرے حکم کے مطابق اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر میں نے اس کے دماغ میں کہا "اب تم سو رہی ہو اور ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد یعنی پانچ بجے تمھاری آنکھیں کھل جائیں گی۔"

اس نے کہا "ہاں ٹھیک پانچ بجے میری آنکھیں کھل جائیں گی۔"

میں نے کہا "اس کے بعد تم سب کچھ بھول جاؤ گی کہ تمھارے کمرے میں کوئی آیا تھا اور اس کی شکل طارق محمود جیسی تھی۔ تم طارق محمود کا چہرہ یاد نہیں کرو گی۔"

"میں طارق محمود کا چہرہ یاد نہیں کروں گی۔"

"تم صرف فرہاد کو یاد رکھوں گی کہ وہ تمھارے پاس آیا تھا اور تمھارے ساتھ رات گزار کر چلا گیا۔"

"میں صرف فرہاد کو یاد رکھوں گی۔"

"اب تم خاموشی سے سو جاؤ۔ میں جا رہا ہوں۔ وقتِ مقررہ پر تمھاری آنکھیں کھل جائیں گی۔"

اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ میں نے بیس منٹ کے لیے اسے چھوڑ دیا۔ پھر وارنر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ وہاں بنگلے کے قریب ہی موجود تھا اور دور ہی دور سے بنگلے کے چکر کاٹ کر یہ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ فرہاد علی تیمور کہیں سے داخل ہو رہا ہے یا نہیں؟ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا اس نے اپنے تینوں ساتھیوں کو بلا کر کہا "اب تم لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اکیلا ہی نگرانی کر لوں گا۔ تم لوگ میری گاڑی لے کر چلے جاؤ۔"

وہ تینوں اس کے حکم کے پابند تھے۔ گاڑی لے کر چلے گئے۔ وہ وہاں سے چلتا ہوا بنگلے کے احاطے میں داخل ہوا پھر اس نے بنگلے کا دروازہ کھولا۔ سونیا کے بنگلے کا دروازہ یوں بھی کھلا ہوا تھا تاکہ فرہاد کو داخل ہونے میں آسانی رہے۔ وہ بنگلے میں پہنچ کر ایک صوفے پر لیٹ گیا۔ میں اس کے دماغ کو ہولے ہولے تھپکنے لگا۔ خیال خوانی کی لوری سنانے لگا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد ہی وہ گہری نیند سو گیا۔

پانچ بج رہے تھے۔ ٹھیک وقت پر سونیا کی آنکھیں کھل گئیں۔ چند لمحوں تک وہ اسی طرح بے حس و حرکت پڑی رہی۔ چھت کو گھورتی رہی سوچتی رہی کہ وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟

پھر اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ وہ بے حال ہے اور کمرے میں تنہا پڑی ہوئی ہے۔ وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اپنے آپ کو دیکھا ——— سوچنے لگی کہ وہ اب تک کہاں تھی؟ کہاں گم ہو گئی تھی؟ کیا سو رہی تھی یا خیال خوانی کا شکار ہو گئی تھی؟

میں نے اسے مخاطب کیا "ہیلو سونیا، کچھ یاد آیا کہ میں کب تک تمھارے ساتھ رہا اور کس طرح وہاں سے رخصت ہوا؟"

وہ چونک کر ٹی وی کے اسکرین پر دیکھنے لگی۔ میں نے کہا "ہاں دیکھ لو، میں اس وقت طارق محمود کے اندر موجود ہوں۔ میں نے اس شخص کی بھی نیند حرام کر دی ہے۔ اسے سونے کا موقع نہیں دیا ہے۔"

اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ کر پھر ٹی وی کی طرف گھونسہ دکھا کر کہا "میں تمھارا منہ توڑ دوں گی تم کس طرح یہاں آئے تھے؟"

"یہ تو میرے سوا کوئی نہیں جان سکتا کہ میں کس طرح آیا تھا۔ جس وارنر کو تم نے میری نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ میں نے اس بیچارے کو تمھارے ڈرائنگ روم کے صوفے پر گہری نیند سلا دیا ہے۔ تم جا کر دیکھو وہ سو رہا ہے۔ چاہو تو اسے جگا کر اس کے گھر واپس بھیج سکتی ہو۔ بیچارے کو صوفے پر آرام نہیں ملے گا۔"

اتنی دیر میں وہ تیزی سے چلتی ہوئی اپنی خواب گاہ سے نکلی اور مختلف کمروں اور کوریڈورز سے گزرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچی۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے وارنر کے منہ پر ایک ہاتھ رسید کیا۔ وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا سونیا کو سامنے دیکھتے ہی خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ حالانکہ وہ اچھا قد آور جوان تھا لیکن سونیا کی دہشت ان کے دلوں پر طاری رہتی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا "مادام میں حیران ہوں کہ یہاں کیسے آ گیا؟"

"اور کیسے آؤ گے۔ فرہاد نے تمھیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ٹریپ کیا تھا اور تم ہو کہ میرے ہی بنگلے میں آ کر آرام کر رہے ہو۔ نگرانی سے تو کوئی واسطہ نہ رہا۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

وہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر وہاں سے جاتے ہوئے بولا "مادام، میرا قصور نہیں ہے۔ میں بڑے بڑے شہ زوروں سے لڑ سکتا ہوں کسی کی نگرانی کرنے کا مجھے خاصا تجربہ ہے لیکن فرہاد صاحب کی بات ہی کچھ اور ہے۔ آپ نے تو دیکھ ہی لیا کہ انھوں نے کیسے چکر چلایا ہو گا۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ سونیا غصے سے پاؤں پٹختی ہوئی واپس اپنے کمرے میں آئی۔ میں نے کہا "میری جان خواہ مخواہ غصہ نہ دکھاؤ۔ دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں کہ میں تمھارے پاس آیا تھا۔ تم نے مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ اب تم لاکھ نفرت کرو۔ میں اسی محبت کے سہارے خوش ہوتا رہوں گا۔ تمھارا نو کا نام یہ ہونا چاہیے کہ اتنے عرصے بعد جو ہماری ملاقات ہوئی ہے اسے بڑی سہولت سے یاد کرو اور ان رنگین یادوں میں کھو کر سو جاؤ۔ رات بھر کی جاگی ہوئی ہو، تمھیں آرام سے سو جانا چاہیے۔ اچھا، میں جا رہا ہوں۔"

اس نے مجھے آواز دی "ٹھہرو، پہلے مجھے یہ بتا کر جاؤ کہ تم کس طرح آئے تھے اور کب تک یہاں رہے تھے میں تمھیں دیکھ نہ سکی۔ یہ سب کیسے ہوا؟"

میں خاموش رہا۔ وہ مجھے بار بار پکارتی رہی پھر تھک ہار کر اپنی چیئر پر گر پڑی اور نڈھال سی ہو کر سوچنے لگی کہ رات کا نصف حصہ کیسے گزرا تھا۔ وہ بار بار سوچ رہی تھی اور اسے دھندلا دھندلا سا فرہاد یاد آ رہا تھا لیکن یہ سمجھ میں

نہیں آرہا تھا کہ وقت کس طرح گزرا تھا۔ جس طرح بھی گزرا ہو، بہرحال اب آثار بتا رہے تھے کہ فرہاد اُس کے پاس سے ہو کر گیا ہے۔ اس حقیقت سے وہ انکار نہیں کرسکتی تھی۔

وہ ایزی چیئر سے اٹھ کر بستر پر آگئی۔ وہاں لیٹ کر اُس نے تکیے کو سینے سے لگا کر بھینچ لیا اور خیالوں میں گم ہونے لگی۔ میں اُس کے تصور میں تھا۔ اَب میں چاہتا تھا کہ وہ صبح دیر تک سوتی رہے کیونکہ مجھے بھی دیر تک سونا تھا۔ اگر میں سوتا رہ جاتا اور وہ جلد بیدار ہو جاتی تو یہ سوچنے پر مجبور ہوتی کہ میں رات بھر کیا کرتا رہا تھا کہ اب سو رہا ہوں۔ لہٰذا ہم دونوں کا سوتے رہنا مناسب تھا۔

آہستہ آہستہ میں نے سونیا کو سلا دیا اور اُس کے دماغ کو ہدایت دی کہ وہ دن کے گیارہ بجے تک سوتی رہے اس سے پہلے اُس کی آنکھ نہ کھلے۔ اُسے سلانے کے بعد اَب مجھے مرجانہ کی طرف دھیان دینا تھا۔ میں نے گھڑی دیکھی تو اس وقت چھ بج چکے تھے اس لحاظ سے پاکستان میں دس بجے ہوں گے۔ مرجانہ بیدار ہو چکی ہوگی اور ابھی اُس کے دشمنوں کو بھی دیکھنا تھا کہ بختاور اور اُس کا بیٹا منصور دونوں لاہور سے روانہ ہو کر پنڈی پہنچ گئے ہیں یا نہیں۔

جب میں نے بختاور کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ دونوں باپ بیٹے صبح نو بجے اپنی کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئے ہیں اور اَب بارہ ایک بجے سے پہلے پنڈی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اُن کی طرف فی الحال اطمینان تھا میں نے مرجانہ سے رابطہ قائم کیا تو اُس نے شکایت کی "کل سے کہاں غائب ہو تم نے میری خبر نہیں لی۔"

"میں تمھارے دماغ میں جھانک کر دیکھ چکا ہوں۔ تم اپنی امّی کے ساتھ محبتوں میں اس طرح گم ہو گئی تھیں کہ میں نے تمھیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ایک طویل مدّت کے بعد تمھیں تمھاری والدہ ملی ہیں تو میں نے سوچا کہ جی بھر کر تمھیں ملنے کا موقع دوں۔ میں تمام رات کا جاگا ہوا ہوں اور سونے جارہا ہوں۔ بختاور صبح نو بجے لاہور سے اپنے بیٹے کے ساتھ روانہ ہو چکا ہے۔ تقریباً بارہ ایک بجے تک وہاں پہنچے گا، اُس وقت تک میں نیند سے بیدار ہو جاؤں گا۔ پھر تمھیں بتاؤں گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں۔ اس وقت تک کے لیے مجھے اجازت دو۔ اب نیند آرہی ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے اُس سے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ میری آنکھ ساڑھے نو بجے کھل جائے اور اس دوران کوئی کمرے میں داخل ہو تو میری نیند ٹوٹ جائے ورنہ میں ساڑھے نو بجے تک آرام سے سوتا رہوں۔

دوسرے دن سے میری مصروفیت کا انداز بدل گیا تھا یعنی میں دماغی کام کرسکتا تھا۔ خیال خوانی کے ذریعے اپنوں سے رابطہ قائم کرسکتا تھا۔ کیونکہ مجھے ڈاکٹر میکی براؤن کا مریض بن کر رہنا تھا اور اُس کے حکم کے بغیر میں اُس کے اسپتال کے اسپیشل وارڈ سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔

جب میری آنکھ کھلی تو گھڑی میں نو بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ میں بستر سے اٹھ کر باتھ روم میں گیا۔ پھر ضروریات سے فارغ ہونے کے دوران میں نے معلوم کیا کہ بختاور اور اُس کا لڑکا منصور پنڈی پہنچ گئے ہیں اور بختاور اپنے ایک ڈاکٹر دوست کے گھر میں بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ منصور بھی وہیں موجود تھا۔

میں انھیں چھوڑ کر مرجانہ کے پاس پہنچا۔ مرجانہ نے مجھے اپنے دماغ میں پاتے ہی خوش ہو کر کہا "ابھی میں امّی سے تمھارا ہی ذکر کر رہی تھی اور انھیں تمھارے کارنامے سُنا رہی تھی۔"

"اچھا تو تم نے فرہاد کی حیثیت سے میرا غائبانہ تعارف کرایا ہے۔"

"ہاں فرہاد، تم خود ہی سوچو کہ اَب چھپنے چھپانے سے کیا فائدہ ہے تم تو اپنے اصلی روپ میں آنے ہی والے ہو۔ پھر کہاں کہاں اپنا چہرہ چھپاتے پھرو گے اور جب تم مجھے اپنا سمجھتے ہو تو پھر امّی غیر نہیں ہیں۔ اتنی مدّت کے بعد زندگی میں پہلی بار میں اُن سے مِل کر اُن سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتی۔ کوئی بات اُن سے چھپانا نہیں چاہتی۔ اس لیے میں نے انھیں بتا دیا ہے۔"

"جب بتا ہی دیا ہے تو اَب اس پر بحث کرنا فضول ہے لیکن ایک بات یاد رکھو کہ رشتوں کی محبت میں جذبات میں اور احترام میں کبھی بھی اپنے راز کو فاش نہیں کرنا چاہیے۔ خود ان رشتوں کے تحفظ کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے۔ تمھاری زندگی میں ایسے مقام بھی آئیں گے، جب تمھیں اپنی امّی سے کچھ چھپانا پڑے گا۔ خود اُن کی بھلائی کے لیے۔ تو کیا تم نہیں چھپاؤ گی کوئی بات؟"

"جب وہ گھڑی آئے گی تو سوچا جائے گا۔ ابھی تو میں یہ سوچ رہی ہوں کہ انسان کو ساری خوشیاں ایک ساتھ نہیں ملتیں۔ یہی دیکھو کہ جب تم میرے پاس تھے تو میں کتنی خوش ہو رہی تھی۔ کتنا اچھا وقت گزر رہا تھا۔ پھر تم چلے گئے تو میں جانے کیوں اُداس رہنے لگی۔ زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ کسی سے بچھڑنے کے بعد دُکھ بھی ہوتا ہے۔ بہرحال پھر مجھے امّی مِل گئی ہیں۔ اَب میں اتنی خوش ہوں کہ بیان نہیں کرسکتی لیکن یہ ملی ہیں تو تم بچھڑ گئے ہو۔ اگر دونوں میرے ساتھ ہوتے اور دونوں طرف سے مجھے خوشیاں ملتیں تو میں کس قدر خوش نصیب ہوتی۔"

"خوش نصیب تم اَب بھی ہو۔ تمھیں اب کس بات کی کمی ہے۔ تم اب اتنی دولت مند ہو گئی ہو کہ کوئی اس دولت کا شمار نہیں کرسکتا۔ تمھیں ماں کی محبت مِل گئی ہے۔ ایسی محبت جو دنیا کی تمام محبتوں پر بھاری ہوتی ہے پھر یہ کہ میری تمھاری دوستی ہے۔ ٹھیک ہے کہ ہم ایک عرصے کے لیے بچھڑ گئے ہیں لیکن جلد ہی ملیں گے۔"

"میں امّی سے کہنے والی ہوں کہ یہاں بختاور کو کچھ سزا دینے کے بعد ہم فوراً ہی پیرس چلیں گے تاکہ میں تم سے ملتی رہا کروں۔"

"نہیں مرجانہ اب تم آؤ گی تو مجھ سے ملاقات ممکن نہیں ہوگی۔ کیونکہ میں ڈاکٹر کے زیرِ علاج رہوں گا اور میرے تمام چہرے پر پٹیاں بندھی ہوں گی۔ میں کہیں آنے جانے کے قابل نہیں ہوں گا ایسے میں تم یہاں آکر بور ہونے لگو گی۔ وہاں تم امّی کے ساتھ جتنا وقت گزار سکتی ہو گزارو۔ جب بھی میرے چہرے سے پٹیاں کھلنے کا وقت آئے گا تو میں تمھیں اطلاع دوں گا تب تم چلی آنا یا میں تمھارے پاس آؤں گا۔"

"کیا پلاسٹک سرجری میں بہت وقت لگتا ہے؟"

"ہاں، اس جاپانی ڈاکٹر نے تو پورا ایک ماہ لگا دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ میکی براؤن بھی ایک ماہ کے اندر میرے چہرے پر تبدیلیاں لے آئے گا۔ بہرحال بختاور اور منصور پنڈی پہنچ گئے ہیں اور اس وقت ایک ڈاکٹر کی قیام گاہ میں موجود ہیں۔ بولو، کیسے ملاقات کرو گی؟"

وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی "میں خود وہاں جاؤں گی اور امّی کو ساتھ لے جا کر اُن کی آنکھوں کے سامنے بختاور کی مرمت کروں گی۔ منصور درمیان میں آئے گا تو وہ منہ کی کھائے گا۔"

"دیکھو مرجانہ، اگر تم اُن کے ہاں جاؤ گی اور انھیں چھیڑ کر اُن کی پٹائی کرو گی تو یہ ایک مجرمانہ حرکت ہوگی۔ وہ ڈاکٹر وہاں کا معزز شخص ہے۔ وہ قانونی طور پر کوئی کارروائی کرسکتا ہے ایسا کرتے ہیں کہ میں اُسے ٹریپ کر کے تمھارے گھر پہنچا دیتا ہوں تم اس کی جتنی حجامت بنانا ہے، بنا دینا۔ تمھارے پاس یہ جواز ہوگا کہ وہ خواہ مخواہ تمھارا پیچھا کرتا ہے اور لاہور سے تعاقب کرتا ہوا تمھاری کوٹھی میں بھی گھس آیا تھا۔"

"ہاں، یہ مناسب ہے۔ میں انتظار کرتی ہوں تم انھیں یہاں کھینچ کر لے آؤ۔"

اس کی امّی بہت دیر سے اُسے دیکھے جارہی تھیں۔ پھر انھوں نے پوچھا "کیا بات ہے بیٹی، بہت دیر سے چپ چاپ مسکرائے جارہی ہو؟"

"امّی، ابھی فرہاد سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ میرے دماغ میں موجود تھے۔"

انھوں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر تعجب سے پوچھا۔ "کیا ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس طرح باتیں کی جاتی ہیں کہ چپ چاپ آدمی بیٹھا ہے اور باتیں ہوتی رہیں؟"

"جی ہاں، امّی سوچ کے ذریعے باتیں ہوتی ہیں۔ اب آپ خاموش ہو کر کچھ بھی سوچنا نہیں چاہیں گی تب بھی کوئی نہ کوئی سوچ آپ کے دماغ میں پیدا ہوگی۔ فرہاد ایسی ہی سوچ کے ذریعے ہم سے باتیں کرتے ہیں۔ ہماری سوچ کو سنتے ہیں اور ہماری سوچ کے ذریعے جواب دیتے ہیں۔ اس وقت وہ بختاور کے پاس گئے ہیں۔ بختاور اس کا بیٹا منصور یہاں پنڈی پہنچ گئے ہیں اور کسی ڈاکٹر کے ہاں ہیں ابھی تھوڑی دیر بعد وہ دونوں یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

اس کی امّی نے پریشان ہو کر کہا۔ "وہ کم بخت یہاں کیوں آنے والا ہے؟"

"آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں۔ میں نے ہی انھیں بلایا ہے۔ فرہاد انھیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ٹرپ کر کے یہاں پہنچا دیں گے۔ پھر میں آپ کی آنکھوں کے سامنے اسے ذلیل کروں گی۔ آپ بھی جی بھر کر اس سے جتنا انتقام لینا چاہیں لیتی رہیں۔ کوئی آپ کے راستے میں حائل نہیں ہوگا۔"

اس کی خالہ طاہرہ بانو نے کہا۔ "بیٹی، تم پھر ہنگامے کر رہی ہو۔"

"خالہ جان آپ کا کیا خیال ہے کیا مجھے انھیں معاف کر دینا چاہیے اور جو کچھ میری امّی کے ساتھ ہوا، اسے بھول جانا چاہیے۔ آپ کا دل ایسا ہوگا کہ آپ اتنی ذلّت کو بھول سکتی ہیں لیکن میں نہیں بھول سکتی۔"

اس کی خالہ نے مسکرا کر کہا۔ "ارے ارے، میری بیٹی تو ناراض ہو گئی۔ بھئی میں منع نہیں کرتی ہوں۔ یہ تمھارا گھر ہے تم جو چاہو کرو۔ اب میں کچھ نہیں بولوں گی۔"

میں ان کے پاس سے بختاور کے پاس آ گیا۔ وہاں ڈاکٹر کے ہاں دوپہر کا کھانا میز پر لگنے والا تھا اور دونوں باپ بیٹے ڈائننگ روم میں بلائے جانے والے تھے۔ اسی وقت ... وہ وہاں سے اٹھ گیا۔ اس کے بیٹے منصور نے پوچھا۔ "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"بس یونہی ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ تم بھی میرے ساتھ آؤ۔"

وہ یہ کہہ کر ڈرائنگ روم سے باہر جانے لگا۔ منصور اس کے پیچھے چلتے ہوئے بولا۔ "لیکن ابو، ڈاکٹر صاحب کو بتا تو دیجیے کہ ہم لوگ باہر جا رہے ہیں۔ وہ کیا سوچیں گے؟"

"انھیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم فوراً ہی واپس آجائیں گے۔"

وہ دونوں کوٹھی کے باہر پہنچے۔ وہاں اُن کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ بختاور اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ منصور نے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آخر معلوم تو ہو کہ کہاں جانا ہے؟"

بختاور نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم میرے بیٹے ہو۔ باپ بن کر ہر بات نہ پوچھا کرو۔ کیا میں تمھارے آگے جواب دہ ہوں۔"

منصور خاموش ہو گیا۔ بختاور کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں میں کار چلا رہا تھا۔ اُس کے دماغ میں بیٹھا ونڈ اسکرین کے پار راستوں کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے پنڈی شہر چھوڑے ہوئے کئی برس گزر گئے تھے۔ کچھ راستوں کو بھولا ہوا تھا۔ پھر بھی ذہن پر زور دے کر راستوں کو یاد کرتا ہوا بختاور کے ہاتھوں سے کار ڈرائیو کرتا ہوا میں زیرو پوائنٹ کے پاس اس کوٹھی میں پہنچ گیا جہاں مرجانہ اُس کی امّی، اُس کی خالہ اور خالو رہتے تھے۔

کوٹھی کے احاطے میں کار رکنے کے بعد بختاور کار سے اُترنے لگا۔ منصور نے بھی گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا "ابو، اب تو میں اپنا پوچھ سکتا ہوں کہ یہ کوٹھی کس کی ہے؟"

بختاور خاموشی سے چلتا ہوا کوٹھی کے برآمدے میں آیا۔ اُس کا بیٹا اُس کے ساتھ ساتھ تھا۔ بختاور نے کوٹھی کے دروازے کو کھولا۔ مرجانہ نے دروازے پہلے ہی کھلے چھوڑ دیے تھے۔ وہ اندر داخل ہوا۔ پھر ایک برآمدے سے گزرتا ہوا ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ وہاں مرجانہ کو دیکھتے ہی منصور ایک دم سے ٹھٹک گیا۔ اُسی وقت میں نے بختاور کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ بھی ایک دم سے گڑبڑا گیا۔ حیران اور پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مرجانہ کو تو خیر وہ دیکھ ہی چکا تھا لیکن سائرہ بانو کو دیکھتے ہی وہ کچھ بدحواس سا ہو گیا۔ اُس نے بوکھلا کر اپنے بیٹے سے پوچھا۔ "ہم یہاں ... ہیں؟"

بیٹے نے کہا۔ "تعجب ہے آپ خود مجھے یہاں لے کر آئے ہیں اور اب مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔"

"کیا میں تمھیں یہاں لایا ہوں؟"

مرجانہ نے کہا۔ "تم نہیں لائے۔ تمھاری شامت تم دونوں کو یہاں لے کر آئی ہے۔"

سائرہ بانو نے کہا۔ "بیٹی تم ٹھیک کہتی تھیں۔ یہ دونوں یہاں پہنچنے والے ہیں۔ واقعی فرہاد بہت ہی باکمال شخص ہے۔"

فرہاد کا نام سنتے ہی منصور اور بختاور دونوں چونک گئے۔ اُن کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا کہ وہ کس طرح ٹیلی پیتھی کے جال میں پھنس کر یہاں تک چلے آئے ہیں۔ مرجانہ نے کہا۔ "بختاور اب کھڑے کیا سوچ رہے ہو تم بیس برس سے مجھے تلاش کر رہے ہو اور میری ماں کو ہر لمحہ پریشان کرتے آئے ہو تم ہم دونوں کو ایک جگہ دیکھنا چاہتے تھے اور کسی ایک مقام پر لا کر ہمیں مجبور کرنا چاہتے تھے کہ ہم تمھارے رشتے کو تسلیم کر لیں۔ آؤ، ہم ماں بیٹی تمھارے سامنے ہیں۔ ہمیں ذرا مجبور کر کے دیکھ لو۔"

سائرہ بانو نے کہا۔ "میں تمھارے جیسے کمینے پر تھوکتی ہوں۔" مرجانہ نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اپنی امّی کا ہاتھ تھام کر انھیں اٹھاتے ہوئے کہا۔ "امّی، تھوکنے کی بات آئی ہے تو ایسے نہیں میرے ساتھ آئیے اور اس ذلیل کے منہ پر تھوکیے۔ یہ اس کے لیے ذلّت اٹھانے کا پہلا مرحلہ ہوگا۔"

سائرہ بانو ہچکچانے لگیں کیونکہ بختاور کے ساتھ اُس کا پہاڑ جیسا قد آور بیٹا کھڑا ہوا تھا۔ اس کی جسامت سے اور اُس کے کسرتی بدن سے پتہ چلتا تھا کہ وہ بہت ہی خطرناک قسم کا پہلوان ہے۔ سائرہ بانو نے کہا۔ "بیٹی، انتقام کے جوش میں یہ نہ بھولو کہ شہ زور بھی ہوتے ہیں۔ اِس دشمن کے ساتھ اُس کا جوان، قوی ہیکل بیٹا ہے۔"

مرجانہ نے کہا۔ "امّی آپ بھی یہ نہ بھولیں کہ آپ کے شانہ بشانہ آپ کا بیٹا کھڑا ہوا ہے۔ میں بیٹی نہیں ہوں۔ آئیے ابھی میں آپ کے سامنے ثابت کر دیتی ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اپنی ماں کے بازو کو تھام کر انھیں آگے بڑھاتی ہوئی بختاور اور منصور کے سامنے پہنچ گئی۔ ان کے درمیان تقریباً ڈیڑھ گز کا فاصلہ رہ گیا۔ منصور نے کہا۔ "اگر تم نے میرے باپ کی توہین کی تو میں تمھارے ساتھ بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

مرجانہ نے کہا۔ "منصور، تم میری امّی کے سامنے یہ تو بتا دو کہ میں نے تمھارے ہی گھر میں جا کر تمھاری کس طرح پٹائی کی تھی۔ کیا تم وہ مار بھول گئے ہو۔"

منصور نے اچانک ہی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکال لیا۔ پھر مرجانہ کو نشانے پر رکھتے ہوئے بولا۔ "ہاں مجھے یاد ہے۔ اُس رات مجھے پتہ چلا کہ تم بھی کوئی اچھی فائٹر ہو اور کسی اچھے استاد سے تم نے سیکھا ہے۔ اُس کے بعد سے میں تمھارے متعلق تحقیقات میں مصروف ہو گیا۔ پتہ چلا کہ لاہور میں اس فن کا جو استاد واشنگٹن ... ہے۔ اُس نے تمھیں صرف جوڈو کراٹے کے داؤ پیچ ہی نہیں سکھائے بلکہ تمھیں مختلف خطرناک قسم کی مشقوں سے گزار کر فولاد بنا دیا ہے۔ تمھیں ناقابلِ شکست بنا دیا ہے۔ تب ہی سے میں نے

اپنے پاس یہ ریوالور رکھنا شروع کیا۔ میں جانتا تھا کہ کبھی نہ کبھی پھر تم سے سامنا ہوگا تو وہ دن آج آ ہی گیا۔"

اس کی باتوں کے دوران سائرہ بانو اپنی بیٹی کے آگے آکر ڈھال بن گئی تھیں اور گڑگڑاتے ہوئے کہہ رہی تھیں "نہیں بیٹے، تم ریوالور رکھ لو۔ ہم جھگڑا کرنا نہیں چاہتے۔ میری بیٹی نادان ہے۔ میں اُسے سمجھاتی ہوں۔"

مرجانہ نے ایک جھٹکے سے اپنی امّی کو ایک طرف کرتے ہوئے کہا "امّی آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ آپ کیوں ابھی تک سہمی ہوئی ہیں۔ میں نہ تو کمزور ہوں اور نہ آپ کسی طرح سے کمزور ہیں۔ میں ابھی ثابت کر دوں گی۔"

منصور نے طنزیہ انداز میں کہا "کیا فرہاد کا سہارا لے کر ثابت کرو گی۔"

مرجانہ نے کہا "مجھے میری امّی کی قسم، میں اس لمحے سے اس وقت تک فرہاد کا سہارا نہیں لوں گی جب تک کہ تمہارے ہاتھ سے ریوالور نہیں گر جائے گا اور فرہاد بھی یہ سن رہے ہوں گے۔ وہ یہاں موجود تو نہیں لیکن میرے یا منصور کے دماغ میں رہ کر نہ کسی کو کمزور بنائیں اور نہ کسی کو شہہ زور۔ بس وہ خاموشی سے تماشا دیکھیں۔"

منصور نے کہا "مرجانہ، میں نے ابھی تک کسی کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔ میں خواہ مخواہ قاتل نہیں بننا چاہتا۔ میں تمہیں سمجھاتا ہوں کہ تم میرے باپ سے گستاخی کے ساتھ پیش نہ آؤ اور مجھے قاتل بننے پر مجبور نہ کرو۔"

وہ بولی "میں تمہارے جذبات کو سمجھتی ہوں تم بیٹے ہو اور اپنے باپ کی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ توہین ہو گی تو تم قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرو گے لیکن قتل کرنے سے پہلے اپنے ریوالور کا سیفٹی کیچ تو ہٹا لو۔"

منصور نے بدحواس ہو کر اپنے ریوالور کی طرف دیکھا۔

اُسے خیال نہیں تھا کہ سیفٹی کیچ ہٹا ہوا ہے یا نہیں۔ اس کی نظر ریوالور پر گئی۔ اسی لمحے اس کے پیٹ پر ایک زبردست ٹھوکر پڑی۔ وہ ایک دم سے کراہتے ہوئے دوہرا ہو گیا۔ جتنی دیر میں وہ سنبھلتا، اتنی دیر میں دوسری ٹھوکر اس کے منہ پر پڑی اور وہ اُلٹ کر فرش پر چاروں شانے چت ہو گیا۔ مرجانہ چھلانگ لگا کر اس کے اس ہاتھ کی کلائی پر کھڑی ہو گئی جس ہاتھ میں ریوالور تھا۔ منصور ایسے ہی ادھ موا ہو رہا تھا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی کیونکہ اس کی کلائی پر مرجانہ کے پورے جسم کا بوجھ پڑا تھا۔ اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا۔ مرجانہ نے ریوالور کو ٹھوکر مار کر دور پہنچا دیا۔ پھر اس کے سر کے پاس کھڑے ہو کر ایک ٹھوکر اس کے منہ پر جمائی۔ وہ ایک دم سے فرش پر تڑپنے لگا۔ بختاور نے گڑگڑا کر کہا "بس کرو میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔"

یک بیک سائرہ بانو زور زور سے قہقہے لگانے لگیں۔ خوب دل کھول کر قہقہے لگاتے ہوئے انھوں نے کہا "بختاور اب میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ میں بھی ایسے ہی گڑگڑاتی تھی اور تنہائی میں دعائیں مانگتی تھی اور سوچتی تھی کہ میری بیٹی پتہ نہیں کن کن ٹھوکروں میں کہاں کہاں بھٹکتی ہو گی۔ میں اپنی بیٹی کے لیے راتوں کو سو نہیں سکتی تھی۔ آج دو چار ٹھوکریں تمہارے بیٹے کو پڑی ہیں تو تم گڑگڑا رہے ہو۔ اب میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ آج مجھے یقین ہوا کہ میں نے بیٹی کو نہیں، بیٹے کو جنم دیا ہے۔ آمیرے بچے میرے بیٹے میرے سینے سے لگ جا۔"

یہ کہہ کر وہ دونوں بازو پھیلائے ہوئے مرجانہ کے پاس گئیں اور اُسے سمیٹتے ہوئے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اُسے چومنے لگیں۔ مرجانہ نے کہا "امّی، میں تمہارے تمام دشمنوں کو ایسے مقام پر پہنچا دوں گی جہاں وہ اپنی اپنی اولاد کے لیے ترستے اور تڑپتے رہیں گے اور اپنی اولاد کی زندگی کی بھیک آپ سے مانگتے رہیں گے۔ آپ کے سامنے گڑگڑا رہیں گے۔ آپ کے قدموں میں گریں گے اور آپ انھیں ٹھوکریں ماریں گی۔ جائیے بختاور کے پاس جائیے۔ اس وقت وہ آپ کا مجرم ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کے منہ پر میرے سامنے تھوک دیں۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کیسے اب وہی ذلت برداشت کرے گا۔ جو کہ اس کی طرف سے آپ کو ملتی رہی ہیں۔"

سائرہ بانو اپنی بیٹی کو چھوڑ کر بختاور کی طرف پلٹ گئیں اور اُسے گہری اور غصیلی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ بختاور پیچھے ہٹنے لگا۔ وہ اُس کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں "بختاور دیکھو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھو۔ میں وہی کمزور عورت ہوں جسے تم جیسے ہوس پرستوں نے کھلونا بنا لیا تھا۔ میں روتی تھی، گڑگڑاتی تھی۔ انسانیت کا واسطہ دیتی تھی۔ خدا اور رسولؐ کا نام لے کر رحم کی بھیک مانگتی تھی مگر تم لوگوں کو رحم نہیں آتا تھا۔ تم لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ میں نالی کا کیڑا ہوں اور مجھے نالی میں رہنا چاہیے اور تمہاری شریف بہو بیٹیوں کو تمہارے مہذب گھرانوں میں رہنا چاہیے۔ بختاور آج دیکھو آج میں سب سے مہذب، سب سے زیادہ شریف عورت ہوں میرے پاس دولت ہے، عزت ہے، شہرت ہے۔ تمہارے پاس کیا ہے۔ کچھ نہیں۔ اتنا بھی نہیں کہ جب تمہارے منہ پر تھوکوں تو کوئی تمہارا محافظ بھی ہو۔"

سائرہ بانو آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھتی جا رہی تھیں اور وہ گھبرایا ہوا۔ پریشان پیچھے ہٹ رہا تھا۔ ادھر اُدھر دیکھتا جاتا تھا کہ کہیں سے کوئی بچاؤ کا راستہ ہو۔ فرار کا راستہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ دروازے کی طرف مرجانہ کھڑی ہوئی تھی اور وہ بھاگنے کا انجام جانتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک دیوار سے جا کر ٹک گیا۔

سائرہ بانو اُس کے سامنے پہنچ کر رک گئیں پھر بولیں "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ اب کیا کرو گے؟ کیسے بچو گے؟ مقدر میں یہ ذلت لکھی ہوئی ہے کہ تم پر تھوکا جائے۔"

بختاور کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں کیونکہ اب بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا جو مقدر میں لکھا تھا۔ وہ کسی لمحے پیش آنے والا تھا۔

"اس سے پہلے کہ میں تمہارے منہ پر تھوکوں تم اپنے ضمیر کے آئینے میں اپنا منہ دیکھو۔ تمہیں پتہ چلے گا کہ جوانی کی ابتدا سے لے کر اب تک تم اپنی بدچلنی کے ذریعے خود ہی بار بار اپنے منہ پر تھوکتے رہے ہو۔ کیونکہ جو بدچلن اور بدکردار ہوتا ہے۔ اس کا منہ ایسے ہی کالا ہوتا ہے۔ جیسے تقدیر اس پر تھوکتی رہی ہو۔ لیکن ایسے بدکردار انسانوں کو اپنے چہرے پر ایسا تھوک نظر نہیں آتا۔ اسی لیے ضرورت پڑتی ہے کہ کوئی دوسرا اُن کے منہ پر تھوکے اور انھیں احساس دلائے اور آج وہ دن آ گیا ہے کہ میں تمہارے منہ پر تھوک کر تمہیں احساس دلاؤں گی۔"

بختاور کی آنکھیں بند تھیں۔ پھر اُن بند آنکھوں کی دہلیز سے آنسوؤں کے قطرے نکلنے لگے۔ وہ قطرے اُس کے جھریوں بھرے چہرے پر پھیلنے لگے۔ سائرہ بانو نے پیچھے ہٹ کر اپنی بیٹی کو مخاطب کیا "مرجانہ، بس میں نے تھوک دیا ہے۔"

مرجانہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "نہیں، امّی آپ نے نہیں تھوکا ہے۔"

"ہاں بیٹے ذرا اُس کی طرف دیکھو۔ اُس کی بند آنکھوں کے پیچھے سے آنسو نہیں تھوک بہہ رہا ہے۔ جب ضمیر کسی انسان پر تھوکتا ہے اور جب وہ روتا ہے تو اس کی آنکھوں سے ضمیر کی تھوکی ہوئی نفرت بہتی ہے۔ ہم آنسو سمجھتے ہیں۔ بس اب مجھے تھوکنا نہیں چاہیے۔ اگر اب میں ایسا کروں گی تو یہ میری کم ظرفی ہو گی۔ آؤ۔"

یہ کہہ کر وہ مرجانہ کا ہاتھ تھام کر واپس صوفے کی طرف جا کر بیٹھ گئیں۔ منصور فرش پر پڑا ہوا تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ وہ اچھا ہٹا کٹا اور ورزشی جسم رکھنے والا نوجوان تھا۔ پھر جوڈو کراٹے کی مشق کے دوران مار کھانا بھی سکھایا جاتا ہے۔ اسے مار کھانے کی بھی عادت تھی اور مارنے کی بھی لیکن مرجانہ کے ہاتھ پاؤں سے ایسی چوٹیں لگتی تھیں جیسے آہنی سلاخوں سے ضربیں لگائی گئی ہوں۔ منصور کو پہلے بھی ایسی چوٹوں سے واسطہ پڑا تھا۔ وہ پہلے بھی مرجانہ سے مار کھا چکا تھا اور اب اس کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آ گئی تھی کہ وہ ضد اور غصے میں آ کر مرجانہ کو کبھی ایک انگلی سے بھی نہیں مار سکے گا۔

میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر اس کے احساسات کو معلوم کیا تو پتہ چلا کہ منصور مرجانہ کی والدہ سائرہ بانو سے متاثر ہو گیا تھا۔ ان کی باتوں نے اور ان کی شرافت نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کیا تھا کہ سائرہ بانو اعلیٰ ظرف خاتون ہیں۔ اگر وہ چاہتیں تو دونوں باپ بیٹوں کو مجبور کرنے کے بعد بڑی آسانی سے اس کے باپ پر تھوک سکتی تھیں لیکن انہوں نے بڑی فراخدلی سے اسے معاف کر دیا تھا۔

وہ فرش پر سے آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ اس کا باپ اب تک دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے کھڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر بیٹے کا سر ندامت سے جھک گیا۔ وہ جھکے ہوئے سر کے ساتھ وہاں سے جانے لگا۔ میں نے مرجانہ سے کہا "منصور سے کہو کہ وہ اپنا ریوالور اٹھا کر لے جائے۔ پروا نہ کرو، اب وہ فائرنگ نہیں کرے گا۔"

مرجانہ نے میری ہدایت کے مطابق اسے آواز دی "سنو منصور! اپنی چیز یہاں چھوڑ کر نہ جاؤ۔ ادھر فرش پر تمہارا ریوالور پڑا ہوا ہے اسے اٹھا کر لے جاؤ۔"

منصور نے ریوالور کی طرف دیکھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس طرف بڑھنے لگا۔ سائرہ بانو، طاہرہ بانو اور مرجانہ کے خالو پریشان ہو کر کھڑے ہو گئے کیونکہ مرجانہ اپنے دشمن کو ریوالور دے رہی تھی اور اب وہ ریوالور کو اٹھا چکا تھا۔ میں احتیاطاً اس کے دماغ میں موجود تھا کہ کہیں وہ اچانک ہی فائرنگ نہ شروع کر دے لیکن اس نے ریوالور کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر باہر جانے لگا۔ سائرہ بانو نے آواز دی "بختاور! تمہارا بیٹا تمہیں چھوڑ کر جا رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ تمہارے اپنے ایک ایک کر کے تمہارا ساتھ چھوڑ دیں۔ تم ان کے پیچھے جاؤ اور ان کے سامنے دل کی گہرائیوں سے اپنے گناہوں اور غلطیوں کا اعتراف کرو۔ میں کوئی نہیں ہوں۔ خدا سب سے بڑا ہے۔ وہی معاف کرنے والا ہے اور وہی تمہیں معاف کرے گا۔"

بختاور نے آنکھیں کھولیں لیکن اس کی آنکھیں جھکی رہیں پھر وہ اسی طرح سر جھکائے وہاں سے آہستہ آہستہ باہر جانے لگا۔ دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کے آگے پیچھے کوٹھی سے باہر چلے گئے۔ میں ان کے ساتھ لگا رہا۔ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں ان کا ارادہ نہ بدل جائے اور وہ پھر دشمنی پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ وہ دونوں کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ اس بار منصور نے اسٹیئرنگ سنبھالی۔ پھر وہ ڈرائیو کرتا ہوا کار کو کوٹھی کے احاطے سے باہر لے گیا۔ تب میں نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا۔

کوٹھی کے اندر مرجانہ اور اس کے بزرگ حالیہ واقعے پر بحث کر رہے تھے۔ میں نے مرجانہ کو مخاطب کیا۔ "اب بتاؤ کیا ارادہ ہے۔ تمہاری امی نے تو بختاور کو خدا کے حوالے کر دیا کہ وہی غفور الرحیم ہے۔ وہی معاف کرے گا۔ بختاور کا معاملہ تو نمٹ گیا۔ اب اس کے متعلق سوچنا اس سے دشمنی کرنا فضول ہے اب وہ کبھی تمہارا سامنا نہیں کرے گا۔"

وہ بولی۔ "ٹھیک ہے۔ امی کے سامنے اس کا سر ندامت سے جھک گیا تھا اور اس مرد کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے جو نہایت ہی ظالم تھا۔ اگر دوسرے دشمن بھی میری امی کے قدموں میں گر کر معافی مانگ لیں، ندامت سے سر جھکا لیں تو ہو سکتا ہے کہ امی انہیں بھی معاف کر دیں لیکن دشمنوں کو بھلایا تو نہیں جا سکتا۔ ابھی جو تین دشمن باقی ہیں ان سے نمٹنا ضروری ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی امی سے پوچھا۔ "اب آپ بتائیں کہ دوسرا دشمن کون ہے۔ ہمیں کس طرف جانا چاہیے؟"

اس کی امی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! جلد بازی سے کام نہ لو۔ اب کھانے کا وقت ہے چلو آؤ، ہم کھانا کھائیں گے۔ دشمنوں کے متعلق اطمینان سے سوچا جا سکتا ہے۔"

"امی! اطمینان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں کھاؤں گی، پیوں گی، آرام بھی کروں گی۔ نیند بھی پوری کروں گی مگر دشمن اس وقت تک میرے دماغ میں گونجتے رہیں گے جب تک میں ایک ایک سے گن گن کر بدلے نہیں لوں گی۔ چلیے۔"

وہ سب کھانے کے لیے وہاں سے اٹھ گئے۔ میں مرجانہ سے رخصت ہو کر ممی اور رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت رسونتی کوٹھی کے اندر ممی کے ساتھ ڈرائنگ روم سے چلتے ہوئے بیڈ روم کی طرف جا رہی تھی اور اس نے چلنے کے دوران ممی کا سہارا نہیں لیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کافی صحت یاب ہو گئی تھی اور بغیر کسی سہارے کے چل پھر سکتی تھی۔

میں چند لمحوں تک سوچتا رہا۔ پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ ابھی ممی اور رسونتی کو مخاطب نہیں کرنا چاہیے۔ یہاں کچھ مصروفیات ہیں۔ پھر یہ کہ صبح سے میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا ہے اور آج میکی براڈلے کے پاس بھی جانا ہے لہٰذا ممی اور رسونتی سے پھر کسی وقت ملاقات کی جائے۔ یہ سوچ کر میں واپس اس کمرے میں آ گیا جہاں سونیا نے مجھے لاک کیا تھا۔

اس وقت میری گھڑی میں پونے گیارہ بجے تھے۔ ٹھیک گیارہ بجے سونیا کی آنکھیں کھلنے والی تھیں۔ اس سے پہلے ہی میں نے سوچا کہ اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا جائے۔ یہ سوچ کر میں فون کے پاس آیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر اسے کریڈل کو کھٹ کھٹانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے خیال خوانی کے ذریعے سونیا کے دماغ میں جھانک کر کہا۔ "مجھے اٹھنا چاہیے۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی ہے۔ گھنٹی کی آواز میرے کانوں میں آ رہی ہے۔ میں اٹھنا نہیں چاہتی لیکن مجبوری ہے کوئی مجھے فون پر بلا رہا ہے۔"

تب وہ اچانک ہی بیدار ہو گئی۔ آنکھیں کھول کر پہلے چھت کو گھورتی رہی۔ پھر فون کی گھنٹی کی طرف توجہ دی، اور جلدی سے اٹھ کر ریسیور کو اٹھاتے ہوئے ہیلو کہا۔

میں نے کہا۔ "واہ مادام سونیا! بڑی اچھی مہمان نوازی ہے مجھے کل رات سے کمرے میں بند کیا ہوا ہے۔ اس وقت دن کے گیارہ بجنے والے ہیں اور میں اب تک یہاں بھوکا پیاسا بیٹھا ہوا ہوں۔ اور تم ہو کہ بیدار ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ کئی بار میں فون کر چکا ہوں۔"

وہ حیران ہو کر بولی۔ "کیا اس وقت گیارہ بج رہے ہیں؟"

اس کے ساتھ ہی اس نے نظریں اٹھا کر گھنٹے کی طرف دیکھا۔ پھر ریسیور کی طرف توجہ دیتے ہوئے کہا۔ "سوری طارق! میں رات کو بہت دیر تک جاگتی رہی تھی، اس لیے دیر تک سوتی رہی۔ سو سوری! میں ابھی آ کر کمرہ کھولتی ہوں اور فوراً ہی تمہارے لیے ناشتے کا انتظام کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھا۔ پھر کمرے کے دروازے کو کھول کر گھنٹی بجائی اور ملازم کو بلا کر جلد ناشتہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد وہ باتھ روم میں چلی گئی۔ غسل کے دوران وہ میرے متعلق سوچتی رہی کہ میں رات کو کیسے آیا تھا اور میں نے اس کے ساتھ کیسا وقت گزارا ہے اور پھر کتنی آسانی سے واپس بھی چلا گیا۔

باتھ روم سے باہر آ کر لباس تبدیل کرتے ہوئے اس نے ٹی۔ وی کے اسکرین کو آن کیا تاکہ مجھے دیکھتی رہے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے چہرے پر جھنجھلاہٹ

تھی اور میں سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

وہ بڑی سنجیدگی سے سوچنے لگی۔ "پچھلی رات میں نے اپنی خواب گاہ کو اندر سے بند کیا تھا اس کے باوجود فرہاد اندر چلا آیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے پہلے مجھے ٹریپ کیا۔ میرے دماغ کو پوری طرح اپنی مٹھی میں رکھنے کے بعد اس نے مجھ سے ہی دروازہ اس طرح کھلوایا کہ مجھے اپنی ان حرکتوں کا ہوش نہ رہا۔ اس نے میرے پاس آ کر اچھا خاصا وقت گزارنے کے بعد واپس جاتے وقت پھر اپنے کمرے میں پہنچ کر مجھے مجبور کیا ہو کہ میں دوبارہ اس کے کمرے کو لاک کر دوں۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر سوچنے لگی۔ "ہاں ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ جب فرہاد میرے کمرے کا دروازہ کھلوا سکتا ہے، تو طارق محمود کے کمرے کا بھی دروازہ کھلوانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ یقیناً یہ جو طارق محمود میرے سامنے اسکرین پر نظر آ رہا ہے یہ فرہاد ہو سکتا ہے۔ میں نہیں مانتی کہ اتنی ساری خصوصیات جو فرہاد میں ہیں، دوسرے میں سما جائیں۔"

ایسا سوچتے وقت وہ ٹیلیفون کے پاس گئی اور ریسیور اٹھا کر ماسٹر موس ٹرونی کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ ایسا کرتے وقت اس کی نظریں ٹی وی کے اسکرین پر تھیں۔ میں نے محض دکھاوے کے لیے جھنجھلا کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا لیا۔ پھر جیسے میں کریڈل کو ناک کرنے جا رہا تھا کہ رک گیا۔ مجھے ریسیور پر سونیا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ماسٹر موس ٹرونی سے کہہ رہی تھی۔ "ذرا ایک منٹ ہولڈ آن کرو، میں ابھی تم سے باتیں کرتی ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس کی نظریں ٹی وی کے اسکرین پر مجھے دیکھ رہی تھیں۔ پھر اس نے ریسیور پر کہا۔ "طارق! ریسیور رکھ دو میں ضروری باتیں کر رہی ہوں۔"

میں نے جھنجھلا کر کہا۔ "تمہاری ضروری باتوں کی ایسی کی تیسی۔ مجھے کس جرم میں یہاں قید کیا گیا ہے۔ آخر دروازہ کھولا کیوں نہیں جاتا۔"

"زیادہ بکواس نہ کرو۔ دروازہ ابھی تھوڑی دیر میں کھل جائے گا اور ناشتہ بھی تیار ہے۔ ابھی میں تمہارے پاس آنے والی ہوں ریسیور رکھ دو۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اس نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اسکرین پر مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں کرسی پر بیٹھ کر ایک سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے ٹیلی پیتھی کے ٹیلیفون پر ان کی باتیں سننے لگا۔ وہ ماسٹر موس ٹرونی سے پوچھ رہی تھی کہ فرہاد کو تلاش کرنے کے سلسلے میں کیا اقدامات کیے جا رہے ہیں؟

اس نے جواب دیا۔ "مادام! جب سے آپ نے بتایا ہے کہ فرہاد پیرس میں موجود ہے تبھی سے ہم نے اس کی تلاش شروع کر دی ہے۔ پیرس کے ایک ایک گوشے میں ہمارے آدمی فرہاد کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ اس کے ریکارڈ کے مطابق اس کی چال ڈھال، باتیں کرنے کا انداز، اس کی عادتیں سب کچھ ہمارے آدمیوں کے ذہن میں ہے اور اسی کی مناسبت سے وہ کسی ایسے بہروپیے کو تلاش کر رہے ہیں جو میک اپ میں ہو، مگر عادت سے مجبور ہو اور خود کو فرہاد کی حیثیت سے نادانستگی میں ظاہر کر دے۔ ہم ایسے ہی موقع کی تلاش میں ہیں۔"

سونیا نے ریسیور کو رکھ دیا۔ وہ میرے تصور میں گم ہو گئی تھی۔ نگاہوں کے سامنے سے ٹی وی کا اسکرین بھی مٹ گیا تھا۔ اور صرف میرا چہرہ اسے نظر آ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ایزی چیئر پر بیٹھ گئی اور گزرے ہوئے رات کے لمحوں کو یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ عجب ستم ظریفی تھی کہ جو رنگین اور سنگین لمحات اس نے گزارے تھے، ان کی یادیں بھی اس کے دماغ میں محفوظ نہیں تھیں۔ وہ سب کچھ بھول چکی تھی۔ بس آثار بتا رہے تھے کہ فرہاد آیا تھا۔

اب نگاہوں کے سامنے سر سے پاؤں تک میں اسے نظر آ رہا تھا اور وہ دھڑکتے ہوئے دل سے سوچ رہی تھی۔ فرہاد! جب تم آ ہی گئے تھے تو مجھے بیدار کیا ہوتا۔ میں تمہاری ٹیلی پیتھی اور ہپناٹزم کی تکنیک کو سمجھتی ہوں۔ تم نے ہپناٹائز کر کے کہہ دیا ہو گا کہ بعد میں، میں سب کچھ بھول جاؤں۔ ایسا تم نے کیوں کیا۔ کاش کہ میں جاگتی آنکھوں اور جاگتے ہوئے دماغ سے تمہارے ساتھ وقت گزارتی تو اس خوشی میں، اس محبت میں، ان پیارے پیارے لمحوں میں میرا اپنا بھی حصہ ہوتا۔ یہ بڑی زیادتی ہے کہ تم یکطرفہ خوشیاں سمیٹ کر چلے گئے۔

سونیا میرے ساتھ بہت زیادہ سنجیدہ ہو جایا کرتی تھی اور اب تو یہ معاملہ تھا کہ برسوں سے وہ بچھڑی ہوئی تھی اور برسوں سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ ملاقات بھی ہوئی تو وہ انجانی سی ملاقات تھی۔ اس پر وہ ناخوش بھی نہیں تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ فرہاد کا حق تھا اور اس نے حق ادا کر دیا جس کی جو چیز ہوتی ہے وہ زبردستی بھی آ کر لے جائے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا لیکن پیار محبت سے یہی سب کچھ ہوتا تو اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی۔ شاید وہ یہ فیصلہ کر لیتی کہ اسے فرہاد کی خاطر سپر ماسٹر کی تنظیم سے نکل آنا چاہیے۔

سوچتے سوچتے وہ چونک گئی۔ پھر اپنے آپ کو بہتر بنانے لگی۔ اس کا دماغ کہہ رہا تھا۔ مجھے اس انداز میں نہیں سوچنا چاہیے میں فرہاد کی خاطر سپر ماسٹر کی تنظیم کو نہیں چھوڑوں گی۔ یہی تو

ایک طریقہ ہے کہ وہ میرے پاس آتا رہے گا۔ کیا ہوا کہ کل رات وہ بچ کر نکل گیا۔ آخر کب تک بچتا رہے گا۔ کسی نہ کسی دن میں اسے ایسے شکنجے میں لاؤں گی کہ وہ نکل نہیں سکے گا۔

اس کی سوچ پڑھنے کے دوران میرے پیٹ میں چوہے کودنے لگے۔ بھوک کا احساس بڑھ گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر سونیا کو اسی طرح موقع دیا جائے تو وہ صبح سے شام تک سوچتے ہوئے گزار دے گی اور میں یہاں بھوکا مروں گا۔ میں نے پھر ریسور اٹھا کر اس کے کریڈل کو کھٹکھٹایا تو دوسری طرف سونیا چونک گئی۔ اس نے ریسور اٹھا کر کہا "ہاں مجھے یاد ہے۔ بس میں ابھی اپنے کمرے سے نکل رہی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسور رکھا اور تیزی سے کمرے کا دروازہ کھول کر نکل گئی۔ ملازم کو آواز دے کر کہا کہ وہ میز پر ناشتہ لگائے۔ پھر وہ میرے کمرے کے سامنے آئی اور اس کے دروازے کو کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی میں نے سر جھکا کر کہا "تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے دروازہ کھول کر احسان کیا۔ اب ناشتہ کتنی دیر میں ملے گا؟"

وہ مسکرا کر بولی "ناشتہ تیار ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔"

ہم ڈائننگ ٹیبل پر آ گئے۔ ناشتہ کرنے کے دوران میں نے پوچھا "کیا تم ہمیشہ اتنی ہی دیر تک سوتی رہتی ہو؟"

"نہیں، آج فرہاد نے مجھے اتنی دیر تک سلائے رکھا تھا۔"

"اچھا تو فرہاد تمہیں اپنے پاس سلا کر رکھتا ہے۔"

وہ ایک دم سے جھینپ کر بولی "کیا بکواس کر رہے ہو۔ اس نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں گیارہ بجے سے پہلے سو کر نہ اٹھوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں سوتی رہ گئی تھی۔"

"تم نے جاگنے کے بعد غسل کیا تھا نا؟"

"ہاں۔" وہ چونک کر بولی "مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ غسل کرنے کے بعد تم اور زیادہ نکھر گئی ہو۔ جیسے پھول شبنم سے دُھل جانے کے بعد اور نکھر جاتا ہے۔ تمہارا حسین چہرہ اتنا پُرکشش ہو گیا ہے کہ اظہارِ محبت کو جی چاہتا ہے مگر افسوس تم تو فرہاد کے لیے ریزرو ہو۔"

"اونہہ۔" وہ ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے بولی "میں اس کو گھاس بھی نہیں ڈالتی۔"

"میں نے سنا ہے کہ ٹیلی پیتھی کے بڑے کمالات ہوتے ہیں۔ اس کے آگے گھاس نہ ڈالو تب بھی وہ گھاس کھا کر گزر جاتا ہے۔"

سونیا نے ایک دم سے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر بولی۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ تمہاری باتیں بڑی معنی خیز لگ رہی ہیں سچ سچ بتاؤ تمہارے دل میں کیا ہے؟ اور یہ تمہارے بولنے کا مقصد کیا ہے؟"

"بھلا میرا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ کیا میری باتوں سے ظاہر نہیں ہے کہ میں ٹیلی پیتھی کے متعلق باتیں کر رہا ہوں۔ کیا ٹیلی پیتھی جاننے والے ایسا نہیں کرتے۔ جیسا کہ ڈاکٹر میکی براڈلے کا وہ بلیک میلنگ والا مواد اس سے چھپا کر رکھا گیا تھا لیکن وہ اسے حاصل کر کے تباہ کر چکا ہے۔ اسی طرح میں مثال کے طور پر کہہ رہا تھا کہ اس کے آگے چارہ نہ ڈالو تب بھی میرا مطلب ہے کہ وہ چارہ چر ہی جاتا ہے۔"

سونیا گہری نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ میں نظریں جھکا کر ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ پھر وہ بڑی آہستگی سے، بڑی رازداری سے بولی "دیکھو، میرا دل کہتا ہے کہ تم وہی ہو۔ تم نے ہزار ہا پردوں میں خود کو چھپایا ہوا ہے۔ اصل چہرے پر ایک فولادی ماسک چڑھا لیا ہے لیکن تمہاری عادتیں، تمہاری باتیں تمہارا انداز، تمہارے جسم کی خوشبو تمہاری آنکھیں، تمہارے طنز کرنے کا انداز اور تمہارے مذاق اڑانے کی وہ عادت سب کچھ وہی ہے۔ وہی ہے طارق! میں تمہیں طارق کہوں یا فرہاد دیکھو مجھے پریشان نہ کرو۔"

میں نے کانٹے اور چھری کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا "جس حد تک تمہیں یقین دلانا تھا وہ دلا چکا۔ اب تم مجھے زندگی کی آخری سانس تک فرہاد سمجھتی رہو تو میں تمہارا کیا بگاڑ لوں گا۔ کیا تمہارے ایسا سمجھنے سے میں فرہاد بن جاؤں گا؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گئی۔ پھر میرے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے بولی "دیکھو، کل رات سے میری دنیا بدل گئی ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ میرے اندر کیا ہو رہا ہے۔ فرہاد تمہیں پا لینے کے لیے میں ابھی اور اسی وقت مر جانا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں اپنے پاس بلا کر رہوں گی کیا تم میرے پاس نہیں آؤ گے؟"

"مادام سونیا! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

"تمہاری باتوں سے میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ کبھی تم مجھے تم کہہ کر مخاطب کرتے ہو اور کبھی تکلف سے آپ کہتے ہو۔ ابھی تم نے مجھے آپ کہہ کر مخاطب کیا۔"

وہ پیچھے ہٹ گئی۔ پھر اور پیچھے ہٹ کر بولی "میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ میں نے ناشتہ چھوڑ دیا ہے۔ میں دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھاؤں گی اور رات کو بھی نہیں کھاؤں گی بلکہ اس وقت تک نہیں کھاؤں گی جب تک کہ تم میرے پاس میرے فرہاد بن کر نہیں آؤ گے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے چلتے ہوئے ڈائننگ روم کے دروازے تک گئی۔ پھر وہاں سے پلٹ کر بولی "بس تم سے ایک درخواست ہے اور وہ یہ کہ میری سوچ پڑھتے رہنا اور سوچ کے ذریعے مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔"

یہ کہہ کر وہ ڈائننگ روم سے باہر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

سونیا ایک ایسا فولادی وجود ہے جسے کوئی دوسرا فولاد توڑ نہیں سکتا۔ لیکن فطرتاً وہ اندر سے عورت ہے اور جب میرا معاملہ آتا ہے تو وہ عورت اندر سے بیدار ہو جاتی ہے۔ اس وقت وہ بیدار ہو چکی تھی اور میرے لیے سب کچھ کر گزرنا چاہتی تھی لیکن میں ابھی اس سے کھیلنا چاہتا تھا اور یوں بھی اگر اس کے کہنے کے مطابق میں اس کی سوچ پڑھتا رہتا اور اسے سوچ کے ذریعے اپنا فیصلہ سناتا تو یہ بات کھل جاتی کہ میں ہی فرہاد ہوں اور اس کی التجا کے مطابق فوراً ہی سوچ پڑھنے لگا ہوں اس لیے میں نے فی الحال اس سے کترانا ہی مناسب سمجھا اور ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔

ناشتہ کرنے کے بعد میں سونیا کے کمرے کے سامنے پہنچا وہاں میں نے دستک دیتے ہوئے کہا "مادام! آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح فرہاد بن کر آپ کو مطمئن کر دوں۔ خدا کے لیے باہر آیئے اور ناشتہ کر لیجیے۔"

وہ اندر سے چیخ کر بولی "دیکھو مجھ سے فراڈ نہ کرو۔ تم پھر آیئے اور کھایئے جیسی گفتگو کر رہے ہو۔ احتراماً آپ کہہ کر مخاطب کر رہے ہو۔ تم بے حد چالاک ہو لیکن چالاک آدمی بھی کہیں نہ کہیں مات کھاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا احترام نہیں کروں گا۔ بہر حال دروازہ کھولو۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔ سامنے تمہیں جو کچھ بھی نظر آتے اسے فرہاد سمجھ کر ہی قبول کر لو۔ میری بھی خوش نصیبی ہو گی۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی کہ دروازہ کھولنا چاہیے یا نہیں پتہ نہیں میرے اندر فرہاد موجود ہو یا نہ ہو۔ کہیں وہ دھوکا نہ کھا جائے۔ میں نے پھر کہا "کیا ہوا، دروازہ کیوں نہیں کھولتیں میں انتظار کر رہا ہوں۔ آؤ اور میرے سوئے نصیب جگا دو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "نہیں تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میں ڈاکٹر میکی براڈلے کو فون پر اطلاع دے رہی ہوں کہ تم وہاں پہنچ رہے ہو۔ ڈاکٹر تمہیں بتا دے گا کہ آج تمہیں ہسپتال میں رہنا ہے یا واپس آنا ہے۔"

میں کافی پینے کے بعد اس بنگلے سے باہر آیا۔ سونیا کے ڈرائیور نے مجھے ڈاکٹر میکی براڈلے تک پہنچا دیا۔ وہاں وہ میرا منتظر تھا۔ مجھے تنہا دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا "یہ بڑی اچھی بات ہے کہ آپ تنہا آئے ہیں۔ پچھلی رات میں دل کھول کر آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکا۔ میں آپ کا جتنا بھی احسان مند ہوں، کم ہے۔"

"ڈاکٹر! آپ یہ تکلفانہ باتیں چھوڑ دیجیے۔ میں آپ کا دوست ہوں۔ آئندہ بھی کبھی میری ضرورت پڑے تو میں آپ کی مدد کروں گا۔"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں میں جانتا ہوں کہ تم کیسے آدمی ہو۔ کچھ خیال نہ کرنا۔ میں عمر میں بڑا ہوں تمہیں تم کہنا چاہتا ہوں۔ کل رات میں نے گھر آ کر پرانے اخبارات کے فائل نکالے اور ان میں وہ اخبارات دیکھے جب بنکاک وغیرہ میں تمہارا بڑا شہرہ تھا اور تم بڑے عجیب و غریب کارنامے دکھا رہے تھے۔ میں نے انہیں پڑھ کر اندازہ لگایا کہ تم انسان دوست ہو اور ظلم کے خلاف لڑتے ہو۔ جو مظلوم ہوتا ہے اس کی مدد کرتے ہو اور یہ مثال تو میرے سامنے موجود ہے کہ تم نے میری مدد کی ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ آج آپ میری پلاسٹک سرجری نہیں کریں گے۔ ان ہی باتوں میں وقت گزر جائے گا۔"

وہ جواباً ہنستے ہوئے بولا "نہیں دوست! میں تو اتنی تندہی سے اور ایسے جی جان سے تمہارے چہرے کو تبدیل کروں گا کہ آج تک میں نے کبھی کسی کے لیے اتنی محنت نہیں کی ہو گی۔ آؤ بیٹھو۔ میں تمہارے چہرے کا ڈرائنگ بنانا شروع کرتا ہوں۔ ہمیں چہرے کی ہڈیوں کے ایک ایک نقش کی ڈرائنگ کرنا پڑتی ہے۔ اسی کے مطابق ہم سرجری کرتے ہیں۔"

وہ مجھے اپنے ساتھ اسٹڈی روم میں لے گیا۔ وہاں ایک چھوٹے سے اسٹینڈ پر میری بڑی تصویر لگی ہوئی تھی۔ میرا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے مجھے میز کے ایک طرف بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر خود میز کے دوسری طرف میرے مقابل بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے ڈرائنگ شیٹ، پنسل اور دوسرے سامان وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے عینک لگاتے ہوئے کہا "اب ذرا مسکرا کر دکھاؤ۔"

میں مسکرانے لگا۔ وہ کبھی میرے چہرے کو اور کبھی میری تصویر کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا "اب بالکل سنجیدہ ہو جاؤ۔"

میں نے اپنے اوپر سنجیدگی طاری کر لی۔ وہ مجھے دیکھتا رہا اور بولتا رہا۔ "دراصل انسان کے ہنسنے، بولنے سے چہرہ ذرا سا

پھیلتا ہے۔ اداسی کی حالت میں ذرا سا سمٹ جاتا ہے۔ ان سب باتوں کا ہمیں خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ شیٹ پر جھک گیا اور کچھ خاکے بنانے لگا۔ ہمارے درمیان بڑی دیر تک خاموشی رہی تو میں سونیا کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ اب بہت دیر ہو چکی تھی اور میں اس سے سوچ کے ذریعے رابطہ قائم کر سکتا تھا اور خود کو فرہاد ظاہر کر سکتا تھا۔ یہ سوچ کر میں نے کہا: "ہیلو سونیا! تم اپنے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟"

وہ تھکے ہوئے انداز میں ایزی چیئر پر نیم دراز تھی میرے مخاطب کرتے ہی وہ ایک دم سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔ "اچھا تو تم ڈاکٹر کے پاس پہنچ کر مجھے مخاطب کر رہے ہو؟"

میں نے حیرانی سے پوچھا: "ڈاکٹر کے پاس پہنچ کر؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میں کیا بتاؤں۔ کیا تم نہیں سمجھ رہے ہو؟"

"اچھا ٹھہرو، میں ابھی تمہاری سوچ کے ذریعے معلوم کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے تھوڑا سا وقت ضائع کیا۔ پھر اس سے کہا: "اچھا میں نے معلوم کر لیا ہے۔ تم طارق محمود کو فرہاد سمجھ رہی ہو۔ وہ اس وقت ڈاکٹر کے پاس بیٹھا ہوا ہے اور تم سمجھ رہی ہو کہ میں ڈاکٹر کے پاس بیٹھ کر تمہیں سوچ کے ذریعے مخاطب کر رہا ہوں۔"

سونیا نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا۔ پھر مایوسی سے سر ہلا کر بولی: "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہیں کیسے بے نقاب کروں۔ میں تمہیں کیا بتاؤں فرہاد کہ تم نے پچھلی رات میرے پاس آ کر اچھا نہیں کیا۔ میرے اندر جو عورت چھپی ہوئی ہے، تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ اسے بیدار کرو اور مجھے میرے خول سے باہر نکالو۔ جب تم میرے پاس نہیں آ سکتے میرے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے تو مجھے پتھر کیوں نہیں بننے دیتے؟"

"میں نے تمہیں کسی بات سے نہیں روکا۔ تم سُپر ماسٹر کی تنظیم میں گئیں، میں نے تمہارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ تم اپنی مرضی کی مالک ہو جو چاہو کرو۔ رہ گیا یہ کہ میں تمہارے پاس کیوں آیا تھا تو تم یہ اچھی طرح جانتی ہو کہ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آیا تھا۔ بیشک میں ہرجائی ہوں لیکن تم یہ نہ بھولو۔ دس جگہ بھٹکنے کے باوجود پھر میں واپس تمہارے پاس آتا ہوں۔ کیا تم اس حقیقت سے انکار کرو گی؟"

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "نہیں میں انکار نہیں کروں گی۔ اسی لیے تو میں نے آج تہیہ کر لیا ہے کہ اس کمرے سے باہر نہیں نکلوں۔ میں نے صبح ناشتہ نہیں کیا اور اب اس وقت تک بھوکی رہوں گی جب تک کہ تم میرے پاس نہیں آؤ گے۔"

میں نے پچکارتے ہوئے کہا: "اچھی بچیاں ضد نہیں کیا کرتیں۔ چلو اٹھ کر کھا لو۔"

"میں کہہ چکی ہوں کہ میں بھوکی رہوں گی۔ کوئی مجھے کھلا نہیں سکتا۔ میں تم سے کہتی ہوں میرے پیار کی قدر کرو۔ میرے دل کو، میرے جذبات کو سمجھو اور میرے پاس چلے آؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ سُپر ماسٹر کے کسی بھی فرد کو یہ علم نہیں ہو گا کہ تم مجھ سے مل رہے ہو۔"

"بے شک میں جانتا ہوں کہ تم میری ملاقات کو راز میں رکھو گی لیکن اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جس طرح تم ضد میں آ کر مجھے طیش دلانے کے لیے سپر ماسٹر کی تنظیم میں گئی ہو۔ اسی طرح میں تمہیں تڑپاؤں گا۔ چلو اٹھو اور ناشتہ کر لو۔"

"میں ناشتہ نہیں کروں گی۔"

"اچھی بات ہے۔ دیکھو میں تمہیں کس طرح کھلاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ ایزی چیئر پر سے اٹھی۔ پھر اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے ملازم کو آواز دے کر بولی: "میرا ناشتہ لاؤ۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

ذرا سی دیر میں ملازم نے اس کے آگے ناشتہ لا کر رکھ دیا وہ آرام سے کھانے لگی۔ میں اس کے دماغ میں موجود رہا۔ ناشتے کے بعد جب اس نے کافی کی ایک پیالی حلق سے اتار لی تو میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے چونک گئی۔ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے کھڑے ہوتے ہی کرسی پیچھے کی طرف الٹ گئی۔ پھر اس نے مٹھیاں بھینچ کر دانت پیستے ہوئے کہا: "فرہاد کے بچے! تم میرے ساتھ بدمعاشی کر رہے ہو تم نے مجھے زبردستی کھلایا ہے۔"

"ہاں میں نے تمہیں جبراً کھلایا ہے۔ یہ بھوک ہڑتال وغیرہ کی دھمکی کسی اور کو دو۔ میں کوئی مل اونر نہیں ہوں کہ تم دھمکی دے کر اپنے مطالبات منوا لو۔ آئندہ کبھی بھوک ہڑتال کی دھمکی نہ دینا۔"

وہ دانت پر دانت جمائے خاموشی سے کھڑی رہی۔ اپنے اندر سے اٹھنے والے طوفانی غصے کو کچلتی رہی اور اپنے آپ کو سمجھاتی رہی: "مجھے غصے میں نہیں آنا چاہیے۔ ٹھیک ہے۔ اس نے دھوکے سے مجھے کھلا دیا ہے۔ یہی تو میری جیت ہے کہ وہ مجھے بھوکا نہیں دیکھنا چاہتا۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے تو اسے بھی تکلیف

ہوتی ہے۔ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے میری محبت سے مجبور ہو کر کر رہا ہے۔ فرہاد اگر تم موجود ہو تو بتاؤ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"نہیں، تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ شاباش! غصے کو اسی طرح کچلنا چاہیے۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بولی: "میں اپنے بیڈ روم میں جا رہی ہوں۔ میرے پاس موجود رہو۔ میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ اپنے بیڈ روم میں پہنچ کر دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد ایک صوفے پر بیٹھ گئی، پھر بولی: "دیکھو میں تمہاری ہوں۔ خواہ تم سے مادی طور پر دماغی طور پر کتنی ہی دور ہو جانے کی کوشش کروں مگر محبت کبھی دل سے دور نہیں ہوتی۔ اسی طرح برسوں کے بعد بھی ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اس حقیقت سے ہم دونوں انکار نہیں کر سکتے۔"

"میں تو کبھی انکار نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں کبھی نہیں بھلا سکتا اور نہ ہی کبھی چھوڑ سکتا ہوں۔ بارہا تم نے مجھے غصہ دلایا تو میں نے سوچا کہ تمہاری طرف رخ نہیں کروں گا لیکن سونیا! میں وہ وقت کیسے بھول جاؤں جب تم نے بڑی بڑی مصیبتوں میں اور بڑے بڑے خطرات میں میرے ساتھ موت سے جنگ کی ہے۔"

"ہاں ہم ساتھ گزرے ہوئے لمحات کو نہیں بھلا سکتے۔ میں انہی لمحات کا، ان تعلقات کا واسطہ دے کر کہتی ہوں، میری ایک بات مان لو۔"

"یہ بات نہیں مانوں گا کہ تمہارے سامنے آ جاؤں۔"

"ٹھیک ہے۔ خود کو مجھ پر ظاہر نہ کرو۔ جتنا انتقام مجھ سے لے سکتے ہو لے لو۔ جتنا مجھے ستا سکتے ہو ستاتے رہو۔ مگر میری یہ بات مان لو کہ اب سے چوبیس گھنٹے تک میرے دماغ میں نہ آؤ۔ میری سوچ نہ پڑھو۔"

"ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟"

"اس لیے کہہ رہی ہوں کہ تمہیں اپنی سونیا کی ذہانت پر فخر ہے۔ یہ فخر قائم رہنا چاہیے۔ میں چوبیس گھنٹے کے اندر یہ ثابت کر دوں گی کہ میں کتنی ذہین ہوں اور اپنے فرہاد تک کیسے پہنچ سکتی ہوں۔"

"تم ذہین نہیں چالاک ہو۔"

"چالاکی ذہانت کا دوسرا نام ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ذہانت میں سنجیدگی ہوتی ہے، چالاکی میں بدمعاشی۔ بہرحال میں تمہیں ڈھونڈ کر رہوں گی۔ اب سے بہت پہلے ہی میں تمہیں ڈھونڈ لیتی لیکن تم میرے دماغ میں آ کر میرے ارادے کو پڑھ لیتے ہو۔ اس لیے میں ناکام ہو جاتی ہوں۔ تم نے ہارمونز کی تبدیلی کے ذریعے اپنی بو تبدیل کرا لی۔ میں تمہاری بو کے ذریعے تم تک نہیں پہنچ سکتی۔ تم کسی نہ کسی میک اپ میں چھپے ہو گے۔ میں اس میک اپ کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ پھر بھی میں یہ دعوے کرتی ہوں کہ چوبیس گھنٹے کے اندر میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔ مجھے میری ذہانت کو آزمانے دو۔ اگر تمہیں ڈھونڈ لینے میں کامیاب ہو جاؤں گی تو مجھ پر فخر نہیں کرو گے؟"

"سونیا! مجھے تم پر ہمیشہ فخر رہا ہے لیکن اس بار میں کہتا ہوں کہ تم مجھ تک نہیں پہنچ سکو گی۔"

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ مجھے صرف چوبیس گھنٹے کی مہلت چاہیے۔"

"چلو یہی سہی۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب یہاں سے جانے کے بعد چوبیس گھنٹے تک تمہارے دماغ میں نہیں آؤں گا نہ تمہاری سوچ پڑھوں گا۔" یہ کہہ کر میں نے گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا: "اس وقت دن کے ایک بج کر پینتیس منٹ ہوتے ہیں۔ میں کل ٹھیک اسی وقت ایک بج کر پینتیس منٹ پر تمہارے دماغ میں آ کر تمہیں مخاطب کروں گا۔ او کے۔"

اس نے خوش ہو کر کہا: "او کے۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنے وعدے پر قائم رہو گے۔"

میں وعدہ کر کے اس کے دماغ سے واپس آ گیا۔ لیکن اب میرے اندر بے چینی سی پیدا ہو گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ سونیا کیا چیز ہے۔ میرے اس کے اختلافات اور وقتی دشمنی اپنی جگہ تھی محبت اپنی جگہ تھی، اور ہم ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے۔ سونیا کی صلاحیت یہ تھی کہ جس کام کو کرنے کا چیلنج کرتی تھی، اسے ہر حال میں پورا کرتی تھی اور اس میں اس کی ذہانت کا دخل ہوتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح مجھ تک ضرور پہنچ جائے گی۔

میں پلک جھپکتے ہی اس کی سوچ کو، اس کے منصوبوں کو پڑھ کر پتہ چلا سکتا تھا کہ وہ مجھ تک کس طرح پہنچے گی۔ یہ معلوم کرنا میرے لیے بہت آسان تھا لیکن سونیا کی ذہانت یہی تھی کہ اس نے مجھے وعدہ کا پابند بنا لیا تھا۔ اصولاً دیکھا جائے تو مجھے پابند رہنا چاہیے۔ کسی کو اس کی ذہانت آزمانے کا موقع دینا چاہیے اور میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ واقعی میں اس کے دماغ میں جھانک کر نہیں دیکھوں گا۔ اس کی سوچ نہیں پڑھوں گا اور اسے اس کی ذہانت کو آزمانے کا بھرپور موقع دوں گا۔

مجھے کرسی پر پہلو بدلتے دیکھ کر ڈاکٹر میکی براڈ نے کہا

"فرہاد! تم کچھ بے چین سے نظر آ رہے ہو؟"

میں نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا "ڈاکٹر! میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں۔ آئندہ مجھے فرہاد کہہ کر مخاطب نہ کریں۔ طارق محمود کے نام سے ہی مخاطب کریں۔ اگر کسی نے سن لیا تو میرا بھید کھل جائے گا۔"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے میں سمجھتا ہوں۔ میں آئندہ تمہیں طارق کہہ کر بلایا کروں گا۔"

"ایک بات اور ڈاکٹر! مادام سونیا اس کوشش میں ہے کہ وہ فرہاد کو ڈھونڈ نکالے۔ وہ مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ اگر وہ آپ کو اپنا رازدار بنا کر کوئی بھی چال چلنا چاہے تو آپ فوراً ہی مجھے کسی نہ کسی ذریعہ سے خبر کر دیں میں محتاط ہو جاؤں گا۔"

ڈاکٹر نے یقین دلایا کہ وہ مجھے ہر حال میں باخبر رکھے گا۔ پھر اس نے پوچھا "کیا مادام کو تم پر شبہ ہو گیا ہے؟"

"ہاں، لیکن میں نے اقرار نہیں کیا۔ ہمیشہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے چالیں چل کر کسی نہ کسی طرح یقین دلا دیا کہ میں طارق محمود ہوں اور فرہاد سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"پھر تو کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ اگر مادام یہاں پہنچ کر کسی طرح تمہیں بے نقاب کرنا چاہیں تو تم آخر وقت تک اعتراف نہ کرنا۔"

"میں کبھی اعتراف نہیں کروں گا لیکن آپ سونیا کو نہیں جانتے ڈاکٹر! وہ پتہ نہیں کیسے مجھے بے نقاب کرے گی میرا دماغ ابھی وہاں تک نہیں پہنچ سکا ہے۔ میں سوچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

ڈاکٹر شام تک میرے چہرے کی ہڈیوں کے اسکیچ میں مصروف رہا۔ اسکیچ بنانے کے لیے اس نے کبھی مجھے دیکھا، کبھی میری تصویر کو دیکھا اور کبھی ایکسرے کا فوٹوگراف دیکھتا رہا میں نے سونیا کے متعلق بہت کچھ سوچا کہ وہ کس طرح مجھ تک پہنچ سکتی ہے لیکن میرا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ ایک انسان کیا سوچتا ہے، کس انداز میں سوچتا ہے اور کیسی تدبیر عمل کرتا ہے اسے دوسرا شخص سمجھ نہیں سکتا۔ میرے لیے دماغ میں جھانکنے کی پابندی تھی۔ میں مختلف لوگوں کی سوچیں پڑھنے کا عادی ہو گیا تھا اور آسان راستے ڈھونڈتا رہتا تھا۔ اس لیے جب ٹیلی پیتھی کے بغیر کسی کی تدبیر کو سمجھنے کی بات آئی تو مجھے دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے سوچا "کیا وہ کسی ہپناٹائز کرنے والے کی خدمات حاصل کرے گی اور میرے دماغ کو کمزور بنا کر تنویمی عمل کے ذریعے مجھ سے میرے دل کا بھید اگلوائے گی؟"

میں نے اس پہلو پر غور کیا تو یہ بات دل کو لگی۔ میں نے ڈاکٹر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ایک بات میری سمجھ میں آئی ہے کہ اگر سونیا میرے دماغ کو کسی طرح متاثر کرے۔ میرے کھانے میں کوئی ایسی دوا ملوا دے جس سے میرا دماغ وقتی طور پر تھوڑا سا کمزور ہو جائے۔ یعنی اس حد تک کمزور ہو جائے کہ کوئی مجھے ہپناٹائز کر کے میری زبان سے میرے اندر کی بات اگلوا سکے۔"

ڈاکٹر نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میری موجودگی میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم میرے اسپیشل وارڈ میں ہو میری نگرانی میں تمہیں کھلایا جائے گا۔ کھانے پینے کی ہر چیز کو میں چیک کروں گا۔ اس کے بعد اسے تمہارے پاس پہنچنے دوں گا۔ صرف چوبیس گھنٹے کی تو بات ہے۔ چوبیس گھنٹے تک میں تمہارے لیے بہت محتاط رہوں گا۔ اطمینان رکھو۔"

مجھے اطمینان ہو گیا۔ میں خود بھی چوبیس گھنٹے تک محتاط رہ سکتا تھا۔ میں نے مرجانہ سے کہا تھا کہ تھوڑی دیر بعد اس کے پاس آؤں گا۔ مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ بہرحال جب وہاں پہنچا تو اس وقت وہ اپنے کمرے میں تنہا بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی امی غسل خانے میں تھیں۔ تنہائی میں اچھا موقع تھا اس لیے وہ صرف میرے متعلق باتیں کرنا چاہتی تھی اور میرے متعلق اس نے سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ سونیا کا کیا حال ہے؟ یہ عورت کا فطری جذبۂ حسد تھا۔

میں اس کے اس سوال سے ذرا گڑبڑا گیا کیونکہ دوستی تو ہو رہی تھی۔ ایسی دوستی جس میں کشیدگی بھی ہوتی ہے اور کشش بھی۔ میرے ذرا دیر خاموش رہنے پر اس نے مخاطب کیا "فرہاد کیا میرے دماغ سے چلے گئے ہو۔ اگر موجود ہو تو جواب دینے میں کیوں ہچکچا رہے ہو؟"

"ہچکچانے کی بات نہیں ہے۔ دراصل سونیا میں اتنی صلاحیتیں، اتنی خوبیاں ہیں کہ اس کی ایک بدمزاجی کو میں بھول جاتا ہوں۔ وہ میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں مرجانہ کہ..."

"بس بس، میں سمجھ گئی۔ اب تم ہزار طرح کی باتیں بنا کر یہ ثابت کرنا چاہو گے کہ سونیا نے تمہیں متاثر کر دیا لہٰذا تم متاثر ہو گئے۔"

"دیکھو مرجانہ! سونیا سے ایسی دوستی نہیں ہے جیسی تم سے ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ میں فرہاد ہوں لیکن اس نے چیلنج کیا ہے کہ چوبیس گھنٹے کے اندر وہ پیرس شہر کے اندر فرہاد کو ڈھونڈ نکالے گی یعنی مجھ تک پہنچ جائے گی۔"

"وہ کیسے پہنچے گی؟"

"یہی تو بات ہے۔ تم ابھی سونیا کے متعلق کچھ نہیں جانتیں۔ وہ اتنی ذہین ہے کہ اس کی ذہانت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ صرف اس کا تماشا دیکھا جا سکتا ہے اور وہ تماشا مجھے دکھانے والی ہے۔ جب وہ مجھے ڈھونڈ نکالے گی تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ اس نے کیا طریقۂ کار اختیار کیا تھا۔"

"ہوں، سونیا کی بڑی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ سچ سچ بتاؤ کیا اس نے تم کو مکمل طور پر ہپناٹائز کر دیا ہے؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ میں جب کہہ رہا ہوں کہ وہ مجھے فرہاد کی حیثیت سے نہیں پہچان رہی ہے اور ابھی میری تلاش میں ہے تو تمہیں مطمئن ہو جانا چاہیے۔"

وہ مطمئن ہو گئی۔ میں نے کہا "دیکھو مرجانہ! ہم بہت اچھے پُرخلوص دوست ہیں اور ایک دوسرے سے کوئی لالچ نہیں رکھتے ہیں اگر میں یہاں سونیا کے قریب ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ تعلقات میری اور تمہاری دوستی میں حائل ہوں گے۔"

"تم نے وعدہ کیا تھا کہ کسی غیر عورت سے آئندہ تعلقات نہیں رکھو گے۔"

"میں اب بھی اسی وعدے پر قائم ہوں اور ہمیشہ قائم رہوں گا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا کہ سونیا غیر نہیں ہے۔ میں نے غیروں کے متعلق وعدہ کیا ہے۔"

"اچھا تو تم نے سونیا کے لیے گنجائش رکھی ہے؟"

"تم خود سوچو۔ اس کے ساتھ برسوں کی دوستی ہے۔ میں اور وہ ایک دوسرے کے حق دار ہیں اور ہم اپنا اپنا حق ایک دوسرے سے طلب کر سکتے ہیں۔ اس پر تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے ہاں اگر میں کوئی نئی دوستی کروں تو پھر تم میرا محاسبہ کر سکتی ہو۔ تمہیں پوری اجازت ہے۔"

وہ کچھ سوچنے لگی۔ میں پڑھ رہا تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ پھر بھی میں نے انجان بن کر پوچھا "کس سوچ میں پڑ گئیں؟"

وہ چونک کر بولی "تم تو میرے دماغ میں موجود ہو کیا میری سوچ نہیں پڑھ رہے ہو؟"

میں نے جھوٹ کہا "نہیں، میں تھوڑی دیر کے لیے تمہارے دماغ سے چلا گیا تھا۔ واپس آیا تو تمہیں سوچتا ہوا پایا۔"

"میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے پیرس جانا چاہیے۔"

"ارے یہ کیوں۔ تم نے اچانک پروگرام کیوں بدل دیا؟"

"بس یونہی، ہم اس بات پر متفق تھے کہ پیرس میں تمام دشمنوں کو بلائیں گے اور امی کے سامنے انہیں ذلیل کریں گے اس کے لیے انکل نے یہاں سے اپنا ایک آدمی ہندوستان بھیجا تاکہ تم اس کے ذریعے کبیر بیدل اور رگھو کو ہندوستان سے پیرس جانے پر مجبور کر سکو۔"

"ہاں، ہم نے یہی پروگرام بنایا تھا۔"

"تو پھر اسی پروگرام پر عمل کیوں نہیں ہو سکتا۔ میں تم سے اتنی دور ہندوستان کیوں جاؤں۔ پیرس کیوں نہ آؤں۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر تم ایسا ہی سوچ رہی ہو تو پیرس آجاؤ لیکن یاد رکھو۔ میں تو بستر پر پڑا رہوں گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں نہیں دیکھ سکوں گی تمہاری آواز تو سن سکوں گی اور تم میری باتیں سن سکو گے۔ اتنی ہی قربت کیا کافی نہیں ہے؟"

میں نے کہا "ٹھیک ہے جیسا تم مناسب سمجھو ویسا کرو، میں تھوڑی دیر کے لیے جا رہا ہوں۔ پھر کسی وقت آؤں گا۔"

میں اس سے رخصت ہو گیا اور دماغی طور پر ڈاکٹر میکی براڈلے کے سامنے حاضر ہو گیا۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ میں مسکراتے ہوئے مرجانہ کے متعلق سوچنے لگا۔ اس کا جذبۂ رقابت بیدار ہو گیا تھا اس نے یہ سننے کے بعد کہ میں سونیا سے ذرا قریب ہونے لگا ہوں اور اس کی بدمزاجی کے باوجود اس کی تعریف کر رہا ہوں تو اس کے دل میں یہ بات آئی کہ ایسے نازک وقت اسے مجھ سے دور نہیں رہنا چاہیے بلکہ سونیا کے مقابل میرے قریب رہنا چاہیے تاکہ سونیا مجھ پر مکمل طور پر حاوی نہ ہو جائے۔ اس کے دعوے کے مطابق عام عورتوں کی طرح اسے مجھ سے محبت نہیں تھی بلکہ دوستی کا بے لوث جذبہ تھا لیکن اس میں بھی رقابت پیدا ہو رہی تھی۔

میں نے اس شخص کی خبر لی جو ہندوستان گیا ہوا تھا اور ہمارے لیے وہ کبیر بیدل اور رگھو سے ملاقات کرنے والا تھا۔ اس کے دماغ میں جھانکنے سے پتہ چلا کہ وہ اسی دن ہندوستان پہنچا ہے اور دوسرے دن دہلی جانے والا ہے۔ اس وقت وہاں رات کے نو بج رہے تھے۔ وہ صبح چھ بجے تک دہلی پہنچنے والا تھا۔

میں واپس آگیا۔ رات کا کھانا میں نے ڈاکٹر میکی براڈلے کے ساتھ کھایا پھر ہسپتال کے اسپیشل وارڈ کے ایک کمرے میں آگیا۔ سونیا نے میرا سامان بھیج دیا تھا۔ میں وہاں تنہا رات گزارنے والا تھا۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر اس کے بعد آرام سے ایک سگریٹ سلگا کر بستر پر لیٹتے ہوئے رسونتی کو یاد کیا۔

رسونتی کے دماغ میں جھانکتے ہی میں ایک دم سے چونک گیا کیونکہ وہ ممی کے ساتھ ایک طیارے میں سفر کر رہی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ لوگ طیارے میں سفر کر رہے

ہوں گے۔ صبح میں نے ان کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تھا لیکن ان سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان کی سوچ پڑھی تھی۔ اگر پڑھ لیتا تو مجھے پتہ چل جاتا کہ ان کا منصوبہ کیا ہے اور وہ کہاں جانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔

میں نے انہیں مخاطب کیے بغیر ان کے دماغوں کو ٹٹولنا شروع کیا۔ یہ معلوم کرکے مزید حیرانی ہوئی کہ وہ دونوں میری ہی طرف آ رہی تھیں یعنی پیرس کا سفر کر رہی تھیں۔ تب میں نے رسونتی کو مخاطب کیا" رسونتی! یہ کیا؟ کیا تم میرے پاس آ رہی ہو؟"

وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ مسکراتے ہوئے سوچ کے ذریعے بولی" ہاں! تمہارے ہی پاس آ رہی ہوں۔"

"مگر کیوں؟ اچانک ہی یہ پروگرام کیسے بنا لیا؟"

"اچانک نہیں بنایا۔ میں اس انتظار میں تھی کہ کسی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں پھر جہاں بھی تم ملو گے وہاں جاؤں گی کیونکہ جہاں میں رہوں گی وہاں تو تم آنے سے رہے۔"

"تمہیں اتنی دور سفر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تم ابھی پوری طرح تندرست نہیں ہو۔"

"ہاں! میں پوری طرح صحت یاب نہیں ہو سکی لیکن ممی کہتی ہیں کہ وہ مجھے سوئٹزرلینڈ لے جائیں گی۔ وہاں کی آب ہوا مجھے راس آئے گی اور میں جلدی صحت مند ہو جاؤں گی۔ پھر یہ کہ تم قریب رہو گے۔"

"میں قریب رہوں گا لیکن مصیبتیں بھی میرے قریب رہتی ہیں۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ اب میں تمہیں کسی مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ پچھلے تجربات شاہد ہیں کہ تم پر کیا گزری اور تم مرتے مرتے بچی ہو۔ اب میں تمہیں کس طرح یہ اجازت دوں کہ تم میرے ساتھ ہنگاموں میں الجھنے کے لیے آؤ۔"

"جو کچھ بھی ہو فرہاد! جب تم نے کہہ دیا ہے کہ مجھ سے محبت کرتے ہو اور میرے بغیر رہنا نہیں چاہتے تو میں تم سے دور کس طرح رہ سکتی ہوں۔ قربت کے بغیر محبت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اگر میری آمد تمہیں ناگوار گزر رہی ہے تو تم مجھ سے کہہ دینا۔ میں پیرس پہنچتے ہی ممی کے ساتھ سوئٹزرلینڈ چلی جاؤں گی۔ میں تمہارے لیے مصیبت نہیں بنوں گی اور نہ ہی تم سے اپنا حق طلب کروں گی۔"

"رسونتی! ایسی باتیں نہ کرو۔ تمہاری آمد مجھے کبھی ناگوار نہیں گزر سکتی۔ میں تو تمہاری بھلائی کے لیے سوچتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے دور رہنا چاہیے۔"

"لیکن دور رہنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے کیا مجھے ساری زندگی ... دور رہنا چاہیے۔ تم ساری زندگی ہنگاموں مصیبتوں سے خطرات سے کھیلتے رہو گے اور میں دور بیٹھی تماشا دیکھتی رہوں گی، اور اسی طرح بوڑھی ہو جاؤں گی اور پھر موت آئے گی تو مر جاؤں گی لیکن تم کبھی نہیں ملو گے۔ کیوں یہی بات ہے نا؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ میں خود نہیں سمجھ سکا ہوں کہ میری منزل کیا ہے؟ کہاں رکنا ہے؟ کس کے پاس ٹھہرنا ہے؟"

"تم کبھی سنجیدگی سے یہ فیصلہ نہیں کر سکو گے۔ ممی کہہ رہی تھیں کہ پلاسٹک سرجری کے دوران تم ایک مہینہ تک پابند ہو گے۔ بستر سے نہ اٹھ سکو گے۔ اس دوران تمہیں تنہائی میں سوچنے سمجھنے کا بہت موقع ملے گا۔ تم کسی دشمن سے نہیں الجھ سکو گے۔ ایسے میں تم سنجیدگی سے اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہو۔ میں نے تمہاری پلاسٹک سرجری کے بارے میں سنا تبھی سے میں نے ممی سے ضد کی کہ ہمیں پیرس چلنا چاہیے۔ میں اس ارادے سے آ رہی ہوں کہ اس ایک مہینے کے دوران تم کوئی ایک فیصلہ کر لو کہ تمہیں کس طرح زندگی گزارنا ہے۔ اگر سونیا کے ساتھ تم رہنا چاہتے ہو تو مجھے خوشی ہو گی یا کوئی اور لڑکی تمہیں پسند آ گئی ہو تو بھی میرے لیے کوئی مایوسی کی بات نہیں ہو گی۔ میں تو تمہاری خوشی چاہتی ہوں۔ میرا کیا ہے میں اپنی زندگی ممی کے ساتھ گزار لوں گی۔"

"یہ بات تم نے بہت اچھی کہہ دی ہے کہ مجھے اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے، سمجھنے اور کوئی ایک فیصلہ کرنے کے لیے ایک ما[illegible] وقت ملے گا۔ اس ایک ماہ میں مجھے کوئی ایک فیصلہ کر لینا چاہیے۔ یہاں سونیا موجود ہے۔ تم آ رہی ہو اور مرجانہ جو کہ میری بہت اچھی دوست ہے وہ بھی یہاں پہنچنا چاہتی ہے۔ ایسے میں مجھے فیصلہ کرنا ہے اور بڑا کٹھن فیصلہ کرنا ہے۔ بہرحال جب وقت کا تقاضہ یہی ہے تو میں کوئی فیصلہ ضرور کر لوں گا۔"

"تم نے ابھی مرجانہ کا ذکر کیا۔ اس کا ذکر تو میں پہلے بھی سن چکی ہوں لیکن یہ بتاؤ کہ کیا اس سے بھی رشتہ جوڑ چکے ہو یعنی تمہارے باقاعدہ مریضوں کی فہرست میں اس کا بھی نام آ چکا ہے؟"

"جس رشتے کے متعلق تم سوچ رہی ہو۔ میرا اس سے ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ وہ فطرتاً مرد ہے۔ پیدائشی طور پر عورت ہے۔ مجھ سے اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ ہم محض دوست بن کر رہیں گے اور مجھے اس کی دوستی بہت عزیز ہے۔"

"اگر وہ محض دوست بن کر رہنا چاہتی ہے یا چاہتا ہے تو مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہنا کیونکہ وہ مریضانِ محبت کی فہرست میں نہیں ہے۔ اب لے دے کر ایک میں اور دوسری سونیا رہ گئی ہیں۔ ہم دونوں کے متعلق کوئی فیصلہ کر لو۔ میں آ رہی ہوں۔"

میں اس سے تھوڑی دیر تک باتیں کرتا رہا۔ پھر ممی سے

بھی کچھ باتیں ہوئیں۔ میں نے ان دونوں کو یہ بات سمجھا دی کہ پیرس پہنچنے کے بعد فوراً ہی مجھ سے رابطہ قائم نہ کریں اور نہ ہی مجھ سے ملنے کی کوشش کریں بلکہ میرا نام تک نہ لیا جائے کیونکہ میں نے سونیا سے اپنے آپ کو چھپایا ہوا ہے۔

ان دونوں کو اچھی طرح یہ باتیں سمجھانے کے بعد میں دماغی طور پر ہسپتال کے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ اب پوزیشن یہ تھی کہ سونیا تو پیرس میں پہلے سے موجود تھی۔ مرجانہ بھی آنا چاہتی تھی۔ رسونتی پہنچنے والی تھی۔ گویا یہ تینوں عورتیں میرا گھیراؤ کرنے والی تھیں۔ یہ بھی درست ہے کہ اب اتنی زندگی گزارنے کے بعد مجھے کوئی ایک فیصلہ کرنا تھا۔ اس کے علاوہ میں کبیر بھیل اور نکھو کو ٹریپ کرکے وہاں لانے والا تھا۔ سائرہ بانو اور مرجانہ کا ایک اور دشمن حشمت بیگ شروع ہی سے پیرس میں موجود تھا۔ گویا کہ سارے دوست اور سارے دشمن ایک ہی مقام پر جمع ہو رہے تھے اور پیرس میدانِ جنگ بننے والا تھا۔

میری سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا کیونکہ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ پھر اس کے بعد ایک نرس کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "مسٹر طارق! ڈاکٹر صاحب کا حکم ہے کہ رات کو دس بجے کے بعد کمرے کی بتی نہیں جلنا چاہیے۔ جس مریض کو نیند نہ آئے اسے نیند کی دوا دی جائے۔ کیا تم نیند کی دوا کھانا پسند کرو گے؟"

میں نے جواب دیا" مجھے ابھی نیند آ جائے گی۔ میں بتی بجھا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے سگریٹ کو بجھا کر ایش ٹرے میں ڈالا پھر بتی بجھا دی۔ بستر پر آرام سے لیٹ کر اپنے دماغ کو ہدایات دینے لگا۔ مجھے صبح پانچ بجے تک گہری نیند آئے اور میں آرام سے سوتا رہوں۔ اگر کوئی کمرے میں داخل ہونا چاہے تو میری آنکھ کھل جائے۔ یہ ہدایات دینے کے بعد میں آنکھیں بند کرکے سو گیا۔

میں بڑے مزے سے سوتا رہا۔ کیونکہ دماغ کو ہدایات دینے کے بعد کسی بھی خطرے کا خوف نہیں رہتا تھا۔ یہ یقین رہتا تھا کہ میرا دماغ مجھے عین وقت پر بیدار کر دے گا۔ پھر یہی ہوا کہ اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا تو کچھ نظر نہیں آیا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ میں نے اندازے سے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ کے سوئچ کو آن کیا۔ کلک کی آواز آئی لیکن بلب روشن نہ ہوا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ یا تو مین سوئچ آف تھا یا بجلی گئی ہوئی تھی۔

میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری آنکھ کھلنے کی کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔ میں نے دماغ کو یہی ہدایت دی تھی کہ میرے کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی آئے تو میری آنکھ کھل جائے اور میرے دماغ نے یہی کیا تھا۔ میں پہلے بھی آزما چکا تھا جو ہدایات میں دیتا تھا میرا دماغ اسی پر عمل کرتا تھا لیکن کمرے میں کون داخل ہوا ہے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اتنی گہری تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ صرف میری رسٹ واچ کا ریڈیم ڈائل چمک رہا تھا اور پتہ چل رہا تھا کہ رات کے دو بجے ہیں۔

میں بستر سے اتر کر فرش پر آ گیا۔ پھر میں نے دھیرے سے پوچھا" کمرے میں کون ہے؟"

جواب میں اچانک ہی میرے منہ پر گھونسہ پڑا اور میں لڑکھڑا کر پیچھے چلا گیا۔ مجھ پر جھلاہٹ طاری ہو گئی۔ میں نے دونوں ہاتھ بڑھا کر ادھر ادھر ٹٹولا اندازے کے مطابق اس طرف بڑھنے لگا جدھر سے گھونسہ پڑا تھا لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہی پیچھے سے کمر پر ایک لات پڑی اور میں لڑکھڑاتا ہوا آگے جا کر بستر پر گر گیا۔ فوراً ہی میں نے بستر سے اٹھ کر اور پلٹ کر ادھر کا رخ کیا جدھر سے کمر پر لات ماری گئی تھی۔ میں تیزی سے ادھر بڑھتا گیا تھا لیکن اندازہ نہیں تھا کہ مجھے کتنی دور تک جانا ہے۔ میں وہاں رکھی ہوئی کرسیوں سے ٹکرا سکتا تھا۔ میں چند قدم کے بعد رک گیا۔ مجھے کوئی نہ ملا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اندھیرا مجھ سے لڑ رہا ہے۔

مجھے اس بات پر حیرانی نہیں تھی کہ لڑنے والے کو اتنی گہری تاریکی میں کیسے نظر آ رہا ہے کیونکہ اندھیرے میں ایسی لڑائیاں میں پہلے بھی لڑ چکا تھا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں پر اینٹی ڈارک آئی لینس چڑھا لیا تھا۔ یہ ایسا آئی لینس ہوتا ہے کہ گہری تاریکی میں سب کچھ نظر آنے لگتا ہے۔ اس آئی لینس کی بدولت تاریکی چھٹ جاتی ہے اور روشنی کی شعاعیں کچھ اس طرح پھوٹتی ہیں کہ آئی لینس پہننے والے کو اندھیرے میں نظر آنے لگتا ہے۔ میرا دشمن جو کوئی بھی تھا اس نے وہی آئی لینس پہن رکھا تھا۔ میں نے پھر آگے بڑھنے کے لیے ایک ہاتھ آگے بڑھایا تو کسی نے ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ اس کے ساتھ ہی میرے منہ پر ایک گھونسہ پڑا۔ میں پھر لڑکھڑا گیا۔

اس بار میں نے دانت پیسنے کے بعد تقریباً چیختے ہوئے کہا "کون ہے۔ اگر مجھ سے مقابلہ کرنا ہے تو روشنی میں آؤ یا پھر مجھے بھی ایک اینٹی ڈارک آئی لینس پہن لینے دو۔ تاکہ میں تمہیں بتاؤں کہ میں کیا ہوں؟"

جواب میں کسی کی آواز سنائی دی" ہاں۔ تم نے ٹھیک سمجھا۔ اس وقت میں اینٹی ڈارک آئی لینس پہنے ہوئے ہوں اور مجھے تم صاف طور پر نظر آ رہے ہو۔ میں تمہیں آواز دیتا ہوں

تم آواز کی سمت حملہ کر سکتے ہو۔"

اس کی باتیں سنتے ہی میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اب کی بار اس نے جیسے ہی مجھ پر حملہ کیا میں نے اس کے حملے کو روک لیا۔ کیونکہ مجھے پتہ چل رہا تھا کہ وہ کدھر سے آرہا ہے اور کس ہاتھ سے حملہ کرنے والا ہے اور کس ہاتھ سے اپنا بچاؤ کرنے والا ہے۔ اب اس کا دماغ چغلی کھا رہا تھا اور میں سمجھ کر لڑتا جا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں میں نے مار مار کر اس کا حلیہ خراب کر دیا۔

اندھیرے میں اچانک ہی سونیا کی آواز ابھری "اب بس بھی کرو۔ اس بے چارے کو یہ نہیں معلوم ہے کہ تم نے اس گہری تاریکی میں ٹیلی پیتھی کی شمع روشن کر لی ہے۔"

سونیا کی آواز سنتے ہی میں ٹھٹھک گیا تھا اور اندھیرے میں آواز کی سمت دیکھ رہا تھا۔ اب ادھر سے آواز آرہی تھی۔ "ہیلو ہیلو سونیا اسپیکنگ، مین سوئچ آن کر دو۔"

اس کا حکم سنتے ہی ذرا سی دیر میں کمرہ روشن ہو گیا۔ میں نے پلکیں جھپک جھپک کر دیکھا تو ایک طرف سونیا دیوار سے لگی کھڑی تھی اور اس کی آنکھوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اس نے بھی اینٹی ڈارک کی آئی لینس پہنا ہوا ہے۔ دوسرا شخص کرسی پر بیٹھا تکلیف سے کراہ رہا تھا اور مجھے رحم طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سونیا نے اسے باہر جانے کا حکم دیا تو وہ کسی طرح اٹھ کر ڈگمگاتے ہوئے باہر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد سونیا نے کہا "فرہاد! میں نے تمہارے ساتھ بے تحاشا وقت گزارا ہے۔ میں تمہارے سونے جاگنے کے انداز کو خوب سمجھتی ہوں اور یہ اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم سونے سے پہلے اپنے دماغ کو کیسی ہدایات دیتے ہو اور پھر کس طرح گھوڑے بیچ کر سو جاتے ہو۔ سونے کے بعد تمہیں کسی قسم کا خطرہ یا خوف نہیں رہتا کیونکہ تم جانتے ہو کہ کوئی بھی تمہارے کمرے میں داخل ہو گا تو تمہاری آنکھ کھل جائے گی۔ میں یہی دیکھنا چاہتی تھی کہ میں اگر اپنے ماتحت کے ساتھ طارق محمود کے کمرے میں داخل ہوں گی تو کیا اس کی آنکھ کھلے گی؟ اگر اتنی گہری نیند میں کھلے گی تو پھر وہ طارق محمود نہیں فرہاد ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ کیا طارق محمود گہری نیند نہیں سو سکتا؟ کیا وہ ہلکی سی آہٹ پر اٹھ نہیں سکتا؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا "ذرا ہمارے پیروں کی طرف دیکھو۔ ہم نے ربڑ سول کے جوتے پہنے ہوئے تھے اور اتنی آہستگی سے دروازے کے لاک کو کھولا تھا کہ ہلکی سی آواز بھی اندھیرے میں نہیں ابھری تھی۔ کوئی اس طرح بیدار نہیں ہو سکتا تھا جس طرح تم ہوئے ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ دونوں آنکھوں پر رکھے پھر سر جھکا کر اپنی آنکھوں سے اینٹی ڈارک آئی لینس نکالنے لگی۔ انہیں نکالنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر کہا "چلو میں مان لیتی ہوں کہ تم طارق ہو اور اتفاقاً تمہاری آنکھ کھل گئی تھی لیکن اندھیرے میں جب تک میرا ماتحت تم پر خاموشی سے حملہ کرتا رہا، تم مار کھاتے رہے کیونکہ تم جوابی حملہ اندھیرے میں کر نہیں سکتے تھے، تمہاری آنکھوں میں اینٹی ڈارک آئی لینس نہیں تھا۔ لیکن جب اس نے اپنی آواز سنائی، تمہاری باتوں کے جواب میں باتیں کیں تو تم اس کے دماغ میں پہنچ گئے۔ پھر تو تمہیں ٹیلی پیتھی کی روشنی مل گئی تھی اور تم اس کے ہر حملے کو سمجھنے لگے اپنا دفاع کرنے اور اس کی پوزیشن اندھیرے میں معلوم کر کے اس پر حملہ کرنے لگے۔ بے چارے کو بے دم کر کے رکھ دیا۔ کیا اندھیرے میں طارق محمود یا دنیا کا کوئی بھی شخص اس طرح لڑ سکتا ہے؟"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "سونیا! تم بہت کمینی ہو۔"

میں نے خود کو آکاش کا دیوتا بنایا ہوا تھا جس کو کوئی نہیں چھو سکتا تھا۔ کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ سونیا ایک ایسی زمین تھی جس نے ذہانت کے افق پر جا کر اس دیوتا کو چھو لیا تھا۔ اگر میں سونیا کے پیچھے بھاگتا ہوں، ہزار اختلاف کے باوجود اسے اپنانا چاہتا ہوں۔ اگر میں اس کی تعریفیں کرتا ہوں تو اس کی یہی وجہ ہے۔ اس نے بار ہا اپنی ذہانت سے اپنی صلاحیتوں سے مجھے متاثر کیا ہے۔ بس یہی ایک عورت ہے جو مجھے جبراً جیت لیتی ہے۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات
ساتویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں